اردو ترجمہ
الفقہ الاسلامی وادلتہ
دور حاضر کے فقہی مسائل، ادلہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہا کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دور جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے
www.KitaboSunnat.com
مؤلف
الاستاذ الدکتور وهبة الزحیلی
رکن مجمع الفقہ الاسلامی
دارالاشاعت
اردو بازار کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاسلامیُ وَأدِلَّتُہُ

دور حاضر کے فقہی مسائل، ادلہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہائ کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دور جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے

حصہ ششم

بابُ العقود

مؤلف

الاستاذ الدکتور وھبۃ الزحیلی رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مُترجم

مولانا محمد یوسف تنولی

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

دار الاشاعت
اردو بازار، کراچی

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ستمبر ۲۰۱۲ء علمی گرافکس

ضخامت : تقریباً 4800 صفحات مکمل سیٹ

www.darulishaat.com.pk

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم اردو بازار کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

اصطلاحات

کفالۃ.....کسی شخص سے جو مطالبہ متعلق ہو کسی اور شخص کا اس مطالبہ کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کر لینا کہ اصل شخص نے ادا نہیں کیا تو وہ اسے ادا کر دے گا۔

مکفول عنہ.....جن کے ذمہ دین ہو اس کو اصل یا مکفول عنہ کہتے ہیں۔

کفیل.....جو اس ذمہ داری میں شریک ہوتا ہے اور ضامن ہوتا ہے وہ کفیل ہے۔

مکفول لہ.....جس کا دین باقی ہے اس کو مکفول لہ کہتے ہیں یعنی مدیون۔

مکفول بہ.....دَین کو مکفول بہ کہتے ہیں۔

حوالہ.....وہ معاملہ جس میں دین، اصل مدیون سے ادائیگی کا ذمہ قبول کرنے والے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

محیل.....قرض خواہ دائن کو محیل کہا جاتا ہے۔

محال علیہ.....جس پر دین کی ادائیگی کی ذمہ داری ڈالی جائے۔

محال لہ.....مقروض، مدیون۔

رہن.....اپنے حق کے عوض ایسے مال کو بطور وثیقہ گروی رکھنا کہ اس مال یا اس کی قیمت سے اپنا حق وصول کیا جا سکتا ہو۔

راہن.....قرض دینے والا جس نے کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھ کر قرضہ دیا ہو۔

مرتہن.....رہن رکھنے والا۔

مرہون.....وہ چیز جو بطور رہن رکھی جائے

صلح.....ایسا معاملہ جس کے ذریعہ باہمی رضامندی سے نزاع ختم کر لیا جائے۔

مصالح عندہ.....عقد صلح کا محل جس پر نزاع کا دارومدار ہو مثلاً قتل، زمین، مکان۔

مصالح علیہ.....صلح میں دیا جانے والا مال جس کے لینے اور دینے پر دونوں متصالحین کا اتفاق ہو جائے۔

متصالح.....صلح کرنے والا۔

ابراء.....کسی مالی حق سے دوسرے کو بری الذمہ کر دینا۔

استحقاق.....دوسرے کے مال مثلاً زمین، مکان، جانور میں کسی اور کا حق نکل آنا۔

مقاصہ.....دو اشخاص کا ایک دوسرے پر کچھ مطالبہ ہو اور وہ دونوں اپنی ذمہ داری کے بدلے اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں۔

اکراہ.....کسی پر جبر و زبردستی کرنا۔

حجر.....نااہل شخص یا بچے پر پابندی لگا دینا۔

محجور علیہ.....جس شخص پر پابندی لگا دی گئی ہو۔

معتوہ.....کم عقل فاتر العقل۔

سفیہ.....بے وقوف جو نفع ونقصان میں فرق نہ کر سکتا ہو۔

ملکیت.....انسان اور مال کے درمیان ایسا تعلق جو شریعت نے مقرر کر رکھا ہو اور انسان اس تعلق میں مخصوص ہو اور اپنی مرضی کے مطابق اس مال میں تصرف کر سکتا ہو۔

احیاء الاموات.....بنجر زمین کو آباد کرنا۔

محیی.....بنجر زمین آباد کرنے والا۔

ارضِ محیاۃ..... آباد کی گئی زمین۔

حریم.....وہ قریبی جگہیں جو کسی شخص سے پورا نفع اٹھانے کیلئے مطلوب ہوں جیسے کنواں اور نہر وغیرہ کا حریم (کنویں کے آس پاس کا علاقہ)

ارتفاق.....ایک شخص کی زمین ومکان میں دوسرے شخص کے زمین ومکان سے متعلق نفع اٹھانے کا حق ،حق ارتفاق کہلاتا ہے۔

حق شرب.....زمین وغیرہ کی سیرابی کے لئے پانی کا حصہ اور حق۔

حق شفعہ.....پانی پینے کا حق۔

حق مجریٰ..... پانی کی نالی گزارنے کا حق۔

حق مسیل.....کھیت میں نالی کے ذریعہ پانی لانے کا حق۔

حق مرور.....گزرگاہ کا حق۔

حق تعلی..... بالائی منزل کے منافع کا حق۔

حق جوار.....پڑوس کا حق۔

مزارعت.....زمین کو بٹائی پر دینا۔

مساقاۃ.....باغ کو بٹائی پر دینا۔

قسیمت ..... مستحقین کے درمیان مشترکہ چیز کو تقسیم کرنا۔

مہایاۃ.....کسی چیز سے باری باری نفع اٹھانا جن اشیاء میں دو آدمی شریک ہوں اور ان کی قطعی تقسیم ممکن نہ ہو ان میں مہایاۃ سے کام لیا جاتا ہے۔

غصب ..... مالک کی اجازت کے بغیر جبراً مال لے لینا جبکہ شریعت کی نظر میں یہ مال لینے والے کے لئے قابل احترام اور لائق قیمت ہو۔

غاصب..... جبراً مال لینے والا۔

مغصوب..... غصب کیا گیا مال۔

لقطہ ..... گری پڑی چیز۔

لقیط ..... گرا پڑا لاوارث بچہ۔

ملتقط ..... گری پڑی چیز اٹھانے والا۔

شفعہ ..... وہ حق جس کے ذریعہ شرکت اور جوار کی بنیاد پر بمقابلہ خریدار کے اسی قیمت میں وہ مال غیر منقولہ کا مالک بن سکتا ہے۔

شفیع..... شفعہ کرنے والا۔

مشفوع فیہ.....وہ چیز (زمین، مکان) جس پر شفعہ کا دارومدار ہو۔

خلیط.....شریک۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کفالۃ، حوالہ اور رہن تصدیق وثبوت نامہ کے معاملات ہیں جن کی ہم یہاں تبعاً بحث کریں گے۔

موضوع کی علامت اور کفالۃ کے نام...... کفالہ کے مندرجہ ذیل نام ہیں۔

کفالۃ حمالۃ، ضمانۃ زعامۃ اس کا التزام کرنے والے کو ضمین، کفیل، قبیل، حمیل، زعیم اور صبیر بھی کہا جاتا ہے۔ ماوردی جو اکابر شافعیہ میں سے ہیں ان کا قول ہے: البتہ عرف میں یہ مشہور ہے کہ ضمین اموال میں، حمیل دیات میں، زعیم اموال عظیمہ میں، کفیل نفوس میں اور صبیر کا استعمال سب میں ہے۔

اس عقد کے بارے میں مندرجہ ذیل پانچ مباحث میں گفتگو ہوگی:

بحث اول	...	کفالۃ کی شرعی حیثیت اس کی تعریف، رکن اور اس کے الفاظ
بحث ثانی	......	کفالۃ صحیح ہونے کی شرائط
بحث ثالث	......	کفالۃ کے احکام
بحث رابع	....	کفالۃ کے ختم ہونے کا بیان
بحث خامس	....	اصل (مکفول عنہ) پر کفیل کا تقاضا کرنا

بحث اول...... کفالۃ کی مشروعیت، تعریف، رکن اور اس کے الفاظ:

کفالۃ کی مشروعیت...... فی الجملۃ کفالۃ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع سے شرعاً ثابت ہے قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: زعیم یہاں کفیل کے معنی میں ہے۔

حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے **زعیم غارم** (ذمہ دار) ہے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور حسن کہا ہے ابن حبان نے اسے صحیح ❶ لکھا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تا کہ آپ جنازہ پڑھائیں آپ نے پوچھا: اس نے کوئی ترکہ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے بتایا: نہیں! آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس کے ذمہ کوئی قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کی ہاں جی! دو دینار ہیں۔ ❷

آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فوراً بول اٹھے۔ اللہ کے رسول یہ دونوں دینار میرے ذمہ ہیں چنانچہ

---

❶ تین صحابہ ابوامامہ الباہلی انس بن مالک اور عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت مروی ہے اس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے (دیکھیں جامع الترمذی ۶ ۲۹۵ ط حمص) ❷ ایک روایت میں تین دینار ہیں۔

آپ علیہ السلام نے جنازہ پڑھایا۔ ❶

اجماع سے ثبوت......مسلمانوں کا ضمانت کے جواز پر اتفاق ہے کہ تاکہ ❷ مدیون سے ضرر دور ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت بھی رہتی ہے۔ اختلاف ہے تو بعض ضمنی مسائل میں جن کا ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے اور اس لحاظ سے کہ کفالت اچھی نیت کے ساتھ عبادت بن جائے گی جس کے کرنے والے کو ثواب ملے گا۔ رہی حقیقت میں اس کی حیثیت تو ابتداء میں ملامت سننا پڑتی ہے درمیان میں ندامت وپشیمانی ہوتی ہے اور آخر میں ذمہ داری ہے ❸ کفالت مکمل ہو چکنے کے بعد خود کفیل اپنے آپ کو یا لوگ اسے ملامت کرتے ہیں اور مطالبہ کے وقت اپنا مال ضائع کرنے پر پشیمانی ہوتی ہے اس کے بعد مال کی چٹی دینی پڑتی ہے۔

کفالت کی تعریف......احناف وحنابلہ کی کتابوں میں ہے کہ کفالۃ لغۃً ملانے کو کہتے ہیں جبکہ شافعیہ کی کتب میں ہے: اس کا معنی ہے چمٹنا، لازم ہونا۔ اصح قول کے مطابق احناف کے ہاں اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: مطلقا مطالبہ میں ایک ذمہ داری کو دوسری ذمہ داری کے ساتھ ملانا یعنی نفس یا قرض یا کسی چیز کے مطالبہ میں مدیون کی ذمہ داری کے ساتھ کفیل کی ذمہ داری ملانا جیسے کوئی چیز غصب ہوگئی وغیرہ لہٰذا کفیل کی ذمہ داری میں قرض ثابت نہیں ہوگا اور نہ اصیل سے ساقط ہوگا۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا قول ہے: کفالۃ: ضامن کے ذمہ کو جس کی ضمانت لی گئی ہو اس لئے ساتھ ملانا جس کی وجہ سے کوئی حق لازم ہو رہا ہے یعنی قرض میں: یوں ان دونوں کے ذمہ میں قرض ثابت ہو جائے گا۔ جیسا المغنی لابن قدامۃ حنبلی میں ہے۔ ❹

یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرض کے بعد کفیل کے ذمہ میں ثابت ہو جانے سے یہ ضروری نہیں کہ اگرچہ وہ اصل کے ذمہ میں باقی رہتا ہے اس پر حقدار کا زیادہ حق ثابت ہو جائے کیونکہ قرض اگرچہ کفیل کے ذمہ میں ثابت ہو جائے تو حقدار کے لیے یہ حق نہیں کہ وہ ایک حق سے زیادہ وصول کرے کفیل سے یا اصیل سے اسی طرح یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس کا کوئی مانع نہیں کہ ایک ذمہ سے زیادہ میں قرض کا ثبوت ہو اس واسطے کہ قرض شرعی اعتبارات میں سے ایک فرضی چیز ہے لہٰذا ایک شے دو ذموں میں فرض کی جاسکتی ہے ممنوع ہے تو ایک چیز کا دو حقیقی ظرفوں میں ثابت ہونا۔

کفیل کے ذمہ میں قرض کے ثبوت کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ کفیل کو قرض کا ہبہ کرے تو ہبہ صحیح ہے اور کفیل اصیل سے قرض کا تقاضا کرے گا باوجودیکہ قرض کا ہبہ اس غیر کو کرنا جس پر قرض ہے جائز نہیں۔ اسی طرح حقدار کے لئے صحیح ہے کہ وہ کفیل سے اپنے قرض کے عوض کوئی چیز خریدے باوجودیکہ جس پر قرض ہو اس کے علاوہ قرض کے بدلہ میں خریداری صحیح نہیں۔ احناف کی اپنے مسلک پر یہ دلیل ہے: قرض کا اگرچہ شرعاً دو ذموں میں فرض کرنا ممکن ہے لیکن ہر ممکن موجب (واجب کرنے والے) کے بغیر ثابت الحکم نہیں ہوتا۔ اور یہاں کوئی موجب نہیں اس واسطے کہ قرض کی ذمہ داری مطالبہ کے حق کے ثابت ہونے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ ہبہ وغیرہ کے صحیح ہونے کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ انہوں نے صاحب حق کے تصرف کی ضرورت کی بنا پر ایک قرض کو دو قرضوں کے حکم میں قرار دیا ہے۔ ❺

---

❶......بخاری، مسند احمد، نسائی اور ابن حبان میں بحوالہ سلمہ بن اکوع مروی ہے کہ امام احمد اور اصحاب السنن نے ماسوائے ابوداؤد یہ قصہ حدیث ابی قتادۃ سے روایت کیا ہے ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے اس میں نسائی اور ابن ماجہ فرماتے ہیں: تو ابوقتادۃ نے کہا: میں اس کا ضامن ہوں تو یہ انشاء میں صریح ہے اس میں گزشتہ کی خبر دینے کا احتمال نہیں ہے نیز یہ قصہ امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، دارقطنی اور حاکم نے بحوالہ جابر بن عبداللہ نقل کتاب قصہ کے موضوع میں دار قطنی اور بیہقی نے ضعیف سندوں سے ابوسعید خدری کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ اسی موضوع میں بزار کی ایک روایت ہے جس کے رجال صحیح ہیں جو ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور واقعہ یوں ہے کہ قرض دو درہم تھے اور ضامن حضرت علی رضی اللہ عنہ بنے تھے یہ روایت ضعیف ہے۔ جیسا ابن حجر نے (التلخیص الحبیر ص ۲۵۰ مجمع الزوائد ۴/۱۲۷ سبل السلام ۳/۶۲ نیل الاوطار ۵/۲۳۷ ومابعدھا) ❷ سبل السلام ۳/۶۲، المبسوط ۱۹/۱۶۰، مغنی المحتاج ۲/۱۹۸ المغنی ۴/۵۳۴۔ ❸ قفال شافعی کے کسی شاگرد کا قول ہے کہ تورات میں لکھا ہے کہ کفالت کی ابتدا بری ہے۔ اس کی درمیانی ندامت اور آخرت میں ذمہ داری ہے۔ ❹ سابقہ حوالہ جات ❺ الشرح الکبیر ۳/۳۲۹ مغنی المحتاج ۲/۱۹۸ المغنی ۴/۵۳۴

احناف کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جیسے مال کی کفالت صحیح ہے ایسے ہی جان کی کفالت بھی صحیح ہے باوجودیکہ اس میں قرض نہیں ہوتا، جان کی کفالت کی ذمہ داری میں جس کی کفالت کی ذمہ داری لی ہے اسے حاضر کرنا ضروری ہے کفالت جیسے قرض کی بناء پر صحیح ہے ایسے ہی ان چیزوں کی بناء پر بھی صحیح ہے جن کی ضمانت لی جاتی ہے۔ کفالت کی وہ تعریف جس میں مطالبے کے حق کے ثبوت کا فائدہ ہو وہ ان تمام اقسام کے شامل ہونے کی وجہ سے ہے اس کے برخلاف اگر ہم اس کا مفہوم قرض میں ملانے کے ساتھ تک ہی محدود رکھیں تو اس سے مال کی کفالت ہی مراد لی جائے گی خلاصہ یہ ہوا کفالت کی تعریف مطالبہ میں ملانے سے کرنا عام ہے کیونکہ یہ کفالت کی اقسام کو شامل ہے جو مال جان اور چیزوں کی کفالت پر مشتمل ہے یہی مطلب ہے کہ یہ تعریف زیادہ صحیح ہے۔

اور جس نے کفالت کی تعریف قرض میں ملانے سے کی ہے تو اس کی مراد کسی ایک قسم کی تعریف ہے جو مال کی کفالت ہے رہی دوسری دو قسمیں تو ان دونوں پر اتفاق ہے کہ ان سے کفالت مطالبہ والی کفالت ہے یوں احناف کی تصحیح تعریف کے لیے ہوگی جسے انہوں نے اس زاویہ سے ہی مقبول وپسند کیا ہے اور وہ اس کا کفالت کی تینوں قسموں کو عام اور شامل ہونا ہے۔ رہی کفالت کے احکام کی نسبت کے واقع ہونے کی حیثیت سے تو ابن عابدین نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اصل کے ذمہ میں قرض کے باقی رہنے کے باوجود کفیل کے ذمہ میں قرض ثابت ہوتا ہے۔ جس کی دلیل قرض کا ہبہ کرنا اور اس سے کوئی چیز خریدنے کا جواز ہے جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے اسی طرح قرض کو دو ذموں میں فرض کرنا ممکن ہے۔ جس کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے لہٰذا اگر کفالت صرف مطالبہ میں ملانے کا نام ہوتا اس میں قرض لازم نہ ہوتا تو کفیل کے ترکہ سے مال نہ لیا جاتا کیونکہ اس کے مرنے کی وجہ سے اس سے مطالبہ ساقط ہو گیا جیسے جان کا کفیل ہوتا ہے، باوجودیکہ اس کے بارے میں یہاں تک کہ احناف کے ہاں بھی یہ صراحت ہے کہ کفیل کے مرنے سے مال جائز ہو جاتا ہے جو اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا جس کی دلیل یہ ہے کہ ایک کفیل دوسرے کفیل کا اس مال کے ذریعہ کفیل بن سکتا ہے جس کی ذمہ داری اس نے لی ہے دونوں تعریفوں میں اختلاف کا ثمرہ یوں ظاہر ہوگا کہ کفیل قسم کھالے کہ اس کے ذمہ کوئی قرض نہیں تو وہ ہماری اس بات سے حانث (قسم توڑنے والا) ہو جائے گا کہ کفالت کا مطلب ایک ذمہ کے ساتھ دوسرے ذمہ کو قرض میں ملانا ہے''۔

اور یوں کہنے سے حانث نہیں ہوگا، کہ کفالت مطالبہ میں ملانے کا نام ہے۔ (1)

کفالۃ کا رکن...... امام ابوحنیفہ اور امام محمد (طرفین) کے نزدیک کفالۃ کا رکن ایجاب وقبول ہے یعنی کفیل کی جانب سے ایجاب اور دائن (قرض خواہ) کی جانب سے قبول (2) ابویوسف اور جمہور فقہاء کا قول ہے: کفالۃ کا رکن صرف ایجاب ہے قبول اس کا رکن نہیں۔ اس بنا پر اکیلے کفیل کی کفالت مال کی ہو یا جان کی مکمل ہو جاتی ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک مکفول لہ یعنی قرض خواہ کا قبول کرنا شرط نہیں اور نہ اس کی رضامندی ضروری ہے کیونکہ حضرت ابوقتادہ کی سابقہ حدیث میں قبول سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ اس واسطے کہ ابوقتادہ کے صرف اتنا کہہ دینے سے کفالہ مکمل ہو گئی کہ وہ دونوں درہم میرے ذمہ ہیں اللہ کے رسول! پھر آپ نے اس شخص کی نماز جنازہ پڑھائی یہ بات منقول نہیں کہ قرض خواہ نے قبول کیا تھا اس لیے بھی کہ کفالۃ لغۃ ملانے کو کہتے ہیں۔ اور جو مطالبہ اصل پر ہے اس کا التزام یہ شرعاً ہے التزام اور ملانے کا مفہوم کفیل کے ایجاب سے پورا ہو جاتا ہے یوں یہ نذر کی طرح ہو گیا (3) طرفین فرماتے ہیں: مکفول کی رضامندی ضروری ہے۔ جس کی وضاحت کفالۃ کی شروط میں بیان ہوگی۔

جہاں تک مکفول عنہ یعنی اصیل کی رضامندی کا تعلق ہے تو فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ شرط نہیں اس لئے کہ دوسرے کا قرضہ اتارنا اس کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے لہٰذا اس کا التزام کرنا زیادہ بہتر ہے نیز سوائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سب کا اتفاق ہے کہ میت کا

---

(1) ردالمحتار علی الدرالمختار (۴/ ۲۶۱) (2) فتح القدیر: ۵/ ۳۹۰ البدائع ۶/ ۲ الدرالمختار المراجع السابق مجمع الضمانات ص ۲۷۵۔ (3) مغنی المحتاج (۲/ ۲۰۰) المھذب (۱/ ۳۴۰، المغنی (۵/ ۵۳۵)

ضامن بننا صحیح ہے اگر چہ اس نے اپنا قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہ چھوڑا یعنی وہ نادار ہو۔

جمہور کے نزدیک کفالۃ یا ضمانت کے ارکان چار بنتے ہیں۔ ❶

ضمانت لینے والا (اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کا اپنے مال میں تصرف واختیار ہو لہٰذا بچے اور بے وقوف کی ضمانت صحیح نہیں) مضمون جس چیز کی ضمانت لی (اس سے مراد ہر وہ حق ہے جس میں نیابت درست ہے جیسے قرض) جس چیز کی ضمانت لی۔ یہ اموال میں ہوتی ہے حدود اور قصاص میں نہیں کیونکہ ان میں نیابت (نائب وقائم مقام) بننا صحیح نہیں۔ مضمون عنہ (اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس سے مال کا مطالبہ ہو خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ (ایجاب) کا لفظ شافعیہ نے پانچواں رکن بھی بڑھایا ہے اور وہ مضمون لہ (یعنی حقدار) ہے۔

کفالت کے الفاظ...... معین لفظ سے کفالۃ منعقد ہو جاتی ہے احناف اور شافعیہ کے ہاں اس کے الفاظ یہ ہیں: صریح (واضح) کنایۃ (اشارۃً) ہر ایسا لفظ جس سے عرف ورواج میں ذمہ داری کا پتہ چلے ❷ صریح: مثلاً کفیل کہے: جو کچھ اس کے ذمہ ہے میں اس کا کفیل یا ذمہ دار بنتا ہوں یا میں زعیم قبیل یا حمیل ہوں یا وہ مری طرف یا مجھ پر یا تیرا مطالبہ میرے پاس یا تیرے لیے میری جانب سے یا مجھ پر لازم ہے کہ میں تمہیں پورا حق ادا کروں یا مجھ پر ضروری ہے کہ میں اس کے ساتھ تجھ سے ملوں یا اسے میرے سپرد سمجھ۔

کنایہ: مثلاً یوں کہے فلاں سے سروکار نہ رکھو جو قرض اس پر تھا وہ میرے پاس ہے یا فلاں کا قرضہ میری طرف ہے یا میں فلاں کا ضامن ہوں یا فلاں کی ضمانت میرے ذمہ ہے اگر اس کی نیت مال یا بدن کی ہو تو لازم ورنہ لغو ہے جب اس نے یوں کہا: فلاں کے لیے میرے پاس اتنا ہے اس سے امانت یا ذمہ میں کسی چیز کا ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ پاس (عند) کے لفظ سے کسی چیز کے قریب یا حاضر ہونے کا فائدہ ہوتا ہے جو سابقہ دونوں معنوں میں موجود ہے تو جب اس نے مطلق لفظ کہا تو اس سے اس پاس رکھی امانت سمجھی جائے گی اور قرض کی علامت کے وقت جو چیز ذمہ میں بنتی ہے وہی سمجھی جائے گی یعنی میرے ذمہ میں۔ اس واسطے کہ قرض کا احتمال صرف ذمہ داری سے ہو سکتا ہے۔

کفالت کی دو قسمیں...... جان کی کفالت اور مال کی کفالت، جان کی کفالت اس وقت منعقد ہوگی جب کفیل یوں کہے: میں فلاں کی جان، یا اس کی گردن یا اس کی روح یا اس کے جسم یا اس کے سر یا اس کے بدن کا ضامن ہوں اسی طرح اگر یوں کہے: اس کے آدھے یا تہائی یا اس کے ایک حصہ کا ضامن ہوں تب بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ فقہی قاعدہ ہے جو چیز اجزاء میں تقسیم نہیں ہو سکتی اس کے ایک حصے کا ذکر ایسا ہی ہے جیسے پوری کا ذکر لہٰذا وہ پورے کا کفیل ہوگا اس واسطے کہ انسان ایسی چیز ❸ ہے جو اجزاء میں نہیں بٹ سکتی (مراد زندہ انسان ہے) اس کے برخلاف مثلاً کوئی کہتا ہے: فلاں کے ہاتھ یا پاؤں کا ضامن ہوں۔ اسی طرح جب وہ کہتا ہے میں اس کا ضامن ہوں یا کہا وہ میرے ذمہ ہے یا کہا: میں اس کا ضامن ہوں یا قبیل ہوں تو کفالت منعقد ہو جائے گی بخلاف اس کے کہ وہ کہتا ہے میں فلاں کی معرفت کا ضامن ہوں۔

کفالۃ کے رکن کی حالتیں...... کفالت پر اتفاق ہوتے ہوئے یا تو وہ مطلق ہوگی یا کسی وصف سے مقید یا کسی شرط سے معلق یا کسی وقت کی طرف منسوب ہوگی ❹ اگر کفالت مطلق ہو تو ان شرائط کے ساتھ جنہیں ہم ذکر کریں گے کفالت جائز ہے صرف وہ قرض کی صفت سے موصوف ہوگی۔ پھر اگر وہ قرض فوری ہو تو کفالت بھی فوری ہوگی اور اگر کفالت مؤجل (تاخیر سے) ہو کفالۃ بھی مؤجل ہوگی اور اگر کفالت مقید ہو تو یا وصف تاخیر وتاجیل سے موصوف گی یا فوری کے وصف سے پھر اگر وہ مقرر وقت تک مثلاً مہینہ یا سال کے لئے مؤخر ہو، تو جائز ہے اور یہ

❶ .. القوانين الفقهية ص ٣٢٥، مغنى المحتاج ١٩٨/٢ غاية المنتهى ١٠٤/٢ ۔ ❷ فتح القدير (٢٩٢/٥) البدائع المرجع السابق الدر المختار (٢٦٤/٤) مجمع الضمانات ص ٢٦٥ مغنى المحتاج المرجع السابق ص ٢٠٦ حاشية قليوبى وعميرة ٣٣٠/٢
❸ تفصیل کے لیے دیکھیں فتح القدیر (۵/ ۴۰۴۔ ۴۱۱) البدائع (۶ / ۳) ❹ اسی کی مثال ہے کہ جیسے کوئی اپنی بیوی کو آدھی یا چوتھائی طلاق دیتا ہے تو اسے مکمل رجعی طلاق ہوگی کیونکہ طلاق کے اجزا نہیں ہوتے۔ بخلاف مال کی کفالت کے اگر وہ آدھے یا چوتھائی قرضے کا کفیل بن جاتا ہے تو زیادہ کا کفیل نہیں ہوگا کیونکہ اس کے اجزا ہو جاتے ہیں۔

ان حالات کے علاوہ کی تعلیق مثلاً ہوا چلنے بارش ہونے یا زید کے گھر میں داخل ہونے کے ساتھ معلق رکھی جیسے جب بارش وغیرہ ہو تو میں کفیل ہوں تو فی الحال کفالت ثابت ہوگی اور تاخیر ❶ باطل ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کفالت کو اس کی دونوں قسموں سے مشروط و معلق کرنا تب صحیح ہے جب شرط متعارف و مروج ہو۔ متعارف کی مثال جیسے کفالۃ کو اس کے ساتھ معلق کرے جو حق کا سبب ہے یا حوالہ ممکن بنانے کا سبب ہے، رہی ہوا وغیرہ کے ساتھ کی تعلیق تو یہ متعارف نہیں۔

شافعیہ فرماتے ہیں: اصح قول یہ ہے کہ کفالۃ کو کسی شرط سے معلق کرنا جائز نہیں مثلاً جب مہینے کا آغاز ہوگا تو میں فلاں پر واجب چیز کا ذمہ دار ہوں یا میں اس کے قرض کا ضامن ہوں۔ ❷

جان کی ذمہ داری نہ پوری کرنے پر مال کی کفالت کو معلق کرنا...... اگر یک شخص دوسرے کی ذات کا ضامن بنا اور یوں کہا اگر میں اسے کل حاضر نہ کر سکا تو اس پر لازم مال کا میں ضامن ہوں پھر اسے حاضر نہیں کیا یا جس کی ضمانت لی تھی وہ مر گیا تو احناف کے نزدیک کفیل پر مال لازم ہے اس واسطے کہ یہاں دو کفالتیں ہیں جان اور مال اور حقیقت میں اس نے صرف جان کی کفالت لی تھی اور مال کی کفالت کو جان کی ذمہ داری نہ پوری کرنے پر معلق کیا تھا اور تعلیق صحیح ہے جب مقروض دعویٰ کا اقرار کرے یا گواہ سے ثابت ہو جائے یا قاضی (عدالت) اس کا فیصلہ کردے۔ ❸

شافعیہ فرماتے ہیں: مال کا ضامن نہیں ہوگا ❹ احناف نے اس موضوع کے قریب دوسری تفریعات بھی ذکر کی ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں اگر کوئی انسان کسی کی جان کا کفیل بنا اور کہا: اگر میں کل تمہیں نہ لا سکا تو میرے ذمہ ہزار ہیں اور یہ نہیں کہا کہ وہ ہزار جو اس کے ذمہ ہے جس کا دعویٰ کیا گیا ہے اور مذکورہ رقم کا مطالبہ کرنے والا مال کا منکر ہوتا ہے تو امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مال کفیل پر لازم ہے اور امام محمد کے نزدیک لازم نہیں امام محمد کے قول کی دلیل یہ ہے اس مال کا ایجاب خطر کے معلق ہے (یعنی احتمال کے ساتھ) کیونکہ یہاں واجب کی طرف نسبت نہیں پائی گی اور مال کا وجوب خطر واحتمال کے ساتھ معلق نہیں ہوتا، رہی ثابت شدہ مال کی کفالت تو اس کا خطر کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ شیخین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ مطلق ہزار کو مقرر ہزار سمجھا جائے گا جو وہی ہزار ہے جس کی ضمانت لی گئی ہے اگر کسی نے مال کی ذمہ داری لی اور مکفول لہ سے کہا: اگر میں تجھے کل یہ مال ادا کردوں تو میں بری ہوں تو کل اس نے ادا کردیا تو وہ ایک روایت کے مطابق مال کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا کیونکہ یہ برأت ہو ادائیگی کی شرط سے معلق کرنے کی صورت نہیں۔ بلکہ یہ ادائیگی کو مال کی کفالت کے لئے انتہا بنانا ہے اور شرط کو کبھی غایت وانتہا کے معنی میں دونوں میں مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے جو راجح بھی ہے کہ وہ مال سے بری نہیں ہوگا کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ اگر میں کل اسے تمہارے حوالہ کردوں تو میں بری ہوں جان کی سپردگی کی شرط کے ساتھ مال سے بری ہونے کو معلق کرنا ہے جب کہ بری ہونے میں کسی شرط کی گنجائش نہیں کیونکہ اس میں تملک (مالک بنانے) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور تملیکات کو شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں۔ ❺

د: اگر کفالۃ کی نسبت آئندہ کسی وقت کی طرف ہو تو...... تو احناف کے نزدیک ایک انسان کا دوسرے آدمی کے اس قرضے کا ضامن بننا جائز ہے جو اس نے کسی کا دینا ہے یا اس کے مال میں سے جتنا وہ صرف کرے گا یا اس سے غصب کرتا ہے یا اس چیز کی قیمت جس کے ذریعہ وہ اس سے بیچنے کا سودا کرتا ہے تو ایسی کفالت صحیح ہے کیونکہ اس کی نسبت واضافت ضمان کے سبب کی طرف ہے۔

---

❶...... فتح القدیر (۴۱۴/۵) البدائع (۴/۶)، الدر المختار (۲۷۷/۴) مجمع الضمانات (ص ۲۷۳) الفرائد البهية للشيخ محمود حمزة (۱۴۲) ❷نهاية المحتاج ۴۱۵/۳ المهذب (۳۴۱/۱) مغنی المحتاج (۲۰۷/۲) ❸البدائع (۴/۶) فتح القدير (۳۹۶/۵) المبسوط (۱۷۶/۱۹) الدر المختار (۲۶۹/۴) مجمع الضمانات (۲۶۲) ❹مغنی المحتاج (۲۰۵/۲) ❺البدائع حواله سابقه المبسوط للسرخسی (۱۷۸/۱۹)

ان حالات کے علاوہ کی تعلیق مثلاً ہوا چلنے بارش ہونے یا زید کے گھر میں داخل ہونے کے ساتھ معلق رکھی جیسے جب بارش وغیرہ ہو تو میں کفیل ہوں تو فی الحال کفالت ثابت ہوگی اور تاخیر ❶ باطل ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کفالت کو اس کی دونوں قسموں سے مشروط و معلق کرنا تب صحیح ہے جب شرط متعارف و مروج ہو۔ متعارف کی مثال جیسے کفالۃ کو اس کے ساتھ معلق کرے جو حق کا سبب ہے یا حوالہ ممکن بنانے کا سبب ہے، رہی ہوا وغیرہ کے ساتھ کی تعلیق تو یہ متعارف نہیں۔

شافعیہ فرماتے ہیں: اصح قول یہ ہے کہ کفالۃ کو کسی شرط سے معلق کرنا جائز نہیں مثلاً جب مہینے کا آغاز ہوگا تو میں فلاں پر واجب چیز کا ذمہ دار ہوں یا میں اس کے قرض کا ضامن ہوں۔ ❷

جان کی ذمہ داری نہ پوری کرنے پر مال کی کفالت کو معلق کرنا...... اگر یک شخص دوسرے کی ذات کا ضامن بنا اور یوں کہا اگر میں اسے کل حاضر نہ کر سکا تو اس پر لازم مال کا میں ضامن ہوں پھر اسے حاضر نہیں کیا یا جس کی ضمانت لی تھی وہ مر گیا تو احناف کے نزدیک کفیل پر مال لازم ہے اس واسطے کہ یہاں دو کفالتیں ہیں جان اور مال اور حقیقت میں اس نے صرف جان کی کفالت لی تھی اور مال کی کفالت کو جان کی ذمہ داری نہ پوری کرنے پر معلق کیا تھا اور تعلیق صحیح ہے جب مقروض دعویٰ کا اقرار کرے یا گواہ سے ثابت ہو جائے یا قاضی (عدالت) اس کا فیصلہ کردے۔ ❸

شافعیہ فرماتے ہیں: مال کا ضامن نہیں ہوگا ❹ احناف نے اس موضوع کے قریب دوسری تفریعات بھی ذکر کی ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں اگر کوئی انسان کسی کی جان کا کفیل بنا اور کہا: اگر میں کل تمہیں نہ لا سکا تو میرے ذمہ ہزار ہیں اور یہ نہیں کہا کہ وہ ہزار جو اس کے ذمہ ہے، جس کا دعویٰ کیا گیا ہے اور مذکورہ رقم کا مطالبہ کرنے والا مال کا منکر ہوتا ہے تو امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مال کفیل پر لازم ہے اور امام محمد کے نزدیک لازم نہیں امام محمد کے قول کی دلیل یہ ہے اس مال کا ایجاب خطر کے معلق ہے (یعنی احتمال کے ساتھ) کیونکہ یہاں واجب کی طرف نسبت نہیں پائی گی اور مال کا وجوب خطر واحتمال کے ساتھ معلق نہیں ہوتا، رہی ثابت شدہ مال کی کفالت تو اس کا خطر کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ شیخین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ مطلق ہزار کو مقرر ہزار سمجھا جائے گا جو وہی ہزار ہے جس کی ضمانت لی گئی ہے اگر کسی نے مال کی ذمہ داری لی اور مکفول لہ سے کہا: اگر میں تجھے کل یہ مال ادا کر دوں تو میں بری ہوں تو کل اس نے ادا کر دیا تو وہ ایک روایت کے مطابق مال کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا کیونکہ یہ برأت ہوا ادائیگی کی شرط سے معلق کرنے کی صورت نہیں۔ بلکہ یہ ادائیگی کو مال کی کفالت کے لئے انتہا بنانا ہے اور شرط کو کبھی غایت و انتہا کے معنی میں دونوں میں مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے جو راجح بھی ہے کہ وہ مال سے بری نہیں ہوگا کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ اگر میں کل اسے تمہارے حوالہ کر دوں تو میں بری ہوں جان کی سپردگی کی شرط کے ساتھ مال سے بری ہونے کو معلق کرنا ہے جب کہ بری ہونے میں کسی شرط کی گنجائش نہیں کیونکہ اس میں تملک (مالک بنانے) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور تملیکات کو شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں۔ ❺

د: اگر کفالۃ کی نسبت آئندہ کسی وقت کی طرف ہو تو...... تو احناف کے نزدیک ایک انسان کا دوسرے آدمی کے اس قرضے کا ضامن بننا جائز ہے جو اس نے کسی کا دینا ہے یا اس کے مال میں سے جتنا وہ صرف کرے گا یا اس سے غصب کرتا ہے یا اس چیز کی قیمت جس کے ذریعہ وہ اس سے بیچنے کا سودا کرتا ہے تو ایسی کفالت صحیح ہے کیونکہ اس کی نسبت و اضافت ضمان کے سبب کی طرف ہے۔

---

❶..... فتح القدیر (۵/۴۱۴) البدائع (۶/۴)، الدر المختار (۴/۲۷۷) مجمع الضمانات (ص ۲۷۳) الفرائد البھیۃ للشیخ محمود حمزۃ (۱۴۲) ❷نھایۃ المحتاج ۴۱۵/۳ المھذب (۱/۳۴۱) مغنی المحتاج (۲/۲۰۷) ❸البدائع (۶/۴) فتح القدیر (۵/۳۹۶) المبسوط (۱۹/۱۷۶) الدر المختار (۴/۲۶۹) مجمع الضمانات (۲۶۲) ❹مغنی المحتاج (۲/۲۵) ❺البدائع حوالہ سابقہ المبسوط للسرخسی (۱۹/۱۷۸)

بحث ثانی کفالۃ کی شرائط..... کفالۃ میں کچھ شرطیں ہوتی ہیں جن کا تعلق کفیل، اصیل مکفول لہ یا مکفول بہ سے ہوتا ہے سو جس سے اس مال کا مطالبہ ہوتا ہے جو مقروض کے ذمہ ہے وہ کفیل ہے، مقروض جس کی کفالت کی گئی اسے اصیل بھی کہا جاتا ہے دعویدار وہ حقدار ہے جس نے قرض دیا یہی مکفول لہ ہے، محل الکفالۃ مال ہے یا وہ جان جس کی ضمانت لی گئی اسی کو مکفول بہ کہا جاتا ہے۔

کفیل کی شرائط..... فقہاء احناف وغیرہ نے کفیل کے لئے دو شرطیں قرار دیں ہیں۔

اول: عقل وبلوغت کی اہلیت..... لہٰذا بچے اور پاگل کی کفالت منعقد نہیں ہوگی کیونکہ کفالت مال کے التزام کے ساتھ ایک نفلی عبادت کا عقد ہے اس لیے جو شخص تبرع اور عبادت والوں میں سے نہیں اس کا عقد منعقد نہیں ہوگا۔ اس شرط پر سب کا اتفاق ہے اسی کو رشد یعنی دین اور مال کی صلاحیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس واسطے کہ کفالت ایک مالی تصرف ہے لہٰذا یہ کسی پاگل بچے یا جس کی بے وقوفی کی وجہ سے اس پر خرید وفروخت کی پابندی ہو اس کی طرف سے صحیح نہیں اس بنا پر کہ ان میں رشد نہیں۔

دوم: آزادی..... یہ تصرف کے نفاذ کی شرط ہے لہٰذا غلام کی کفالت جائز نہیں۔ کیونکہ یہ ایک نفلی عبادت ہے اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر تبرع کا مالک نہیں۔ لیکن کفالت منعقد ہو جائے گی بلکہ غلام سے اس کی آزادی کے بعد کفالت کی ذمہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

اصیل کی شرائط..... اصل کے لیے بھی ❶ دو شرطیں ہیں۔

اول: جس چیز کی اس نے ضمانت لی ہے اسے خود یا اپنے نائب کے ذریعہ پہنچانے پہ قدرت ودسترس رکھتا ہو یہ شرط امام ابوحنیفہ کے ہاں خصوصی طور پر ہے لہٰذا ان کے ہاں نادار ومفلس کے قرض کی ذمہ داری صحیح نہیں جس نے مرتے وقت اپنے پورے قرض کی ادائیگی کے لیے کوئی رقم یا مالیت نہیں چھوڑی اس لئے کہ یہ ایسا قرض ہے جو ساقط ہونے والا ہے تو اس کی ضمانت صحیح نہیں جیسے یہ قرض بری کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے، نیز میت کی ذمہ داری تو مرنے کی وجہ سے ختم ہوگئی لہٰذا اب اس کی ذمہ داری میں کوئی قرض باقی نہ رہا ادھر ضمانت کا مطلب ہوتا ہے ایک ذمہ داری کے ساتھ دوسری ذمہ داری کو ملانا جس کا مطالبہ کیا جائے۔

صاحبین: اور جمہور فقہاء فرماتے ہیں..... ❷ وہ میت جو مفلس ونادار ہو اس کے قرض کی ضمانت اٹھانا صحیح ہے جس کی دلیل سابقہ حدیث ابوقتادہ ہے کیونکہ وہ ایسے میت کے قرضے کے ذمہ دار بنے تھے جس نے کچھ نہیں چھوڑا تھا تاکہ اس کا پورا قرض ادا کیا جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ابی قتادہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو میت کے قرضے کی ذمہ داری لینے کی ترغیب دی تھی فرمایا: تم میں سے کوئی اس کی ذمہ داری کے لئے کیوں کھڑا نہ ہوا، چونکہ میت کا قرض ثابت شدہ قرض ہے لہٰذا اس کی ضمانت بھی صحیح ہے جیسے کوئی اپنے پیچھے اپنے قرضے کی ادائیگی کے لئے مال چھوڑ مرے اس قرضے کے ثابت ہونے کی دلیل یہ ہے: اگر کوئی شخص اس کے قرض ادا کرنے کی نیکی کرتا ہے تو قرضدار کے لئے اس کی وصولی جائز ہے اسی طرح اگر کوئی زندگی میں اس کا ضامن بنا اور پھر فوت ہو گیا تو ضامن بری الذمہ نہیں ہوگا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ جس کی ضمانت لی گئی ہے اس کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوگا۔

دوسری شرط: اصیل کفیل کے ہاں معروف ومشہور ہو..... جب کفیل یہ کہے: لوگوں فلانے شخص کے ذمہ جو کچھ ہے میں اس کا ضامن ہوں تو کفالت صحیح نہیں۔ کیونکہ لوگوں کا اس سے تعارف نہیں نیز یہ شرط مکفول عنہ کی پہچان کے لیے لگائی ہے آیا وہ مالدار ہے یا ان لوگوں میں سے جو اپنا قرض جلد ادا کر دیتے ہیں یا نیکی کیے جانے کا مستحق ہے یا نہیں اصیل کا حاضر ہونا ضروری نہیں لہٰذا کسی غائب اور قیدی کی طرف سے کفالت کرنا صحیح ہے اس واسطے کہ ان جیسے حالات میں اکثر کفالت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ❸

---

❶..... البدائع حوالہ سابقہ ص ۶، الدر المختار ۲۶۲/۴، ۲۷۸، فتح القدیر ۴۱۹/۵۔ ❷ بدایۃ المجتہد ۲۹۴/۲ الشرح الکبیر الدردیر ۳۳۱/۳، المہذب (۳۳۹/۱) المغنی ۵۳۷/۴ ❸ بدایۃ المتجہد (۲۹۴/۲) البدائع (۶/۶) مغنی المحتاج (۲۰۴/۳)

شافعیہ فرماتے ہیں...... اصح یہ ہے کہ مکفول عنہ کی کی پہچان شرط نہیں اس کی رضامندی پر قیاس کرکے کیونکہ وہ تو شرط نہیں رہی خیر خواہی اور نیکی تو وہ مشہور ہے خواہ وہ اس کا اہل ہو یا نہ ہو۔ ❶

مکفول لہ کی شرائط...... مکفول لہ یعنی دائن وقرضدار میں مندرجہ ذیل شرائط ❷ ہونی چاہیں:

اول وہ معلوم ہو...... لہٰذا اگر کوئی انسان لوگوں میں سے کسی کا کفیل بنا تو کفالت صحیح نہیں۔ کیونکہ مکفول لہ جب نامعلوم ہوگا تو کفالت کا مقصد ثابت نہیں ہوگا جو اعتماد ہے اس شرط پر شافعیہ کے ہاں اتفاق ہے کیونکہ قرض کے حقدار قرض کی وصولی میں سختی کرنے اور نرمی کرنے میں عموماً مختلف ہوتے ہیں ❸ ادھر مالکیہ اور حنابلہ نے مکفول لہ کے نامعلوم ہونے کے باجود کفالت کو جائز قرار دیا ہے مثلاً میں زید کے اس قرض کا ضامن ہوں جو اس کا لوگوں میں سے کسی پر بھی ہے ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اہل مصر کہنے لگے بادشاہ کا پیمانہ گم ہوگیا ہے جو شخص اسے ڈھونڈ لائے گا اس کے لئے ایک اونٹ کا بار غلہ ہوگا جس کا میں ضامن ہوں کیونکہ اعلان کنندہ اس کا مالک نہ تھا بلکہ وہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے نائب تھا لہٰذا اونٹ کے بار کی شرط یوسف علیہ السلام کے ذمہ تھی جو بھی اسے ڈھونڈ نکالے وہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے اس کا ضامن ہوا۔ ❹

دوم: مکفول لہ مجلس عقد میں حاضر ہو...... یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک انعقاد کی شرط ہے جب مکفول لہ کی جانب سے مجلس میں کفالت کو قبول کرنے والا کوئی نائب نہ ہو اس بنا پر کوئی انسان مجلس سے غائب کا کفیل بنتا ہے پھر اسے اطلاع مل گئی اور اس نے اجازت بھی دے دی پھر بھی ان دونوں حضرات (طرفین) کے نزدیک کفالت صحیح نہیں کیونکہ مجلس میں موجود نے اس کی طرف سے قبول نہیں کیا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کفالت میں تملیک (مالک بنانے) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور تملیک ایجاب وقبول سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا عقد کے لفظ کو پورا کرنے کے لئے اس کا مکمل ہونا ضروری ہے اس سلسلے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ غائب کی طرف سے کفالت جائز ہے کیونکہ کفالت کا معنی ملانا ہے اور التزام کرنا ایجاب وقبول سے مکمل ہوتا ہے اس کا اکیلا ایجاب ہی عقد کی تکمیل کی صلاحیت رکھتا ہے۔

سوم: مکفول لہ عاقل ہو...... یہ شرط امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے مذہب کی سابقہ شرط کے مطابق تفریع وتشریح ہے لہٰذا پاگل اور ناسمجھ بچے کا قبول کرنا صحیح نہیں۔ اس واسطے کہ وہ دونوں اپنی جانب سے قبول کے صادر ہونے کے اہل نہیں اور عقد میں اس قبولیت کی حیثیت رکن کی سی ہے۔

مکفول بہ کی شرائط...... مکفول بہ میں بھی تین شرطیں ہیں۔ ❺

اول یہ کہ مکفول بہ اصیل کے ذمے ہو...... احناف کے ہاں اس شرط کے پیش نظر کہ عین چیز ❻ بذات خود قابل ضمانت ہو اب خواہ قرض ہو یا کوئی عین ہو یا کوئی نفس یا کوئی کام ہو جیسے وہ چیز جیسے غصب (چھین) کرکے لیا گیا ہو یا بیع فاسد کے ذریعہ اس پر قبضہ ہوا ہو یا خریداری کا بھاؤ معلوم کرتے اس پہ قبضہ ہوگیا۔ رہی وہ عین جو امانت ہے اگرچہ اسے حوالے کرنا ضروری نہیں جیسے ودائع شرکت کے اموال وغیرہ یا حوالے کرنا ضروری ہو جیسے عاریت اور اجرت پر لینے والے کے پاس مزدور خواہ وہ عین ایسی ہو کہ اس کی ضمانت دوسری چیز کے ذریعہ ہو مثلاً

---

❶ مغنی المحتاج ۲/ ۲۰۰ ❷ البدائع ۶/ ۶ فتح القدیر ۵/ ۴۱۷ المبسوط ۲۰/ ۹ الدر المختار (۴/ ۲۸۰) ❸ مغنی المحتاج سابقہ حوالہ ❹ احکام القرآن۔ ❺ البدائع ۶/ ۷ فتح القدیر (۵/ ۴۰۲) ردالمحتار (۴/ ۲۶۴، ۲۸۱) مجمع الضمانات ص ۲۷۱ ❻ عین کی دو قسمیں ہیں امانت وضمانت امانت جیسے ودائع مال شرکت مضاربت، عاریت، اجرت پر لینے والے کے ہاتھ میں مزدور وغیرہ ضمانت یا وہ خود قابل ضمان ہوں۔

قبضے سے پہلے بیچنا اور رہن رکھنا وغیرہ تو ان دو کے ساتھ کفالت صحیح نہیں اس واسطے کہ وہ عین جو امانت ہے وہ قابل ضمان نہیں اور جس کی ضمانت دوسری چیز کے ذریعہ ہے وہ بذات خود قابل ضمان نہیں لہٰذا جب قبضے سے پہلے بکی ہوئی چیز ضائع ہوگئی تو بیچنے والے کے ذمہ کچھ بھی نہیں البتہ خریداری کے ذمہ سے قیمت ختم ہو جائے گی اور جب رہن (گروی رکھی چیز) ضائع ہوگی تو مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا ہے) پہ کچھ واجب نہیں البتہ اس کی مقدار راہن سے قرض کم ہو جائے گا۔

فعل سے مراد مکفول بہ ہے اور وہ حوالگی کا فعل ہے جیسے بیچی ہوئی چیز اور رہن کو حوالہ کرنا۔ کفالت بالفعل بھی صحیح ہے اس واسطے کہ حوالے کرنا التزام کرنے والے کے ذمہ ہے لہٰذا مبیع کا بیچنے والے کے حوالے کرنا لازم ہے رہن کا قرض کی ادائیگی کے بعد کسی نہ کسی طرح مرتہن کے حوالے کرنا ضروری ہے۔

جان کی کفالت...... اسی بنا پر اس شخص کی جان کی کفالت کرنا درست ہے جس پر کوئی حق واجب ہو کیونکہ کفالۃ بالنفس کفالۃ بالفعل ہے یعنی نفس کو حوالے کرنا۔

اور حوالگی کا عمل اصیل پہ لازم ہے اس لئے اس کے ذریعہ کفالت صحیح ہے۔

جمہور فقہاء کفالۃ بالنفس کو اگر مال کی وجہ سے ہو تو جائز قرار دیتے ہیں ان میں مذاہب اربعہ کے ائمہ ہیں جس کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے فرمایا (یعقوب علیہ السلام نے) جب تک تم مجھے اللہ تعالیٰ کا پکا عہد نہیں دیتے ہیں ہرگز اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا وہ عہد یہ ہے کہ اگر تمہارا گھیراؤ نہ کر لیا گیا تو اسے میرے پاس ضرور لاؤ گے۔ (سورہ یوسف ۱۲/۶۶) اور نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: ذمہ دار نقصان برداشت کرے گا جو کفالہ کی دونوں قسموں کو شامل ہے۔ جس چیز کا عقد کی وجہ سے حوالے کرنا ضروری ہے تو عقد کفالت کی وجہ سے بھی اس کی سپردگی ضروری ہے اور چونکہ کفیل اصیل کو حوالہ کرنے پہ قدرت رکھتا ہے وہ اس طرح کہ جو اسے تلاش کر رہا اسے اس کی جگہ بنا دے پھر دونوں کو الگ چھوڑ دیا جائے یا حوالگی کے لئے قاضی کے گماشتوں کی مدد حاصل کرے۔ رہا امام شافعی کا قول: بدن کی کفالت ضعیف ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ قیاس کی رو سے ضعیف ہے اس واسطے کہ آزاد آدمی کسی کی ماتحتی میں نہیں آسکتا اور نہ کوئی اسے ❶ حوالے کر سکتا ہے امام شافعی کے اصل مذہب کی یہ تحقیق ہے احناف کی کتابوں میں جو قول ملتا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

البتہ شافعیہ کا قول ہے...... مذہب یہ ہے کہ اس شخص کی کفالت بالنفس یا بالبدن درست ہے جس کے ذمہ کوئی مال ہو یا کسی آدمی کی وجہ سے کوئی سزا مثلاً قصاص یا تہمت کی حد ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی حدود میں مثلاً شراب نوشی زنا اور چوری کی حدود میں یہ کفالت ممنوع ہے اس واسطے کہ جہاں تک ہو سکے وہ اسے ہٹانے کی کوشش کرے (حنابلہ) فرماتے ہیں: جس پر کوئی حد لاگو ہو خواہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہو جیسے زنا اور چوری کی حد یا کسی آدمی کا جیسے تہمت اور قصاص کی حد تو اس کی کفالت بالبدن صحیح ہے۔

کفالۃ بالنفس کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ جب اصیل کفالت میں مکفول بہ کو مقررہ وقت میں حوالہ کرنے کی شرط لگا دے تو جب وہ اس کا مطالبہ کرے گا کفیل پر اس مکفول بہ کا حاضر کرنا لازم ہے۔ تاکہ جس بات کا اس نے التزام کیا ہے اسے پورا کرے جیسے وقت مقرر تک لیا گیا قرض جب اس کا وقت ہو جائے۔ سو اگر کفیل اسے حاضر کر دے تو بہتر۔ اور اگر حاضر نہ کر سکے تو حاکم حق کی ذمہ داری نہ نبھانے کی وجہ سے اسے قید میں ڈال دے۔ اور اگر کفیل نے اسے ایسی جگہ لا حاضر کیا جہاں مکفول لہ اس سے جھگڑنے پہ قدرت رکھتا ہو جیسے شہر تو کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا کیونکہ اس نے اپنے التزام کو پورا کر دیا ہے اور اگر س بات کی کفالت کی تھی کہ وہ اسے قاضی کی مجلس (عدالت) میں لا حاضر

---

❷ ...الشرح الکبیر ۳/۳۴۴ بدایۃ المتجھد (۲/۲۹۱) مغنی المحتاج (۲/۲۰۳) المھذب (۱/۳۴۲) المغنی ۴/۵۵۶)
المبسوط (۱۹/۱۶۲) البدائع (۶/۸) فتح القدیر (۵/۳۹۱) الکتاب مع الباب (۲/۱۵۳) کشاف القناع (۳/۳۶۲)

کرے گا پھر اسے بازار پہنچا دیا پھر بھی بری ہو جائے گا کیونکہ اصلی مقصد جھگڑے (کیس لڑنے) کو ممکن بنانا ہے اور حق کو ثابت کرنا ہے تو یہ اس صورت میں حاصل ہے جب اسے بازار میں حوالے کر دے کیونکہ لوگ اسے قاضی کے پاس پہنچانے میں اس کا تعاون کریں گے۔

دوم: مکفول بہ پوری طرح کفیل کی دسترس میں ہو...... تاکہ عقد مفید ثابت ہو، جمہور کے نزدیک یہ شرط اموال میں ہے اس بنا پر حدود و قصاص میں کفالت صحیح نہیں کیونکہ کفیل سے سپردگی مشکل ہے (یعنی سزاؤں میں نیابت نہیں چلتی) اس سے کفالۃ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا یہ احناف مالکیہ اور حنابلہ ❶ کا مذہب ہے ان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول یہ ارشاد ہے حد میں کفالت نہیں ❷ چونکہ کفالت بھروسا دلانا مضبوط کرنا ہے اور حدود کی بنیاد ہے ہٹانے اور شبہات کی وجہ سے ساقط کرنے پر ہے لہٰذا مضبوط اس کے مناسب نہیں اور کفیل کے لیے جب مکفول بہ کو حاضر کرنا مشکل ہو تو اس سے پوری طرح حق کی وصولی یابی نہیں ہوگی یہ ملحوظ رہے کہ احناف کے ہاں حدود و قصاص میں کفالت کے ناجائز کا مطلب یہ ہے کہ کفالت کی ادائیگی پہ سختی اور جبر ناجائز ہے اگر مدعی علیہ کشادہ دلی اور تبرع کا مظاہرہ کرے اور قصاص اور حد اس کی حالت میں جو بندے کا حق ہے کفالت کرلے کی اجازت دے دیتا ہے تو تہمت چوری کی حد میں کفالہ بالنفس جائز ہوگی۔ کیونکہ یہ اس ضمانت کی کفالت ہے جو اصیل پر ہے اور کفیل سے اس کی وصولی بھی ممکن ہے لہٰذا جس کے ذمہ قرض ہے اس کی جان سپردگی کی کفالت صحیح ہے۔ اور اگر مدعی علیہ احسان نہ کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفیل کو بذات خود مجلس قضاء میں مدعی علیہ کے دعویٰ کا ثبوت پیش کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ جیسا ہم جانتے ہیں حدود کے ساتھ کفالت کا میل نہیں۔ اس صورت میں قاضی اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دے یہاں تک کہ اس کے خلاف گواہ مل جائے یا حد پوری ہو جائے جب کہ صاحبین فرماتے ہیں، قصاص اور حد قذف (تہمت) میں وکیل کو بذات خود پیش کرنے لے لیے مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں (قصاص وحد قذف) میں بندے کا حق ہے۔

خلاصہ یہ ہوا...... نفس حد یا قصاص کی کفالت جس پہ حد واجب ہے اس کی ذات کی کفالت کے بغیر صحیح نہیں۔ اس واسطے کہ حد ایک سزا ہے اور سزاؤں میں نیابت جاری نہیں ہوتی، البتہ اگر کوئی شخص اس کی ذات کا کفیل بن جائے جس پر حد واجب ہے تو اس صورت میں کفالت صحیح ہے۔

شافعیہ فرماتے ہیں...... کفالت النفس (یعنی کفالت البدن) ان حدود میں جو خالص اللہ کے لیے ہیں جیسے شراب نوشی، زنا اور چوری کی حد، ان میں جائز نہیں، کیونکہ جہاں تک ممکن ہو انھیں ہٹانے کی کوشش کرے وہ حدود جو خالص آدمی کے لیے ہیں جیسے قصاص، حد قذف اور تعزیر وغیرہ ان میں جان سپردگی کی کفالت جائز ہے اس واسطے کہ یہ بندے کا حق ہے لہٰذا کفالت صحیح ہوئی جیسے انسانوں کے باقی حقوق مالیہ صحیح ہوتے ہیں۔ ❸

امام ابوحنیفہ کے ہاں اس شرط پہ یہ مسئلہ متفرع ہوتا (نکلتا) ہے کہ ذمہ داری میں کسی ایسی چیز کو فوری منتقل کرنے کی ضمانت کا التزام صحیح ہے جو کسی غیر متعین ذریعہ سے ہو جیسے کسی بھی گاڑی یا جانور کے ذریعہ اس واسطے کہ اس وقت مستحق کفیل کی دسترس میں ہے لیکن کسی بوجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے التزام کی کفالت صحیح نہیں جو کسی خاص گاڑی یا جانور پہ ہو، اس لئے کہ بسا اوقات کفیل بار برداری کے جانور کے ضائع ہونے سے عاجز ہو جاتا ہے، جو نقل وحمل کا مخصوص ذریعہ ہوتا ہے۔

---

❶ ......الشرح الکبیر (۳/ ۳۴۶) بدایۃ المجتہد (۲/ ۲۹۳) المغنی (۴/ ۵۵۷) فتح القدیر (۵/ ۳۹۹) مجمع الضمانات ۲۷۲ الکتاب مع الباب (۲/ ۱۵۷) ❷ رواہ البیہقی باسناد ضعیف وقال انہ منکر عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رواہ ابن عدی فی الکامل واعلہ ایضا بروایۃ ابی عمر الکلاعی بان احادثیہ منکرۃ (سبل السلام (۳/ ۶۳) نصب الرایۃ ۴/ ۵۹) ❸ مغنی المحتاج (۲/ ۲۰۳) المہذب (۱/ ۳۴۳)

سوم: دین صحیح لازم ہو...... وہ ایسا قرض ہوتا ہے جو صرف ادائیگی یا معاف کرنے سے ساقط ہوتا ہے، یہ شرط کفالۃ بالمال کے ساتھ خاص ہے، اس پہ یہ حکم مرتب ہوتا ہے کہ کفالۃ بدل کتابت کے ذریعہ صحیح نہیں اس واسطے کہ وہ دین لازم نہیں، یا دین ضعیف ہے کیونکہ مکاتب کو اس کا اختیار ہے کہ وہ کتابت کا معاملہ فسخ کردے لہٰذا اس میں اعتماد کا کوئی مفہوم نہیں پایا جارہا اسی طرح اس کی کفالت بھی صحیح نہیں جو دین نہیں ہے۔ مثلاً عدالتی فیصلے یا باہمی رضامندی سے پہلے بیوی کا خرچ، کیونکہ یہ قضا یا رضا کے ذریعے ہی دین بن سکتا ہے ❶ بغدادی کا قول ہے: اگر گزشتہ مقررخرچ کا کفیل بنا تو کفالت صحیح ہے باوجود یکہ وہ اداء یا معاف کرنے کے بغیر ساقط ہو جاتا ہے مثلاً کفیل یا مکفول لہ مرجاتا ہے۔ اسی طرح اگر آئندہ ماہ کے خرچ کا کفیل بنا اور ہر ماہ اس کے لئے اتنا طے کیا تھا یا کسی آئندہ دن کا کفیل بنا اور ہر دن کا مقرر کیا تھا تو اس صورت میں صحیح ہے۔ ❷

مالی کفالت میں جمہور فقہاء کے نزدیک دین کا مقدار، صفت اور عین کے اعتبار سے معلوم ہونا ضروری نہیں۔ معلوم سے بھی کفالت صحیح ہوجاتی ہے مثلاً کہتا ہے، میں اس کی طرف سے ہزار کا ضامن ہوں اور نا معلوم سے مثلاً تمہارا جتنا مال اس کے ذمہ ہے میں اس کا ضامن ہوں۔ یا اس سودے کی جتنی ضمانت بنتی ہے اس کا میں کفیل ہوں۔ اس واسطے کہ کفالت کی بناء وسعت پر ہے اس لیے اس میں جہالت برداشت ہو جاتی ہے ضمان ❸ الدرک کے صحیح ہونے پہ فقہاء کا اجماع ہے۔ جس کی صورت یوں ہے کہ کوئی شخص خریدار کے لیے ثمن (قیمت) کا اس سے ضامن بن جاتا ہے کہ اگر یہ چیز کسی اور کی نکل آئی یا اس میں کوئی عیب نکلا یا گھٹیا ہونے کی وجہ سے ناقص نکلی یا باٹوں کے ہلکا ہونے کی وجہ سے ناقص نکلی، احناف نے اس صورت میں کفالۃ کو صحیح کہا مثلاً کوئی شخص دوسرے سے کہتا ہے یہ راستہ چلے جاؤ اگر تمہارا مال ضبط ہوا تو میں اس کا ضامن ہوں چنانچہ اس اس کا مال چھن گیا تو ضمانت صحیح ہے باوجود یکہ مضمون عنہ مجہول ہے اسی طرح اگر کہا ہے: اگر فلاں نے یا ان میں سے کسی نے تمہارا مال چھینا تو میں ضامن ہوں تو ضمانت صحیح ہے ❹ امام شافعی کا مسلک جدید یہ ہے کہ جس دین کی ضمانت کی جارہی ہے وہ جنس مقدار، صفت اور عین کے لحاظ سے معلوم ہو کیونکہ ضمانت کی تعریف یہ ہے: معاملے کی وجہ سے کسی آدمی کے لئے ذمہ میں مال کو ثابت کرنا۔ جو جہالت کے ساتھ جائز نہیں۔ جیسے خرید و فروخت میں ثمن اس لیے وہ مجہول اور غیر متعین سے صحیح نہیں جیسے ان دو فرضوں میں سے ایک۔ رہا ضمان الدرک تو وہ ان کے نزدیک لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔ ❺

تیسری بحث: کفالت کے احکام...... کفالت کے دو حکم ہیں ❻ اول جو چیز اصیل کے ذمہ ہے کفیل سے اس کے مطالبہ کی ولایت کا ثبوت، جس چیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے محل کفالت کی وجہ سے وہ مختلف ہوتی ہے سو اگر کفالت دین کی ہو تو اس صورت میں اگر ایک کفیل ہے تو اس سے اس پورے دین کا مطالبہ ہوگا جو اصیل کے ذمہ تھا اور اگر کفیل دو تھے اور قرض مثال کے طور پر ایک ہزار تھا تو دونوں سے اس صورت میں پانچ پانچ سو کا مطالبہ ہوگا جب ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا کفیل نہ بنا ہو کیونکہ کفالت میں وہ دونوں برابر ہیں اور مکفول بہ میں تقسیم ہونے کا احتمال ہے لہٰذا مطالبہ کے حق میں دونوں پہ تقسیم ہوجائے گی اگر کسی ایک نے رقم ادا کردی دوسرے سے واپس نہیں لے گا اس واسطے کہ وہ اپنی

❶ ...الدرالمختار مع ردالمحتار (۴/ ۲۶۲۔ ۲۷۴) الشرح الکبیر (۳/ ۳۳۳) المہذب (۱/ ۳۴۰) مغنی المحتاج (۲/ ۲۰۱) ❷ مجمع الضمانات ص ۲۶۹ ❸ البدائع ۶/ ۹ فتح القدیر ۵/ ۴۰۲ بدایۃ المجتہد (۲/ ۲۹۴) المغنی ۴/ ۵۳۶، ۵۳۹، ۵۵۷ المبسوط ۲۰/ ۵۰ الدر المختار ۴/ ۲۷۴) ❹ اس کا مطلب ہے مطالبہ اور مواخذہ اگر چہ اس کا ثابت حق نہ ہو کیونکہ بسا اوقات کسی اجنبی سے معاملہ کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے اور اندیشہ ہوتا ہے جو چیز وہ بیچ رہا ہے اس کا کوئی حقدار نکل آئے اور بعد میں یہ ہاتھ نہ لگے لہٰذا اس اعتماد کی ضرورت پڑی۔ اسے ضمان العہد ۃ بھی کہتے ہیں جو ایک امید ہوتی ہے جس میں قیمت درج ہوتی ہے لیکن فقہاء ثمن میں اس کا استعمال مجازاً کرتے ہیں بہرکیف بعد میں ہونے والے نقصان کی تلافی کے لیے یہ کفالت ہوتی ہے بعض احناف کے نزدیک کفالۃ بالدرک جائز ہے جو مبیع کے حقدار نکل آنے کی صورت میں ثمن ادا کرنے کی ذمہ داری ہے۔ ❺ مجمع الضمانات ص ۲۷۰۔ ❻ نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۰۳

طرف سے ادا کر رہا ہے نہ کہ اپنے ساتھی کی جانب سے البتہ جو رقم ادا کی ہے وہ اصیل وصول کرلے گا۔

اور اگر کفالت بالنفس ہو، تو اگر مکفول بہ غائب نہیں تو کفیل سے بذات خود مکفول بہ کو حاضر کرنے کا مطالبہ ہوگا۔ اور اگر غائب ہو تو کفیل کو اتنی مہلت دی جائے گی کہ وہ اس کے اندر اندر مکفول بہ کو لے آئے پھر اگر وہ اس مدت میں حاضر بھی نہ کر سکے اور نہ اپنا عذر ظاہر کرے تو قاضی اسے اس وقت تک قید کر سکتا ہے کہ وہ اپنا عذر ظاہر کردے۔ جب وہ قاضی کے سامنے اس کا اظہار کردے کہ وہ اسے حاضر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا خواہ حالات سے اس کا پتہ چلے یا گواہوں کی گواہی وغیرہ سے اس کا علم ہو تو اسے رہا کردے اور اسے حاضر کرنے کی قدرت تک مزید مہلت دیدے کیونکہ اس کی پوزیشن فی الحال قرض میں مفلس کی سی ہے جب قاضی اسے جیل سے نکال دے تو قرض دینے والے حقدار اس کا پیچھا نہ چھوڑیں اور قاضی کو بھی چاہیے کہ وہ ان میں اور حقداروں میں حائل نہ ہو لیکن حقداروں کے لئے اس بات کی گنجائش نہیں کہ اسے اس کے مشاغل اور کام کاج سے روکیں یہ تو احناف کا مذہب ہوا۔ ❶

شافعیہ کہتے ہیں: اگر کفیل کو مکفول کی جگہ کا پتہ ہو تو اسے حاضر کرنا ضروری ہے اور اگر اسے علم نہیں تو اس کے لیے حاضر کرنا بھی لازم نہیں اور جب حاضر کرنا لازم ہو تو اسے جانے آنے کی مدت کی مہلت دی جائے گی۔ پھر اگر یہ مدت گزر گئی اور وہ اسے حاضر نہ کر سکا تو یہاں تک اسے قید رکھا جائے گا کہ مکفول کو مرجانے یا اس کی جگہ نا معلوم ہونے یا اس کے پاس کسی ایسے شخص کی موجودگی کی وجہ سے جو اس تک نہ پہنچنے دے حاضر کرنا مشکل ہو جائے اگر کفالۃ بالعین ہو تو اگر وہ چیز سلامت ہے تو اسے حوالے کرنے کا مطالبہ کفیل سے ہوگا اور اگر وہ ضائع ہوگئی تو اس جیسی یا اس کی قیمت ادا کی جائے گی۔

کیا اصیل قرض سے بری ہو جائے گا...... یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک کفالت سے اصیل کی برأت مرتب نہیں ❷ ہوتی اس لیے حقدار چاہے تو اصیل سے مطالبہ کرے چاہے تو کفیل سے ہاں البتہ جب کفالت اس شرط پہ ہو کہ اصیل بری ہے تو پھر اس سے مطالبہ نہیں اس لیے کہ یہ حوالہ کے معنی میں تبدیل ہو جائے گی ❸ شافعیہ نے اپنے ہاں اصح قول کے مطابق ایسی کفالت کو ناجائز قرار دیا ہے جس میں اصیل کو بری کرنے کی شرط ہو۔ کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو ضمانت کے منافی ہے امام مالک اپنے ایک قول میں فرماتے ہیں حقدار قرض دہندہ اس وقت کفیل سے مطالبہ نہیں کر سکتا جب مکفول عنہ سے مطالبہ کرنا مشکل ہو، کیونکہ ضمانت اعتماد کا نام ہے۔ جس سے پورا حق اصیل سے اس کی مکمل ادائیگی کے مشکل ہونے کی وجہ سے وصول نہیں کیا جا سکتا جیسے رہن میں۔

ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمۃ، ابوثور، ابن سیرین، ظاہریہ اور امامیہ کا قول ہے کہ کفالت سے اصیل کی برأت واجب ہو جاتی ہے اور حق کفیل کی ضمانت میں منتقل ہو جاتا ہے لہٰذا قرض دہندہ اصیل سے بالکل مطالبہ نہیں کر سکتا ہے جیسے حوالہ میں ہوتا ہے اور دلیل میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی میت کی طرف سے دو دینار کی ضمانت والا واقعہ پیش کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین بدلہ عطاء کرے اور تمہارا قرض بھی ایسے ادا کردے جیسے تم نے اپنے بھائی کا قرض چکایا ہے اس سے معلوم ہوا جس کی ضمانت لی جاتی ہے وہ ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جاتا ہے صحیح جمہور کا قول ہے کیونکہ کفالت کا مفہوم و مطلب حق مطالبہ میں ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ سے ملانا ہے یا اصل قرض کے حق میں جیسا کہ سابقہ اختلاف ہے اور برأت ملانے کے منافی ہے اور اس لیے بھی کہ اگر کفالت کا مطلب بری کرنا ہوتا تو یہ حوالہ بن جاتا حالانکہ دونوں مختلف ہیں اور لفظوں کی تبدیلی اصل میں معانی و مفہوم کی تبدیلی کی دلیل ہے۔ انہوں نے سنت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطور دلیل پیش کیا ہے مومن کی روح اپنے قرض کے ساتھ اٹکی رہتی ہے یہاں تک کہ کوئی اس کی طرف سے ادا کردے اور آپ علیہ السلام کا حضرت ابوقتادہ کے واقعہ میں یہ فرمانا: اب تم نے اس کی راحت کا سامان کر دیا اس وقت ہوا جب آپ کو بتا دیا گیا کہ ان کا

---

❶ مغنی المحتاج (۲/۲۰۵) ❷ البدائع حوالہ سابقہ، بدایۃ المجتهد (۲/۲۹۲) المغنی ۵۴۷/۴ فتح القدیر (۵/۳۹۰)
❸ المبسوط (۲۰/۲۶)

قرض ادا کر دیا گیا ہے رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میت کی نماز جنازہ پڑھانا جس کی ضمانت لی گئی تو کیونکہ ضمانت کی وجہ سے اس کی ادائیگی کا اطمینان ہو گیا اور نماز جنازہ پڑھانے سے اسی وجہ سے باز رہے تھے کہ میت نے ادائیگی کے لئے کچھ نہ چھوڑا تھا۔ رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ تمہارا قرض۔

ا......ہم پہلے بیان کر چکے ہیں: کہ حضرت علی والی روایت ضعیف ہے جیسا کہ ابن حجر کا قول ہے اس میں زیادہ صحیح حضرت ابوقتادہ سے منقول واقعہ والی روایت ہے۔

۲...حدیث امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے بحوالہ ابوہریرہؓ نقل کی ہے اور طبرانی نے حضرت براء بن عازب سے بحوالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مفہوم نقل کیا ہے کہ مقروض اپنے قرض کی وجہ سے قید رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے تنہائی کی فریاد کرتا ہے اس کی سند میں مبارک بن فضالہ ہے جس کی توثیق عفان اور ابن حبان نے کی ہے جب کہ ایک جماعت نے اسے ضعیف لکھا ہے۔ دیکھئے الجامع الصغیر (۱۸۸/۲) مجمع الزوائد (۱۲۹/۴)

یہ روایت جابر بن عبداللہ سے جو مسند احمد دارقطنی اور حاکم کی کتاب میں ان الفاظ ثابت ہے، اب تم نے اس کی کھال کو ٹھنڈا کر دیا ایک روایت میں قبر کے الفاظ ہیں۔ دیکھئے التلخیص الحبیر ۲۵۱ نیل الاوطار (۲۳۹/۵)

ایسے چکائے جیسے تم نے اس کا قرض ادا کر دیا جو ایسی حالت میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک نماز جنازہ نہیں پڑھائی تھی، جب انہوں نے ذمہ داری لے لی تو اسے اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا۔ ❶

یہاں کفالت، غاصب اور غاصب الغاصب کی وضع میں فرق ہے کیونکہ جس مالک سے کوئی چیز غصب ہوئی اسے اختیار ہے جسے چاہے ضامن قرار کر دے جب وہ ایک کو ذمہ دار ٹھہرانے پہ رضامند ہو جائے تو دوسرے ذمہ دار کا اسے اختیار نہیں ہوگا۔ وجہ فرق یہ ہے جس مالک کا سامان غصب ہوا جب اس نے غاصب یا غاصب الغاصب (ایک شخص کسی کی چیز ہتھیا لے اس سے آگے کوئی اور چھین لے اسے غاصب الغاصب کہتے ہیں جیسے محاورہ ہے چوروں کو پڑ گئے مور (چیونٹی) کو ذمہ دار ٹھہرانے کو اختیار کر لیا۔ یعنی قاضی نے اس کے خلاف حکم صادر کر دیا تو اس کا اختیار مضمون کا اس کی طرف سے مالک بنانے کو شامل ہوگا اور دوسرا ضرورۃً بری ہو جائے گا۔ اس مطالبہ کے خلاف جو کفالہ کے مقتضا کے مطابق ہو کیونکہ وہ مضمون کے مالک بنانے کا متقاضی نہیں اور چونکہ کفالہ کا معنی ہے ملانا، اس میں تملک (مالک بنانا) حاصل نہیں ہوتی یہاں تک کہ اگر چہ قاضی فیصلہ کر دے جب تک پوری ادائیگی کی حقیقت نہ پائی جائے۔

کفالۃ کا دوسرا حکم: اصیل سے کفیل کے مطالبہ کی ولایت کا ثبوت...... جب کفالات کی تمام قسموں میں کفالت اس کے حکم سے ہو۔ اگر قرض کی کفالت ہو مثلاً تو کفیل سے جب مطالبہ ہو تو وہ مکفول عنہ سے خلاصی کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اگر وہ قید ہو جائے تو مکفول عنہ کو قید کر سکتا ہے کیونکہ اسی نے اسے اس (مصیبت) ذمہ داری میں ڈالا ہے اسی کے ذمہ اسے اس سے نکالنا ہے۔ البتہ جب کفالت اصیل کے کہے بغیر ہو تو اس وقت کفیل کے لیے اصیل کے ساتھ لگے رہنے کا حق نہیں جب اس کے پیچھے کوئی پڑا ہو اور نہ قید کا حق جب اسے قید میں بند کر دیا جائے اور نہ کفیل اس وقت تک مال کا مطالبہ کر سکتا ہے جب تک وہ خود ادا نہ کرے اگر چہ کفالت اصیل کے حکم سے ہو اس وجہ سے کہ مطالبہ کی دسترس قرض اور مالک بنانے کے حکم سے ثابت ہوتی ہے اور ان سب کا دارومدار دلائل پہ ہے جو موجود ہیں یہ صورت خریداری کے وکیل کے خلاف ہے کیونکہ وہ موکل سے چیز کی قیمت کا مطالبہ خریداری کے بعد کر سکتا ہے اگر چہ اس نے اپنی طرف سے اس کی قیمت ادا نہ کی ہو کیونکہ وہاں قیمت چیز کے بدلہ میں ہے اور چیز کی ملکیت موکل کے لئے ثابت ہو رہی ہے اس وجہ سے ثمن (قیمت) کی ادائیگی اسی کے ذمہ ہے اس

❶ ....فتح القدیر (۳۹۰/۵) اور سابقہ حوالہ جات۔

واسطے وکیل اس کا مطالبہ کرسکتا ہے رہا کفالت کا مسئلہ تو اس میں مطالبے کا حق قرض یا مالک بنانے کی وجہ سے ہے اور وہ ابھی تک موجود ہیں اور جب کفیل نے رقم ادا کردی تو وہ اصیل سے رقم واپس لے سکتا ہے جب کفالت اس کے حکم سے ہو کیونکہ اس وقت دونوں میں قرض دینے اور لینے کا تعلق ہوگا یہاں اصیل قرض لینے والا اور کفیل مال ادا کرنے کی وجہ سے قرض دینے والا ہے اور قرض دینے والا قرض لینے والے سے اپنا قرض واپس لے سکتا ہے۔

چوتھی بحث: کفالت ختم ہونے کا بیان...... یہاں ہم کفالہ کی ہر قسم کے مطابق کفالت ختم ہونے کے طریقوں کو مختصراً بیان کرتے ہیں اگر کفالۃ بالمال ہو تو وہ ❶ دو میں سے ایک طریقے سے ختم ہوتی ہے۔

پہلا طریقہ: قرض دہندہ......کو مال ادا کرنا، یا جو چیز ادائیگی کے معنی میں ہے خواہ یہ ادائیگی کفیل کی طرف سے ہو یا اصیل کی جانب سے کیونکہ قرض کے مطالبے کا حق ادائیگی کا راستہ ہے جب یہ پایا گیا تو کفالۃ کا مقصود حاصل ہوگا لہٰذا عقد کا حکم ختم ہوجائے گا۔ جب قرض دہندہ کفیل یا اصیل کو مال ہبہ کردے تب بھی کفالت ختم ہوجاتی ہے کفیل یا اصیل پہ قرض کا صدقہ کرنا بھی ہبہ کی طرح ہے اسی طرح اگر قرض دینے والا فوت ہوجائے اور اس کے وارث کفیل یا اصیل ہوں تو تب بھی کفالت ختم ہوجاتی ہے اس لیے کہ میراث کی وجہ سے وہ اپنے ذمہ میں واجب چیز کا مالک بن گیا۔ پھر اگر وارث کفیل ہو تو وہ اپنے ذمہ کی چیز کا مالک ہوگیا۔ اس لیے اصیل سے واپس لے گا جیسے وہ اگر ادائیگی سے اس کا مالک ہوتا، اور اگر وارث خود مکفول عنہ ہو تو کفیل بری ہے گویا اس نے رقم ادا کردی۔

دوسرا طریقہ: بری کرنا یا جو اس کے معنی میں ہے.....قرض دہندہ اگر کفیل یا اصیل کو قرض سے بری الذمہ کردے تو کفالت ختم ہے اتنی بات ہے جب کفیل کو بری کرے گا تو اصیل بری نہیں ہوگا اور جب اصیل کو بری کردے گا تو کفیل بھی بری ہوجائے گا اس واسطے کہ قرض اصیل کے ذمہ تھا نہ کہ کفیل کے۔ اس بناء پر اصیل کو بری کرنا اس کے ذمہ سے قرض کو ساقط کرنا ہے۔

لہٰذا ضرورت کی بنا پر کفیل سے مطالبے کا حق ساقط ہوجائے گا۔ اس لئے کہ جب اصل ساقط ہوجائے تو فرع بھی ساقط ہوجائے گی۔ رہا کفیل کو بری کرنا تو وہ اسے مطالبہ سے بری کرنا ہے نہ کہ قرض سے۔ کیونکہ اس پہ تو کوئی قرضہ نہ تھا اور یہ ضروری ہے کہ کفیل سے مطالبے کا حق ساقط کرنے سے اصیل سے قرض بالکل ساقط ہوجائے کیونکہ فرع کے ساقط ہونے سے اصل ساقط نہیں ہوتی۔

اگر قرض دینے والا کفیل یا مقروض سے کہہ دے: تم میری طرف سے مال کی ادائیگی سے بری ہو، تو وہ بری ہوجائے گا کیونکہ یہ قبضے اور وصولی کا اقرار ہے اس وجہ سے کہ اس نے اس کے بری ❷ ہونے کی انتہاء اپنے آپ کو قرار دیا ہے یہی قبضے اور وصولی کی برأت ہے کفیل اور اصیل دونوں بری ہوں گے کیونکہ قرض کی وصولی سے دونوں بری ہوجائیں گے۔ لہٰذا جب کفالت اصیل کے حکم سے تو کفیل اصیل سے واپس لے سکتا ہے۔ قرض دہندہ اگر کفیل یا مقروض سے کہہ دے تم مال سے بری ہو اور یہ نہ کہے: مجھے ادا کرنے سے تو امام ابو یوسف کے نزدیک سابقہ صورت کی طرح بری ہوجائے گا کیونکہ یہ قبضے کا اقرار ہے اس واسطے کہ برأت کی نیت مال کی طرف عرف وعادت میں ادائیگی کے لیے استعمال ہوتی ہے لہٰذا اسی پہ محمول کی جائے گی۔ اور امام محمد کے نزدیک کفیل بری ہوگا نہ کہ اصیل مثلاً وہ کہتا ہے میں نے تمہیں بری کیا، کیونکہ مال سے بری کرنا کبھی ادائیگی کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی بری کرنے سے لہٰذا ادائیگی پہ زائد دلیل کی وجہ سے ہی محمول کیا جائے گا جس کا وجود سابقہ صورت میں ہے جو اس کا یہ کہنا ہے ''مجھے'' کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یہ گفتگو ادائیگی کا پتہ دیتی ہے اور یہاں نہیں پائی گئی جب کفیل اور مقروض مال کفالت کسی اور آدمی کے حوالے کردیں کہ تو نے قرض دہندہ کو ادا کرنا ہے اور جس کے حوالے کیا ہے وہ قبول کرے تو کفالت ختم

---

❶ .....البدائع (۱۱/۶) مختصر الطحاوی ۱۰۴ الدر المختار (۲۸۵/۴)، مجمع الضمانات ۲۷۴) ❷ یعنی اس ترکیب کا فائدہ یہ ہے کہ مال سے بری ہونا جس کی ابتدا کفیل سے ہوتی ہے اور انتہا قرض دینے والا ہے ہی کفیل سے قبضہ کرنے کے اقرار کا معنی ہے گویا اس نے کہا: تو نے مجھے دے دیا۔

ہو جائے گی اس واسطے کہ حوالہ قرض اور مطالبے سے بری کر دیتی ہے (اسی طرح کفالت صلح سے بھی ختم ہو جاتی ہے) بایں طور کہ کفیل قرض دینے والے سے جس چیز کا دعویٰ کیا گیا ہے اس میں سے کچھ پر صلح کرے اس وقت کفیل اور اصیل دونوں حالتوں میں بری ہو جائیں گے پہلی حالت یوں کہے: میں اور مکفول عنہ باقی ماندہ سے بری ہیں۔

دوسری حالت یوں کہے: برأت کی شرط سے مطلقاً میں نے اتنے پر تم سے صلح کر لی اور ایک حالت میں صرف کفیل بری ہو گا وہ یہ کہ کہے: کہ میں باقی سے بری ہوں۔ ❶

اگر کفالت بالنفس ہو تو وہ تین طریقوں سے ختم ہوتی ہے: ❷

الاول..... جو شخص اس ❸ جان کا مطالبہ کر رہا ہے اس کے حوالے کرنا جہاں سے وہ اسے قاضی کی مجلس تک لیجانے کی طاقت رکھتا ہو مثلاً کسی شہر میں ہو کیونکہ کفیل نے اپنی ذمہ داری نبھا دی اور کفالت بالنفس کا مقصود حاصل ہو گیا جو قاضی کے پاس فیصلے کو ممکن بنانا ہے، سو جب مقصود پورا ہو گیا تو کفالت ختم ہوئی، اگر اسے صحرا یا جنگل میں حوالے کیا تو کفیل بری الذمہ نہیں ہوا، کیونکہ وہ اس صورت میں فیصلہ کرانے کی دسترس نہیں رکھتا لہٰذا مقصد پورا نہ ہوا اسی طرح جب کسی ایسے شہر میں حوالے کیا جہاں نہ قاضی ہے اور نہ اس کے گماشتے (نمائندے) جیسے پولیس وغیرہ کیونکہ اس صورت میں فیصلہ کرنا ممکن نہیں اور اگر بازار یا شہر میں حوالے کیا تو بری ٹھہرا۔ اس واسطے کہ مقصد یہ ہے کہ سپردگی ایسی جگہ ہو جہاں سے قاضی کی مجلس میں حاضر کرنا ممکن ہو سکے اگر کفیل سے یہ شرط طے کی کہ وہ خود مکفول کو مخصوص شہر میں حوالے کرے گا لیکن پھر کسی اور شہر میں سپرد کر دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بری ہو جائے گا کیونکہ مخصوص شہر میں فیصلہ کرانے کی قدرت ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جب تک مخصوص جگہ میں سپرد نہیں کرے گا بری نہیں ہوگا کیونکہ شہر کی قید کسی فائدہ مند غرض کے لئے تھی جیسے اس کے مخصوص گواہ ہوں دوسرے نہ ہوں۔

اگر کفیل سے یہ شرط طے کی کہ وہ خود مکفول کو امیر کے پاس حاضر کرے گا لیکن اس نے قاضی کے ہاں حوالے کیا تو بری ہے۔

الثانی..... بری کرنا یعنی حقدار کفیل کو کفالت بالنفس سے بری الذمہ کر دے تو کفالت ختم ہے کیونکہ کفالت کا مقصد جان حوالے کرنے کے ذریعے مطالبے کے حق کو ثابت کرنا ہے اور جب مطالبے کا حق بری کرنے سے ساقط ہوا تو ضرورۃً حق ختم ہو گیا۔

اس حالت میں اصیل بری نہیں ہوگا کیونکہ بری کرنا کفیل کے لیے صادر ہوا ہے نہ کہ اصیل کے لیے اور اگر اصیل کے لیے صادر ہوا تو دونوں بری ہیں۔

الثالث، خود مکفول کی موت..... اصیل مکفول بہ کا اگر انتقال ہو جاتا ہے تو کفیل بالنفس کفالت سے بری ہے اس واسطے کہ وہ اسے حاضر کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اصیل سے حاضر ہونا ساقط ہو گیا تو کفیل سے بھی ساقط ہو جائے گا اسی طرح جب کفیل کا انتقال ہو جاتا ہے تو تب بھی کفالت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ مکفول کو حاضر کرنے پر قادر نہیں رہا اس کا مال تو وہ اس واجب کے نافذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بخلاف کفیل بالمال کے اور اگر مکفول لہ مر گیا تو کفالت بالنفس نہیں ختم ہوگی جیسے کفالت بالمال نہیں ختم ہوتی اس واسطے کہ کفیل اپنی ذمہ داری کی بجا آوری پر قادر رہتا اور وصی یا وارث مطالبے میں میت کا قائم مقام ہوتا ہے۔

---

❶..... المبسوط (۲۰/۵۸، ۹۱) البدائع ۱۲ فتح القدیر (۵/۴۱۲) مختصر الطحاوی (۲۵) مجمع الضمانات (۲۷۴) ❷ البدائع (۶/۱۲) المبسوط (۱۹/۶۶، ۱۶۵) فتح القدیر (۵/۳۹۳) ۴۱۱) الدر المختار (۴/۲۶۷) مجمع الضمانات (۲۶۲، ۲۷۴) الکتاب مع اللباب (۳/۱۵۳) ❸ حوالگی اور سپردگی مکفول اور مکفول لہ کو علیحدہ کر دینے سے ثابت ہوتی ہے۔

جن چیزوں کی ضمانت لی گئی ہے......ان کی کفالت دو میں سے ایک طریقے سے ختم ہوتی ہے اول جس چیز کی ضمانت لی ہے اگر وہ موجود ہے تو اسے حوالے کرنا اور اگر ضائع ہوگئی تو اس جیسی یا اس کی قیمت ادا کرنا۔ دوم بری کرنا یعنی کفیل کو کفالت سے بری کرنا۔ مثلاً یوں کہے: میں نے تمہیں کفالت سے بری کیا کیونکہ کفالت اس کا حق ہے لہٰذا اس کے ساقط کرنے سے ساقط ہو جائے گا جیسے قرض ہوتا ہے یا اصیل کو بری کرنا۔

پانچویں بحث: کفیل کا اصیل سے رقم وصول کرنا......اس بحث میں ہم دو جہتوں سے گفتگو کریں گے رجوع کی شرائط، کب اور کتنا مال واپس لے گا۔ رہی رجوع کی شرائط تو وہ مندرجہ ❶ ذیل ہیں۔

کفالۃ مکفول عنہ کی اجازت سے ہو اگر اس کی اجازت نہیں تھی تو وہ ادائیگی نہیں لے سکتا۔ کیونکہ کفیل اس صورت میں نیکی کرنے والا ہوگا جو کچھ بھی اس نے ادا کیا ہے اگر وہ واپس لے سکتا ہوتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کی نماز جنازہ حضرت ابوقتادۃ کی ضمانت کی وجہ سے نہ پڑھاتے یہ احناف وشافعیہ کا مذہب ہے۔ ❷

امام مالک اور ایک روایت میں امام احمد فرماتے ہیں: یہ شرط نہیں کہ ضمان مضمون عنہ کی اجازت سے ہو۔ کیونکہ یہ ایسی ادائیگی ہے جو واجب قرض سے بری کر دیتی ہے تو یوں سمجھا جائے گا یہ اس کی ضمانت تھی جس پر قرض واجب تھا جیسے حاکم وہ قرض اس کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ادا کر دے۔ ایسا ہی ابن قدامہ کا قول ہے۔ رہے ابوقتادہ تو انہوں نے ادائیگی اور ضمانت کی نیکی کی۔ اس واسطے کہ انہوں نے قصد اُمیت قرض ادا کیا تا کہ اسے اس کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں جب کہ آپ کو علم ہے اس نے ادائیگی کے لیے کچھ مال نہیں چھوڑا اور احسان کرنے والا کچھ بھی واپس نہیں سکتا۔ ❸

کفالت صحیح اجازت سے ہو......یعنی ایسے شخص کی جانب سے ہو جس کا اپنے اوپر قرض کا اقرار صادر ہونے کی اہلیت ہونے لہٰذا بچے کی اجازت معتبر نہیں جسے تصرفات سے ممانعت ہو اور دوسرے کے ذریعے کفیل کے لئے اس کی طرف سے ادائیگی کو واپس لینے کا حق نہیں۔ کیونکہ یہ تعلق قرض لینے کا ہے اور بچے کے قرض لینے سے ضمانت کا کوئی تعلق نہیں۔

۳۔ ضمانت کی نسبت اصیل کی طرف......مثلاً وہ کفیل سے کہے: میری طرف سے ضامن بن جا کیونکہ وہ اگر اپنی طرف نسبت نہیں کرتا تو وہ تعلق ثابت نہیں ہوگا جس پہ قرض دینے کا دارومدار ہے کیونکہ کفالت مکفول عنہ کی نسبت سے قرض لینا ہے (یعنی قرض کا مطالبہ ہے) اور کفیل کی نسبت ادائیگی کے بعد قرض دینا ہے اور مکفول عنہ کو ادا کرنے میں نائب ہے اور مکفول لہ کی نسبت سے جو کچھ مکفول عنہ کے ذمہ میں ہے کفیل سے جو مال اس نے لیا ہے اس کا مالک بنانا ہے اس لئے جو قرض اس نے دیا ہے اسے واپس لے سکتا ہے۔

۴۔ اصیل کا کفیل......یہ ایسا قرض نہ ہو جیسا کفیل نے ادا کیا ہے: کیونکہ جب اس نے قرض ادا کر دیا تو ان میں تبادلہ (مقاصہ) ہوگیا۔ قرض دہندہ اگر کفیل کو مال ہبہ کر دے تو وہ اسے واپس لے سکتا ہے کیونکہ ہبہ مال کی ادائیگی کے معنی میں ہے۔ جب اصیل کو قرض کا ہبہ مل گیا تو کفیل بری ہے کیونکہ یہ اور مال کی ادائیگی برابر ہیں۔ اور اگر قرض دہندہ فوت ہوگیا اور کفیل اس کا وارث بنا تو اصیل سے واپس لے سکتا ہے اور اگر اصیل اس کا وارث بنا تو کفیل بری ہے کیونکہ وارثت ملکیت کا ایک سبب ہے اور جب اصیل مال کا مالک ہوگا تو بری ہوگا جس کی وجہ سے کفیل بھی بری ہو جائے گا اگر قرض دینے والا کفیل کو بری کر دے تو اصیل سے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ بری کرنا ساقط کرنا ہے جو کفیل کی نسبت سے صرف مطالبے کے حق کو ساقط کرنا ہے۔

---

❶......البدائع ۱۳ فتح القدیر (۵/۴۱۰۷) المبسوط (۱۹/۱۷۸) ❷المھذب (۱/۳۴۱) مغنی المحتاج (۲/۲۰۹) ❸بدایۃ المجتھد (۲/۲۹۴) المغنی (۴/۴۴۹) القوانین الفقھیۃ (۳۲۵)

اور جب کفیل اصیل کو اس سے جس کا وہ اس کی اجازت سے ضامن بنایا اس سے ہبہ لیا تھا بری کر دے تو جائز ہے اس کے بعد اگر کفیل نے قرض ادا کیا تو واپس نہیں لے سکتا اگر قرض دہندہ کفیل سے کہتا ہے: مجھے مال ادا کرنے سے تم بری ہو تو احناف کے اتفاق سے کفیل اصیل سے واپس لے سکتا ہے کیونکہ یہ قبضے اور وصولی کا اقرار ہے۔اس اعتبار سے یہ لفظ ادائیگی میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا وہ واپس لے گا۔یعنی یہ برأت صرف پوری طرح ادائیگی سے ہوتی ہے تو یہ اس بات جیسی ہے تم نے مال مجھے دیدیا اور میں نے تم سے وصول کرلیا، جو قبضے کا اقرار ہے البتہ جب یہ کہا: مجھے ادا کرنے سے تم بری ہو تو یہ امام اور یوسف کے نزدیک قبضے کا اقرار ہے گویا اس نے کہا: مجھے مال کی ادائیگی سے تم بری ہو۔

کیونکہ یہ خاص برأت کا اقرار ہے جو کفیل کے ساتھ ہے جو اس سے صادر ہونے والے فعل کے ذریعے ہے۔مثلاً کہا جائے میں بیٹھا اور اٹھا یہاں وہ فعل پوری ادائیگی ہے اور امام محمد کے نزدیک کفیل مکفول عنہ سے واپس نہیں لے گا اس واسطے یہ اس کی اس بات کے قائم مقام ہے میں نے تمہیں مال سے بری کیا کیونکہ اس میں اسے ادا کرنے کی وجہ سے بری ہونے کا احتمال ہے (یعنی قبضے اور بری کرنے کے ساتھ) جس سے ادنیٰ مقدار جو برأت کفیل سے ثابت ہو جائے گی رہی اس سے زائد (جو ادائیگی ہے) تو اس میں شک ہے لہٰذا شک سے قبضہ ثابت نہیں ہوگا دوسرے کے ذریعے اس وقت کفیل کے لیے مکفول عنہ سے واپسی کا حق نہیں ثابت ہوگا احناف کے ہاں یہ زیادہ وزنی رائے ہے کفیل کا مکفول عنہ سے قرض دہندہ کے یوں کہنے سے میں نے تمہیں بری کیا واپس نہ لینے کا سبب یہ ہے کہ لفظ سے کفیل کے مخصوص ہونے کا فائدہ ہے تو مقروض سے قرض ساقط کرنے کے ساتھ غیر تک اس کا اثر نہیں پہنچے گا اس واسطے یہ لفظ قرض کی ادائیگی کے اقرار کو شامل نہیں ہوگا اس صورت میں اور دوسری صورت تم مال سے بری ہو امام ابو یوسف کے ہاں یہ ہے بری کرنے سے برات کفیل کے فعل سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ قرض دہندہ کے فعل سے ہوگی اس لیے وہ فعل کفیل کی جانب منسوب [1] نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ احناف کے ہاں راجح یہ ہے کہ کفیل قرض دینے والے کے یوں کہنے سے۔تم بری ہو جو مجھے ادا کرنے یا میں نے تمہیں بری کیا کے بغیر اصیل سے واپس نہیں لے سکتا۔اس واسطے کہ یہ بری کرنا ہے نہ کہ قبضے کا اقرار ہے۔

کئی کفیلوں کی صورت میں کفیل کا اصیل سے رقم واپس لینا......مثلاً دو شخص کسی ایک آدمی کے ہزار روپے کے کفیل بنتے ہیں۔اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کا کفیل نہیں ہوا بلکہ ہر ایک نے اپنے ذمہ کی رقم ادا کر دی تو جو کچھ اس نے ادا کیا ہے وہ اپنے ساتھی سے واپسی نہیں لے گا۔کیونکہ اس نے اپنے حصے کی رقم ادا کی ہے نہ کہ اپنے ساتھی کی طرف سے۔البتہ اصیل سے واپس لے سکتا ہے اس واسطے کہ اس کی اجازت سے اس کا کفیل تھا اگر ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے ذمہ واجب رقم کا کفیل بن گیا تو جتنی رقم کفیل نے ادا کی ہے اس میں اسی کی بات معتبر ہوگی کہ وہ دوسرے کفیل کی کفالت سے تھی یا اس کی اپنی کفالت سے تھی اس لیے کہ اس سے مال کا مطالبہ دو وجہوں سے ہے۔

اول......اسی کی اصیل کی طرف سے اپنی کفالت کی وجہ سے دوم اپنے ساتھی کی کفالت کی وجہ سے اور دو میں سے ایک وجہ دوسرے سے بہتر نہیں۔تو اسے اختیار ہے دونوں میں سے جس کی طرف سے چاہے ادا کرے۔

اگر ہر ایک دوسرے کے ذمہ واجب رقم کا کفیل بن جائے تو جو کچھ بھی ان میں سے ادا کرے گا وہ آدھی رقم اس کی اپنی طرف سے ہوگی جو ہماری مثال میں پانچ سو بنتے ہیں اس سلسلہ میں اس کی یہ بات نا قابل اعتبار ہے کہ اس نے اپنے ساتھی کی طرف سے رقم ادا کی ہے نہ کہ اپنی طرف سے بلکہ اتنی مقدار اس نے اپنی طرف سے ادا کی ہے اس لئے شریک سے واپس نہیں لے گا جیسا اس کی یہ بات قبول نہیں کی جائے گی کہ ادائیگی کے وقت وہ کہے: وہ اپنی طرف سے نہیں اپنے شریک کی طرف سے ادا کر رہا ہے جب تک ادائیگی کی رقم آدھے سے نہ بڑھے اپنے شریک سے واپس نہیں لے سکتا جو ہماری مثال کے مطابق پانچ سو ہیں اگر پانچ سو سے زیادہ ادا کی تو اگر چاہے تو اپنے شریک سے واپس لے سکتا ہے اور اگر چاہے اصیل سے وصول کرے یہی قاعدہ دوسرے اصول پر منطبق ہو سکتا ہے: مثلاً دو شخص ہزار کی کوئی چیز مل کر خریدتے ہیں ہر

[1] المبسوط (۲۰/ ۹۳) فتح القدیر (۵/ ۴۱۳) ردالمحتار علی الدر المختار (۴/ ۲۸۷)

ایک اپنے ساتھی کی قیمت کا ذمہ دار بنتا ہے تو ان میں سے جو بھی ادا کرے گا تو وہ جب تک نصف سے زائد نہ ہو اپنے شریک سے واپس نہیں لے سکتا: شرکۃ مفاوضہ کے دو شریک جب علیحدہ ہو جائیں اور دونوں کے ذمہ قرض ہو تو قرض دینے والا دونوں سے مطالبہ کر سکتا ہے اور ان میں سے جو کوئی ادا کر دے جب تک وہ اداشدہ رقم آدھے سے زائد نہ ہو اپنے شریک سے واپس نہیں لے سکتا۔

کفیل اصیل سے کیا واپس لے سکتا ہے...... احناف کے نزدیک جو چیز اس نے ادا کی ہے وہ واپس نہیں لے سکتا بلکہ جس کا ضامن بنا تھا کیونکہ ادائیگی سے وہ اصیل کے ذمہ جو چیز تھی اس کا مالک بن گیا لہٰذا جس سے کفالۃ مکمل ہوا سے واپس لے گا اگر کفالت کسی عمدہ چیز پر تھی اور اس نے اس سے کم ادا کی تو وہ اصیل سے عمدہ واپس لے گا اسی طرح جب نقدی قرض کا کفیل بنا پھر اس کی طرف سے ناپنے والی وزنی چیز یا سامان تجارت ادا کیا تو جس کا کفیل بنا تھا وہ واپس لے گا نہ کہ جو ادا کی ہے۔ یہ صورت قرض ادائیگی کے وکیل کے خلاف ہے کیونکہ وہ موکل (وکیل بنانے والے) سے اداشدہ رقم لے نہ کہ قرض۔ اس واسطے کہ ادائیگی سے وہ قرض کا مالک نہیں بنا بلکہ جو موکل نے ادا کرنا تھا وہ قرض دے دیا۔ لہٰذا جو قرض دیا ہے وہی واپس لے گا رہا یہ مسئلہ کہ صلح کی حالت میں کچھ قرضے پہ صلح کرنا تو جتنے مال پہ صلح کی اتنا واپس لے گا نہ کہ سارا قرض کیونکہ جو کچھ اصیل کے ذمہ تھا یعنی سارا قرض اس کی ادائیگی سے وہ مالک نہیں ہوا اس لئے کہ صلح کو مالک بنانا مقصور کرنا ناممکن ہے کیونکہ وہ سود کا ذریعہ ہے۔ ❶

مالکیہ اور شافعیہ کا زیادہ صحیح قول یہ ہے..... کہ کفیل عملی طور پر جو ادا کرے گا وہ اصیل سے واپس لے سکتا ہے کیونکہ کم از کم وہ قرض ہو گا زائد واجب نہیں تھا جس کی ادائیگی میں اسے ثواب ملے گا حنابلہ کا کہنا ہے: کفیل نے جو کچھ ادا کیا اس میں سے کم یا قرض کی مقدار اصیل سے واپس لے گا۔ اگر اداشدہ کم ہو تو جو تاوان اس نے ادا کیا ہے وہ واپس لے گا اس واسطے کہ اس نے یہی چیز صرف کی ہے ایسا ہی صلح کی حالت یا کچھ قرضے سے بری کرانے کی صورت میں کفیل اداشدہ واپس لے گا ❷ اور اگر اداشدہ کم ہو تو ادا کردہ واپس لے گا یوں ان کا مذہب مالکیہ اور شافعیہ کی طرح ہے۔ ❸

کفیل اصیل سے کب واپس لے گا...... کفیل کے لیے جائز نہیں کہ جس مال کا وہ کفیل بنا ہے اصیل کی طرف سے اس کی ادائیگی سے پہلے مطالبہ کرے۔ اس واسطے کہ ادائیگی سے قبل وہ اس کا مالک نہیں ہوا۔ خریداری کے وکیل کے خلاف کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہ ادائیگی سے واپس لے سکتا ہے اس کی حیثیت بیچنے والے کی سی ہے اگر کفیل بالمال سے مکفول بہ کا مطالبہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ بھی اصیل کا پیچھا نہ چھوڑے۔ اگر اسے اس کی وجہ سے قید ہو تو اسے قید کرائے یہاں تک کہ چھوٹ جائے اس واسطے کہ اسے جو برائی بھی پہنچی اس کا سبب یہی ہے لہٰذا اُسے اسی جیسا بدلہ ملنا چاہیے۔ ❹

ضمیمہ: موجودہ دور میں کفیل بننے کی فیس (اجرت) لینا...... کفالت نیکی کا عقد ہے جس پہ کفیل کو ثواب ملتا ہے کہ بھلائی میں مدد ہے کفیل نے جو ضمانت کی ذمہ داری نبھائی ہے اور مکفول کی درستگی کے لیے جو کچھ صرف کیا ہوا اصیل سے واپس لے سکتا ہے، بہتر تو یہی ہے کہ نیکی کسی معاوضہ کے بغیر پوری ہو جس میں شبہ کا احتمال نہیں۔ اگر مکفول لہ پہلے سے کوئی مال بطور ہبہ یا ہدیہ کفیل کو دے تو جائز ہے تاکہ جو نیکی کفیل نے کی ہے اس کا بدلہ ہو جائے لیکن اگر کفیل پیشگی اجرت (فیس) یا بدلے کی شرط لگائے اور مکفول عنہ کو اپنا معاملہ سلجھانا مشکل لگتا ہو تو ضرورت یا عام حاجت کی بنا پر فیس دینا جائز ہے کیونکہ اجرت نہ دینے کی وجہ سے مشاغل بے کار جاتے ہیں۔ جیسے تعلیمی سفر یا کمائی کرنے یا فوج میں بھرتی ہونا ملتوی ہو رہا ہو اس میں جواز کی بنیاد فقہاء کا قول ہے: وہ یہ کہ فقہاء نے ضرورت کے لئے اجرت دینا جائز قرار دیا ہے جس سے نیکی کے کام مثلاً قرآن کی تعلیم دینا دینی شعائر کی مہارت جیسے انہوں نے حق تک رسائی اور ظلم دور کرنے کے لئے بطور رشوت مال دینا جائز

❶......البدائع ۵ ❷ الشرح الكبير (۳/۳۴۶) مغنی المحتاج (۲/۲۰۹) ❸ المغنی (۴/۵۵۱) ❹ الكتاب مع اللباب (۲/۱۵۷)

قرار دیا ہے۔ یا مثلاً شہروں سے دشمن کا نقصان اور خطرہ ہٹانے کے لیے ایسا کیا جائے اور مکفول عنہ کفالۃ کی وجہ سے منفعت کا حقدار ہو جائے گا اور اجرت والی کفالت اس تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ لیکن معاوضے کی شرط لگانے میں
زیادہ قیمت وصول کرنے یا بڑھانے سے بچنا ضروری ہے تا کہ کفالت کی مشروعیت کی بنیاد کی رعایت رکھی جائے جو نیکی ہے۔

گیارہویں فصل: حوالہ.....موضوع کا نقشہ:

حوالہ کے معاملے میں ہم مندرجہ ذیل مباحث کے بارے گفتگو کریں گے۔

بحث اول	......	حوالہ کی تعریف، جواز، رکن اور الفاظ
بحث ثانی	......	حوالہ کی شرائط
بحث ثالث	......	حوالہ کے احکام
بحث رابع	......	حوالہ کا اختتام
بحث خامس	......	محال علیہ کی محیل سے وصولی

گفتگو کا آغاز ہم کرتے ہیں۔

بحث اول.....حوالہ کی تعریف جواز، رکن اور اس کے الفاظ:

حوالہ کی تعریف.....لغت میں حوالہ منتقل ہونے کو کہتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: **حال عن العهد** وہ دور سے منتقل ہو گیا یعنی تبدیل ہو گیا۔ اور اصطلاح میں مقروض کی ذمہ داری کے مطالبہ کو التزام کرنے والے کی ذمہ داری کی طرف منتقل کرنا جب کہ کفالہ اس کے بر عکس ہے اس میں مطالبہ میں ملانا ہوتا ہے نہ کہ منتقل کرنا لہٰذا بالاتفاق حوالہ کے بعد مقروض سے مطالبہ نہیں ہوگا۔ آیا قرض منتقل ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں احناف کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کی وضاحت ہوئی ہے۔ اسی بنا پر عنایہ کے مصنف نے حوالہ کی تعریف یوں کی ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں حوالہ یہ ہے اصیل کے ذمہ سے محال علیہ کے ذمے اعتماد کے ساتھ قرض منتقل کرنا [1] احناف کے علاوہ فقہاء نے اس کی تعریف یہ کی ہے: ایسا عقد جو ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ تک قرض منتقل کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ [2]

جواز.....قرض منتقل کرنا سنت اور اجماع سے ثابت ہے ماسوائے ان لوگوں کے جنہوں نے قرض کے ذریعہ قرض میں تصرف کرنے سے منع کیا ہے۔ سنت سے اس کا ثبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مالدار کا ٹال مٹول ظلم ہے جب تم میں سے کسی کو کسی مالدار کے پیچھے لگنا پڑے (تا کہ اس سے اپنا حق وصول کرو) تو اس کے پیچھے لگ جائے یعنی حوالے کو قبول کر لے جیسا کہ بیہقی کی روایت ہے اور المعجم الوسیط میں طبرانی کی روایت ہے جس کا قرض کسی مالدار کے حوالہ ہو جائے وہ اس حوالے کو قبول کر لے امام احمد اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے جس کا کسی [3] مالدار کے حوالہ ہو وہ اسے قبول کرے [4] ایک روایت میں ہے جب حوالے کیا جائے، جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ مذکورہ حکم استحبابی

---

[1].....فتح القدير مع العنا يه (۵/۴۴۳) الدر لمختار (۴/۳۰۰) مجمع الضمانات ۲۸۲ [2] الشرح الكبير (۳/۳۲۵) مغنی المحتاج (۲/۱۹۳) المغنى (۴/۵۲۸) غاية المنتهى ۲/۱۱۴) [3] مطل بالدین، اس میں ٹال مٹول کرنا جو مطلت الحدیدۃ سے ماخوذ ہے جب اسے کوٹ کر لمبا کیا جائے۔ ملئی مالدار کو کہتے ہیں۔ جس کا دامن کشادہ ہو اصل میں اسے کہا جاتا ہے۔ [4] یہ روایت صحاح ستہ امام احمد، ابن ابی شیبہ اطبرانی کی معجم وسط میں بحوالہ حضرت ابو ہریرۃ روایت کردہ ہے یہی روایت امام احمد ابن ماجہ اور ترمذی نے بحوالہ ابن عمران الفاظ میں نقل کی ہے مطل الغنى ظلم واذا احلت على ملى فاتبعه اور بزار نے جابر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے مطل الغنى ظلم اذا اتبع احدكم على ملئى فليتبع۔ اس میں ضعیف راوی ہیں۔ نصب الرأية (۴/۵۹) التلخيص الحبير ۲۵۰ مجمع الزوائد (۴/۱۳۰) سبل السلام ۳/۶۱)

ہےلہٰذا حوالے کوقبول کرنا واجب نہیں۔ابوداؤداورامام احمد کا قول ہے یہ حکم وجوب کے لیے ہےلہٰذا محال پرحوالہ کوقبول کرنالازم ہے۔ ❶

اجماع……فی الجملۃ اہل علم کا حوالہ کے جواز پراجماع ہے ❷ یہ ایسا عقد ہے جو چیزوں کےعلاوہ قرضوں میں جائز ہے کیونکہ اس سے منتقل کرنے کا پتہ چلتا ہےاورمنتقلی قرضوں میں ہوتی ہے نہ کہ چیزوں میں یعنی حکمی انتقال چیزوں میں نہیں پایا جاتا اس لیے ان میں حوالہ صحیح نہیں۔

حوالہ کا رکن……احناف کے ہاں حوالہ کا رکن محیل کا ایجاب،محال ومحال علیہ کامخصوص الفاظ سے جوحوالہ کے الفاظ کہلاتے ہیں قبول کرنا ہے۔

ایجاب یہ ہے کہ محیل قرض دینے والے سے کہے: میں تمہارا قرض فلاں کے حوالے کرتا ہوں اور محال ومحال علیہ سے قبول کرنا یہ ہے کہ ان میں سے ہرایک کہے: میں نے قبول کیا یا میں راضی ہوں یا اسی طرح کے الفاظ کہے :احناف کے ہاں محال علیہ کی رضا مندی ضروری ہونے کا سبب یہ ہے کہ حوالہ محال علیہ پرحق کی اس کی ذمہ داری میں منتقلی کا تصرف ہے جو اس کی رضا مندی اور قبول سے ہی پورا ہوتا ہے کیونکہ قرض اسی پہ لازم ہوگا اورالتزام کے بغیر لزوم نہیں پایا جاتا۔اس کے محیل کا مقروض ہونے سے التزام کی صفت میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس واسطے کہ لوگ قرض کی ادائیگی میں سہولت وآسانی تختی وتنگدستی میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

رہی محال کی رضا مندی تو وہ بھی ضروری ہےاس واسطے کہ قرض اس کا حق ہے جومحیل کے ذمہ تھا اور وہی قرض حوالہ کے ذریعہ منتقل ہورہا ہے ذمہ داریاں اچھی طرح ادائیگی اورٹال مٹول میں جدا جدا ہوتی ہیں اس لیے اس کی رضامندی ضروری ہے ورنہ یہ نقصان ہوگا اسے ایسے شخص کے پیچھے پڑنا پڑے گا جو اسے پوراحق ادانہیں کرے گا جہاں تک محیل کا تعلق ہے تو صاحب قدوری نے اس کی رضا شرط قراردی ہے کیونکہ مروت والےلوگ اپنی ذمہ داری کسی اور کے اپنے ذمہ لینے سے ناراض ہوتے ہیں۔زیادات میں پسندیدہ رائے مذکور ہے کہ حوالہ اس کی رضا کے بغیر بھی صحیح ہے اس واسطے کہ محال علیہ سے قرض کا التزام اس کا اپنے حق میں تصرف ہےاورمحیل کو اس سے کوئی ضررنہیں بلکہ اس کا فائدہ ہے۔ ❸

حنابلہ اورظاہریہ کا قول ہے:صرف محیل کی رضامندی ضروری ہے جہاں تک محال اورمحال علیہ ہیں تو ان پرحوالہ کوقبول کرنالازم ہے اس واسطے کہ ان کے ہاں حدیث میں یہ حکم وجوب کے لیے ہے جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ان دونوں کی ❹ رضامندی کا کوئی اعتبارنہیں۔احناف کے بالکل خلاف حنابلہ نے محال پہ اورمحال علیہ کے جاننے کی شرط کوکافی سمجھا ہے۔

اورمحال علیہ کی رضامندی کے شرط نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ محیل خوداوراپنے وکیل سے پوراحق لے۔اورمحال نے قبضہ کرنے میں اپنی جگہ کھڑا کردیا ہےتو محال علیہ پہ لازم ہے کہ وہ وکیل کا مال اسے دے دے۔مالکیہ اپنے مشہوراورشافعیہ اپنے اصح قول کے مطابق کہتے ہیں: حوالہ کےصحیح ہونے کے لیےصرف محیل اورمحال کی رضاضروری ہے کیونکہ محیل جہاں سے چاہے حق ادا کرے کوئی مخصوص جہت متعین نہیں اور محال کا حق محیل کے ذمہ میں ہے جو اس کی رضا کے بغیر منتقل نہیں ہوگا اس واسطے کہ ذمہ داریاں ادااورقضا میں بدلتی رہتی ہیں۔جہاں تک محال ہے تو اس پرحوالہ کی رضامندی لازم نہیں کیونکہ حدیث میں حوالہ کی مشروعیت وجواز کا حکم استحباب کے لئے ہے اس واسطے محال پہ حوالہ کرنے کی قبولیت لازم نہیں۔اورمحال علیہ کی رضا بھی شرط نہیں اس واسطے کہ وہ حق وتصرف کا محل ومقام ہےاورحق محیل کا تھا اسے چاہیے کہ وہ اس کے بغیر پوری طرح لے لے۔اورحکم صرف قبضے کوتفویض کرنے کا ہےلہٰذا جس پرتھا اس کی رضامندی ضروری نہیں۔جیسے کوئی انسان دوسرے کواپنا

---

❶…… سبل السلام، المغنی (۴/ ۵۲۷)، العینه ان للشعرانی (۲/ ۸۰) ❷ المغنیٰ المهذب (۱/ ۳۳۷) مغنی المحتاج (۲/ ۱۹۳) بدائع المجتهد (۲/ ۲۹۴) ❸ البدائع (۶/ ۱۶) فتح القدیر حواله سابقه مختصر الطحاوی ص ۱۰۲ ردالمحتار (۴/ ۳۰۱) ❹ المغنی (۴/ ۵۲۲، ۵۲۷) غاية المنتهی (۲/ ۱۱۴) كشاف القناع (۳/ ۳۷۴)

قرض وصول کرنے کے کا وکیل بنائے اور محال علیہ محال کی مخالفت کرے کہ حق اس کا ہے اس واسطے اس کی رضا مندی کے بغیر منتقل نہیں ہوگا جیسے بیچنے والا رہا محال علیہ تو حق اس پہ ہے اس لئے اس کی رضا ضروری نہیں جیسے کوئی بکی ہوئی چیز ہوتی ہے ❶ سابقہ بحث سے سوائے احناف کے جمہور فقہاء کے نزدیک حوالہ کی بنیاد چھ ستونوں پہ قائم ہے: محیل (مقروض) محال جسے محتال اور حویل بھی کہا جاتا ہے جو قرض دینے والا اور دائن ہے۔ محال علیہ یا محتال علیہ جس نے محال کے لئے قرض کا التزام کیا ہے محال بہ یا محتال بہ وہ قرض جو محال کا محیل کے ذمہ ہے اور محیل کا قرض محال علیہ کے ذمہ ہے اور ❷ الفاظ حوالہ۔

بحث ثانی حوالہ کی شرائط......احناف کے ہاں حوالہ کے صحیح ہونے کی چند شرائط ہیں جن کا تعلق محیل، محال، محال علیہ اور محال بہ سے ہوتا ہے۔

محیل میں دو شرطیں ہیں:

اول: **عقد کرنے کی اہلیت رکھتا ہو**......یعنی عاقل بالغ ہو اس لیے پاگل اور نا سمجھ بچے کا معاملۂ حوالہ صحیح نہیں کیونکہ عقل ممارست یعنی تصرف کی شرط ہے۔ سمجھدار بچے کا حوالہ نافذ نہیں ہوگا بلکہ اس کے وارث یا سرپرست کی اجازت پہ موقوف (اٹکا) رہے گا اس بناپر بلوغت نفاذ کی شرط ہے نہ کہ منعقد ہونے کی۔

دوم: **محیل کی رضا**......لہٰذا اگر اس سے زبردستی حوالہ کرایا گیا تو صحیح نہیں کیونکہ حوالہ ایسا ابراء (بری کرنا) ہے جس میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے جو زبردستی سے فاسد ہو جاتا ہے جیسے تملیکات ❸ کے دیگر معاملات ہیں مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا اس شرط میں ان سے اتفاق ہے الا یضاح میں ابن کمال کا قول ہے: محیل کی رضامندی صرف اس سے واپس لینے کے لئے شرط ہے۔

محال کی شرائط......محال میں تین شرطیں ہیں:

عقد کا اہل ہو جیسے محیل میں عقلمند ہونے کی شرط ہے اس واسطے کہ اس کا قبول کرنا عقد کا رکن ہے اور بے عقل قبول کرنے والوں میں شامل نہیں بالغ ہو جو نفاذ کی شرط ہے نہ کہ انعقاد کی جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اگر محال نابالغ ہو تو حوالہ میں اس کے سرپرست کی اجازت کی ضرورت ہے۔ دوم رضامندی لہٰذا اگر محال سے زبردستی اجازت لی گئی تو حوالہ صحیح نہیں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ مالکیہ اور شافعیہ اس شرط میں ان سے اتفاق کرتے ہیں۔ سوم اس کا قبول کرنا حوالہ کی مجلس میں ہی مکمل ہو جو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک انعقاد کی شرط ہے لہٰذا اگر محال مجلس سے غائب تھا اسے اطلاع ملی اور اس نے اجازت دیدی تو ان کے نزدیک نافذ نہیں ہوگا امام ابویوسف کے نزدیک یہ نفاذ کی شرط ہے علامہ کاسانی فرماتے ہیں: صحیح طرفین کا قول ہے کیونکہ محال کا قبول کرنا حوالہ ❹ کا ایک رکن ہے۔

محال علیہ کی شرائط......محال علیہ میں وہی تین شرطیں ہیں جو محال میں ہیں۔

اول عقد کا اہل ہو عاقل و بالغ ہو اس لئے بچے اور پاگل کا حوالہ صحیح نہیں البتہ یہاں بلوغت انعقاد کی شرط سمجھ جاتی ہے لہٰذا بچے کا حوالہ قبول کرنا سرے سے صحیح نہیں۔ دوم رضامندی اگر زبردستی حوالہ قبول کرایا گیا تو صحیح نہیں اور مالکیہ نے محال علیہ کی رضامندی کی شرط نہیں لگائی۔

سوم اس کا قبول کرنا مجلس عقد میں مکمل ہو جو امام ابوحنیفہ اور امام محمد ❺ کے نزدیک انعقاد کی شرط ہے۔

---

❶ بدایۃ المجتہد (۲/۲۹۴) الشرح الکبیر (۳/۳۲۵) المہذب (۱/۳۳۸) مغنی المحتاج (۲/۱۹۳) ❷ مغنی المحتاج حوالہ سابقہ فتح القدیر (۵/۴۴۳) ❸ البدائع: (۶/۱۶) مجمع الضمانات (۲۸۲) ❹ سابقہ حوالہ ❺ البدائع سابقہ حوالہ

محال بہ کی شرطیں.....علماء کے اتفاق سے محال بہ میں مندرجہ ذیل (۱) دو شرطیں ہیں۔

اول: دین ہو یعنی محال کا محیل کے ذمہ قرض ہو اگر قرض نہ ہو تو یہ عقد وکالت ہوگا جس کے اپنے احکام ہیں حوالہ نہیں۔ اسی پر یہ حکم مرتب ہوتا ہے کہ قائم چیزوں میں حوالہ صحیح نہیں کیونکہ وہ ذمہ میں ثابت نہیں ہوتیں۔

دوم: دین لازم ہو گزشتہ کا حوالہ جو مکاتب پر کتابات کے بدلے ہو صحیح نہیں کیونکہ وہ غیر لازم دین ہے کیونکہ آقا کا اپنے غلام پہ قرض نہیں ہوتا خلاصہ یہ ہوا کہ ہر ایسا قرض جس میں کفالہ صحیح نہیں اس میں حوالہ بھی درست نہیں ہے۔ اسی طرح جب محیل کا قرض محال علیہ کے ذمہ غیر لازم ہو جیسے بچے اور ناسمجھ کا قرض تو اس میں سرپرست کی اجازت کے بغیر حوالہ صحیح نہیں کیونکہ یہ قرض ان دونوں پہ لازم نہیں اس واسطے کہ سرپرست بچے اور ناسمجھ سے قرض دور کر سکتا اور ہٹا سکتا ہے۔ اسی طرح ایسا سودا جس کا اختیار ہے اس کی قیمت لازم ہونے سے پہلے اسے بھی دین غیر لازم شمار کیا گیا ہے۔ رہا محیل کا محال علیہ پر حوالہ سے پہلے دین کا واجب ہونا تو یہ احناف کے ہاں حوالہ صحیح ہونے کی شرط نہیں۔ اس کے بغیر بھی حوالہ صحیح ہے محیل کا محال علیہ کے ذمہ قرض ہو یا نہ ہو خواہ حوالہ مطلق ہو یا مقید۔

مالکیہ کے ہاں محال بہ میں تین شرطیں ہیں:

اول.....جس قرض کو حوالہ کیا گیا اس کا وقت ہو گیا ہو۔

دوم.....محال بہ قرض محال علیہ کے لیے صفت اور مقدار میں برابر ہو یہ جائز نہیں کہ ایک کم یا زیادہ یا ادنی یا اعلی ہو کیونکہ وہ حوالہ سے بچنے کی طرف نکل جائے گا۔ جوا سے قرض کے بدلے قرض میں شامل کر دے گا۔

سوم.....دو دین نہ ہوں یا ایک ان میں سے سلم کا اناج ہو اس واسطے کہ یہ قبضے سے پہلے اناج کی فروختگی ہے۔

احناف کے ہاں حوالہ کی دو قسمیں ہیں..... مطلق اور مقید، مطلق یہ ہے کہ کوئی شخص قرض کو کسی اور کے حوالے کر دے اور سے اس قرض کے ساتھ مقید نہ کرے جو اس کے ذمہ ہے اور جس کے حوالہ کیا ہے وہ قبول کر لے۔ احناف کے علاوہ کسی نے اسے جائز قرار نہیں دیا ہے البتہ شیعہ امامیہ اور زیدیہ کے اپنے راجح قول میں ان سے اتفاق کرتے ہیں۔ احناف کے علاوہ مذاہب ثلاثہ میں حوالہ مطلقہ جس میں مقروض کا محال علیہ کے ذمہ کوئی قرض نہ ہو محض کفالہ شمار ہوتا ہے جس میں اطراف سے تینوں کی رضامندی ضروری ہے (قرض دہندہ، مقروض اور محال علیہ)

مقید.....کہ جو قرض اس کے ذمہ ہے اس کی قید لگا کر حوالہ کرے یہ حوالہ علماء کے اتفاق سے جائز ہے (۲) دونوں قسمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے جائز ہیں۔ جس کا مال کسی مالدار کے حوالہ کر دیا گیا ہو وہ اس کے پیچھے پڑ جائے البتہ حوالہ مطلقہ بعض احکام میں حوالہ مقیدہ سے مختلف ہے اس کی تفصیل پیش خدمت ہے۔ (۳)

۱.....جب حوالہ مطلقہ ہو اور محیل کا محیل علیہ کے ذمہ قرض نہ ہو تو محال محال علیہ سے صرف حوالہ کے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اگر اس کے ذمہ قرض ہو اور حوالہ کو اس طرح کہنے سے مقید نہ کیا ہو: جو میرا قرض تمہارے ذمہ اس کے بدلے میں یہ قرض تمہارے حوالے کرتا ہوں یا جو میرا قرض تمہارے ذمہ ہے تم اسے دے دو گے اور محال علیہ قبول کر لے تو محال علیہ سے دو قرضوں کا مطالبہ ہو سکتا ہے حوالہ کا قرض اور محیل کا قرض محال حوالے کا قرض طلب کرے اور محیل وہ قرض جو اس کے ذمہ ہے جیسے کسی کے پاس ہزار روپے امانت ہیں پھر کسی کے حوالے ہزار کر

---

(۱).....البدائع (۱۶/۶) بدایۃ المجتہد (۲۹۵/۲) الشرح الکبیر (۳۲۶/۳) مغنی المحتاج (۱۹۴/۲) المہذب (۳۳۷/۱) المغنی (۵۴۳/۴) (۲) جو قانون داں ڈاکٹر سنہوری کی رائے۔ وسیط (۲۴۰) (۳) البدائع (۱۶/۶) الدر المختار وردالمحتار (۳۰۶/۴) مجمع الضمانات (۲۸/۳)

دے لیکن ہزار امانت والے کے ساتھ مقید نہیں کیا اور اس نے قبول کر لیا تو محیل ودیعت وامانت لے سکتا ہے اور محال علیہ پر حوالہ کی وجہ سے ہزار روپے ادا کرنا ضروری ہے۔ البتہ جب اس قرض سے جو اس کے ذمہ ہے حوالہ کو مقید کرے تو محیل اس سے ادائیگی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس نے حوالہ کو اس قرض سے مقید کیا ہے تو محال کا حق اس سے جڑا رہے گا اور یہ قرض اس کے پاس بطور رہن رہے گا اگرچہ حقیقتاً رہن نہیں ہے اور جب مال ادا کر دے تو محال علیہ اور محیل میں مقاصہ (تبادل) ہو جائے گا۔

۲.....اور اگر حوالہ مقید ہو اور محال علیہ کی اس قرض سے برأت ظاہر ہو گئی ہو جس سے حوالہ مقید ہے۔ مثلاً کسی بکی ہوئی چیز کا ثمن (قیمت) ہو جس چیز کا کوئی حقدار نکل آیا تو حوالہ باطل ٹھہرا، کیونکہ جب اس نے حوالہ قرض کے ساتھ مقید کیا تو حوالہ دین سے مقید ہو گیا۔ اور جب یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ دین نہیں تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ حوالہ بھی نہیں۔ البتہ جب حوالہ مطلقہ ہو اور محال علیہ کی قرض سے برأت ظاہر ہو جائے تو باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ حوالے کے ساتھ قرض کا تعلق نہیں بلکہ ذمہ سے تعلق ہے لہٰذا حوالہ کا باطل ہونا ظاہر نہیں ہوا۔

۳.. جب حوالہ مقیدہ ہو پھر محیل کا محال علیہ کی محال کو قرض کی ادائیگی سے پہلے انتقال ہو جائے۔ اور محیل کے ذمہ محال کے قرض کے علاوہ اور قرضے بھی تھے اور اس قرض کے علاوہ جو اس کا محال علیہ کے ذمہ تھا اس کا کوئی اور مال بھی نہیں تو احناف کے تینوں آئمہ کے نزدیک محال دوسرے حقداروں سے زیادہ اس کا مستحق نہیں ہوگا۔ اور امام زفر کے نزدیک رہن کی طرح دوسرے حقداروں سے زیادہ مستحق ہوگا۔ ان کے قول کی تردید اس سے کی گئی ہے کہ حوالہ اور رہن میں فرق ہے کہ مرتہن اکیلے رہن چٹی (تاوان) برداشت کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ کے ساتھ خاص ہے جس کی دلیل یہ حدیث ہے ”خراج ضمان کے ساتھ ہے“ یعنی فائدہ تاوان کی وجہ سے ہے رہا محال تو وہ مال کا تاوان اٹھانے میں مخصوص نہیں۔ لہٰذا اس کے لیے اس سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں ہوگا اس وقت اس کا حق غرباء کی باہمی تقسیم میں ہوگا۔

اور جب حوالہ مطلقہ ہو تو محال علیہ سے وہ سارا قرض لیا جائے گا جو اس کے ذمہ ہے اور محیل کے حقداروں میں تقسیم کر دیا جائے گا محال اس تقسیم میں شامل نہیں ہوگا۔ کیونکہ حوالہ کا قرض سے کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ محال کا حق صرف محال علیہ کے پاس ثابت ہوا۔

حق کا حوالہ......ایک قرض دینے والے سے دوسرے قرض دہندہ کی طرف حق کو منتقل کرنا۔

دوسری تعبیر یہ ہوگی......مقروض کی طرف نسبت میں قرض دہندہ کا قرض دینے والے کی جگہ پر ہونا جب کسی ایسے مالی حق میں جو ذمہ سے متعلق ہو نہ کہ عین سے قرض دہندہ کا قرض دہندہ سے تبادلہ ہو جائے تو یہ حوالہ حوالہ حق کہلاتا ہے اس میں قرض دہندہ محیل ہوتا ہے کیونکہ وہی غیر کے حوالہ کرتا ہے تاکہ اس سے اپنا حق وصول کرے۔

امام احمد، شافعی، ابوداؤد طیالسی، سنن اربعہ کے مصنفین نے یہ روایت نقل کی ترمذی نے اسے صحیح کہا ابن حبان ابن الجارود، حاکم ابن القطان نے بحوالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کی ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ فرمایا: الخراج بالضمان خراج فائدہ ونفع کہ مشتری (خریدار) اصل ضمان کی وجہ سے جو اس پر ہے مبیع سے حاصل ہونے والے نفع کا مالک ہے باءسببیت ہے نسائی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خراج بالضمان کا فیصلہ کیا جس کا ضمان نہیں۔ اس کے نفع سے منع کیا بعد میں اس میں کوئی عیب نکلا تو اس عیب سمیت واپس کر دیا جس پر بیچنے والے نے کہا میرے غلام کا نفع۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نفع ضمان کے ساتھ ہے۔ اس روایت کے اور الفاظ بھی ہیں۔ دیکھیں جامع الاصول ۲ / ۲۸۔ ۳۲، نیل الاوطار ۵ / ۲۱۳

یہ حوالہ دین کے مقابلہ میں ہے جس میں قرض دہندہ کی نسبت سے مقروض بدل جاتا ہے یعنی مقروض کے بدلہ مقروض بدل جاتا ہے اس میں محیل مقروض ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے پورے قرض کے لیے دوسرے کے حوالہ کرتا ہے یہ بھی علماء کے اتفاق سے جائز ہے۔ حوالہ حق مذاہب اربعہ میں جائز ہے صرف احناف کے علاوہ نہیں جیسا کہ شریعت وقانون کے بعض اساتذہ نے سمجھ لیا ہے اس واسطے کہ احناف کے ہاں حوالہ

مقیدہ مشروع ہے جو حوالہ حق کو متضمن ہوتا ہے کیونکہ اس میں انسان ایک کے لئے مقروض اور دوسرے کے لئے قرض دہندہ ہوتا ہے چنانچہ اس کا قرض دینے والا اس کے مقروض کے حوالے کرتا ہے تا کہ قرض دہندہ محال، محیل کا قرض اپنے مقروض محال علیہ سے وصول کر لے۔ جو ایک ہی وقت میں حوالہ حق اور حوالہ دین کہلاتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ احناف کے علاوہ فقہاء صرف حوالہ مقیدہ کو جائز قرار دیتے ہیں جو مطلقاً حوالہ ہے اور مقیدہ میں ان کے ہاں دین محال بہ اور دین محال علیہ کا صفت ومقدار میں برابر ہونا ضروری ہے اگر جنس وقدر میں دونوں برابر ہوں تو حوالہ صحیح اور اگر کسی بھی چیز میں اختلاف ہوا تو حوالہ صحیح نہیں۔ رہا حوالہ مطلقہ تو وہ صرف دین کا حوالہ ہے جس میں مقروض اپنے قرض دہندہ کا قرض کسی اور کے حوالہ کر دیتا ہے جس میں قرض دینے والا تو وہی رہتا ہے مقروض بدل جاتا ہے۔

حوالہ مقیدہ کے ضمن میں حوالہ حق کی چند صورتیں یہ ہیں: بیچنے والا اپنے قرض دہندہ کا قرض ثمن کے بدلے مشتری کے حوالہ کر دے اور مرتہن قرض پہ لینے والے کو حوالہ کر دے اور بیوی مہر کے عوض خاوند کے حوالہ کر دے اور حقدار وقف کی عمارت میں اپنے قرض دہندہ کو ناظر ونگران کے حوالہ کر دے جو نفع نگران کے ہاتھ اس کے حق میں لگے گا۔ غنیمت میں اپنا حق پانے والا جمع شدہ غنیمت کو امام کے حوالہ کر دے۔ ان تمام مثالوں میں نیا قرض دہندہ (محال) اصلی قرض دہندہ جو بائع یا مرتہن یا بیوی یا مستحق نفع وقف یا غنیمت پانے والا ہے کی جگہ پر ہو گیا۔

جن لوگوں کو حوالہ حق کے بارے میں احناف کا مسلک سمجھنے میں غلطی لگی ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ احناف حوالہ کو بیع کی قسم نہیں سمجھتے جس میں بیع کے سارے احکام جاری ہوں بلکہ یہ ان کے نزدیک ایک مستقل عقد ہے جو مخصوص غرض کے لیے مشروع ہوا ہے معاملات میں اس کی ضرورت پڑتی ہے الگ سے اس کی شاخ نہیں۔ لیکن اس میں بعض مرتبہ دیگر عقود وتصرفات کے ساتھ مشابہت ہے حوالہ بیع کے مشابہ ہے جب کہ بیع نہیں۔ اور کفالۃ کے مشابہ ہے جب کہ کفالۃ نہیں۔ اور قرض کی وصولی کے مشابہ ہے جبکہ قبضہ نہیں۔ وصولی کا وکیل بننے یا ادائیگی کا وکیل بننے کے مشابہ ہے حالانکہ وکالت نہیں۔ اور آج کل کی زبان میں جسے فتح الاعتماد کہتے ہیں اس کے مشابہ ہے حالانکہ وہ نہیں اس میں نیکی کی بعض علامات ہیں تو بعض معاوضے کی اور ان ملتی جلتی باتوں میں حوالہ نے کئی احکام کی شکل اختیار کر لی ہے۔

جب احناف جس پر قرض ہے اس کے علاوہ کے لئے قرض بیچنے یا تملیک کی اجازت نہیں دیتے تو اس کا کوئی معنی نہیں کہ وہ حوالہ حق کا انکار کرتے ہیں اس واسطے کہ ان کے ہاں قرض دہندہ کا قرض دہندہ سے تبادلہ جس پہ قرض نہ ہو اس کے لئے قرض کی تملیک کا فائدہ نہیں ہوتا اور حوالہ کا تقاضا یہ ہے کہ قرض یا جس چیز کا مطالبہ ہے اسے نئے محل ومقام کی طرف منتقل کرنا ایسا انتقال جو وقتی ہو اور اس میں نقصان نہ ہو (یعنی محال علیہ کے مرنے مفلس ہونے یا حوالہ سے انکار کرنے کی وجہ سے نہ کہ مالک بنانا، محال تو اس وقت مالک بنے گا جب قبضہ کے ساتھ حوالہ نافذ کرنے کے بعد اپنا حق وصول کرے گا۔ اس کی وجہ سے ان کے حوالہ بیع (خرید وفروخت) سے مختلف ہے۔ احناف کے علاوہ کے فقہاء جو حوالہ حق کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل حوالہ کے بارے میں وہ شرعی رخصت ہے جس میں کسی قسم کی قید نہیں۔ خواہ اس کے بعد قرض کی قرض سے بیع ہو یا نہ ہو کیونکہ ان کا لوگوں کا قرض کو قرض کے یا ہبہ کے بدلے اس شخص کے ہاتھ بیچنا جس پر قرض ہے، اختلاف ہے مالکیہ اور شافعیہ چند شرائط سے جائز قرار دیتے ہیں مثلاً عوض پر قبضہ کرنے یا مجلس عقد میں اس کی تعین کرنے کی شرط اور یہ وہ بکنے والی چیز اناج نہ ہو اور ثمن چیز میں سے نہ ہو اور بیع مقروض کے مدمقابل کے علاوہ کوئی شخص کر رہا ہو تا کہ بیع میں مقروض کے لئے اس کے مدمقابل کو اس پر دسترس کے ذریعہ تنگی اور مشکل کا سامان پیدا نہ ہو لہٰذا حوالہ حق ان کے نزدیک قرض کو قرض کے بدلہ بیچنا نہیں۔

حنابلہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں (خلاصہ) یہ ہوا کہ مسلمان فقہاء کے نزدیک حوالہ بیع (سودا) نہیں بلکہ یہ خاص عقد ہے جو اپنی شرائط اور نتائج ❶ میں بیع سے جدا ہے مالکیہ اور شافعیہ جو قرض ہبہ کرنے یا مقروض کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ قرض بیچنے کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے حوالہ حق ان دو عقدوں میں کامل واضح عقد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے لیکن ہبہ کی شرائط ثابت ہوں جیسے قبضہ کرنے کی اجازت اور قرض بیچنے

❶ الموسوعة الفقهية في الكويت بحث الحواله ۵ ۱۰۰ مدخل نظرية الالتزام في الفقه الاسلامي الاستاذ الزرقاد ۶۴

کی شرائط بھی ثابت ہوں۔

بحث ثالث حوالہ کے احکام: حوالہ پر چند احکام مرتب ❶ ہوتے ہیں۔

اول: محیل کا بری ہونا...... جب قبول کرنے سے حوالہ مکمل ہو جائے تو جمہور فقہاء کے ہاں محیل قرض سے بری ہو جاتا ہے اور قرض کی ضمانتیں جیسے رہن یا کفالت وغیرہ منتقل نہیں ہوں گی بلکہ ختم ہو جائیں گی۔ حسن بصری کا قول ہے محیل بری کرنے سے ہی بری ہوگا۔ احناف میں سے امام زفر فرماتے ہیں: حوالہ سے محیل کا بری ہونا ضروری نہیں۔ جیسے حوالہ سے پہلے اس پر حق لازم تھا اس کے بعد بھی برقرار رہے گا انہوں نے حکم کو کفالتہ پر قیاس کیا ہے کیونکہ دونوں اعتماد کے عقد ہیں۔ جو صحیح نہیں اس واسطے کہ حوالہ تحویل سے مشتق ہے جس کا معنی حق کو منتقل کرنا جس میں انتقال کے معنی لازمی ہوں گے اور چیز جب کسی جگہ منتقل ہو جائے پہلی جگہ پر نہیں رہتی اور اعتماد کا معنی حق تک اکثر اور احسن کے اختیار سے سہولت سے پہنچنے کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے رہی کفالت تو یہ ضم سے مشتق ہے ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ سے ملانا۔ کفالہ اور حوالہ میں سے ہر ایک الگ تقاضا ہے جس پر اس کا لفظ دلالت کرتا ہے کیونکہ شرعی معاملات وعقود لغوی معانی کے مطابق استعمال ہوتے ہیں۔ حنفی ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ نقل کی وہ کیفیت جو حوالہ سے مکمل ہوا امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول ہے: مقروض کے ذمہ سے قرض اور مطالبے دونوں کا محال علیہ کے ذمہ میں منتقل ہونا ہے۔ لیکن محال علیہ کے پاس جب قرض ضیاع کا شکار ہو جائے (محال علیہ مر جائے، مفلس ہو جائے یا اور بلا گواہ حوالے کا انکار کر دے صاحبین نے یہ اضافہ نقل کیا ہے زندگی میں مفلس ہو جائے) تو مقروض کے ذمہ میں لوٹ آئے گا اگر قرض دینے والا محال علیہ کو قرض سے بری کر دے تو بری کرنا صحیح ہے اور اگر مقروض کو بری کرے تو صحیح نہیں۔ امام محمد کا قول ہے یہ صرف مطالبے کا منتقل ہونا ہے قرض کا نہیں۔ اصل قرض محیل کے ذمہ میں رہے گا پھر دونوں فریقوں نے اس پر دلائل دیے ہیں اور فریق اول کے دلائل راجح ہیں کیونکہ اگر محیل کو قرض سے بری کر دیا جائے یا قرض اسے ہبہ کر دیا جائے تو تصرف صحیح نہیں اس واسطے کہ قرض محال علیہ کی ضمانت میں آ گیا اور محیل کی ذمہ داری ختم ہوگئی اور حوالہ پر نقل مرتب ہوتی ہے کیونکہ یہ تحویل سے مشتق ہے جو نقل ہے تو جو چیز اس کی طرف منسوب ہے یعنی قرض اس کے منتقل کرنے کا تقاضا کرتی ہے نہ کہ صرف مطالبے کا۔ امام زفر کے نزدیک جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں محال علیہ کے ذمہ میں نہ قرض منتقل ہوتا ہے اور نہ مطالبہ بلکہ مطالبہ میں محال علیہ کی ذمہ داری مقروض کی ذمہ داری کے ساتھ مل جاتی ہے یوں محال علیہ مقروض کا کفیل بن جاتا ہے۔ ❷

دوم محال کا محال علیہ سے قرض کے مطالبے کا اختیار جو اس کے ذمہ ہے اس واسطے کہ حوالہ محال علیہ کے ذمہ کی طرف اس قرض کو منتقل کرنے کا تقاضا کرتا ہے جو اس کے ذمہ میں ہے ہی قرض اور مطالبہ دونوں کو منتقل کرنے کا نام ہے جیسا کہ ہم نے راجح قرار دیا ہے۔

سوم محال علیہ کے لیے محیل کے پیچھے پڑے رہنے کا حق جب محال اس کا پیچھا نہ چھوڑے جب بھی محال اس کا پیچھا کرے تو وہ محیل کے پیچھے لگ جائے تا کہ محال سے نجات پائے اور جب حوالہ اس کے حکم سے ہو اور مطلقہ ہو تو جب اسے قید سے دو چار ہونا پڑے تو بھی اسے (محیل کو) قید کرائے البتہ جب حوالہ اس کی اجازت کے بغیر یا ہو تو اس کی اجازت سے لیکن محیل کا محال علیہ پر اسی جیسا قرض ہو یعنی حوالہ مقیدہ ہو تو محال علیہ محیل کے پیچھے نہیں پڑ سکتا جب اس کا تعاقب کیا جائے اور نہ سے قید کر سکتا ہے جب خود قید میں پڑ جائے۔

بحث رابع حوالہ کا اختتام...... مندرجہ ذیل امور ❸ سے حوالہ ختم ہو جاتا ہے۔ (۱) حوالہ کا فسخ ہونا جب حوالہ فسخ ہو جائے تو محال کا یہ حق لوٹ آتا ہے کہ وہ محیل سے مطالبہ کرے فقہاء کی اصطلاح میں فسخ کا مطلب ہے عقد کو مکمل ہونے سے پہلے ختم کر دینا۔ (۲) محال کا حق موت اور

---

❶ بدائع (۱۷/۶) الکتاب مع اللباب (۱۶۰/۲) ❷ البدائع (۱۷/۶) فتح القدیر (۴۴۵/۵) مختصر الطحاوی ۱۰۲ الدر المختار (۳۰۰/۴) الشرح الکبیر (۳۲۸/۳) مغنی المحتاج (۱۹۵/۲) المهذب (۳۳۸/۱) المغنی (۵۲۵/۴)
❸ البدائع (۱۸/۶) فتح القدیر (۴۴۷/۵) المبسوط (۵۲/۲۰) الدر المختار (۳۰۴/۴) مجمع الضمانات (۲۸۲)

افلاس وغیرہ سے ضائع ہو جائے ❶ جو احناف کا مسلک ہے اور ان کی دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی یہ قول ہے: آپ نے محال علیہ کے بارے میں فرمایا: جب وہ مفلسی میں مر جائے تو قرض محیل کی جانب لوٹ آتا ہے اور چونکہ حوالہ محال لہ کے حق کے ساتھ مقید ہوتا ہے یہی مقصود ہے جس کی حیثیت مبیع (بکی ہوئی چیز) کی سلامتی جیسی ہوگئی توی (ضایع) امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو میں سے ایک سے ہوتا ہے یا محال علیہ مفلسی کے عالم میں مر جائے یا حوالہ کا انکار کر دے اور قسم کھالے جبکہ محال کے پاس گواہ بھی نہ ہو۔

اس لئے کہ حق تک رسائی سے عاجزی دونوں کے بارے میں ثابت ہو رہی ہے جو حقیقت میں توی ہے صاحبین فرماتے ہیں: توی تیسرے طریقہ سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ محال علیہ اپنی زندگی میں ہی مفلس ہو جائے اور قاضی اس کی حیات میں ہی مفلسی کا اعلان جاری کردے اس کی بنیاد ایک اور قاعدہ پر ہے جو امام ابوحنیفہ اور آپ کے دنوں شاگردوں کے درمیان مختلف فیہ ہے وہ یہ کہ قاضی ان دونوں کے نزدیک اس کی زندگی میں مفلسی کا حکم جاری کرے گا اور امام صاحب کے نزدیک اس کا فیصلہ نہیں کرے گا اس واسطے کہ مال آنی جانی چیز ہے جب توی ثابت ہو جائے تو قرضدار محیل سے واپس لے گا۔

حنابلہ شافعیہ اور مالکیہ کا کہنا ہے...... حوالہ مکمل ہو جائے حق منتقل ہو جائے اور محال رضامند ہو جائے تو کبھی محیل کی طرف حق نہیں لوٹے گا۔ خواہ پورا حق وصول کرنا ممکن ہو یا ٹال مٹول مفلسی یا موت وغیرہ کی وجہ سے مشکل ہوا اگر حوالہ کے وقت محال علیہ مفلس ہو اور محال کو اس کا علم نہ ہو تو وہ محیل سے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ اس نے کھوج میں کوتاہی کی ہے جیسے کوئی دھوکے سے مہنگی چیز خرید لے اگر محال، محال علیہ کی مالداری کی شرط لگائے اور وہ تنگدست نکل آئے تو حنابلہ و مالکیہ کے نزدیک محیل سے واپس لے گا جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے مسلمانوں کی شرطوں کا اعتبار ہوگا ❷ مالکیہ کا بھی یہی قول ہے البتہ ان کے نزدیک اگر محال کو دھوکہ ہوا تو وہ محیل سے واپس لے گا مثلاً کسی نادار مفلس کے حوالہ کر دیا ان سب کی دلیل یہ ہے کہ سعید بن المسیب کے دادا کا حضرت علی کے ذمہ قرض تھا جو آپ نے کسی اور کے حوالہ کر دیا پھر وہ محال علیہ فوت ہوگیا آپ نے انہیں بتایا تو وہ بولے: اللہ تمہیں دور کرے تم نے ہم پر فضیلت دی۔ تو آپ نے صرف حوالہ کی وجہ سے اسے دور کیا اور یہ نہیں بتایا کہ اس کے لیے رجوع ہے اور چونکہ حوالہ قرض سے برأت کا تقاضا کرتا ہے تو وہ حق کی سلامتی کی شرط سے مطلقاً حاصل ہوگئی لہٰذا مطلقاً برأت کا فائدہ دے گا۔ رہی حدیث عثمان جو احناف کی دلیل ہے تو وہ صحیح نہیں اگر صحیح تو حضرت علی کا قول اس کے مخالف ہے۔ ❸

۳۔ محال علیہ کا محال کو مال ادا کرنا یہ بدیہی (فوراً سمجھ میں آ جانے والا) امر ہے جب محال علیہ مال ادا کر دے گا تو حوالہ ختم ہو جائے گا کیونکہ اس کا حکم ختم ہوگیا۔

۴۔ محال فوت ہو جائے اور محال علیہ حوالہ کے مال کا وارث بن جائے کیونکہ وراثت ملکیت کا سبب ہے اس صورت میں محال علیہ قرض کا مالک بن جائے گا امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک بخلاف دوسرے فقہاء کے محیل کے مرنے سے حوالہ مقیدہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ جس مال سے اس نے حوالہ کو مقید کیا تھا وہ محیل کے ترکہ میں داخل ہوگیا ہے۔

۵۔ محال علیہ کو مال ہبہ کر دے اور وہ ہبہ قبول کر لے۔

۶۔ محال محال علیہ پر صدقہ کر دے اور وہ صدقہ قبول کر لے اس واسطے کہ ہبہ اور صدقہ وراثت یا ادائیگی کے مفہوم میں ہیں۔

---

❶ توی لغت میں ہلاک اور ضائع ہونے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں محال کا ایسے طریقے سے قرض حاصل کرنا جس میں کوئی فائدہ نہ ہو مثلاً محال علیہ مفلس ہو جائے۔ ❷ رواہ الترمذی والحاکم عن عمر وبن عوف (نصب الرایہ (۱۱۲/۴) سبل السلام (۵۹/۳) حوالہ گزر چکا ہے۔
❸ المغنی (۵۲۶/۴) بدایۃ المجتہد (۲۹۶/۲) القوانین الفقہیۃ (۳۲۷) الشرح الکبیر (۳۲۶/۳) المہذب (۳۳۸/۱) مغنی المحتاج (۱۹۵/۲)

۷..... محال، محال علیہ کو بری کردے۔

بحث خامس: محال علیہ کا محیل سے رقم وصول کرنا..... یہاں دومقامات پر گفتگو ہوگی۔ واپسی کی شرائط، اور جو واپس لینا ہے اس کا بیان۔

رہی واپسی کی شرائط تو وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱..... حوالہ محیل کی اجازت سے ہوا گراس کی اجازت کے بغیر ہو تو واپس نہیں لے سکتا۔ مثلاً کوئی شخص قرض دہندہ سے کہے: تمہارا فلاں شخص پہ اتنا قرضہ ہے وہ میرے حوالہ کردو جس پر وہ راضی ہوگیا تو حوالہ جائز ہے لیکن جب محال علیہ مال کی ادائیگی کردے تو محیل سے (رجوع) واپس نہیں لے سکتا کیونکہ اس وقت وہ نیکی کرنے والا ہوگا اور محال علیہ کے لیے محال کی جانب سے قرض کے مالک بنانے کا مفہوم حاصل نہیں ہوا اس لیے اسے واپسی کا حق حاصل نہیں۔

۲..... حوالہ کا مال ادا کرنا یا جو کچھ ادائیگی کا مفہوم رکھتا ہے جیسے ہبہ صدقہ وغیرہ جب محال علیہ قبول کرلے۔ اسی طرح جب محال علیہ محال کا وارث بن جائے۔ وراثت ملکیت کا سبب ہے اور جب اس کا وارث ٹھہرا تو وارثت میں ملنے والی چیز کا مالک ہوگیا اس سے اسے (رجوع) واپس لینے کا حق ہے اگر محال علیہ کو قرض سے بری کردیا گیا تو محیل سے واپس نہیں لے گا کیونکہ بری کرنا اس کے حق کو ساقط کرنا ہے محال علیہ جب کسی چیز کا مالک نہیں بنا تو واپس نہیں لے گا۔

۳..... محیل کا محال علیہ کے قرض کی مقدار قرض نہ ہو جو اس نے محال کے لیے حوالہ کیا ہے۔ اگر قرض ہوا تو مقاصہ پیش آئے گا۔ ❶

رہا یہ محال علیہ محیل سے کیا واپس لے سکتا ہے..... تو وہ محال بہ (قرض) واپس لے سکتا ہے، نہ کہ جو اس نے ادا کیا ہے جیسے کفیل کی حیثیت ہوتی ہے اگر اس نے نقدی رقم کی جگہ سامان ادا کیا تو محیل سے نقدی رقم لے گا کیونکہ واپسی کا حق اس کے لئے ملک کے مکمل ہونے کے حکم کی وجہ سے ہے۔ اور یہ کہ وہ حوالہ کے قرض کا مالک ہوگا نہ کہ ادا شدہ رقم کا۔ جو قرض ادا کرنے کے وکیل کے خلاف ہے جیسا کہ ہم کفالۃ میں ذکر کر چکے ہیں۔

محیل کا محال سے اختلاف..... اگر محال حوالہ کے مال پہ قبضہ کرلے اور پھر محیل سے اختلاف کرنے لگے، محیل کہہ دے: مجھ پہ تمہارا کچھ بھی نہیں قبضہ میں تم میرے وکیل تھے قبضہ کی ہوئی چیز میری ہے اور محال کہے: نہیں بلکہ میرے جو ہزار تم پہ قرض تھے وہ تم نے حوالہ کیے ہیں۔ تو اس صورت میں محیل کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔ اس واسطے کہ محال اس پر قرض کا دعویٰ کررہا ہے اور محیل اس کا منکر ہے تو اس صورت میں گواہ نہ ہونے کی وجہ سے منکر کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔ ❷

سفاتج (ھنڈی) چٹ ہوتی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص تاجر کو مبلغ قرض دے جو اس کے دوست تک دوسرے شہر میں پہنچادے جس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ راستے کے خطرات سے محفوظ رہے، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ حقیقت میں یہ قرض ہے جس سے قرض دینے والا راستے کے خطرات میں پرامن رہتا ہے جو قرض کے طریقے سے حاصل ہونے والے نفع کی ایک قسم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قرض سے منع فرمایا ہے جس سے کوئی نفع حاصل ہو ❸ اس تصرف کی کراہت اس وجہ سے ہے کہ اگر راہ کے خدشات

---

❶..... البدائع (۶/۱۹) مجمع الضمانات ۲۸۳۔ ❷ البدائع حوالہ سابقہ فتح القدیر (۵/۴۴۹) الدرالمختار ورد المحتار (۴/۳۰۵) ❸ رواہ حارث بن ابی اسامۃ عن علی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ قرض جو نفع کا باعث ہو وہ سود ہے محدثین نے اس روایت کو سوار بن مصعب جو متروک راوی ہے کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے اور بیہقی نے السنن الکبریٰ میں ابن مسعود ابی بن کعب عبداللہ بن سلام اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً نقل کی ہے اور ابن عدی نے الکامل میں جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہنڈیاں حرام ہیں یہ حدیث بھی ایک راوی کی وجہ سے معلول ہے نصب الرایہ (۴/۶۰) التلخیص الحبیر (۲۴۵)

کے امن کی شرط ہوا گر قرض اس شرط کے بغیر ہو کہ قرض دینے والا قرض کے عقد میں حوالہ کے ذریعہ مال وغیرہ دے گا تو قرض جائز ہے اور بطور امانت دوسرے شہر مال پہنچانے کے لیے دینا بھی جائز ہے۔

بارہویں فصل......رہن گروی رکھنا

بحث کا موضوع......رہن کے معاملہ پہ گفتگو مندرجہ ذیل سات مباحث میں ہوگی۔

بحث اول......رہن کی تعریف، جواز، رکن عناصر اور احوال

بحث دوم......رہن کی شرائط: عاقدین کی شرطیں الفاظ مرہون بہ، مرہون، رہن پورا ہونے کی شرطیں، رہن پر قبضہ کسی چیز کو رہن میں رکھنا جائز ہے اور کس کو رکھنا ناجائز ہے قبضہ وغیرہ دیگر شرطیں۔

بحث سوم......رہن کے احکام وآثار رہن صحیح اور فاسد

بحث چہارم......رہن کی بڑھوتری اور اضافے

بحث پنجم......رہن اور قرض میں اضافہ

بحث ششم......رہن کا اختتام اور اس کے حالات

بحث ہفتم......راہن اور مرتہن کا اختلاف

بحث اول......رہن کی تعریف، جواز، رکن اور اس کے عناصر واحوال

رہن کی تعریف......لغت میں رہن یا تو ثبوت اور دوام کے معنی میں ہے۔ کہا جاتا ہے: ماء راھن ٹھہرا ہوا پانی حالۃ راھنہ ثابت حالت یا حبس ولزوم کے معنی میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر متنفس اپنے میں بند ہے۔ ظاہر ہے کہ جس میں دوام وثبوت کا معنی ہے ایک معنی دوسرے معنی کے لئے تبدیل ہو جاتا ہے ظاہر ہے پہلا معنی حبس ہے کیونکہ مادی معنی ہے بہر حال شرعی معنی لغوی معنی کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور بھی رہن کا اطلاق مرہون شے پر بھی ہوتا ہے اسے قرض کے لئے سند بنایا جاتا ہے جو مفعول کو مصدر کا نام دیا جانا کہلاتا ہے۔ ❶

شرعاً رہن کا معاملہ......کسی چیز کو کسی حق کے بدلے روک کر رکھنا جس سے اس کی ادائیگی ممکن ہو یعنی کسی ایسی چیز کو رکھنا جس کی شریعت کی نظر میں مالی قیمت ہوتا کہ وہ قرض کے بدلے سند ہو سکے اور اس چیز کے ذریعے مکمل یا کچھ قرض وصول کیا جاسکے۔ یا یہ مال کے بدلے سند کا عقد ہے یعنی مال کے عوض سند لینے کا معاملہ اس میں کسی شخص کی ذمہ داری نہیں ہوتی یوں یہ کفالت سے جدا ہو گیا کیونکہ اس میں کفیل کی ذمہ داری کی وجہ سے اعتماد ہوتا ہے کسی مال کے بدلے نہیں جسے قرض دہندہ اپنے قبضے میں لے لے۔ سند کا مطلب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اعتماد ہوتا ہے بس قرض کا بھروسا ہو گیا اور رہن میں رکھی جانے والی چیز کی وجہ سے مضبوط اور قابل ضمانت ہو گیا۔ اور سند کا مالی قیمت والی ہونے کی وجہ سے ناپاک اور ناپاک کرنے والی چیز خارج ہوگئی جس کی نجاست دور کرنا ممکن نہیں اس لئے جائز نہیں کہ وہ قرض کی سند بنے۔

شافعیہ ❷ نے اس کی تعریف یوں کی ہے قرض کے بدلے کسی چیز کو سند بنانا تاکہ جب قرض کی ادائیگی مشکل ہو تو اس سے وصول کیا جاسکے کسی چیز کو رکھنے سے رہن کے منافع سے فائدہ اٹھانے کے عدم جواز کا پتہ چلا اس واسطے کہ وہ تلف اور ضائع ہو جاتے ہیں ان سے اعتماد حاصل نہیں ہوتا۔ ❸ حنابلہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: ایسا مال جسے قرض کی سند قرار دیا جاسکے تاکہ جس پہ قرض ہے جب وہ ادا نہ کر سکے تو

---

❶ اللباب (۲/۵۴) الدر المختار (۵/۳۳۹) المبسوط ۲۱/۶۳ ❷ مغنی المحتاج (۲/۱۲۱) حاشیۃ الشرقاوی علی تحفہ الطلاب للانصاری (۲/۱۲۲-۱۲۴) ❸ المغنی (۴/۳۲۶)

اس چیز کے ثمن (قیمت) سے پورا قرض وصول کیا جا سکے مالکیہ ❶ نے اس کی یہ تعریف کی ہے ایسی مال والی چیز جو اس کے مالک سے اعتماد کے لئے قرض لازم میں یا جو لازم ہو جائے گا اس میں لی جائے یعنی یہ ایسا باہمی عقد ہے جو اموال میں سے کسی چیز پر طے ہو جیسے جائیداد، حیوان، سامان یا نفع اس شرط پر کہ یہ نفع ایک وقت یا عمل تک مقرر رہو گا۔ یا قرض سے اس کا حساب ہوگا۔ قرض کا لازم ہونا ضروری ہے جیسے مبیع کا ثمن یا قرض کا بدل یا ضائع ہونے والی چیز کی قیمت یا لازم ہونے والا ہو جیسے کاریگر سے یا عاریت (مانگے) پر لینے والی شے پر اس خوف سے رہن لینا کہ وہ ضائع نہ ہو جائے تو رہن لازم ہونے والی قیمت میں ہوگا مالکیہ کے ہاں لینے سے عملی طور پر حوالے کرنا مراد نہیں اس واسطے کہ ان کے ہاں رہن کے انعقاد کے لئے عملی طور پر حوالہ کرنا شرط نہیں نہ اس کے صحیح ہونے میں اور نہ لازم ہونے میں بلکہ صرف ایجاب وقبول سے منعقد صحیح اور لازم ہو جاتا ہے پھر مرتہن اس کے لینے کا مطالبہ کرے۔

رہن کی عام تعریف...... رہن نیکی کا ایک عقد ہے اس واسطے کہ جو چیز راہن مرتہن کو دیتا ہے وہ کسی چیز ❷ کے عوض نہیں ہوتی اور یہ عینی عقود میں سے ہے جب تک وہ چیز حوالے نہ کر دی جائے جس پر عقد ہوا ہے التزام کے لحاظ سے اسے مکمل نہیں سمجھا جاتا۔ اور وہ پانچ قسم کے عقود (معاملات) ہیں ہبہ مانگے پر دینا (اعارۃً) ایداع (امانت رکھوانا) قرض اور رہن، اس کے مکمل ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے کیونکہ نیکی اور تبرع ہے اور قاعدہ ہے کہ تبرع قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اس واسطے قبضہ سے پہلے عقد کو بے اثر سمجھا جائے گا اور تنفیذ عقد کے آثار وعلامات پیدا کرتی ہے۔

رہن کا جواز اور حکم...... رہن قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اگر تم لوگ سفر میں ہو اور تمہیں کاتب نہ ملے تو رہن میں رکھی ہوئی چیز، فقہاء کا اس پہ اتفاق ہے کہ رہن سفر وحضر میں جائز ہے مجاہد اور ظاہر ❸ یہ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ سنت میں اسے مطلقاً جائز کہا گیا ہے۔ اور آیت میں سفر کا ذکر اکثریت کے درجہ میں ہے اس لئے کہ گزشتہ دور میں عموماً سفر میں کاتب نہیں ملتے تھے نیز کاتب کا موجود نہ ہونا شرط نہیں اس واسطے کہ سنت سے مطلقاً اس کا جواز ہے آیت نے لوگوں کی آسان سند کی طرف رہنمائی کر دی جو کاتب کی عدم موجودگی میں جو ان کا قرض لکھتا ان کے کام آ سکے۔

سنت سے اس کا ثبوت...... امام بخاری اور مسلم بحوالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے اناج خریدا اور لوہے کی زرہ اس کے پاس رہن رکھی ❹ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس زرہ رہن رکھی اور اس سے اپنے گھر والوں کے لیے جو لیے ❺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سواری جب رہن میں ہو تو اس کی سواری کرنا خرچ کے ساتھ ہوگی اور تھن کا دودھ اس کے خرچ کے ساتھ پیا جائے گا جب وہ رہن میں ہو جو سوار ہو یا دودھ پیے اس کے ذمہ خرچ ہے ❻ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے رہن رکھا اس سے زیادہ کسی حق نہیں اس کے لیے اس کا فائدہ اور اسی پر اس کا تاوان ہے ❼ غلق الرھن سے مراد مرتہن کا اسے اپنا حق سمجھنا ہے جب راہن اسے چھڑانے سے عاجز ودرماندہ ہو یعنی رہن کے مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی اور نہ مرتہن اس کا مستحق ہوگا جب اسے مقررہ وقت میں واپس نہ.. لے سکے۔

---

❶..... الشرح الصغیر (۳/۳۰۳)(۳۲۵) ❷ ردالمحتار (۵/۳۴۰) ❸ المغنی (۴/۳۲۷) المهذب (۱/۳۰۵) البدائع (۶/۱۳۵) بدایة المجتهد (۲/۲۷۱) القوانین الفقهية (۳۲۱) الافصاح (۱/۲۳۸) کشاف القناع (۳/۳۰۷) ❹ نصب الراية (۴/۳۱۹) نيل الاوطار (۵/۲۳۳) ❺ رواه احمد والبخاری ونسائی وابن ماجه ❻ رواه الجماعة الا مسلما والنسائی (نيل الاوطار ۵/۲۳۴) ❼ رواه الشافعی والدارقطنی وقال هذا اسناد حسن متصل۔

اس میں جاہلیت کے اس دستور کی تردید مقصود ہے کہ جب راہن مقررہ وقت میں مرتہن کا حق ادا نہ کر سکتا تھا تو مرتہن رہن کا مالک بن جاتا تھا تو صاحب شریعت نے اسے باطل قرار دیا رہن کے مشروع ہونے کی حکمت قرضوں کی ضمانت ہے جیسے کفالت شخص طور پر قرض کی ضمانت ہے رہن مالی قرض کی ضمانت دلاتا اور قرضوں کو آسان کرتا ہے اور قرض دینے والے کو باقی حقداروں میں امتیازی اور افضلیت کا حق دیتا ہے۔

شرعاً رہن کا حکم......رہن بالاتفاق جائز ہے واجب نہیں کیونکہ یہ قرض کی سند ہے اس لیے واجب نہیں جیسے کفالہ واجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد **فرھان مقبوضۃ** مومنین کی رہنمائی کے لئے ہے ان پر واجب نہیں جس کی دلیل بعد والا ارشاد ہے اگر تمہیں ایک دوسرے سے اطمینان ہو تو جسے امانتدار بنایا گیا ہے وہ ادا کر دے اللہ تعالیٰ نے کاتب کی عدم موجودگی میں اس کا حکم دیا اور اس کا کہ لکھنا واجب نہیں۔ جس کی دئیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اگر تمہیں ایک دوسرے سے اطمینان ہو یہی حال اس کے بدل کا ہے۔ ❶

رہن کا رکن اور اس کے عناصر......رہن کے چار عناصر ہیں:

راہن، مرتہن مرہون، مرہون بہ، راہن، رہن دینے والا مرتہن: رہن لینے والا مرہون اور رہن جو مال قرض کے بھروسے کے لیے دیا جائے، مرہون بہ قرض احناف کے ہاں رہن کا رکن ایجاب وقبول ہے جو راہن اور مرتہن کی طرف سے ہوگا جیسے بقیہ معاملات میں ہوتا ہے لیکن یہ معاملہ قبضے سے مکمل اور لازم ہوگا یعنی تخلیۃ تنہائی یا منتقل کرنے سے مثلاً راہن کہے: جتنا تمہارا مجھ پہ قرض ہے اس کے عوض میں یہ شے تمہارے پاس گروی (رہن) رکھتا ہوں یا یہ چیز تمہارے قرض کے عوض رہن ہے اور مرتہن کہے: میں نے رہن رکھ لیا یا قبول کر لیا یا میں راضی ہوں وغیرہ، لفظ رہن کہنا شرط نہیں۔ چنانچہ اگر اس نے کوئی چیز دراہم کے بدلے خریدی اور چیز بائع کے حوالے کر کے کہا اسے پکڑو میں تمہیں ثمن دیتا ہوں تو رہن منعقد ہو جائے گا اس واسطے کہ معاملات میں معانی ومفہوم کا اعتبار ہوتا ہے۔ ❷

احناف کے علاوہ ❸ کا قول ہے......رہن کے چار ارکان ہیں: الفاظ، عقد کرنے والا، مرہون، اور مرہون بہ احناف اور دوسرے حضرات میں ہر عقد کے رکن میں اسی طرح کا اختلاف ہے جمہور کا رکن احناف کے رکن کی نسبت زیادہ وسیع ہے کیونکہ احناف کے ہاں رکن: جو کسی چیز کا جزء ہو اور اس کا وجود اس پہ موقوف ہو کیونکہ بعض اجزاء ایسے ہوتے ہیں جس پر وجود موقوف ہوتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن پہ وجود موقوف نہیں ہوتا اور جمہور کے ہاں رکن یہ ہے: جس پہ چیز کا وجود موقوف ہو اور اس کا تصور اس کے بغیر ممکن نہ ہو خواہ اس کا جزء ہو یا نہ ہو لہٰذا عقد کرنے والا رکن ہے اس واسطے کہ عاقد کے بغیر عقد کا تصور نہیں اگر چہ یہ عقد کا جزء نہیں ہے رہا احناف کے ہاں عقد کرنے والا تو اسے عقد کی شرائط میں شمار کیا جاتا ہے۔

رہن کے احوال......اتفاقی طور پر رہن کے تین احوال ہیں۔ ❹

پہلا......عقد کے ساتھ واقع ہو جو قرض کا سبب ہے مثلاً بیچنے والا خریدار کے سامنے ادھار ثمن کی مستقبل تک مقررہ مدت میں ثمن کے عوض رہن حوالہ کرنے کی شرط لگائے باتفاق مذاہب یہ صحیح ہے کیونکہ اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

دوسرا......حق یا قرض کے ہو جانے کے بعد واقع ہو یہ بھی بالاتفاق صحیح ہے اس لئے کہ یہ دین ثابت ہے جس کی سند کی ضرورت پڑتی ہے جس کا ضمان کی طرح لینا جائز ہے جیسے کفالۃ اور آیت **فرھان مقبوضۃ** اس کی طرف اشارہ کرتی ہے اس لیے کہ رہن لکھنے کا بدل ہے اور

---

❶......المغنی (۳۲۷/۴) کشاف القناع (۳۰۷/۳) ❷البدائع (۱۳۵/۶) الدرالمختار (۳۴۰/۵) تکملۃ الفتح (۱۸۹/۸) تبیین الحقائق (۶۳/۶) اللباب (۵۴/۲) ❸الشرح الصغیر (۳۰۴/۳ مغنی المحتاج (۱۲۱/۲) ❹المغنی (۳۲۷/۴) مغنی المحتاج (۱۲۷/۲) المھذب (۳۰۵/۱) کشاف القناع (۳۰۸/۳) حاشیۃ الدسوقی علی الدیر (۲۴۵/۳)

لکھائی حق واجب ہونے کے بعد ہوتی ہے۔

تیسرا.....حق بیدار ہونے سے پہلے واقع ہو مثلاً جو سو روپیہ تم مجھے قرض دے رہے ہو اس کے عوض میں یہ اپنا سامان رہن رکھتا ہوں تو مالکیہ اور احناف کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ یہ حق کی سند ہے جس کا عقد اس کے وجوب سے پہلے جائز ہے جیسے کفالت ہے یہی عقلی بات ہے ظاہر المذہب میں شافعیہ اور احناف کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ حق سے پہلے اس کی سند لازم نہیں جیسے گواہی ہوتی ہے نیز رہن حق کے تابع لہٰذا اس سے پہلے نہیں ہوسکتا۔

دوسری بحث رہن کی شرائط..... رہن کے منعقد ہونے صحیح ہونے اور لازم ہونے کی شرائط ہیں لازم ہونے کے شرائط میں قبضہ ہے۔

مطلب اول: عاقدین کی شرائط..... رہن کا عقد کرنے والوں (راہن اور مرتہن) میں مندرجہ ذیل امور شرط ہیں: ❶

اہلیت..... احناف کے ہاں وہی اہلیت شرط ہے جو بیع (خرید وفروخت) میں ہے جس کی بیع صحیح ہے اس کا رہن بھی صحیح ہے اس واسطے کہ رہن بیع کی طرح تصرف مالی ہے لہٰذا اس کے عاقدین میں انہی امور کی رعایت رکھی جائے گی جن کی بیع میں بھی رعایت کی جاتی ہے چنانچہ رہن کا عقد کرنے والوں میں عقل یا تمیز کا ہونا شرط ہے اس لیے پاگل ناسمجھ بچے یا بے عقل کا رہن دینا اور لینا جائز نہیں بالغ ہونا شرط نہیں۔ لہٰذا جس بچے کو تجارت کی اجازت ہو اس کا رہن دینا جائز ہے۔ اس واسطے کہ یہ تجارت کے توابع میں سے ہے۔ سمجھدار بچے اور بے وقوف کا رہن صحیح ہے اور اس کے سرپرست کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

احناف کے علاوہ فقہاء کے نزدیک اہلیت بیع اور احسان کی اہلیت جیسی ہوتی ہے لہٰذا جس کی بیع اور تبرع صحیح ہے اس کا رہن بھی صحیح ہے کیونکہ رہن تبرع ہے واجب نہیں۔ اس بنا پر کسی سے زبردستی نہیں لیا جاسکتا، نابالغ بچے پاگل، بے وقوف اور مفلس کا رہن صحیح ہے اور سوائے ضرورت اور ظاہری مصلحت کے رہن کے معاملے سے قاصر کے لئے سرپرست باپ ہو یا دادا وصی ہو یا حاکم رہن دینا صحیح نہیں۔ ضرورت کی مثال کہ وہ گزر اوقات کی حاجت کا قرض لینے کے لیے رہن رکھوائے۔ تاکہ جس نفع کا اسے انتظار ہے اس سے اس کی ادائیگی کردے یا قرض کا وقت ہوجانے کی وجہ سے یا سامان کی کساد بازاری کی وجہ سے یا قرض دینے یا ادھار بیچنے کی وجہ سے رہن لے جو مال ہتھیانے وغیرہ (سے بچاؤ) کی ضرورت ہے۔

اور مصلحت کی مثال یہ ہے جو چیز اس نے خریدی ہے اس کے ادھار سو روپے کے بدلے رہن کی چیز ہوجائے جو نقدی دوسو کے برابر ہے اور ظاہری مصلحت کی وجہ سے جو چیز وہ ادھار بیچ رہا ہے اس کے ثمن پہ رہن رکھ لے۔ جب سرپرست یا وصی رہن دے تو صرف امانت دار کو رہن دے جو مالدار ہو اور رہن کے گواہ رکھ لے اور عرف میں وہ مدت کم ہو اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو رہن جائز نہیں ❷ اور ولی اور وصی کے لیے صحیح نہیں کہ اپنے زیر کفالت کا مال اس قرض کے لیے جو ان دونوں پر کسی اجنبی کا ہے بطور رہن دیں اس واسطے کہ اس میں زیر کفالت کی مصلحت نہیں حنابلہ نے اس حکم کو دو شرطوں سے تعبیر کیا ہے، کہ کسی معتبر کے پاس ہو اور یہ رہن کے معاملہ سے قاصر کا اس میں حصہ ہو یعنی خرچ یا لباس یا اس کی منہدم عمارت کی مرمت یا اس کے چوپائیوں کے گھاس چارہ کی ضرورت ہو ❸ باپ اپنی طرف سے اپنے بیٹے کے لیے رہن رکھوائے اور اپنے لئے اپنے بیٹے کی طرف سے رکھوائے شافعیہ کے ہاں دادا باپ کی طرح ہے کیونکہ دونوں کی شفقت ومہربانی زیادہ ہوتی ہے۔

---

❶ البدائع (۶/۱۳۵)، بدایۃ المجتہد (۲/۲۶۸) حاشیۃ الشرقاری (۲/۱۲۳) ❷ حاشیۃ الشرقاوی (۲/۱۲۳)، مغنی المحتاج (۲/۱۲۲) ❸ المغنی (۴/۳۵۹) کشاف القناع (۳/۳۱۹)

احناف کے ہاں سرپرست اور وصی کا بچے کا مال رہن رکھوانا...... یہاں تین امور ہیں: کم سن کا مال کم سن کے قرض کے عوض رہن رکھوانا یا سرپرست کے قرض کے بدلے رہن رکھوانا۔ اور کم سن کا موقف رہن سے بالغ ہونے کے بعد ہوگا❶ اور احناف کے علاوہ فقہاء کے نزدیک ہم قاصر کے مال کو رہن رکھوانے کا حکم اس سے پہلے معلوم کر چکے ہیں۔

کم سن یا پاگل کے مال کو ان کے قرضوں کے عوض دین رکھوانا...... سرپرست، وصی یا نگران قاصر (بچہ پاگل وغیرہ) کے مال کو قاصر کے کپڑے اور اس کے کھانے یا اس کے مال تجارت کے لیے لئے گئے قرض میں دین رکھواسکتا ہے اس واسطے کہ ضرورت کے لئے قرض لینا جائز ہے اور تجارت قاصر کے مال کی بڑھوتری کا باعث ہے اور رہن حق کی ادائیگی کے لئے ہے اس واسطے جائز ہے۔ اگر باپ اور دادا خود قاصر کو قرض دینے والے ہوں یا قرض دہندہ اور مقروض دونوں اس کی زیر کفالت ہوں تو اس کے لئے عقد کی دونوں جانب کی ذمہ داری لینا جائز ہے یوں وہ پہلی حالت میں اپنے زیر تربیت کی جانب سے نائب ہونے کی حیثیت سے رہن دینے والا اور اپنے لحاظ سے رہن رکھنے والا ہوگا۔ اور دوسری حالت میں اپنے زیر نگرانوں میں سے ایک کی طرف سے رہن دینے والا اور دوسرے کی نسبت سے رہن رکھنے والا ہوگا۔ اس واسطے کہ اسے زیادہ شفقت و مہربانی کی وجہ سے دو شخصوں کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اور اس کی معاملہ کردنی دو آدمیوں کے قائم مقام ہوگئی جیسے وہ قاصر کا مال اپنے لیے بیچے۔ چونکہ باپ کی نسبت سے حاکم اور وصی کی شفقت کم ہوتی ہے اس لیے ان کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں اور یہ دونوں تو محض وکیل ہوتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اکیلا شخص خواہ خرید وفروخت ہو یا رہن کا معاملہ ہو عقد کی دونوں جانب کا اختیار نہیں رکھتا۔

۲۔ سرپرست کے قرض کے لیے قاصر کے مال کو رہن میں رکھنا...... امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ باپ، دادا یا وصی کے لئے اپنے لے گئے قرض میں قاصر کا مال قرض دینے والے کے پاس بطور رہن رکھنا جائز ہے اس واسطے کہ سرپرست یا وصی اپنے زیر نگران کے مال کو بطور امانت رکھواسکتا ہے اور رہن رکھوانا امانت رکھوانے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ ودیع (جس کے پاس امانت رکھی ہے) امین ہے جو کوتاہی اور دست درازی کے ذریعہ ہی ضامن ہوگا۔ اور مرتہن رہن کے ضائع ہونے سے ضامن ہے اگرچہ بغیر کوتاہی اور دست درازی کے ایسا ہوا ہو۔

قیاس (جو امام ابو یوسف اور امام زفر کی رائے ہے) کا مقتضی یہ ہے کہ سرپرست یا وصی کے لئے اپنے قرضوں میں قاصر کا مال رہن رکھوانا جائز نہیں۔ اس واسطے کہ ان دونوں کو اپنے زیر نگرانی بچوں کے مال کے بدلے اپنے قرضوں کی ادائیگی کا اختیار اور ملکیت نہیں اور ایسا کرنا زبردستی ہے اس لئے ممنوع ہے جیسے حقیقتاً ان کے مال سے قرض کی ادائیگی کرنا۔

جب استحسان کے مطابق عمل کرتے ہوئے رہن رکھوانا جائز ہے پھر وہ قرض دہندہ کے پاس ضائع ہوگیا تو سرپرست اپنے زیر دست تربیت کے لئے قرض اور رہن کی قیمت سے کم مال کا ضامن ہوگا نہ کہ اضافے کا رہا وصی تو وہ تمام حالتوں میں رہن کی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ باپ دادا تو چھوٹے بچے (بیٹا یا پوتا ہونے کے ناتے) کے مال سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جب کہ وصی کو اس کا کوئی حق نہیں۔ سرپرست خواہ باپ ہو یا دادا کے لیے اختیار ہے کہ وہ اپنے مال کو اس قرض کے بدلے جو چھوٹے بچے کے لئے اس کے ذمہ ہے اپنے چھوٹے بچے کے پاس بطور رہن رکھوائے۔ اور سرپرست اسے چھوٹے کے لیے روک کر رکھے اور یہ رہن رکھوانا وصی کے لئے جائز نہیں۔ اسی طرح مذکورہ صورت کے برعکس بھی سرپرست کے لئے جائز ہے وہ اس طرح کہ وہ کم سن کا مال اپنے پاس اپنے قرض کے عوض رہن رکھوائے اس واسطے کہ اسے زیادہ شفقت کی وجہ سے دو آدمیوں کے قائم مقام کیا گیا ہے اور اس کی بات چیت دو کے برابر ہے یعنی ایجاب وقبول جیسے وہ اپنے بچے کا مال خریدتا ہے جب کہ یہ رہن وصی کے لئے ناجائز ہے کیونکہ وہ محض وکیل ہے اس لئے اسے رہن اور بیع وغیرہ جن میں دو عاقلوں کی ضرورت

❶..... تبیین الحقائق (٦/ ٧٢) تکملۃ الفتح (٨/ ٢٠٩) الدر المختار (٥/ ٣٥٢) (٣٦٤)

پیش آتی ہے جیسے بہت سے حقوق والے معاملات میں ہوتا ہے عقد کی دونوں جانبوں کا اختیار نہیں ہوگا۔

۳۔ کم سن کا بالغ ہونے کے بعد رہن کے بارے موقف...... جب کم سن بالغ ہو جائے یا پابندی ختم ہو جائے اور اسے اپنا مال رہن میں دیا ہوا ملے تو وہ رہن کو باطل نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ قرض ادا کر دے کیونکہ سر پرست کا رہن میں تصرف لازم اور نافذ ہے اور اس کا صدور ایسے شخص سے ہوا ہے جسے صادر کرنے کا اختیار ہے خواہ یہ رہن رکھوانا بچے پر قرض کی وجہ سے تھا یا خود سر پرست پر قرض کی وجہ سے یا ان دونوں پر قرض کی بنا پر تھا اگر کم سن کے مال سے جو رہن میں رکھا گیا ہے سر پرست کا قرض ادا کر دیا گیا یا راہن کا مال چھڑوانے سے پہلے رہن میں رکھی چیز ضائع ہوگئی تو کم سن بلوغت کے بعد سر پرست کے مال میں بالکل واپسی کا حق رکھتا ہے اور اپنا حق روکنے کا مطالبہ کر سکتا ہے اس واسطے کہ وہ اپنی ملکیت بحال کرنے پر مجبور ہے اور اپنے حقوق کی حفاظت کرنا اس کی مجبوری ہے خواہ سر پرست زندہ ہو یا مر چکا ہو اس صورت میں اس کی حیثیت اس شخص کی سی ہوگی جس نے کسی اور کو اپنا سامان بطور عاریت (مانگنے پر) دیا تا کہ مستعیر (مانگنے پر لینے والا) تیسرے شخص سے لیے گئے قرض کے عوض رہن رکھ سکے تو عاریت پر دینے والے کے لئے اس کی گنجائش ہے کہ وہ ضرورت کے وقت اپنا رہن مستعیر کا قرض دے کر چھڑوالے اور مستعیر سے قرض سے زیادہ کی چیز واپس لے لے۔

رہن کے اطراف کا متعدد ہونا...... کبھی کبھار کئی راہن اور مرتہن ہوتے ہیں مثلاً دو شخص اپنے ذمہ لئے گئے قرض کے عوض تیسرے شخص کے پاس رہن رکھوائیں یا ایک شخص اپنے لئے لیے گئے قرض کے عوض دو آدمیوں کے پاس رہن رکھوائے تو احناف ❶ کے ہاں دونوں حالتوں میں رہن رکھوانا صحیح ہے اس واسطے کہ رہن کے صحیح ہونے میں کوئی رکاوٹ اور مانع نہیں ہے۔ کیونکہ کئی رہن ہونے کی حالت میں بغیر اشاعت مرتہن سے مرہون چیز پہ قبضہ کیا جا سکتا ہے جو ایک کا ایک کے پاس رہن رکھنے کی طرح کا معاملہ ہو گیا اور کئی مرتہن ہونے کی حالت میں رہن کی نسبت پوری مرہون چیز کی طرف ایک ہی دفعہ میں کی گئی ہے اور رہن کا تقاضا قرض کے بدلے مرہون چیز کو روک رکھنا ہے اور روک رکھنا تقسیم نہیں ہو سکتا تو رہن ہر ایک مرتہن کے بدلے روک لیا جائے گا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بخلاف اس صورت کہ جب ایک شخص دو آدمیوں کو ہبہ کرے اس لیے کہ ہبہ سے مقصود مالک بنانا ہوتا ہے اور ایک چیز مکمل طور پر اور مستقل انداز میں الگ الگ شخصوں کا ہبہ متصور نہیں ہو سکتی لہٰذا اس ہبہ کا تقسیم ہونا ضروری ہے تا کہ اس میں موہوب (جسے ہبہ کیا گیا ہے) کی ملکیت تصور کی جا سکے دونوں حالتوں کے مندرجہ ذیل احکام ہیں۔

الف۔ جب متعدد یعنی کئی لوگ رہن رکھوانے والے ہوں...... پورے قرض کے بدلے رہن رکھوانا صحیح ہے اور مرتہن جب تک دونوں راہنوں سے اپنا مکمل قرض وصول نہیں کر لیتا چیز کو روک کر رکھ سکتا ہے۔ جب دونوں میں سے ایک راہن اپنا قرض ادا کر دے تو وہ رہن پر قبضہ نہیں کر سکتا، کیونکہ اس صورت میں روک کر رکھنے میں سودا بٹ جائے گا۔

ب۔ جب مرتہن کئی ہوں...... اس صورت میں بھی تو رہن میں رکھی ہوئی چیز مکمل یا بعض ہر ایک کے پاس رہن میں قرض کے عوض رکھوانا صحیح ہے تا کہ راہن جب تک اس کا رہن برقرار ہے اپنا قرض ادا کر سکے۔ اگر راہن نے کسی ایک مرتہن کو قرض ادا کر دیا تو پھر وہ چیز ساری کی ساری دوسرے کے پاس رہن ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ سارا قرض چکا دے اس واسطے کہ وہ چیز بلا تفریق وتقسیم دونوں کے پاس رہن تھی۔ مرہون چیز دونوں مرتہنوں کے پاس روکنے کی کیفیت یہ ہے کہ اگر وہ چیز قابل تقسیم ہے تو ہر مرتہن آدھی آدھی رکھ لے اگر ان میں سے ایک دوسرے کے حوالے کر دیتا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ضامن ہوگا صاحبین کا اس میں اختلاف ہے اور اگر وہ چیز ناقابل تقسیم ہو تو دونوں مرتہن باری باری کچھ عرصہ اپنے پاس رکھ لیں تو اس دوران ہر ایک دوسرے کے حق میں عادل کی طرح ہوگا۔ جب مرہون ضائع ہو گیا تو دونوں

---

❶ تبیین الحقائق (۶/ ۸۷) الدر المختار (۵/ ۳۵۴) تکملة الفتح (۸/ ۲۱۸) اللباب (۲/ ۶۳)

مرتہن اپنے اپنے حصے کا قرض چھوڑ دیں گے کیونکہ یہ چیز (ادائیگی) تقسیم ہوسکتی ہے اس ضیاع کی حالت میں راہن نے اگر ایک قرض ادا کردیا تو جو قرض اس نے ادا کیا ہے واپس لے لے گا۔ اس واسطے کہ دونوں کا مرتہن ہونا باقی ہے جب تک رہن اپنے راہن کے پاس نہیں پہنچتا۔ اس واسطے کہ جب مرہون نا قابل تجزی اور نا قابل تقسیم ہے تو ہر مرتہن دوسرے کے حق میں عادل شخص کی طرح ہے۔

دوسرا مقصد: الفاظ اور صیغہ کی شرائط.....حنفیہ کے ہاں ❶ رہن کے صیغہ اور الفاظ میں شرط یہ ہے کہ وہ کسی شرط پر معلق نہ ہوں اور نہ ہی مستقبل کی طرف مضاف ہوں کیونکہ عقد رہن اس اعتبار سے کہ یہ دین کی وصولی اور ادائیگی کا ذریعہ ہے بیع سے مشابہ ہے لہٰذا یہ تعلیق بالشرط قبول نہیں کرتے اور نہ ہی مستقبل کی طرف اضافت اگر رہن کو معلق کر دیا یا اس کی اضافت کر دی تو یہ فاسد ہوگا بیع کی طرح ❷ اور جب رہن کسی شرط فاسد یا باطل سے مقترن ہو تو رہن صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی کیونکہ رہن مالی معاوضات والے عقود میں سے نہیں زیادات اور بزازیہ میں ہے: رہن شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا کیونکہ یہ ہبہ کی طرح تبرع اور احسان ہے اس لیے کہ راہن مرتہن پر کچھ بھی واجب نہیں کرتا لیکن بدائع ❸ میں ہے کہ بیع کی طرح رہن کو بھی شروط فاسدہ باطل کر دیتی ہے برخلاف ہبہ کے میرے نزدیک اصح بزازیہ اور زیادات والی روایت ہے اس لیے کہ رہن معاوضات میں سے نہیں دین اگر چہ ہلاک ہو کر ساقط بھی ہو جائے پھر بھی رہن صحیح ہے۔ ھدایہ میں ہے: رہن عقد تبرع ہے کیونکہ اس کے مقابلے میں مرتہن پر کچھ بھی واجب نہیں ہوتا۔

حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں رہن میں مشروط شرط یا تو صحیح ہوگی یا فاسد اور فاسد یا تو عقد کو فاسد کرنے والی ہوگی یا خود لغو اور باطل ہوگی اور عقد صحیح ہوگا اس کی تفصیل یہ ہے۔

شوافع کے ہاں.....رہن میں مشروط شرائط تین قسم کی ہیں: صحیح شرط وہ یہ کہ رہن میں ایسی شرط لگائی جائے جس کا رہن تقاضا کرتا ہے جیسے جب قرض خواہ زیادہ ہوں تو مرتہن کو ان پر مقدم کرے تاکہ وہ اپنا دین اس سے وصول کر سکے باقی دائنوں پر اسے فضیلت حاصل ہو یا کوئی ایسی شرط لگانا جو عقد کے لیے مفید ہو اور اس پر جہالت کا اثر نہ ہو جیسے گواہ بنانا تو یہ عقد اور شرط صحیح ہیں بیع کی طرح۔

۲۔ باطل یا لغو شرط.....ایسی شرط لگانا جس میں نہ کوئی مصلحت ہو نہ فائدہ جیسے مرہون جانور رفلاں چیز نہ کھائے تو شرط باطل ہوگی اور عقد صحیح ہوگا۔

۳۔ عقد کو فاسد کرنے والی شرط.....ایسی شرط لگانا جو مرتہن کو نقصان پہنچائے جیسے یہ شرط لگانا کہ دین کی مدت پوری ہونے کے بعد یا ایک مہینے کے بعد قرض کی ادائیگی کے لیے اسے فروخت نہ کیا جائے یا اسے ثمن مثل سے زیادہ پر فروخت نہ کیا جائے یا ایسی شرط لگانا جو راہن کے لیے نقصان کا باعث ہو اور مرتہن کا اس میں فائدہ ہو جیسے بغیر مدت مقرر کیے منفعت کو مرتہن کے لیے شرط سے قرار دینا اور اس پر کوئی اجرت وغیرہ بھی نہ لینا یا رہن سے حاصل ہونے والی زائد اشیا مرتہن کو دینے کی شرط لگانا تو یہ شرط باطل ہوگی جہالت اور معدوم ہونے کی وجہ سے نیز حدیث میں ہے ہر وہ شرط جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے ❹ اور اظہر قول کے مطابق عقد باطل ہو جائے گا کیونکہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے جیسے وہ شرط جو مرتہن کو نقصان پہنچائے اسی طرح عقد اور شرط دونوں فاسد ہو جائیں گے جب رہن کے زوائد، اون، پھر اولا د کو شرط ٹھہرانا کیونکہ یہ چیزیں شرط کے وقت مقدم بھی ہیں اور مجہول بھی اور ظاہر یہ ہے کہ جب رہن کو معلق کیا جائے یا اس کی اضافت مستقبل کی طرف ہو تو رہن بھی فاسد ہو جائے گا اور اس سے ظاہر ہوا کہ شرط فاسد وہ ہے جس سے عاقدین میں سے کسی ایک کا نقصان ہو یا اس میں جہالت ہو اور اظہر یہ ہے کہ جب شرط فاسد ہوگی تو عقد بھی فاسد ہوگا۔

---

❶ البدائع ۶/۱۳۵ ❷ الدر المختار ۶/۴۰۱ (۳) تکملۃ فتح القدیر: ۸/۱۹۰ ❹ اخرجہ الشیخان

مالکیہ کے ہاں......❶ جو شرط مقتضائے عقد کے منافی نہ ہو اور نہ ہی حرام کی طرف لے جانے والی ہو تو ایسی شرط صحیح ہے لیکن جو مقتضائے عقد کے منافی ہو تو وہ شرط فاسد ہے رہن کو باطل کرنے والی ہے جیسے رہن میں یہ شرط لگانا کہ وہ راہن کے قبضہ میں رہے مرتہن اس پر قبضہ نہ کرے یا دین کی مدت پوری ہونے پر دین کے بدلے مرہون کو فروخت نہ کیا جائے یا رہن صرف اسی ثمن پر فروخت کیا جائے جس پر راہن راضی ہے۔

رہ گئی وہ شرط جو حرام اور ممنوع ہے عقد کو فسخ کرنے والی ہے، وہ یہ کہ ایک شخص رہن رکھے کہ اگر وہ اس کا حق ادا کر دے مدت مقررہ پر تو فبھا اور نہ رہن مرتہن کا ہوگا تو یہ شرط عقد رہن کو فسخ کرنے والی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے **لایغلق الرھن** (عدم ادائیگی کی صورت میں) رہن کو ضبط نہ کیا جائے خلاصہ یہ کہ مالکیہ کے ہاں شرط کی دو قسمیں ہیں صحیح اور فاسد۔

حنابلہ کے ہاں......❷ حکم مالکیہ کی طرح ہے کہ رہن میں شرط کی دو قسمیں ہیں: صحیح اور فاسد صحیح یہ کہ جس میں عقد کے لیے کوئی مصلحت ہو اور وہ مقتضائے عقد کے منافی نہ ہو اور نہ ہی وہ شریعت کی حرام کردہ حرمت کی طرف لے جائے مثلاً یہ شرط لگانا کہ رہن کسی عادل کے پاس یا دو عادلوں کے پاس یا زیادہ کے پاس رہے یا عادل شخص مدت پوری ہونے پر اسے فروخت کر دے فاسد یہ کہ جو مقتضائے عقد کے منافی ہو مثلاً دین کی مدت پوری ہونے پر رہن کو فروخت نہ کیا جائے یا اس کے ثمن سے دین وصول نہ کیا جائے یا جب اس کے تلف کا خوف ہو تو اسے فروخت نہ کیا جائے یا جتنے کی بھی چاہیں فروخت کریں یا اسے صرف راہن کی مرضی کے ثمن میں فروخت کیا جائے تو یہ ساری فاسد شرطیں ہیں کیونکہ عقد رہن کے منافی ہیں اس لیے کہ یہ ایسی شرائط ہیں جو دین کی ادائیگی میں عادت کے اعتبار سے رکاوٹ ہیں اور غرض مقصود کے یہ منافی ہیں۔

شرائط فاسدہ میں سے کچھ یہ ہیں......خیار راہن کے لیے شرط قرار دیا جائے یا رہن اس کے حق میں لازم نہ ہو یا رہن کے لیے وقت مقرر کیا جائے یا ایک دن رہن ہو اور ایک دن نہ ہو یا رہن راہن کے قبضہ میں رہنے کی شرط یا اس سے وہی نفع اٹھائے گا یا اس سے مرتہن نفع اٹھائے گا یا اس پر یہ مضمون ہے یا یہ شرط کے جب مدت دین پوری ہو جائے گی تو اسے راہن کو واپس نہیں کیا جائے گا بلکہ رہن مرتہن ہی کا ہوگا دین کے بدلے یا وہ دین کے بدلے مبیع ہے اور معلق بالشرط رہن صحیح نہیں جیسے بیع یعنی فاسد ہے۔

آیا شرط فاسد سے رہن فاسد ہوگا یا نہیں حنابلہ کے ہاں اس بارے میں مختلف رائے ہیں قاضی ابویعلی نے فرمایا: یہ احتمال ہے کہ اس شرط سے رہن فاسد ہو جائے کیونکہ عاقد نے اپنی ملک خرچ کی ہے اور اس شرط کے ساتھ رہن پر راضی ہے جب اس نے اسے سپرد نہ کیا تو عقد صحیح نہیں رضامندی نہ ہونے کی وجہ سے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر رہن میں شرط موقت ہو یا ایک دن رہن ہو اور ایک دن نہ ہو تو رہن فاسد ہوگا لیکن اس کے علاوہ اگر کوئی شرط فاسد لگالی تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ رہن فاسد ہو جائے گا اور ایک یہ کہ فاسد نہیں ہوگا ابو خطاب نے عدم فساد کو ترجیح دی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لایغلق الرھن** اور آپ نے اس رہن کے بارے میں جس میں فاسد شرط لگائی گئی ہو لیکن اس کے فساد کا حکم نہیں فرمایا: نیز راہن اس شرط کے ساتھ رہن پر راضی ہے اس کے بطلان کے ساتھ بدرجہ اولی وہ راضی ہوگا۔ ایک قول یہ ہے کہ جس میں مرتہن کا حق کم ہو وہ ایک ہی وجہ سے باطل ہے اور جس میں ایسا نہ ہو تو اس میں دو وجہیں ہیں ان کے ہاں معتمد یہ ہے جو مجلۃ الاحکام الشرعیہ دفعہ ۹۶۲ میں ہے کہ فساد شرط کی وجہ سے رہن فاسد نہیں ہوتا بلکہ یہ شرط لغو ہے۔

تیسرا مقصد: مرہون بہ کی شرائط......مرہون بہ وہ حق جو رہن کے طور پر دیا جاتا ہے حنفیہ کے ہاں اس میں کچھ شرائط ہیں جو یہ ہیں:

---

❶......بدایۃ المجتھد ۲/ ۲۷۱ ❷المغنی: ۴/ ۳۸۱۔

پہلی شرط...... وہ حق واجب التسلیم ہو مالک کے لیے: اس لیے کہ جب وہ واجب التسلیم نہیں ہوگا تو وہ محل بھی نہیں ہوگا تا کہ اس کے بدلے رہن بطور وثیقہ رکھا جائے اس لیے کہ حق کا مطالبہ کرنے والے پر کوئی الزام نہیں تا کہ اس کو مضبوط کرنا واجب ہو۔ حنفیہ نے اس شرط کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ دین مضمون ہونا چاہیے یعنی دین واجب التسلیم ہو را ہن پر اور ہماری عبارت اس سے واضح ہے کیونکہ مرہون بہ حق یا تو رہن ہوگا یا عین ہوگا واجب التسلیم۔

پہلی بات...... اگر دین ہے تو اس کا رہن جائز ہے اس دین کا سبب چاہے جو بھی ہو قرض بیع اتلاف غصب کیونکہ دیون کو ادا کرنا واجب ہے لہٰذا ان کا رہن ایسے حق کی وجہ سے ہے جو واجب التسلیم ہے اور یہ بھی اس میں برابر ہے چاہے دین ایسا ہو کہ قبضہ سے پہلے اس کو تبدیل کرنا جائز ہو یا نہ ہو جیسے رأس المال بیع سلم میں اور بدل صرف مسلم فیہ یہ حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کے ہاں ہے۔ اور امام زفر کے ہاں اس چیز سے رہن رکھنا صحیح نہیں جس پر قبضہ سے پہلے تبدیلی درست نہیں اس لیے کہ دین ساقط ہو جاتا ہے رہن کی ہلاکت سے جب وہ ہلاک ہو جائے اور یہ اس کی تبدیلی کا نتیجہ ہے جو ہلاکت کی وجہ سے مرتہن کے ذمہ میں واجب ہے۔

بایں معنی کہ عین جو رہن تھا وہ بدل ہو گیا اس دین کا جو جس کے بدلے رہن رکھا گیا تھا، اور ان دیون کو تبدیل کرنا صحیح نہیں جیسا کہ بیع سلم کی بحث میں وضاحت کی اگر ان دیون کے بدلے میں رہن جائز ہو تو گویا ان دیون کا قبضہ سے پہلے تبدیل ہونا لازم آتا ہے جب رہن ہلاک ہو جائے اور یہ شرعاً جائز نہیں اس حالت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ رہن بطور استیفاء ساقط ہوا ہے کیونکہ استیفاء صرف اسی صورت میں متحقق ہوگا جب رہن اور دین کی جنس ایک ہو اور عام طور پر یہ مختلف الجنس ہوتے ہیں لہٰذا رہن ایسے دین سے رکھنا جائز ہے جس کی تبدیلی ممکن ہو۔

جمہور حنفیہ کی دلیل یہ کہ...... ہلاکت رہن کے وقت ہمیشہ دین کا سقوط بطور استیفاء ہوتا ہے نہ کہ بطور استبدال اور استیفاء کے پائے جانے کے لیے مال میں مجانست کافی ہے اس لیے کہ استیفاء مالیت رہن کے ساتھ تمام ہوتی ہے نہ کہ اس کی صورت کے ساتھ اور تمام احوال مالیت کے اعتبار سے جنس واحد ہیں اور صورت کے اعتبار سے کبھی مجانست ساقط ہو جاتی ہے اور مالی مجانست کے لیے حاجت اور ضرورت ہی کافی ہے جیسے مال کے تلف کی صورت میں جس کا جنسی اعتبار سے کوئی مثل نہ ہو اور رہن میں کبھی حاجت اور ضرورت متحقق ہوتی ہے کیونکہ تمام حالتوں میں لوگ اپنے دین کی توثیق کے محتاج ہیں۔

حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ میں سے امام احمد سے دو روایتیں ہیں دین مسلم کے سلسلہ میں ایک روایت جواز کی ہے اور ایک روایت عدم جواز کی، پہلی روایت کے مطابق جب رہن مسلم فیہ کے مقابلے میں ہو پھر دونوں عقد سلم کو فسخ کر دیں تو رہن باطل ہوتا ہے کیونکہ وہ دین ختم ہو گیا جس کے بدلے رہن رکھا گیا تھا اور مسلم الیہ کے ذمہ اور رأس المال کو رب السلم کے سپرد کرنا فوری طور پر واجب ہے، امام مالک اور شوافع کے ہاں: بدل صرف اور رأس المال بیع سلم کا جو ذمہ میں ہو کے لیے رہن رکھنا جائز نہیں کیونکہ مجلس عقد میں قبضہ شرط ہے اور مسلم فیہ میں رہن لینا جائز ہے کیونکہ وہ دین ہے اور آیت مداینہ میں رہن کی اجازت ہے۔

دوسری بات...... اگر مرہون بہ عین ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر عین امانت ہے جیسے ودیعت عاریت اجرت مال شرکت مضاربت وغیرہ تو بالاتفاق اس کے بدلے رہن رکھنا جائز نہیں کیونکہ رہن کا قبضہ تو مضمون ہوتا ہے اس میں اس کا مقابل بھی مضمون ہونا ضروری ہے یعنی رہن بھی مضمون کے ساتھ ہوگا تا کہ قبضہ کی وجہ سے وصولی ہو سکے اور اگر عین بذات خود مضمون ہو وہ ایسی چیز جس کے مثل کا ضمان واجب ہوتا ہے اگر اس کا کوئی مثل ہو لیکن اگر مثل نہ ہو تو پھر اس کی قیمت واجب ہوتی ہے جیسے غاصب کے قبضہ میں مغصوب اور خریدنے کی نیت سے قبضہ کی ہوئی چیز اور شوہر کے قبضہ میں مہر اور بیوی کے قبضہ میں بدل خلع اور دم عمد کا بدل حنفیہ کے ہاں ان کے بدلے میں رہن جائز

ہے اور مرتہن کو اختیار ہے وہ رہن کو روکے رکھے یہاں تک کہ مرہون بہ واپس آ جائے۔ اگر عین کی واپسی سے قبل رہن مرتہن کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے اور عین باقی ہو تو راہن سے کہا جائے کہ عین مرتہن کے سپرد کرو اور اس سے رہن یا عین کی قیمت میں سے کم لے لو کیونکہ مرہون اقل سے مضمون ہوتا ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ نے بھی حنفیہ کی طرح اجازت دی ہے کہ مرہون بہ عین ہو تو وہ بذات خود مضمون ہے۔

شوافع کے ہاں ایسے عین کے بدلے میں رہن رکھنا جو امانت یا مضمون ہو درست نہیں کیونکہ ان کے ہاں مرہون بہ کا دین ہونا شرط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رہن کا ذکر دین کے سلسلہ میں کیا ہے اس کے علاوہ میں ثابت نہ ہوگا نیز اس لیے بھی کہ یہ عین مرہون کے ثمن سے وصول نہیں کیا جائے گا اور بیع کے وقت یہ فرض رہن کے مخالف ہے۔

لیکن اگر عین غیر سے مضمون ہو جیسے مبیع بائع کے قبضہ میں یہ مضمون بغیرہ ہے اور وہ ثمن ہیں اگر مبیع بائع کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو مشتری سے ثمن ساقط ہو جائے گا لہٰذا اس کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نوادر میں روایت ہے اس لیے کہ رہن کا قبضہ وصولی کا قبضہ ہے اور غیر سے مضمون میں استیفاء اور وصولی کا معنی متحقق نہیں ہوتا اس لیے کہا اگر رہن مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو وہ رہن کے ہلاک ہونے کی وجہ سے کچھ وصول کرنے والا نہ ہوگا اور ظاہر روایت میں ہے۔ مبیع کا قبضہ سے پہلے رہن رکھنا صحیح ہے کیونکہ وہ مضمون ہے اور مشتری رہن کو روک سکتا ہے مبیع پر قبضہ کرنے تک کیونکہ وصولی جو مطلوب ہے وہ معنی کے اعتبار سے متحقق ہے اس لیے کہ قبضہ سے پہلے مبیع اپنی قیمت کے اعتبار سے مضمون نہیں لیکن ثمن کے اعتبار سے مضمون ہے اور مشتری سے ثمن ساقط ہونا مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے سپردگی اور قبضہ سے پہلے عوض کی طرح ہے لہٰذا مشتری مبیع کی مالیت کو وصول کرنے والا ہوا اس بناء پر کہ مدیون بہ ایسا حق ہو جس کا سپرد کرنا واجب ہو اس پر درج صورتیں متفرع ہیں۔

ا۔ رہن نقود پر...... اگر کسی مرد نے کسی عوت سے متعین نقود پر شادی کی یا کوئی چیز متعین نقود کی خریدی اور اس کے بدلے رہن رکھا تو امام صاحب اور صاحبین کے ہاں یہ رہن جائز نہیں کیونکہ نقود متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اور امام زفر کے ہاں جائز ہے کیونکہ ان کے ہاں نقود متعین کرنے سے متعین ہوتے ہیں۔

۲۔ وعدہ شدہ دین یا مرتہن راہن سے جو قرض لے گا اس کے بدلے رہن...... اس شرط کا تقاضا یہ ہے کہ رہن صحیح نہ ہو، کیونکہ عقد رہن کے وقت دین کا وجود ہی نہیں ہوتا کہ وہ واجب التسلیم ہو لیکن حنفیہ اور مالکیہ اس کی اجازت دیتے ہیں لوگوں کی حالت کی وجہ سے استحسانا رہ گئی وہ صورت کہ مرتہن رہن رکھے اس چیز کے بدلے جو مستقبل میں اس پر ثابت ہوگی وعدہ کے بغیر تو اس کا رہن جائز نہیں۔ اور شوافع، حنابلہ کے ہاں ظاہر مذہب میں ان کا رہن درست نہیں یعنی مستقبل کے دین کے بدلے کیونکہ عقد رہن کے وقت یہ حق ثابت نہیں ذمہ میں اور رہن ثبوت دین کے وقت مشروع ہے نہ کے وعدہ کے وقت۔

۳۔ رہن درک...... یعنی استحقاق کے وقت جو مبیع کا درک ہوتا ہے مثلاً کسی شخص نے کوئی چیز فروخت کی اور ثمن پر قبضہ کر لیا اور مبیع مشتری کو سپرد کر دی پھر مشتری کو استحقاق کا خوف ہوا درک سے پہلے اس نے بائع سے ثمن پر رہن رکھا تو جائز نہیں اگرچہ اس کی کفالت جائز ہے۔ اس لیے کہ مبیع کا استحقاق کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا تو اس کا رہن ایسا ہی ہے جیسے ایسی چیز کا رہن جو فوری طور پر سپرد کرنا واجب نہیں بلکہ ایسی چیز جس کا نہ تو فی الحال وجود ہے اور نہ ہی مستقبل میں یہ ضروری ہے۔ ہاں درک کی کفالت جائز ہے کیونکہ کفالت التزام اور مطالبہ کا ضمان ہے افعال کا التزام اور ان کا ضمان مستقبل میں جائز ہے جیسے نذر وغیرہ حنفیہ نے فرمایا رہن بالدرک باطل ہے اور درک کی کفالت جائز ہے [1] رہ گیا رہن وہ تو قرضوں (دیون) کی وصولی کے لیے ہے جب دین ثابت نہیں تو انہیں کیسے وصول کیا جائے گا؟ لہٰذا دین کے ثبوت یا وجوب

---

[1] ... درک: استحقاق مبیع کی صورت میں مشتری کا بائع پر ثمن کے سلسلہ میں رجوع کرنے کو درک کہتے ہیں۔

سے پہلے کوئی وصولی نہیں نیز رہن میں استیفاء معاوضہ کے معنی میں ہے معاوضات اور تملیکات کو مستقبل کی طرف مضاف کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس میں خطرہ اور دھوکا ہے اور رہن درک اسی قبیل سے ہے گویا اور راہن جو بائع ہے وہ کہہ رہا ہے مشتری مرتہن سے کہ اگر کوئی مستحق نکل آیا تو یہ چیز رہن ہے اس سے ثمن وصول کر لینا حالت درک اور دین موعود میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت معدوم ہے اور دوسری موجود کی طرح ہے یا ثبوت کے درجہ میں ہے اور دوسری صورت کو حنفیہ نے حاجت کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔

دوسری شرط...... مرہون بہ سے دین کی وصولی ممکن ہو اگر وصولی اس سے ممکن نہ ہو تو رہن صحیح نہیں کیونکہ رہن رکھنا وصولی ہے جب استیفاء نہیں تو رہن اور اس کی غرض بھی نہیں اسی وجہ سے آنے والی چیزوں میں رہن صحیح نہیں۔ [1]

قصاص بالنفس یا اس سے کم میں رہن جائز نہیں اس لیے کہ یہ ناممکن یا مرہون سے قصاص کا لینا متعذر ہے لیکن دیت (ارش) کے بدلے رہن صحیح ہے اس لیے کہ رہن سے ارش کی وصولی ممکن ہے۔

کفالت بالنفس (ضمانت شخص) یعنی قاضی کی مجلس وغیرہ میں کسی شخص کو حاضر کرنا اس کے بدلے میں بھی رہن جائز نہیں اس لیے کہ جس کی ضمانت دی جا رہی ہے اسے رہن سے وصول کرنا ممکن نہیں مثلاً زید، خالد کا ضامن ہو کہ اگر اس نے ایک سال تک ادائیگی نہ کی تو اس پر وہ ہزار ہوں گے جو خالد پر ہیں پھر خالد نے ایک سال کے لیے رہن رکھا تو یہ رہن باطل ہے اس لیے کہ خالد پر مال واجب نہیں اور مفکول بہ کی وصولی رہن سے ممکن نہیں۔

شفعہ: شفعہ کی وجہ سے مشتری سے رہن لینا جائز نہیں لہٰذا شفیع کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشتری سے کہے مجھے دار مشفوعہ کے بدلے رہن دو کیونکہ حق شفعہ کو رہن سے وصول کرنا ممکن نہیں لہٰذا اس کا رہن بھی صحیح نہیں جیسا کہ شفعہ مضمون نہیں مشتری پر اس وجہ سے کہ اگر مشفوعہ بہ عقار ہلاک ہو جائے تو مشتری پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔

۴۔ حرام فعل پر اجرت...... جیسے رونے والی، گانا گانے والی، ناچنے والی کو اجرت پر رہن مثلاً انہیں کوئی شخص اجرت پر لے اور اجرت کے بدلے انہیں رہن دے دے تو یہ رہن صحیح نہیں کیونکہ ان کا اجارہ ہی صحیح نہیں اور اجرت واجب نہیں لہٰذا رہن غیر مضمون چیز کے بدلے میں ہوا لہٰذا رہن صحیح نہیں جیسا کہ وہ منفعت جو ذمہ میں ثابت ہو جس کا اجیر مشترک التزام کرے اس کا رہن صحیح نہیں کیونکہ مال سے منفعت کی وصولی ممکن نہیں۔

تیسری شرط...... مرہون بہ حق معلوم ہو حق مجہول کا رہن صحیح نہیں اگر اس نے دو دینوں میں سے ایک کا رہن رکھا اور دین کو متعین نہ کیا تو یہ رہن صحیح نہیں۔

شوافع اور حنابلہ نے مرہون بہ میں تین شرطیں رکھی ہیں...... دین ثابت اور واجب ہو جیسے قرض اور تلف شدہ چیز کی قیمت یا منفعت ہو جیسے ذمہ کے اجارہ میں عمل جیسے اجیر مشترک جیسے کپڑے سینے یا گھر بنانے کے لیے اجرت پر رکھا یا معلوم بوجھ متعین جگہ تک لے جانا کیونکہ منفعت کی وصولی ممکن ہے مرہون کو فروخت کرے اور اس کے ثمن سے، جب اجیر مستاجر کام نہ کرے تو رہن کو فروخت کر دیا جائے گا اور اس سے اسے اجرت پر لیا جائے گا جو کام کرے اور یہ حنفیہ کے خلاف ہے رہ گیا عین کا اجارہ تو اس کے بدلے رہن رکھنا صحیح نہیں اس لیے کہ مرہون بہ کی وصولی غیر معین سے ممکن نہیں اگرچہ مرہون کو فروخت ہی کیا گیا ہو۔ شوافع کے ہاں دین کی شرط پر ہی مدار ہے اس کا کہ رہن صحیح نہ ہونا چاہیے عاریت پر دی گئی چیزوں اور غصب شدہ چیزوں کا اور حنابلہ نے مضمون عین کے بدلے رہن لینے کی اجازت دی ہے جیسے مغصوب، عاریت، خریدنے کی نیت پر قبضہ کی ہوئی چیز اور عقد فاسد کے ذریعہ قبضہ کی ہوئی چیز اس لیے کہ ان کے ہاں ہر اس دین کا رہن صحیح ہے جو

[1] البدائع ۱۴۳/۶۔

واجب ہو یا اس کا انجام وجوب ہو جیسے مدت خیار کے ثمن۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں ایسا دین جو ثابت شدہ نہیں کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح نہیں اور وہ موجود دین ہے برخلاف حنفیہ کے اور دین کے مستقر جیسے دین قرض ثمن مبیع اور دین کے غیر مستقر جیسے قبضہ سے پہلے مبیع کے ثمن عین کے اجارہ میں انتفاع سے پہلے اجرت اور دخول سے پہلے مہر وغیرہ میں کچھ فرق نہیں ذمہ میں موجود اجارہ کی اجرت کے مقابلہ میں رہن صحیح نہیں کیونکہ یہ ذمہ میں لازم نہیں۔ اس لیے کہ اس کو مجلس عقد میں قبضہ میں لینا لازم ہے تفرق سے پہلے یہ بیع سلم کے رأس المال کی طرح ہے۔

۲..... دین فی الحال لازم ہو یا مال کے اعتبار سے لازم ہو لزوم بیع کے بعد ثمن کا رہن درست ہے جیسے مدت خیار میں لزوم عقد سے پہلے درست ہے کیونکہ مدت خیار ختم ہونے کے بعد عقد لازم ہو جاتا ہے۔ اور رہن صحیح نہیں دین یا قسطوں کے بدلے میں اور نہ ہی کام سے فارغ ہونے سے پہلے انعام کے بدلے میں کیونکہ یہ دین لازم نہیں ہوا اس لیے کہ مکاتب غلام یا انعام یافتہ شخص اس عقد کو جب چاہے ختم کر سکتا ہے یہ رہن کے معنی وثیقہ کے خلاف ہے۔

۳..... عاقدین کو دین کی مقدار معلوم ہو، اگر دونوں کو یا کسی ایک کو مقدار اور صفت معلوم نہ ہو یا کسی ایک دین کے بدلے میں رہن رکھا تو یہ رہن صحیح نہیں۔

مالکیہ کے ہاں..... رہن مرہون فیہ میں درست ہے اور وہ تمام قسم کے حقوق ہیں بیع قرض وغیرہ، الا یہ کہ بدل صرف اور بیع سلم کے رأس المال میں درست نہیں اور وہ مرہون وغیرہ میں یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ وہ دین ہو لہٰذا امانت کے بدلے میں رہن صحیح نہیں چاہے وہ ودیعت ہو یا مضاربت نیز وہ ذمہ میں ہونا چاہیے لہٰذا کسی متعین چیز یا اس کی منفعت کے بدلے میں رہن رکھنا نیز وہ لازم ہو یا لزوم کی طرف جانے والا ہو لہٰذا بدل کتابت کی قسطوں میں رہن صحیح نہیں۔

چوتھا مقصد: مال مرہون کی شرائط..... مال مرہون جیسے مرتہن حق کی وصولی تک اپنے پاس روک کر رکھ سکتا ہے اگر وہ اس کے حق اور دین کی جنس میں سے ہو تو اسی سے اپنا حق وصول کرے اگر وہ اس کی جنس میں سے نہ ہو تو اسے فروخت کر کے اس کے ثمن سے حق وصول کیا جائے گا اگر بیع سے وصولی ہو سکے جیسے دین نقدی (درہم دینار، ہیرے اور روپے) کی صورت میں ہو اور مرہون بھی قیمی احوال میں سے ہو ورنہ ادائیگی بطور معاوضہ ہوگی مثلاً دین گندم ہو اور رہن نقدی ہو یا مثلی مال ہو نقود کے علاوہ اسی وجہ سے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرہون میں وہی شرطیں ہوں جو بیع میں ہیں تا کہ اس کی بیع ممکن ہو اور اس سے دین وصول ہو سکے۔ ❶ حنفیہ کے ہاں بیع حاکم کی اجازت سے مکمل ہوگی جب راہن موجود نہ ہو اور نہ اس کی زندگی اور موت کا پتا ہو اگر وہ حاضر اور موجود ہے تو مرہون فروخت کرنے کے لیے اس پر جبر کیا جائے گا اگر وہ رک گیا تو قاضی اسے فروخت کرے گا یا اس کا نائب اور مرتہن کو اس کا حق دیا جائے گا۔

حنفیہ کے ہاں مرہون کی شرائط..... ❷ کہ وہ مال متقوم ہو معلوم ہو سپرد کرنے پر قدرت ہو اس پر قبضہ ہو جمع شدہ ہو جو مرہون نہیں اس سے فارغ ہو الگ اور ممتاز ہو عقار ہو یا منقولی چیز ہو مثلی ہو یا قیمی ہو میں ان شرائط تشریح کرتا ہوں مرہون بیع کے قابل ہو: یعنی عقد کے وقت موجود ہو اور اسے سپرد کرنا ممکن ہو جو چیز عقد کے وقت موجود نہیں اس کا رہن جائز نہیں اور جو وجود اور عدم کا احتمال رکھتی ہے اس کا بھی درست نہیں جیسے اس سال درخت جو پھل دے انہیں رہن رکھنا یا اس سال بکریاں جو بچے جنیں گی یا اڑتے پرندے کو رہن رکھنا یا بدکے ہوئے جانور وغیرہ کو رہن رکھنا درست نہیں یعنی جن سے دین وصول کرنا اور اسے فروخت کرنا ممکن نہیں۔

پھل یا سبز کھیتی کو پکنے سے پہلے رہن رکھنا..... اکثر فقہاء کے ہاں یہ شرط متفق علیہ ہے اور یہی حنفیہ کی رائے ہے اور شوافع کی بھی

---

❶ .. المغنی: ۳۳۷/۴ ❷ البدائع: ۱۳۵/۶۔

اظہر روایت ہے اور مالکیہ کے ہاں ظاہر روایت ہے جیسا کہ دسوقی نے تحقیق کی ایک صورت میں حنابلہ کے ہاں بھی ان کے ہاں پھل سے پہلے اور سبز کھیتی کاٹنے کی شرط کے بغیر کا رہن رکھا جائز نہیں کیونکہ اسے فروخت کرنا جائز نہیں لہٰذا اس کا رہن بھی درست نہیں جیسے وہ تمام چیزیں جن کی بیع جائز نہیں۔

ابن قاسم اور ابن ماجشون مالکیہ میں سے اور حنابلہ کے اصح قول کے مطابق یہ صورت اس قاعدہ **مالایصح بیعہ لایصح دفعہ** سے پھل پکنے سے پہلے اور کھیتی کو رہن رکھنا مستثنیٰ ہے اور جانوروں میں سے بدکنے والا جانور کیونکہ بیع کی نہی تو آفت دھوکے وغیرہ سے امن نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ وجہ رہن میں نہیں پائی جاتی اس لیے کہ دین تو راہن کے ذمہ میں ہے دھوکا وغیرہ رہن میں کم ہے کیونکہ جب مرہون تلف ہوجائے تو مرتہن کا حق دین سے ضائع نہیں ہوتا بلکہ حق راہن کے ذمہ کی طرف لوٹ آتا ہے لیکن جب مرہون تلف نہ ہو بایں طور کہ کھیتی پک جائے اور پھل تیار ہوجائیں اور بدکا ہوا جانور واپس آجائے تو مرتہن کی منفعت متحقق ہوجائے گی جب حق کی مدت پوری ہو وہ اسے فروخت کردے اور اس کی بیع کو مرتہن کی مرضی کے مطابق مؤخر کیا جائے اسی بناء پر بعض مالکیہ کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں اس چیز کا رہن جائز ہے جس کی بیع رہن کے وقت حلال نہ بھی ہو اور اسے تیار ہونے سے پہلے فروخت نہ کیا جائے گا اگرچہ دین کی مدت پوری ہی ہوجائے۔

۲۔ مال ہو...... جو چیز مال نہیں اس کا رہن صحیح نہیں جیسے مردار حرم اور احرام کا شکار اس لیے کہ یہ شکار حرام ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔

منفعت کا رہن...... مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں منفعت کا رہن بھی صحیح نہیں مثلاً مہینا یا زیادہ گھر کی رہائش رہن رکھے اس لیے کہ منفعت حنفیہ کے ہاں مال نہیں اور باقی ائمہ کے ہاں اس کو سپرد کرنے کی قدرت نہیں اس لیے کہ عقد کے وقت یہ موجود نہیں پھر جب منفعت پائی جاتی ہے تو فنا بھی ہوجاتی ہے اور دوسری پائی جاتی ہے اسے نہ ٹھہراؤ ہے نہ اس کا ثبوت ہے لہٰذا اسے سپرد کرنا ممکن نہیں اور نہ اس پر قبضہ ممکن ہے اور نہ ہی پر مدت قرض ہونے تک باقی رہ سکتی ہے اور نہ وصولی کے وقت تک البتہ شوافع کے ہاں ابتداء منفعت کو رہن رکھنا ممتنع ہے البتہ منفعت کو بغیر عقد رہن کے رہن رکھنا جائز ہے جیسے کوئی شخص مرجائے اور منفعت چھوڑ جائے اور اس پر قرض ہو۔

۳۔ متقوم ہو...... یعنی شرعاً اس سے نفع اٹھانا اس طور پر مباح ہو کہ اس سے دین کی ادائیگی ممکن ہو شراب اور خنزیر کو رہن رکھنا: اس شرط کی وجہ سے مسلمان کے لیے شراب اور خنزیر رہن رکھنا جائز نہیں اور نہ ہی یہ دونوں چیزیں مسلم اور ذمی کے ہاں رہن رکھنا جائز ہیں اس لیے کہ رہن دین کی ادائیگی کے لیے ہے اور ارتہان وصولی ہے اور مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ شراب وغیرہ سے دین ادا کرے اور نہ اس سے وصول کرنا اگر کوئی مسلمان شراب یا خنزیر وغیرہ کسی ذمی کافر کے ہاں رہن رکھے تو وہ مسلمان کے لیے اس کا ضامن نہ ہوگا جیسے غصب سے وہ ضامن نہیں ہوتا کیونکہ اس کی مالیت نہیں۔ اگر راہن ذمی ہو اور وہ شراب کو مسلمان کے پاس رہن رکھے تو حنفیہ کے ہاں اس کے ذمہ اس کا ضمان ہے جیسا کہ غصب میں ضمان ہے اس لیے کہ ذمی کی نسبت سے یہ مال ہے۔ اس وقت دونوں دین قصاص اور مقاصہ میں برابر ہیں اہل ذمہ کا شراب اور خنزیر رہن رکھنا اور آپس میں رکھوانا درست ہے اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں ان کے ہاں مال متقوم ہیں جیسے سرکہ اور بکری ہمارے ہاں۔

۴۔ معلوم ہو...... جیسے مبیع میں شرط ہے کہ وہ معلوم ہو۔ مجہول رہن: ہر وہ چیز جس کی بیع جہالت کے ساتھ درست ہے اس کا رہن بھی صحیح ہے۔ اور جس کی بیع جہالت کی وجہ سے درست نہیں اس کا رہن بھی درست نہیں اور مبیع میں مشروط علم وہ ہے جس سے نزاع ختم ہوجائے یا وہ جس سے عام طور پر نزاع نہ ہوتا ہو اگر راہن نے کہا: میں تمہارے پاس یہ منزل مکان جو کچھ اس میں ہے اس کے ساتھ رہن رکھتا ہوں مرتہن نے قبول کرلیا اور راہن نے منزل و مکان سپرد کردیا تو حنفیہ کے ہاں یہ رہن صحیح ہے کیونکہ اس کی بیع صحیح ہے اس طور پر شوافع اور حنابلہ کے ہاں رہن صحیح نہیں اس طور پر اس کی بیع درست نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ جو کچھ اس میں ہے وہ مجہول ہے اگر راہن نے کہا: ان دو گھروں میں سے

ایک میں رہن رکھتا ہوں تو حنیفہ کے ہاں راہن صحیح ہے کیونکہ اس کی بیع صحیح ہے اور مرتہن کو ایک اختیار کرنے کا خیار ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں تعیین نہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں اگر راہن نے مرتہن کو دو کپڑے دیئے اور اس سے کہا کہ ان میں سے جو چاہو اپنے دین کے بدلے رہن لے لو اس نے دونوں لے لیے تو ان میں سے کوئی بھی رہن نہ ہوگا جب تک وہ کسی ایک کو متعین نہ کرے اس لیے کہ راہن نے وہ رہن رکھا ہے جیسے مرتہن پسند کرے اور پسند کرنے سے پہلے مرہون معلوم نہیں اور اس کے بعد معلوم ہے لہٰذا رہن درست ہوگا۔ اگر دونوں کپڑے ضائع ہوجائیں تو نصف قیمت ان دونوں کی دین کے بدلے ختم ہوجائے گی اگر ان میں سے کسی ایک کے برابر دین ہو۔

۵ راہن کی ملکیت میں ہو...... یہ صحت رہن کے جواز کی شرط نہیں بلکہ مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں یہ نفاذ رہن کی شرط ہے اسی سے مال غیر کے رہن کا حکم بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔ پس غیر کے مال کو بغیر اجازت رہن رکھنا صحیح ہے اور ولایت شرعی سے جیسے باپ وصی یہ بچے کے مال کو اس کے دین اور اپنے دین کے بدلے میں رہن رکھ سکتے ہیں اور غیر کے مال کو اس کی اجازت سے رہن رکھنا جائز ہے جیسے کسی انسان سے عاریت کے طور پر لیا ہوا تا کہ مستعیر پر جو دین ہے اس کے بدلے اسے رہن رکھے اگر مالک کی طرف سے رہن کی اجازت نہیں تو یہ رہن موقوف ہوگا اس کی اجازت پر اگر اس نے اجازت دے دی تو نافذ ہوگا ورنہ باطل جیسے بیع۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں غیر کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر رہن رکھنا صحیح نہیں اس لیے کہ اس کی بیع صحیح نہیں اور اس کے سپرد کرنے پر قدرت نہیں اور نہ ہی اسے دین میں فروخت کرنا صحیح ہے اس کا رہن بھی جائز نہیں جیسے اڑتا پرندہ بدکا ہوا جانور اگر اس نے کوئی چیز رہن رکھی اور اسے گمان ہے کہ یہ کسی دوسرے کی ہے پھر معلوم ہوا کہ اس کے باپ کی ہے اور ان کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ چیز بطور میراث اس کی ملکیت میں ہے تو حنابلہ کے ہاں اور شوافع کے ہاں ایک صورت میں اس کا رہن صحیح ہے کیونکہ معاملات میں نفس الامر اور حقیقت کا اعتبار ہوتا ہے اور شوافع کے ہاں منصوص یہ ہے کہ یہ عقد باطل ہے کیونکہ عقد تو کیا گیا ہے لیکن عاقد مذاق کر رہا ہے لہٰذا صحیح نہیں لیکن علامہ نووی رحمہ اللہ نے مجموع ۹ / ۲۸۳ پر لکھا ہے کہ اگر کسی نے اپنا موروثی مال اس گمان سے فروخت کیا کہ والد زندہ ہیں اور یہ فضولی ہے اور اس وقت اس کا مردہ ہونا ظاہر ہوا اور صحیح یہ ہے کہ عقد صحیح ہے کیونکہ مالک کی جانب سے ہوا ہے اگر راہن نے کوئی چیز عاریت کے طور پہ لی تا کہ اسے رہن رکھے تو ائمہ مذاہب کے ہاں بالاتفاق جائز ہے اس لیے کہ عاریت کی وجہ سے وہ غیر کی ملکیت کا مالک بن گیا ہے تا کہ اس سے بغیر عوض نفع حاصل کرے یہی عاریت کی نشانی ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ عین مستعارہ سے ایک ہی منفعت حاصل کی جارہی ہے۔

۶۔ فارغ ہو...... یعنی راہن کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو لہٰذا بغیر پھل کے صرف کھجور کے درخت کو رہن رکھنا صحیح نہیں کیونکہ وہ پھلوں کے ساتھ مشغول ہے اور نہ ہی اگی ہوئی کھیت والی زمین کو بغیر کھیتی کے رہن رکھنا صحیح ہے اور نہ ہی گھر کو جس میں راہن کا سامان ہو بغیر سامان کے رہن رکھنا وغیرہ رہ گیا مشغول چیز جیسے سامان اٹھانے والی گاڑی گھر کا سامان جو مشغول سے متصل نہیں تو اس کا رہن جائز ہے۔

۷۔ اکٹھا ہو...... علیحدہ اور اکٹھا ہو نہ کہ متفرق اور غیر سے ملا ہوا لہٰذا پھلوں کو درخت پر بغیر درخت کے رہن رکھنا جائز نہیں اور کھیتی کو بغیر زمین کے کیونکہ انہیں جمع کرنا درخت اور زمین کے بغیر ممکن نہیں۔

۸۔ ممتاز ہو...... مشاع نہ ہو لہٰذا آدھا گھر یا چوتھائی گاڑی وغیرہ کو رہن رکھنا جائز نہیں۔ فارغ جمع شدہ اور ممتاز ہونے کی شرط کی وجہ یہ ہے کہ رہن کے صحیح ہونے کے لیے قبضہ شرط لازم ہے اور ان موانع کی موجودگی میں قبضہ متعذر ہے جب رہن پر قبضہ فارغ جمع شدہ اور ممتاز ہونے کی حالت میں ہو تو اس میں عقد مکمل ہوگا اور لازم ہوگا اور جب تک مرتہن نے قبضہ نہ کیا تو راہن کو اختیار ہے چاہے تو اس کے سپرد کر دے اور چاہے تو رہن سے رجوع کرے، جیسے ہبہ میں ہوتا ہے اس لیے کہ رہن ہبہ کی طرح عقد تبرع ہے اور قبضہ کے بغیر لازم نہیں ہوتا اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ یہ تین شرطیں حقیقت میں وہ عناصر ہیں جن کی موجودگی میں مرہون پر قبضہ ہو سکتا ہے۔

پانچواں مقصد: رہن مکمل ہونے کی شرط مرہون پر قبضہ.....فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رہن میں قبضہ شرط ہے فرمان باری تعالیٰ کی وجہ سے ”فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ“ (البقرۃ ۲/۲۸۳) لیکن قبضہ کی تحدید میں اختلاف ہے آیا شرط لزوم ہے یا شرط تمام؟ اور فرق کا فائدہ یہ ہے کہ جو کہتے ہیں شرط لزوم ہے تو ان کے ہاں جب تک قبضہ نہ ہو تو راہن پر رہن لازم نہیں ہوتا اور اسے عقد سے رجوع کا اختیار ہے اور جن کے ہاں شرط تمام ہے تو وہ کہتے ہیں عقد ہی سے رہن مکمل ہو جاتا ہے اور راہن پر قبضہ دینے میں جبر کیا جائے گا الا یہ کہ مرتہن تاخیر کرے اور راہن مفلس ہو جائے یا بیمار ہو جائے یا مر جائے پھر نہیں۔

ا۔ جمہور کے ہاں......قبضہ صحت کے لیے شرط نہیں بلکہ لزوم رہن کے لیے شرط ہے لہٰذا رہن صرف قبضہ ہی سے لازم ہوگا جب تک قبضہ مکمل نہ ہو تو راہن کے لیے جائز ہے کہ وہ عقد رہن سے رجوع کر لے اور جب راہن نے مرتہن کے سپرد کر دیا اور اس نے قبضہ کر لیا تو رہن لازم ہو جائے گا اور راہن کے لیے جائز نہیں کہ وہ اکیلا اسے قبضہ کے بعد۔ اور ان کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے، فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ (سورۃ البقرہ ۲/۲۸۳) اگر قبضہ کے بغیر لازم ہو تو پھر اس قید کا کوئی فائدہ نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبضہ پر معلق کیا ہوا ہے لہٰذا اس کے بغیر مکمل نہیں ہوگا نیز اس لیے بھی کہ رہن عقد تبرع اور نفع کے لیے ہے قبول کا محتاج ہے، قبضہ کا بھی محتاج ہوگا تاکہ عقد ہونے اور رجوع نہ ہونے پر دلیل ہو لہٰذا ہبہ اور قرض کی طرح قبضہ کے بغیر لازم نہیں ہوگا۔

۲۔ مالکیہ کے ہاں......رہن قبضہ اور جمع کرنے ہی سے مکمل ہوتا ہے اور یہ تمام رہن کے لیے شرط ہے کمال فائدہ کے لیے اور لازم اور صحت کے لیے شرط نہیں جب رہن ایجاب وقبول سے ہوا تو عقد لازم ہے اور مرتہن کے مطالبہ پر راہن پر جبر کیا جائے گا قبضہ دینے کے لیے اگر مرتہن نے مطالبہ میں تاخیر کی یا راہن کے قبضہ میں چھوڑنے پر راضی ہو گیا تو رہن باطل ہے ان کی دلیل ان تمام مالی عقود پر قیاس ہے جو قول سے لازم ہو جاتے ہیں چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے: اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ (المائدۃ:۵ ۱) رہن بھی عقد ہے اس کی وفا بھی واجب ہے جیسا کہ کفالت کی طرح رہن وثیقہ ہے لہٰذا قبضہ سے پہلے صرف عقد ہی سے لازم ہو جائے گا اور قبضہ کی شرط کی وجہ سے اگر راہن اور مرتہن اس طرح عقد کریں کہ رہن راہن کے قبضہ میں رہے گا تو یہ رہن صحیح نہیں اگر اس کے قبضہ میں رہن ہلاک ہو گیا تو دین ساقط نہ ہوگا اور اگر مرتہن کا ارادہ ہو کہ وہ راہن کے ہاتھ سے قبضہ کرے تاکہ اسے رہن شمار کیا جائے تو اسے قبضہ کا اختیار نہیں کیونکہ فاسد ہونے کے بعد رہن صحیح نہیں ہو سکتا۔

قبضہ کی کیفیت یا کس طرح قبضہ متحقق ہوگا......فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عقار میں قبضہ متصلاً سپرد کرنے یا تخلیہ یعنی قبضہ کے موانع کو ختم کرنا یا موانع ہٹانے میں قدرت دینا لہٰذا مرتہن اور شی مرہون کو چھوڑ دینا تاکہ اس کا قبضہ اس میں ثابت ہو جائے اور منقولی اشیاء میں قبضہ: حنفیہ کے ہاں ظاہر روایت میں اس میں تخلیہ کافی ہے جب تخلیہ ہو گیا راہن سپرد کرنے والا ہوگا اور مرتہن قبضہ کرنے والا کیونکہ عرف اور شریعت میں تخلیہ کو قبضہ دینا شمار کیا جاتا ہے عرف میں تو اس طرح کہ عقار میں تو ہے ہی یہ طریقہ تو کہا جائے گا یہ زمین یا یہ گھر فلاں کے قبضہ میں ہے تو اس سے تخلیہ ہی سمجھا جاتا ہے اور یہ تصرف کی قدرت ہے اور شریعت میں اس طرح کے بالا جماع بیع میں تخلیہ ہی قبضہ سمجھا جاتا منتقل کیے بغیر یہ رائے تعامل کی طبیعت پر عمل کے لیے بڑی ہی معقول ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں منقولی اشیاء میں صرف تخلیہ کافی نہیں بلکہ ان میں منتقل کرنا اور تحویل شرط ہے جب تک یہ نہ پایا گیا تو مرتہن قابض شمار نہ ہوگا اس لیے کہ آیت میں مطلقاً قبضہ کا ذکر ہے: فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ (البقرہ:۲/۲۸۳) لہٰذا اس سے حقیقی قبضہ مراد ہوگا اور وہ سوائے منتقل کرنے کے نہیں ہو سکتا، اور تخلیہ سے تو حکمی قبضہ متحقق ہوتا ہے لہٰذا اس کے لیے کافی نہیں پھر رہن کے قبضہ کی وجہ سے مرتہن پر ضمان مرتب ہوتا ہے جو کہ عقد سے پہلے ثابت نہیں لہٰذا اس میں منتقل کرنا ضروری ہے قبضہ کے ذریعہ تاکہ ضمان ہو سکے جیسا کہ غصب میں ہوتا ہے بر خلاف بیع کے اس میں تو ضمان بائع سے مشتری کی طرف منتقل ہوتا ہے اس میں تخلیہ کافی ہے یہ بات یاد رہے کہ رہن اور بیع میں اس فرق کی کوئی

تاثیر نہیں شوافع اور حنابلہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ متفق ہیں ان کے ہاں: قبضہ سے مراد وہ قبضہ ہے جو بیع میں ہوتا ہے رہن کا قبضہ بیع کا قبضہ ہے اگر عقار ہے یا غیر منقولی اشیاء ہیں جیسے گھر اور زمین تو ان میں قبضہ تخلیہ سے ہوگا اور یہی قبضہ پھول کھیتی وغیرہ پر منطبق ہوا اگر چہ یہ منقول ہیں تو ان کا قبضہ منتقل کرنے یا کھانے سے ہوگا یعنی راہن سے ان کو فعلی طور پر لینا اگر زیور ہے تو اس کا قبضہ منتقل کرنے سے ہوگا اگر درہم اور کپڑے ہیں تو انہیں لے لینے سے انتقال مکمل ہوگا اور اگر کیلی یا وزنی چیز ہے تو ان کا قبضہ کیل اور وزن سے ہوگا اگر گزوں سے ناپی جانے والی چیز ہے تو اس کا قبضہ گزوں سے ہوگا اگر شمار کی جانے والی چیز ہے تو اس کا قبضہ شمار کرنے اور گننے سے ہوگا ان تمام چیزوں میں متعارف عرف دیکھا جائے گا۔

زمین کا رسماً رہن یا جو چیز قبضہ کے قائم مقام ہے..... ظاہر ہے کہ رہن کے قبضہ کے مقصد مرتہن کو امین دینا ہے اور اطمینان اور بھروسہ اسے فراہم کرنا ہے تا کہ وہ مرہون کو اپنے قبضہ میں روک سکے اور اس سے دین وصول کر سکے اور قبضہ کا مقصد صرف تعبد نہیں یعنی مطلب کو نافذ کرنا بغیر کسی مقصد کے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ صحیح کہ کوئی چیز قبضہ کے قائم مقام ہو جو کہ دائن کو امین دے انہیں میں سے وہ ہے جو شہری قانون جو عقار میں رسمی رہن کے لیے وضع ہوا ہے اس میں عقاری رجسٹر مقرر ہوا ہے یہ مرہون کی حفاظت اور بقا کا ذریعہ ہے اور مرتہن کی مصلحت کے لیے یہ شرعی قبضہ کے قائم مقام ہے یہ وہی ہے جسے مالکیہ نے رسمی رہن کے سلسلہ میں برقرار رکھا ہے۔

قبضہ کی شرائط:

قبضہ کے لیے درج ذیل شرائط ہیں پہلی شرط..... راہن کی اجازت سے قبضہ ہو فقہاء کا اتفاق ہے [1] اس بات پر قبضہ کے صحیح ہونے کے لیے راہن کی اجازت ضروری ہے اسی سے رہن لازم ہوتا ہے اور راہن کا رہن سے رجوع کا حق ساقط ہوتا ہے، اگر مرتہن تعدی کرتے ہوئے راہن کی اجازت کے بغیر قبضہ کرے تو اس کا حکم ثابت نہ ہوگا اور یہ رہن پر قبضہ نہ کرنے کے درجہ میں ہوگا اگر راہن نے قبضہ کی اجازت دے دی پھر اجازت سے قبضہ سے پہلے رجوع کر لیا تو اجازت کا حکم ختم ہو جائے گا البتہ قبضہ کے بعد اس کا رجوع کوئی اثر نہیں رکھتا۔

اگر مرتہن کوئی چیز بطور غصب قبضہ کی پھر مغصوب منہ نے اسے رہن قرار دیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ چیز غصب کے ضمان سے رہن کے ضمان کی طرف منتقل ہو جائے گی، لہٰذا مغصوب غاصب کے ہاتھ میں رہن ہوگا امام شافعی کے ہاں: اس طرح جائز نہیں بلکہ وہ ضمان غصب پر ہی باقی رہے گا یہاں تک کہ راہن کے پاس واپس آ جائے پھر وہ قبضہ کی اجازت دے دے اور غاصب غصب کے ضمان سے بری نہ ہوگا مغصوب منہ کے رہن رکھنے سے۔ اور اجازت کی دو قسمیں ہیں: **صریح** اور **دلالۃ**: اذن صریح: یہ کہ راہن کہے: میں تجھے قبضہ کی اجازت دیتا ہوں یا میں قبضہ پر راضی ہوں یا مرتہن کو رہن پر قبضہ کا حکم دیتے ہوئے کہے گا **اقبض** قبضہ کر لو، وغیرہ چاہے مجلس عقد ہی میں قبضہ ہو جائے یا بعد میں اور دلالتہً یا ضمناً اجازت یہ کہ مرتہن مجلس عقد میں مال مرہون پر قبضہ کر لے اور راہن خاموش رہے اور اس پر اعتراض نہ کرے تو اس کا قبضہ درست ہے اس لیے کہ رہن کا ایجاب ارادہ پر دلالت کر رہا ہے جس کا اثر عقد پر ہوگا اور یہ قبضہ ہی سے ہو سکتا ہے لہٰذا ایجاب ضمناً قبضہ کی اجازت ہے مجلس عقد میں نہ کے بعد میں اس لیے کہ مجلس ختم ہونے کے بعد رائے تبدیل ہو سکتی ہے امام زفر نے ہبہ کے قبضہ پر قیاس کیا ہے کہ صراحتاً قبضہ کی اجازت ضروری ہے اور رہن کی مجلس کے بعد قبضہ کرنا جائز نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں قبضہ رکن ہے۔

دوسری شرط..... عاقدین قبضہ کے وقت عقد کے اہل ہوں بایں طور کہ دونوں عاقل بالغ ہوں اور بچہ ہونے، مجنون ہونے یا بے وقوف ہونے یا مفلس ہونے کی وجہ سے اس پر پابندی نہ ہو اس لیے کہ قبضہ آثار رہن کا قول ہے اس میں وہی واجب ہے جو عقد میں واجب

---

[1] البدائع ۱۳۸/۶۔

ہے۔ یہ شوافع اور حنابلہ کی رائے ہے اور حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ ماذون بچہ کا رہن رکھنا رکھوانا جائز ہے اس لیے کہ رہن تجارت کے توابع میں سے ہے جو تجارت کا مالک ہے وہ رہن کا بھی مالک ہے مطلب یہ کہ عقد رہن اور قبضہ کے لیے بلوغ شرط نہیں مالکیہ بھی حنفیہ کی طرح ہیں۔

اگر عاقدین میں سے کوئی مجنون ہو گیا عقد کے بعد اور قبضہ سے پہلے یا مر گیا تو حنفیہ کے ہاں عقد باطل ہے تمام عقد سے پہلے عاقد کی اہلیت ختم ہونے کی وجہ سے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں رہن باطل نہیں ہوتا ہے جیسے وہ بیع جس میں خیار ہو مجنون کا ولی وغیرہ اس کے قائم مقام ہوگا جیسے مورث میت کے قائم مقام وارث ہوتا ہے اور اسی طرح قیم اور نگران بے وقوف کا قائم مقام ہے اگر اس پر بے وقوفی کی وجہ سے پابندی ہو لیکن اگر اس پر پابندی مفلسی کی وجہ سے ہو تو قیم رہن سپرد نہیں کر سکتا اور اگر اس پر بے ہوشی طاری ہو تو بھی مرتہن رہن پر قبضہ نہیں کر سکتا۔

مالکیہ کے ہاں...... راہن کی موت سے رہن باطل ہو جاتا ہے اسی طرح اس کے مجنون ہونے مفلس ہونے اور ایسا بیمار ہونے کی وجہ سے کہ اس بیماری میں مر جائے اور یہ سب کچھ قبضہ سے پہلے ہو تو رہن باطل ہے مرتہن کے مرنے مفلس ہونے یا جنون وغیرہ کی وجہ سے رہن باطل نہیں ہوتا کیونکہ عقد قول سے تمام ہو گیا اور اسے باقی رکھنے میں مرتہن کے لیے ظاہری نفع ہے لہٰذا اس کا وارث قبضہ میں اس کا قائم مقام ہوگا۔

اگر راہن مرض الموت میں قبضہ سے پہلے مبتلا ہو جائے تو حنفیہ کے ہاں اس کے لیے قبضہ دینا جائز نہیں جب کہ اس کا مال دین سے محیط ہو اور بھی اس کے قرض خواہ ہوں اس لیے کہ اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ بعض قرض خواہوں کو دین ادا کرے اور بعض کو نہ کرے چونکہ اس وقت ان سب کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہے الا یہ کہ سارے قرض خواہ راضی ہوں اور یہ مالکیہ کی رائے کے موافق ہے شوافع کے ہاں اصح اور حنابلہ کے ایک قول کے مطابق مریض کو اختیار ہے کہ وہ بعض قرض خواہ کو ادائیگی کے لیے خاص کرے اگرچہ دین سے اس کا مال محیط ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ وہ لینے اوپر واجب کو ادا کر رہا ہے اسے رہن کا قبضہ دینے کی اجازت ہے اور دونوں مذہبوں میں ایک قول یہ بھی ہے کہ سپرد کرنا جائز نہیں۔

تیسری شرط...... رہن کا قبضہ ہمیشہ ہو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں قبضہ صحیح ہونے کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ قبضہ ہمیشہ کے لیے ہو اگر رہن پر قبضہ کیا پھر اسے مرتہن نے اپنے اختیار سے راہن کو واپس کر دیا یا اسے عاریت کے طور پر ودیعت کے طور پر، اجارہ کے طور پر خدمت کے طور پر، سوار ہونے کے لیے واپس کر دیا تو مالکیہ کے ہاں رہن باطل ہو جائے گا اور حنفیہ کے ہاں باطل نہیں ہوگا البتہ مرتہن کے ضمان سے نکل جائے گا اور مرتہن کو اپنے قبضہ میں لانے کا بھی اختیار ہے لزوم رہن زائل ہو جائے گا اور عقد باقی رہے گا حنابلہ کے ہاں گویا اس پر قبضہ ہو اہی نہیں اگر راہن نے واپس کیا تو اسے مرتہن کی طرف لوٹائے تو عقد سابق کے حکم میں لزوم بھی لوٹ آئے گا حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں عقد جدید کے بغیر رہن نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا عمومی قول فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (البقرۃ ۲ ۲۸۳) ہے جس سے قبضہ کا شرط ہونا اور دائمی ہونا سمجھ میں آتا ہے شوافع کے ہاں جس چیز سے انتفاع اسے باقی رکھتے ہوئے ممکن ہو اس میں قبضہ صحیح ہونے کے لیے دائمی قبضہ شرط نہیں لہٰذا مرہون راہن کو عاریت کے طور پر دینے سے قبضہ سے مانع نہیں یا راہن کا مرتہن کی اجازت سے مرہون کو لینا اور سے سواری رہائش یا خدمت کے طور پر استعمال کرنا یہ دین کا وثیقہ باقی رہے گا دار قطنی اور حاکم کی روایت کی وجہ سے رہن پر سواری کی جائے اور اسے دھویا جائے اور بخاری کی حدیث جانور کی پیٹھ اس کے نفقہ سے سواری کے لیے استعمال کی جائے جب کہ وہ رہن ہو نیز رہن میں ابتداء میں قبضہ معتبر ہے ہبہ کی طرح اس کا دوام شرط نہیں لیکن اگر مرہون ایسی چیز ہو کہ اس سے اسے صرف وخرچ کیے بغیر نفع اٹھانا ممکن نہ ہو تو راہن کے لیے اس سے نفع اٹھانے کے لیے واپس لینا جائز نہیں ہمیشہ کے لیے مرتہن کا اس پر قبضہ واجب ہے اس لیے کہ اس کے حق کا ضمان اس کے علاوہ کچھ نہیں یہاں تک کہ اس کا

حق ضائع یا تلف نہ ہو جائے۔

رہن پر سابقہ قبضہ یا جو کچھ مرتہن کے پاس ہے اسے رہن رکھنا......اگر مرہون مرتہن کے ہاتھ میں پہلے سے عاریت ودیعت اجارہ یا غصب کے طور پر موجود ہو تو آیا کیا عقد رہن کے لیے یہی سابقہ قبضہ کافی ہے اور عقد صحیح اور صرف ایجاب وقبول سے ہی لازم ہو جائے گا یا نیا قبضہ رہن کے لیے دوسری دفعہ ضروری ہے؟ اس میں دو رائے ہیں ایک جمہور کی اور ایک شوافع کی۔ جمہور یعنی حنفیہ، مالکیہ، اور حنابلہ کے ہاں: قبضہ سابق ہی رہن کے قبضہ کے لیے کافی ہے اور تجدید قبضہ کی ضرورت نہیں۔ حنفیہ نے ابتداء کے اعتبار سے ہبہ اور رہن کی منا سبت سے فرمایا: اگر مرہون پر عقد کے وقت قبضہ ہو تو یہ قبضہ رہن کے قائم مقام ہوا جب کہ دونوں قبضے مجانس ہوں بایں طور دونوں قوت کے اعتبار سے دونوں مائل ہوں اگر مختلف ہوں تو اعلی ادنی کا نائب ہوگا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں کما تبین فی الھبۃ، قبضہ امانت اور قبضہ ضمان، امانت کا قبضہ جیسے ودیعت وغیرہ میں اور ضمان کا قبضہ جیسے غصب وغیرہ میں دوسرا پہلے سے قوی ہے جب دونوں قبضے ایک جنس کے ہوں سابقہ اور دوسرا مطلوبہ یعنی ایک ہی نوع کی ہوں بایں طور کہ دونوں قبضے امانت ہوں یا ضمان کے ہوں تو پہلے قبضہ دوسرے کے قائم مقام ہوگا اور قبضہ رہن قبضہ امانت ہے اور یہاں پر ایسی حالت نہیں کہ کوئی قبضہ رہن کے قبضہ سے ادنی ہوا اگر دائن کے پاس موجود مال بطور ودیعت عاریت یا اجارہ ہو پھر راہن اسے دائن کے پاس رہن رکھے تو رہن لازم ہوگا تجدید قبضہ کے بغیر اس لیے کہ ودیعت وغیرہ کا قبضہ اور رہن کا متجانس ہیں دونوں امانت کے قبضے ہیں ایک دوسرے کے قائم مقام ہوگا اگر دائن کے پاس موجود مال غصب شدہ ہو پھر راہن غاصب کے پاس اسے کسی دین بیع یا قرض کی وجہ سے اسے کے پاس رہن رکھے تو غصب کا قبضہ نائب ہوگا رہن کے قبضہ کا کیونکہ ضمان کا قبضہ قوی ہے رہن کے قبضہ سے اور اعلیٰ وادنیٰ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں بھی سابقہ قبضہ رہن کے نائب ہے اس لیے کہ ان کے ہاں قبضہ کا مقصد جمع کرنا ہے اور وہ موجود ہے اور انہوں نے تصریح کی ہے کہ عین مستاجرہ کو مستاجر کے پاس مدت اجارہ ختم ہونے سے پہلے رہن رکھنا جائز ہے اور عقد مساقات کے طور پر عامل کے پاس موجود باغ کو رہن رکھنا۔ حنابلہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے کہ جب مرتہن کے پاس عاریت اجارہ ودیعت یا غصب کے طور پر موجود چیز کو رہن رکھا جائے تو یہ صحیح ہے ایجاب وقبول سے یہ لازم ہوگا بغیر کسی اضافہ کے کیونکہ مال مرہون پر قبضہ موجود ہے اور قبضہ ہے ہی ہاتھ کے ثبوت کے لیے۔

۲۔ شوافع اور حنابلہ میں سے قاضی ابو یعلی کے ہاں قبضہ تو سابقہ ہی کافی ہے لیکن رہن مقبوض وہ چیز نہ ہوگی جب تک اتنی مدت نہ گزر جائے جس میں قبضہ ہو سکتا ہے اگر منقولی چیز ہے تو اتنی مدت گذرنا جس میں اسے منتقل کرنا ممکن ہو اور اگر مکیلی ہے تو اتنی مدت جس میں کیل ممکن ہے اگر غیر منقولی ہے تو اتنی مدت گذرنا جس میں تخلیہ ہو سکے اور اگر وہ مرتہن سے غائب ہو تو اس وقت تک قبضہ شمار نہیں ہوگا حتی کہ وہ خود یا اس کا وکیل ادائیگی کر لے پھر قبضہ کی مدت گزر جائے اس لیے کہ عقد قبضہ کا محتاج ہے اور قبضہ یا تو فعلی طور پر ہوگا یا اس کا امکان ہوگا اور وہ کسی زمانے ہی میں ہوگا جمہور کہتے ہیں اگر مرتہن کا مال مرہون پر پہلے سے قبضہ ضمان تھا تو رہن کی وجہ سے وہ قبضہ امانت بن جائے گا اس لیے کہ رہن کی وجہ سے ضمان کا سبب ختم ہو گیا لہٰذا ضمان کا اثر سبب کے زائل ہونے کی وجہ سے زائل ہو گیا دلیل یہ ہے کہ مال کو مالک تک پہنچانے کی وجہ سے ضمان کا مقتضی ختم ہو گیا اور ضمان کا سبب غصب یا عاریت تھی جو مستعیر کے قبضہ کو قبضۂ ضمان کہتے ہیں ان کے ہاں اور وہ حنابلہ ہیں اب رہن رکھنے کی وجہ سے مرتہن نہ تو غاصب ہے نہ ہی مستعیر سبب ختم ہونے کی وجہ سے حکم باقی نہیں رہے گا۔

شوافع کے ہاں سابقہ قبضہ اگر ضمان کا تھا تو وہ اسی طرح باقی رہے گا اگر مرتہن کے پاس مال مرہون بطور غصب یا عاریت تھا تو رہن کی وجہ سے وہ غصب سے بری نہیں ہوگا اس لیے کہ دونوں چیزوں میں کوئی منافات نہیں اس لیے کہ قبضہ امانت جس کا مقصد وثیقہ اور پختگی ہے اور قبضہ

ضمان میں کوئی منافات نہیں اس وجہ سے کہ اگر مرتہن مرہون پر تعدی کرے تو رہن باقی رہنے کے ساتھ وہ اس کا ضامن ہوگا جب عقد رہن ضمان کے باوجود ختم اور باطل نہیں ہوتا اور ابتداءِ ضمان رہن کی وجہ سے بدرجہ اولی ختم نہیں ہوگا۔لیکن غاصب کو وہ چیز ودیعت کر دینا اسے غصب سے بری کر دیتی اصح قول کے مطابق اس لیے کہ ودیعت اطمینان ہے جو ضمان کے منافی ہے اس وجہ سے کہ اگر ودیعت میں تعدی کرے گا تو امین نہیں رہے گا برخلاف رہن کے۔

قبضہ رہن کا متولی کون......رہن کے قبضہ کا متولی مرتہن یا اس کا وکیل ہے اور یہ صحیح نہیں کہ راہن اس کا وکیل ہو اس لیے کہ قبضہ کا مقصد مرتہن کو امین دینا ہے اور راہن کے قبضہ کی وجہ سے امین باقی نہیں رہے گا اور یہ بات جائز ہے کہ راہن اور مرتہن اس بات پر اتفاق کر لیں کہ رہن کسی دوسرے شخص کے پاس رکھ دیا جائے جسے وہ دونوں منتخب کریں تا کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس پر قبضہ کرے اسے عدل کا نام دیا جاتا ہے اسے لیے کہ کبھی تو راہن مرتہن کے پاس رکھنا پسند نہیں کرتا اور کبھی مرتہن اس کے پاس چھوڑ نا پسند نہیں کرتا کسی بھی وجہ سے۔

عدل (امین) اس کی تعیین معزول کرنا، اس کے اختیارات اس پر واجبات اور اس کے احکام۔

امین کی تعیین......امین وہ شخص جس پر راہن اور مرتہن رہن رکھنے کے سلسلے میں مطمئن ہوں کہ وہ اس کی حفاظت ونگرانی کرے یہ راہن اور مرتہن دونوں کی جانب سے نائب سمجھا جاتا ہے راہن کی جانب سے تو اس طرح کے راہن نے اسے منتخب کیا ہے اس کی امانت ودیانت پر اعتماد کرتے ہوئے تا کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور مرتہن کی طرف سے اس طرح کہ وہ قبضہ میں اس کا وکیل شمار ہوتا ہے مرتہن کی رضامندی کی وجہ سے بلکہ وہ رہن کو روکنے والا ہے دین کی وصولی تک۔عدل اور امین میں دو صفتیں ہونی چاہیں ایک امانت داری والی صفت اس وجہ سے کہ وہ راہن مالک کا نائب ہے اور اس کے پاس عین مرہون ودیعت ہے اور دوسری ضمان والی صفت اس طور پر کہ وہ مرتہن کا نائب ہے اور مالیت مرہون میں ودیعت ہے اور اس وجہ سے کہ امین راہن اور مرتہن کی جانب سے وکیل ہے لہٰذا اس کے لیے وہی شرائط ہیں جو وکیل کے لیے ہیں لہٰذا وہ ناسمجھ بچہ نہیں ہونا چاہے اور نہ ہی جنون یا بے وقوفی کی وجہ سے اس پر پابندی ہونی چاہے تمام فقہاء کے ہاں جیسا کہ جمہور کے ہاں وہ سمجھدار بچہ نہیں ہونا چاہئے اور مدین مکفول عنہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے پاس رہن رکھا جائے کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے لیے کام کرنے والا ہوگا۔

اسی طرح شریک بھی امین نہیں بن سکتا مال مضاربت کا مالک بھی رہن کا امین نہیں بن سکتا۔اگر دونوں اس بات پر اتفاق کر لیں مرتہن کے قبضہ سے پہلے کہ امین راہن ہی ہوگا تو بالاتفاق رہن صحیح نہیں کیونکہ عقد کے حق میں شرط فاسد پائی گئی ہے اور اگر یہ اتفاق مرتہن کے بعد ہو تو شوافع کے ہاں جائز ہے اس لیے کہ ان کے ہاں مرتہن کا دائمی قبضہ ضروری نہیں البتہ جمہور کے ہاں امین صحیح نہیں۔

راہن اور مرتہن کے متعلق کرنے سے امین کی تعین حاصل ہوگی چاہے مرتہن کے قبضہ سے پہلے ہو یا بعد میں اس کہ کبھی اس کی ضرورت راہن کے انکار کی وجہ سے پیش آتی ہے کہ وہ دائن پر مطمئن نہیں ہوتا۔جب امین رہن پر قبضہ کر لے تو اس کا قبضہ صحیح ہے اور جمہور فقہاء کے ہاں اس سے رہن لازم ہوگا اور اس لیے کہ اس نے ایسے عقد میں قبضہ کیا ہے جس میں وکالت جائز ہے اور امین مرتہن کی جانب سے قبضہ کا وکیل ہوگا رہن کی مالیت کے اعتبار سے اور یہ راہن کی جانب سے بھی وکیل ہے تعین رہن کے سلسلہ میں اور یہ قبضہ امانت ہے۔

اور بعض کے ہاں جیسے ابن ابی لیلیٰ زفر اور قتادہ رحمہم اللہ کے ہاں عادل اور امین کا قبضہ درست نہیں کیونکہ یہ قبضہ تمام عقد کے لیے ہے لہٰذا عاقدین میں سے کسی ایک کا قبضہ ضروری ہے اور وہ مرتہن ہے جیسے ایجاب قبول رہن کے عاقدین کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ دو امینوں کے پاس رہن رکھیں وہ دونوں اس کی حفاظت کریں نہ ایک اگر ایک نے دوسرے کے سپرد کر دیا تو وہ اس کے نصف کا ضامن ہوگا یعنی اتنی مقدار میں جس میں اس نے تعدی کی ہے یہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں کیونکہ راہن اور مرتہن دونوں کی حفاظت ہی پر راضی ہیں لہٰذا کسی ایک کا اکیلے طور پر

حفاظت کرنا صحیح اور جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اگر رہن تقسیم ہوسکتا ہے تو دونوں کو تقسیم کر کے دے دیا جائے گا ورنہ ہر ایک کو اس پورے کو حفاظت میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ دونوں کا اکٹھے اس کی حفاظت کرنے انہیں مشقت میں ڈال دے گا اور صاحبین کے ہاں اگر ایک دوسرے کی حفاظت پر راضی ہو تو جائز ہے۔

امین معزول کرنا...... درج ذیل حالات میں امین معزول ہوگا۔ اقالہ کرنا جب امین رہن کو عاقدین کے سپرد کر دے تو اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ امین ہے اور حفاظت اس کی جانب سے احسان ہے لہٰذا دائمی طور پر وہ اس کے ذمہ لازم نہیں اگر وہ واپس لینے سے انکار کردیں تو قاضی انہیں واپس لینے پر مجبور کرے یا کسی دوسرے امین کو دے دے۔

۲۔ اس کی ولایت ختم ہونا...... جب عاقدین امین کو معزول کرنے پر اتفاق کرلیں یا اسے تبدیل کرنے پر یا مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہو تو امین معزول ہوگا اس لیے کہ وہ دونوں کی جانب سے وکیل تھا اگر دونوں کا اتفاق نہ ہو سکے تو معاملہ قاضی کے سپرد ہوگا وہ چاہے تو اسے تبدیل کرے یا اسے باقی رکھے۔ رہن فروخت کرے مرتہن کا دین اس کے ثمن سے ادا کرے۔ راہن کا مر جانا اور حنفیہ کے ہاں ظاہر روایت کے اعتبار سے مرتہن کے مرنے کا اعتبار نہیں جب راہن مر گیا اور امین عقد رہن کے بعد متعین ہونا تھا تو امین معزول ہوگا کیونکہ اس حالت میں وہ وکیل ہے اور موکل کی موت کی وجہ سے وکالت ختم ہو جاتی ہے اگر مرتہن مر جائے تو حنفیہ کے ہاں اس کے وارث رہن کو روک سکتے ہیں کیونکہ دین ان کی جانب منتقل ہو گیا ہے اس کے وثیقہ کی وجہ سے لہٰذا روکنے کا حق بھی انہیں ہے۔

لیکن اگر امین کی تعیین عقد رہن میں ہو جائے تو پھر امین نہ راہن کے مرنے سے معزول ہوگا نہ مرتہن کے مرنے سے اس لیے کہ امین کی تعیین رہن کے تابع ہے اور رہن عاقدین میں سے کسی کے مرنے سے باطل نہیں ہوتا لہٰذا امین جو تابع ہے وہ بھی معزول نہ ہوگا حنابلہ اور شوافع کے ہاں راہن کے مرنے سے تو امین معزول ہوگا کیونکہ وہ اس کا وکیل ہے البتہ مرتہن کے مرنے سے معزول نہ ہوگا کیونکہ وہ اس کا وکیل نہیں۔
امین کا مر جانا اگر امین مر جائے تو اس کے ورثاء کو رہن روکنے کا اختیار نہیں ہاں اگر عاقدین راضی ہوں تو الگ بات ہے۔ عادل کا مجنون ہو جانا جب امین مجنون ہو جائے اور اس سے شفاء ممکن نہ ہو تو وہ معزول ہو جائے گا لیکن اگر اس سے شفاء کی امید ہو تو معزول نہ ہوگا۔

۷۔ راہن کا امین کو معزول کرنا...... شوافع اور حنابلہ کے ہاں راہن کے معزول کرنے سے امین معزول ہو جائے گا چاہے اسے عقد رہن میں متعین کیا گیا ہو یا بعد میں کیونکہ وہ اس کا وکیل ہے لیکن مرتہن کے معزول کرنے سے وہ معزول نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ اس کا وکیل نہیں جیسے کہ راہن کے مرنے کی صورت میں اس کا حکم ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... اگر امین کا تعین رہن کے بعد ہو تو راہن اسے معزول کر سکتا ہے لیکن دوران عقد اس کا تعین ہو تو وہ اسے معزول نہیں کر سکتا، امام مالک کے ہاں: راہن کے معزول کرنے سے امین معزول نہ ہوگا کیونکہ اس کی وکالت رہن کے حقوق میں سے ہو گئی لہٰذا راہن کو اسے ساقط کرنے کا حق نہیں جیسے باقی حقوق ہیں۔

خلاصہ یہ کہ راہن کے مرنے یا اس کے معزول کرنے سے شوافع اور حنابلہ کے ہاں امین معزول ہو جائے گا اس لیے کہ وکالت غیر لازم اور جائز عقد ہے لہٰذا راہن کو اسے باقی رکھنے پر مجبور نہ کیا جائے گا، حنفیہ کے ہاں رہن سے متاخر تعین کی صورت میں تو معزول ہوگا لیکن دوران رہن تعین کی صورت میں معزول نہ ہوگا مالکیہ کے ہاں: وہ معزول نہ ہوگا اور اس بات پر ان کا اتفاق ہے کہ امین مرتہن کے معزول کرنے سے معزول نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی موت سے کیونکہ یہ راہن کا وکیل ہے کیونکہ رہن اس کی ملکیت ہے اگر وہ انفرادی طور پر اسے وکیل بنائے تب بھی صحیح ہے غیر کے معزول کرنے سے معزول نہ ہوگا۔

امین کے احکام حقوق وواجبات......امین کے لیے درج ذیل حقوق واجبات ہیں:

۱......امین پر واجب ہے کہ وہ رہن کی حفاظت کرے جیسے اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے خود اس کی حفاظت کرے یا کسی ایسے شخص کے ذریعہ حفاظت کرائے جس سے اپنے مال کی حفاظت کراتا ہے کیونکہ حفاظت میں وہ ودیع کے حکم میں ہے۔

۲......اس پر واجب ہے کہ وہ اسے اپنے قبضہ میں رکھے اور اس کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے کی اجازت کے بغیر کسی ایک یعنی راہن یا مرتہن کے حوالے کرے کیونکہ دونوں نے متفقہ طور پر رہن اس کے قبضہ میں رکھا ہے اور ان کی ایک دوسرے کی حفاظت پر رضامندی نہیں اور مرتہن یا راہن کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ امین سے رہن لیں اس لیے کہ رہن میں دونوں کا حق ہے۔ راہن کا حفاظت میں اور مرتہن کا وصول میں کوئی ایک بھی دوسرے کے حق کو باطل کرنے کا مالک نہیں۔

اگر امین نے دوسرے کی رضامندی کے بغیر کسی ایک کو رہن دے دیا تو دوسرے کو اختیار ہے وہ واپس امین کے قبضہ میں رکھوائے، اگر واپس کرنے سے پہلے رہن کسی ایک کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا تو امین اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس کی طرف سے تعدی پائی گئی ہے ایک کو دینے کی وجہ سے یعنی دین اور اس کی قیمت میں سے جو کم ہو اس کا ضامن ہوگا یہ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں بالاتفاق ہے اور یہ صورت بھی حکم میں اسی کے مثل ہے کہ دین ختم ہونے سے پہلے امین اجنبی کے سپرد کردے اس کی رضامندی کے بغیر اور جب امین اس کی قیمت کا ضامن ہو گیا تو وہ ان دونوں کو دے گا اور پھر وہ دونوں اس کے پاس رہن رکھیں دین کی ادائیگی تک اور امین کے لیے جائز نہیں کہ وہ بذات خود رہن کی قیمت کو لینے قبضہ میں رہن رکھے کیونکہ یہی قیمت دینے والا ہے اگر خود رہن رکھ لے گا تو یہ قاضی بھی ہوگا اور جس کے خلاف فیصلہ ہوا وہ بھی ہوگا اور ان دونوں میں منافات ہے جب راہن نے دین ادا کر دیا اب وہ امین سے رہن کی قیمت لینا چاہتا ہے تو دیکھیں گے اگر امین نے راہن کے سپرد کرنے کی وجہ سے ضمان دیا ہے تو اب راہن کے لیے اس سے رہن کی قیمت لینا جائز نہیں کیونکہ یہ عین رہن کا بدل ہے اور اس صورت میں امین بھی مرتہن سے ضمان کا رجوع نہیں کر سکتا جب کہ اس نے اسے عاریت یا ودیعت کے طور پر دیا ہو اس لیے کہ امین نے اس ملکیت کو اس کے حوالے کیا ہے جب اس کی قیمت ادا کر دی لیکن اگر اس نے اس بطور رہن دیا ہو تو پھر یہ مرتہن پر مضمون ہوگا جیسے خریدنے کی نیت پر کوئی چیز قبضہ میں لینا کیونکہ یہ بطور ضمان ہے۔

۳......امین رہن سے نفع نہیں اٹھا سکتا اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا تصرف مثلاً اجارہ عاریت وغیرہ کر سکتا ہے کیونکہ اس کے ذمہ واجب روکنا ہے اسے انتفاع اور تصرف کا حق نہیں اور نہ ہی اسے فروخت کرنے کا اختیار ہے الا یہ کہ عقد رہن میں اسے بیع پر مسلط کیا گیا ہو یا اس کے بعد جب امین فوت ہو گیا تو اس کے ورثاء کے لیے حلال نہیں کہ وہ اسے فروخت کریں اس لیے کہ وہ وکالت میں میراث نہیں اسی طرح بیع میں اس کا وصی بھی قائم مقام نہ ہوگا اس لیے کہ راہن اس کے وصی کی رائے پر راضی نہیں۔ امام ابو یوسف کے ہاں وصی اس کے قائم مقام ہوگا اس لیے کہ وکالت لازم ہے تو اس کا وصی ایسے ہی ہے جیسے عامل مضارب جب مر جائے ان پر رد کیا گیا ہے کہ مضارب کے لیے اپنی زندگی میں وکیل بنانے کی ولایت ہے مالک مال کی اجازت کے بغیر برخلاف امین کے لہٰذا مضاربت میں وصی قائم مقام ہو سکتا ہے جیسے بچے کے مال کا اس کا باپ اگر امین نے رہن کو فروخت کر دیا تو رہن شمار نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ مشتری کی ملکیت بن گیا اور اس کے ثمن رہن ہوں گے اس لیے کہ یہ اس کے قائم مقام ہیں اور امین رہن سے پیدا شدہ چیز کو فروخت کر سکتا ہے کیونکہ وہ اصل کے تابع ہے اور اسے رہن کے مثل قیمت یا اس سے کم پر جس میں عام طور پر لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں فروخت کرنے کی اجازت ہے اور نقد ادھار امام صاحب کے ہاں اور اسے مدت دین پوری ہونے سے پہلے بھی فروخت کرنے کی اجازت ہے کیونکہ اس کے ثمن رہن ہوں گے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں امین فرق ثمن مثل کے ساتھ نقد فروخت کر سکتا ہے جیسے وکیل جب امین نے فروخت کرکے ثمن پر قبضہ کر لیا تو اس کے پاس ثمن راہن کے ضمان میں رہیں گے کیونکہ وہ مالک ہے اور عدل امین ہے جب تک مرتہن قبضہ نہ کرے۔

۴.....اگر رہن امین کے ہاتھ میں بغیر نقدی کے ہلاک ہوجائے تو گویا یہ مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہوا اس لیے کہ مالیت رہن کے اعتبار سے امین کا قبضہ مرتہن کے قبضہ کی طرح ہے اور اس صورت میں حنیفہ کے ہاں مرتہن ضامن ہوگا رہن کی قیمت اور دین میں سے جو کم ہو اس کا جب امین نے تعدی کی وجہ سے رہن کی قیمت کا ضمان دے دیا یا اجنبی تعدی کرنے والے نے ضمان ادا کر دیا تو گو امین نے اسے بغیر حق کے دیا تھا اب امین اس کی قیمت کو اپنے قبضہ میں رہن نہیں رکھ سکتا اس لیے کہ اس پر دونوں صورتوں میں یہ واجب ہے اور ایک یا شخص خود فیصلہ کرنے والا بھی ہو اسی کے خلاف فیصلہ بھی ہو یہ نہیں ہوسکتا لیکن راہن اور مرتہن اسے لے لیں پھر اسے اسی امین کے پاس رہن رکھیں یا کسی اور کے پاس شوافع اور حنابلہ کے ہاں اجنبی کی صورت میں تو وہ رہن رہے گا اسی کے پاس۔

اگر رہن کو کوئی مستحق نکل آیا اور رہن امین کے پاس تھا تو اسے مستحق لے لے گا اور رہن باطل ہوجائے گا اور اگر اس کی ہلاکت کے بعد مستحق نکل آیا تو اسے اختیار ہے کہ وہ اب راہن کو قیمت کا ضامن بنائے یا امین کو ضامن بنائے اور امین راہن پر رجوع کرے۔

۵.....حنیفہ کے ہاں بیع پر مسلط امین کے لیے اپنے آپ کو معزول کرنا جائز نہیں الا یہ کہ مرتہن راضی ہو اس کے حق کی رعایت کی وجہ سے اور یہ بیع کی وکالت عقد رہن میں مشروط ہو جب دین کی مدت پوری ہوجائے اور وہ بیع سے انکار کرے تو اسے بیع پر مجبور کیا جائے گا۔ اور اس پر زبردستی اس طرح ہوگی کہ قاضی کچھ مدت تک اسے گرفتار کرے تاکہ وہ فروخت پر تیار ہو اگر قید ہونے کے بعد بھی اس نے انکار کر دیا تو قاضی خود اسے فروخت کرے اس لیے کہ اس حالت میں رہن فروخت کرنا مرتہن کا حق ہے اور اگر عقد رہن کے بعد بیع کا وکیل بنایا تو امین اپنے آپ کو معزول کرسکتا ہے اس لیے کہ مستقل نئی وکالت ہے اس پر وکالت کے احکام منطبق ہوں گے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں وہ اپنے آپ کو معزول نہیں کرسکتا شوافع اور حنابلہ کے ہاں تمام حالتوں میں وہ اپنے آپ کو معزول کرسکتا ہے اس لیے کہ وہ علیحدہ وکیل ہے لہٰذا اسے وکالت جاری رکھنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

چھٹا مقصد: جن چیزوں کو رہن رکھنا جائز ہے اور جن کو نا جائز......سابقہ شرائط کی وجہ سے اور خاص کر قبضہ کی شرط کی وجہ سے یہاں کچھ حالتیں ہیں جو مزید بیان وتفصیل چاہتی ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں۔

۱۔ مشاع چیز کا رہن......فقہاء کا مشاع چیز کے رہن میں اختلاف ہے حنیفہ کے ہاں جائز نہیں جمہور کے ہاں جائز ہے اور اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیا مشاع چیز پر قبضہ اور اس سے ملکیت حاصل ہوسکتی ہے یا نہیں حنفیہ کے ہاں مشاع چیز کو رہن رکھنا جائز نہیں چاہے وہ تقسیم ہوسکتی ہو یا نہ شریک کے پاس رکھنا نہ غیر کے پاس صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں رہن فاسد ہے قبضہ کی وجہ سے ضامن ہوگا اس لیے کہ قبضہ تمام عقد اور لزوم عقد کے لیے شرط ہے اس کے جواز اور انعقاد کے لیے شرط نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ رہن سے وصولی کے قبضہ کا ثبوت ہوتا ہے اور مرہون کو ہمیشہ کے لیے روکنے کا استحقاق اور مشاع میں دائمی روکنا مقصود نہیں اس لیے کہ اس کے قبضہ میں مہایات ہے گویا راہن ایک دن اسے رہن رکھ رہا ہے اور ایک دن نہیں لہٰذا یہ صحیح نہیں چاہے تقسیم ہوسکتا ہو یا نہ اگرچہ شریک سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس کے قبضہ میں مہایات پائی جاتی ہے بلکہ اس کا قبضہ یا ایک عام جز وکی ملکیت علیحدہ طور پر متصور نہیں کہ دوسرا جز ومرہون نہیں لہٰذا اس کا قبضہ صحیح نہیں اور شیوع شائع جز ومیں تحقیق وثبوت سے مانع ہے چاہے تقسیم ہوسکے یا نہ برخلاف ہبہ کہ اس میں جو تقسیم نہ بھی ہوسکے ضرورت کی بناء پر اس لیے کہ یہ ملکیت کا فائدہ دیتی ہے اور شیوع اس کے منافی نہیں لہٰذا ممکنہ قبضہ کافی ہے اور یہ حکم چاہے شیوع عقد کے دوران ہو یا بعد میں طاری ہو جب بھی ہو رہن کو فاسد کر دیتا ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے شیوع طاری عقد کو فاسد نہیں کرتا اس لیے کہ بقاء میں بعض چیزیں معاف ہیں جو ابتداء میں نہیں جیسے ہبہ میں شیوع طاری اسے فاسد نہیں کرتا۔ ان پر رد کیا گیا ہے کہ قبضہ سے مانع علت شیوع ہے اور اس میں ابتداء اور انتہاء دونوں برابر ہیں برخلاف ہبہ کے کیونکہ ملکیت شیوع کے منافی نہیں۔

جمہور کے ہاں...... مشاع کا رہن اس کا ہبہ اس کا صدقہ اور اس کا وقف صحیح ہے جیسے کل کا رہن صحیح چاہے شریک سے ہو یا غیر سے چاہے تقسیم ہوسکتا ہو یا نہ اس لیے کہ ہر وہ چیز جس کی بیع درست ہے اس کا رہن بھی درست ہے اور رہن کی غرض یہی ہے کہ جب وصولی ممکن نہ ہو تو مرہون کو فروخت کر کے اس ثمن سے دین وصول کیا جائے اور مشاع بیع کے قابل ہے لہٰذا اس کے ثمن سے وصولی ممکن ہے ان کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی بیع جائز ہے اس کا رہن بھی جائز ہے چاہے مشاع ہو یا نہ ہو۔

اس کے قبضہ کی تو مالکیہ کے ہاں جس کا راہن مالک ہے اس تمام حصہ پر قبضہ واجب ہے جسے رہن رکھ رہا ہے اور جسے رہن نہیں رکھ رہا تا کہ راہن کا قبضہ مرہون میں تحویل نہ ہو اور رہن باطل ہو جائے اگر غیر مرہون جز و راہن کی ملک میں نہ ہو تو مرہون جزو کا قبضہ کافی ہے اور راہن اپنے حصہ میں رہن میں شریک سے اجازت نہ لے اس لیے کہ شرکا کوئی نقصان نہیں یہ ابن قاسم کا قول ہے البتہ اجازت لینا مندوب ہے دل جوئی کی وجہ سے اور اشہب کے ہاں اجازت لینا واجب ہے۔شوافع اور حنابلہ کے ہاں عقار مشاع میں قبضہ تخلیہ سے ہوگا اگر چہ شریک اجازت نہ بھی دے اور منقول میں لینے سے قبضہ ہوگا اور اس میں شریک کی اجازت شرط ہے۔اور اسے شریک کی اجازت کے بغیر منتقل کرنا جائز نہیں اگر وہ انکار کر دے اور مرتہن شریک قبضہ پر راضی ہو تو جائز ہے اور وہ قبضہ میں اس کا نائب ہوگا اور جب مرتہن اور شریک میں جھگڑا ہو جائے تو حکم امین مقرر کر کے اس کے قبضہ میں دے دے یا تو امانت کے طور پر یا اجرت کے ساتھ مرتہن اور شریک میں مہایات جاری ہوئی۔

۲۔غیر ملی ہوئی چیز اور مشغول کا رہن...... اس میں اختلاف مشاع میں اختلاف کی طرح ہے۔

حنیفہ کے ہاں...... مرہون کے غیر سے متصل چیز کا رہن صحیح نہیں جیسے پھل درخت پر بغیر درخت کے اور کھیتی زمین میں بغیر زمین کے اور درخت زمین میں بغیر زمین کے اور زمین کھیتی اور درختوں والی بغیر ان کے اس لیے کہ مرہون غیر سے متصل ہے لہٰذا اس کے علاوہ اس کو روکنا متعذر رہے یہ مشاع کے رہن کی طرح ہے اسی طرح مرہون کے غیر سے مشغول چیز کا رہن بھی صحیح نہیں جیسے گھر جس میں راہن کا سامان ہو بغیر سامان کے رہن رکھنا اس لیے کہ مرہون غیر سے مشغول ہے اور اس کا روکنا ممکن نہیں یہ مشاع کے رہن کے معنی میں ہے۔

اور جمہور کے ہاں جو مشاع کے رہن کے جواز کے قائل ہیں یہ متصل اور مشغول کے رہن کو جائز قرار دیتے ہیں اس لیے کہ اس کو سپرد کرنا ممکن ہے اور رہ گیا گھر میں موجود سامان تو وہ تصریح اور وضاحت کے بغیر رہن جب داخل نہیں اس لیے کہ وہ گھر کے تابع نہیں۔حنابلہ کے ہاں گھر اور زمین کے زمین میں وہ چیزیں داخل ہوں گی جو بیع میں داخل ہوتی ہیں جب زمین رہن رکھی تو درختوں کے داخل ہونے میں دو صورتیں ہیں اور جب پھلدار درخت رہن رکھے تو جو پھل ظاہر ہیں وہ درختوں کے ساتھ رہن میں داخل نہیں اور شوافع کے ہاں پھل کسی صورت میں بھی رہن میں داخل نہیں اگر گھر رہن رکھا اس کے اور مرتہن کے درمیان سے نکل گیا اور اس میں عقد رہن کیا پھر راہن نکلا تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں یہ رہن صحیح ہے اور حنیفہ کے ہاں صحیح نہیں جب تک کہ وہ اس سے نکل نہ جائے۔

۳۔دین کو رہن رکھنا...... مالکیہ دین کے رہن کے جواز کے قائل ہیں باقی نہیں حنیفہ کے ہاں: دین کا رہن جائز نہیں اس لیے کہ وہ مال نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں مال صرف عین ہی ہوسکتا ہے اور دین میں قبضہ بھی متصور نہیں کیونکہ قبضہ صرف عین کا ہوسکتا ہے اگر خالد دائن ہو عمر کا سو دینار کا اور عمر دائن ہو خالد کا سو من گندم کا تو عمر کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے گندم کو خالد کے دین کے بدلہ میں رہن رکھے یہ دین کا رہن ہے مدیون کے پاس اس طور پر کہ دائن پر موجود دین اس دین کے بدلے رہن رکھنا ہے جو اس پر ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں بھی حکم اسی طرح ہے کہ مرہون کی شرط یہ ہے کہ وہ عین ہو اور اس کی بیع صحیح ہو اور دین کا رہن صحیح نہیں ہر حالت میں کیونکہ اسے سپرد کرنے کی قدرت نہیں۔ شوافع کے ہاں دین کو رہن رکھنا اس حالت میں ممنوع ہے کہ جب ابتداء سے دین کو رہن رکھا جائے۔رہ گئی انتہاء کی حالت تو رہن سے کچھ بھی مانع نہیں جیسے مرہون کا ضمان جنایت کے وقت اس کا بدل جنایت کرنے والے کے ذمہ ہے رہن دین کے بدلے اس لیے کہ دین ضرورت کی

وجہ سے رہن بن گیا ہے بقاء کے اعتبار سے یہی وجہ ہے کہ راہن کی لیے ممنوع ہے کہ وہ اسے مرتہن کی رضا کے بغیر بری کر دے لیکن میں کہتا ہوں اس کی کچھ حاجت نہیں کہ رہن کا جو ضمان ذمہ میں ہے اسے دین شمار کیا جائے بلکہ وہ واقع میں دین ہے اس کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے جیسے اس دائن کا حق جو مدین کا ہو اور وہ انتقال کر گیا ہو اور اس کے غیر کے پاس دیون ہوں۔

مالکیہ کے ہاں...... ہر اس چیز کا رہن رکھنا جائز ہے جسے فروخت کیا جا سکتا ہو اور دین بھی اسی میں سے ہے کیونکہ ان کے ہاں اس کی بیع جائز ہے لہٰذا اسے مدین (قرض خواہ) کے پاس یا کسی غیر کے پاس رہن رکھنا درست ہے مدین کے پاس رہن رکھنے کی صورت انہوں نے ذکر کی ہے مدین کے علاوہ کے پاس رہن کی صورت یہ ہے: خالد کا دین ہو عمر کے ذمہ اور عمر کا دین ہو احمد پر اب عمر اپنے اس دین کو جو احمد کے ذمہ ہے اسے خالد کے پاس اس دین کہ بدلے رہن رکھے جو عمر پر ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسے اس دین کا وثیقہ دے دے جو اس کا احمد پر ہے یہاں تک کہ وہ اپنا دین وصول کرے اس آخری صورت کی صحت کے لیے وثیقہ پر قبضہ کرنا شرط ہے اور اس کے قبضہ پر گواہ بنانا اور پہلی صورت کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ چاہے دونوں دین قرض ہوں یا بیع وغیرہ دین مرہون کی مدت اور مرہون بہ دین کی مدت اکٹھی ہو یا اس کے بعد ہو بایں طور کہ دونوں دین ایک ہی وقت میں ادا ہوں یا دین راہن کی مدت دوسرے دین کے بعد پوری ہو اور اگر دین مرہون کی مدت قریب ہو یا دین مرہون فی الحال دینا ہو تو اس کا رہن صحیح نہیں اس لیے کہ قرض کی طرف لے جائے گا جو دوسرے قرض کی مثل ہے جب کہ دونوں دین قرض ہوں اور اگر بیع ہوں تو پھر بیع اور قرض جمع ہوں گے اس لیے کہ دین مرہون کی مدت پوری ہونے کے بعد مرتہن کے ہاں رہنا قرض شمار ہوتا ہے جو دین مرہون بہ کے مثل ہے اور اگر دونوں دین بیع ہوں تو دین مرہون کی بقاء قرض شمار ہو گی جو بیع کی طرح ہے اور یہ مالکیہ کے ہاں ممنوع ہے۔

۴۔ عاریت یا اجارہ پر لیے ہوئے عین کا رہن...... ائمہ مذاہب کے ہاں مدین کا مال ہو اور وہ اجرت یا عاریت پر ہو تو اس کا رہن جائز ہے حنیفہ کے ہاں: شی مستعار اور مستاجر کا مستعیر اور مستاجر کے پاس رہن رکھنا جائز ہے عاریت اور اجارہ کا قبضہ رہن کے قبضہ کے قائم مقام ہو گا الا یہ کہ ان کے ہاں جب متراہنین رہن پر متفق ہو جائیں تو اجارہ اور عاریت باطل ہو جائیں گے مرتہن کے ہاتھ میں مستاجر اور مستعار باقی نہیں رہیں گے اور رہن صحیح ہے اس لیے کہ ایک ہی عین پر ایک وقت میں اجارہ اور عاریت جمع نہیں ہو سکتے جب رہن پر اجارہ ہو تو رہن باطل ہو جائے گا اور اجارہ درست اس لیے کہ رہن عقد غیر لازم ہے اور اجارہ عقد لازم۔

مالکیہ کی عبارت بھی عین مستاجرہ کی رہن کے جواز کو متضمن ہے اگر موجر نے رہن مستاجر کے پاس چھوڑا اپنے دین کے بدلے تو سابقہ قبضہ رہن کے قبضہ کا قائم مقام ہو گا اور اگر مستاجر کے علاوہ کے پاس رہن رکھے تو جائز ہے جب کہ دائن مرتہن امین کو متعین کرے یا کہ مستاجر کا قبضہ مرتہن کے قبضہ کا بدل ہو جائے اس لیے کہ مستاجر کا قبضہ اس کے اپنے لیے تھا لہٰذا اس کا قبضہ مرتہن کے قبضہ کے قائم مقام نہ ہو گا۔ اور یہ بات یاد رہے کہ زمین کو مزارع کے پاس اور باغ مساقی کے پاس تو اس کا رہن جائز ہے حنابلہ نے بھی اجارہ عاریت ودیعت اور مغصوب چیز کے رہن کو جائز قرار دیا ہے اور اس کا سابقہ قبضہ رہن کے قبضہ کے قائم مقام ہے اور تجدید قبضہ کی ضرورت نہیں شوافع بھی مستاجرہ مستعارہ اور ودیعت وغیرہ کا رہن جائز ہے البتہ اتنا وقت ہونا ضروری ہے کہ اس میں قبضہ ہو سکے اگر اس نے مستاجر اور مستعیر کے پاس رہن رکھے تو رہن باقی رہے گا مرتہن کے قبضہ میں اور اگر مستاجر اور مستعیر کے علاوہ کسی کے پاس رہن رکھے تو اس امین پر اگر مرتہن راضی ہے تو یہ مستاجر اور مستعیر کے پاس اس طور پر کہ وہ امین ہے رہن ہی رہے گا لیکن اگر مرتہن راضی نہیں ان کے امین ہونے پر تو دیکھا جائے گا اگر رہن مستاجر کی اجازت سے ہے تو اجارہ باطل ہو گا اور اگر اس کی اجازت کے بغیر ہو تو دین باطل ہے اور رہ گئی عاریت تو عقد غیر لازم ہے جب شیء مستعار کو رہن رکھا تو عاریت باطل ہو جائے گی۔

۵۔ شی مستعار کا رہن...... یادر ہے کہ سابقہ حالت میں راہن عاریت کا مالک تھا وہ اپنی ملکیت کو رہن رکھ رہا ہے اور اس صورت میں راہن عاریت کا مالک نہیں وہ مستعار کو رہن رکھ رہا ہے جو غیر کی مملوک ہے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ غیر کے مال کو عاریت پر لے اور پھر مالک کی اجازت سے اسے رہن رکھے اپنے دین کے بدلے میں اس لیے کہ اس کا مالک اس کے قبضہ میں تبرع کرنے والا ہے اور مالک اپنی ملکیت میں تصرف کرنے میں آزاد ہے اسے عین کی ملکیت کا اثبات اور قبضہ بطور ہبہ کرنا جائز ہے جیسے اسے قبضہ ثابت کرنے بطور عاریت جائز ہے۔

مالک کی رہن کی اجازت کی صورت میں حنفیہ کے ہاں ❶ مستعیر کو اجازت ہے کہ اگر کوئی قید نہ ہو تو وہ جس کے پاس چاہے اسے رہن رکھے اور جس دین اور جس شہر میں چاہے یہی شوافع کی رائے بھی ہے، لیکن اگر اس میں کچھ قیود ہوں اگر اس نے خاص مقدار متعین کی تو اس سے زیادہ کو رہن نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی کم اگر وہ رہن کی قیمت سے کم ہو اس لیے کہ کسی کی اجازت سے تصرف کرنے والا اپنے تصرف میں قیود کا پابند ہے نیز مرہون چونکہ مضمون ہے اور مالک نے اسے مخصوص مقدار میں مضمون ہے نیز قیود لگانے میں اس کی غرض ہے جب مستعار رہن کی قیمت کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو تو اسے اجازت کے مخالف شمار نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ یہ چیز کی طرف ہے اس لیے کہ مالک جب رہن کو چھوڑ آئے گا تو وہ صرف مقدار کو چھوڑ آئے گا اور اسے ضرر نہیں پہنچے گا رہن کی ہلاکت کے وقت اس لیے کہ اس پر رہن کی کم قیمت کے اعتبار سے ضائع ہوگا۔ اگر وہ اسے دین کی جنس سے مقید کر دے تو اس کے لیے کسی اور جنس کو رہن رکھنا جائز نہیں اس لیے کہ بعض اجناس سے دین کو دوسری بعض کی نسبت ادا کرنا آسان ہے اور اگر اس دائن یا شہر کو مقید کیا تو اس کی قید کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔ اگر اس نے ان قیود میں سے کچھ بھی مخالفت کی تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا ہلاکت کی صورت میں اس لیے کہ اس مخالفت کی صورت میں وہ غاصب ہے اور رہن باطل ہے کیونکہ رہن مال مغصوب کا ہوا ہے جب مال عاریت مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو مستعیر کو اس کی قیمت کا ضامن بنائے کیونکہ وہ مخالفت کی وجہ سے غاصب ہے اور ضمان ادا کرنے کی صورت میں وہ اس کا مالک بن گیا قبضہ کے وقت سے اور چاہے تو مرتہن کو ضامن ٹھہرائے کیونکہ مال اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوا ہے تو یہ غاصب کا غاصب ہو گیا جب مرتہن ضمان ادا کرے تو پھر وہ راہن پر رجوع کرے گا خلاصہ یہ کہ مخالفت کی صورت میں رہن باطل ہو جائے گا اور مستعیر ضامن ہوگا۔ مالکیہ کے ہاں بھی ❷ اسی طرح ہے جب مستعیر کی قیود کی مخالفت کرے اور عاریت ہلاک یا چوری ہو جائے یا اس میں کمی آ جائے تو تعدی کی وجہ سے مستعیر مطلقاً ضامن ہوگا اور اگر عاریت تلف نہیں ہوئی تو معیر اسے واپس لے لے اور عاریت باطل ہو جائے گی شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❸ مستعیر، معیر کی قیود کا پابند ہے الا یہ کہ ان کے ہاں جب وہ دین کی مقدار متعین کر دے اور وہ اس سے کم رہن رکھے تو وہ مخالف شمار نہیں ہوگا اس لیے کہ زیادہ کی اجازت کم میں معتبر ہے اور کم ہونے کی صورت میں کوئی بھی نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں مرتہن کے پاس رہن امانت ہے۔

مستعیر کا عاریت سے نفع اٹھانا...... حنفیہ کے ہاں مستعیر کا عاریت کو رہن رکھنا رہن سے پہلے ودیعت ہے نہ کہ عاریت کیونکہ اسے صرف رہن کی اجازت ہے لہٰذا وہ عاریت سے نفع نہیں اٹھا سکتا نہ رہن رکھنے سے پہلے نہ بعد میں اگر اس نے نفع اٹھایا تو ضامن ہوگا اس لیے کہ اسے صرف ایک خاص طریقے سے نفع کی اجازت ہے اور وہ رھن رکھنا ہے۔ اگر اس نے رہن رکھنے کے علاوہ نفع اٹھایا تو وہ مخالفت کرنے والا ہے لہٰذا ضامن ہوگا اور اگر اس نے رہن رکھنے سے پہلے نفع اٹھایا تو ضمان سے بری ہوگا جونہی رہن رکھے گا اس لیے کہ وہ رہن رکھنے کی وجہ سے معیر کے ساتھ متفق ہو گیا لہٰذا اس اتفاق کی وجہ سے وہ ضمان سے بری ہوگا نیز اس وجہ سے بھی کہ وہ ودیع کی طرح ہے اور ودیع خلاف کے بعد جب اتفاق پر آ جائے تو ضامن نہیں ہوتا اس لیے کہ ودیعت کا مقصد مالک کے لیے حفاظت کرنا ہے اور وہ پائی گئی اور یہ مستعیر کے برخلاف ہے جب کہ وہ مخالفت کرے پھر اتفاق کر لے تو وہ تعدی پائے جانے کی وجہ سے ضمان سے بری نہیں ہوتا۔

---

❶...... البدائع: ۶/۱۳۶ ❷ الشرح الکبیر ۳/۲۳۹۔ ❸ مغنی المحتاج: ۲/۱۲۹ المغنی: ۴/۳۴۴۔

عاریت کے ہلاک ہونے کے ضمان کی قسم...... جب رہن رکھنے کے لیے مستعیر عاریت کو رہن رکھے اور وہ اس کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے رہن رکھنے سے پہلے یا رہن واپس لینے کے بعد تو وہ ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ عاریت کے قبضہ کے ساتھ وہ ہلاک ہوئی نہ کے رہن کے قبضہ کے ساتھ اور عاریت کا قبضہ قبضہ امانت ہے نہ کہ قبضہ ضمان۔ یہ حنفیہ کے ہاں ہے جب کہ مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں عاریت مطلقاً مضمون ہے جیسا کہ عاریت کی بحث میں واضح گیا جب عاریت مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو حنفیہ کے ہاں اس کا مالک صرف مضمون کو لے سکتا ہے وہ اس کی قیمت یا دین سے جو کم ہو اگر دین کم ہو تو مالک مستعیر پر رجوع نہیں کرے گا کیونکہ عاریت امانت ہے جو تعدی کے بغیر مضمون نہیں ہوتی۔

مالکیہ کے ہاں...... مالک مستعیر پر عاریت کے دن کی قیمت کے ساتھ رجوع کرے گا شوافع اور حنابلہ کے ہاں جب مرتہن کی تعدی کے بغیر عاریت تلف ہو جائے مستعیر تلف کے دن کی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ حنابلہ کے ہاں مطلقاً عاریت مضمون ہے اور شوافع اور مالکیہ کے ہاں بعض صورتوں میں۔

معیر کا رہن سے عاریت کو آزاد کرانا...... جب مستعیر نے عاریت کو رہن رکھا تو جمہور (حنیفہ شوافع اور حنابلہ) کے ہاں اس کا مالک جب چاہے راہن سے اسے آزاد کروا سکتا ہے اس لیے کہ عاریت عقد غیر لازم ہے اور مستعیر جب چاہے اسے واپس لے لے اگر چہ وہ وقت سے مقید ہی کیوں نہ ہو جب راہن نے اسے چھڑا لیا تو وہ اسے مالک کو لوٹا دے لیکن اگر چھڑانے سے عاجز آ گیا تو اس کا مالک اسے اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے چھڑا لے اور جو کچھ اس نے مرتہن کو ادا کیا اس میں وہ مستعیر سے رجوع کرے۔

مالکیہ کے ہاں...... راجح یہ ہے کہ معیر عاریت میں رجوع کر سکتا ہے اگر وہ مطلق ہو جب چاہے لیکن جو عاریت کسی شرط یا عرف سے مقید ہو اس میں رجوع نہیں کر سکتا جیسا کہ عاریت کی بحث میں ذکر کیا۔

رہن کے لیے اجارہ پر لینا...... جب کسی عین کو رہن رکھنے کے لیے عاریت پر لینا درست ہے تو اسی طرح اجارہ پر رہن رکھنے کے لیے لینا بھی درست ہے ❶ اور جب بغیر تعدی ہلاک ہو جائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ بالاتفاق شئی مستاجر امانت ہوتی ہے اجارہ پر لینے والے کے پاس اور مؤجر کے لیے مدت اجارہ ختم ہونے سے پہلے اسے لینا جائز نہیں۔

۶۔ غیر کی ملکیت کو رہن رکھنا...... پہلے یہ بات واضح ہو چکی کے غیر کی اجازت سے اس کی چیز کو رہن رکھنا جائز ہے اور کسی ایک کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر کی ملکیت کو بغیر ولایت کے رہن رکھے جب اسے رہن رکھنے کی ولایت نہیں اور وہ مرہون کو مرتہن کے سپرد کر دے تو یہ سپرد کرنا تعدی اور غصب ہے اور احناف کے ہاں یہ رہن اجازت پر موقوف ہے اگر مالک اجازت نہ دے تو رہن باطل ہوگا اور راہن کے غصب کی وجہ سے یہ عین اس کے ضمان میں ہوگی اور یہ راہن کی نسبت سے ہے اور مرتہن کے اعتبار سے حنفیہ کے ہاں ❷ جب رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے پھر ظاہر ہوا کہ یہ تو راہن کا نہیں تھا یعنی مرتہن کو معلوم نہیں تھا کہ یہ راہن کی ملکیت نہیں تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو اس کی قیمت کا راہن کو ضامن بنائے یا مرتہن کو اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اس کے حق میں تعدی کرنے والا ہے راہن تو اس طرح کہ اس نے بغیر حق کے اس پر غلبہ حاصل کیا اور اسے مرتہن کے سپرد کیا اور مرتہن اس پر قبضہ کرنے اور وصول کرنے کی وجہ سے۔ اگر مستحق (مالک) نے راہن کو ضامن بنایا تو مرتہن اس ضمان کی وجہ سے اپنا دین وصول کرنے والا شمار ہوگا رہن کی قیمت کی بقدر کیونکہ رہن کے قبضہ میں ہلاک ہوا ہے اس لیے کہ راہن اس کا ضامن ادا کرنے کی وجہ سے بغیر حق قبضہ کے وقت سے اس کا مالک بن گیا عقد رہن سے پہلے لہٰذا وہ اپنی ملکیت رہن رکھنے

❶ .....الشرح الکبیر: ۳/ ۲۳۶ ❷ البدائع: ۶/ ۱۴۷

والا ہوا پھر مرتہن اپنا دین وصول کرنے والا ہوا جب وہ اس کے پاس ہلاک ہوا جب کہ اس کی قیمت اس کے دین کے کے برابر یا اس سے زیادہ ہو ورنہ اس کی قیمت کی بقدر لیکن اگر مالک نے مرتہن کو ضامن ٹھہرایا ابتداءً تو اس ضمان کا مرتہن راہن پر رجوع کرے گا جیسے اپنے دین میں کرتا ہے اور اس کا رجوع مثل یا قیمت کے اعتبار سے ہوگا کیونکہ راہن کی طرف سے اسے دھوکا ہوا ہے اور دھوکے والا اسی کا رجوع کرتا ہے جس کا ضامن ہوا، رہ گیا اس کا دین کا رجوع اس لیے کہ اس کی وصولی دین کی وجہ ہی سے ہے تو وہ ٹوٹ گئی کیونکہ اس نے غیر کی چیز پر قبضہ کیا ہوا تھا لہٰذا رہن باطل ہو گیا اس کا حق لوٹ آیا۔

حنابلہ کے ہاں...... ❶ مرتہن کو یا تو غصب کا علم ہوگا یا علم نہ ہوگا اگر اسے علم ہے اور اس نے وہ چیز اپنے پاس رکھی اور اس کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا اور اس صورت میں مالک کو اختیار ہوگا چاہے تو مرتہن کو ضامن ٹھہرائے اور اپنے مال سے وہ تاوان دے اور چاہے تو راہن کو ضامن ٹھہرائے۔

اور اس صورت میں راہن مرتہن پر ضمان کا رجوع کرے گا کیونکہ اب ضمان اس پر ہے جب اس کے ذمہ تھا کہ وہ اسے مالک کو واپس کر دے لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور اس کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا لیکن اگر مرتہن کو علم نہیں تھا اور اس کے قبضہ میں اس کی تعدی کی وجہ سے وہ ہلاک ہوا تو بھی یہی مذکور حکم ہے لیکن اگر اس کی تعدی کی وجہ سے ہلاک نہ ہوا ہو تو اس میں تین قول ہیں: پہلا قول: وہ ضامن ہوگا اور اس پر ہی ضمان ہوگا کیونکہ وہ غیر کے مال کو روکنے کی وجہ سے تعدی کرنے والا ہے اور مال بھی اسی کے قبضہ میں تلف ہوا ہے لہٰذا جس طرح غصب معلوم ہونے کی صورت میں ضامن ہے اسی طرح یہاں بھی ضامن ہے اور یہ بات یاد رہے کہ حقیقت میں وہ تعدی کرنے والا نہیں اس لیے کہ اس نے راہن کی اجازت سے مال کو روکا اور وہ غصب نہیں جانتا تھا۔

دوسرا قول...... اس پر ضمان نہیں اس لیے کہ مرتہن نے امانت قبضہ کیا ہے لہٰذا ضمان راہن پر ہے۔

تیسرا قول...... مالک کو اختیار ہے جس کو چاہے ضامن قرار دے لیکن ضمان ہوگا راہن ہی پر یہ رائے اولی ہے اور اسی طرح حکم میں اس کے مثل ہے جب رہن کے استحقاق کا فیصلہ راہن کے علاوہ کے لیے کیا گیا ہو اور یہ بات یاد رہے رہن دین کی وجہ سے ہلاک نہ ہوگا بلکہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں امانت ہے۔

۷۔ تعدد رہن...... رہن یا تو بعض چیز کا ہوگا یا کل کا دونوں صورتوں میں رہن متعدد ہو سکتا ہے۔

(الف)...... اگر رہن بعض چیز کا ہو پھر دوسرے بعض کو وہ کسی اور کے پاس رہن رکھے تو اس پر مشاع کے رہن کے احکام جاری ہوں گے جمہور (مالکیہ شوافع اور حنابلہ) کے ہاں مشاع کا رہن جائز ہے اگر کسی عین کے کسی جزو کو مشاع طور پر دین کے بدلے رہن رکھا تو باقی حصہ بھی اس دین کے بدلے رہن رکھنا جائز ہے اور کسی دوسرے دین کے بدلے بھی پہلے مرتہن کے پاس یا کسی اور کے پاس لیکن جب رہن پہلے مرتہن کے علاوہ کسی اور کے پاس ہو تو دوسرے مرتہن کا راضی ہونا ضروری ہے پہلے کے قبضہ میں رہنے پر یا تینوں کے درمیان جب یہ اتفاق ہو کسی امین کے پاس رہن رکھنے میں۔ اور حنفیہ کے ہاں مشاع کا رہن بالکل جائز نہیں ان کے ہاں اس حالت کا تصور نہیں الا یہ کہ عین کو جدا جدا کر دیا جائے اور سے تقسیم کر دیا جائے غیر مشغول سپرد کیا جائے۔

(ب)...... اگر پوری چیز دین کے بدلے رہن ہو اور راہن دوسرے دین کے بدلے بھی اسے رہن رکھنا چاہتا ہو تو حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں دوسرا رہن جائز نہیں، اس لیے کہ اس میں مرتہن کا حق ہے مرہون کی مالیت کے ساتھ لہٰذا غیر اس کے ساتھ اپنا حق متعلق نہیں کر سکتا۔ اگر مرتہن اول رہن ثانی کی اجازت دے دے تو وہ نافذ ہوگا اور اس کا رہن اور مرتہن کا رہن بھی باطل ہو جائے گا اور اگر مرتہن نے اسے مالک کی

❶...... المغنی: ۴/ ۳۹۷۔

اجازت کے بغیر رہن رکھا تو اس کا رہن صحیح نہیں اور مالک کو اختیار ہے کہ اس چیز کو مرتہن اول کے، قبضہ میں واپس لوٹائے۔ اگر وہ چیز مرتہن ثانی کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے اول کے پاس واپس آنے سے پہلے تو حنیفہ کے ہاں مالک کو اختیار ہے چاہے تو مرتہن اول کو ضامن بنائے اور چاہے تو ثانی کو جیسے کہ غیر کی ملکیت کو رہن رکھنے کا حکم ہے۔ اگر اس نے اول کو ضامن قرار دیا تو اس کا رہن جائز ہے اس لیے کہ مرہون کا بدل مرہون ہوگا۔ اور اگر اس نے دوسرے کو ضامن بنایا۔ تو پہلا رہن باطل ہو جائے گا اور یہ ضمان مرتہن اول کے رہن میں ہوگا اور ثانی اول پر ضمان کا رجوع کرے گا کیونکہ اسے دھوکا دیا گیا ہوا ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... عین مرہون تو اس وقت رہن رکھنا جائز ہے جب اس کی قیمت دین سے زیادہ ہو اور رہن جدید اس اضافہ کے مقابلہ میں ہے اور دوسرا دین مرہون سے متعلق ہوگا دوسری مرتبہ میں اگر عین کو فروخت کیا گیا تو اس سے دین اول بھی ادا کیا جائے گا اور دین ثانی بھی اور اس سے ظاہر ہوا کہ دائن اول کا تو اس سے متعلق نہیں لہٰذا رہن ثانی کے نفاذ کے لیے اس کی اجازت بھی ضروری نہیں۔

اور اگر عین امین کے قبضہ میں ہو اور رہن جدید مرتہن اول کے لیے یا کسی اور اجنبی کے لیے ہو تو رہن ثانی امین کی رضامندی کے بغیر مکمل نہیں ہوگا کیونکہ اس کے جدید قبضہ کی وجہ سے۔

اور رہن ثانی اگر کسی اجنبی کے لیے ہو تو آیا مرتہن اول کی رضامندی شرط ہے یا نہیں؟ تو مالکیہ کے ہاں تین قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ: اس کی رضامندی شرط نہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی رضامندی ضروری ہے تیسرا قول یہ ہے کہ اگرچہ مرتہن اول راضی بھی ہو تب بھی یہ جائز نہیں اور اگر عین امین کے قبضہ میں ہو تو اس میں دو قول ہیں: پہلا اور دوسرا۔

اور اگر رہن ثانی کسی اجنبی کے لیے ہو اور دونوں دینوں کی مدت ایک ہی وقت میں ختم ہوتی ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں لیکن اگر دونوں کی مدت مختلف ہو اور دین ثانی کی مدت پہلے پوری ہو تو اور بغیر کسی ضرر کے رہن کی تقسیم ممکن ہو تو اسے دونوں دینوں کے بدلے میں تقسیم کر دیا جائے گا تو پہلے مرتہن کو اتنی مقدار دیا جائے گا جو اس کے دین کافی ہو اور باقی مرتہن ثانی کو دے دیا جائے۔

اگر اس کی تقسیم ممکن نہ ہو تو مرہون کو فروخت کر کے دونوں دین ادا کیے جائیں گے اس طور پر کے پہلے دین کے پہلے پہلے ادا کیا جائے باقی دوسرے دین کے لیے۔

یہ سب صورتیں اس وقت ہیں جب رہن میں اتنا ہو کہ جو دوسرے کے لیے کافی ہو، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر رہن کو فروخت نہ کیا جائے گا الا یہ کہ پہلے کی صورت پوری ہو جائے۔ لیکن اگر دین اول کی مدت پہلے پوری ہو تو رہن کو فروخت کیا جائے گا اور اس سے دونوں دین سابقہ طریقے کے مطابق ادا کئے جائیں گے جب دونوں دین کے لیے اس کی تقسیم بغیر ضرر نہ ہو سکتی ہو۔

اور اگر رہن مرتہن اول کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا تو اس زیادہ حصہ کا ضامن نہیں ہوگا اور وہ ہو بھی ان چیزوں میں سے جنہیں چھپایا جا سکتا ہے اور تعدی بھی پائی جائے کیونکہ زیادہ حصہ میں وہ امین ہے۔

۸۔ وارث کا رہن رکھنا مدیون ترکہ کے بدلہ میں...... کبھی وہاں غیر کا حق ہوتا ہے مرہون میں راہن کے علاوہ جو رہن رکھنے سے مانع ہوتا ہے جیسے مرہون کا رہن رکھنا اور دین ترکہ کا رہن رکھنا جیسے کہ غیر کی ملکیت کو رہن رکھے تو وہ مالک کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔

جب وارث ترکہ کے عین میں سے کچھ رہن رکھے اور اس کے ساتھ کسی کے دین کا تعلق ہو جو میت پر ہے تو حنیفہ کے ہاں رہن موقوف رہے گا ترکہ سے دین ادا کرنے تک تاکہ عین مرہون خالص مرتہن کے لیے ہو جائے نیز دین وارث کے مالک ہونے سے ترکہ میں مانع ہے اس اختلاف کے مطابق جو حنیفہ کے ہاں ہے۔ مالکیہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے۔ اگر وارث نے اس حالت میں رہن رکھا تو یہ رہن صحیح ہے، لیکن اس کا نفاذ دین ادا کرنے تک موقوف رہے گا اگر دین ادا نہ ہوا تو یہ تصرف ختم ہو جائے گا اس لیے کہ دین ورثاء کے مالک بننے کے لیے

مانع ہے۔

حنابلہ کے ہاں...... اگر وارث نے میت کا ترکہ رہن رکھایا اسے فروخت کر دیا اور میت پر دین تھا اگر چہ زکوۃ ہی ہو تو اس کا رہن اور بیع صحیح ہیں کیونکہ مورث کے مرنے سے ترکہ ان کی طرف منتقل ہو چکا ہے اب اس کا تصرف اس کی ملکیت کے ساتھ ہے، اور اس پر اس کی طرف سے یا اس کے اختیار سے کسی کا حق نہیں آیا اور یہ رہن مرہون کی طرح نہیں جس میں اختیار کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہوتا ہے۔ اور ترکہ میں تو وارث کے اختیار سے کوئی مال متعلق نہیں ہوا، بلکہ شریعت کے حکم سے ہوا ہے اور یہی حکم ہے یہ اس حق میں جو ثابت ہو اور مال سے متعلق ہو بغیر اس کے فعل کے جیسے زکوۃ جنایت وغیرہ لہٰذا یہ رہن سے مانع نہیں۔ رہن صحیح ہے اور اعیان دین کی متحمل ہوں گی اگر رہن تمام ہو گیا پھر وارث نے ترکہ سے متعلق حق کو ادا کیا یعنی جو متوفی پر دین ہے اپنے دوسرے مال ہے اور رہن اپنی حالت پر تھا اس سے حق ادا نہیں کیا تو ترکہ کے قرض خواہ اس شیء مرہونہ میں جھگڑ سکتے ہیں کیونکہ ان کا حق پہلے ہے یہ اس طرح ہے کہ جب وارث ترکہ میں کوئی تصرف کرے پھر جو مبیع اس نے فروخت کی تھی وہ واپس کی جائے کسی عیب کی وجہ سے یا ترکہ کے ساتھ کوئی حق متعلق ہو جو مورث کی وفات کے بعد ہو لیکن کسی سابقہ سبب کی وجہ سے جیسے کوئی جانور اس کے مرنے کے بعد ایسے کنویں میں گر جائے جو اس نے کھودا ہے غیر کی ملکیت میں تو وارث کے تمام تصرفات اس حالت میں درست ہیں لازم نہیں اگر وارث نے اپنے مال سے وہ حق ادا کر دیا تو درست ہے ورنہ اس کے تصرفات فسخ کیے جائیں گے اور یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اس صورت میں وارث ہی اس عین کے ساتھ مختص ہوتا کہ غیر وارث کا اس میں حق نہ ہو جیسے وہ رہن رکھ رہا ہے۔

شوافع کے ہاں...... ❶ عین ترکہ میں وارث کا رہن باطل ہوگا اس لیے کہ اس کا تصرف یا تو صحیح ہے یا باطل اور فضولی کا تصرف ان کے ہاں بھی حنابلہ کی طرح صحیح نہیں اور اس کی صحت اور اس رہن کے نفاذ سے وہ دین مانع ہے جو ترکہ سے متعلق ہے۔ دین کا تعلق اگر چہ وارث کے مالک ہونے سے مانع نہیں لیکن مرہون ترکہ کو رہن شرعی شمار کیا جائے گا نہ کے عقد رہن کا نتیجہ۔

اور ان کے ہاں اظہر یہ ہے کہ دین مستغرق اور غیر مستغرق میں فرق نہ کیا جائے اسی وجہ سے یہ وارث کو اس ترکہ میں جس کے ساتھ فریق متعلق ہے تصرف سے روکتے ہیں جیسا کہ راہن کو عین مرہون میں تصرف سے روکتے ہیں دین کی موجودگی میں۔

۹۔ جو چیزیں جلدی خراب ہوں ان کا رہن...... حنابلہ وغیرہ کے ہاں جو چیزیں جلدی خراب ہو جاتی ہیں ان کو دین حالی اور موجل کے بدلے میں رہن رکھنا درست ہے چاہے ان چیزوں کی اصلاح خشک کر کے ممکن ہو یا ممکن نہ ہو جیسے انگور کھجور، اور خربوزہ وغیرہ، اگر وہ خشک کرنے کے قابل ہیں تو راہن کے ذمہ انہیں خشک کرنا ہے اس لیے کہ انہیں خشک کرنا اور ان کی حفاظت اور بقاء راہن کے خرچہ میں ہے اور اگر وہ خشک ہونے والی چیز نہ ہو تو اسے فروخت کر کے اس کے ثمن سے دین ادا کیا جائے گا اگر وہ فوری ادا کرنا ہو یا فساد اور خراب ہونے سے پہلے اس کی مدت پوری ہوتی ہو لیکن اگر خراب ہونے سے پہلے اس کی مدت پوری نہ ہوتی ہو تو اس کے ثمن رہن رہیں گے چاہے رہن میں اسے فروخت کرنے کی شرط ہو یا نہ ہو کیونکہ عرف اس کا تقاضا کرتا ہے شوافع کے ہاں اگر دین موجل کے بدلے رہن رکھا مرہون کے فساد سے پہلے وہ مدت پوری نہ تو اس میں غور کیا جائے گا اگر خراب ہونے کا خوف ہو اور بیع کی شرط ہو تو رہن جائز ہے لیکن اگر مطلق رکھا اور شرط نہ لگائی تو اس میں دو قول ہیں: صحیح یہ ہے کہ اس رہن صحیح نہیں اس لیے کہ دین کی مدت پوری ہونے سے پہلے اس کی بیع ممکن نہیں جیسا کہ بیع نہ کرنے کی شرط لگائی جائے اگر چہ وہ نہ بھی جانتا ہو یا مدت پوری ہونے سے پہلے مرہون فاسد ہو گا اظہر قول کے مطابق رہن صحیح ہے اس لیے کہ فاسد نہ ہونا ہے۔

۱۰۔ عصیر کا رس...... شیرے کا رہن رکھنا صحیح ہے اس لیے کہ اس کی بیع جائز ہے اور اس کا مالیت سے نکلنا صحت رہن سے مانع نہیں۔

❶...... نهاية المحتاج: ۳/ ۳۰۴۔

اگر وہ سرکہ بن گیا تو رہن اپنی حالت میں رہے گا اگر قبضہ کے بعد وہ شراب بن جائے تو اس کا گرانا واجب ہے اور لزوم عقد زائل ہو جائے گا اگر اس نے بہا دیا تو عقد باطل ہوگا۔ اور مرتہن کو خیار نہیں کیونکہ اس کا حصہ تلف ہو گیا اور حنابلہ کے ہاں اگر مرتہن کے قبضہ سے پہلے شراب کو سرکہ بنا لیا تو عقد رہن باطل ہوگا حنیفہ اور مالکیہ کے ہاں اور شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق رہن باطل نہیں ہوگا اور وہ اپنی حالت میں ہوگا اس لیے کہ وہ دوام اور بقاء میں کچھ وہ چیزیں معاف ہوتی ہیں جو ابتداء میں نہیں ہوتیں۔ نیز شیرہ ہونے کی حالت میں اس کی قیمت تھی اور اس کا قیمتی ہونا جائز ہے ابن قدامہ نے فرمایا صحت کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ سرکہ بن جانے کی وجہ سے وہ رہن باقی ہے۔

۱۱۔ قرآن کریم کو رہن رکھنا...... حنیفہ، الکیہ اور شوافع کے ہاں قرآن کریم، حدیث، تفسیر اور آثار کی کتابیں رہن رکھنا صحیح ہے، اس میں مرتہن پڑھے گا نہیں اس لیے کہ عقد رہن صرف روکنے کا حق ہے نہ کہ حق انتفاع اگر اس نے مرہون کو استعمال کر لیا اور وہ استعمال کی حالت میں ہلاک ہو گیا تو غاصب ہونے کی وجہ سے ساری قیمت کا ضامن ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں صحیح یہ ہے کہ مصحف کا رہن رکھنا صحیح نہیں کیونکہ اس کی بیع صحیح نہیں اور رہن کا مقصد تو رہن کے ثمن سے دین وصول کرنا ہے اور یہ مقصد صرف بیع ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور قرآن کریم کی بیع جائز نہیں۔

لیکن کتب حدیث، تفسیر وغیرہ کا رہن درست ہے اگرچہ کافر کے لیے ہی کیوں نہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ مسلمان امین کے قبضہ ہونا چاہیے۔

تیسری بحث: رہن کے احکام اور آثار...... احکام رہن سے متعلق دو چیزوں سے بات ہوگی، پہلی چیز رہن صحیح کے احکام دوسری چیز رہن فاسد کے احکام۔ رہن صحیح: جس میں رہن کی تمام شرائط پائی جائیں۔ رہن غیر صحیح: جس میں رہن کی تمام شرائط نہ پائی جائیں۔ رہن غیر صحیح کی حنیفہ کے ہاں دو قسمیں ہیں باطل اور فاسد۔

باطل...... وہ رہن کہ جس میں اصل عقد ہی میں خلل ہو بایں طور کہ عاقد میں عقد کی اہلیت ہی نہ ہو جیسے مجنون اور معتوہ یا محل عقد ہی زائل ہو جیسے غیر مال کو رہن رکھنا یا مرہون بہ مال سے حاصل نہ ہوتا ہو جیسے قصاص اور شفعہ اس کا معنی نہ پایا جاتا ہو جیسے یہ شرط لگانا کہ مرہون کو دین میں فروخت نہ کیا جائے یا مرتہن تمام قرض خواہوں سے ممتاز نہ ہوگا۔

فاسد...... جس میں وصف عقد میں خلل اور خرابی ہو مثلاً مرہون غیر کے ساتھ مشغول ہو یا مرہون بہ غیر سے مضمون ہو جیسے مبیع بائع کے قبضہ میں یہ نوادر کی روایت کے مطابق ہے۔ اور ظاہر روایت میں مبیع کو قبضہ سے پہلے رہن رکھنا صحیح ہے جیسا کہ شرائط کی بحث میں بیان کیا۔

حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کے ہاں رہن غیر صحیح کی ایک ہی قسم ہے باطل یا فاسد یعنی جس میں رہن صحیح کی تمام شرائط نہ پائی جاتی ہو۔

رہن صحیح کے احکام...... اس میں رہن کے لازم ہونے کا حکم اور دس مقاصد آثار رہن کے متعلق بیان ہوں گے۔

رہن صحیح کا حکم یا لزوم رہن کا حکم...... رہن راہن کی طرف سے لازم ہوتا ہے نہ کہ مرتہن کی طرف سے راہن اسے فسخ کرنے کا مالک نہیں کیونکہ یہ دین کا وثیقہ اور رسید ہے اور مرتہن اسے جب چاہے فسخ کر سکتا ہے اس لیے کہ عقد اسی کی مصلحت کی وجہ سے ہے اور رہن کے آثار تمام فقہاء کے ہاں قبضہ کے بعد مرتب ہوتے ہیں قبضہ کے بغیر مرتہن شئی مرہونہ کے ثمن کے ساتھ خاص نہیں ہوتا اور اس کا دوسرے قرض خواہوں سے امتیاز بھی اس کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ جمہور کے ہاں قبضہ کے بغیر رہن لازم نہیں ہوتا جب کہ مالکیہ کے ہاں ایجاب اور قبول سے لازم ہو جاتا ہے مذاہب کی تفصیل یہ ہے۔

جمہور کے ہاں یعنی حنیفہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں [1] رہن قبضہ کے بغیر لازم نہیں ہوتا اور قبضہ سے پہلے راہن کو اختیار ہے کہ وہ رہن

---

[1]..... الدر المختار: ۵/ ۳۴۰ المہذب: ۱/ ۳۰۵ المغنی: ۴/ ۳۲۸۔

برقرار رکھے یا اسے فسخ کردے اوران کی دلیل جیسا کہ پہلے بیان ہوئی اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (البقرۃ ۲/ ۲۸۳) رہن یا قبضہ رکھ کر (قرض لے لو) یعنی رہن رکھو اس میں قبضہ بھی ہو اس لئے کہ مصدر فاء کے ساتھ جواب شرط میں امر کے معنی میں ہے یعنی فارھنوا اور کسی موصوف چیز میں اوراس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس میں وصف شرط ہو اور چیز کسی صفت کے ساتھ مشروع ہو تو شرعا وہ اس وصف کے علاوہ نہیں پائی جاسکتی لہٰذا رہن قبضہ کے بغیر لازم نہیں نیز رہن عقد تبرع ہے راہن کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اس کا نفاذ اور جاری رہنا قبضہ سے واجب ہوگا اس لیے کہ رہن کے لیے قبضہ سے پہلے کوئی مظہر خارجی نہیں جیسا کہ ہبہ اور صدقہ کی صورت ہے لہٰذا عقد رہن شرعاً اوراس کے آثار قبضہ کے بغیر نہیں پائے جائیں گے اور یہ قبضہ کے بغیر لازم بھی نہیں ہوگا۔

مالکیہ کے ہاں...... ❶ رہن ایجاب وقبول سے لازم ہوجاتا ہے اور قبضہ سے مکمل ہوتا ہے جب ایجاب قبول ہوگیا تو عقد لازم ہوجائے گا اور اگر چار موانع میں سے کوئی مانع نہ پایا جائے تو راہن کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ شئی مرہون کو مرتہن کے حوالے کرے موانع درج ذیل ہیں: راہن کا عقد ہونے کے بعد اور سپرد کرنے سے پہلے مرجانا، راہن سے قرض خواہوں کا اپنے دین کی ادائیگی کا مطالبہ عام مفلسی اور راہن کا بیمار ہوجانا یا مجنون ہوجانا اور یہ دونوں صورتیں اس کی وفات تک پائی جانا۔

ان کی دلیل جیسا کہ پہلے بیان ہوگئی کہ رہن عقد سے لازم ہوتا ہے اور عقد اوراس کا لزوم دونوں ایجاب قبول سے متحقق ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ المائدہ:۵/ ۱

اے ایمان والوں اپنے اقراروں کو پورا کرو۔ اور رہن بھی عقد اور اقرار ہے اور امر وجوب کے لیے ہے پس اسے پورا کرنا واجب ہے اس طور پر کہ اس کا لزوم راہن کی جانب سے ہوگا کیونکہ وہی اس کا التزام کرنے والا ہے۔

عقد رہن کے آثار...... جب عین مرہونہ مرتہن کو سپرد کردی جائے اور عقد رہن مکمل ہوجائے تو اس کے مکمل اور سپرد ہونے پر درج ذیل احکام مرتب ہوتے ہیں:

۱......دین کا مرہون سے متعلق ہونا
۲......رہن روکنے کا حق
۳......رہن کی حفاظت
۴......رہن کے اخراجات
۵......راہن کا رہن میں تصرف سے منع کرنے
۶......رہن سے نفع نہ اٹھانا
۷......رہن کا ضمان
۸......رہن کا فروخت کرنا یا مرتہن کا دین کی ادائیگی کے لیے مرہون کو فروخت کرنے کا مطالبہ کرنا۔
۹......مرتہن دائن کا باقی قرض خواہوں سے ممتاز ہونا۔
۱۰......رہن سپرد کرنا یا دین کی انتہاء پر اسے واپس کرنا۔

پہلا مقصد: دین کا مرہون سے متعلق ہونا......اس میں عام بات یہ ہے کہ رہن کے اجزاء نہیں ہوسکتے جب کسی عین کو دین کے بدلے گروی رکھا تو یہ دین اس عین کے تمام اجزاء سے متعلق ہوگا یا اس کی تمام اکائیوں سے جیسا کہ وہ دین کے تمام اجزاء کے بدلے رہن ہیں جب دین کا کوئی حصہ ادا کردیا یا معاف ہوگیا تو بھی رہن باقی تمام اجزاء سے متعلق رہے گا اوراسی کو مصری اور شامی قانون میں لیا گیا ہے۔ وہ دین جو رہن سے متعلق ہے وہ ہے جس کے بدلے مال کو رہن رکھا ہے اور باقی دیون مرہون سے متعلق نہیں ہوں گے۔ اس تعلق کی

❶......بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۷۰۔

بنیاد پر مرتہن کے لیے حق حبس ثابت ہے وہ تمام مرہون کو روک سکتا ہے یہاں تک کہ اس کا دین سارا ادا کر دیا جائے چاہے مال ایک چیز ہو یا کئی چیزیں یہ مبدا یا اصل فقہ کے اعتبار سے متفق علیہ ہے لیکن اس کی تطبیق میں عقد متعدد ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنیفہ کے ہاں ❶ اتحاد عقد اتحاد صیغہ کی وجہ سے ہوتا ہے جب صیغہ متحد ہو عقد بھی متحد ہو جاتا ہے چاہے رہن ایک دین کے بدلے میں ہو یا کئی دینوں کے بدلے اگر مدین نے دین ادا کر دیا تو مرہون کے مقابلہ میں جو ہے اسے واپس نہیں کیا جائے گا چاہے مرہون ایک ہو یا کئی ہوں اگر راہن نے عین مرہون کے مقابل کو ادا کر دیا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر عقد رہن میں عین مرہونہ کا حصہ دین کے مقابل ذکر بھی کر دیا جائے تو بھی چونکہ عقد ایک ہے مقرر کرنے متعدد نہیں ہوتا۔ اور چاہے راہن زیادہ ہوں یا مرتہن پس جب عقد ایک ہوا تو رہن میں سے کوئی بھی چیز آزاد نہیں ہوگی اس لیے کہ دین تمام دیون کے بدلے میں محبوس ہے یا سارے دین کے مقابلہ میں جب تعدد صیغہ کی وجہ سے عقد متعدد ہو تو پھر رہن میں سے اس کے مقابل کا آزاد ہوگا۔ مالکیہ کے ہاں ❷ عقد متعدد ہوں گے راہن اور مرتہن کے متعدد ہونے کی وجہ سے یا کسی ایک طرف کے تعدد کی وجہ سے اور اس وقت عقد رہن ایک ہوگا جب راہن اور مرتہن ایک ہو جب عقد رہن ایک ہوا تو مرہون باقی ادائیگی کے مقابلہ میں ہوگا اس لیے کہ مرہون کا ہر جزو دین کے ہر جزو کے بدلے میں ہوگا جب رہن متعدد ہوں بایں طور راہن دو ہوں اور مرتہن ایک ہو راہنوں میں سے ایک نے اپنا قرض (دین) ادا کر دیا تو اس کا حصہ اسے واپس کر دیا جائے گا یا راہن ایک ہوا اور مرتہن کئی ہوں پھر راہن نے دو دائنوں میں سے ایک کا حصہ ادا کر دیا تو رہن میں سے اس کا حصہ واپس کیا جائے گا اور یہ بات یادر ہے کہ رہن اگر ایک ہو اور مرتہن متعدد ہوں یا مرہون ایسی چیز ہو جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو اور دائنوں میں سے ایک نے قرض ادا کر دیا تو پھر رہن کو امین کے قبضہ میں دے دیا جائے گا یا اس کا حصہ مرتہن کے قبضہ میں امانت ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں...... ❸ حکم مالکیہ کی طرح ہے کہ عقد متعدد ہوں گے موجب یا مقابل کے متعدد ہونے کی وجہ سے اگر موجب عقد متعدد ہوں اور مقابل ایک ہو تو یہ دو عقد ہوں گے اور اگر موجب ایک ہو اور مقابل دو ہوں تو بھی دو عقد ہوں اور اگر موجب بھی دو ہوں اور مقابل بھی دو ہوں تو چار عقد بن جائیں گے۔ جب مرتہن اور راہن ایک ہوں تو عقد رہن بھی ایک ہوگا چاہے دین ایک ہو یا کئی جب مدیون نے بعض دین ادا کر دیا یا دیون میں سے کچھ دین ادا کر دیا تو وہ رہن میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا۔ جب راہن زیادہ ہوں جو بھی اپنا دین ادا کرے گا تو رہن میں سے اس کا حصہ نکل جائے گا اور جب مرتہن زیادہ ہوں اور راہن دو دائنوں میں سے ایک کا دین ادا کر دے تو رہن میں سے اس کا حصہ نکل جائے گا اور راہن اسے واپس لے لے گا۔ جب راہن اور مرتہن اکٹھے زیادہ ہوں تو یہ چار عقود ہیں تو مرہون میں سے ہر ربع دین کے ربع کے مقابلہ میں ہوگا جب ربع یا اس سے زیادہ ادا کر دے تو رہن میں سے اس کا مقابل اسی مقدار میں چھوٹ جائے گا قاضی ابویعلی نے فرمایا یہی صحیح ہے۔

شوافع کے ہاں...... ❹ رہن دین کے متعدد ہونے اور اس کی وحدت سے متعدد ہوگا اور غالب یہ ہے کہ دین عاقدین کے متعدد ہونے کی وجہ سے متعدد ہوگا اگر چہ ان کا وکیل ایک ہو برخلاف بیع کے اس میں عاقد کے متعدد ہونے کا اعتبار ہے اگر چہ وکیل ہی ہو اس لیے کہ مال مرہون دین کی سند اور رسید ہے جب دین متعدد ہوئے تو سند اور رسید بھی متعدد ہوں گی اور دائن کا متعدد ہونا غالباً دین کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور بیع عقد ضمان ہے لہٰذا اس میں مباشر کو دیکھا جائے گا۔

ان کے ہاں مدار دین کے متعدد ہونے اور نہ ہونے پر ہے اور دین دائن کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور ان کے تعدد نہ ہونے سے ایک ہوتا ہے یا دین مشترک ہو اگر چہ دائن دو ہوں اس آخری حالت میں شوافع کا مذہب مالکیہ اور حنابلہ سے مختلف ہو جاتا ہے۔

---

❶......البدائع: ۶/ ۱۵۳ ❷ للدردیر: ۳/ ۲۵۷ ❸ المغنی ۴/ ۳۴۶ ❹ المہذب: ۱/ ۳۰۷

اسی بناء پر اگر ایک شخص نے ایک گھر دو دائنوں کے پاس رہن رکھا پھر ان میں سے ایک کا دین ادا کر دیا تو جو اس دین کے مقابل مرہون ہے وہ آزاد ہو جائے گا اس لیے کہ دائن متعدد ہونے کی وجہ سے دین متعدد ہو گیا اس شرط کے ساتھ کہ دائنوں میں سے ایک خاص قبضہ کے اعتبار سے اگر اس میں دوسرا کوئی شریک ہو گیا تو رہن میں سے کوئی چیز آزاد نہ ہو گی اس لیے کہ مکمل دین آزاد نہ ہوا۔

اگر کسی نے دو آمیوں سے رہن رکھنے کے لیے مال بطور عاریت رکھا پھر آدھا دین ادا کر دیا تو نصف مال مرہون چھوٹ جائے گا خلاصہ یہ کہ فقہاء کے ہاں بالاتفاق مرہون میں سے کسی چیز کے آزاد ہونے یا نہ ہونے میں عقد رہن کے متعدد ہونے یا نہ ہونے کا دخل ہے الا یہ کہ حنیفہ کے ہاں تعدد کا مدار صیغہ کے اعتبار سے ہے عاقدین کے تعدد اور عدم تعدد کی طرف نظر کئے بغیر اور مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مدار عاقد کے متعدد ہونے پر ہے اور شوافع کے ہاں دین کے تعدد اور عدم تعدد پر ہے اور ان کے ہاں دین مدین کے متعدد ہونے پر ہے اور ان کا مذہب مالکیہ اور حنابلہ کے قریب ہو جاتا ہے۔

دوسرا مقصد: رہن روکنے کا حق...... روکنے کے حق کا تعلق مرہون سے دین کے تعلق پر مرتب ہے اس لیے کہ یہ تعلق مشروع ہے مرہون سے دین کی وصولی وغیرہ کے لیے اور یہ تعلق مکمل نہیں ہوتا کسی مامون کے پاس رکھنے سے الا یہ کہ اسے روکا جائے اس دین کے بدلے جو مرتہن کے پاس ہے کہ اس کا روکنا مدین کو ادائیگی پر ابھارے مال محبوس کے فروخت ہونے کے خطرہ کی وجہ سے پس دین کا تعلق رہن سے ہے اور مرہون کو روکنا وثیقہ کے عناصر میں سے ہے۔

اسی بناء پر حنیفہ نے کہا[1] رہن کی صحت پر حق مرتہن ثابت ہوتا ہے عین مرہونہ کے روکنے پر ہمیشگی کے ساتھ اور راہن کو دین ادا کرنے سے پہلے قدرت نہ دینے پر اس لیے کہ رہن رسید اور وثیقہ ہے اور وثیقہ روکنے کے بغیر ادائیگی کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

حنیفہ کے ہاں روکنے کا حق ثابت ہوتا ہے مرتہن کے دین کی وصولی کے اثبات پر اس لیے کہ استیفاء کا معنی ہے عین کا مالک ہونا اور قبضہ کا مالک ہونا اس پر اور یہ بات کہ عین مرہون کا مالک ہونا شرعاً ممنوع ہے حدیث صحیح کی وجہ سے راہن کو اس کے مالک سے نہ روکو تو قبضہ کی ملکیت باقی رہے گی اور عقد رہن کا موجب وہ بطور وثیقہ رہے گا یعنی صرف قبضہ کا مالک ہونا نہ کہ عین کا مالک ہونا اس لیے کہ لفظ رہن کا مدلول لغوی اعتبار سے روکنا ہے اور شرعی معانی لغوی معانی کے اعتبار سے ثابت ہوتے ہیں اور یہ بات کہ مرہون عین مالی ہے اور ادائیگی بھی اس کی مالیت سے ہے تو مرتہن کا قبضہ اس کی مالیت کے اعتبار سے ہے پس وصولی کا قبضہ اس کی مالیت کے اعتبار سے ہوگا لہٰذا وہ مالیت دین پر محصور رہے گا اور جو زائد ہوگا وہ مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہوگا۔

جمہور (شوافع مالکیہ اور حنابلہ) کے ہاں رہن کا موجب بھی وہی ہے جو تمام وثائق کا موجب ہے وہ یہ کہ اس کے ذریعہ ادائیگی کے طریقہ میں اضافہ ہوتا ہے اس سے مرتہن کا دین کے ساتھ تعلق عین مرہونہ سے ہوتا ہے اور اس کی مالیت سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ بیع اور ثمن کے اختصاص سے ہوتا ہے۔

رہ گیا حق حبس تو شوافع کے ہاں یہ عقد رہن کے لیے لازم حکم نہیں راہن رہن واپس لے سکتا ہے اس سے نفع اٹھانے کے لیے ہلاک کیے بغیر جب اس کا فائدہ ختم ہو تو اسے واپس کر دے دلیل حدیث ہے کہ مالک سے رہن کو نہ روکا جائے اسی پر اس کا فائدہ اور نقصان ہے یعنی اسے روکا نہ جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لام تملیک کے ساتھ اس کی طرف اضافت کی اور اسے صاحب (مالک) قرار دیا ہے پس اس کا تقاضا ہے کہ وہ مالک ہو، رہن کا ذات نفع اور روکنے کے اعتبار سے اور ہمیشہ کا روکنا رہن کے وثیقہ ہونے کے منافی ہے کبھی رہن ہلاک ہو سکتا ہے تو دین ساقط ہو جائے گا جیسا کہ حنفیہ کے ہاں یہ توتو ہین ہے توثیق نہیں نیز روکنے کی وجہ سے رہن کے نفع کو معطل کرنا ہے یہ تسبیب ہے اور تسبیب شرعاً ممنوع ہے۔

---

[1] ... المبسوط: ۲۱/ ۶۳

خلاصہ جمہور کے ہاں عقد رہن میں ہمیشہ کا حق جس مرتہن کے لیے مرہون پر ثابت ہے اور شوافع کے ہاں رہن صرف دین کی ادائیگی کے لیے متعین ہے۔ میرے اندازے کے مطابق جمہور کی رائے بہت درست ہے اس لیے کہ واقع رہن کے ساتھ پر متفق ہے کیونکہ اس کے ذریعہ مدین کو دین کی ادائیگی پر ابھارنا مقصود ہے یہی وجہ ہے کہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں قبضہ کی شرائط میں جیسا بیان ہوا کہ قبضہ مرہون پر اس وقت تک رہے کہ راہن ادائیگی کردے۔

حنفیہ اور شوافع کے مقتضی عقد رہن کے اختلاف کہ آیا اس پر حق حبس ہے یا یہ بیع کے لیے متعین ہے چند مسائل ہیں۔ ❶

رہن واپس کرنا.... حنیفہ رہن کو فائدہ اٹھانے کے لیے واپس کرنے کی اجازت نہیں دیتے اس لیے کہ یہ عقد رہن کے مقتضی کے خلاف اور منافی ہے اور اس کا مقتضا مرتہن کے پاس مرہون کو روکنا ہے جب کہ شوافع فائدہ اٹھانے کے لیے واپس کرنے کی اجازت دیتے ہیں اس لیے کہ یہ مقتضائے عقد کے منافی نہیں اور مقتضاء عقد مرہون کا بیع کے لیے ادائیگی دین کے واسطے متعین ہے۔

۲۔ علیحدہ پیدا ہونے والے زوائد..... حنیفہ کے ہاں جو چیزیں الگ پیدا ہوں ان میں بھی حبس ہے کیونکہ یہ بھی اصل کا جزو ہیں جب کہ شوافع کے ہاں ان میں رہن کا حکم نہیں لہٰذا انہیں دین میں فروخت نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ الگ عین ہیں۔

۳۔ مشاع چیز کا رہن..... حنفیہ کے ہاں مشاع چیز کا رہن جائز نہیں اس لیے کہ اس میں حبس دائم متصور نہیں شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں جائز ہے کیونکہ اس کی بیع جائز ہے اور رہن کا حکم اس کا بیع کے لیے متعین ہونا ہے۔

مرتہن کا دین کی وصولی کا مطالبہ رہن روکنے ساتھ:

حنفیہ کے ہاں..... ❶ مرتہن راہن سے دین کا مطالبہ کرسکتا ہے اگر دین فی الحال ادا کرنا ہو اور ساتھ ساتھ مال مرہون کو روک کر جب مدین ادائیگی دین کا ارادہ کرے تو اسے اختیار ہے کہ وہ مرتہن سے رہن حاضر کرنے کا مطالبہ کرے اور مرتہن پر لازم ہے کہ وہ رہن کو حاضر کرے تاکہ معلوم ہو کہ وہ موجود ہے زائل نہیں ہوا۔ یہ اس وقت ہے جب رہن کا بوجھ نہ ہو اور نہ اس میں مشقت ہو مثلاً وہ عقد رہن کے شہر میں ہو اگر رہن کا بوجھ اور اس میں مشقت ہو تو مرتہن کو رہن حاضر کرنے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا اور اس سے رہن والے شہر سے دوسرے شہر میں مطالبہ ہو اس لیے کہ اس پر اس وقت تخلیہ واجب ہے نہ کہ ایفاء کی جگہ سے منتقل کرنا تاکہ اسے بڑا نقصان نہ ہو اگر مطالبہ اس شہر میں ہو جس میں عقد رہن مکمل ہوا ہے تو وہ اسے حاضر کرے کیونکہ اسے حاضر کرنے میں کوئی بڑا نقصان نہیں اگر کسی عادل شخص کے پاس ہو تو بھی مرتہن کو حاضر کرنے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا اس لیے کہ اس کا حاضر کرنا اس کی قدرت میں نہیں اس لئے کہ عدل رہن کو کسی ایک عاقد کے پاس حاضر کرنے سے روکتا ہے ورنہ وہ ضامن ہوگا اور اس کا لینے والا غاصب ہوگا۔

خلاصہ..... اگر مطالبہ رہن والے شہر میں ہو تو مرتہن کو حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا مطلقاً ورنہ اگر اس کا بوجھ اور اس میں مشقت نہ ہو تو بھی حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر اس کا بوجھ ہو تو پھر حاضر کرنے کا حکم نہیں ہوگا ابن عابدین رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں نظر ہے اس لیے کہ مشقت کے موجود ہونے پر حکم ہے اگر اس پر خرچہ ہوتا ہے کسی دوسری جگہ ہونے کی وجہ سے تو اسے حاضر کرنے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا اور اگر اس میں کوئی مشقت نہیں تو پھر اس حاضر کرنے کا مطالبہ ہوگا اور میرے اندازے کے مطابق یہ بہت گہری باریک اور اولیٰ رائے ہے۔

تیسرا مقصد: مال مرہون کی حفاظت..... اس بناء پر کہ حنیفہ کے ہاں حق حبس مرہون کو حاصل ہے تو مرتہن مرہون کی حفاظت کرے گا جیسا کہ اپنے مال کی عام طور پر حفاظت کرتا ہے لہٰذا اسے اپنی حفاظت میں رکھے گا اپنی بیوی اولاد اور خادم کی حفاظت میں اگر یہ دونوں

❶ البدائع ۶: ۱۴۶۔

ساتھ رہتے ہوں اور اجیر خاص کی حفاظت میں اس لیے کہ شی مرہون اس کے قبضہ میں امانت ہے لہٰذا اس اعتبار سے یہ ودیعت کی طرح ہے اس کی ایسے ہی حفاظت کرے جیسے ودیعت کی کرنی ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ کسی اور اس کی حفاظت کرنا جائز نہیں اگر اس نے کسی اور کے پاس ودیعت رکھا یا اس کی حفاظت میں کوتاہی کی تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا وہ جتنی بھی ہو اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ضامن ودیع ہے مرتہن نہیں اور صاحبین کے ہاں دونوں ضامن ہیں مرتہن دینے کی وجہ سے اور ودیع غیر مملوک کو لینے کی وجہ سے لیکن آخر میں ضمان مرتہن پر ہی ہوگا جیسے ودیع کے ودیع میں مرتہن شی مرہون کو ساتھ رکھ کر اگر راستہ پرامن ہو سفر بھی کرسکتا ہے جیسے ودیعت میں۔

چوتھا مطلب: رہن پر خرچ کرنا..... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رہن کے اخراجات مالک راہن پر ہیں اس لیے کہ شارع علیہ السلام نے اس کے منافع اور نقصانات واخراجات راہن کے ذمہ لگائے ہیں کہ رہن کا مالک نہیں بنتا مرتہن راہن کے لیے اس کے فوائد اور اخراجات ہیں۔ لیکن نفقہ واجبہ میں اختلاف ہے اور دو رائے ہیں۔

ا۔ حنفیہ کے ہاں..... ❶ نفقہ راہن اور مرتہن پر تقسیم ہوگا راہن پر عین کی ملکیت کے اعتبار سے اور مرتہن پر حفاظت کے اعتبار سے اس طور پر کہ ہر وہ چیز جو مرہون کی بقاء کے لیے ضروری ہے وہ راہن پر ہے اس لیے کہ یہ اس کی ملکیت ہے اور ہر وہ چیز جو مرہون کی حفاظت کے لیے ضروری ہے تو وہ مرتہن پر ہے اس لیے کہ اس نے اسے روکا ہوا ہے اس پر اس کے توابع لازم ہیں۔ اسی بناء پر راہن کے ذمہ جانور کا کھانا پینا چرواہے کی اجرت اور درختوں کی سیرابی ان کی شاخ ترائی اور ان کے پھل اتارنے اور زمین کی سیرابی اس کی درستگی نہروں کی کھدائی خراج اور عشر وغیرہ نکالنا سب کے اخراجات مالک کے ذمہ ہیں اس لیے کہ مذکورہ تمام چیزیں جو رہن کی بقاء کے لیے ضروری ہیں یہ مملوک کی مؤنت ہے مالک پر، راہن کے لیے جائز نہیں کہ وہ نفقہ اور اخرجات رہن یا اس سے پیدا ہونے والے زوائد کو چھوڑے الا یہ کہ مرتہن راضی ہو تو جو چھوڑ سکتا ہے کیونکہ سارے کے سارے مرہون کے ساتھ مرتہن کا تعلق ہے اور اسے فروخت کرے باقی پر خرچ کرنے سے اس کے حق میں تعدی ہے جو مرتہن کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

اور مرتہن پر حفاظت کی اجرت، چوکیدار یا اس جگہ کی جہاں اس کی حفاظت کر رہا ہے اور اسی بناء پر عقد رہن میں رہن کی حفاظت کی اجرت مرتہن پر شرط کے طور پر رکھنا جائز نہیں کیونکہ یہ اس پر واجب ہے اور واجب پر کوئی اجرت نہیں ہوتی جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ٹھکانے کی اجرت بھی راہن پر ہے اس لیے کہ یہ اس کے باقی رہنے کے لیے ضروری ہے۔

رہ گئے وہ اخراجات جو مرہون کے نقصان کے وقت واپس کرنے یا اس کی بیماریوں کے علاج کے اخراجات راہن اور مرتہن دونوں پر ہیں مرتہن پر بقدر ضمان یعنی جو دین کے مقابلہ میں ہے اور باقی جو دین پر زیادہ ہے وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے ضمان میں داخل نہیں وہ راہن پر ہیں جب کہ اس کی قیمت دین سے زیادہ ہو ورنہ مرتہن پر ہیں۔

۲۔ مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں..... ❷ رہن کے تمام اخراجات راہن پر ہیں چاہے اس کی بقاء کے لیے ہوں یا اس کی حفاظت اور علاج کے لیے حدیث سابق کی وجہ سے راہن کے رہن کے مالک نہ بنو اسی پر اس کے فائدے اور اخراجات ہیں۔ پس تمام اخراجات اس کے غرم میں سے ہیں۔

اگر راہن خرچ نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

مالکیہ کے ہاں..... اگر راہن خرچ نہ کرے رہن پر حالانکہ رہن اخراجات کا محتاج ہو مثلاً جانور کا چارا زمین کی درستگی تو مرتہن خرچ

❶ الدر المختار ۵: ۳۴۵، ۳۴۷۔ ❷ المغنی: ۴/ ۳۹۲۔

کرے اور جو کچھ بھی وہ خرچ کرے وہ راہن سے لے لے اگر رہن کی قیمت سے زیادہ اخراجات ہو جائیں تو وہ راہن کے ذمہ میں دین ہوں گے رہن کی مالیت یا عین پر نہیں ہوں گے چاہے اس کی اجازت سے خرچ کریا بغیر اجازت کے اس لیے کہ راہن کے واجبات کو اس نے پورا کیا ہے۔

شوافع کے ہاں......اگر راہن موجود اور مالدار ہو تو قاضی اس پر جبر کرے گا مرہون پر اخراجات کے سلسلہ میں اگر جبر کرنا موجود نہ ہونے یا غریب ہونے کی وجہ سے متعذر ہو تو قاضی اگر راہن کا مال ہو تو اس میں سے خرچ کرے اور تنگ دستی کی صورت میں قاضی قرض لے یا پھر رہن کا ایک حصہ فروخت کر دے رہن کی بقا کے لیے یا پھر مرتہن کو اس پر خرچ کرنے کا حکم دے اور وہ راہن پر دین ہو گے جب مرتہن خرچ کرے تو اگر قاضی کی اجازت سے ایسا کیا یا گواہ بنائے تھے تو پھر راہن سے رجوع کرے اور راہن کی عدم موجودگی میں اس بات پر گواہ بنا لے کہ وہ رجوع کرے گا جو خرچہ کر رہا ہے اس میں۔

حنابلہ کے ہاں......جب مرتہن راہن کی اجازت کے بغیر خرچ کرے حالانکہ وہ اس سے اجازت لے بھی سکتا تھا تو اس صورت میں وہ تبرع کرنے والا ہوگا اس کو رجوع کا کوئی حق نہیں اور اگر اجازت نہ لے سکتا تھا عدم موجودگی وغیرہ کی وجہ سے تو پھر نفقہ مثل اور جو اس نے خرچ کیا ہے اس میں کم لے بشرطیکہ اس نے خرچ کرتے وقت رجوع کی نیت کی ہو قاضی سے اجازت یا گواہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

پانچواں مقصد: رہن سے نفع اٹھانا......رہن کو معطل چھوڑ دینا اور اس کی منفعت سے فائدہ نہ اٹھانا تو کسی طرح جائز نہیں کیونکہ یہ تو مال ضائع کرنا ہے دوران رہن اس سے فائدہ اٹھانا واجب ہے لیکن یہ فائدہ کون اٹھائے راہن یا مرتہن؟ میں ہر حالت پر علیحدہ بحث کروں گا راہن کے انتفاع اور مرتہن کے انتفاع کی۔

پہلی بات......راہن کا رہن سے فائدہ حاصل کرنا: یہاں راہن کے انتفاع میں دو رائے ہیں ایک جمہور کی رائے ہے عدم جواز کی اور دوسری شوافع کی رائے ہے اگر مرتہن کو نقصان نہ ہو جائز ہے ان اقوال کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ حنیفہ کے ہاں......❶ راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن سے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا نہ خدمت نہ سواری نہ لباس پہننا نہ رہائش وغیرہ جیسا کہ مرتہن راہن کی اجازت کے بغیر فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔

پہلی حالت پر ان کی دلیل......کہ مرتہن کے لیے بطور دوام حق حبس ثابت ہے اور یہ واپس کرنے سے مانع ہے اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر نفع حاصل کیا مثلاً مرہونہ گائے کا دودھ استعمال کیا یا مرہون درخت کے پھل کھا لیے وغیرہ تو ان کی قیمت کا ضامن ہوگا اس لیے کہ اس نے مرتہن کے حق میں۔

تعدی کی ہے اور یہ قیمت رہن میں داخل ہوگی اور اس سے دین متعلق ہوگا اور جب راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن کو اپنے استعمال کے لیے واپس لے لیا اور مرہونہ سواری پر سوار ہوا یا مرہون کپڑوں کو پہن لیا، مرہونہ گھر میں رہائش اختیار کر لی یا مرہونہ زمین میں کھیتی بوئی تو مرتہن سے رہن کا ضمان ختم ہو جائے گا اور یہ رہن کو غصب کرنے والا شمار ہوگا اور مرتہن کو اس سے زبردستی لے کر دیا جائے گا اور اگر راہن کے قبضہ میں رہن ہلاک ہو گیا تو اسی کا ہلاک ہوا اگر راہن کے رہن سے نفع اٹھانے سے مرتہن کا قبضہ ختم نہ ہو تو وہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے جیسے آلات کو اجرت پر دے دینا۔ مثلاً آٹا پیسنے وغیرہ کے آلات لیکن اس صورت میں جو اجرت لے گا وہ راہن کی ہوگی اس لیے کہ رہن کی بڑھوتری اور زوائد راہن کے ہیں اور جب وہ مرتہن لے لے تو پھر دین میں سے اس کا حساب لگا لیا جائے گا یہ مذہب اس بات پر مبنی ہے کہ جو بھی اضافہ

❶ البدائع ۶/۱۴۶

رہن سے پیدا شدہ ہو چاہے اس سے متصل ہو یا منفصل وہ رہن سے ملحق ہے۔

۲۔ حنابلہ کے ہاں...... ❶ حکم حنفیہ ہی کی طرح ہے کہ راہن کے لیے مرتہن کی اجازت کے بغیر یا اس کی رضا مندی کے بغیر نفع اٹھا نا جائز نہیں نہ اس سے خدمت لے سکتا ہے نہ سوار ہو سکتا ہے نہ اس میں رہائش رکھ سکتا ہے اور اس کے منافع کو معطل کرنا شریعت میں مکروہ ہے جب راہن اور مرتہن کا اتفاق نہ ہو راہن کے فائدہ اٹھانے پر تو گھر کو تالا لگا دیا جائے گا جب تک کہ وہ رہن کو چھڑا نہ لے اس لیے کہ رہن عین کو محبوس کرنے کا نام ہے لہٰذا مالک کے لیے اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں یہ مبیع کی طرح جو بائع کے پاس ثمن کی ادائیگی تک محبوس رہتی ہے یہ مذہب بھی اس بات پر مبنی ہے کہ رہن کے تمام منافع اصل کے ساتھ رہن حنفیہ کی طرح تمام مسائل ہیں۔

رہن کی اصلاح ودرستگی...... راہن کو رہن کی اصلاح اس سے فساد کو دور کرنے اور اس کے علاج معالجہ سے روکا نہیں جائے گا اگر اس کی ضرورت ہو اسی طرح جفتی کی اگر ضرورت ہو گائے وغیرہ کو وہ بھی کروائی جائے گی۔ ❷

۳۔ مالکیہ...... نے ان دو مذہبوں سے زیادہ سختی کی ہے انتفاع کے سلسلہ میں ان کے ہاں راہن رہن سے کسی صورت میں بھی نفع نہیں اٹھا سکتا اور مرتہن کی انتفاع کی اجازت رہن کو باطل کر دیتی ہے اگر چہ وہ نفع نہ بھی اٹھائے کیونکہ اجازت دینا اپنے حق رہن سے دستبرداری ہے۔

اور اس بات کے باوجود کہ رہن کے منافع راہن کی ملکیت ہیں، تو اسے جازت ہے کہ وہ مرتہن کو رہن سے نفع اٹھانے میں نائب بنائے اور وہ راہن کو حساب دے حتیٰ کہ اگر اس نے رہن کے منافع کو معطل اور بے کار چھوڑ مثلاً گھر کو بند رکھا اور اس سے منافع حاصل نہ لیا تو بعض مالکیہ کے ہاں معطل ہونے کی مدت کی اجرت مثل کا ضامن ہوگا اس لیے کہ اس نے انہیں ضائع کیا ہے۔ اور بعض کے ہاں ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ مرتہن کے ذمہ راہن کے مال کا استغلال (سرمایہ کاری) نہیں اور بعض کی ہاں اگر راہن کو استغلال کا علم ہو اور وہ معطل چھوڑنے پر نکیر نہیں کر رہا تو ضامن نہیں ورنہ ہے۔ ❸

۴۔ شوافع...... جمہور کے خلاف کے قائل ہیں راہن مرہون سے ہر قسم کا انتفاع اور فائدہ حاصلکر سکتا ہے جیسے سوار ہونا، خدمت لینا، رہائش اختیار کرنا، پہننا، سواری یا گاڑی پر بوجھ لادنا اس لیے رہن کے منافع اور اس کی بڑھوتری کا راہن مالک ہے اور ان کے ساتھ دین کا کوئی تعلق نہیں اور دلیل دار قطنی اور حاکم کی روایت رہن پر سواری کی جائے گی اور اس کا دودھ نکالا جائے گا اور بخاری کی روایت ہے پیٹھ پر سوار ہوا جائے گا جب کہ وہ مرہون ہو۔ رہ گئی وہ چیزیں جن سے رہن کی قیمت کم ہو مثلاً عمارت تعمیر کرنا یا درخت لگانا زمین میں تو یہ کام راہن کے لیے مرتہن کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اس کے حق کی رعایت کی وجہ سے اور مرتہن کو اجازت ہے کہ وہ اجازت سے راہن کے تصرف سے پہلے رجوع بھی کر سکتا ہے۔ جب مرہون سے نفع اٹھانا مرتہن سے واپس کے لئے بغیر ممکن ہو جیسے اجارہ کے آلات وغیرہ تو انہیں اس سے واپس نہیں لیا جائے گا اور اگر واپس لیے بغیر نفع اٹھانا ممکن نہ ہو مثلاً گھر ہے سواری یا گاڑی ہے تو ضرورت کے وقت یہ واپس لے جائیں اور فائدہ حاصل کرنے کے بعد مرتہن کو واپس کر دی جائیں۔

دوسری بات: مرتہن کا رہن سے فائدہ حاصل کرنا..... حنابلہ کے علاوہ جمہور کے ہاں مرتہن رہن میں سے کسی چیز وقسم کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا اور جو حدیث ہے دودھ دوہنے اور سواری ہونے کے سلسلہ میں تو اسے یہ حضرات چارے وغیرہ کی مقدار خرچ پر محمول کرتے ہیں کہ جب راہن خرچ کرنے سے رک جائے اور اس پر مرتہن خرچ کرے تو اتنی مقدار کے بدلے وہ نفع حاصل کر سکتا ہے۔ جب کہ حنابلہ مرتہن کو رہن سے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دیتے ہیں کہ اگر وہ جانور ہو تو اسے چارہ کھلائے اور اس سے فائدہ حاصل کرے مذاہب کی

---

❶ المغنی ۴/ ۳۹۰ ❷ الشرح الکبیر ۳/ ۲۴۱ ❸ مغنی المحتاج: ۲/ ۱۳۱

تفصیل یہ ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... ❶ راہن کی اجازت کے بغیر مرتہن مرہون سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا نہ خدمت نہ سواری نہ رہائش، نہ لباس پہننا اور نہ کتاب پڑھنا اس لیے کہ مرتہن کو روکنے کا حق ہے نہ کے فائدہ حاصل کرنے کا اگر نفع حاصل کرنے کے دوران وہ ہلاک ہوجائے تو کل قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ اب یہ غاصب ہے۔اور جب راہن مرتہن کو فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دے دے تو بعض حنفیہ کے ہاں مطلقاً جائز ہے اور بعض کے ہاں مطلقاً منع اس لیے کہ یہ سود ہے یا اس میں سود کا شبہ ہے اجازت اور رضامندی نہ سود کو حلال کرتی ہے اور نہ اس کے شبہ کو حلال کرتی ہے ان میں سے بعض تفصیل کرتے ہیں کہ اگر عقد میں انتفاع کی شرط راہن کے لیے لگادی گئی تو یہ حرام ہے اس لیے کہ سود ہے اگر عقد میں شرط نہ لگائی تو یہ جائز ہے اس لیے کہ راہن مرتہن کے لیے تبرع کرنے والا ہے اور شرط جس طرح صریح ہوتی ہے اسی طرح متعارف بھی ہوتی ہے اور معروف مشروط کی طرح ہے یہ تفصیل روح شریعت سے متفق ہے اور لوگوں کے حالات میں غالب یہ ہے کہ وہ قرض نفع اٹھانے ہی کی غرض سے دیتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو وہ کبھی بھی دراہم نہ دیں اور یہ بمنزلہ شرط ہے کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہے یہی ممنوع ہے شریعت میں جیسا کہ ابن عابدین نے کہا یہ بات یاد رہے کہ دین کے معاملہ میں احتیاط واجب ہے اور ہر وہ قرض جو نفع لائے مشروط یا متعارف تو وہ حنفیہ کے ہاں سود ہے اور ابن نجیم رحمہ اللہ نے اشباہ میں لکھا ہے مرتہن کے لیے مکروہ تحریمی ہے رہن سے نفع اٹھانا اور تاتارخانیہ میں تصریح ہے کہ اگر کسی نے دراہم قرض لیے اور اس نے اپنا گدھا قرض خواہ کو دیا تاکہ وہ دو مہینے اس سے فائدہ اٹھائے اور یہ اس وقت تک اس کا قرض ادا کردے گا یا اپنا گھر رہائش کے لیے دے دے تو یہ اجارہ فاسدہ ہے اگر اس نے استعمال کیا تو اس پر اجرت مثل ہے اور یہ رہن نہیں اور اسی بناء پر ہم اپنے زمانے کے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ مرتہن کو بطور رہن اپنا گھر رہائش کے لیے دیتے ہیں اور راہن قرض واپس کرنا یہ قرض ہے اور تمام مذاہب کے ہاں ایسا کرنا جائز نہیں اور یہ عقد بیع وفاء میں سے نہیں اس لیے کہ لوگوں کے مقاصد بیع کے نہیں ہوتے۔

۲۔ مالکیہ نے بھی تفصیل کی ہے۔ جب راہن مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے دے یا مرتہن منفعت کی شرط لگائے تو اگر دین بیع یا شبہ بیع کے قبیل سے ہو تو جائز ہے اور مدت معلوم ہونی چاہیے تاکہ اجارہ کو فاسد کرنے والی جہالت سے نکلا جاسکے اس لیے کہ یہ بیع اور اجارہ ہے اور جائز ہے اور اس جواز کے متعلق دردیر نے فرمایا کہ مرتہن منفعت کو اپنے لیے مفت میں لے لے یا دین سے اس کا حساب کرلے اور باقی دین مکمل لے لے اور اگر دین قرض ہو تو جائز نہیں اس لیے کہ یہ ایسا قرض ہے جو نفع کو کھینچنے والا ہے اور قرض کی حالت میں نفع اٹھانا جائز نہیں اگر راہن مرتہن کو نفع میں تبرع کرے یعنی مرتہن کے لیے شرط نہ ہو پھر بھی اس لیے کہ مدیون کا ہدیہ ہے اور اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

خلاصہ...... یہاں پر آٹھ صورتیں ہیں مرتہن کے لیے رہن کی منفعت کی شرط میں سات ان میں سے ممنوع ہیں اور صرف ایک جائز ہے ممنوع میں سے چار صورتیں قرض کی ہیں اور وہ یہ کہ جب منفعت کی مدت متعین ہو یا مجہول ہو یا مشروط ہو یا تبرع کرنے والا ہو اور تین صورتیں ان میں سے بیع میں ہیں وہ یہ کہ اس میں تبرع کرنے والا ہو چاہے مدت متعین ہو یا مجہول یا مشروط ہو اور اس کی مدت مجہول ہو۔اور جائز صورت یہ ہے کہ جب منفعت عقد بیع میں مشروط ہو اور مدت متعین ہو اور جواز کا محل اس میں شرط ہو کہ مرتہن مفت میں لے یا دین میں سے ادا کردے اور باقی دین اسی وقت دے دے۔

۳ شوافع مالکیہ کی طرح ہی کہتے ہیں کہ مرتہن عین مرہونہ سے نفع نہیں اٹھا سکتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: رہن کو اس کے مالک سے نہ روکا جائے اسی پر اس کی منفعت ہے اور اسی پر اس کا تاوان ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا غنم کا معنی اس کا اضافہ اور

❶ البدائع: ۶/ ۱۴۶۔

عزم کا معنی اس کی ہلاکت اور نقصان اور اس میں کوئی شک نہیں غنم ہی میں سے تمام انتفاع کی صورتیں ہیں یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے ہے۔ اگر مرتہن قرض کے عقد میں ایسی شرط لگائے جس سے راہن کا نقصان ہو مثلاً مرہون کے زوائد یا اس کا نفع اس کے لیے ہو تو یہ شرط باطل ہے اور اظہر قول میں رہن بھی باطل ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ہر وہ شرط جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ہو وہ باطل ہے رہ گیا رہن کا باطل ہونا مقتضی عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے جیسے وہ شرط جس کی وجہ سے مرتہن کا نقصان ہو۔ اگر منفعت مقرر یا معلوم ہو اور رہن بیع میں مشروط ہو اس لیے کہ منفعت کی شرط لگانا مرتہن کے لیے درست ہے اس لیے کہ بیع اور اجارہ ایک سودا میں جمع ہوا ہے اور یہ جائز ہے مثلاً کوئی شخص دوسرے کو کہے میں تمہیں اپنا حصہ ایک سو کا فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تم اپنا گھر میرے پاس رہن رکھو اور اس کی منفعت ایک سال کے لیے میری ہوگی پس حصے مبیع ہوں گے اور بعض گھر کی منفعت کے مقابلے میں۔

اگر منفعت اٹھانا عقد میں مشروط نہ ہو تو مرتہن رہن سے نفع اٹھا سکتا ہے مالک اور راہن کی اجازت سے اس لیے کہ راہن مالک ہے اور اسے اجازت ہے کہ وہ اپنی ملک میں تصرف کی جس کو چاہے اجازت دے اور اجازت سے اس کا حق مرہون سے ضائع نہیں ہوتا اس لیے کہ اجازت سے اس کے قبضہ سے وہ نہیں نکلتا اور وہ اس کا حساب لگائے۔

۴۔ حنابلہ کے ہاں...... ❶ جانوروں کے علاوہ وہ چیزیں جو قوت اور اخراجات کی محتاج نہیں جیسے گھر اور سامان وغیرہ تو ان چیزوں سے راہن کی اجازت کے بغیر مرتہن کا نفع اٹھانا جائز نہیں کسی بھی صورت میں اس لیے کہ رہن اس کے منافع یہ راہن کی ملکیت کی بڑھوتری ہے غیر کو اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز نہیں اور اگر راہن مرتہن کو بغیر عوض ان سے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دے دے اور دین قرض ہو تو جائز نہیں اس لیے کہ یہ قرض ہے جو نفع اٹھا رہا ہے اور یہ حرام ہے امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: گھروں کا قرض خالص سود ہے یعنی گھر جب قرض کے بدلے رہن ہو اور مرتہن اس سے نفع اٹھائے اور اگر رہن مبیع کے ثمن ہوں یا گھر کی اجرت یا دین قرض نہ ہو اور راہن مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے تو جائز ہے اگر انتفاع عوض کے ساتھ ہو اور وہ اجرت مثل ہے تو یہ قرض وغیرہ سب میں جائز ہے اس لیے کہ قرض نفع نہیں اٹھایا جا رہا بلکہ اجارہ سے اٹھایا جا رہا ہے اور اگر وہ محابات کرے تو یہ قرض میں جائز نہیں قرض کے علاوہ میں جائز ہے۔

خلاصہ یہ کہ انتفاع اگر عوض سے ہو تو پھر یہ قرض اور دوسرے تمام چیزوں میں جائز ہے اور اگر عوض کے بغیر ہو تو قرض میں جائز نہیں اور اگر مرتہن مالک کی اجازت کے بغیر نفع اٹھائے تو دین سے اسی کو شمار کیا جائے گا اور حیوان اور جانوروں کی صورت میں راہن کی اجازت کے بغیر بھی مرتہن اس کو سواری کے طور پر اس سے دودھ دوہ کر استعمال کر سکتا ہے اپنے نفقہ کی بقدر اور نفقہ میں اعتدال ضروری ہے۔ ان کی دلیل گذشتہ حدیث ہے کہ پیٹھ پر سوار ہو جائے گا خرچہ کر کے اگر وہ مرہون ہو اور دودھ پیا جائے گا خرچہ سے اگر مرہون ہو جو سوار ہو یا پیئے اس پر نفقہ ہے یہ جملہ الظھر یرکب والدر یشرب جملہ خبریہ ہے انشاء کے معنی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ ...... البقر: ۲/ ۲۳۳

نیز تصرف کرنا معاوضہ ہے اور معاوضہ دونوں بدلوں میں مساوات کا تقاضا کرتا ہے۔

لیکن علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں فرمایا: دونوں ہدیوں میں مساوات کی ضرورت نہیں اس لیے کہ شارع نے ان میں مساوات کر دی ہے اور ہمارے اوپر مشکل ہے سوار ہونے دودھ اور نفقہ میں موازنہ کرنا جمہور اس حدیث پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اصول اور صحیح آثار رد کرتے ہیں اور اس کے نسخ پر صحیح حدیث موجود ہے کہ بکری کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر نہ دوہا جائے ❷ اور حدیث رہن کو اس کے مالک جس نے رہن رکھا ہے سے نہ روکا جائے اسی کو اس کا فائدہ ہے اور اسی پر اس کا نقصان ہے۔ حنابلہ نے اس کا

❶..... المغنی: ۴/ ۳۸۵۔ ❷ اخرجه البخاری۔

جواب دیا ہے کہ اصل تو سنت ہے اصول اسے کیسے رد کر سکتے ہیں اور رہ گئی ناسخ حدیث تو وہ عام ہے اور رہن والی حدیث خاص ہے لہٰذا خاص اس کو مقید کر دے گی۔

میرا خیال ہے حنابلہ نے جو استثناء کیا ہے اسے لیا جائے کیونکہ حدیث صحیح ہے اور اس کے علاوہ جو راجح قول ہے وہ ہے کہ جس پر تمام مذاھب متفق ہوں دلیل یہ ہے کہ حنابلہ کے ہاں: اگر رہن میں یہ شرط لگا دی جائے کہ مرتہن سے فائدہ اٹھایا جائے تو یہ شرط فاسد ہے اس لیے کہ مقتضی عقد کے منافی ہے اور بیع میں رہن جائز ہے اس لیے کہ رہن اور اجارہ ہے۔ کما قال الشافعیة

چھٹا مقصد: رہن میں تصرف کرنا...... رہن تصرف یا تو راہن کی جانب سے ہوگا یا مرتہن کی جانب سے۔

پہلی بات: راہن کا رہن میں تصرف کرنا سپرد کرنے سے پہلے...... حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں قبضہ سے پہلے راہن کا رہن میں تصرف کرنا مرتہن کی اجازت کے بغیر بھی نافذ ہے اس لیے کہ اس صورت میں مرتہن کا حق اس سے متعلق نہیں ہوا اور مالکیہ کے ہاں: چونکہ رہن ایجاب قبول سے لازم ہو جاتا ہے لہٰذا راہن کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ رہن مرتہن کے حوالے کرے مذکورہ بات کے باوجود وہ بھی قبضہ سے راہن کو تصرف کی اجازت دیتے ہیں اگر راہن نے عقد بیع یا قرض میں مشروط رہن کو فروخت کر دیا تو اس کی بیع نافذ ہوگی جب کہ مرتہن نے طلب رہن میں تفریط کی ہو اور اس کا دین بلا رہن رہے گا لیکن اگر اس نے طلب رہن میں تفریط نہیں کی اور خوب مطالبہ کیا تو اس میں تین قول ہیں: پہلا قول ابن الصقار کا ہے کہ مرتہن کو اختیار ہے کہ وہ بیع کو رد کر دے اور نافذ نہ ہونے دے اگر مبیع باقی ہو لیکن اگر مبیع بائع کے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کے ثمن اس کے پاس رہن ہوں تو بیع نافذ ہوگی۔

دوسرا قول...... ابن ابی زید کا ہے کہ بیع نافذ ہے اور ثمن اس کے بدلے میں رہن ہوں گے تیرا قول ابن رشد رحمہ اللہ کا ہے: بیع نافذ ہے اور دین بلا رہن رہے گا اور اس کے بدلہ میں ثمن رہن نہ ہوں گے اور اگر رہن عقد کے بعد تبرعا ہو اور راہن سے مرتہن کے قبضہ سے پہلے فروخت کر دے تو اس کی بیع نافذ ہوگی آیا اس کے ثمن رہن ہوں گے یا نہیں تو اس میں وہی اختلاف ہے جو ہبہ کی بیع میں قبضہ سے پہلے ہے۔

ب: سپرد کرنے کے بعد...... جب راہن مرہون کو سپرد کر دے تو اس کی ملکیت باقی ہے لیکن اس کے ساتھ مرتہن کے دین کا تعلق ہے تو حنفیہ کے ہاں وہ قرض (دین) کی ادائیگی تک اسے روک کر رکھ سکتا ہے اور جمہور کے ہاں وہ بیع کے لیے متعین ہے دین کے وثیقہ کے طور پر۔ دونوں رائیوں کے مطلق راہن رہن میں مرتہن کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا مجاز نہیں کیونکہ اس کا حق اس سے متعلق ہے اگر مرتہن اجازت دے دے یا وہ دین ادا کر دے یا مرتہن اسے دین سے بری کر دے تو بیع جائز ہے اور نافذ ہوگی اور ظاہر روایت کے مطابق دین ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کے ثمن رہن ہوں گے وہ اپنے حق حبس یا تعین بیع سے دستبردار ہو گیا مذاہب کی تفصیل یہ ہے۔

ا۔ حنفیہ کے ہاں...... ❶ جب راہن رہن کو مرتہن کی اجازت کے بغیر فروخت کر دے تو بیع موقوف ہے کیونکہ اس کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہے اگر مرتہن نے اجازت دے دی یا راہن نے دین ادا کر دیا یا مرتہن نے دین سے بری کر دیا تو بیع جائز ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں ثمن رہن ہوں گے اس لیے کہ بدل کے لیے مبدل والا حکم ہے۔ اور اگر مرتہن نے اجازت نہ دی اور فسخ بھی نہ کی تو اصح یہ ہے کہ بیع موقوف رہے گی اور اگر مشتری کو مرہون ہونے کا علم نہ ہو تو اسے اختیار ہوگا یا تو رہن کے چھوٹنے تک صبر کرے یا وہ معاملہ قاضی کی عدالت میں لے جائے فسخ بیع کے لیے۔

ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ...... مرتہن کا حق مرہون کی ملکیت سے متعلق ہے جب اس نے بیع کر دی تو ثمن مال مرہون کا بدل

❶ ..... البدائع ۶/۱۴۶۔

ہو گے اس سے مرتہن کا کوئی نقصان نہیں اس لیے کہ اس کا حق بیع کی وجہ سے ختم نہیں ہوا۔ اور جب راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر مکرر بیع کر دی مثلاً اسے دوسری مرتبہ فروخت کر دیا تو یہ دوسری بیع بھی مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی جس بیع کی بھی وہ اجازت دے وہ نافذ ہوگی اور دوسری باطل ہوگی۔

اور اگر دوسرا تصرف ہبہ اجارہ یا رہن ہو اور مرتہن اس تصرف کو جائز قرار دے تو پہلی بیع نافذ ہوگی نہ کہ یہ تصرفات، اس لیے کہ ان تصرفات کی اجازت اپنے حق جس کو ساقط کرنا ہے اور اس سے مفاذ بیع کا مانع ختم ہو گیا وہ نافذ ہوگی اور مرتہن کی مصلحت ثمن سے متعلق ہو جائے گی اور رہ گئے یہ تصرفات تو ان کے نفاذ سے مرتہن کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ ان سے اس کا حق تبدیل نہیں ہوگی کہ وہ چیز مرہون کے قائم مقام ہو۔ اگر راہن عاریت اجارہ ہبہ یا دین کا تصرف کرے تو اس کا یہ تصرف بھی مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگا عاریت کی صورت میں تو اس لیے کہ اگر مرتہن اسے رد کر دے تو وہ باطل ہو جائے گی اور اگر اجازت دے دے تو نافذ ہوگی اور اس کی اجازت سے عقد رہن باطل نہیں ہوگا اس لیے کہ عاریت عقد غیر لازم ہے راہن اور مرتہن میں سے ہر ایک کو اس کے نفاذ کے بعد بھی واپس کرنے کا اختیار ہے اور اس کا واپس کرنا پہلے کی طرح رہن ہی ہوگا اور اجارہ کی صورت میں اس کا اجازت دینا عقد رہن کو باطل کر دیتا ہے کیونکہ اجارہ عقد لازم ہے اگر راہن ان عقود میں سے کوئی عقد مرتہن کے ساتھ کرے تو ان ک کا حکم بھی مرتہن کی اجازت کا وہی ہے جو غیر کے لیے ہے اگر یہ مشتری ہو یا موہوب لہ ہو یا اس پر صدقہ کیا گیا ہو تو اس سے رہن باطل ہو جائے گا۔ لیکن اگر مرتہن مستعیر ہو تو رہن باطل نہیں ہوگا لیکن اس کا ضمان مرتفع ہو جائے گا عین مرہونہ سے انتفاع کی صورت میں دوران انتفاع اگر وہ ہلاک ہوگئی تو بطور امانت ہلاک ہوگی اگر انتفاع پہلے یا بعد میں ہلاک ہوتی تو رہن کے طور پر ہلاکت تصور ہوگی لیکن اگر وہ اجرت پر لینے والا ہوا گر اس نے اجرت کے لیے تجدید قبضہ کیا تو رہن باطل ہو جائے گا اور اجارہ نافذ ہوگا اس لیے کہ رہن کا قبضہ اجارہ کے قبضہ سے فروتر ہے یہ اس کے قائم مقام نہیں ہوگا اس لیے کہ رہن کا قبضہ انتفاع کے جواز کے لیے نہیں ہوتا اور اجارہ کا قبضہ انتفاع کے جواز کے لیے ہوتا ہے یہ اس سے قوی ہے لہٰذا اس کے قائم مقام نہ ہوگا جب اجارہ کے قبضہ کی تجدید ہوگی اور مقبوض ہلاک ہو گیا تو امانت کے طور پر ہلاک ہوگا تعدی اور کوتاہی کے بغیر ضامن نہ ہوگا اور تعدی میں سے یہ بھی ہے کہ مرتہن رھن کو مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد بھی مالک سے روک کر رکھے۔ ❶

مالکیہ کے ہاں..... ❷ جب راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن میں کوئی تصرف کرے مثلاً فروخت کرنا اجارہ ہبہ، صدقہ یا عاریت وغیرہ تو اس کا تصرف مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگا اور مرتہن کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو بیع کو رد کر دے یا رہن میں رجوع کرے یا بیع کو نافذ قرار دے اور صرف اجازت ہی سے رہن باطل ہو جائے گا اگرچہ راہن کوئی تصرف نہ بھی کرے اس لیے کہ اجازت رہن سے دستبرداری ہے۔

۳۔شوافع کے ہاں...... ❸ راہن کا ایسا تصرف جو اس کی ملکیت کو زائل اور ختم کر دے وہ جائز نہیں مرتہن کی اجازت کے بغیر جیسے ہبہ بیع وقف وغیرہ اس لیے کہ اگر اسے صحیح قرار دیا جائے تو وثیقہ اور سند فوت ہو جائے گی جیسا کہ راہن کے لیے صحیح نہیں مرہون کو مرتہن کے علاوہ کسی اور کے پاس رہن رکھنا اور نہ ہی مرہون کا اجارہ درست ہے اگر دین فی الفور ادا کرنا ہو یا مدت اجارہ پوری ہونے سے پہلے اس کی مدت پوری ہوتی ہو اس صورت میں تصرف باطل ہوگا اور یہ تصرفات اگر مرتہن کے ساتھ ہوں یا اس کی اجازت سے ہوں تو درست ہیں اور رہن باطل ہوگا البتہ اجارہ کی صورت میں رہن باقی رہے گا اور راہن کے ایسے تمام تصرفات درست ہیں جن سے مرتہن کا نقصان نہ ہو۔ جیسے رہائش اور سواری کرنا وغیرہ اور اس کے لیے اجارہ عاریت وغیرہ اتنی مدت تک کرنا درست ہے جو دین کی مدت سے بعد نہ ہو اس لیے کہ یہ ایسا تصرف ہے

❶ بدایۃ المجتهد ۲/ ۲۷۴۔ ❷ المهذب ۱/ ۳۰۹۔ ❸ المغنی ۴/ ۳۶۳

جو رہن کی بیع میں مرتہن کے حق کو خراب نہیں کرنا دین کی مدت پورا ہونے کی صورت میں۔

۴۔حنابلہ کے ہاں...... حکم شوافع ہی کی طرح ہے کہ اگر راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف کرے تو وہ تصرف باطل ہے اس لیے کہ یہ مرتہن کے حق کو باطل کر رہا ہے اور راہن کا تصرف بیع ہو اجارہ ہو ہبہ ہو وقف ہو یا رہن ہو جو بھی ہو اگر مرتہن نے ان تصرفات کی اجازت دے دی تو درست ہو جائیں گے اور رہن باطل ہو گا اور اجارہ کی صورت میں رہن برقرار رہے گا جیسا کہ عاریت کی صورت میں رہن باقی رہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ راہن کا مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن میں کوئی تصرف کر حنفیہ کے ہاں موقوف ہے باقی ائمہ کے ہاں باطل ہے۔

دوسری بات: مرتہن کا رہن میں تصرف کرنا...... سابقہ وضاحت میں یہ بات آگئی کے رہن میں راہن کا حق باقی ہوتا ہے اور وہ اس کی ملکیت ہے اور اس رہن کی مالیت میں مرتہن کا حق ثابت ہوتا ہے اور اسے دین کی ادائیگی کے لیے اسے روکنا جائز ہے۔اسی بناء پر مرتہن کے لیے راہن کی اجازت کے بغیر رہن میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں جیسا کہ راہن کا تصرف اس لیے کہ غیر مملوکہ چیز میں یہ تصرف ہے اور حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اس (مرتہن) کا تصرف فضولی کی طرح موقوف رہے گا اور شوافع وحنابلہ کے ہاں باطل مذاہب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔حنفیہ کے ہاں...... ❶ مرتہن کے لیے جائز نہیں کہ وہ راہن کی اجازت کے بغیر رہن میں تصرف کرے اس وجہ ہے کہ یہ تصرف غیر مملوکہ چیز میں ہے کیونکہ مرتہن کا حق صرف مرہون کو روکنا ہے۔اس کا کسی قسم کا تصرف مثلاً بیع ہبہ،صدقہ،عاریت وغیرہ پر موقوف رہے گا راہن کی اجازت پر اگر اس نے اجازت دے دی تو نافذ ہو گا ورنہ باطل لیکن اگر مرتہن نے اسے اجرت پر دیا بغیر اجازت کے تو اجرت اسی کی ہو گی اور اگر مالک کی اجازت سے ایسا کیا تو اجرت راہن کی ہوگی اور رہن باطل ہو جائے گا ❷ اور اگر مرہون دوران تصرف ہلاک ہو جائے تو اس میں تفصیل ہے (الف) اگر مرتہن نے رہن کو فروخت کیا یا ہبہ کیا یا صدقہ کیا یا عاریت کے طور پر دیا اور ان لوگوں کے پاس شی مرہون ہلاک ہو گئی تو راہن کو اختیار ہے چاہے تو مرتہن سے ضمان لے لے اس کی تعدی کی وجہ سے تو یہ ضمان اسی پر لازم ہو گا وہ کسی دوسرے سے رجوع نہیں کر سکتا اور ضمان ادا کرنے سے ظاہر ہوا کہ تصرف اس نے اپنی ملکیت میں کیا ہے یا پھر ان لوگوں کو ضامن بنائے جو تصرف کر رہے تھے اور ان میں سے کوئی ایک مرتہن پر رجوع نہیں کر سکتا اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے لیے کام کرنے والا ہے چونکہ مشتری موہوب لہ اور متصدق علیہ وغیرہ نے اپنے لیے قبضہ کیا ہے اور اپنے ضمان میں چاہے تعدی کرنے والے کو معلوم ہو یا نہ معلوم ہو دونوں صورتیں برابر ہیں اس لیے کہ آخری حالت میں اس نے ایسا اقدام کیا ہے جو ضمان کا وجوب ہے جیسا کہ مرتہن کی ملکیت میں ہو اور مستعیر نے بھی اپنے لیے مفت نفع کی خاطر قبضہ کیا ہے۔

ب...... اگر مرتہن رہن کو اجارہ پر دیا یا ودیعت رکھا یا رہن رکھا پھر وہ ہلاک ہو گیا تو راہن کو اختیار ہے چاہے تو مرتہن کو ضامن بنائے اور وہ کسی ایک پر رجوع نہیں کر سکتا اور ظاہر ہو جائے گا کہ اس نے اپنے ملک میں تصرف کیا ہے یا متصرف الیہ کو ضامن بنائے لیکن ان میں سے ہر ایک مرتہن پر رجوع کرے اس لیے کہ یہ اپنے لیے عمل نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ تو موجر،مودع اور راہن کے لیے کام کر رہے تھے عین کی حفاظت کی خاطر۔اور جب یہ سارے مرتہن کے لیے کام کر رہے تھے تو ضمان کا اس پر رجوع بھی کریں گے لیکن جب ہلاکت متصرف الیہ کی تعدی کی وجہ سے ہو تو یہی تعدی کی وجہ سے ضامن ہو گا اور اسی پر ضمان لازم ہو گا اگر راہن نے مرتہن سے ضمان لیا ہو۔

یاد رہے کہ جب راہن مرتہن یا متصرف الیہ کو ضامن بنائے تو وہ کسی دوسرے کو ضامن نہیں بنا سکتا اس لیے کہ اس کا کسی ایک کو ضامن بنانا

❶ البدائع ۶/ ۱۴۶. ❷ الدر المختار ۵/ ۳۴۲

اسے مالک بنانے کے مترادف ہے جب کوئی ایک آدمی مالک مالک بن گیا تو دوسرے کو مالک بنانا درست نہیں نیز اس کی جانب سے کسی ایک کوضامن بنانا گویا اس بات کو اقرار ہے کہ تعدی کرنے والا یہی ہے دوسرا نہیں لہٰذا اس کے بعد کسی دوسرے کو ضامن بنانا قابل قبول نہ ہوگا۔

۲۔ مالکیہ کی ہاں...... حکم حنفیہ کی طرح ہے یعنی مرتہن راہن کی اجازت کے بغیر تصرف کا مجاز نہیں اور اس کا کوئی بھی تصرف جو راہن کی اجازت کے بغیر ہو وہ راہن کی اجازت پر موقوف ہے فضولی کی طرح۔

لیکن اگر وہ راہن کی اجازت سے تصرف کرے تو اس کا تصرف نافذ ہوگا اور تصرف اگر بیع ہبہ یا اجارہ ہو لمبی مدت کا تو رہن باطل ہو جائے گا لیکن اگر اجارہ کی مدت دین کی مدت سے کم ہو تو رہن باطل نہیں ہوگا اجارہ کی مدت ختم ہونے کے بعد مرتہن اسے واپس کرے گا جیسا کہ اگر عاریت اتنی مدت کی کری جو دین کی مدت سے زیادہ ہو تو بھی رہن باطل ہو جاتا ہے یا کوئی عرف ہی نہ ہو جس کا اعتبار کیا جا سکتا ہو۔

اگر مدت عاریت دین کی مدت پوری ہونے سے پہلے پوری ہو یا مدت پوری ہوتے وقت کی شرط لگائی ہوئی ہو یا کوئی عرف پایا جاتا ہو تو اس حالت میں رہن باطل نہیں ہوگا۔

۳۔ حنابلہ اور شوافع کے ہاں...... ❶ مرتہن کے لیے جائز نہیں کہ وہ راہن کی اجازت کے بغیر رہن میں کوئی تصرف کرے کیونکہ یہ تصرف اس کی ملک میں نہیں لیکن اگر اس نے اقدام کر لیا تو اس کا یہ تصرف باطل ہوگا اور رہن باطل نہیں ہوگا اور اگر اس نے راہن کی اجازت سے تصرف کیا تو اس کا تصرف نافذ ہوگا اور اگر اس میں تملیک ہوئی تو رہن باطل ہو جائے گا ورنہ اگر اجارہ یا عاریت وغیرہ ہوئی تو رہن باطل نہیں ہوگا چاہے وہ تصرف راہن کے لیے کرے یا کسی دوسرے کے لیے اور حنابلہ کے ہاں مرہون میں تصرف کی وجہ سے لزوم رہن ختم ہو جائے گا گویا کہ اس پر قبضہ ہوا ہی نہیں اور جب مرہون مرتہن کے پاس واپس آ گیا تو جس طرح وہ پہلے رہن تھا اسی طرح رہن ہی رہے گا اور شوافع کے ہاں چونکہ یہ رہن کے قبضہ کے دوام کے قائل نہیں رہن رہن ہی رہے گا اگرچہ مرتہن کے علاوہ کسی اور کے پاس ہی کیوں نہ ہو۔

ساتواں مقصد: رہن کا ضمان...... یہاں تین امور کے متعلق بحث ہوگی پہلی چیز مرتہن کے قبضہ کی نوعیت وصفت۔ دوسری چیز حنفیہ اور جمہور کے ہاں ضمان کی کیفیت۔ تیسری چیز رہن کو ہلاک کرنا۔

پہلی چیز: مرتہن کے قبضہ کی نوعیت وصفت...... آیا اس کا قبضہ، قبضہ امانت ہے یا قبضہ ضمان؟ اس میں دو قول ہیں ایک حنفیہ کا دوسرا جمہور کا۔ ❷ حنفیہ کے ہاں ❸ عین مال مرہون کی وجہ سے مرتہن کا قبضہ قبضہ امانت ہے اور اور دین کے مقابلہ میں موجود رہن کی مالیت کے اعتبار سے مرتہن کا قبضہ قبضہ ضمان واستیفاء ہے بایں معنیٰ کہ دین میں سے جو حصہ رہن کی مالیت کے مقابل ہے اس میں تو مرتہن کا قبضہ، قبضہ ضمان واستیفاء ہے جب ہلاکت یا کسی اور وجہ سے مرتہن مرہون کو راہن کو واپس کرنے سے رکے تو گویا وہ رہن سے اتنی مقدار اپنا دین وصل کر چکا ہے اسے اس کے ضمان میں شمار کیا جائے گا اور رہن کی قیمت میں سے جو دین سے زیادہ ہے اسے امانت تصور کیا جائے گا اور وہ امانت کے طور پر ہلاک ہوگا لہٰذا اس کا ضمان تعدی اور تقصیر کی وجہ سے ہوگا ان کے دلائل احادیث ہیں الرھن بمافیہ ❹ رھن اس کے بدلے میں ہلاک ہوگا جس کی وجہ سے رکھا گیا اور جو روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنا گھوڑا رہن رکھا وہ اس کے قبضہ میں مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتہن سے فرمایا تمہارا حق چلا گیا ❺ حنفیہ نے پہلی حدیث پر عمل کیا ہے کہ جب اس کی قیمت میں اشتباہ ہو کہ کسی کو معلوم نہ ہو اس کی کیا قیمت تھی تو وہ دین کے مقابلہ میں ضامن ہوگا۔

الف۔ حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں...... ❻ مرتہن کا قبضہ قبضہ امانت ہے لہٰذا وہ تعدی اور کوتاہی کے بغیر ضامن نہ ہوگا اور رہن

❶.....الشرح الکبیر ۲۴۲/۳۔ ❷المغنی ۳۳۱/۴۔ ❸البدائع ۱۵۴/۶۔ ❹نصب رایۃ: ۳۲۱/۴۔ ❺ابو داؤد۔ ❻المغنی ۳۹۶/۴۔

کے ہلاک ہونے کی صورت میں دین سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا الا یہ کہ مالکیہ باوجود اس کے کہ مرتہن کے قبضہ کو امانت سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی تہمت کی موجودگی میں ضمان کو مستحسن سمجھتے ہیں اور تہمت پر کہ جہاں پر رہن کو چھپایا جاسکتا ہو مثلاً زیور کپڑے کتابیں اسلحہ، کشتی وغیرہ جن کا چھپانا ممکن ہو جبکہ مرہون بھی مرتہن کے پاس ہو کسی امین کے پاس نہ ہو اور وہ اس کے جلنے چوری ہونے یا تلف ہونے پر گواہ بھی قائم نہ کرے۔ *لیکن مرہون اگر ایسی چیز ہے جو چھپائی نہیں جاسکتی جیسے عقار اور حیوانات وغیرہ یا رہن کسی امین کے پاس ہو یا وہ تلف کے بعد اس بات پر گواہ* قائم کردے کہ بغیر تعدی اور غفلت کے ہلاک ہوئے ہیں تو پھر مرتہن ضامن نہ ہوگا۔ جمہور کی قبضہ امانت پر دلیل حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے رہن کو اس کے مالک سے روکا نہ جائے اسی کے لیے اس کے فوائد ہیں اور اسی پر اس کا نقصان ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہن کے نقصان کو راہن کے ذمہ رکھا ہے اور اس میں سے ہلاک ہونا بھی ہے نیز اس لیے بھی کہ جب امانت ہلاک ہو تو اس کا نقصان اسی پر ہے کیونکہ اس کے ذمہ مرتہن کا دین ادا کرنا ہے لیکن جب وہ مضمون ہلاک ہو تو پھر اس کا نقصان مرتہن پر ہے کہ اس کا حق ختم ہوجائے گا پھر یہ بات کہ رہن دین کی سند ہے لہٰذا اس کی ہلاکت سے دین کا ساقط ہونا جائز نہیں اس لیے کہ سقوط وثیقہ کے منافی ہے جیسے کہ مرہون مرتہن کے قبضہ میں راہن کی رضامندی سے آیا ہے پس اس رضا کی وجہ سے وہ امین ہے جیسے ودیع مودع کی نسبت سے۔ اور یاد رہے کہ جمہور کی رائے دلائل کے قوی ہونے کی وجہ سے اقوی ہے حنفیہ کی احادیث کے ضعف کی وجہ سے۔

دوسری چیز: مرتہن کے ضمان کی کیفیت:

حنفیہ کا مذہب..... مرہون کا ضمان اس کی قیمت اور دین میں سے جو کم ہو وہ ہے اگر قیمت دین سے کم ہو تو وہ قیمت کے اعتبار سے ضامن ہوگا اور اس قیمت کی بقدر ضمان ساقط ہوگا اور جو باقی دین بچ گیا وہ راہن سے مرتہن وصول کرے گا اور اگر دین اور رہن کی قیمت برابر ہو تو مرتہن حکماً دین وصول کرنے والا شمار ہوگا کیونکہ رہن کی قیمت اس کے ذمہ سے متعلق ہے اور اگر رہن کی قیمت دین سے زیادہ ہو تو زیادہ اضافہ مرتہن کے پاس امانت ہے اگر اس کی تعدی و کوتاہی کے بغیر ہلاک ہوا تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ہوگا۔ ❶

ضمان کی شرائط..... حنفیہ کے رہن کے ضمان کے لیے تین شرطیں لگائی ہیں۔ ❷

پہلی شرط..... دین کا باقی ہونا ضروری ہے یعنی مرہون کی ہلاکت کے وقت دین موجود ہو یا رہن کے قبضہ کے وقت اس کا وعدہ ہوا گر دین رہن کے ہلاک ہونے سے پہلے ساقط ہوگیا معافی یا ادائیگی کی صورت میں پھر رہن ہلاک ہوا تو وہ راہن پر بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگا اور مرتہن پر کسی قسم کا ضمان نہ ہوگا۔ دوسری شرط قبضہ باقی ہونا یعنی رہن مرتہن یا کسی عادل امین کے قبضہ میں ہلاک ہوا اور قبضہ کی حالت میں رہن کے حکم میں ہو اگر مرہون راہن کے قبضہ میں یا غاصب کے قبضہ میں ہلاک ہوا تو وہ رہن کے طور پر ہلاک نہ ہوگا بلکہ راہن کے ضمان یا غاصب کے ضمان میں ہلاک ہوگا۔

جب راہن نے مرتہن کو نفع اٹھانے کی اجازت دی اور دوران انتفاع وہ ہلاک ہوگیا تو بھی یہ امانت کے طور پر ہلاک ہوگا اور اس کے ہلاک ہونے سے دین میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ وہ رہن کے قبضہ کے طور پر ہلاک نہیں ہوا ہے کہ عاریت کے قبضہ کے طور پر ہلاک ہوا ہے لیکن اگر نفع اٹھانے سے پہلے یا نفع اٹھانے کے بعد وہ ہلاک ہوا تو یہ رہن کے طور پر ہلاک سمجھا جائے گا اس لیے کہ رہن کے قبضہ کے طور پر ہلاک ہوا ہے۔

اسی طرح اگر ان دونوں میں سے کسی ایک نے کسی دوسرے کی اجازت سے کسی اجنبی کو عاریت کے طور پر دیا اس کے پاس ہلاک ہوگیا

❶..... البدائع: ٦/ ١٥٥۔ ❷ ایضاً

تو عاریت کے طور پر ہلاک ہوگا اگر مرتہن نے اسے راہن کے پاس ودیعت رکھا اس کے پاس ہلاک ہوگیا تو دین میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا کیونکہ راہن کے پاس واپس آنے کی وجہ سے رہن کا قبضہ ختم ہوگیا۔

تیسری شرط..... رہن سے مقصود مرہون ہو کہ یعنی ہلاکت اضافہ یا رہن کی بڑھوتری نہ ہو جو تابع ہو کر رہن میں داخل سے مثلاً بچہ، دودھ، پھل، اون وغیرہ اور ہر وہ اضافہ جو پیدا شدہ اور منفصل ہو۔ اگر بڑھوتری اور ضافہ ہلاک ہوگیا تو امانت کے طور پر ہلاک ہوگا اس لیے کہ اضافہ وزیادتی اصل کے تابع ہو کر اس میں داخل ہو پس مرتہن کا اس پر قبضہ اصل کے تابع ہو کر ہوگا۔

شے مرہون کی قیمت کا کم ہونا..... جمہور حنفیہ کے ہاں نرخ وقیمت کی کمی ضمان رہن میں موثر نہیں اس لیے کہ دین میں سے جو کچھ ساقط ہوگا وہ رہن کے قبضہ کے وقت کی قیمت کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ ہلاکت کے وقت کی قیمت کے اعتبار سے اس لیے کہ مرتہن کا قبضہ وصولی ہے لہٰذا قبضہ کے وقت کی قیمت معتبر ہوگی اگر نرخ میں تبدیلی کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہوجائے تو اس تغیر کی وجہ سے دین میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا۔ ❶

رہن کی قیمت کا کم ہونا..... بعض کے ہلاک یا عیب دار ہونے کی وجہ سے جب رہن زیادہ ہوں ان میں سے بعض ہلاک ہوجائیں یا وہ صحیح وسالم تھے لیکن مرتہن کے پاس اگر عیب دار ہوجائیں تو دین میں سے اتنی مقدار ساقط ہوجائے گی اور باقی رہن ہوگا باقی دین کے بدلہ میں۔ لیکن اگر مرہون ربوی (سودی) مال میں سے ہو بایں طور کہ کیلی یا وزنی ہو اور اس کی جنس کے مقابلہ میں رہن ہو مثلاً سونے کے کنگن سونے کے لہروں (رپوں) کے مقابلہ میں یا چاندی چاندی کے زیور کے مقابلہ میں پھر وہ ہلاک اور ضائع ہوجائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دین میں سے اس کے مثل وزن ہلاک ہوا اگر چہ رہن اور دین عمدگی یا صنعت کے اعتبار سے مختلف بھی ہوں تو اس کی عمدگی کا اعتبار نہ ہوگا یعنی سودی مال میں اس کی جنس کے ساتھ تبادلہ کی صورت میں اس کی عمدگی وغیرہ کو نہیں دیکھا جائے گا لیکن خلاف جنس کے ساتھ رہن رکھا جیسے گندم سونے کے مقابلہ میں تو پھر یہ اس کی قیمت کے اعتبار سے ہلاک ہوگا جس طرح تمام مالوں میں ہوتا ہے۔

۲۔ جمہور کا مذہب کیفیت ضمان میں..... جمہور فقہاء کے ہاں رہن کا ضامن نہ ہوگا جب کہ تعدی اور کوتاہی کے بغیر ہلاک ہوں ❷ البتہ تعدی اور کوتاہی کی وجہ سے ضامن ہوگا اور دین میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا تلف کی وجہ سے الا یہ کہ مالکیہ کے ہاں کما تقدم مرتہن ضامن ہوگا اگر اس کے قبضہ اور حفاظت میں مرہون ہو لیکن اگر امین کے قبضہ میں ہو اور وہ چیز ایسی ہو جو چھپائی جاسکتی ہو جیسے زیور اسلحہ، کپڑے، کتابیں، اور چلتے وقت کشتی اور یہ چیزیں مرتہن کے پاس ہوں امین کے پاس نہ ہوں اور وہ ان کی ہلاکت پر گواہ بھی پیش نہ کرسکے کہ تعدی اور ظلم نہیں کیا۔ تو اس وقت قیمت کا ضامن ہوگا وہ جتنی بھی ہو اور رہن مالک تک پہنچانے تک ضمان رہے گا اسے دین کی ادائیگی یا ساقط کرنا ختم نہیں کرے گا اور مرتہن کا دین ساقط ہوجائے گا اگر رہن کے مساوی ہو اور مرہون کی قیمت لگانے کے وقت کے سلسلہ میں ان کے دو قول ہیں ایک قول ضائع ہونے کے دن کی قیمت کا اور دوسرا قول رہن کے دین کی قیمت کا۔ اور ان کے ہاں ضمان کی کیفیت پر ہے کہ دونوں آپس میں رجوع کریں گے دین کی قیمت رہن سے زیادہ ہے تو مرتہن راہن سے رجوع کرے گا اور اگر رہن کی قیمت دین سے زیادہ ہے تو راہن مرتہن پر رجوع کرے گا۔

تیسری چیز: رہن ہلاک کرنے کا حکم..... تمام مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رہن کو ہلاک کرنے کی وجہ سے ضمان واجب ہوتا ہے اور ضمان کی قیمت مرہون کے قائم مقام ہے اس پر اتفاق ہے اور فریق ثانی جس سے ضمان کا مطالبہ ہوگا اس کی تحدید اور قیمت کے وقت کی تعیین میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

---

❶ تبیین الحقائق: ۶/ ۹۱۔ ❷ المغنی: ۴/ ۳۹۶۔

حنفیہ کے ہاں...... ❶ جب راہن رہن کو ہلاک یا تلف کردے تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اگر وہ قیمتی ہو اور مثل کا ضامن ہوگا اگر مثلی ہو اور اس میں ہلاک کرنے اور تعدی کرنے کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور مرتہن خصم اور فریق مخالف ہوگا جو راہن سے ضمان کا مطالبہ کرے گا اس لیے کہ مرہون روکنے کی وجہ سے وہ حقدار ہے اور مرتہن قیمت یا مثل کو بطور رہن اپنے قبضہ میں لے لے گا کیونکہ یہ اصل مرہون کے قائم مقام ہے مدت دین پوری ہونے تک اگر دین فوری طور پر ادا کرنا ہو تو مرتہن سارا دین قیمت سے لے لے گا اور جب مرتہن رہن کو ہلاک یا تلف کرے تعدی اور کوتاہی کرے تو اگر وہ قیمتی ہے تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر مثلی ہو تو مثل کا ضامن اور اس میں قبضہ کے دن کی قیمت معتبر ہوگی اس لیے کہ مرہون قبضہ کے دن سے اس کے ضمان میں داخل ہو گیا ہے اور اگر اسے کوئی اجنبی تلف کردے تو تعدی کے دن کی قیمت کا ضامن ہوگا جیسا کہ راہن کی تعدی کی صورت میں مقرر ہے اور چاہے مرتہن تلف کرے یا اجنبی یا راہن تو ضمان (مثل یا قیمت) اصل کی جگہ پر رہن ہوگی کیونکہ اس کا بدل ہے اور اس کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے جیسا کہ اصل کے ساتھ تھا اور اجنبی یا راہن کے مطالبہ میں فریق مخالف وہ مرتہن ہوگا شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❷ رہن پر تعدی کرنے والا اس کی قیمت یا مثل کا ضامن ہوگا تعدی کے وقت اور اس کی جگہ یہ رہن ہوگا اگرچہ اس ضمان پر قبضہ نہ بھی کیا ہوا پھر بھی مرتہن دوسرے قرض خواہوں سے ممتاز ہوگا بدل رہن کی مقدار کا متعدی کے ترکہ سے۔ اور بدل رہن کے تقاضا کرنے میں خصم اور مدمقابل وہ راہن ہے چونکہ وہ مالک ہے لیکن وہ قبضہ کرے گا اصل سے جس کے قبضہ میں تھا چاہے مرتہن ہو عادل امین۔ مالکیہ کے ہاں ❸ رہن کی قیمت دی جائے گی اس کے ضمان کے بدلے میں تعدی کی وجہ سے چاہے راہن کی جانب سے ہو یا اجنبی کی جانب سے جب کہ راہن پہلے رہن کے مثل رہن پیش نہ کرے اور تعدی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا لیکن اگر رہن پر تعدی کرنے والا مرتہن ہی ہو تو وہ اس کے ضائع ہونے کے دن کی قیمت کا ضامن ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ رہن کے دن کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

آٹھواں مقصد: رہن کی بیع...... شے مرہون کی بیع میں پانچ چیزوں کے سلسلہ میں کلام ہوگا اختیاری اور جبری بیع کی ولایت جو چیز جلدی خراب ہو اس کی بیع مرتہن کی ممتاز حیثیت عدم ادائیگی دین کی صورت میں مرتہن کا مالک بننا فروخت کرنے کے بعد رہن کا استحقاق۔

پہلی بات...... شے مرہون کی بیع کی ولایت (الف) اختیاری بیع: فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرہون مرتہن کو سپرد کرنے کے باوجود راہن کی ملکیت ہے جیسا کہ سنت اس پر دلالت کرتی ہے "لایغلق الرھن من صاحبه" پس مرہون کے فروخت کرنے کی ولایت راہن کو ہے نہ کہ کسی اور کو لیکن مرتہن کا حق اس کے ساتھ متعلق ہے اور اس کے لیے حبس و روکنے کا حق بھی شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں ثابت ہے نیز اس کی مالیت کا راہن سے زیادہ حقدار ہے تو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اس کی بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے جب تک کہ اس کا حق قائم ہے جب اس کا حق ختم ہو گیا تو اس کے ختم ہوتے ہی بیع نافذ ہو جائے گی جیسا کہ رہن میں تصرف کی بحث میں وضاحت کی۔

اسی بناء پر تمام فقہاء کے ہاں راہن کو مرتہن کی اجازت سے رہن فروخت کرنے کی اجازت ہے اگر راہن فوت ہو جائے تو بیع ولایت اس کے وصی یا وارث کو ہوگی جیسا کہ اس کی زندگی میں ہے کہ بیع میں کسی دوسرے کو وکیل بنا دے مرتہن یا عادل یا کسی اجنبی وغیرہ کو وکیل بنا دے حنفیہ نے ❹ عقد رہن میں مشروط وکالت اور عقد رہن کے بعد ہونے والی وکالت میں فرق کیا ہے ان فرقوں میں سے کچھ یہ ہیں: کہ عقد رہن میں مشروط وکالت کی صورت میں وکیل موکل کے معزول کرنے راہن یا مرتہن کے مر جانے کی وجہ سے معزول نہ ہوگا اور اطلاق کے بعد قید قبول نہیں کرے گا اور اس صورت میں وکیل کو رہن فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا اگر وہ فروخت کرنے سے رک جائے کیونکہ وکالت شرائط رہن میں سے ایک شرط اور وصف بن گئی ہے۔ اس کے لازم ہونے سے لازم ہوگی برخلاف وکالت مفردہ کے ان تمام احکام میں اس لیے کہ یہ معزول کرنے یا راہن اور مرتہن میں سے کسی کے مرنے سے ختم ہو جاتی ہے کیونکہ نہ تو یہ رہن کے اوصاف میں سے ایک وصف ہے اور نہ ہی

❶ ......اللباب: ۲/ ۶۰۔ ❷مغنی المحتاج ۲/ ۱۳۶۔ المغنی ۴/ ۳۹۶۔ ❸الشرح الکبیر الدسوقی ۳/ ۲۴۴۔ ❹تبیین الحقائق: ۶/ ۸۱

اس کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے مالکیہ نے ❶ راہن کی بیع کی اجازت کی حالت میں بعض امور کو وضاحت سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں: عادل یا مرتہن کے لیے رہن فروخت کرنا جائز نہیں ہاں اگر راہن اجازت دے تو کرسکتا ہے کیونکہ بیع کی ولایت اسے حاصل ہے جب راہن نے ان میں سے کسی ایک کو بیع کی اجازت دے دی تو یہ اجازت یا تو مطلق ہوگی یا مقید اگر اس نے وقت معین میں دین ادا نہ کرنے کی قید لگائی تو ان میں سے کسی کے لیے وقت سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں بلکہ قاضی کی طرف رجوع واجب ہے تاکہ معلوم ہو دین ادا ہوا یا نہیں۔ لیکن اگر اجازت مطلق ہو اگر وہ عادل ہے تو وہ قاضی کی طرف رجوع کے بغیر بھی فروخت کرسکتا ہے اور اگر مرتہن ہے اور عقد کے بعد اجازت دی ہے تو قاضی کی طرف رجوع کے بغیر بھی فروخت کرسکتا ہے لیکن اگر دوران عقد اجازت دی ہے تو قاضی سے رجوع کے بغیر نہیں فروخت کرسکتا۔ اگر اس میں غبن اور دھوکا نہ ہو تو بیع نافذ ہوگی اگر اس نے اس کی قیمت سے کم پر فروخت کیا تو راہن مشتری سے اسے لے لے۔ اور وہ حنفیہ کی طرح کہتے ہیں کہ رہن کی بیع میں راہن اور مرتہن وکیل کو معزول نہیں کرسکتے جیسا کہ اس کے لیے اپنے آپ کو معزول کرنا جائز نہیں نیز دونوں کے اتفاق کے بغیر وہ معزول نہیں ہوسکتا۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❷ بھی اسی طرح ہے کہ بیع کی ولایت راہن کو ہے مرتہن کی جازت سے وہ یا اس کا وکیل اجازت کے بغیر فروخت نہیں کرسکتے۔ الا یہ کہ وہ ہٹ دھرمی کرے تو پھر اس کی بیع کی اجازت ختم ہوجائے گی اور راہن معاملہ قاضی کے پاس جائے گا اور وہ حکم دے گا کہ راہن کو بیع کی اجازت دو یا پھر راہن کو بری کرو ضرر دفع کرنے کے لیے ورنہ قاضی راہن کو حکم دے فروخت کر کے دین ادا کرنے کا۔

ب: جبری بیع...... یہ بات تو معلوم ہے کہ رہن دین کا وثیقہ اور سند ہے اور رہن کا ہدف اور مقصود مرہون کے ثمن سے دین حاصل کرنا ہے جب راہن مدت دین پوری ہونے پر بھی مرہون کو فروخت کر کے دین ادا نہ کرے اور ربیع راہن یا اس کے وکیل کے ذریعہ مکمل ہونی چاہیے اس بناء پر جب دین کی مدت پوری ہوجائے تو مرتہن راہن سے دین کی ادائیگی کا مطالبہ کرے اور اس نے اس کی طلب کا جواب دیا اور ادائیگی کردی تو بہت اچھا لیکن اگر اس نے ادائیگی نہ کی ٹال مٹول شروع کردی یا وہ تنگ دست ہے یا اپنے علاقہ میں موجود نہیں تو تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق قاضی اس پر فروخت کرنے کے سلسلہ میں جبر کرے گا۔ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں قاضی راہن کے وکیل پر فروخت کے سلسلہ میں جبر کرے جب کہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں وکیل پر جبر نہ کرے کیونکہ وکیل اپنی وکالت سے دستبردار بھی ہوسکتا ہے لہٰذا اس پر جبر نہ کیا جائے بلکہ اگر راہن غائب ہو یا موجود ہو اور بیع سے انکار کرے تو قاضی خود رہن کو فروخت کرنے میں جبر کرے پہلے تو قاضی موجود راہن سے مرہون کی بیع کا مطالبہ کرے اگر مان لے تو مقصود حاصل ہوگیا اور اگر انکار کرے تو مالکیہ شوافع اور حنابلہ اور صاحبین کے ہاں قاضی خود فروخت کرے اور راہن کو مجبور کرنے یا قید کرنے یا مارنے اور ڈرانے کی ضرورت نہیں۔ ❸

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں...... قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مرتہن کے دین کے بدلے میں شی مرہونہ کو راہن کی رضامندی کے بغیر فروخت کرے ہاں وہ اسے گرفتار کرے تاکہ وہ خود اسے فروخت کرے۔ ❹ اور جب مال مرہون میں دین کی جنس کا مال موجود ہو تو اس سے دین ادا کیا جائے گا اور اس وقت جبری بیع کی ضرورت نہیں اگر اخراجات کے لیے مرہون کو فروخت کرنے کی ضرورت پیش آئے تو یہ چیزیں راہن کے ذمہ ہیں کیونکہ وہ مالک ہے اور اس کے ذمہ دین ادا کرنا لازم ہے اور بیع ادائیگی نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

دوسری بات: جو چیز جلدی خراب ہونے والی ہو اس کی بیع...... یہ بات بھی پہلے معلوم ہوچکی کہ پھلوں میں سے جو چیزیں جلدی خراب ہوتی ہیں انہیں رہن رکھنا درست ہے اگر خراب ہونے سے بچنے کے لیے انہیں خشک کیا جاسکتا ہے تو انہیں خشک کرلیا جائے اور اس کے اخراجات راہن کے ذمہ ہوں گے اور اس کی رضامندی ضروری نہیں کیونکہ خشک کرنے کی حفاظت اور بقاء کے لیے ضروری ہے اور یہ

❶ الشرح الکبیر والدسوقی: ۳/ ۲۵۰۔ ❷ المغنی ۴/ ۳۶۲۔ ❸ المہذب ۱/ ۳۰۷۔ ❹ البدائع ۶/ ۴۸

چیزیں راہن کے ذمہ ہیں لیکن اگر ایسی چیزیں ہیں جو خشک نہیں ہوسکتیں تو مرتہن کے لیئے ضروری ہے کہ وہ قاضی کی اجازت سے ان چیزوں کو فوری طور پر فروخت کردے کیونکہ ان کی حفاظت کی غرض سے ان کا فروخت کرنا ضروری ہے لیکن اگر اس نے قاضی کی اجازت کے بغیر فروخت کیں تو ضامن ہوگا کیونکہ اسے اس پر ولایت حاصل نہیں اگر دین فوری ادا کرنا تھا تو پھر اس کے ثمن سے ادا کردیا جائے گا اور موجل تھا تو وقت پورا ہونے تک ثمن رہن ہوں گے اگر دین کی مدت فساد وخراب ہونے سے پہلے پوری نہ ہو بلکہ ان کے خراب ہونے کے بعد یا ساتھ پوری ہو تو بھی یہ فروخت کرے گا اور ثمن اس کی جگہ یہ رہن ہوں گے چاہے عقد رہن میں بیع کی شرط ہو یا نہ ہو ❶ شوافع نے آخری صورت میں اختلاف کیا ہے وہ یہ کہ مدت ان کے خراب ہونے کے بعد پوری ہو یا ساتھ ہی تو یہ کہتے ہیں کہ اگر رہن میں فروخت کرنے کی شرط تھی اور ثمن اس کی جگہ رکھنے تھے تو پھر تو رہن اور درست ہے اور شرط نافذ ہے اگر اس نے مطلقاً عقد کیا تو پھر دو قول ہیں اور یہی حنابلہ کے ہاں دو وجہیں ہیں ایک قول یہ ہے کہ رہن ہی صحیح نہیں یہی شوافع کے ہاں صحیح قول ہے اور حنابلہ کے ہاں اس کے برعکس اصح ہے شوافع کی دلیل یہ ہے کہ رہن کو فروخت کرنا مدت پوری ہونے سے پہلے یہ عقد رہن کا تقاضا نہیں لہٰذا جائز بھی نہیں اور اس صورت میں عقد اپنی حالت پر باقی رہے گا ان کے خراب ہونے تک تو وثیقہ ختم ہوجائے گا۔

تیسری بات: مرتہن کا امتیازی حق...... امتیازی حق کا معنی یہ ہے کہ مرتہن شے مرہون کے ثمن کا زیادہ مستحق ہے باقی قرض خواہوں کی نسبت قرض کی وصولی میں چاہے راہن زندہ ہو یا مرگیا ہو اور یہ حق مرتہن کے لیے تمام فقہاء کے ہاں ❷ ثابت ہے سوائے ظاہریہ کے اس وجہ سے کہ مال مرہون کے ساتھ اس کے مال دین کا حق متعلق ہے اور رہن دین کا وثیقہ ہے اور شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں حق حبس کے ثبوت کی وجہ سے اور مرتہن کی اجازت کے بغیر راہن کے تصرفات نہ کرنے کی وجہ سے بالاتفاق تمام فقہاء کے ہاں۔ اور اسی بناء پر جب راہن کا مال دیون ادا کرنے سے کم پڑجائے اور قرض خواہ اپنے قرضوں (دیون) کا مطالبہ کریں یا مدین پر افلاس کی وجہ سے پابندی لگ جائے اور مال قرض خواہوں کے درمیان تقسیم کیا جانے لگے تو اس وقت سب سے مقدم اور اولی مرتہن ہے مرہون کے ثمن سے اپنے حق کی وصول کے لیے یا اس کے ضمان کی قیمت ہے۔ باقی قرض خواہوں کو اعتراض کا حق نہیں وہ باقی ماندہ ثمن لے سکتے ہیں اس لیے کہ مرتہن کا حق تو عین رہن راہن کے ذمہ سے متعلق ہے یہ عینی حقدار ہے باقی قرض خواہوں کا حق صرف دائن کے ذمہ سے متعلق ہے نہ کہ عین رہن سے لہٰذا مرتہن کا حق قوی اور اقوی ہے اور ان کا حق شخصی ہے یہ اس وقت ہے کہ جب مرہون کے ثمن مرتہن کے لیے کافی ہوں اور ان سے کچھ بچ بھی جائے اور باقی جو بچا ہے اسے باقی قرض خواہوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کیا جائے گا لیکن اگر مرتہن کے دین سے کچھ باقی بچ جائے تو وہ بھی باقی تمام قرض خواہوں کے باقی دین میں برابر کا شریک ہوگا مرتہن کا دین اگر فوری ہو تو مرہون کے ثمن سے ادا کیا جائے گا اگر موجل ہو تو پھر رہن کو فروخت کردیا جائے گا اور اس کے ثمن رہن رہیں گے مدت پوری ہونے تک۔

چوتھی بات: مرتہن کا عدم ادائیگی کی صورت میں رہن رکھی ہوئی چیز کا مالک بننے کی شرط لگانا...... جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر مرتہن عقد رہن میں رکھی ہوئی چیز کے بارے میں یہ شرط لگالے کہ جب مدت پوری ہوگئی اور اس نے ادائیگی نہ کی تو شی مرہون دین کے بدلے میں اس کی ہوگی یا وہ مبیع ہوگی دین کے بدلے میں تو یہ شرط فاسد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ: رہن کا مالک اس کے مالک کے علاوہ نہیں بن سکتا یا اس کے بدلے ضبط نہیں ہوسکتا یعنی مرتہن اس کا مستحق اور مالک نہیں بن سکتا اگر وقت مقرر پر ادائیگی نہ ہو امام مالک فرماتے ہیں لایغلق الرھن کا مطلب واللہ اعلم یہ ہے کہ اسے چھڑانے سے منع نہیں کیا جاسکتا کسی چیز سے منع کرنا اور نہی منہی عنہ کے فساد کی دلیل ہے۔ اور ازہری نے کہا غلق الرھن چھڑانے کی سند ہے یعنی ضبط ہونا جب راہن نے رہن واگذار

---

❶ ... الدر المختار: ۵/ ۱۵۷۔ ❷ البدائع ۶/ ۱۵۳۔

کروالیا تو وہ مرتہن کے وثائق سے آزاد ہوگیا عبدالرزاق نے معمر سے روایت کی ہے کہ انہوں **غلق الرھن** کی تفسیر یہ کی ہے کہ اگر میں تمہیں مال نہ دے سکا تو رہن تمہارا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مرتہن رہن کا مستحق نہیں ہوتا، اگرچہ مقررہ وقت پر دین ادا نہ بھی ہوا اگر رہن ہلاک ہوگیا اور مرتہن کا حق ادا نہ ہوا تھا تو یہ راہن کے ذمہ میں ہلاک ہوگا نووی نے منہاج میں اور اس کے شراح نے لکھا ہے: اگر یہ شرط لگائی کہ مرہون وقت پورا ہونے پر مبیع ہوگا تو عقد فاسد ہوگا رہن وقت مقرر کرنے کی وجہ سے اور بیع معلق کرنے کی وجہ سے فاسد ہوگی مرہون وقت پورا ہونے سے پہلے امانت ہے کیونکہ رہن فاسد کے حکم میں ہے اور اس کے بعد مضمون ہے شراء فاسد کے طور پر۔ یہاں حنابلہ میں سے ابوخطاب اور بعض حنفیہ کا قول ہے کہ رہن اس شرط سے فاسد نہ ہوگا کیونکہ حدیث میں ضبط کی نفی ہے اصل کی نفی نہیں جو اس کی صحت کی دلیل ہے نیز اس لیے بھی کہ کبھی راہن اس شرط کے ساتھ راضی بھی ہوتا ہے تو اس کے بطلان کے ساتھ وہ بدرجہ اولی وہ راضی ہوگا۔ ابن قدامہ حنبلی نے رد کیا ہے کہ یہ رہن شرط فاسد کے ساتھ ہے لہٰذا فاسد ہوگا جیسا کہ وقت کی شرط لگانا: اور حدیث میں یہ نہیں کہ یہ ابتداء عقد سے ہے لہٰذا اس میں دلیل نہیں۔

پانچویں بات: رہن کی بیع کے بعد اس کا استحقاق: حنفیہ کے ہاں...... ❶ جب رہن کی فروخت کے بعد معلوم ہو کہ رہن تو راہن کے علاوہ کسی اور کا ہے اب یا تو مبیع استحقاق کے دعویٰ کے وقت موجود ہوگی یا ہلاک اگر موجود ہو تو مستحق چاہے تو اسے واپس لے لے کیونکہ اس کا عین مال پایا گیا اسے حق کے بغیر منع نہیں کیا جائے گا اور اس صورت میں مشتری کو اختیار ہوگا چاہے تو بائع سے رجوع کرے کیونکہ وہ عاقد ہے اور چاہے تو مرتہن سے رجوع کرے جب کہ اس نے ثمن پر قبضہ کیا ہو اس لیے کہ استحقاق کی وجہ سے بیع ختم ہوگئی اور مرتہن کا قبضہ حکمی ختم ہو جائے گا۔ اگر بائع عادل ہو تو وہ راہن پر ثمن کا رجوع کرے اگر چاہے کیونکہ وہ بیع میں اس کا وکیل ہے لہٰذا وکالت کی وجہ سے اس کی ذمہ داری ہے اور عادل نے مرتہن کو جو دیا وہ صحیح ہے لیکن شے مرہون اگر استحقاق کے وقت ہلاک ہو تو مستحق کو اختیار ہے چاہے تو راہن کو قیمت کا ضامن بنائے کیونکہ اس نے اس کے حق کو غصب کیا ہے رہن رکھ کر اور چاہے تو امین کو ضامن ٹھہرائے کیونکہ اس نے اس کے حق میں بیع و سپردگی کر کے تعدی کی ہے اور چاہے تو مشتری کو ضامن بنائے کیونکہ اس کی ملک اس کے قبضہ میں ہلاک ہوئی ہے اگر اس نے راہن کو ضامن بنایا تو بیع نافذ ہوگی اور ادائیگی درست ہے کیونکہ ضمان ادا کرنے کی وجہ سے راہن شی مضمون کا مالک ہوگیا اور یہ ملکیت تعدی کے وقت سے ہے تو ظاہر ہوا کہ اس نے اپنی ملکیت کو رہن رکھا اور اسے فروخت کرنے کا حکم دیا۔

اگر اس نے بائع کو ضامن ٹھہرایا تو بھی بیع نافذ ہوگی کیونکہ بائع ضمان ادا کرنے کی وجہ سے اس کا مالک ہوگیا تو ظاہر ہوا کہ اس نے اپنی ملک فروخت کی ہے اور اس ضمان کی وجہ سے بائع کو رجوع میں اختیار ہے چاہے تو راہن سے رجوع کرے کیونکہ یہ اس کا وکیل ہے بیع نافذ اور صحیح ہوگی اور چاہے تو مرتہن پر رجوع کرے اس کے ثمن کا قیمت کا نہیں کیونکہ ظاہر ہوا کہ اس نے ثمن بغیر حق کے لیے ہمیں کیونکہ ضمان کی ادائیگی کی وجہ سے عین اس کی ملک میں آ گئی اور اس ملکیت کی وجہ سے اس کی بیع نافذ ہے اور ثمن اس کے ہوئے اور اس نے راہن کے حساب سے ادا کیے تھے، نہ کہ اس کے لیے لہٰذا اس سبب سے یہ اس سے رجوع کر سکتا ہے ادائیگی باطل ہو جائے گی اور مرتہن راہن پر رجوع کرے گا۔ اگر اس نے مشتری کو ضامن ٹھہرایا تو وہ بائع (عدل) سے رجوع کرے کیونکہ وہ اس کو فروخت کرنے والا ہے پھر بائع راہن پر رجوع کرے کیونکہ ذمہ داری اسی کی ہے اور اس سے ادائیگی درست ہے اگر مرتہن تک پہنچ جائے۔

نواں مقصد: مرہون کو سپرد کرنا...... شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں جیسا کہ وضاحت ہوگئی کہ مرتہن کو دین کی وصولی تک مرہون کو روکے رکھنے کا حق ہے تاکہ قرض دار قرض ادا کرنے پر مجبور ہو اور مرہون کو واپس لے لے اس کی ضرورت اور اس سے انتفاع حاصل کرنے کی

---

❶ ...... تکملۃ فتح القدیر: ۸/۲۲۳۔

غرض سے اور اسی طرح مرتہن کو یہ بھی حق ہے کہ وہ دین کی مدت پوری ہونے پر دین کا مطالبہ کرے رہن بھی اس کے قبضہ میں ہو ❶ اور مرتہن کے ذمہ مرہون مالک اور راہن کے سپرد کرنا ہے یا تو دین ختم ہونے پر یا پھر عقد رہن ختم ہونے پر ان چند اسباب میں سے کسی سے ختم ہوگا جیسے دین سے بری کرنا ہبہ کرنا دین ادا کرنا یا دین کے بدلہ راہن سے کچھ خریدنا یا راہن کا مرتہن کو حوالہ کرنا وغیرہ۔ اس کے بعد بھی اگر مرہون مرتہن کے قبضہ میں رہا تو شوافع اور حنابلہ ❷ کے ہاں ودیعت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اگر دین ابراء یا ہبہ سے ختم ہوا تو ودیعت باقی رہے گا اگر ان کے علاوہ ہو جیسے ادائیگی یا اس کے بدلے راہن سے کچھ سامان لے لیا یا حوالہ کیا تو پھر استحساناً مرہون مضمون ہوگا جیسا کہ پہلے تھا اگر ہلاک ہوگیا تو قیمت یا دین میں سے جو کم ہوگا اس سے ہلاک ہوگا۔ اور دونوں صورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ دین ابراء اور ہبہ کی وجہ سے مدین سے انتہائی اعتبار سے ختم ہوتا ہے اور رہن کا ضمان ختم ہو جاتا ہے اور رہ گیا ادائیگی کی صورت میں تو ساقط نہیں ہوتا بلکہ دائن کے ذمہ اس کا مثل ثابت ہوتا ہے جو دائن کو اس کے مطالبہ سے روکتا ہے اور دونوں دائنوں میں مقاصات ہو جاتا ہے جب دین مدین کے ذمہ موجود ہے تو ضمان بھی قائم رہتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں اگر رہن ایسا ہو جو چھپایا جا سکتا ہے جیسے زیور، کتابیں، کپڑے، اسلحہ وغیرہ تو مرتہن پر لازم ہے کہ وہ دین ختم ہونے کی صورت میں اسے واپس لوٹائے ورنہ وہ ضامن ہوگا اس لیے کہ ادائیگی دین کے بعد رہن ودیعت نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو ایسا عقد ہے جو مودع کی منفعت سے مکمل ہوتا ہے اور عقد رہن عاقدین کی منفعت سے مکمل ہوتا ہے جب راہن دین کی ادائیگی کے بعد مرتہن سے مرہون کو طلب کرے تو وہ امانت ہوتا ہے۔ عقد رہن کا ختم ہونا یا اس کی انتہاء چند اسباب کے ذریعہ ہوتا ہے مثلاً بری کر دینا ہبہ کرنا ادا کرنا یا دین کے ساقط ہونے سے پہلے فسخ کرنا وغیرہ اور کبھی اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب عقد رہن کے وقت معلوم ہو کہ دین ہے ہی نہیں میں یہ اسباب بیان کروں گا جب مال مرہون عاقد رہن ختم ہونے سے راہن کی طرف واپس کیا جائے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس حالت میں رہن کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ لیکن مرتہن کے پاس جب مرہون ہو چکا ہے اس کے پاس دین ہو یا ختم ہوگیا ہو یا ظاہر ہو کے کوئی دین نہیں یا دونوں تصدیق کر دیں کہ کوئی دین نہیں تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں یہ امانت ہے مالکیہ کے ہاں بھی اسی طرح امانت ہے۔ حنفیہ کے ہاں تصادق کی حالت میں اگر رہن کے ہلاک ہونے کے بعد ہو تو مرتہن پر ضمان ہے۔ لیکن اگر تصادق رہن کی موجودگی میں ہو پھر ہلاک ہو تو اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے بعض کے ہاں رہن ختم ہوگیا اور مال مرہون مرتہن کے پاس امانت ہے اور بعض کے ہاں ضمان باقی ہے۔ پہلی رائے ارجح ہے۔

تصادق کے علاوہ کے حالات میں وہی ہے جو انتہاء دین کے سلسلہ میں بیان کیا۔

مرہون کی سپردگی کب مکمل ہوگی؟ پہلے راہن دین ادا کرے پھر مرتہن مرہون سپرد کرے جیسے بیع میں مبیع اور ثمن میں ہوتا ہے کہ پہلے ثمن ادا کیے جاتے ہیں پھر مبیع سپرد کی جاتی ہے اس لیے کہ مرتہن کا حق دین کی ادائیگی کی وجہ سے متعین ہوگیا اور راہن کا حق سپردگی مرہون میں متعین ہوگیا تو اس ترتیب پر سپردگی مکمل ہوگی راہن اور مرتہن میں برابری کی غرض سے۔ جب راہن بعض دین سپرد کرے تو تمام مذاہب کے ہاں مرہون سارے کا سارا باقی دین کے بدلہ میں رہے گا اس لیے کہ سارا رہن دین کا وثیقہ ہے اور یہ سارے حق کے بدلے میں محبوس ہے اور وہ دین جو موجب رہن ہے وہ جزو جزو نہیں ہوتا لہٰذا یہ دین کے تمام اجزاء کے بدلے میں محبوس ہے اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں چھوٹے گی جب تک سارا دین ادا نہ کر دیا جائے چاہے رہن تقسیم ہو سکتا ہو یا نہ ہو سکتا ہو۔

مرہون سپرد کرنے کی جگہ..... حنفیہ کے ہاں رہن کا بوجھ اور اس میں مشقت ہوگی یا نہیں (الف) اگر رہن کا بوجھ وغیرہ ہو اور مرتہن اس شہر میں دین طلب کرے جس میں عقد مکمل نہیں ہوا تو وہ اس کا دین ادا کر دے اور اس سے رہن کا حاضر کروانا ضروری نہیں اس لیے کہ اس پر خرچہ ہوگا اس پر صرف تخلیہ واجب ہوگا نہ کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا کیونکہ اس سے اس کو نقصان ہوگا اور اس کا التزام اس نے عقد میں

❶..... تکملہ فتح القدیر ۸/۱۹۸۔ ❷ المغنی: ۴/۳۹۷۔

نہیں کیا۔

ب: اگر رہن میں بوجھ وغیرہ نہ ہو؟ ... تو مرتہن کو رہن حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا اس لیے کہ سپرد کرنے کے حق میں تمام جگہیں ایک مکان کی طرح ہیں اور اسی وجہ سے رہن میں ادائیگی کے مکان کی شرط کا بیان کرنا ضروری نہیں اور یہ عقد سلم کی طرح ہے۔ اور یاد رہے کہ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جب مرتہن دین کا مطالبہ اسی شہر میں کرے جس میں عقد مکمل ہوا تھا تو مرتہن کو رہن حاضر کرنے پر محتاج ہوگا چاہے رہن کا بوجھ ہو یا نہ لیکن ابن عابد بن رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تعاقب کیا ہے کہ اس میں نظر ہے کیونکہ مرتہن پر واجب صرف تخلیہ ہے نہ کہ منتقل کرنا اور یہ مؤلفین کے کلام سے متبادر ہے اور یہ بزازیہ میں جو ہے اس کے خلاف ہے: اگر حاضر کرنے میں اسے کوئی مشقت نہ ہو تو اسے حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا لیکن اگر اس سے کوئی مشقت ہو تو وہ کسی دوسری جگہ ہو تو اسے حکم نہیں دیا جائے گا۔

رہن فاسد کے احکام ...... رہن صحیح کے احکام کے سلسلہ میں ہم جان چکے کہ وہ مرتہن کا زمین کے ساتھ خاص ہونا ہے دوسرے قرض خواہوں کے مقابلہ میں اور حنفیہ کے ہاں اسے روکنے کا اور اس کے ضمان کا حق ہے۔ اور ائمہ مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رہن غیر صحیح یا تو باطل ہے یا فاسد اور مرہون کی موجودگی میں اس کے لیے کوئی حکم نہیں مرتہن کے لیے روکنے کا حق ثابت نہیں اور راہن اس سے مرہون کو واپس لے لے اگر وہ روکے اور وہ ہلاک ہو جائے تو وہ غاصب ہوگا اگر وہ مثلی ہے تو اس کے مثلی کا ضامن ہے اگر وہ قیمی ہے تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اگر مرہون مرتہن کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے غیر صحیح عقد کی صورت میں۔ مثلاً مشاع کا رہن حنفیہ کے ہاں، تو ان کے ہاں وہ رہن کے طور پر ہلاک ہوگا یعنی اس کی قیمت اور دین میں سے جو کم ہے یہی اصح رائے ہے اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ امانت کے طور پر ہلاک ہوگا اس لیے کہ رہن جب صحیح نہیں تو قبضہ قبضہ امانت ہے اس لیے کہ اس نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے لہٰذا یہ ودیعت کے قبضہ کے مشابہ ہے۔

اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے قرض خواہ ہوں تو رہن فاسد کا مرتہن اس کا زیادہ حقدار ہے جیسا کہ رہن صحیح میں مالکیہ بھی حنفیہ کے طرح ہیں جب مرتہن عقد فاسد کے طور پر رہن پر قبضہ کرے تو مرتہن اس کا زیادہ حقدار ہے جب مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے عقد فاسد کے طور پر تو اس کی ہلاکت کا حکم رہن صحیح میں ہلاکت کے حکم کی طرح ہے۔

رہ گیا روکنے کا حق تو وہ مرتہن کے لیے ثابت ہے اس کے اختیار کی وجہ سے لیکن اس عقد فاسد کی بناء پر اسے مرہون کے مطالبہ کا حق نہیں۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: ضمان ہونے یا نہ ہونے میں عقود فاسدہ کا حکم عقود صحیح کی طرح ہے اس لیے کہ عقد صحیح اگر سپردگی بعد ضمان کا تقاضا کرتا ہے جیسے بیع عاریت تو جو فاسد ہے وہ بدرجہ اولیٰ کیونکہ عقد صحیح میں مبیع مضمون ہے اور بیع فاسد میں مقبوض بھی اگر عقد صحیح ضمان نہ ہونے کا تقاضا کرے جیسے رہن ہبہ بلاعوض اور مشاجرہ عین تو فاسد بھی اسی طرح۔ اسی بناء پر جب رہن فاسد ہو جائے جیسے حرام مرہون یا مجہول معدوم یا وہ جس کی ادائیگی پر قدرت نہ ہو یا غیر معین اور مرتہن اس پر قبضہ کر لے تو اگر اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ رہن صحیح مضمون نہیں فاسد بھی اسی طرح ہے۔

چوتھی بحث: رہن کی بڑھوتری اور اضافہ وغیرہ ...... رہن مرہون کی بڑھوتری کو شامل ہوتا ہے اور دین مرہون اور اس کے زوائد سے متعلق ہوتا ہے فقہاء کے ہاں اس تفصیل کے مطابق جو ان کے ہاں ہے۔ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ بڑھوتری اور اضافہ راہن کی ملکیت ہے کیونکہ وہ اصل کا مالک ہے اور یہ اس کی ملکیت کی بڑھوتری ہے۔

ا۔ حنفیہ کے ہاں ...... ❶ رہن کے ساتھ ہی شامل ہے ہر وہ زیادتی واضافہ جو اصل میں پیدا ہو متصل ہو جیسے پھل دودھ اون وغیرہ اور

---

❶ اللباب ۲: ۶۲

وہ اضافہ جو اس سے منفصل ہو جیسے بچہ وغیرہ یہ سب چیزیں اصل کے ساتھ رہن ہیں کیونکہ اس کے تابع ہیں اور رہن حق لازم ہے اس کی طرف سرایت کرے گا اور وہ اضافہ جو رہن سے پیدا شدہ نہیں وہ داخل نہیں جیسے اجرت زمین کا غلۃ وغیرہ یہ اصل کے ساتھ رہن نہیں یہ صرف راہن کے ہیں ان کے ساتھ دین متعلق نہیں ہوگا کیونکہ یہ مالک اور مرتہن کے عقد کا نتیجہ ہے مال سے پیدا شدہ نہیں لہٰذا عقد سے جو اس کا مستحق ہے خالص اسی کا ہوگا۔ یہی مالکیہ اور شوافع کا بھی مذہب ہے۔

۲۔ مالکیہ کے ہاں...... ❶ رہن میں ہر وہ اضافہ داخل رہے جو اس سے پیدا شدہ اور متصل ہو جیسے موٹا ہونا خوبصورت ہونا یا متصل ہو لیکن تناسل کے سلسلہ سے ہو جیسے بچہ وغیرہ اور درختوں کی شاخیں وغیرہ کیونکہ یہ جانوروں کے بچوں کی طرح ہیں اور اس طرح کی وہ چیزیں جو رہن سے متصل ہیں اور اس کی تخلیق اور صورت سے ملتی جلتی ہیں، اسی طرح بکری وغیرہ کی اون وغیرہ بھی رہن میں داخل ہے اگر وہ عقد رہن کے وقت اس کی پیٹھ پر ہو ورنہ نہیں، رہ گئی وہ چیزیں جو مرہون سے تخلیق اور صورت کے اعتبار سے نہیں ملتیں تو وہ رہن میں داخل نہیں چاہے اس سے پیدا شدہ ہوں جیسے درخت کے پھل کھجور میں دودھ وغیرہ یا اس سے پیدا شدہ نہ ہوں جیسے گھروں کا کرایا اور تمام منافع۔

۳۔ شوافع کے ہاں...... جو اضافہ متصل ہے وہ رہن میں داخل ہے جیسے موٹا ہونا بڑا ہونا خوبصورتی پھلوں کی نشوونما دوغیرہ کیونکہ یہ اصل کے تابع ہیں ان سے ان کو ممتاز نہیں کیا جا سکتا اور علیحدہ کا اضافہ اور ممتاز نہ ہونے والی نمو اور بڑھوتری رہن میں داخل نہیں جیسے درختوں کے پھل، اون، بال، دودھ، انڈے، گھر کی اجرت۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ حدیث کی وجہ سے کہ راہن سے رہن کو ضبط نہ کیا جائے اس کے لیے اس کا فائدہ ہے اور اسی پر اس کا نقصان ہے۔ اور بڑھوتری فائدہ غنم میں سے ہے لہٰذا واجب ہے کہ اسی کا ہو نیز رہن ایک عقد ہے اس سے مرہون کی ذات سے ملکیت زائل نہیں ہوتی لہٰذا متمیز نما. کی طرف سرایت نہیں ہوگی اجارہ کی طرح۔

۴۔ حنابلہ کے ہاں...... رہن کی ہر طرح کی بڑھوتری چاہے اس سے متصل ہو یا منفصل اس سے پیدا شدہ ہو یا نہ پیدا شدہ ہو اس کا غلبہ ہو یا کچھ اور سب کچھ مرتہن کے قبضہ میں رہن ہوگا یا اس کی نائب کے پاس اور انہیں اصل کے ساتھ فروخت کیا جائے گا اگر ضرورت پیش آئے تو دین کی ادائیگی میں اس لیے کہ مال مرہون کے ساتھ دین کا تعلق عقد کی وجہ سے ثابت ہے لہٰذا اس میں اس کے منافع داخل ہوں گے جیسے بیع میں ہوتا ہے نیز اس لیے بھی کہ علیحدہ بڑھوتری بھی عین مرہونہ سے پیدا ہوتی ہے اس کا حکم بھی متصل کی طرح ہے۔

خلاصہ یہ کہ حنابلہ کی مذہب میں وسعت ہے وہ ہر طرح کے اضافہ کو مطلقا رہن میں داخل کرتے ہیں پھر ان کے قریب حنیفہ کا مذہب ہے اور ان کے قریب مالکیہ کا مذہب ہے پھر ان کے قریب شوافع کا مذہب۔

پانچویں بحث: رہن میں اضافہ کرنا یا دین میں اضافہ کرنا...... رہن میں اضافہ بایں طور کہ راہن شیء مرہون کے ساتھ کوئی اور چیز رکھ دے دین کے بدلے میں مثلاً وہ کسی شخص سے سو روپے ادھار لے اس کے بدلہ میں کپڑے رہن رکھے پھر ان کے ساتھ اور کپڑے یا کوئی کتاب اور دے دے یا کہ وہ پہلے کے ساتھ سو کے بدلے میں رہن ہو تو یہ جمہور کے ہاں جائز ہے کیونکہ اس سے اعتماد اور وثیقہ میں اضافہ ہوتا ہے جو رہن کی غرض ہے۔

امام زفر رحمہ اللہ کے ہاں جائز نہیں کیونکہ یہ دین کے شیوع کی طرف لے جانی والی چیز ہے اس لیے کہ رہن ثانی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مقابلہ میں دین کا کچھ حصہ ہو وہ پہلے رہن میں سے اس کے بقدر نکل جائے گا اور وہ شائع ہے اور شیوع مفسد رہن ہے ان پر رد کیا گیا ہے کہ دین میں شیوع رہن سے مانع نہیں اور دین کو اصل اور اضافہ پر تقسیم کیا جائے گا قبضہ کے دن کی قیمت کی اعتبار سے رہ گیا دین میں اضافہ وہ اس طور پر کہ راہن مرتہن سے قرض لے اسی رہن پر مثلاً اس نے اس سے ایک ہزار ادھار لیا اور اس کے بدلے ایک قالین رہن رکھی پھر اس

❶ ...... بدایۃ المجتہد: ۲/ ۲۷۲

سے ایک بار اور قرض لیا اس طور پہ کہ وہی قالین دونوں کے بدلے میں رہن ہوئی تو اس میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔

الف... امام ابوحنیفہ امام محمد حنابلہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جدید قول کے مطابق دین میں زیادتی و اضافہ جائز نہیں اس لیے کہ یہ دوسرے رہن کا تقاضا کرتا ہے یا پہلے مرہون کے رہن کا اور مرہون کا رہن جائز نہیں کیونکہ پہلا دین اس کے ساتھ کامل طور پر متعلق ہے۔

ب... امام مالک امام ابویوسف ابوثور، مزنی اور ابن المنذر کے ہاں: اضافہ جائز ہے اس لیے کہ اگر وہ رہن میں اضافہ کرے تو جائز ہے تو اسی طرح اگر دین میں اضافہ کیا کیونکہ دین میں اضافہ عقد رہن کو فسخ کرنے والا ہے جو پہلے تھا اور تیار رہن دونوں دینوں کے بدلے میں ہو تو یہ اتفاقاً جائز ہے۔ ❶

چھٹی بحث: انتہاء عقد رہن..... عقد رہن مختلف حالات کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے جیسے ابراء، ہبہ دین ادا کرنا وغیرہ اور وہ صورتیں یہ ہیں:

۱..... مرہون کو مالک کے سپرد کرنا شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں اس سے رہن ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دین کا وثیقہ ہے جب اس نے مرہون سپرد کر دیا تو وثیقہ باقی شمار نہیں ہوگا رہن ختم ہو جائے گا جیسا کہ جمہور کے ہاں راہن کی اجازت سے مرتہن عاریت پر دے دے تو ختم ہو جاتا ہے۔

۲... سارا رہن ادا کرنا جب راہن سارا دین ادا کر دے تو رہن ختم ہو جاتا ہے۔

۳۔ جبری بیع...... جو راہن کی جانب سے قاضی کے حکم سے ہوئی ہو یا راہن کے انکار کی صورت میں قاضی نے خود کی ہو جب ایسا ہو گیا تو رہن ختم۔

رہ گئی اختیاری بیع جو مرتہن کی اجازت سے بائع کرے اگر دین کی مدت پوری ہونے کے بعد ہوئی ہو تو اس کے ثمن کے ساتھ اس کا حق متعلق ہوگا اور اگر مدت پوری ہونے سے پہلے ہوئی ہو تو بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ثمن کے ساتھ حق متعلق ہوگا اور وہ رہن ہو جائیں گے کیونکہ راہن نے مرتہن کی اجازت سے فروخت کی ہے لہٰذا اس میں اس کا حق ثابت ہونا واجب ہے شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں: اس صورت میں رہن باطل ہو جائے گا اور راہن پر اس کا عوض لازم نہیں آتا اور دین بلا رہن رہے گا۔

۴..... دین سے بری کر دینا جس طرح بھی ہو: چاہے حوالہ کے طور پر ہو یا مرتہن کوئی دوسرا عین اس کے عوض لے لے۔

۵... مرتہن کی جانب سے رہن فسخ کرنا اگر چہ راہن قبول نہ بھی کرے کیونکہ حق اس کا ہے اور رہن جائز ہے ہر لازم حق ہے اور راہن کی جانب سے فسخ کی صورت میں ختم نہیں ہوتا کیونکہ اس کی جانب سے لازم ہے۔

حنفیہ کے ہاں رہن فسخ کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ مرتہن الفاظ کے ذریعہ یا مال مرہون کو راہن کو واپس کرے تو فسخ ہوگا کیونکہ رہن قبضہ سے لازم ہوتا ہے اس فسخ بھی قبضہ سے مکمل ہوگا مال واپس کرے۔

مالکیہ کے ہاں رہن باطل ہو جاتا ہے راہن کے قبضہ میں چھوڑنے سے یہاں تک کہ راہن اسے فروخت کر دے اس طور پر چھوڑنا ایسے ہی ہے جیسے مرتہن سپرد کرنا لہٰذا یہ فسخ کے معنی میں ہے اسی طرح ان کے ہاں رہن مرتہن کی اجرت بیع سے بھی ختم ہو جاتا ہے اور دین بلا رہن رہ جائے گا۔

۶...... مالکیہ کے ہاں قبضہ سے پہلے رہن کے مرجانے یا مفلس ہونے سے بھی رہن باطل ہو جاتا ہے یا قرض خواہ اداء دین کا مطالبہ

---

❶ اللباب ۲/ ۶۲

شروع کردیں۔ یا حاکم کے پاس معاملہ لے جائیں اور وہ راہن پر پابندی لگادے یا اس کے مرض اور جنون کی وجہ سے جن میں وہ مرجائے کیونکہ ان کے ہاں صرف ایجاب وقبول سے رہن لازم ہے۔

اور حنفیہ کے ہاں راہن یا مرتہن اگر سپردگی سے پہلے مرجائے تو رہن باطل ہوجاتا ہے اور راہن کے مفلس ہونے سے باطل نہیں ہوتا جبکہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں راہن یا مرتہن کے سپردگی سے پہلے مرجانے سے رہن باطل نہیں ہوتا اور ان میں سے کسی ایک کے مجنون ہونے سے اور نہ ہی راہن کے مفلس ہونے سے اور قبضہ کے بعد کسی کے مرنے سے بالاتفاق رہن باطل نہیں ہوتا۔

۷۔**مرہون کا ہلاک ہونا**...... جمہور علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ عقد رہن مال مرہون کے ہلاک ہونے سے ختم ہوجاتا ہے جمہور کے ہاں بھی جو مرہون کو امانت سمجھتے ہیں اور مرتہن کو تعدی اور کوتاہی کے بغیر ضامن قرار نہیں دیتے اور حنفیہ کے ہاں بھی جو اس کے ضمان کے قائل ہیں کیونکہ محل عقد ختم ہوگیا۔

۸۔مرہون میں کوئی تصرف مثلاً اجارہ، ہبہ، صدقہ کرنا۔ جب راہن یا مرتہن دوسرے کی اجازت سے رہن کو اجارہ پر یا ہبہ یا صدقہ یا کسی اجنبی کو فروخت کردیں تو رہن ختم ہوجاتا ہے جیسے مرتہن تجدید قبضہ کے اجارہ کرے تو ختم ہوجاتا ہے۔

اور مرتہن کو فروخت کرنے سے حنفیہ کے ہاں رہن ختم نہیں ہوتا کیونکہ مال مرہون کا خلیفہ یعنی ثمن موجود ہیں لہٰذا ثمن اصل کے قائم مقام ہے۔ کما تبین فی بحث التفرق۔

ساتویں بحث: راہن اور مرتہن کا اختلاف...... اس بحث کا تعلق قاضی وغیرہ کے ساتھ ہے جو راہن اور مرتہن کے اختلاف یا رہن اور مرہون کے اختلاف میں فیصلہ کرے گا۔

الف...... جب راہن اور مرتہن میں دین کی مقدار میں اختلاف ہوجائے راہن کہے میں نے تمہارے پاس اپنا سامان ایک ہزار کے بدلے میں رہن رکھا ہے اور مرتہن کہے نہیں بلکہ دو ہزار کے بدلے میں رکھا ہے تو جمہور (حنفیہ، شوافع اور حنابلہ) کے ہاں راہن کی بات معتبر ہوگی قسم کے ساتھ کیونکہ یہ اس اضافہ کا منکر ہے جس کا مرتہن دعویٰ کررہا ہے اور بات منکر کی معتبر ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اگر لوگوں کو ان کے دعوؤں کے مطابق حق دیا جائے تو پھر لوگ دوسروں کے مالوں اور جانوں کا دعویٰ کرنا شروع کردیں گے لیکن قسم مدعیٰ علیہ پر ہے [1] اور یہاں راہن مدعیٰ علیہ ہے اور مرتہن مدعی تو واجب ہے کہ قسم راہن پر ہو ظاہر حدیث مشہورہ کی وجہ سے۔

مالکیہ کے ہاں...... بات مرتہن کی معتبر ہوگی الا یہ کہ جو رہن کی قیمت سے زائد ہے اس میں راہن کی بات معتبر ہوگی کیونکہ مرتہن اگرچہ مدعی ہے لیکن اسے یہاں شبہ ہے یمین نے اپنی جگہ سے منتقل ہونے پر وہ یہ کہ رہن اس کا گواہ ہے کہ وہ مرہون سے زیادہ ہوتا ہے اور مالک کے اصول میں سے ہے شبہ کے اعتبار سے جو زیادہ قوی ہے وہ قسم اٹھائے اور جمہور کے ہاں یہ لازم نہیں اس لیے کہ کبھی راہن کوئی چیز رہن رکھتا ہے اور اس کی قیمت دین سے زیادہ نہیں ہوتی۔

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب دونوں رہن کی مقدار میں اختلاف کریں راہن کہے: میں نے یہ چیز رہن رکھی ہے اور مرتہن کہے نہیں بلکہ دوسری چیز رکھی ہے تو یہاں راہن کی بات معتبر ہوگی کیونکہ وہ منکر ہے۔

ب...... جب دونوں کا اختلاف ہوجائے عین مرہونہ کے تلف اور ضائع ہونے میں مرتہن کہے ہلاک ہوگیا اور کوئی وجہ نہ بیان کرے تو تمام ائمہ کے ہاں مرتہن کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اسی طرح اگر ہلاکت کے بعد مقدار مرہون میں اختلاف ہوجائے تو بھی مرتہن کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ ضامن ہے اگر دونوں کا اختلاف ہوجائے رہن کے دن کی قیمت میں یا اصل رہن میں کہ آیا وہ موجود ہے یا نہیں تو راہن کی بات

---

[1] رواہ مسلم والبخاری۔

معتبر ہوگی قسم کے ساتھ۔

ج.....اگر دونوں کا اختلاف ہو مرہون کے قبضہ کے سلسلہ میں آیا قبضہ ہوا یا نہیں تو حنفیہ اور شوافع کے ہاں راہن کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی چاہے مرہون راہن کے قبضہ میں ہو یا مرتہن کے کیونکہ اصل رہن کا نہ الزم ہونا اور نہ قبضہ ہونا۔حنابلہ کے ہاں قبضہ میں اختلاف کی صورت میں جس کا فی الحال قبضہ ہے اس کی بات معتبر ہوگی اگر راہن کے قبضہ میں ہے تو اس کی بات کیونکہ اصل قبضہ نہ ہونا ہے اگر مرتہن کے قبضہ میں ہے تو اس کا قول کیونکہ ظاہر اس کا قبضہ حق کی وجہ سے ہے۔اگر دونوں کا اختلاف قبضہ کی اجازت میں ہو جائے راہن کہے تم نے شیء مرہون کو میری اجازت کے بغیر لیا ہے تو لازم نہیں اور مرتہن کہے بلکہ میں نے تمہاری اجازت سے لیا ہے اور اس وقت مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہے تو راہن کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی کیونکہ وہ منکر ہے۔

د.....اگر رہن کی ہلاکت کے وقت میں اختلاف ہو، مرتہن کہے دوران عمل ہلاک ہوا اور راہن کہے دوران عمل ہلاک نہیں ہوا تو حنفیہ کے ہاں مرتہن کا قول معتبر ہے کیونکہ وہ منکر ہے اور گواہ راہن کے ذمہ ہیں۔ ❶

ہ.....حنفیہ کے ہاں اگر مرہون کی نوع میں اختلاف ہو جائے راہن کہے یہ رہن نہیں اور چیز ہے اور مرتہن کہے نہیں بلکہ یہی ہے جو تم نے رہن رکھا ہے تو اس صورت میں مرتہن کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اس نے قبضہ کیا ہوا ہے۔اگر مرہون مبیع کے ثمن میں اختلاف ہو جائے یا اس کی ثمن مثل یا کسی اور ثمن کے ساتھ بیع میں اختلاف ہو جائے تو بھی مرتہن کا قول معتبر ہوگا کیونکہ مبیع ہونے کی وجہ سے مرہون رہن ہونے سے نکل گیا اور ضمان ثمن کی طرف لوٹ آیا راہن زیادہ ضمان کا دعویٰ کر رہا ہے مرتہن اس کا منکر ہے تو اسی کی بات معتبر ہوگی۔

و..... مالکیہ کے ہاں اگر راہن اور مرتہن رہن رکھنے کی کیفیت میں اختلاف کریں راہن نے اسے امین کے پاس رکھا تھا اور مرتہن کہے نہیں میرے پاس رکھا تھا، یا اس کے برعکس تو اسی کا قول معتبر ہوگا جو امین کے پاس رکھنے کا دعویدار ہے اور وہ راہن ہے۔

تیرہویں فصل......صلح

خاکہ موضوع	......	بعد صلح کے متعلق درج ذیل مباحث میں گفتگو کی جائے گی۔
پہلی بحث	......	صلح کی تعریف، صلح کی مشروعیت، انواع اور رکن صلح
دوسری بحث	......	شرائط صلح
تیسری بحث	......	حکم صلح
چوتھی بحث	......	وہ امور جو عقد صلح کو باطل کر دیتے ہیں بعد از بطلان عقد صلح کا حکم۔

پہلی بحث: صلح کی تعریف، صلح کی مشروعیت، انواع اور رکن صلح

صلح کی تعریف......صلح کا لغوی معنی نزاع ختم کرنا۔

شرعی تعریف......عقد وضع لرفع المنا زعة یعنی وہ عقد ہے جو نزع (جھگڑے) کو ختم کرنے کے لیے وجود میں لایا گیا ہو بالفاظ دیگر حنابلہ کے نزدیک اس کی تعریف یوں بھی ہے:"معاقدة يتوصل بها الى الاصلاح بين المختلفين" ایک معاملہ جو دو اختلاف کرنے والوں کے درمیان گٹھ جوڑ تک پہنچا دے عقد صلح کا وقوع غالب احوال میں غرض حاصل کرنے کے لیے بطور مدارات اس شے

❶......تکملہ فتح القدیر ۷/۲۳ تبیین الحقائق الزیلعی ۵/۹۲ الدرالمختار ۴/۳۹۴ مغنی المحتاج ۲/۱۷۷ حاشیہ الجبری علی الخصب ۲/۷۰

کے کم از کم حصہ پر وقوع ہوگا جسکا دعویٰ کیا گیا ہو اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔ ❶
یہاں صلح سے ہمارا مقصد لوگوں کے درمیان ہونے والے معاملات میں صلح ہے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان صلہ کا ہونا مقصود نہیں اور نہ ہی امام (حکمران، سلطان) اور باغیوں کے درمیان یا زوجین کے درمیان صلح یہاں ہمارا موضوع سخن نہیں۔

صلح کی مشروعیت...... لوگوں کے درمیان صلح کا ہوجانا مستحب ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ حکمران طرفدار (فریقین) کو صلح کا مشورہ دے سکتا ہے البتہ فریقین کو صلح پر مجبور نہیں کرسکتا، ہاں البتہ صلح کی ترغیب دے سکتا ہے کہ حق فریقین میں سے کسی ایک کا ہے بشرطیکہ جب تک یہ ظاہر نہ ہو کہ حق کسی ایک فریق کا ہے اگر واضح ہوجائے کہ حق فلاں فریق کا ہے تو صاحب حق کے لیے حکم ثابت ہوجائے گا صلح کی مشروعیت کتاب سنت اوا جماع امت سے ثابت ہے۔ ❷

کتاب سے...... چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: **والصلح خیر** اور صلح کرلینا بہتر ہے۔ یہ حکم زوجین کے درمیان صلح کرانے کے بعد آیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ...... النساء ۴/ ۱۲۸

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو تو ان میاں بیوی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے
کہ وہ آپس کے اتفاق سے کسی قسم کی صلح کرلیں اور صلح کرلینا بہتر ہے۔

سنت سے...... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوف حدیث مروی ہے کہ: مسلمانوں کا آپس میں صلح کرلینا جائز ہے البتہ وہ صلح جائز نہیں جو حرام کو حلال کردے یا حلال کو حرام کردے۔ (رواہ ابن حبان وصحہ) ❸ حرام کو حلال کرنے کی مثال جیسے شراب کی حلت پر صلح کرلی یا جتنے دراہم کا دعویٰ کیا ہو ان سے زائد دراہم پر صلح کرلی حلال کو حرام کرنے کی مثال جیسے اس بات پر صلح کرلی کہ شوہر سوکن سے ہمبستری نہیں کرے گا حالانکہ وہ اس کی دوسری بیوی ہوتی ہے۔ یا اس بات پر صلح کرلی کہ شوہر اسے طلاق نہیں دے گا۔

اجماع سے...... صلح کی مشروعیت پر علمائے امت کا اجماع ہے چونکہ معالات میں صلح کا بہت زیادہ فائدہ ہے چونکہ صلح کے ذریعہ نزاع اور اختلاف ختم ہوجاتا ہے ❹ غالب احوال میں صلح کا وقوع نسبتاً کم رتبہ پر ہوتا ہے تاکہ حق کے کچھ حصہ کے پانے کی راہ ہموار ہوجائے۔

صلح کی حکمت...... یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان محبت وامن برقرار رہے باہمی افتراق اور اس کے اسباب کا خاتمہ ہوجائے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ایک دوسرے سے بغض مت رکھو ایک دوسرے سے حسد نہ رکھو ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ ایک اور حدیث میں ہے میرے بعد کافر مت بن جاؤ کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ نیز صلح کے معاملہ میں جھوٹ بولنا مباح ہے تاکہ جھگڑا ختم ہوجائے اور لوگوں میں اتفاق رہے بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ وہ آدمی جھوٹا نہیں جو (جھوٹ بول کر) دو آدمیوں کے درمیان صلح کرائے اور اچھی بات کو کسی کی طرف منسوب کرے اور اچھی بات کہے۔

صلح کی انواع صلح مسلمانوں کے درمیان بھی ہوتی ہے اہل حرب کے ساتھ امن وامان کی صلح اہل عدل اور باغیوں کے درمیان صلح، زوجین کے درمیان اختلاف ہونے پر صلح، غیر مال میں دو اختلاف کرنے والوں کے درمیان صلح، مال میں دو جھگڑنے والوں کے درمیان صلح

❶ ...... المغنی ۴/ ۴۷۶ غایۃ المنتھی ۲/ ۱۱۸۔ ❷ المبسوط ۲۰/ ۱۲۳ مغنی المحتاج ۲/ ۱۷۷ المغنی ۴/ ۴۷۶ کشاف القناع ۳/ ۳۷۸ القوانین الفقھیۃ ۳۳۷۔ ❸ قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح (نصب الرایۃ ۴/ ۱۱۲ التلخیص الحبیر ۲۴۹ نیل الاوطار ۵/ ۲۵۴۔ ❹ اسی لیے صلح کے لئے جھوٹ بولنا بھی مباح ہوجاتا ہے۔

یہی صورت یہاں موضوع بحث ہے، مالکیہ نے صلح کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ صلح اسقاط و ابراء مطلقا جائز ہے اور صلح علی عوض (معاوضہ لے کر صلح کرنا) یہ صورت بھی جائز ہے البتہ اگر یہ صلح حرام تک پہنچادے تو جائز نہیں ہوگی، اس نوع کا حکم بیع کا حکم ہے اموال میں صلح کرنے کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ صلح مع اقرار مدعی علیہ.....اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص پر کسی چیز کا دعویٰ کردے مدعی علیہ اقرار کردے (یعنی کہے کہ جی ہاں یہ چیز مدعی کی ہے) پھر مدعی علیہ مدعا بہ چیز کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً گھر یا کسی قسم کی منفعت جو مدعا بہ سے حاصل نہ ہو پر صلح کرلے جیسے گھر میں رہائش کی منفعت یا مدعا بہ چیز کے کسی جزو پر صلح کرے جیسے گھر کے چوتھائی حصہ پر صلح کرے صلح کی یہ قسم بالاتفاق جائز ہے۔ ❶

یہ صلح اگر مال پر واقع ہو اور مال کے ساتھ کی جائے جیسے چٹائی کے بدلہ میں کپڑا دے دیا تو یہ صلح بیع کے معنی میں ہے۔ چنانچہ بیع مال کے ساتھ مال کا تبادلہ ہے جو عاقدین کی رضامندی سے ہو اگر صلح زمین پر ہوئی ہو تو اس میں شفعہ جاری ہوگا عیب کی وجہ سے واپس ہوئی اس میں خیار شرط بھی ثابت ہوگا عوض یا بدل کی جہالت کی وجہ سے صلح فاسد ہوئی اس میں مقدور التسلیم کی شرط کا بھی اعتبار ہوگا اگر یہ صلح مال پر ہو اور کسی چیز کے منافع کے ساتھ کی جائے تو اس کے لیے اجارہ کا حکم ہوگا چونکہ اس میں اجارہ کا معنی پایا جاتا ہے چنانچہ اجارہ منافع جات کی تملیک کو کہا جاتا ہے معاملات میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے لہٰذا اس میں تعیین وقت کا اعتبار کیا جائے گا مدت اجارہ کے دوران اگر کوئی عاقد مر جائے تو عقد باطل ہو جائے گا۔

۲۔ مدعی علیہ کے انکار کے ہوتے ہوئے صلح.....صلح مع الانکار کا حاصل یہ ہے کہ فی الواقع مدعی کا حق ثابت ہوتا ہے تاہم مدعی علیہ کو اس کا علم نہیں ہوتا مثلاً ایک شخص دوسرے پر کسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے لیکن مدعی علیہ اس کا انکار کرتا ہے پھر مدعا بہ میں سے کچھ حصہ کے ساتھ مدعی سے صلح کرلیتا ہے یہ صورت لوگوں کے تنازعات میں اکثر واقع ہوتی ہے یہ صلح مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے جب کہ شافعیہ اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک جائز نہیں ❷ قائلین جواز کے نزدیک شرط یہ ہے کہ مدعی جس چیز کا دعویٰ کرتا ہو اس کے متعلق اس کا اعتقاد ہو کہ یہ اس کا حق ہے اور مدعی علیہ کا اعتقاد ہو کہ اس پر کوئی حق نہیں تاہم مقدمہ کے خاتمہ کے لیے کوئی چیز مدعی کو دے دے۔ ❸

انکار کے ساتھ صلح کی صورت.....مثلاً ایک شخص دوسرے پر گھر کا دعویٰ کردے کہ اس میں مدعی کا حق ہے جب کہ مدعی علیہ استحقاق کا انکار کردے اور مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا مدعی علیہ یہ رائے ظاہر کرے کہ اس دعویٰ کے متعلق مال کے ساتھ صلح کردے تاکہ اس سے لی گئی قسم کا فدیہ ہو جائے اور مقدمہ ختم ہو جائے چنانچہ دونوں فریق مدعا بہ کے متعلق صلح کرلیں باوجودیکہ دعویٰ کے صحیح ہونے کا انکار بھی ہو دعویٰ کے باطل ہونے کا اعتقاد بھی ہو اور مدعی علیہ صلح سے پہلے اور صلح کے بعد انکار پر مصر ہو اور وہ مال کی ایک مقدار صلح میں دے دے۔ ❹

جمہور کا استدلال.....فریق اول کا استدلال عموم آیت سے ہے: وَالصُّلْحُ خَيْرٌ صلح بہتر ہے (النساء ۴/۱۲۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے البتہ وہ صلح جو حرام کو حلال کردے یا حلال کو حرام کردے یہ عموم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر قسم کی صلح مشروع ہے ہاں البتہ جو دلیل سے مخصوص ہو جائے سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معاملہ کے فریقوں کو صلح کے لئے واپس

---

❶.....المبسوط ۱۳۹/۲۰ البدائع ۴۰/۶ تکملہ فتح القدیر ۲۴/۷ تبیین الحقائق ۳۰/۵ بدایۃ المجتہد ۲۹۰/۲ الشرح الکبیر ۳۰۹/۳ مغنی المحتاج ۱۷۷/۲ المہذب ۳۳۳/۱ المغنی ۴۸۲/۴ القوانین الفقہیۃ ۲۳۸۔ ❷المراجع السابقہ مغنی المحتاج ۱۷۹ المغنی ۴۷۶۔ ❸المغنی ۴۷۸/۴ غایۃ المنتہی ۲۱۰/۲۔ ❹الافصاح ۱۷۴/۱

لوٹاؤ چونکہ فیصلہ کینہ اور کدورت پیدا ہونے کا باعث ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو صلح انکار کے ساتھ ہو میں اسے جائز قرار دیتا ہوں یعنی یہ صلح مقدمہ اور نزاع کو ختم کر دیتی ہے۔

شافعیہ اور ابن ابی لیلیٰ کی دلیل......کا حاصل یہ ہے کہ یہ حضرات قیاس کرتے ہیں کہ اگر شوہر نے خلع سے انکار کر دیا پھر کسی چیز پر بیوی کے ساتھ صلح کر دی تو یہ صلح صحیح نہیں ہوگی ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر مدعی اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو تو وہ مدعی علیہ سے اس کا مال اپنے لئے حلال کروانا چاہتا ہے جب کہ ایسا کرنا حرام ہے اور اگر سچا ہو تو ایسی چیز پر معاوضہ لیتا ہے جو اس کا حق نہیں لہٰذا معاوضہ صحیح نہیں یہ ایسا ہی ہے۔

جیسے کسی دوسرے کے مال کو فروخت کر دے نیز صلح عقد معاوضہ ہے جو کسی ایک جانب کے عوض سے خالی ہوتا ہے لہٰذا یہ باطل ہے جیسے حد قذف پر صلح کرنا باطل ہے گو یا مدعی جو مال لے گا وہ اکل مال بالباطل کے قبیل میں سے ہوگا جب کہ اوپر آ چکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: البتہ وہ صلح جو حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام کر دے وہ جائز نہیں اگر مقدمہ ختم کرنے کے لیے مدعی علیہ مال خرچ کرتا ہے تو یہ رشوت ہے۔

یہ مناقشہ ہے چنانچہ فریق اول انکار کے ساتھ صلح کو حدیث کے مفہوم میں داخل ہونے کو تسلیم نہیں کرتا، چونکہ ممنوع تو یہ ہے کہ صلح حرام چیز کو حلال کر دے باوجود یکہ وہ چیز اپنی حرمت پر باقی رہے جیسے مثلاً آزاد آدمی کو غلام بنانے پر صلح کر لی یا بضع حرام کو حلال کر دیا یا شراب وخنزیر پر صلح کر دی نیز جو حق مدعی کے لیے ثابت ہو وہ کسی طرح بھی حاصل کر سکتا ہے۔

رہی بات مدعی علیہ وہ تو مدعی کے دعویٰ کے مقابل دفاع کرتا ہے تا کہ دعویٰ کی مسئولیت سے اجتناب کر سکے، اور جو نزاع اور جھگڑا کھڑا ہو گیا ہے اس کا خاتمہ ہو جائے مدعی علیہ بے عزتی سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے اور عدالت میں حاضر ہونے سے اپنی حفاظت کرتا ہے چنانچہ شرفاء اور اصحاب مروت عدالتوں میں جوابدہی کے لیے حاضر ہونے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ایسے امور جن سے ان کی عزت خراب ہو ان سے بچاؤ کا سامان کرنا ان کے لئے نہایت بہتر ہوتا ہے شریعت اپنی حفاظت اپنی عزت کی حفاظت سے منع نہیں کرتی خواہ اس کے لئے مال ہی کیوں نہ لگانا پڑے اور مدعی کا جو حق ثابت ہوتا ہے اس کا عوض لے لیتا ہے لہٰذا شریعت اس کے مانع نہیں برابر ہے مدعی نے جو مال لیا ہے وہ اس کے حق کی جنس میں سے ہو یا نہ ہو۔

۳۔ سکوت کے ساتھ صلح......اس کا حاصل یہ ہے کہ مدعی علیہ نہ ہی اقرار کرتا ہو اور نہ ہی انکار کرتا ہو مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے پر دعویٰ کر دیا دوسرا شخص بغیر اقرار اور انکار کے خاموش رہے پھر مدعی کے ساتھ صلح کر لے یہ صلح جمہور کے نزدیک جائز ہے ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک بھی جائز ہے جب کہ شافعیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ یہاں بھی وہی دلائل ہیں جو اوپر نمبر ۲ کے ذیل میں گزر چکے ہیں شافعیہ کے ہاں سکوت انکار ہے لہٰذا یہاں بھی منکر والا معاملہ ہوگا۔

خلاصہ......صلح کی تینوں اقسام حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں چنانچہ بدل صلح میں مدعی کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور چیز واپس لینے کا حق جو مدعی علیہ کو حاصل ہوگا وہ ختم ہو جائے گا چونکہ صلح نزاع کے خاتمے کا سبب ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے **ولا تنازعوا** (الانفال) لہٰذا صلح مشروع ہے۔ سکوت کے ساتھ صلح اور انکار کے ساتھ صلح حنفیہ کے نزدیک مدعی علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ اور مقدمہ بازی کا خاتمہ ہے چونکہ اس کے خیال میں جس چیز پر اس کا قبضہ ہے وہ اس کی ملکیت ہے اور مدعی کے حق میں یہ معاوضہ ہوگا چونکہ وہ اپنے خیال میں اپنے حق کا معاوضہ لے رہا ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک کے ساتھ حسب اعتقاد معاملہ کیا جائے گا۔

شافعیہ کے نزدیک صلح کی اقسام......شافعیہ نے صلح کی دو قسمیں ذکر کی ہیں۔

اول..... وہ صلح وہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان جاری ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔صلح اقرار کے ساتھ...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے پر کسی حق یا کسی چیز کا دعویٰ کرے مدعی علیہ اس کا اقرار کر لے اور پھر مصالحت کا مطالبہ کرے یہ صلح بالاتفاق جائز ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

ا۔ یہ صلح یا تو کسی چیز معین چیز پر ہوگی جیسے گھر ساز و سامان جانور یا گاڑی وغیرہ اگر صلح ایسی چیز پر ہو جس کا دعویٰ نہ کیا گیا ہو جیسے گھر کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے اقرار کر لیا پھر مدعی علیہ نے کسی معین چیز جیسے کپڑا کے ساتھ صلح کر دی تو یہ شئے مدعا بہ کی بیع ہوگی جو مدعی کے ہاتھ سے مدعی علیہ کو دی جا رہی ہوگی یعنی مدعی بائع اور مدعی علیہ مشتری ہوگا اور بیع لفظ صلح سے ہوگی اسے صلح معاوضہ کہا جاتا ہے اس میں بیع کے احکام ثابت ہوں گے جیسے شفعہ عیب کی وجہ سے رد کرنا اور قبضہ سے پہلے مصالح علیہ میں تصرف سے منع کرنا اگر مصالح علیہ اور مصالح بہ ہیں علت ربا پائی جا رہی ہو تو دونوں پر قبضہ کرنا شرط ہے اسی طرح دوسرے احکام جیسے خیارات شرائط فاسدہ سے صلح کا فاسد ہونا غرر کا حرام ہونا وغیرہ۔

اگر صلح ایسی چیز پر ہو جس کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی منفعت پر جیسے متنازع چیز گھر تھا اور ایک ساتھ گاڑی کے استعمال پر صلح کر لی تو اس صورت میں یہ عقد اجارہ ہوگا اس میں اجارہ کے احکام ثابت ہوں گے چونکہ اجارہ کا معنی اس میں پایا جاتا ہے۔

اگر بعینہ وہ چیز جس کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کی منفعت پر صلح ہو مثلاً وہ گھر جس کا دعویٰ کیا گیا ہو اسی میں مدعی پانچ سال تک رہائش رکھے پھر وہ اسے واپس کر دے تو یہ اعارہ ہوگا اس میں عاریت کے احکام ثابت ہوں گے چونکہ یہ صلح عاریت کے معنی میں ہے۔

اگر صلح مدعا بہ چیز کے کچھ حصہ پر ہو جیسے گاڑی چوتھائی حصہ پر صلح ہو جائے تو یہ ہبہ ہوگا جو مدعی کو کیا جائے گا اس میں ہبہ کے احکام ثابت ہوں گے چونکہ یہ صلح ہبہ کے معنی میں ہے مثلاً مدعی علیہ کا قبول کرنا شرط ہوگا صلح کی اس قسم کو صلح حطیطہ کہا جاتا ہے چونکہ صاحب حق اپنے حق میں سے ایک جزو کم کر دیتا ہے۔

ب..... یا تو صلح اقرار کے ساتھ ہوگی جو دین پر واقع ہو مثلاً ایک شخص دوسرے پر مال کا دعویٰ کرے مثلاً ایک ہزار دینار، مدعی علیہ اس کا اقرار کرے پھر دونوں صلح کر لیں یہ صلہ لفظ صلح بیع ابراء اور اجارہ کے ساتھ صحیح ہے۔

دین پر صلح کرنے کے لیے شرط ہے کہ عوض لینا جو بصورت عین ہو یا دین ہو یا منفعت ہو جائز ہو ایسے دین پر صلح کرنا جائز نہیں جس کا عوض لینا صحیح نہ ہو جیسے دین سلم۔

دین کے کچھ حصہ پر صلح کرنے کے جواز پر دلیل بخاری و مسلم کی روایت ہے جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں دین کا مطالبہ کیا اسی اثناء میں ان دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں ان کی آواز سن لی آپ..... گھر سے باہر تشریف لائے اور حجرے کے دروازے کا پردہ ہٹایا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور فرمایا: اے کعب عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا دین کا کچھ حصہ ساقط کر دو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں نے ایسا کر دیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ اور ادا کرو۔

۲۔ انکار کے ساتھ صلح یا سکوت کے ساتھ صلح...... مثلاً ایک شخص دوسرے پر دعویٰ کرے اور مدعی علیہ انکار کر دے یا خاموش رہے پھر مدعی کے ساتھ صلح کر لے پھر اگر صلح بعینہ مدعا بہ چیز پر واقع ہو مثلاً گھر کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ گھر پر صلح کرے یعنی گھر مدعی علیہ کو مل جائے تو دونوں صورتوں میں شافعیہ کے نزدیک صلح باطل ہے جب کہ ائمہ ثلاثہ کا اس میں اختلاف ہے اسی طرح اگر مدعا بہ کے کچھ حصہ پر صلح واقع ہو تو بھی باطل ہے یہ صلح اس لئے باطل ہے چونکہ مدعی اگر جھوٹا ہو تو وہ مدعی علیہ سے اسکا مال اپنے لیے حلال کرنا چاہتا ہے اور یہ حرام ہے اور اگر سچا ہو

تو اس نے اپنے اوپر حلال مال کو حرام کردیا لہٰذا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں داخل ہوگی کہ البتہ وہ صلح جو حرام کو حلال کردے یا حلال کو حرام کردے۔

دوسری قسم مدعی اور اجنبی کے درمیان صلح: اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے پر دعویٰ کردے اور مدعی علیہ کے علاوہ کوئی اور شخص آئے اور وہ مدعی کے ساتھ صلح کردے۔

اس کی چار صورتیں ہیں:

۱..... یہ کہ اجنبی مدعی علیہ کی طرف سے وکالت کا دعویٰ کرتا ہو۔ مثلاً کہتا ہو کہ مدعی علیہ نے مجھے شئے مدعی بہ کے متعلق صلح کرنے کا وکیل بنا یا ہے اور وہ ظاہر میں تمہارے لیے اقرار کرتا ہے۔ چنانچہ اجنبی اور مدعی کے درمیان یہ صلح درست ہوگی چونکہ معاملات میں وکالت کا دعویٰ مقبول ہوتا ہے۔

۲..... یہ کہ اجنبی کسی چیز کے متعلق اپنے مال میں سے کسی چیز کے ساتھ صلح کرے یا ذمہ میں موجود دین کے ساتھ صلح کرے مثلاً یوں کہے: مدعی علیہ شئے مدعا بہ کا تمہارے لیے اقرار کرتا ہے اور میں اس کی طرف سے فلاں چیز پر تمہارے ساتھ صلح کرتا ہوں، یہ صلح صحیح ہوگی گویا کہ اجنبی خریداری کے لفظ کے ساتھ خریدر ہا ہوتا ہے۔

۳..... یہ کہ مدعی علیہ منکر ہو اور اجنبی کہتا ہوں وہ اپنے انکار میں مبطل ہے چونکہ میرے نزدیک تم سچے ہو لہٰذا مجھ سے میرے لئے صلح کرلو یہ صلح اس معنی میں ہے کہ گویا غاصب سے مغصوب کو خرید ا جارہا ہے اگر اجنبی مدعی علیہ کے قبضہ سے مدعا بہ چیز کو چھڑانے کی قدرت رکھتا ہو تو صلح صحیح ہوگی اور اگر قدرت نہ رکھتا ہو تو صلح صحیح نہیں۔

۴..... یہ کہ مدعی علیہ منکر ہو اور اجنبی یوں نہ کہتا ہو کہ مدعی علیہ اپنے انکار میں مبطل ہے اور وہ مدعی کے ساتھ صلح کرے جو مدعی بہ چیز جو اس کا حق ہو یا مدعی علیہ کا تھا ہو اس سے صلح کرلے یہ صلح صحیح نہیں بلکہ لغو ہے چونکہ اجنبی مدعی علیہ سے ایسی چیز خرید کرتا ہے جس میں اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

صلح کے اثرات: صلح اپنے اثر اور نتیجہ کے اعتبار سے چھ صورتوں کو متضمن ہے۔

۱..... صلح کبھی خرید و فروخت کی صورت میں ہوتی ہے جیسے مدعی نے کسی چیز پر دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے کچھ درہم یا دینار دے کر اس کو دعویٰ سے دستبردار ہونے پر آمادہ کرلیا۔ گویا صلح کا عوض سونا یا چاندی ٹھہرے یہ لفظ بیع کے ساتھ صلح ہوئی اسے صلح معاوضہ کہا جاتا ہے۔

۲..... کبھی صلح ہبہ کی صورت میں ہوتی ہے مثلاً کسی شخص کے قبضہ میں کسی اور شخص کی کوئی چیز تھی اصل مالک نے قابض سے یہ طے کیا کہ وہ اپنی شئے کے ایک حصہ سے دستبردار ہو جائے گا بشرطیکہ باقی حصہ اس کو ادا کردے گا۔

۳..... صلح کبھی اجارہ کی صورت میں ہوتی ہے مثلاً مدعا علیہ کو اس بات پر آمادہ کرلے کہ وہ اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو جائے اور اس کے بدلہ مدعی علیہ کے مکان یا کسی اور سے ایک مدت استفادہ کرے۔

۴..... صلح کبھی عاریت کے معنی میں ہوتی ہے مثلاً مدعا علیہ مدعی کو اس پر آمادہ کرلے کہ وہ اس کو مطلوبہ چیز دے دے گا لیکن مدعی اس کو اپنے مکان یا زمین سے ایک مدت تک نفع اٹھانے کا موقع دے۔

۵..... اور کبھی صلح کا حاصل کسی کو بری الذمہ کرنا ہوتا ہے مثلاً مدعا علیہ کے ذمہ ایک ہزار روپے باقی تھے اور مدعی سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ وہ پانچ سو لے لے اور پانچ معاف کردے۔

۶..... کبھی صلح بیع سلم بن جاتی ہے مثلاً مدعی نے مدعا علیہ پر ایک ہزار روپے باقی رہنے کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے اقرار کرتے ہوئے اس بات پر صلح کرلی کہ وہ ایک مدت کے بعد اس کے بدلہ کپڑے فراہم کردے گا۔

صلح کا رکن ...... حنفیہ کے نزدیک صلح کا رکن ایجاو قبول ہے مثلاً مدعی علیہ کہے: میں نے فلاں چیز کے متعلق فلاں چیز کے ساتھ تمہارے ساتھ صلح کر لی دوسرا شخص کہے: میں نے قبول کر لی یا کہے میں رضا مند ہوں یا کوئی ایسا لفظ بول دے جو قبول اور رضا پر دلالت کرتا ہو جب ایجاب وقبول پایا جائے گا صلح تمام ہو جائے گی ❶ جمہور کے نزدیک صلح کے چار ارکان ہیں عاقدین یعنی صلح کرنے والے صیغہ یعنی ایجاب وقبول، محل نزاع اور بدل صلح۔

دوسری بحث: صلح کی شروط ...... عقد صلح میں مختلف شرائط کا اعتبار کیا جاتا ہے ان میں سے کچھ صیغہ سے متعلق ہیں اور کچھ مصالح کے ساتھ کچھ مصالح علیہ کے ساتھ اور کچھ مصالح عنہ کے ساتھ متعلق ہیں۔

صیغہ ...... صلح میں شرط ہے کہ صلح کرنے والوں کی طرف سے ایجاب وقبول ہو مثلاً ان میں سے ایک کہے میں نے تمہارے ساتھ فلاں چیز پر فلاں چیز کے ساتھ صلح کی اور دوسرا کہے: میں نے قبول کیا یا کہے ہیں راضی ہوں یا کہے میں نے صلح کر لی بعض صورتوں میں صلح ابراء وغیرہ کے لفظ کے ساتھ بھی صحیح ہے۔

مصالح کی شرائط ...... مصالح میں درج ذیل شرائط پائی جانی ضروری ہیں۔ ❷

۱ ...... یہ کہ مصالح عاقل ہو مجنون اور بچے کی صلح صحیح نہیں جو سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو چونکہ سمجھ بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے تصرف کی اہلیت بھی معدوم ہوگی حنفیہ کے نزدیک بالغ ہونے کی شرط ہیں اس بچے کی صلح بھی صحیح ہے جیسے تصرف کی اجازت دی گئی ہو۔ بشرطیکہ جب اس میں کوئی ظاہری نفع ہو یا ظاہری ضرر اور نقصان نہ ہو شافعیہ کے نزدیک بلوغ شرط ہے لہٰذا بچے کی صلح صحیح نہیں اگر چہ بچہ ممیز ہی کیوں نہ ہو چونکہ بچے کے تصرفات شرعاً غیر معتبر ہیں۔

۲ ...... یہ مصالح صلح کے ذریعہ بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچانا چاہتا ہو برابر ہے بچہ مدعی علیہ ہو یا اس کا ولی اس کی طرفداری کر رہا ہو۔

اگر کسی شخص نے بچے پر دین کا دعویٰ کر دیا پھر بچے کے باپ نے بچے کے مال کے ساتھ مدعی سے صلح کر لی پھر اگر مدعی کے پاس گواہ ہوں اور بچے کے والد نے صلح میں جو چیز دی ہو وہ مدعا بہ کی مثل ہو یا اتنا زائد مال دیا جتنے میں عموماً لوگوں سے غبن ہو جاتا ہے تو یہ صلح جائز ہوگی چونکہ اس صورت میں صلح میں معاوضہ کا معنی پایا جاتا ہے اور بچے کے مال میں سے باپ معاوضہ دینے کا حق رکھتا ہے جو غبن یسر کے ساتھ ہو۔

اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو صلح جائز نہیں ہے چونکہ اس صورت میں صلح بچے کے مال کے ساتھ تبرع کے طور پر واقع ہوگی جب کہ تبرع ضرر محض ہے باپ کو اس کا اختیار نہیں حاصل اگر باپ نے اپنے ذاتی مال میں سے صلح کر دی تو یہ جائز ہے چونکہ اس میں بچے کا کوئی نقصان نہیں بلکہ اس میں تو بچے کا نفع ہے۔

اگر بچے کے باپ نے کسی شخص پر بچے کے دین کا دعویٰ کر دیا مدعی علیہ نے بایں طور صلح کر دی کہ کچھ قرضہ ساقط کر دیا جائے اور کچھ ادا کر دیا جائے چنانچہ اگر باپ کے پاس گواہ ہوں جو مدعا بہ پر گواہی دیں تو پھر صلح جائز نہیں چونکہ چھوٹے بچے کے دین میں سے کمی کرنا تبرع ہے جو جائز نہیں باپ کو اس کا اختیار حاصل نہیں اگر مثل قیمت کے ساتھ صلح کی یا معمولی سی کمی کر کے صلح کی تو صلح جائز ہوگی چونکہ اس صورت میں صلح بیع کے معنی میں ہے باپ خرید وفروخت کا اختیار رکھتا ہے لہٰذا صلح صحیح ہوگی۔

۳ ...... یہ کہ بچے کی طرف سے صلح کرنے والے کو اس کے مال میں تصرف کا اختیار حاصل ہو جیسے باپ دادا وصی چونکہ صلح مال میں تصرف ہے لہٰذا صلح کا مالک وہی ہوگا جو تصرف کا اختیار رکھتا ہو۔

۴ ...... یہ کہ مصالح مرتد نہ ہو یہ شرط امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ مرتد کے تصرفات موقوف ہوتے ہیں

---

❶ ...... البدائع ۶/ ۴۰ تکملۃ فتح القدیر ۷/ ۲۳ الدر المختار ۴/ ۴۹۳۔ ❷ البدائع ۶/ ۴۰ الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۴۹۳۔

صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے چونکہ ان کے نزدیک یہ قاعدہ مقرر ہے کہ مرتد کے تصرفات نافذ العمل ہیں رہی بات مرتد کی سو بلا اختلاف اس کی صلح جائز ہے۔

مصالح علیہ بدل صلح کی شرائط: بدل صلح جس پر عقد صلح تمام ہو اس میں مندرجہ ذیل شروط کا پایا جانا ضروری ہے۔

ا..... یہ کہ مصالح علیہ (بدل صلح) مال ہو چنانچہ شراب مردار، خون اور حرم کے شکار وغیرہ پر صلح کرنا صحیح نہیں چونکہ صلح میں معاوضہ کا معنی پایا جاتا ہے اور جو چیز بیع میں عوض نہیں بن سکتی وہ بدل صلح بھی نہیں بن سکتی۔

بدل صلح میں یہ کوئی فرق نہیں کہ وہ کوئی چیز ہو یا دین ہو یا منفعت ہو چونکہ معاوضات میں عوض بسا اوقات عین (متعین چیز) بھی ہوتی ہے کبھی دین ہوتا ہے اور کبھی منفعت۔ البتہ بعض احوال میں قبضہ شرط ہے یہ موضوع قدرے بسط وتفصیل کا محتاج ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں..... دعویٰ میں مدعا بہ (وہ چیز جس کا دعویٰ کیا گیا ہو) یا تو معین چیز ہوگی یعنی ایسی چیز ہوگی جو جنس نوع قدر اور صفت کے اعتبار سے متعین ہو سکتی ہو جیسے سامان کپڑے زمین، گھر، جانور مکیلی چیز جیسے گندم، جو، موزونی چیز جیسے لوہا تیل وغیرہ۔

یا مدعا دین ہوگا اس سے مراد ایسی چیز ہے جو تعین کا احتمال رکھتی ہو جیسے نقود، مکیلی اشیاء موزونی اشیاء کپڑے اور ذمہ میں واجب جانور۔

یا مدعا بہ منفعت ہوگی جیسے متعین گھر۔ یا مدعا بہ حق ہوگا معین چیز دین اور منفعت نہیں ہوگا جیسے قصاص اور تعزیز۔

بدل صلح..... یا تو معین چیز ہوگی یا دین ہوگا یا منفعت صلح یا تو مدعی علیہ کے اقرار کے ساتھ ہوگی یا انکار کے ساتھ یا سکوت کے ساتھ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے یہاں ہر حالت کے حکم کا بیان ہے۔

اگر مدعا بہ عین ہو اور صلح اقرار کے ساتھ ہو..... یہ صلح جائز ہے برابر ہے بدل صلح عین ہو یا دین بشرطیکہ جب قدر اور صفت معلوم ہو چونکہ یہ صلح جانبین سے بیع کے معنی میں ہے بدل صلح ثمن کے معنی میں ہوگا یہ اشیاء خواہ عین ہوں یا دین بیوع میں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

اگر بدل صلح عین ہو جو موجود معین اور مملوک ہو صلح جائز ہے خواہ عین مکیلی چیز ہو یا موزونی یا ان کے علاوہ عروض (سامان) ہو یا جانور۔

اگر بدل صلح دین ہو پھر اگر مکیلی یا موزونی چیز ہو جس کی مقدار اور صفت متعین ہو تو صلح جائز ہے جیسے بیع میں یہ چیزیں جائز ہیں چونکہ یہ اشیاء ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

اگر بدل صلح کپڑے ہوں جو ذمہ میں راجب ہوں تو صلح جائز نہیں جب تک کہ اس میں بیع سلم کی جمیع شرائط نہ پائی جاتی ہو جیسا کہ عقد سلم میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے مثلاً مقدار متعین ہو وصف متعین ہو مدت متعین ہو چونکہ کپڑے ذمہ میں دین تبھی بن سکتے ہیں جب سلم کی شرائط پائی جاتی ہوں، یہ مکیلی اور موزونی اشیاء کے بخلاف ہے چونکہ مکیلی اور موزونی اشیاء ذمہ میں مطلقاً ثابت ہوتی ہیں لہٰذا یہ دونوں قسم کی اشیاء ثمن بن سکتی ہیں ان دونوں چیزوں پر مجلس میں قبضہ کرنا شرط نہیں۔

اگر بدل صلح جانور ہو جو ذمہ میں واجب ہو تو صلح جائز نہیں ہے چونکہ جانور سرے سے ذمہ میں دین بن ہی نہیں سکتا لہٰذا ثمن بھی نہیں بن سکتا۔

اگر مدعا بہ دین ہو اور صلح اقرار کے ساتھ ہو:

ا..... اگر مدعا بہ دراہم یا دینار ہو اور صلح کر لی جائے تو معاملہ دو صورتوں سے خالی نہیں ہوگا یا تو صلح خلاف جنس کے ساتھ ہوگی یا جنس کے ساتھ ہوگی۔

پہلی صورت...... اگر بدل صلح متعین مال ہو تو صلح جائز ہے اور عقد بمنزلہ بیع الدین بالعین کے ہوگا اگر بدل صلح دین ہو جو دراہم یا دینار کی صورت میں ہو تو صلح جائز نہیں یہاں تک کہ اتفاق بیع الدین یا الدین تک نہ پہنچتا ہو۔

دوسری صورت...... یعنی صلح دین کی جنس کے ساتھ ہو جیسے دراہم کے متعلق صلح دراہم پر ہوئی اگر صلح قدر اور صفت کے بمثل ہو مثلاً ایک ہزار کھرے دراہم کی صلح ایک ہزار کھرے دراہم پر کی تو اس صلح کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے چونکہ مدعی نے عین حق وصول کر لیا۔

اگر اپنے حق سے کم پر صلح کی مثلاً ایک ہزار دراہم کی صلح پانچ سو ردی دراہم پر کی تو بھی صلح جائز ہے مدعی اپنے بعض حق کو وصول کرے گا اور باقی حق سے مدعی علیہ کو بری الذمہ کر دے گا۔

اگر اپنے حق سے زائد پر صلح کی مثلاً ایک ہزار دراہم کی صلح پندرہ سو کھرے دراہم پر صلح کی یہ صلح جائز نہیں ہوگی چونکہ اس صورت میں سود ہے چونکہ ان سب صورتوں میں یہ قاعدہ مقرر ہے۔ کہ جب صلح کا وقوع استحقاق کی جنس پر ہو اور دین کے لین دین سے ہو تو اس میں مدعی کے اپنے حق کو وصول کرنے کا اعتبار ہوگا جب وصولی متعذر ہوگی تو معاوضہ کا اعتبار ہوگا لہٰذا اس میں معاوضہ کی شرائط کا ہونا ضروری۔ ❶

آخری صورت میں عقد کا اعتبار بطور معاوضہ کے ہوگا چونکہ یہ سابقہ صورت کے برعکس ہے چونکہ مدعی کو اپنا بعض حق وصول کرنے والا اعتبار کرنا متعذر ہے کہ بعض حق اس نے وصول کر لیا اور بعض ساقط کر دیا۔

بنابریں اگر اپنے حق سے زائد پر صلح کی زائد صفت کے اعتبار سے ہو مقدار کے اعتبار سے نہیں مثلاً ایک ہزار ردی دراہم کے متعلق ایک ہزار کھرے دراہم پر صلح کی تو صلح جائز ہے البتہ عقد صرف کی شرائط کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا مثلاً نقدی ہو مجلس میں قبضہ ہو اگر مجلس میں قبضہ ہو گیا تو صلح جائز ہے چونکہ بجنسہ جودت (کھرا ہونے) کی کوئی قیمت نہیں اور اگر قبضہ ہونے سے پہلے عاقدین جدا ہو گئے تو عقد باطل ہوگا چونکہ یہ عقد صرف ہے۔

اگر اپنے حق سے زائد پر صلح زائد صفت کے لحاظ سے ہو مقدار کے لحاظ سے نہیں مثلاً مثلاً دعویٰ ایک ہزار ردی دراہم کا تھا اور صلح پانچ سو کھرے دراہم پر ہوگئی تو ظاہر الروایۃ میں حنفیہ کے نزدیک صلح جائز نہیں ہے چونکہ کھرے ہونے کی صفت کو عوض کا درجہ دیا جا رہا ہے جو جائز نہیں چونکہ اموال ربویہ میں جب بجنسہ عقد ہو رہا ہو تو صفت جودت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، چنانچہ شریعت میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جید و ردی برابر ہیں۔ ❷

جب کہ حقیقت میں یہ عقد صرف ہے استیفاء حق (وصولی حق) نہیں۔ چونکہ جو چیز حق میں واجب ہے وہ ردی ہے جید نہیں چنانچہ عقد صرف میں طے شدہ ہے کہ ایک ہزار ردی دراہم کی خرید و فروخت پانچ ہزار کھرے دراہم کے ساتھ جائز نہیں چونکہ یہ سود ہے۔

خلاصہ...... صلح کا وقوع مدعی کے حق کی جنس کی کم مقدار پر واقع ہو اور وہ حق دراہم و دنانیر میں سے ہو جب کہ کچھ حق وصول کر لیا ہو اور باقی سے بری الذمہ کر دیا ہو اور جب صلح جنس حق سے زائد پر واقع ہو یا کسی دوسری جنس مثلاً دین یا عین پر واقع ہو تو صلح کو معاوضہ تصور کیا جائے گا۔ ❸

بنابریں اگر مدعی نے دین حالی سے دین مؤجل پر صلح کر لی اور یہ دونوں مقدار میں برابر سرابر ہوں مثلاً ایک ہزار درہم جو فی الحال واجب تھے ایک ہزار ادھار (مؤجل) پر صلح کر لی تو صلح جائز ہوگی گویا دین کو مؤخر کر دیا، اگر صلح اس کے برعکس ہو تو یہ بھی جائز ہے گویا مدعی نے اپنا حق

---

❶ تکملة فتح القدير ۷ / ۴۱ المبسوط ۲۱ / ۲۷ تبيين الحقائق ۵ / ۴۱ الدر المختار ۴ / ۵۰۰. ❷ قال الحافظ الزيلعى عن هذا الحديث غريب ومعناه يوخذ من الحديث المروى عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه الذهب بالذهب والفضة بالفضة (نصب الراية ۴ / ۳۷). ❸ البدائع ۶ / ۴۴ تبيين الحقائق ۵ / ۴۲ الدر المختار ۴ / ۵۰۰.

وصول کر دیا اور مدعی کا جو تاخیر کا حق تھا وہ اس نے چھوڑ دیا۔

اگر دین مؤجل ہو اور صاحب دین نے کچھ معجّل (نقدی) پر صلح کر لی مثلاً ذمہ میں ایک ہزار دراہم واجب تھے پانچ سو نقدی پر صلح کر لی تو صلح جائز نہیں چونکہ دین موجل کا مقدار معجّل کا حقدار نہیں ہوتا لہٰذا اسے وصولی حق قرار دینا ناممکن ہے گویا یہ اجل (مدت) کا معاوضہ ہوا لہٰذا جائز نہیں چونکہ اجل مال نہیں ہوتی اور پانچ سو کو ایک ہزار کے بدلہ میں فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ ❶

البتہ اگر دین معجّل ہو (یعنی فی الحال نقدی ادا کرنا ہو) دائن نے ادائیگی کا وقت مقرر دیا مثلاً مدین پر ایک ہزار روپے قرضہ تھا اس کی ادائیگی کا وقت ہو جائے دائن کہے ہیں نے پانچ سو پر تمہارے ساتھ صلح کر دی کہ تم آج ہی لاو چنانچہ مدیون نے اگر آج ہی ادا کر دیئے تو باتفاق حنفیہ بقیہ پانچ سو سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اگر مدیون نے آج ہی ادا نہ کیے یہاں تک کہ یہ دن گزر گیا تو صلح باطل ہو جائے گی اور ایک ہزار روپیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جوں کا توں مدیون کے ذمہ واجب رہے گا جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدیون پانچ سو روپے سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اور اس کے ذمہ صرف پانچ سو باقی رہے گا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ دراصل اس صلح کے ضمن میں دین کے کچھ حصہ کو تعجیل کی شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہے جب کہ برأت کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا درست نہیں جب تعجیل کے ساتھ ادائیگی نہ ہوئی تو صراحۃً شرط فسخ کے بغیر عقد فسخ نہیں ہوگا جب کہ شرط فسخ نہیں پائی گئی لہٰذا دین کے کچھ حصہ کو ساقط کرنا صحیح ہوا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ بعض دین کی معجّل ادائیگی کی شرط حقیقت میں فسخ عقد کی شرط ہے جب تعجیل نہ پائی جائے گویا شرط فسخ کی صراحت کر دی گئی جیسے مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے: میں نے یہ سامان تمہیں ایک ہزار روپے میں فروخت کیا اس شرط پر کہ تم آج ہی مجھے ایک ہزار دے دو اگر تم ایک ہزار معجّل نہ دو تو ہمارے درمیان بیع باقی نہیں رہے گی۔ چنانچہ اس صورت میں بیع جائز ہے چونکہ تعجیل کی شرط فی الواقع شرط فسخ ہے عقد میں شرط نہیں، اسی طرح مختلف میں صورت میں اس کا اعتبار کیا جائے گا چونکہ ضمنی مفہوم۔

صریح مفہوم کے بمنزلہ ہوتا ہے، لہٰذا یہ صورت ایسی ہوئی گویا مصالح نے کہا اگر تم ایک ہزار معجّل نہیں دو گے تو ہمارے درمیان بیع برقرار نہیں رہے گی۔

مذکور بالا تفصیل سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر دائن نے کہا: تمہارے ذمہ میرے جو ایک ہزار ہیں میں ان کی پانچ سو پر اس شرط کے ساتھ صلح کرتا ہوں کہ پانچ سو تم معجّل ادا کرو اگر آج ہی معجّل ادا نہ کیے تو ہزار تمہارے ذمہ واجب رہیں گے۔ پھر اگر مدیون نے معجّل ادائیگی نہ کی تو صلح باطل ہو جائے گی اور مدیون پر باتفاق حنفیہ ایک ہزار واجب الذمہ رہیں گے چونکہ فسخ صلح پر صراحت کر دی گئی ہے۔

اگر اس طور پر صلح ہوئی کہ مدیون دائن کو ایک مہینہ تک پانچ سو روپے دے گا بایں شرط کہ دائن فی الحال پانچ سو ساقط کرے گا اگر ایک مہینے تک پانچ سو نہ دیے تو مدیون پر ایک ہزار واجب الذمہ رہے گا یہ صلح درست ہے چونکہ یہ فی الحال ابراء ہے اور فسخ ابراء کو شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر دائن نے مدیون سے ایک ہزار روپے پر کفیل لیا اور پانچ سو پر اس کے ساتھ صلح کر دی کفیل پر یہ شرط لگا دی کہ وہ اگر مہینہ کے اختتام تک ادائیگی نہیں کرے گا تو اس پر پورا مال یعنی ایک ہزار واجب الاداء ہوگا یہ صلح اور شرط جائز ہے اگر کفیل نے ادائیگی نہ کی تو اس پر ایک ہزار لازم ہو جائیں گے چونکہ مہینہ کے اختتام تک کفالت کے لیے پانچ سو کی ادائیگی شرط ہے۔

---

❶ تکملہ فتح القدیر ۷ / ۲

اگر کفیل نے بغیر کسی شرط کے ایک ہزار روپے کی ضمانت دی پھر کفیل سے دائن نے کہا میں پانچ سو روپے تم سے اس شرط پر ساقط کرتا ہوں کہ تم مہینا کے اختتام تک مجھے مال ادا کر دو گے اگر ادا نہیں کرو گے تو تمہارے اوپر ایک ہزار واجب الذمہ ہوں گے یہ بھی صحیح ہے بلکہ یہ شرط پہلی صورت کی بنسبت زیادہ پختہ ہے چونکہ یہاں عدم تعجیل کو ہی فسخ کرنے کی شرط قرار دیا گیا ہے عقد کی شرط نہیں۔

اگر دائن نے اسی شخص سے کہا جس پر ایک ہزار ہوں کہ اگر تم نے مجھے پانچ سو ادا کر دیئے تو تم باقی رقم سے بری الذمہ ہو یا کہا: جب تم نے مجھے پانچسو ادا کر دیئے تو باقی پانچسو سے تم بری الذمہ ہو یہ صورت جائز نہیں اور مدیون پر ایک ہزار باقی رہے گا چونکہ اس صورت میں برات کو شرط کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہے مدیون باقی رقم سے بری نہیں ہوگا تاوقتیکہ دائن سے بری نہ کر دے۔ ❶

ب.... اگر مدعا بہ (وہ متنازع فیہ چیز جس کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہو) دین ہو جو دراہم اور دنانیز کے علاوہ ہو پھر اگر مکیلی چیز ہو مثلاً ایک مدگندم ہو مد کے متعلق صلح کر لی تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو مدعا بہ کی جنس پر صلح ہو گی یا خلاف جنس پر۔ ❷

پہلی صورت...... اگر مدعا بہ کی جنس پر صلح کی ہو تو اس کی مختلف صورتیں ہیں اگر مقدار وصفت میں اپنے حق کے بمثل صلح کی تو صلح جائز ہے اس میں قبضہ شرط نہیں چونکہ دعویدار نے اپنا عین حق وصول کیا ہے اگر دعویدار نے اپنے حق سے کم پر صلح کی یہ کمی مقدار اور صفت میں ہو تو بھی صلح جائز ہے گویا دعویدار نے باقی حق ساقط کر دیا اس میں معاوضہ نہیں ہوگا چونکہ اعتبار یہ کیا گیا ہے کہ دعویدار نے اپنے بعض حق کو وصول کر لیا اور باقی حق سے بری الذمہ کر دیا قبضہ شرط نہیں۔

اگر دعویدار نے از روئے صفت اپنے حق سے کم پر صلح کی نہ کہ مقدار میں کمی کی تو بھی صلح جائز ہے گویا اس نے عین حق وصول کر لیا اور مدعی علیہ کو صفت سے بری الذمہ کر دیا قبضہ شرط نہیں۔

اگر مقدار وصفت یا صرف مقدار کے لحاظ سے اپنے حق سے زائد پر صلح کی تو یہ صلح جائز نہیں ہوگی چونکہ اس میں سود ہے اگر صفت کے لحاظ سے زائد پر صلح کی جب کہ مقدار زائد نہیں تھی مثلاً ایک مدردی گندم کی ایک مدعمدہ گندم پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے اور معاوضہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

دوسری صورت...... اگر دعویدار نے اپنے حق کی جنس کے خلاف پر صلح کی پھر اگر بدل صلح دراہم یا دنانیر ہوں تو صلح جائز ہوگی قبضہ شرط ہوگا یہاں تک کہ عاقدین جدا نہ ہوں۔

اگر بدل صلح مکیلی چیز ہو جو بذاتہ متعین ہو تو بھی صلح جائز ہے قبضہ شرط نہیں ہوگا اور اگر بدل صلح ذمہ میں واجب ہو تو بھی صلح جائز ہے لیکن مجلس میں قبضہ شرط ہوگا تاکہ دین کے بدلہ میں دین کی صورت میں جدائی ہو جانے سے احتراز ہو جائے بنا برایں دین کے بدلہ میں دین پر صلح جائز نہیں اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص پر ایک مدگندم ہو اور پھر وہ ایک مدت تک دراہم پر صلح کر لے تو یہ صلح جائز نہیں چونکہ اس صورت میں دین کے بدلہ میں دین پر دونوں عاقدین جدا جدا ہو گئے۔ ❸

اگر مدعا بہ جانور ہو جو ذمہ میں واجب ہو... یعنی قتل خطا، یا قتل شبہ عمد یا مہر یا بدل صلح کی صورت میں جانور ذمہ میں واجب ہو اور دعویدار دراہم ودنانیر کے علاوہ مکیلی یا موزونی چیز پر صلح کر لے۔

تو صلح جائز ہے اور یہ معاوضہ ہوگا قبضہ شرط ہوگا تاکہ دین کے بدلہ میں دین سے عاقدین کا جدا ہونا لازم نہ آئے۔

اگر جانور کی قیمت یا اس سے زائد جتنے میں لوگ دھوکا کھا جاتے ہوں کے ساتھ صلح کی تو بھی صلح جائز ہے چونکہ جانور کی قیمت دراہم اور دنانیر ہیں اور یہ جنس حیوان نہیں گویا یہ صلح معاوضہ کے معنیٰ میں ہوگی لہٰذا خواہ کم ہو یا زائد جائز ہے قبضہ اس میں بھی شرط نہیں۔

---

❶ البدائع ۶/ ۴۴ تکملہ فتح القدیر ۷/ ۴۲ تبیین الحقائق ۵/ ۴۳۔ ❷ البدائع ۶/ ۴۵ المبسوط ۲۱/ ۲۶ تبیین الحقائق ۵/ ۴۲۔

❸ الفوائد البهية في القواعد الفقهية للشيخ محمود حمزه ۱۴۶۔

اسی طرح اگر جانور کی ذمہ میں واجب دراہم پر صلح کرلی اور عاقدین بغیر قبضہ کے جدا ہو گئے تو صلح جائز ہے اگر چہ دین کے بدلہ میں دین سے جدا ہونا لازم آتا ہو چونکہ یہ معنی معاوضہ نہیں ہے بلکہ یہ عین حق کی وصولی ہے چونکہ ذمہ میں واجب جانور اگر چہ دین ہے لیکن یہ دین لازم نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ جس شخص کے ذمہ جانور واجب ہو جب وہ قیمت لائے قبول پر صاحب قبول کو مجبور کیا جائے گا بخلاف بقیہ دیون کے یہ حقیقۃ دین کے بدلہ میں دین سے افتراق نہیں ہے۔ ❶

اگر کوئی منافع بدل صلح قرار پائے...... اگر بدل صلح عین ہو یا دین ہو تو مصالح علیہ کی شرائط میں سے پہلی شرط کے احکام میں نے بیان کردیئے ہیں رہی یہ بات کہ اگر بدل صلح کوئی منافع ہو مثلاً ایک شخص کے ذمہ سو روپے ہوں اور قرض دہندہ مقروض کے ساتھ صلح کرلے کہ وہ ایک مہینا تک اس کے مکان میں رہائش رکھے گا یا متعینہ ایام تک اس کے جانور پر سواری کریگا یا گاڑی سواری کے لیے رکھے گا یا کھیتی کے لئے اس کی زمین رکھے گا یہ صلح جائز ہے اور صلح معنی اجارہ ہوگی۔ برابر ہے کہ صلح مدعی علیہ کے اقرار کے ساتھ ہو یا انکار کے ساتھ ہو یا سکوت کے ساتھ چونکہ اجارہ عوض کے بدلہ میں منفعت کی تملیک کو کہا جاتا ہے یہاں عوض پایا گیا ہے، اگر اقرار کے ساتھ صلح ہو اس میں معاوضہ کا معنی بالکل ظاہر ہے اگر صلح انکار کے ساتھ ہو تو مقدمہ بازی یا قسم کا معاوضہ ہوگا۔ اسی طرح سکوت کے ساتھ صلح میں بھی معاوضہ مقدمہ بازی یا قسم کا ہوگا چونکہ سکوت حکماً انکار ہوتا ہے۔

جب منافع جات پر ہونے والی صلح اجارہ کے معنی میں ہے تو یہ صلح ان امور کے ساتھ صحیح ہوگی جن کے ساتھ اجارات صحیح ہوتے ہیں اور ان امور کے ساتھ فاسد ہوگی جن کے ساتھ اجارات فاسد ہوتے ہیں۔

یہ مذاہب اربعہ کے اتفاق کے ساتھ ہے۔ ❷

۲۔ بدلہ صلح کی دوسری شرط...... یہ کہ بدل صلح مال متقدم ہو چنانچہ مسلمان کا شراب اور خنزیر وغیرہ پر صلح کرنا صحیح نہیں چونکہ شراب اور خنزیر مال متقوم نہیں ہے البتہ اگر ایسی چیز کو بدلہ صلح قرار دیا گیا جو سرے سے بدل صلح بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی صلح نافذ ہوگی اور بدل صلح کے طور پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا چونکہ ایسی صورت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صلح کرنے والوں کا ارادہ معاوضہ کا نہیں ہے گویا صلح مصالح کی طرف سے معافی ہوگی۔

۳۔ تیسری شرط...... یہ کہ بدل صلح مصالح (صلح کرنے والے) کی ملکیت ہو اگر ایسے مال پر صلح کرلی جس میں کسی دوسرے کا استحقاق ثابت ہو گیا تو صلح صحیح نہیں ہوگی چونکہ یہ بات ظاہر ہو چکی کہ بدل صلح مصالح کی ملکیت نہیں۔ ❸

۴۔ چوتھی شرط...... یہ کہ بدل صلح معلوم و متعین ہو چونکہ بدل صلح کا مجہول ہونا مفضی الی النزاع ہے جس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ ❹

مصالح عنہ کی شرائط...... مصالح عنہ سے مراد مدعا بہ یعنی وہ چیز جو محل نزاع ہے اسے محل صلح سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ محل صلح درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

پہلی شرط...... یہ کہ محل صلح انسان کا حق ہو اللہ تعالیٰ کا حق نہ ہو برابر ہے کہ معین مال ہو یا ذمہ میں دین ہو یا وہ حق مال نہ ہو جیسے قصاص اور تعزیر چنانچہ حد زنا حد سرقہ اور شراب کی حد پر صلح کرنا صحیح نہیں اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی زانی کو پکڑا اور اسے قاضی

---

❶ ......البدائع ۳۶/۲۔ ❷ البدائع ۴۷/۶ تکملہ فتح القدیر ۱۳۱/۷ شرح الکبیر ۳۱۰/۳ مغنی المحتاج ۱۷۸/۲ المغنی ۴۸۳/۴۔

❸ البدائع ۴۸۔ ❹ البدائع المرجع السابق والدر المختار ۴۹۳/۴۔

کی عدالت میں لے جانا چاہا، زانی نے کچھ مال دے کر صلح کر لی تو یہ صلح باطل ہے چونکہ حد زنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور دوسرے کے حق پر عوض لینا جائز نہیں یہ صلح یا تو حلال کو حرام کرنے پر ہوگی یا حرام کو حلال کرنے پر۔

اسی طرح حد قذف پر بھی صلح کرنا صحیح نہیں مثلاً ایک شخص نے کسی پر تہمت لگائی قاذف نے مال پر صلح کر لی کہ مقذوف اسے معاف کر دے چونکہ یہ حد ہے جو اللہ کا حق ہے اگر چہ اس میں انسان کا بھی حق ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک اس میں اللہ کا حق غالب ہے۔

اسی طرح جو شخص کسی کے خلاف گواہی دینا چاہتا ہو اس کے ساتھ مال پر صلح کرنا بھی صحیح نہیں اور یہ صلح باطل ہوگی چونکہ گواہ گواہی دینے میں اللہ تعالیٰ کے حق کو ثواب کی نیت سے پورا کر رہا ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے متعلق صلح کرنا باطل ہے۔ ایسی صلح کی صورت میں عاقد پر مال کو واپس کرنا واجب ہے۔ چونکہ عاقد نے بغیر کسی حق کے مال لیا ہے۔ اگر قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو وہ اس کی گواہی کو باطل کر دے چونکہ یہ فسق ہے یا البتہ اگر گواہ توبہ کر لے پھر گواہی قبول ہوگی۔

مذاہب اربعہ کے اتفاق کے ساتھ جان کے قصاص اور اعضاء کے قصاص میں صلح جائز ہے چونکہ قصاص انسان کا حق ہوتا ہے اس صورت میں صلح جائز ہوگی، برابر ہے بدل صلح کوئی متعین چیز ہو یا دین ہو البتہ اگر بدل صلح دین ہو تو مجلس میں قبضہ کرنا شرط ہے، برابر ہے بدل صلح متعین ہو یا مجہول جس میں جہالت فاحشہ نہ ہو مثلاً اگر کپڑے یا جانور یا گھر پر صلح کی تو یہ جائز نہیں چونکہ کپڑوں، جانوروں اور گھروں کی جنس مختلف ہوتی ہے جب کہ نوع کی جہالت فاحش ہوتی ہے لہٰذا جواز ممنوع ہے۔

ضابطہ......اس میں یہ ہے کہ ہر وہ جہالت جو نکاح میں مہر کے صحیح ہونے کے مانع ہو وہ جہالت قصاص میں صلح کے بھی مانع ہوتی ہے اور جو جہالت نکاح میں مہر کے مانع نہیں وہ قصاص میں صلح کے بھی مانع نہیں چونکہ بدل صلح اور بدل مہر میں سے ہر ایک ایسی چیز کا بدل ہوتا ہے جو مال نہیں بنا بر ایں جو چیز مہر بن سکتی ہے وہ بدل صلح بھی بن سکتی ہے جس چیز کو جہالت کی وجہ سے مہر نہیں بنایا جا سکتا تو ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ اسی طرح جب قصاص میں بدل صلح غیر صالح ہو تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور دیت واجب ہوگی اور اعضاء کی صورت میں تاوان واجب ہوگا ہاں البتہ صلح اور نکاح میں ایک طرح کا فرق بھی ہے وہ یہ کہ جب قصاص میں شراب یا خنزیر پر صلح کر لی جائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور کوئی دوسری چیز واجب نہیں ہوگی اور خون کے دعویدار کی طرف سے صلح معافی کے معنی میں ہوگی جب کہ شراب اور خنزیر کو اگر نکاح میں مہر مقرر کر لیا تو اس کے بجائے مہر مثل واجب ہوگا۔

فرق کی وجہ یہ ہے کہ لفظ صلح معافی سے کنایہ ہے۔ جب قصاص کی صلح میں مال متقوم کا تذکرہ نہ ہو تو گویا عوض کے بیان سے سکوت کر لیا گیا جب عوض کا ذکر نہیں کیا گیا گویا معاف کر دیا گیا اور معافی کے بعد عوض واجب نہیں ہوتا۔

رہی بات نکاح کی سو اس میں مہر کی معافی کا احتمال نہیں ہوتا چونکہ جب مہر سے سکوت کر لیا جائے تو وہ حکماً واجب ہوتا ہے چونکہ مہر ضروریات نکاح میں سے ہے چنانچہ نکاح مہر کے ساتھ ہی مشروع ہوا ہے چنانچہ جب ایسی چیز کو مہر بنا دیا گیا جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے عاقد نے مہر مقرر ہی نہیں کیا جب مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

رہی بات صلح کی سو وجوب مال اس کی ضروریات میں سے نہیں ہے چنانچہ اگر بغیر کسی چیز کے مقرر کرنے کے دعویدار نے اپنا حق معاف کر دیا تو کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ [1]

قصاص کی بجائے صلح کر لینا جائز ہے برابر ہے، بدل صلح خواہ دیت کے بقدر ہو یا دیت سے زائد ہو یا دیت سے کم۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ

---

[1] تکملہ فتح القدیر ۷/۳۳ تبیین الحقائق ۵ ۳۵

اور اگر قاتل کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے تو معروف طریقے کے مطابق مطالبہ کرنا حق ہے اور اسے خوش اسلوبی سے ادا کرنا فرض ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت دم عمد کی صلح پر نازل ہوئی ہے شے کا اطلاق قلیل وکثیر دونوں پر ہوتا ہے لہٰذا آیت قصاص کی بجائے صلح کے جواز پر دلالت کرتی ہے خواہ کم مال پر صلح کرلی جائے یا زیادہ پر۔

یہ قتل خطا اور شبہ عمد کی صلح کے برخلاف ہے چنانچہ اگر دیت اور تاوان میں سے اکثر پر صلح کرلی تو جائز نہیں چونکہ دیت اور تاوان شرعی طور پر متعین اور مقرر ہیں اس میں زیادتی نہیں ہوسکتی، جب کہ مقرر کرزیادتی سود ہے لہٰذا جائز نہیں۔ جب کہ بدل صلح جو قصاص کی بجائے ہو تو وہ قصاص کا عوض ہوتا ہے اور قصاص مال نہیں یہاں تک کہ یہ کہا جائے کہ بدل صلح مقررہ مال سے زائد ہو گیا اس میں کوئی شرعی تعین بھی نہیں لہٰذا سود نہیں ہوگا۔ ❶

مجہول چیز پر صلح کرنا......حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط نہیں کہ جس چیز کے متعلق صلح کی جارہی ہے وہ معلوم اور متعین ہو چنانچہ مجہول چیز کے متعلق بھی صلح کی جاسکتی ہے برابر ہے مصالح عنہ عین ہو یا دین چنانچہ اگر ایک شخص نے دوسرے پر کسی عین میں دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے اقرار کرلیا یا انکار کیا اور متعین مال پر صلح کرلی تو یہ صلح جائز ہے چونکہ صلح جس طرح بطور معاوضہ صحیح ہے اسی طرح بطور اسقاط بھی صحیح ہے یہ اسقاط حق ہے لہٰذا مجہول میں بھی صحیح ہے جیسے غلام آزاد کرے اور طلاق۔

نیز صلح جب معلومات ہونے کے باوجود بھی صحیح ہے اور بعینہ ادائے حق کا امکان ہوتا ہے تو مجہول چیز کے متعلق صلح کرنا بطریق اولیٰ صحیح ہو گا۔ اگر اس وقت صلح جائز نہیں ہوگی تو مال کا ضائع ہونا لازم آئے گا جب کہ یہاں صلح بیع نہیں بلکہ ابراء ہے جب کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے کہ میراث کے معاملہ میں دو شخص آپس میں جھگڑ پڑے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میراث کے آپس میں حصے کرلو اور بھائی بندی بحال رکھو اور تم ایک دوسرے کے لیے مال کو حلال کردو ❷ یہ مجہول چیز کے متعلق صلح ہوئی ہے جیسا کہ ابن قدامہ نے وضاحت کی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مصالح عنہ کی مقدار معلوم ہونی چاہیے اگر مجہول ہوئی تو صلح جائز نہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجہول چیز پر صلح کرنا صحیح نہیں چونکہ صلح بیع ہے لہٰذا مجہول پر صحیح نہیں۔ ❸

دوسری شرط......مصالح عنہ صلح کرنے والے کا حق ہو اگر صلح کرنے والے کا حق نہ ہو تو صلح باطل ہوگی۔ ❹

تیسری شرط......محل صلح میں مصالح (یعنی صلح کرنے والے کا) حق ثابت ہو اگر اس کا حق ثابت نہ ہو تو صلح جائز نہیں ہوگی جیسا کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں سے واضح ہوتا ہے۔ ❺

چنانچہ اگر کسی عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی پھر عورت نے بچے کا دعویٰ کردیا کہ اس کے خاوند کا جو بچہ ہے وہ اس کے بطن سے ہے پھر عورت نے کسی چیز پر نسب کی صلح کرلی تو یہ صلح باطل ہوگی چونکہ نسب بچے کا حق ہے عورت کا حق نہیں لہٰذا معاوضے کی مالک نہیں ہوگی۔

اگر شفیع نے اپنے حق شفعہ کے متعلق خریدار کے ساتھ صلح کرلی اور بدل صلح میں متعین مال لیا کہ وہ خریدار کو گھر سپرد کردے تو یہ صلح بھی

---

❶......البدائع ۴۹/۶ العنایۃ مع تکملۃ الفتح ۳۴/۷ تبیین الحقائق ۳۶/۵ الدر المختار ۴۹۷/۴۔ ❷رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ واصلہ فی الصحیحین عن ام سلمۃ۔ ❸البدائع ۴۹/۶ المغنی ۴۹۰/۴ المیزان ۷۹/۲ تبیین الحقائق ۳۲/۵ ❹البدائع ۴۹/۶۔ ❺۔ البدائع ۴۹/۶ المبسوط ۳۵/۲۱

باطل ہوگی چونکہ محل صلح میں شفیع کا کوئی حق نہیں اس کے لیے تو حق تملک ثابت ہے اس میں صلح کا احتمال نہیں یہ قصاص پر صلح کرنے کے بر خلاف ہے چونکہ یہاں محل حق استیفاء میں ملک ہے۔

اگر کفیل بالنفس نے مکفولہ سے متعین مال پر صلح کر لی کہ وہ اسے کفالت سے بری کر دے تو یہ صلح بھی باطل ہے اور کفالت لازم ہوگی چونکہ دائن جو مکفول لہ ہے اس کے لیے جو حق ثابت ہے وہ کفیل کے مطالبہ کا حق ہے اور یہ ولایت مطالبہ ہے جو دائن کی صفت ہے لہٰذا صلح صحیح نہیں اور یہ شفعہ کے مشابہ ہے۔

اگر کسی شخص کا سائبان کھلی گلی میں آگے نکلا ہو یا روشندان وغیرہ باہر کو نکلا ہو یا پرنالہ گلی میں کرتا ہو کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ جھگڑا کرے اور ان چیزوں کو گرانا چاہے تاہم مالک مال پر اس کے ساتھ صلح کرے تو یہ صلح باطل ہوگی چونکہ راستہ تو سبھی مسلمانوں کا حق ہے کسی مخصوص شخص کا حق نہیں فرد کو تو صرف حق مرور حاصل ہوتا ہے جو ولایت مرور (گزرنے کا حق) ہے یہ گزرنے والے کی صفت ہے اس پر صلح کرنا جائز نہیں نیز اس صلح کا کوئی فائدہ بھی نہیں چونکہ اگر فرد واحد کا حق ساقط بھی ہو جائے تو باقی لوگوں کا حق تو پھر بھی باقی رہتا ہے وہ سائبان وغیرہ کو اکھاڑ سکتے ہیں۔

البتہ اگر گلی آگے سے بند ہو اور گلی میں رہنے والوں میں سے کسی نے صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہوگی چونکہ اس صورت میں چند لوگوں کو راستہ استعمال کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ گویا گلی کا ہر جزو ہر فرد کی ملکیت ہے لہٰذا صلح جائز ہے اس صلح کا فائدہ بھی ہے کہ گلی کے متعلقین سبھی صلح پر آمادہ ہو سکتے ہیں بخلاف اس صورت کے کہ جب گلی کھلی ہو چونکہ کھلی گلی ہونے کی صورت میں سب لوگوں کی طرف سے صلح کا ہونا ممکن نہیں۔

اگر ایک شخص نے دوسرے پر مال کا دعویٰ کر دیا اور مدعی علیہ نے انکار کیا جب کہ مدعی کے پاس گواہ بھی نہ ہوں تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی پھر اگر مدعی علیہ نے صلح کر لی کہ اس سے قسم نہ لی جائے تو یہ صلح جائز ہے اور وہ قسم سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

اگر ایک شخص نے دوسرے پر سو روپے کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے سو روپے کا انکار کر دیا پھر دونوں نے اس بات پر صلح کر لی کہ اگر مدعی علیہ نے قسم اٹھالی تو وہ بری الذمہ ہو جائے گا چنانچہ مدعا علیہ نے قسم اٹھالی تو یہ صلح باطل ہوگی اور مدعی اپنے دعویٰ پر قائم رہے گا اگر اس نے گواہ پیش کر دیئے تو اپنا حق لے سکتا ہے چونکہ اس کا یہ کہنا کہ اگر مدعی علیہ نے قسم اٹھالی تو وہ بری الذمہ ہوگا تعلیق بالشرط ہے اور یہ باطل ہے چونکہ ابراء میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے اور تملیک میں اصل یہ ہے کہ اس میں تعلیق بالشرط کا احتمال نہ ہو۔

اور اگر مدعی کی پاس گواہ نہ ہوں اور وہ مدعی علیہ سے قسم لینے کا ارادہ رکھتا ہو تو یہاں دو صورتیں ہیں۔

الف مدعا علیہ قسم اگر قاضی کی عدالت کے علاوہ کہیں اور اٹھائے تو مدعی کو حق حاصل ہے کہ وہ قاضی کے عدالت میں دوسری بار اس سے حلف لے چونکہ پہلی قسم غیر معتبر ہے۔

ب اگر مدعی علیہ قاضی کی عدالت میں قسم اٹھائے تو مدعی سے دوسری بار قسم نہیں لے سکتا، چونکہ قسم لینے کا حق ایک بار ادا ہو چکا اب دوسری بار واجب نہیں ہوگا۔

اگر اس بات پر صلح کی کہ مدعی قسم اٹھائے گا اور جب قسم اٹھالیگا دعویٰ مدعی علیہ کو لازم ہو جائے گا، اگر مدعی نے اپنے دعویٰ پر قسم اٹھالی تو یہ صلح باطل ہوگی مدعی پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی، چونکہ یہ وجوب مال کی شرط کی تعلیق ہے اور یہ قمار ہونیکی وجہ سے باطل ہے۔ [1]

اگر کسی شخص نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا عورت نے انکار کر دیا اور پھر مدعی کے ساتھ مال پر صلح کر لی مال عورت نے اسے دے دیا یہاں تک کہ مدعی نے دعویٰ چھوڑ دیا تو یہ صلح جائز ہے چونکہ نکاح حق ثابت ہے جو مدعی کا حق ہے گویا حق ثابت پر صلح ہو رہی ہے اور یہ صلح خلع کے معنی میں ہوگی چنانچہ خلع میں حقوق زوجیت کے بدلہ میں مال لیا جاتا ہے عورت کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ دفع خصومت کے لئے مال خرچ کرے۔ [2]

---

[1] البدائع ۶/۵۰۔ [2] البدائع ۶/۵۰ تبیین الحقائق ۵/۳۷ الدر المختار ۴/۴۹۶ مجمع الضمانات ۳۸۵

اگر کسی شخص نے عورت سے کہا: میں تمہیں ایک ہزار دوں گا کہ تم میری بیوی ہو جاؤ یہ اتفاق جائز ہے بشرطیکہ عورت گواہوں کی موجودگی میں قبول کرلے گویا یہ صلح نکاح سے کنایہ ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کہا: میں نے گزشتہ دن ایک ہزار پر تم سے شادی کرلی تھی عورت نے انکار کردیا اور کہا: نہیں۔ مدعی نے کہا: میں تمہیں ایک سو مزید دوں گا کہ تم میرے لیے نکاح کا اقرار کرلو چنانچہ عورت نے اقرار کرلیا تو یہ صلح بھی جائز ہے اور عورت کو گیارہ سو ملیں گے نکاح جائز ہوگا اور عورت کے اقرار کو صحت پر محمول لیا جائے گا۔ ❶

اگر کسی عورت نے کسی مرد پر نکاح کا دعویٰ کردیا مرد نے انکار کیا پھر مرد نے عورت کے ساتھ صلح کرلی اور اسے مال دے دیا یہ صلح جائز نہیں چونکہ فی الواقع یا تو نکاح ثابت ہوگا یا غیر ثابت ہوگا اگر غیر ثابت ہو تو عورت کا مرد کو مال دینا رشوت کے معنی میں ہے چونکہ یہاں مال کے مقابلہ میں ایسی کوئی چیز نہیں جسے مذکور مال کا عوض قرار دیا جاسکے اگر فی الواقع نکاح ثابت شدہ ہو تو اس صلح سے فرقت ثابت نہیں ہوگی چونکہ اس جیسی فرقت کی صورت میں عورت مرد کو عوض دیتی ہے مرد عورت کو نہیں دیتا چنانچہ فرقت میں مرد عورت کو عوض نہیں دیتا چنانچہ عورت جو مال لے گی وہ کسی چیز کا عوض نہیں ہوگی لہٰذا جائز نہیں لیکن اگر مرد نے بھی دعویٰ کردیا تو صلح جائز ہوگی اور یہ صلح خلع کے معنی میں ہوگی جو مرد کی طرف سے ہوگا چونکہ مرد کا دعویٰ ہے کہ نکاح قائم ہے نیز عورت کی طرف سے مقدمہ کا دفع ہے۔ ❷

اگر ایک شخص نے کسی دوسرے پر ایک ہزار روپے کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے انکار کردیا مدعی نے مدعی علیہ کے ساتھ سو روپے پر صلح کرلی کہ وہ ہزار کا اقرار کرلے یہ صلح باطل ہوگی چونکہ مدعی یا تو اپنے دعویٰ میں سچا ہوگا یا جھوٹا ہوگا اگر ایک ہزار کے دعویٰ میں سچا ہو تو ایک ہزار مدعی علیہ پر واجب ہوجائیں گے اور اس پر عوض لینا رشوت کے معنی میں ہوگا اور یہ حرام ہے۔

اور اگر اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو تو ہزار روپے کا مدعی علیہ کا اقرار مال کے التزام کے معنی میں ہے، اور یہ جائز نہیں ہے۔ ❸

اگر کسی انسان نے کسی شخص پر ودیعت کا دعویٰ کیا یا عاریت کا دعویٰ کیا یا مال مضاربت یا اجارہ کا دعویٰ کیا، امین نے کہا: میں نے تو وہ تمہیں واپس کردیا کہے: وہ مال ضائع ہوچکا ہے پھر مدعی اس کی تکذیب کردے اور کہے: بلکہ تم نے خود دیدہ دانستہ اس مال کو ضائع کیا ہے پھر دونوں مال پر صلح کریں تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلح باطل ہوگی اور امام محمد کے نزدیک صلح صحیح ہوگی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ صلح دعوائے صحیحہ کی پاداش میں واقع ہوئی ہے جو قسم کے دفعیہ کو متضمن ہے لہٰذا صلح صحیح ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مدعی اس دعویٰ میں خود اپنی مخالفت کررہا ہے چونکہ ودیع (دیعت رکھنے والا) مالک کا امین ہوتا ہے امین کا قول امانتدار کا قول ہوتا ہے گویا واپسی یا ضائع ہونے کے متعلق خبر دینا فی الواقع مودع کی طرف سے اقرار ہے گو دعوائے استہلاک میں وہ خود اپنی ہی مخالفت کررہا ہے اور یہ تناقض دعویٰ ہے جو دعویٰ صحیح ہونے کے مانع ہے ہاں البتہ وہ قسم لے لیکن دفع دعویٰ کے لیے نہیں بلکہ تہمت دور کرنے کے لئے جب دعویٰ صحیح نہیں تو صلح بھی صحیح نہیں۔ ❹

کسی عیب پر صلح کرنا...... اگر کسی شخص نے کوئی چیز خریدی پھر اسے عیب دار پایا پھر بائع نے اس کے ساتھ کسی چیز پر صلح کرلی جو اس نے خریدار کو دے دی یا مبیع کے ثمن میں خاطر خواہ کمی کردے دیکھا جائے گا کہ مبیع اگر ایسی ہو جو بائع کو واپس کی جاسکتی ہو یا واپسی کے بغیر تاوان عیب کے مطالبہ کا خریدار کو حق ہو تو اس صورت میں صلح جائز ہوگی چونکہ عیب پر صلح کرنا حقیقت میں محل میں ثابت شدہ حق پر صلح ہے۔ محل مبیع کا عیب سے سلامت ہونا ہے۔

اگر خریدار کو مبیع واپس کرنے کا حق نہ ہو اور نہ ہی تاوان عیب لینے کا حق ہو مثلاً خریدار نے مبیع آگے کسی اور کو فروخت کردی یا اصل سے

❶ ... البدائع ۶/۵۱۔ ❷البدائع ۶/۵۱ تکملة فتح القدير مع العناية ۷/۳۵ تبيين الحقائق ۵/۳۷ الكتاب مع اللباب ۲/۶۵۔
❸البدائع ۶/۵۱۔ ❹البدائع المرجع السابق

پیدا شدہ منفصل اضافہ ظاہر ہو گیا یا خریدار کے پاس پرانے عیب کے علاوہ کوئی نیا عیب پیدا ہو گیا تو صلح جائز نہیں ہوگی چونکہ یہ مال ہتھیانا ہے جس کے عوض میں کوئی چیز نہیں لہٰذا صلح جائز نہیں ہوگی۔

اگر عیب پر صلح کر لی پھر عیب جاتا رہا مثلاً مبیع جانور تھا اس کی آنکھ میں پھولا پڑ گیا تھا جو جاتا رہا تو صلح بھی باطل ہوگی بائع نے جو چیز بدل صلح میں دی ہے وہ واپس لے سکتا ہے چونکہ مبیع کے سلامت ہونے کی صفت خریدار کو واپس لوٹ آئی اور یوں مشتری کا حق ختم ہو جائے گا۔

اگر خریدار نے مبیع میں عیب کا طعنہ دیا پھر بائع نے خریدار کے ساتھ اس بات پر صلح کر لی کہ وہ اسے عیب مذکور سے بری کر دے اور ہر طرح کے عیب سے بھی بری کر دے تو یہ صلح جائز ہے چونکہ عیب سے بری الذمہ کرنا حقیقت میں مبیع میں سلامتی سے بری الذمہ کرنا ہے۔

اسی طرح اگر خریدار نے عیب کا طعنہ نہ دیا اور بائع نے خریدار کے ساتھ صلح کر لی کہ مبیع ہر طرح کے عیب سے بری ہے یہ صلح جائز ہوگی چونکہ اگر خریدار نے طعنہ عیب نہ دیا تو اسے مقدمہ بازی کا حق ہے لہٰذا اس حق کو ختم کرنے کے لئے صلح جائز ہے۔

اگر خریدار نے کسی قسم کے عیب مثلاً اندھا پن اور پھوڑے وغیرہ کا عیب کا طعنہ دیا فروخت کنندہ نے صلح کر لی تو صلح جائز ہوگی چونکہ ہر طرح کے عیب سے صلح کرنا جائز ہے اگر کوئی اور عیب ظاہر ہو گیا تو مشتری کو خصومت کا حق حاصل ہوگا چونکہ صلح ایک خاص نوع کے متعلق واقع ہوئی ہے اس نوع کے علاوہ میں اسے مقدمہ بازی کا حق حاصل ہوگا۔ ❶

مدعی اور اجنبی کے درمیان صلح...... اس سے پہلے مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان صلح ہونے پر کلام ہوا ہے اب مدعی اور اجنبی کے درمیان صلح ہونے کا تذکرہ ہوگا چنانچہ اجنبی کی صلح یا مدعی علیہ کی اجازت اور اس کے حکم سے ہوگی یا اس کی اجازت اور حکم کے بغیر ہوگی۔ اگر صلح مدعی علیہ کی اجازت سے ہو: یہ صلح جائز ہے گویا اجنبی مدعی علیہ کی طرف سے وکیل ہوگا۔

بدل صلح اصل مدعی علیہ پر لازم ہوگا وکیل کو لازم نہیں ہوگا برابر ہے کہ صلح اقرار کے ساتھ ہو یا انکار کے ساتھ چونکہ عقد صلح میں حقوق وکیل کی طرف راجع نہیں ہوتے، مال مدعی علیہ کو لازم ہوگا۔ ہاں البتہ اگر وکیل بدل صلح کو اپنے ذمہ لے لے تو اسی پر لازم ہوگا۔ اس صورت میں عقد کفالت اور ضمان کو متضمن ہوگا۔ ❷

شافعیہ کہتے ہیں...... اگر اجنبی نے مدعی سے کہا: مجھے مدعی علیہ نے وکیل نامزد کیا ہے اور وہ تمہارے دعوے کا اقرار کرتا ہے چنانچہ دونوں کے درمیان صلح صحیح ہوگی چونکہ معاملات میں وکالت کا دعویٰ مقبول ہوتا ہے اگر اجنبی نے مدعا بہ چیز کے متعلق اپنے لئے صلح کی اور اپنے مال کے ساتھ صلح کی پھر اجنبی نے مدعی سے کہا کہ مدعی علیہ دعوے کا اقرار کرتا ہے یہ صلح بھی صحیح ہوگی اور اگر مدعی علیہ منکر ہو اور اجنبی کہے: مدعی علیہ کا انکار باطل ہے اور تم سچے ہو میرے نزدیک لہٰذا میرے ساتھ صلح کر لو پھر اگر مدعی بہ کوئی معین چیز ہو تو اس پر مغصوب چیز خریدنے کا حکم لگے گا یعنی اگر مدعی علیہ سے یہ چیز چھڑانے کی قدرت رکھتا ہو تو صلح صحیح ہوگی اگر چھڑانے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو صلح صحیح نہیں ہوگی اگ اجنبی نے یہ بات نہ کہی کہ مدعی علیہ کا انکار باطل ہے تو صلح لغو ہوگی۔ ❸

اگر صلح مدعی علیہ کی اجازت کے بغیر ہو: صلح کی اس صورت کو دوسرے الفاظ میں فضولی کی صلح کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی پانچ صورتیں ہیں ان میں سے چار صورتوں میں صلح صحیح ہے اور بدل صلح فضولی پر واجب ہوگا اور مدعی علیہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی یہ صورتیں درج ذیل ہیں۔

اول ... یہ کہ فضولی ضمان کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرے اور مدعی سے کہے: میں نے فلاں شخص پر ایک ہزار روپے کے متعلق

---

❶ ...... البدائع ۶/۵۱ المبسوط ۲۱/۶۔ ❷ البدائع ۶/۵۲ تکملۃ فتح القدیر ۳۸/۷ تبیین الحقائق ۳۹/۵ الکتاب مع اللباب ۱۶۷/۲۔ ❸ مغنی المحتاج ۱۸۱/۲ المهذب ۳۳۳۔

تمہارے ساتھ صلح کرلی اور اس ہزار کا میں ضامن ہوں یا یہ ہزار روپے میرے ذمہ میں۔

دوم...... یہ مال کی نسبت اپنی طرف کرے اور یوں کہے: یہ ایک ہزار میرے ذمہ واجب ہے۔

سوم...... یہ کہ فضولی بدل صلح کو متعین کردے اگرچہ بدل کی نسبت اپنی ذات کی طرف نہ کرے گویا یوں کہے یہ ہزار میرے ذمہ ہے یا کہے: یہ سامان میرے ذمہ ہے۔

چہارم: یہ کہ بدل سپرد کردے اگرچہ اسے متعین نہ کرے اور اپنی ذات کی طرف اس کی نسبت بھی نہ کرے گویا یوں کہے: میں نے تمہارے ساتھ ہزار لازم پر صلح کردی پھر ہزار اسے سونپ دے۔

دلیل...... ان چار صورتوں میں صلح کے صحیح ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ...... الحجرات ۴۹/۱۰

سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروادو۔

دوسرا فرمان ہے **والصلح خیر** صلح کرلینا بہتر ہے (النساء ۴/۱۲۸) عقلی دلیل یہ ہے کہ ان چار صورتوں میں فضولی تبرع کرکے اپنے ذاتی حق میں تصرف کررہا ہوتا ہے گویا مدعی علیہ کی طرف سے اپنا مال دے کر صلح کرتا ہے۔

پنجم: اس صورت میں صلح صحیح ہیں اور صلح مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف رہے گی اس کی صورت یہ ہے کہ فضولی کہے: میں نے تمہارے اس دعویٰ میں تمہارے ساتھ ایک ہزار پر صلح کی اس صورت میں اگر مدعی علیہ نے صلح کی اجازت دے دی تو صلح نافذ العمل ہوگی اور بدل صلح مدعی علیہ پر واجب ہوگا اجنبی پر نہیں چونکہ بعد میں ملنے والی اجازت بمنزلہ وکالت کے ہے اور وکالت کا یہی حکم ہے اگر مدعی علیہ نے اجازت نہ دی تو صلح باطل ہوجائے گی چونکہ کسی دوسرے انسان پر اپنا تصرف مسلط کرنا جو اس کی اجازت کے بغیر ہو صحیح نہیں عقد میں اصل مدعی علیہ ہے۔ ❶

یہ احکام اجنبی شخص کے خلع پر بھی منطبق ہوتے ہیں:

اگر خلع خاوند یا بیوی کی اجازت سے ہو تو خلع کرنے والے فضولی وکیل تصور ہوگا مال عورت پر واجب ہوگا وکیل پر نہیں چونکہ وکیل تو محض سفیر اور معبر ہے عقد خلع کے حقوق اس کی طرف راجع نہیں ہوں گے خلع صحیح ہوگا۔

اگر خلع بغیر اجازت کے ہو اور فضولی نے بدل خلع کا ضمان اپنے سر لیا ہو اور یوں کہا ہو: اپنی بیوی کے ساتھ مثلاً ایک ہزار پر خلع کرلو جو میرے ذمہ واجب ہوں گے خلع صحیح ہوگا اور مال فضولی پر واجب ہوگا اور وہ اصیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا چونکہ بدل خلع دینے میں وہ متبرع ہے۔

اگر فضولی نے خاوند سے کہا کہ اپنی بیوی کے ساتھ اتنے مال پر خلع کرلو خاوند نے کہا: میں نے خلع کرلیا اس صورت میں خلع عورت کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر عورت نے اجازت دے دی تو خلع صحیح ہوگا بدل خلع عورت پر واجب ہوگا فضولی پر نہیں۔ اگر عورت نے اجازت نہ دی تو خلع باطل ہوگا اور طلاق واقع ہوجائے گی۔

یہ احکام دم عمد میں فضولی کی طرف سے ہونے والی صلح پر بھی منطبق ہوں گے اسی طرح ثمن میں اگر اجنبی اضافہ کردے تو یہاں بھی یہ احکام منطبق ہوں گے اگر ثمن میں اضافہ خریدار کی اجازت سے ہو تو فضولی وکیل تصور ہوگا اور زائد ثمن کا ذمہ دار خریدار ہوگا اگر ثمن میں اضافہ خریدار کی اجازت کے بغیر ہو تو اس کی تفصیل حسب سابق ہے جو صلح میں گزر چکی۔ ❷

تیسری بحث: احکام صلح...... صلح کے مختلف احکام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ❸

---

❶ البدائع ۶/۵۲ تکملہ فتح القدیر ۔ ۴۰ تبیین الحقائق ۵/۴۰ ❷ البدائع ۶/۵۲ ❸ البدائع ۶/۵۳ تکملہ فتح القدیر ۷/۲۹ المبسوط ۲۰/۱۶۳ تبیین الحقائق ۵/۳۳ الدر المختار مع رد المحتار ۴/۴۹۴۔

اول..... مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان جھگڑا اور تنازع شرعاً ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان کا دعویٰ مسموع نہیں ہوگا یہ حکم ہر قسم کی صلح کو شامل ہوگا۔

دوم..... شفیع کو حق شفعہ ملے گا جب مدعا بہ گھر ہو اور بدل صلح گھر نہ ہو بلکہ نقدی مال ہو یا کوئی اور چیز ہو شفیع کو حق شفعہ اس وقت ملے گا جب مدعی علیہ کی طرف سے صلح اقرار کے ساتھ ہو چونکہ اس صورت میں صلح بمعنی بیع ہوگی اگر صلح مدعی علیہ کے انکار کے ساتھ ہو تو حق شفعہ ثابت نہیں ہوگا چونکہ یہ صلح بمعنی بیع نہیں ہے بلکہ یہ تو محض خصومت اور قسم سے بچنے کا ایک سامان ہے۔

اگر بدل صلح گھر ہو اور صلح مدعی علیہ کے اقرار کے ساتھ ہوئی ہو تو دونوں گھروں (مدعا علیہ اور بدل صلح کے گھروں) میں شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔ چونکہ یہاں صلح جانبین سے بمعنی بیع ہے۔

اگر صلح انکار کے ساتھ ہو تو شفیع کو حق شفعہ بدل صلح والے گھر میں حاصل ہوگا۔ مدعا بہ گھر میں حق شفعہ حاصل نہیں ہوگا چونکہ انکار کے ساتھ صلح میں نسبت مدعی کے معاوضہ تصور ہوگا مدعی علیہ کی نسبت معاوضہ نہیں بلکہ مدعی علیہ کی طرف سے تو محض خصوصت کے دفیعہ کا سامان رہے لہٰذا مدعا بہ گھر مدعی علیہ کے حق میں مبیع کے حکم میں نہیں لہٰذا شفیع کے لیے حق شفعہ ثابت نہیں ہوگا۔

سوم..... عیب کی وجہ سے حق رد اور استحقاق کا حکم۔ عیب کی وجہ سے حق رد عقد صلح میں طرفین کو حاصل ہوگا بشرطیکہ اگر صلح اقرار کے ساتھ ہو چونکہ یہ صلح بمنزلہ بیع کے ہے۔

اگر صلح انکار کے ساتھ ہو تو مدعی کو حق رد حاصل ہوگا مدعی علیہ کو حق رد نہیں ملے گا چونکہ یہ صلح مدعی کے حق میں بمنزلہ بیع ہے مدعی علیہ کے حق میں نہیں۔

جب صلح اقرار کے ساتھ ہو تو اسوقت بھی یہ احکام منطبق ہوتے ہیں اور مصالح علیہ میں استحقاق ثابت ہو جائے مدعی علیہ استحقاق کے حصہ کے بقدر عوض مصالح بہ کو واپس لے سکتا ہے چونکہ اقرار کے ساتھ صلح بیع کی طرح ہے، بیع میں استحقاق کے ثابت ہونے کا بھی یہی حکم ہے اگر صلح انکار کے ساتھ ہو یا سکوت کے ساتھ ہو اور پورے متنازع فیہ میں استحقاق ثابت ہو جائے تو مدعی مقدمہ صاحب استحقاق کے ساتھ لڑے گا چونکہ مستحق مدعی علیہ کے قائم مقام ہے عوض مصالح بہ اس شخص کو واپس کیا جائے گا جس سے لیا گیا ہو [1] چونکہ مدعی علیہ نے مدعی کو بدل صلح اس لئے دیا تھا تا کہ متوقع مقدمہ کا دفیعہ ہو جائے جب استحقاق ثابت ہو چکا تو واضح ہو گیا کہ خصومت میں تو اس کا حق ہے ہی نہیں۔ یوں بلاغرض اس کے قبضہ میں عوض باقی رہ جاتا ہے لہٰذا واپس کرے گا اگر متنازع فیہ کے بعض حصے کا استحقاق ہوا تو اس کے حصہ کے بقدر واپس کرے گا اور خصومت کے معاملہ میں رجوع مستحق پر ہوگا۔

چہارم..... صلح کی دونوں اقسام میں خیار رویت کی وجہ سے حق رد حاصل ہوگا۔ چونکہ خیار مدعی کو حاصل ہوگا لہٰذا وہ اپنے حق کے معاوضہ کو صلح قرار دے سکتا ہے۔

پنجم..... یہ کہ قبضہ سے پہلے بدل صلح میں تصرف کرنا جائز نہیں بشرطیکہ جب بدل صلح منقولی چیز ہو یہ حکم صلح کی دونوں قسموں میں جاری ہوگا چنانچہ مدعی کے لیے جائز نہیں کہ وہ قبضہ سے قبل بدل صلح کو فروخت کرے یا ہبہ کرے اگر زمین (غیر منقول چیز) ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبل از قبضہ بدل صلح میں تصرف کرنا جائز ہے جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں جیسا کہ عقد بیع میں یہ معروف ہے۔

قصاص پر ہونے والی صلح میں مصالح کے لیے جائز ہے کہ وہ قبضہ سے قبل بدل صلح کو فروخت کردے یا اس سے بری الذمہ ہو جائے جیسے مہر اور خلع میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے چونکہ جواز تصرف کے مانع یہ چیز ہے تا کہ عقد فسخ ہونے سے محفوظ رہے۔ جب کہ قصاص

[1] ..... تکملہ فتح القدیر مع العنایہ ۷/۲۹، المبسوط ۲۰/۱۴۹ تبیین الحقائق ۵/۳۲ اللکتاب مع اللباب ۲/۱۶۴۔

پر صلح کی صورت میں فسخ کا احتمال نہیں ہوتا، چونکہ یہ ایسی چیز ہے جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتی، لہٰذا قصاص کے بدل صلح میں قبل از قبضہ تصرف کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

ششم.....جو شخص صلح کا وکیل ہو وہ بدل صلح کا بھی پابند ہوگا جب کہ مدعی علیہ پابند نہیں ہوگا۔ یہ اسوقت ہوگا جب صلح معاوضہ کے معنی میں ہو یہ ایسا ہی ہے جیسے صلح مدعی کے حق کی جنس کے خلاف پر تمام ہو چونکہ اسوقت صلح بیع کے قائم مقام ہوگی جب کہ بیع کے حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

خلاصہ.....جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ جب صلح اقرار کے ساتھ ہو اور مدعا بہ چیز کے علاوہ پر صلح جاری ہو تو وہ بیع ہوتی ہے، جو لفظ صلح کے ساتھ طے پاتی ہے اس میں بیع کے احکام ثابت ہوں گے جیسے شفعہ عیب کی وجہ سے رد اور قبضہ سے پہلے تصرف کا ممنوع ہونا اور جب مصالح عنہ اور بدل صلح میں علت ربا پائی جائے تو قبضہ کی شرط کا ہونا۔ ❶

چوتھی بحث.....وہ امور جو عقد صلح کو باطل کر دیتے ہیں اور بطلان کے بعد صلح کا حکم

مبطلات صلح.....مختلف چیزوں سے صلح باطل ہو جاتی ہے۔ ❷

ا.....اقالہ، بشرطیکہ قصاص کی صلح کے علاوہ میں ہو، اگر ایک صلح کرنے والے نے دوسرے سے اقالہ کر لیا تو صلح فسخ ہو جائے گی، چونکہ صلح میں مال کے بدلہ میں مال کا معاوضہ کا معنی پایا جاتا ہے۔ لہٰذا صلح میں فسخ کا احتمال ہے جیسے بیع میں فسخ کا امکان ہوتا ہے۔ رہی بات قصاص کی سو قصاص میں صلح محض اسقاط ہے چونکہ قصاص میں صلح دراصل قاتل کو معافی دینا ہے لہٰذا فسخ کا احتمال نہیں جیسے طلاق فسخ کا احتمال نہیں رکھتی۔

۲.....امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مرتد دار حرب میں چلا گیا یا مر گیا تو صلح باطل ہو جائے گی دراصل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک قاعدہ مقرر ہے کہ مرتد کے تصرفات موقوف ہوتے ہیں یہاں تک کہ اسلام کی طرف لوٹ آئے یا دار حرب میں چلا جائے یا اسے موت آ جائے اگر مرتد اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اس کے تصرفات نافذ ہوں گے اگر دار حرب میں چلا گیا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ دے دیا یا قتل کر دیا گیا یا طبعی موت مر گیا تو اس کے تصرفات باطل ہو جائیں گے۔

صاحبین کے نزدیک مرتد کے تصرفات نافذ العمل تصور ہوں گے۔

۳.....خیار عیب یا خیار رویت کی وجہ سے مصالح عنہ کو واپس کر دیا گیا چونکہ رد عقد کو فسخ کر دیتا ہے۔

۴.....اگر منافع پر صلح ہو اور صلح کرنے والوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو بھی صلح باطل ہو جائے گی چونکہ منافع پر ہونے والی صلح اجارہ کے معنی میں ہوتی ہے اور اجارہ عاقدین میں سے کسی ایک کی موت کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے اسی طرح منفعت پر ہونے والی صلح بھی باطل ہو جائے گی۔

بطلان کے بعد صلح کا حکم: جب صلح باطل ہو جائے تو مدعی اصل دعویٰ پر واپس آ جائے گا بشرطیکہ صلح اگر انکار کے ساتھ ہو اور اگر صلح اقرار کے ساتھ ہو تو مدعی مدعی علیہ پر صرف مدعا بہ میں رجوع کر سکتا ہے چونکہ جب صلح باطل ہو چکی تو گویا صلح سرے سے ہوئی ہی نہیں لہٰذا معاملہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئے گا۔

البتہ قصاص میں ہونے والی صلح کی صورت میں مدعی قاتل پر رجوع کرے گا اور اس سے دیت لے گا اس سے قصاص کا مطالبہ نہیں کر سکتا، منافع پر صلح ہونے کی صورت میں جب کوئی ایک عاقد مر جائے اور صلح باطل ہو جائے تو جتنی مدت گزری اس میں حاصل ہونے والے منافع کو منہا کر کے بقیہ منافع کے بقدر مدعی مدعا بہ پر رجوع کرے گا بشرطیکہ صلح اقرار کے ساتھ ہوئی ہو اور اگر صلح انکار کے ساتھ ہوئی ہو تو مدعی

❶.....مغنی المحتاج ۲/ ۱۷۷ المہذب ۱/ ۳۳۳۔ ❷البدائع ۶/ ۵۴ تبیین الحقائق ۵/ ۳۲ الدر المختار ۴/ ۳۹۴۔

اصل دعویٰ کی طرف رجوع کرے گا یعنی جتنے حصہ کے بقدر اس کو منافع حاصل نہیں ہوا اسی کے بقدر دعویٰ کرے گا۔ ❶

ترکہ پر صلح یعنی تخارج...... ترکہ میں کسی وارث کے متوقع حصہ پر صلح کر لینا صحیح ہے اور اس میں بیع کے احکام جاری ہوں گے اس صلح کو مخارجہ کہا جاتا ہے، چنانچہ کوئی ایک وارث صلح کر لیتا ہے اور ترکہ کے حصوں سے خارج ہو جاتا ہے اور وہ اپنا حصہ نہیں لیتا وہ ترکہ میں سے من چاہی کوئی چیز لے لیتا ہے یا ترکہ کے علاوہ کوئی اور چیز لے لیتا ہے۔ اگر ترکہ معین اشیاء یا نقدی کی صورت میں ہو تو اس وقت حکم مختلف ہوگا چنانچہ اگر ترکہ معین اشیاء کی صورت میں ہو جیسے زمین، پلاٹس یا تجارتی سامان تو صلح صحیح ہوگی عوض کی مقدار خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ چونکہ یہ بیع ہے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی کے ساتھ اسی ہزار دینار پر صلح کی تھی۔

اگر ترکہ نقدی مال یعنی ہونا چاندی کی صورت میں ہو تو صلح اسوقت صحیح ہوگی جب مال ترکہ کی جنس کے علاوہ دوسری جنس پر صلح کی جائے مثلاً ترکہ میں سونا تھا اور صلح میں چاندی دے دی یا اس کے برعکس کیا چونکہ یہ ایک جنس کی دوسری جنس کے ساتھ بیع ہے اس میں برابر کا اعتبار نہیں ہوگا البتہ مجلس عقد میں عوضین پر قبض شرط ہوگا چونکہ یہ عقد صرف ہے۔

اگر ترکہ مخلوط ہو یعنی اشیاء عینیہ اور نقدی گڈمڈ ہوں البتہ نقدی ترکہ غالب ہو تو اس صورت میں عرض کا زیادہ ہونا ضروری ہے یعنی ترکہ میں ملنے والے حصہ سے عوض زائد ہو تاکہ عوض اور حصہ میں برابری رہے تاکہ سود لازم نہ آئے سونے اور چاندی کے حصہ کے بقدر عوض اور ترکہ پر قبضہ شرط ہوگا چونکہ اس کے بقدر بیع صرف ہے۔ ❷

خلاصہ...... حنیفہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ ترکہ متعین ہو اور یہ شرط نہیں کہ ترکہ میں حصہ کے بقدر تمامی طور پر تخارج ہو چونکہ یہ عقد بیع ہے مبیع کا متعین ہونا شرط ہے تاکہ سپردگی ممکن ہو پائے چنانچہ یہ لازمی نہیں کہ ثمن مبیع کی قیمت کے مساوی ہوں، لیکن یہ شرط ہے کہ متخارج ترکہ میں ملنے والے اپنے حصہ سے واقف ہو تاکہ غرر لازم نہ آئے، اگر تخارج میں عقد صرف کی صورت بنتی ہو تو قبضہ شرط ہے تاکہ سود لازم نہ آئے۔

چودھویں فصل ...... البراء

اس فصل میں چھ بحثیں ہیں۔ ابراء کی تعریف، مشروعیت، ارکان، شرائط محل ابراء، ابراء کی اقسام اور ابراء کا حکم۔

پہلی بحث: ابراء کی تعریف اور اس کی مشروعیت...... ابراء کا لغوی معنی تنزیہ خلاصی اور کسی چیز سے دوری اختیار کرنا ہے۔

اصطلاح فقہ میں ابراء کی تعریف یہ ہے: **هو اسقاط شخص حقاله فی ذمة آخر** کسی شخص کا حق جو کسی دوسرے کے ذمہ واجب ہو اسے ساقط کرنا ابراء ہے جیسے دائن مدیون کو قرضہ سے بری کر دے اگر حق کسی شخص کے ذمہ میں واجب نہ ہو جیسے حق شفعہ اور حق سکنی تو اس حق سے سبکدوشی ابراء نہیں بلکہ یہ اسقاط محض ہے گویا ہر ابراء اسقاط ہے لیکن ہر اسقاط ابراء نہیں۔

اگر ابراء اسقاط (حق ساقط کرنے) کے معنی کو متضمن ہو تو اس میں ایک اور معنی بھی پایا جائے گا اور وہ معنی تملیک ہے۔ چنانچہ دین کو ساقط کرنے کا یہ معنی ہے کہ دائن مدیون کو دین کا مالک بنا دیتا ہے چنانچہ ہر مذہب میں کسی ایک معنی کو ترجیح دی گئی ہے۔

حنفیہ...... نے معنی اسقاط کو ترجیح دی ہے لیکن اس کے ساتھ تملیک کے معنی کو باقی رکھا ہے اس معنی کے تحت حنفیہ نے اعیان سے ابراء کی صحت کو بھی مرتب کیا ہے چونکہ یہ بھی اسقاط ہے اور اعیان کی ملکیت اسقاط کو قبول نہیں کرتی چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ چیز سے ملکیت کو ساقط کر دے تو اس کی ملکیت ساقط نہیں ہوگی بلکہ اس کی ملک باقی رہے گی مبیع سے ابراء درست نہیں چونکہ ابراء اسقاط ہے اور معین چیز کا اسقاط

---

❶ البدائع ۶/۵۵ المبسوط ۲۱/۳۴ تبیین الحقائق ۵/۳۳ ردالمحتار ۴/۴۹۵ ❷ اللباب شرح الکتاب ۲/۱۷۰ تکملہ ردالمحتار ۲/۲۰۵۔

صحیح نہیں ہوتا مغصوب چیز سے ابراء اس چیز کی ملکیت کا سبب نہیں ابراء تو مغصوب چیز کے ضمان سے ہوتا ہے اور وہ چیز غاصب کے پاس امانت ہوتی ہے البتہ وہ دین جو ذمہ میں ثابت ہو اس سے بری کرنا صحیح ہے جیسے ضائع ہونے والی مغصوب چیز کی قیمت کا ضمان۔ معین اشیاء سے متعلق دعوے سے بری کرنا بھی صحیح ہے ابراء عن الدین کا اقالہ صحیح نہیں چونکہ ابراء ذمہ سے دین کو ساقط کر دیتا ہے ساقط ہونے والی چیز پھر واپس نہیں لوٹتی چونکہ وہ معدوم ہے دین سے بری کرنے کو تبرع کہا جائے گا چونکہ اس میں تملیک کا معنی ہے اگر چہ صورۃ اسقاط ہے۔

مالکیہ...... کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ابراء ملک کی منتقلی ہے گویا ابراء ہبہ کے قبیل میں ہے لہٰذا قبول کے محتاج ہوگا۔ ابن دسوقی نے یہی لکھا ہے۔ ❶

شافعیہ...... کے نزدیک جدید قول کے مطابق مدیون کے ذمہ واجب حق کی تملیک ابراء ہے۔ اگر ابراء معاوضہ کے ضمن میں ہو جیسے خلع تو طرفین کا اس سے آگاہ ہونا شرط ہے ورنہ بری کرنے والے کی آگاہی کافی ہے مجہول چیز سے ابراء باطل ہے بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ ابراء اسقاط ہے۔ ❷

حنابلہ...... کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ابراء اسقاط ہے چنانچہ انسان کے لئے کوئی مانع نہیں کہ وہ اپنا [illegible] ترک کردے یا اپنا حق کسی دوسرے کو ہبہ کردے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض خواہوں سے بات کی تھی تاکہ وہ کچھ قرضہ ساقط کر دیں۔ ❸

ابراء کی مشروعیت...... ابراء مندوب ہے خطیب شربینی کہتے ہیں: ابراء مطلوب ہے اس لیے ابراء میں وسعت رکھی گئی ہے بخلاف ضمان کے: چونکہ ابراء احسان نیکی اور صلہ رحمی ہے چونکہ ابراء میں مدیون سے حق کو ساقط کیا جاتا ہے۔ اگر چہ وہ تنگدست نہ ہو چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ البقرۃ ۲: ۲۸۰

اگر مقروض تنگدست ہو تو فراخی تک اسے مہلت دینا ہے اور یہ کہ تم صدقہ کردو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھو۔

دوسری بحث: ابراء کا رکن:

حنفیہ...... کے نزدیک ابراء کا رکن فقط ایجاب ہے جو صاحب حق سے صادر ہوتا ہے اور ترک حق اور سبکدوشی پر واضح دلالت کرتا ہے چونکہ ایجاب کے بغیر اس چیز کا وجود نہیں ہوتا، ابراء کے بقیہ عناصر یعنی متعاقدین اور محل یہ اطراف عقد ہیں رکن نہیں۔

جمہور...... کے نزدیک ابراء کے چار ارکان ہیں۔ صاحب حق یعنی مبری مدیون یعنی مبرا صیغہ یعنی ایجاب وقبول اور مبرا منہ بھی محل ابراء (دین عین یا حق) چونکہ رکن وہ چیز ہوتی جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہوتا ہے برابر ہے کہ رکن اس چیز کا جز ہو اور اس میں داخل ہو اور یہ صرف ایجاب ہے یا ایجاب وقبول دونوں۔ یا وہ اس چیز سے خارج ہو جیسے اطراف اور محل۔

کیا ابراء محتاج قبول ہے...... مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ ابراء قبول کا محتاج نہیں صرف ایجاب سے منعقد ہو جاتا ہے چونکہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ابراء اسقاط ہے اسقاطات طلاق اور عتق کی مانند ہوتے ہیں جو محتاج قبول نہیں۔ برابر ہے ابراء لفظ ابراء سے منعقد کیا جائے یا مدیون کو دین ہبہ کر دیا جائے بعض حنفیہ کے نزدیک اگر دین مدیون کو ہبہ کیا جا رہا ہو تو قبول ضروری ہے لیکن حنفیہ کے

---

❶ .... حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/ ۹۹ الفروق ۲/ ۱۱۱۔ ❷ المحلی ۲/ ۳۲۶ مغنی المحتاج ۲/ ۲۰۲ الاشباہ للسیوطی ۱۵۲۔ ❸ کشاف القناع ۳/ ۳۷۹ المغنی: ۴/ ۴۸۳۔

نزدیک مشہور اول قول ہے۔

علی الرغم، شافعیہ کے نزدیک ابراء ذمہ میں واجب حق کی مدیون کو تملیک ہے لہٰذا محتاج قبول نہیں چونکہ اس کا مقصد اسقاط ہے۔

ایجاب کی مثال..... مثلاً کوئی یوں کہے: میں نے تمہیں اپنے دین سے بری الذمہ کردیا یا میں نے تمہیں دین سے خلاص کردیا یا میں نے تم سے دین کو ساقط کردیا یا میں نے دین تمہاری ملکیت میں دے دیا یا میں نے نے دین تمہیں چھوڑ دیا وغیرہ ذالک۔ چنانچہ مجلّہ کے دفعہ ۱۵۶۱ میں یوں وضاحت کی گئی ہے جب کسی شخص نے کہا: میرا فلاں شخص کے ساتھ کوئی نزاع نہیں اور اس پر کوئی دعویٰ نہیں یا یہ کہا کہ فلاں شخص کے پاس میرا کوئی حق نہیں یا کہا: پھر فلاں شخص کے ساتھ جو دعویٰ ہے وہ میں نے فارغ کردیا یا چھوڑ دیا یا کہا فلاں شخص کے پاس میرا کوئی حق نہیں یا کہا: میں نے فلاں شخص سے تمام حق وصول کرلیا تو ان سب صورتوں میں ابراء ہوگا۔

مالکیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ابراء محتاج قبول ہے۔ چونکہ ابراء ملک کی منتقلی ہے جیسے ہبہ لہٰذا دین کے ہبہ میں قبول ضروری ہے۔

مجلس عقد میں قبول بالاتفاق ہے البتہ شافعیہ نے اس صورت میں لفظاً علی الفور قبول کی شرط لگائی ہے جب مبرا کو ابراء نفس میں وکیل بنایا ہو۔ اگرچہ وہ حاکم کی طرف سے وکیل ہو بظاہر مالکی مذہب میں قبول کی تاخیر کا جواز ہے چنانچہ اس میں مالکیہ کی عبارت یوں ہے جو شخص ایک زمانے تک اپنا صدقہ قبول کرنے سے خاموش رہا تو اسے حق حاصل ہے کہ اس کے بعد قبول کرے۔

حنفیہ نے ابراء کے قبول پر عدم توقف کا استثناء کیا ہے چنانچہ بیع صرف کے بدلین سے ابراء اور بیع سلم کے راس المال سے ابراء قبول پر موقوف ہے چونکہ ابراء قبضہ واجبہ کے فوت ہونے تک پہنچا تا ہے اور قبضہ کا فوت ہونا بطلان عقد کا موجب ہے، جب کہ عقد کو تنہا کوئی عاقد ختم نہیں کرسکتا بلکہ دوسرے عاقد کا قبول کرنا نہایت ضروری ہے اگر دوسرے فریق نے قبول کرلیا تو بری الذمہ ہوجائے گا اگر قبول نہ کیا تو بری بھی نہیں ہوگا جب قبول کے ساتھ ابراء تمام ہوجائے گا تو عقد صرف اور عقد سلم فسخ ہوجائے گا چونکہ مشروط قبضہ متحقق نہیں ہوا۔

البتہ اگر مسلم فیہ یا مبیع کے ثمن سے بری کرنا ہو تو یہ ابراء قبول کے بغیر بھی جائز ہے، چونکہ مسلم فیہ کا قبضہ یا ثمن کا قبضہ شرط نہیں ہوتا دین سے بری کرنا قبضہ کے ساتھ مشروط نہیں بلکہ یہ تو فقط مبری اپنے حق کو ساقط کرتا ہے لہٰذ بری صرف اپنے حق سے بری الذمہ ہوسکتا ہے۔ ❶

رد ابراء..... شافعیہ کا راجح اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ ابراء ایجاب کے ساتھ تمام ہوجاتا ہے اور محتاج قبول نہیں لہٰذا اگر مدیون ابراء کو رد کردے تو رد نہیں ہوگا۔ چونکہ ابراء حنابلہ کے نزدیک اسقاط ہے جیسے اسقاط قصاص اور اسقاط شفعہ۔ شافعیہ کے نزدیک بھی ابراء کا مقصد اسقاط ہے لہٰذا اس سے بری کرنا صحیح ہے اگرچہ مدیون ابراء کو رد ہی کردے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ ابراء رد کرنے سے رد ہوجاتا ہے۔ خواہ مجلس میں رد کیا جائے یا مجلس کے بعد بشرطیکہ جب تک مدیون سے صریح قبول سرزد نہ ہو، چونکہ مالکیہ کے نزدیک ابراء محتاج قبول ہے نیز ابراء میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے چنانچہ حنفیہ کے نزدیک تملیک کے معنی کی رعایت کی گئی ہے اگرچہ ابراء اسقاط ہے اس لیے معنی تملیک کو دیکھتے ہوئے ابراء رد کرنے سے رد ہوجائے گا۔

وہ رد معتبر ہے جو مبرا (مدیون) کی طرف سے صادر ہو یا اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث کی طرف سے صادر ہو حنفیہ نے چار مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے جن میں ابراء رد کرنے سے رد نہیں ہوگا۔

اول ودوم..... حوالہ میں ابراء اور راجح قول کے مطابق کفالہ میں ابراء چونکہ حوالہ اور کفالہ میں ابراء اسقاط محض ہے اس میں مال کی تملیک نہیں۔ اور اسقاط محض رد کا احتمال نہیں رکھتا اور اسقاط معدوم الاعتبار ہے۔ چنانچہ اگر محال نے محال علیہ کو بری کردیا اور محال علیہ نے ابراء رد کردیا تو ابراء رد نہیں ہوگا اسی طرح اگر دائن نے کفیل کو بری کردیا اور پھر کفیل نے ابراء رد کردیا تو ابراء رد نہیں ہوگا۔

---

❶ ... البدائع ۵/ ۲۰۳۔

سوم.....اگر مبراء نے ابراء پر پیش رفت کر دی اور مطالبہ کیا کہ مبری سے کہے: مجھے بری کر دو، مبری نے اسے بری کر دیا پھر مبراء نے ابراء رد کر دیا تو رد نہیں ہوگا۔

چہارم.....اگر مبراء نے ابراء قبول کر لیا اور پھر اس کے بعد ابراء کو رد کرے تو رد نہیں ہوگا چنانچہ مجلّہ عدلیہ میں دفعہ ۱۵۶۸ کے ذیل میں رد اور قبول کے اعتبار سے حنفیہ کی رائے پر وضاحت کی ہے کہ: ابراء قبول پر موقوف نہیں ہوگا ہاں البتہ رد کرنے سے رد ہو جائے گا چونکہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کو بری کر دے تو اس کا قبول شرط نہیں البتہ مدیون نے اسی مجلس میں ابراء کو یوں کہتے ہوئے رد کر دیا: میں قبول نہیں کرتا تو یہ ابراء رد ہو جائے گا یعنی اس ابراء کا کوئی حکم باقی میں رہے گا لیکن قبول کے بعد اگر ابراء رد کیا تو رد نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر محالہ نے محال علیہ کو بری کر دیا یا صاحب طلب (مکفول لہ) نے کفیل کو بری کر دیا اور پھر محال علیہ یا کفیل نے ابراء کو رد کر دیا تو ابراء رد نہیں ہوگا۔

تیسری بحث: ابراء کی شرائط.....اس بحث کے ذیل میں مبری (بری کرنے والے) کی شرائط مبرا (بری کیے ہوئے یعنی مدیون) کی شرائط صیغہ ابراء یعنی ایجاب کی شرائط اور محل ابراء کی شرائط کا تذکرہ ہوگا۔

مبری کی شرائط.....مبری کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

۱.....یہ کہ مبری تبرع کا اہل ہو یعنی عاقل بالغ اور سمجھدار ہو، ناسمجھی کی وجہ سے اس پر پابندی نہ ہو چونکہ ابراء دائن کی طرف سے تبرع ہوتا ہے چنانچہ مدیون کی طرف سے ابراء کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں ہوتا، پابندی کے نہ ہونے کی شرط حنفیہ کے نزدیک صاحبین کے مفتی بہ قول کے مطابق ہے۔

یہ شرط نفاذ ہے چنانچہ مجور علیہ کا ابراء صحیح ہے لیکن قرض خواہوں کی اجازت پر موقوف ہوگا تا کہ ان کے حقوق محفوظ رہیں۔

۲.....یہ کہ مبری کو محل ابراء پر دسترس اور ولایت حاصل ہو یعنی مبری محل ابراء کا مالک ہو یا ابراء کا موکل ہو یا دائن کی طرف سے وصی ہو۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اعتبار اس چیز کا ہے کہ واقع میں مبری کی ولایت ہو صرف ظن اور گمان میں ولایت نہ ہو چنانچہ اگر مبری نے اپنے باپ کے مال سے بری کر دیا اور اس کا گمان تھا کہ باپ زندہ ہے جب کہ فی الواقع وہ مر چکا ہو تو ابراء صحیح ہوگا چونکہ ابراء اسقاط ہے نیز جس چیز سے بری کیا جا رہا ہے فی الواقع وہ اس کی ملکیت ہے جیسے میت مورث کے مال کی خرید فروخت جب کہ مورث کے زندہ ہونے کا گمان ہو۔ اگر ابراء کو تملیک تصور کیا جائے جیسا کہ شافعیہ کا مذہب ہے تو پھر یہ ابراء صحیح نہیں ہوگا۔

۳.....رضامندی مبری کی رضا اور اختیار شرط ہے چنانچہ مکرہ کا ابراء صحیح نہیں۔

توکیل برابر.....ابراء میں کسی شخص کو وکیل بنانا صحیح ہے بشرطیکہ ابراء کے ساتھ خاص اذن ہو اذن عام کافی نہیں ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک وکیل ابراء آگے کسی اور کو ابراء کا وکیل نہیں بنا سکتا۔

شافعیہ کے نزدیک وکالت ابراء کے صحیح ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ موکل کو دین کی مقدار معلوم ہو اگر چہ وکیل اور مدیون دین کی مقدار سے لاعلم ہو۔

مرض موت میں ابراء.....پہلی شرط پر یہ تفریع بیٹھتی ہے کہ مبری مرض الموت میں مبتلا نہ ہو، اگر مریض نے وارث کو بری کر دیا تو ابراء ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر چہ دین تہائی ترکہ سے کم ہو اگر مریض نے کسی اجنبی کو بری کر دیا جب کہ دین تہائی ترکہ سے تجاوز کر جائے تو تہائی سے زائد ابراء ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ چونکہ ابراء تبرع کے حکم میں ہے جو وصیت پر مبنی ہے، اگر مریض نے کسی ایک مدیون کو بری کر دیا جب کہ ترکہ دیون کو مستغرق ہو تو اس کا ابراء نافذ نہیں ہوگا چونکہ ترکہ کے ساتھ غرماء کا حق متعلق ہو چکا ہے۔ ❶

---

❶..... الدر المختار ۴/ ۴۲۱ تکملۃ ابن عابدین ۲/ ۳۲۸ الفتاوی الهندیه ۴/ ۳۵۵ مرشد الحیران ۱۸۴ الشرح الکبیر ۴/ ۹۸ القیلوبی وعمیره ۲/ ۳۲۶ کشاف القناع ۴/ ۳۲۹ معنی ۲/ ۲۰۲ الاشباه والنظائر للیسوطی ۱۵۲۔

دوم مبرا (مدیون) کی شرائط...... بالاتفاق فقہاء کے نزدیک جانب مبرا میں یہ شرط ہے کہ مبرا متعین ہو مجہول نہ ہو اور نہ مبہم ہو[1] اگر بری کرنے والے نے دو مدیونوں میں سے کسی ایک کو بری کر دیا اور یوں کہا میں نے تم میں سے ایک کو بری کر دیا تو یہ ابراء صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کہا: میں نے اپنے ہر مدیون کو بری کر دیا یا کہا میں نے اپنے مورث کے ہر مدیون کو بری کر دیا تو یہ ابراء صحیح نہیں ہوگا ہاں البتہ اگر کسی معین مدیون کا قصد کر لیا تو ابراء صحیح ہوگا۔ اگر مبری نے کہا: میں نے اپنے ان مدیونوں کو بری کر دیا تو یہ ابراء صحیح ہوگا۔

مدیون کی جہالت کی صورت میں ابراء کے غیر صحیح ہونے کی شافعیہ نے یہ علت بیان کی ہے کہ ابراء میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے، اور مجہول کو مالک بنانا صحیح نہیں اور ابراء مبری کی تملیک ہے اور مبرا کے حق میں اسقاط ہے لہٰذا اول کا معلوم ہونا شرط ہے دوسرے کا معلوم اور متعین ہونا شرط نہیں۔

مجلّہ میں دفعہ ۱۵۶۷ کے تحت اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے: جن لوگوں کو بری کیا جا رہا ہو ان کا متعین ہونا لازمی ہے بنا برایں اگر کسی شخص نے کہا: میں نے اپنے سب مدیونوں کو بری کر دیا یا کہا میرا کسی کے پاس کوئی حق نہیں تو یہ ابراء صحیح نہیں ہوگا البتہ اگر کسی نے کہا: میں نے فلاں محلّہ کے باسیوں کو بری کر دیا اور اس محلّہ کے رہنے والے متعین لوگ ہوں تو یہ ابراء صحیح ہوگا۔

مبرا کو بری کرنا صحیح ہے خواہ وہ حق کا اقرار کرتا ہو یا انکار کرتا ہو بلکہ وہ اگر انکار پر حلف بھی اٹھاتا ہو تب بھی ابراء صحیح ہے چونکہ مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک ابراء محض ایجاب سے منعقد ہو جاتا ہے اور محتاج قبول نہیں نیز ابراء کے صحیح ہونے میں مقروض کی تصدیق کی حاجت نہیں۔

سوم: محل ابراء کی شرائط...... محل ابراء (مبرا منہ) میں درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱...... شافعیہ کے نزدیک جدید قول کے مطابق محل ابراء معلوم اور متعین ہو مجہول چیز سے بری کرنا صحیح نہیں مجہول سے مراد ایسی چیز ہے جس کی معرفت سھل نہ ہو اگر ایسی مجہول چیز سے بری کیا جس کی جنس مجہول ہو یا صفت مجہول ہو یا مقدار مجہول ہو تو یہ ابراء باطل ہے۔ چونکہ ابراء تملیک ہے جو رضا پر موقوف رہتا ہے جب کہ جہالت کے ساتھ رضامندی معقول نہیں اگر کسی نے دراہم سے دیون کو بری کیا۔

دراہم کی مقدار معلوم نہ ہو تو مدیون تین دراہم سے بری ہو جائے گا چونکہ دراہم جمع کا لفظ ہے جس کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔ البتہ فقہاء نے مجہول چیز سے بری کرنے کی یہ تدبیر بتائی ہے کہ اگر دین کی مقدار معلوم نہ ہو کہ آیا وہ پانچ دراہم ہیں یا دس مبری کو چاہیے کہ متوقع مقدار سے زائد سے بری کر دے یعنی پندرہ دراہم سے بری کرے۔

فقہاء نے ابرائے مجہول کے بطلان سے دیت کے اونٹوں سے بری کرنے کو مستثنیٰ کیا ہے چنانچہ اونٹوں سے بری کرنا صحیح ہے اگر چہ اونٹوں کی صفت مجہول ہو چونکہ دیت کے اونٹوں کی عمر اور تعداد متعین ہوتی ہے لہٰذا صفت کے معاملہ میں شہر کے غالب اونٹوں کی طرف رجوع کیا جائے گا فقہاء نے بعد الموت ابراء کو بھی مستثنیٰ کیا ہے کہ بمعہ جہالت کے یہ ابراء صحیح ہے چونکہ یہ ابراء وصیت کے معنی میں ہے جو جہالت کے ساتھ بھی صحیح ہے۔

جمہور یعنی حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے یہ شرط عائد نہیں کی جمہور نے مجہول المقدار اور مجہول الصفت چیز سے بری کرنے کو جائز قرار دیا ہے چونکہ ان کے نزدیک ابراء اسقاط حق اور اسقاط محض ہے جیسے اعتاق اور طلاق چنانچہ عتق اور طلاق کی طرح ابراء بھی نافذ ہوگا خواہ محل ابراء معلوم ہو یا مجہول۔ اگر کسی نے مدیون کو دو قرضوں میں سے ایک قرضہ سے بری کیا تو یہ ابراء صحیح ہوگا البتہ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مدیون نے دائن سے دین کو چھپا دیا کہ اگر دائن کو دین کا علم ہوا تو وہ اسے بری نہیں کریگا جب کہ دائن خود بھی دین کی مقدار سے ناواقف ہو تو اس دین سے بری کرنا صحیح نہیں۔ چونکہ اس ابراء میں مبری کے ساتھ غرر (دھوکا) کا معاملہ کیا جا رہا ہے۔ جب کہ غرر سے احتراز ممکن بھی ہے۔

---

[1] ...... جامع الفصولین ۱/ ۱۲۵ الخرشی ۶/ ۹۹ الاشباہ والنظائر للسیوطی ۱۵۲ کشاف القناع ۴/ ۳۳۷۔

۲..... یہ کہ محل ابراء معین اشیاء میں سے کوئی معین چیز نہ ہو چونکہ عین ذمہ میں ثابت نہیں ہوتی جب کہ ابراء اسقاط ہے اسقاط کو وہی چیز قبول کرتی ہے جو ذمہ میں بطور حق ہو لہٰذا اعیان سے براباطل ہے۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے کوئی کتاب غصب کر لی تو اس سے ابراء صحیح نہیں البتہ دیون سے بری کرنا صحیح ہے اگر چہ دین اعیان میں سے ہو جیسے دیت کے اونٹ۔حقوق سے بری کرنا بھی صحیح ہے جیسے حق دعویٰ سے بری کرنا اور کفالت سے کفیل کو بری کرنا محال علیہ کو حوالہ سے بری کرنا دراصل ان میں حق کفالت اور حق حوالہ سے بری کرنا ہوتا ہے۔

۳..... یہ کہ محل ابراء (وہ چیز جس سے بری کرنا مقصود ہو) ابراء کے وقت موجود ہو چنانچہ حق کے وجود سے قبل ابراء باطل ہے، مثلاً ایک شخص جو آپ کو قرضہ دینا چاہتا ہے وہ قرضہ سے تمہیں بری کر دے بنا برایں حنفیہ کے نزدیک بیوی خاوند کو مستقبل کے نان نفقہ سے بری الذمہ نہیں کر سکتی اسی طرح قبل از طلاق عدت کے نفقہ سے بھی بری نہیں کر سکتی، چونکہ ابراء اسقاط ہے اور جس چیز کے پائے جانے کی توقع ہو وہ فعلاً ساقط ہوتی ہے لہٰذا وہ اسقاط کو قبول نہیں کرتی۔

فقہاء نے دین کے وجوب حق سے قبل ابراء کے غیر صحیح ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے **لا طلاق الا فی ما تملك ولاعتق الا فیما تملك** طلاق صرف اسی عورت کو دے سکتے ہو جس کے تم مالک ہو اور اسی غلام کو آزاد کر سکتے ہو جس کے تم مالک ہو ابراء بھی ان دونوں کے معنی میں ہے۔

چہارم: شرائط صیغہ ابراء.....صیغہ ابراء کی چار شرائط ہیں:

ا..... یہ کہ ایجاب منجز ہو کسی شرط کے ساتھ معلق نہ ہو اور نہ ہی زمانہ مستقبل کی طرف منسوب ہو یہ شرط مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک معتبر ہے چونکہ ابراء میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے اور تملیک تعلیق کو قبول نہیں کرتی۔

کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا.....اگر ابراء کو کسی ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے جو بالفعل موجود ہو تو یہ منجز کے حکم میں ہے اور اگر شرط ملائم ہو مثلاً مبری کہے: اگر میرا تمہارے اوپر دین ہو یا کہے: اگر میں مرگیا تو تم بری الذمہ ہو تو یہ شرط بالاتفاق جائز ہے اس کی دلیل ابوالیسر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ اگر وسعت پاؤ تو قرضہ چکا دو ورنہ تم بری الذمہ ہو اس پر تنکیر نہیں کی گئی۔چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں اگر براء کفالہ یا حوالہ سے ہو اور دائن کفیل سے کہے اگر تم آئندہ کل دین کو پالو تم کفالت سے بری ہو پھر اگر کفیل نے آئندہ کل دین کو پالیا تو بری ہو جائے گا۔

اگر ابراء کو مدت پر معلق کیا تو حنیفہ اور حنابلہ کی رائے میں یہ تعلق صحیح ہے چونکہ یہ ابراء وصیت کے معنی میں ہوگا اور دین کے بری کرنے کی وصیت جائز ہے۔

اگر ابراء کو متعارف شرط پر معلق کیا تو حنفی مذہب میں یہ ابراء صحیح نہیں جب کہ بعض حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اگر تعلیق مذکورہ صورتوں کے علاوہ ہو تو جمہور کے نزدیک جائز نہیں چونکہ ابراء میں تملیک کا معنی ہے اور تملیکات تعلق کو قبول نہیں کرتیں البتہ تعلیق اسقاطات محضہ میں مشروع ہے مالکیہ نے مطلقاً تعلیق ابراء کو جائز قرار دیا ہے چونکہ ابراء میں اسقاط کا معنی ہے۔[1]

تقیید بالشرط.....مذاہب اربعہ کے اتفاق کے ساتھ ابراء کو شرط صحیح کے ساتھ کرنا جائز ہے۔

جب کہ غیر صحیح شرط کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہیں چنانچہ اگر کسی نے ابراء میں خیار شرط رکھا تو ابراء صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی اور جب ہر قسم

---

[1]..... حدیث حسن رواہ ابو داؤد و الحاکم ورواہ ابن ماجہ عن المسور ۲ تکملہ فتح القدیر ۷/ ۱ ۴ الدر المختار ۴/ ۱۷۶ تکملہ ابن عابدین ۲/ ۳۳۰ الفتاوی الھندیہ ۴/ ۳۷۸ البدائع ۶/ ۴۵ الدسوقی ۳/ ۳۰۷ فتح العلی المالک ۱/ ۲۲۹ الاشباہ والنظائر للسیوطی ۱۵۲ کشاف القناع ۳/ ۳۰۵ المغنی ۴/ ۴۸۳ مغنی المحتاج: ۲/ ۲۶

کے حق سے بری کردیا تو ابراء حق خیار کو بھی شامل ہوگا لیکن سقوط خیار کی نسبت سے ابراء صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی جو ابراء تملیک ہونے میں ہبہ سے کم درجہ رکھتا ہے۔

اگر ابراء کی نسبت مستقبل کی طرف کی اگرچہ موت کے علاوہ وقت متعین ہو تو یہ نسبت صحیح نہیں چونکہ ابراء میں اصل تنجیز ہے نیز ابراء بمعنی تملیک ہے اور تملیک نسبت وقت کا احتمال نہیں رکھتی۔

ادائے بعض کی شرط پر ابراء:

الف......اگر ابراء مطلقا صادر ہو یعنی کوئی شرط ملحوظ نہ رکھی گئی ہو مثلاً مدیون دین کا اعتراف کرے اور دائن کہے: میں نے تمہیں دین یا تہائی دین سے بری کردیا۔ اور باقی مجھے دے دو ابراء بالاتفاق صحیح ہوگا چونکہ یہ ابراء منجز ہے معلق نہیں اور نہ ہی کسی شرط کے ساتھ مقید ہے نیز مبری خوشدلی سے اپنے حق کو ساقط کررہا ہے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اپنے دین کا آدھا حصہ ساقط کردو۔

ب......اگر ابراء بقیہ ادائیگی پر معلق ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے البتہ مالکیہ کے نزدیک جائز ہے۔

ج......اگر ابراء بقیہ ادائیگی کے ساتھ مقید مثلاً یوں کہے: میں نے تمہیں پانچسو سے بری الذمہ کردیا بشرطیکہ تم بقیہ پانچ سو مجھے ادا کردو حنفیہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ ابراء جائز ہے چونکہ یہ بعض حق کی ادائیگی ہے اور بعض کا ابراء ہے۔

شافعیہ نے ابراء اور صلح کو جمع کرنے کی شرط لگائی ہے تاکہ ابراء صلح کی نوع بن جائے لیکن یہ ابراء محتاج قبول نہیں اس میں شافعیہ نے لفظ ابراء کی رعایت کی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک ابرائے بعض کو بعض حق کی ادائیگی کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہیں چونکہ بعض حق ہے بری کرنا بعض حق کی ادائیگی کے مقابلہ میں ہوتا ہے گویا مبری بعض حق کے بدلہ میں بعض حق کا معاوضہ دے رہا ہے۔ یہ تفصیل تب ہے جب بقیہ ادائیگی کی شرط ہو اور اگر تعجیل کی شرط کے ساتھ بعض حق سے بری کیا تو یہ جائز نہیں جیسا کہ شافعیہ کے ہاں حق سے چونکہ یہ جاہلی سود کے مشابہ ہے اگر مدیون نے بلا شرط ادائیگی میں تعجیل کردی اور دائن نے بقیہ حق سے اس کو بری کردیا تو یہ جائز ہے۔ [1]

۲۔ **ایجاب شریعت کے منافی نہ ہو**......جیسے بیع صرف میں قبضہ کی شرط سے بری کرنا اور دوران عدت عورت کو حق سکنی سے بری کرنا چھوٹے بچے پر حاصل ولایت سے بری کرنا یہ ابراء صحیح نہیں چونکہ ہر وہ حکم جو شریعت کے تغیر تک پہنچادے وہ باطل ہے نیز رب تعالیٰ کے حکم کو متغیر کرنے کی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا۔

یہ بھی شرط ہے کہ ابراء کسی دوسرے شخص کے حق کو متغیر نہ کرتا ہو جیسے مطلقہ ماں کا اپنے بچے کی پرورش سے برأت ظاہر کرنا چونکہ یہ بچے کا حق ہے جو اس ابراء کے ذریعہ تبدیل کیا جارہا ہے۔

۳ یہ کہ محل ابراء میں مبری کی سابقہ ملکیت چلی آرہی ہو چونکہ بغیر اجازت کے دوسرے انسان کی ملکیت میں تصرف کرنا صحیح نہیں ہوتا، یہ شرط متفق علیہ ہے اگر دوسرے کی ملکیت میں کوئی فضولی تصرف کردے تو اس کا تصرف موقوف ہوگا ورنہ غیر ملکیت کی بیع ہوگی جو ممنوع ہے۔

اگر سقوط حق یا ادائے حق کے بعد ابراء ہو یعنی دین ادا کرچکنے کے بعد ابراء حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے چونکہ ساقط ہونے والی چیز مطالبہ ہے اصل دین ساقط نہیں ہوگا چنانچہ طرفین سے مطالبہ ساقط ہوگا اگر ذمہ میں دو دین واجب الذمہ ہوں تو دونوں دین مقاصد کے طریقہ سے ساقط

---

[1] ......رواه البخاری ومسلم عن زیاد بن ابی حدرد.

ہوں گے چونکہ دیون بمثلہ ادا کئے جاتے ہیں جب ادا تے دین کے بعد دائن نے مدیون کو بری کر دیا تو مدیون نے جو مال ادا کیا ہو وہ دائن سے واپس لے سکتا ہے، بشرطیکہ جب دائن نے برات اسقاط کی ہو اگر براءت استیفاء کی ہو تو رجوع کا حق نہیں رہے گا براءت کی یہ اقسام عرف سے پہچانی جاسکتی ہیں اسی طرح اگر کسی دوسرے شخص نے مدیون کا قرضہ تبرعاً ادا کر دیا پھر دائن نے مدیون کو اسقاط کے طور پر بری کر دیا تو صاحب تبرع مبری سے مال واپس لے سکتا ہے، یہ حنفیہ کی رائے ہے اور حنابلہ نے ان کی اس میں موافقت کی ہے۔ ❶

۴..... یہ کہ ابراء محل ابراء کے وجوب حق کے بعد ہو یا ابراء کے سبب کے پائے جانے کے بعد ہو چونکہ ابراء ذمہ میں واجب حق کو ساقط کرنا ہے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وجود سبب سے پہلے ابراء غیر صحیح ہے۔ چونکہ جو چیز فعلا ساقط ہو اس کے اسقاط کا کیا معنی یوں ابراء محض ایک وعدہ ہوگا جو لازم نہیں وجود سبب کے بعد ابراء میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور نے یہ شرط لگائی ہے کہ ابراء وجود سبب کے بعد ہوگا سبب سے قبل ابراء صحیح نہیں اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے کہ جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس کی طلاق اور عتاق نہیں ہوتی ابراء طلاق اور عتاق کے معنی میں ہے۔

حنیفہ کے نزدیک اس کی مثالیں یہ ہیں مثلاً قضاء اور فیصلہ سے قبل زوجہ کے نفقہ سے ابراء اور جو چیز آئندہ کل خریدنی متوقع ہو اس کے ثمن سے ابراء ان دونوں صورتوں میں ابراء صحیح ہیں چونکہ یہ ابراء وجود سبب سے قبل ہے جو صحیح نہیں۔

شافعیہ کے ہاں اس کی مثال یہ ہے جیسے وہ عورت جس کا خاوند دخول سے قبل مر جائے اور اس عورت کا مہر بھی مقرر نہ ہو اور وہ دخول سے قبل اپنے مہر سے بری کر دے اسی طرح طلاق سے قبل متعہ (تھوڑا) سا ساز وسامان کپڑے چادر وغیرہ) سے ابراء، چونکہ ان چیزوں کا وجوب نہیں ہوا کہ ان سے بری کر دیا گیا فقہاء نے ایک صورت کو مستثنیٰ کیا ہے اس میں وجوب سے قبل ابراء صحیح ہے اور وہ یہ کہ کوئی شخص دوسرے کی ملکیت میں مالک کی اجازت کے بغیر کنواں کھود دے مالک اس تصرف سے اسے بری کر دے یا کنواں باقی رہنے پر رضامند رہے تو کنواں کھودنے والا کنویں میں گرنے والے سے بری الذمہ ہوگا اگر خریدار نے فروخت کنندہ کو مبیع کے ضمان سے بری کر دیا جو مبیع قبضہ سے پہلے تلف ہو چکی ہو تو ظاہر مذہب میں وہ بری نہیں ہوگا چونکہ خریدار نے فروخت کنندہ کو ایسی چیز سے بری کیا ہے جو ابھی واجب نہیں ہوئی۔ ❷

رہی بات مالکیہ کی سو وجود سبب سے قبل ابراء کے صحیح ہونے کے متعلق ان کے دو اقوال ہیں صحیح قول یہ ہے کہ ابراء صحیح ہوگا جیسے خریداری سے قبل شفیع شفعہ کو ساقط کر دے اس ابراء کے لازم ہونے میں مالکیہ کے دو اقوال ہیں۔

چوتھی بحث: محل ابراء..... محل ابراء تین قسم پر ہو سکتا ہے یا تو اعیان ہوں گی یا دیون ہوں گے یا حقوق۔

ابراء اعیان..... یا تو دعوائے عین سے ابراء ہوگا یا نفس عین سے ابراء ہوگا۔

اگر ابراء دعوائے عین سے ہو تو اس پر کلام ابرائے حقوق میں آئے گا یہ ابراء بالاتفاق صحیح ہے رہی بات نفس عین سے ابراء کی سو اس کا معنی ملکیت اعیان کو ساقط کرنا ہے اور یہ بالاتفاق صحیح نہیں، چونکہ اعیان (معین اشیاء) اسقاط کو قبول نہیں کرتی ہیں لہٰذا ان سے ابراء پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا لہٰذا بری کیا ہوا شخص اعیان کا مالک نہیں بنے گا بلکہ اعیان قابض کی ملکیت میں رہیں گی اور جو شخص بھی انھیں لینے میں کامیاب ہو وہی ان کا مالک ہوگا۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس تعبیر سے مراد یہ ہے کہ ابراء کے بعد حق دعویٰ ساقط ہو جائے گا۔ حنفیہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ حق دعویٰ باقی رہے گا۔

---

❶..... القواعد لابن رجب ۱۲۰۔ ❷ تکملۃ ابن عابدین ۲/۱۸۲ الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۴/۴۹۵ الدسوقی ۳/۴۱۱ القیلوبی ۲/۳۲۷ القواعد لابن رجب ۱۱۹۔

مالکیہ کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ قیمت عین کا مطالبہ ساقط ہوگا اگر عین ضائع ہو چکی ہو اور اگر موجود ہو تو قبضہ ختم کرنے کا مطالبہ ساقط ہوگا۔

نفس عین (معین چیز) سے ابراء کا حنفیہ کے نزدیک ایک اور اثر بھی ہے کہ جب عین مضمونہ ہو مثلاً غصب شدہ گھر جس کا ضمان دینا ہو تو ابراء کی صورت میں اس کا ضمان ساقط ہو جائے گا برابر ہے کہ عین مضمون ضائع ہو چکی ہو یا باقی ہو ابراء کے بعد عین غاصب کے پاس بطور امانت ہو گی۔ چنانچہ اگر عین موجود ہو تو ابراء دراصل اس کے ضمان سے ابراء ہوگا اور وہ عین امانت تصور ہو گی اور اس کا ضمان تعدی سے لازم آئے گا اور اگر عین ضائع ہو چکی ہو تو ابراء اس کی قیمت سے ہوگا۔

اور وہ معین اشیاء جو امانت ہوں ان سے بری کرنے کی کوئی وجہ نہیں چونکہ امانت میں رکھی اشیاء ذمہ میں واجب نہیں ہوتیں لہٰذا قاضی کے لیے جائز نہیں کہ برأت کے بعد دعویٰ کی سماعت کرے اگر چہ قضاء برأت صحیح ہو گی لیکن دیانۃً معتبر نہیں ہو گی یعنی مالک کے ہاتھ جب چڑھے اس پر قبضہ کر لے۔ رہی بات ان دیون کی وجہ ذمہ میں واجب ہوں ان سے ابراء بالاتفاق صحیح ہے چونکہ ابراء کا دارومدار ذمہ میں پائی جانے والے اشیاء کے اسقاط پر ہے۔

ابراء حقوق: الف..... اگر ابراء حقوق خالصہ سے ہو جیسے کفالہ اور حوالہ تو یہ ابراء بالاتفاق صحیح ہوگا۔

ب..... اگر ابراء خالص حقوق اللہ سے ہو جیسے حد زنا اور حد قذف اور حد سرقہ پھر اگر ابراء حاکم کے پاس قبضہ لے جانے کے بعد ہو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تو ابراء صحیح نہیں ہوگا۔

ج..... اگر ابراء ایسے حقوق سے ہو جس میں بندے کا حق غالب ہو جیسے تعزیر قصاص دیت اور بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنے کا حق، حق انتفاع خیار عیب کی وجہ سے ملنے والا حق فسخ، مال ضائع ہونے پر تاوان اور ان کے علاوہ دیگر شخص حقوق جو ذمہ میں ثابت ہوتے ہیں ان سے ابراء صحیح ہے، مدیون کے مرجانے کے بعد اس کو دین سے بری کرنا بالاتفاق صحیح ہے کیا یہ ابراء وارث کے رد کرنے سے رد ہو جائے گا؟ اس میں حنفیہ کے نزدیک اختلاف ہے۔

چنانچہ وہ حقوق جو اسقاط کو قبول نہیں کرتے حنفیہ کے نزدیک ان سے ابراء صحیح نہیں جیسے ہبہ میں رجوع کرنے کا حق وصیت میں رجوع کا حق چونکہ ان حقوق سے ابراء کے جواز میں شریعت کی تغیر ہے جو نا جائز ہے رجوع ہبہ میں جمہور کا اختلاف ہے۔

رویت مبیع کے خیار سے ابراء بھی صحیح نہیں اسی طرح وقف میں حق استحقاق اور حق ارث سے بھی رجوع کرنا صحیح نہیں۔

اب میں بعض مخصوص حقوق سے ابراء کے متعلق بحث کروں گا۔

۱۔ بیوی کے نفقہ سے ابراء...... بالاتفاق بیوی کے نفقہ (خرچہ) سے براءت کرنا صحیح نہیں یہاں تک کہ بیوی کا خرچہ ذمہ میں دین نہ بن جائے اور جب خاوند کے ذمہ میں بیوی کا خرچہ دین بن جائے اس سے ابراء صحیح ہوگا لیکن حنفیہ کے نزدیک وہ خرچہ جس کی بیوی مستحق ہو وہ اسی وقت دین واجب بنے گا جب قاضی کا فیصلہ ہو جائے یا میاں بیوی دونوں اس پر رضامندی کر لیں اگر خرچہ ماہ بماہ کا ہو اور مہینہ کے خرچہ سے ابراء صحیح ہے اسی طرح سال بھر کے خرچہ سے شروع سال میں برات کرنا صحیح ہے جب خرچہ سال بہ سال ہو اور اگر خرچہ یومیہ ہو تو پہلے دن سے خرچ کی برأت کر لینا صحیح ہے۔

۲۔ زوجین کے درمیان مبارات...... زوجین کے درمیان مبارات فسخ زواج ہوتا ہے، اور زواج پر مرتب ہونے والے حقوق کا اسقاط ہوتا ہے، مباراۃ پر حنفیہ کے نزدیک طلاق بائنہ کے ذریعہ زوجہ کی بینونت مرتب ہوتی ہے جیسے خلع مثلاً خاوند بیوی سے کہے میں نے ایک ہزار پر تمہارے ساتھ مباراۃ کر لی عورت کہے: میں نے قبول کر لی یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ بول دے اس کا معنی ہے میں نے تمہارے ساتھ

ایک ہزار روپے پر خلع کرلیا عورت کے ذمہ بدل مباراۃ دینا واجب ہوگا۔

۳۔ حق دعویٰ سے ابراء...... دعویٰ سے ابراء یا تو عام ہوگا یا خاص۔ دعویٰ سے ابراء عام جو بمعنی اسقاط ہو یعنی مقدمہ بازی کے حق کو ساقط کرنا ہو تو یہ ابراء بالاتفاق جائز نہیں چونکہ یہ ابراء موجود وغیر موجود دونوں کو شامل ہوگا۔ اور ایسی چیز سے ابراء جس کے وجود کا سبب نہ پایا جائے وہ باطل ہے، لیکن دو شخصوں کے درمیان سابقہ دعاوی سے ابراء جو ابراء عام ہو تو وہ صحیح ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے: میں نے فلاں شخص کو سب دعاوی سے بری کردیا۔

یا کہے: میرا فلاں شخص کے پاس کبھی کوئی حق نہیں۔ ❶

ابراء خاص جو معین دعویٰ سے ہو وہ بالاتفاق صحیح ہے چنانچہ اس موضوع پر بعدازں مدعی کا دعویٰ قابل سماع نہیں ہوگا۔

بسا اوقات ابراء ضمناً حاصل ہوتا ہے اور یہ کسی عین سے ابراء ہوتا ہے حنفیہ کے نزدیک یہ ضمان یا دعویٰ ضمان سے ابراء ہوتا ہے جیسا کہ میں نے پہلے بیان کردیا ہے۔

پانچویں بحث: ابراء کی انواع...... ابراء اسقاط کی مختلف اعتبارات سے مختلف تقسیمات ہیں: چنانچہ شمول اور عدم شمول کے اعتبار سے ابراء کی دو قسمیں ہیں خاص اور عام باعتبار زمانہ کے ابراء کی دو قسمیں ہیں ابراء ماضی اور ابراء مستقبل اور باعتبار صیغہ (ایجاب) کے بھی ابراء کی دو قسمیں ہیں ابراء اسقاط اور ابراء استیفاء۔

پہلی تقسیم: شمول اور عدم شمول کے اعتبار سے ابراء کی تقسیم...... ابراء کی دو قسمیں ہیں: خاص اور عام۔

ابراء عام...... یعنی ہر قسم کی عین دین اور حق سے ابراء حنفیہ کے نزدیک ہر قسم کے حق سے برأت ہوجائے گی اگرچہ حق غیر مالی ہو جیسے کفالت بالنفس قصاص، حد قذف، مال ثمن اور مال اجرت، اسی طرح غیر مالی بدل سے بھی برات ہوجائے گی جیسے مہر جنایت کا تاوان امانت اور عاریت سے بھی برأت ہوجائے گی۔

ابراء خاص...... رہی بات ابراء خاص کی سو یہ حق خاص کو شامل ہوتا ہے جو متعین ہو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اپنے محل کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔ چنانچہ جب دائن نے مدیون کو خاص دین سے بری کیا تو مدیون بری ہوجائے گا، اگر گھر، عین، یا امانت سے بری کیا تو برات ہوجائے گی۔

دوسری تقسیم: باعتبار زمانہ اور اشخاص...... ابراء کا اثر سابقہ تاریخ کو شامل ہوگا ابراء ہوجانے کے بعد والے دیون اور حقوق کو ابراء شامل نہیں ہوگا۔ چونکہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ابراء کے صحیح ہونے کے لیے سبب کا وجود شرط ہے چنانچہ فتاوی قاضی خان میں ہے سابقہ برات بعد میں لاحق ہونے والے دین میں عمل نہیں کرے گی۔

مبرا کے غیر پر ابراء کا اثر جیسے بائع خریدار کو بعض ثمن سے بری کردے کے متعلق امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی رائے یہ ہے کہ شفیع ابراء سے استفادہ کرسکتا ہے لہٰذا ثمن کی جو مقدار بائع نے خریدار کے لیے ساقط کی ہو وہ شفیع کے حق میں بھی ساقط الاعتبار ہوگی اور بعض ثمن کی کمی اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوجائے گی۔

حنابلہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ ابراء صحیح ہے اور ابراء سے صرف خریدار ہی مستفید ہوگا رہی بات شفیع کی سو وہ پورے ثمن دے یا شفعہ چھوڑ دے۔ ❷

---

❶...... المجلۃ ۱۵۶۵۔ ❷فتح القدیر والعنایۃ ۵/۴۷۱ الدسوقی ۲/۴۹۵ المغنی ۵/۳۲۳

تیسری تقسیم: باعتبار صیغہ کے.....حنفیہ کے نزدیک باعتبار صیغہ کے ابراء کی دوقسمیں ہیں:

۱.....ابراء اسقاط اور ۲.....ابراء استیفاء (۱)

ابراء اسقاط.....ابراء اسقاط سے دین ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے مثلاً مبری کہے: میں نے ساقط کردیا میں نے کم کردیا یا کہے میں نے برأت اسقاط کردی برات اسقاط کبھی کل دین کی نسبت سے ہوتی ہے اور کبھی بعض دین کی نسبت سے۔

ابراء استیفاء.....اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں مبری اپنا حق وصول کر لینے کا اقرار کرتا ہے مثلاً یوں کہتا ہے کہ میں نے برأت استیفاء کردی اس برأت کے بعد مطالبہ کا حق نہیں رہتا۔

دونوں قسموں میں فرق یہ ہے کہ براۃ اسقاط کی صورت میں مدیون مبری پر رجوع کرسکتا ہے یعنی جو مال ادائیگی میں دیا ہے برات اسقاط کے بعد مدیون واپس لے سکتا ہے جب کہ برات استیفاء میں دائن پر رجوع نہیں کرسکتا اس سے یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کی طلاق کو عورت کے مہر سے بری کرنے پر معلق کیا پھر خاوند نے مہر دے دیا تو تعلیق باطل نہیں ہوگی اور اگر عورت نے برات اسقاط کر دی تو طلاق واقع ہوجائے گی اور خاوند عورت سے مہر واپس لے سکتا ہے۔

دونوں قسموں کے اثر کی نسبت ابراء اسقاط دیون کے ساتھ خاص ہے۔ چونکہ اسقاط میں عبارت واضح ہے جب کہ یہ ابراء اعیان میں صحیح ہیں چونکہ اعیان میں اسقاط صحیح نہیں، جب کہ ابراء استیفاء دین اور عین دونوں میں صحیح ہے چونکہ ادائیگی کا اقرار جس طرح دین میں ہوتا ہے اسی طرح عین میں بھی ہوتا ہے۔

چھٹی بحث: ابراء کا حکم اور ابراء سے رجوع کرنے کا حکم

جب ابراء جملہ شرائط کے ساتھ صادر ہو تو اس کا حکم یعنی اس پر مرتب ہونے والا اثر یہ ہے کہ حق ساقط ہوجائے گا چنانچہ اگر ابراء خاص ہو تو مطالبہ حق جائز نہیں اور جن حقوق کو ابراء شامل ہوگا ان میں مبری کا دعویٰ قابل سماع نہیں ہوگا اگر ابراء عام ہو تو ابراء صادر ہونے کے وقت جمیع حقوق کو شامل ہوگا البتہ ابراء کے بعد جو حقوق وجود میں آئیں ابراء انھیں شامل نہیں ہوگا۔

حنیفہ اور حنابلہ کے نزدیک ابراء ہوجانے کے بعد مبری کا عدول اور رجوع قابل قبول نہیں ہوگا شافعیہ کے نزدیک بھی راجح یہی ہے کہ رجوع قبول نہیں ہوگا۔ چونکہ موہوب چیز سے واہب کی ملکیت زائل ہوجاتی ہے۔ (۲)

اسی طرح مالکیہ کے نزدیک قبول کے بعد ابراء سے رجوع کرنا جائز نہیں، جب کہ مالکیہ کے ظاہر مذہب میں قبول شرط ہے (۳) جیسے ہبہ میں رجوع کرنا جائز نہیں۔

حنیفہ نے ابراء کے اثر یعنی عدم سماع دعویٰ سے مندرجہ ذیل مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے۔ (۴)

۱.....ضمان درک کا دعویٰ جو ابراء کی بیع سابق میں ہو چونکہ اگر بیع ابراء سے پیشتر ہو اور اس کے اثر کو شامل ہو تو ضمان درک بیع سے متاخر ہوگا۔ ضمان درک سے مراد: مبیع کو ممکنہ پیش آمدہ حقوق سے سلامت قرار دینا ہے اور اگر مبیع میں کوئی حق ظاہر ہوجائے تو اس کا تاوان ادا کرنا ہے۔

سلامت قرار دینا ہے اور اگر مبیع میں کوئی حق ظاہر ہوجائے تو اس کا تاوان ادا کرنا ہے۔

۲.....نابالغ کا کوئی حق ظاہر ہوجائے جس کا قبل ازیں کوئی علم نہ ہو جب کہ وصی نے ابراء عام کا اعلان کیا ہو بایں طور کہ وصی نے نابالغ کا

---

(۱).....الدر المختار وردالمحتار: ۴/۴۷۶۔ (۲) تکملہ ابن عابدین ۲/۱۸۲ الاشباہ والنظائر للسیوطی ۱۵۲ کشاف القناع ۴/۳۴۶۔ (۳) الفروق ۲/۱۱۔ (۴) تنبیہ ذی الافہام لابن عابدین ۲/۹۱

پورا اتر کہ قبضہ میں لے لیا۔

۳.....وصی کا میت کے لیے دین کا دعویٰ کرنا بعد اس کے کہ وہ اپنے پورے مال کی ادائیگی کا اقرار کر چکا ہو۔

۴.....وارث کا مورث کے لیے دین کا دعویٰ کرنا جب کہ وہ قبل ازیں جمیع مال کا اقرار کر چکا ہو۔

ان مسائل کے استثناء کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایسا خفاء طاری ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مبری اپنے دعویٰ میں معذور ہوتا ہے جب کہ ابراء عام اس کی طرف سے صادر ہو چکا ہوتا ہے۔

ملحوظ رہے کہ حق دعویٰ کا ساقط ہونا بسبب ابراء صرف حنفیہ کے نزدیک قضاءً ہے دیانۃً نہیں۔ چنانچہ اگر مبری اپنے حق پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو تو قبضہ کرے۔ ❶

شافعیہ کہتے ہیں دینا میں ابراء آخرت میں بھی معتبر ہے ❷ مالکیہ کے دو اقوال ہیں ظاہری قول یہ ہے کہ ابراء مطلقا دنیا و آخرت کے احکام کو شامل ہوگا چنانچہ رب تعالیٰ اس پر کسی سے مواخذہ نہیں لیگا۔

مالکیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مبرا سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ساقط نہیں ہوتا۔ ❸

ابراء عام کے بعد سماع دعویٰ..... ابراء کے بعد دعویٰ مسموع نہیں ہوگا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، لیکن حنفیہ نے اس موضوع میں تفصیل کی ہے ❹ چنانچہ کہتے ہیں: اگر دین سے ابراء عام ہو تو اس کے بعد دعویٰ مسموع نہیں ہوگا ہاں البتہ ابراء کے بعد کوئی نیا دین ہو تو اس کے متعلق دعویٰ مسموع ہوگا۔

اگر عین (معین چیز) سے ابراء ہو تو اس کے بعد دعویٰ مسموع نہیں ہوگا بشرطیکہ مدعی علیہ منکر ہو چونکہ مدعی کا دعویٰ انکار کے موافق ہوا۔ البتہ اگر مدعی علیہ اقرار کرتا ہو کہ عین (معین چیز) مدعی کی ہے لیکن مدعی علیہ مدعی کے ابراء کا سہارا لیتا ہو پھر اگر عین موجود ہو تو ابراء کے بعد دعویٰ مسموع ہوگا اور اگر عین ضائع ہو چکی ہو تو اس کا ابراء اس ضائع شدہ چیز کے ضمان سے ہوگا لہٰذا ابراء کے بعد دعویٰ قابل سماع نہیں ہوگا جیسے دین میں ابراء کے بعد دعویٰ قابل سماع نہیں۔

ابراء کے بعد اقرار کا اثر..... اگر دین سے ابراء عام صادر ہوا ہو تو اس کے بعد دین کے اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جیسا کہ حنفیہ اور مالکیہ نے اس کی وضاحت کی ہے ❺ چونکہ دین ابراء سے ساقط ہو چکا اور جو چیز ساقط ہو جائے وہ اپنے وجود میں دوبارہ نہیں لوٹتی۔

ابراء بالعوض..... حنفیہ کے نزدیک عوض لے کر ابراء، مال کے بدلہ میں صلح ہے۔ ❻

شافعیہ نے ابراء میں عوض دینے کو جائز قرار دیا ہے، مثلاً مدیون دائن کو ابراء کے بدلہ میں کچھ ساز و سامان دے دے چنانچہ دائن دیئے گئے عوض کا مالک بن جائے گا۔ اور مدیون دین سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اگر مدیون نے دائن کو دین کا کچھ حصہ دیا کہ بقیہ دین سے اس کو بری کر دے تو یہ عوض نہیں قرار پائے گا بلکہ دائن نے اپنے کچھ حصہ پر قبضہ کیا ہے جو اس کا حق ہے اور باقی دین مدیون کے ذمہ واجب الاداء ہوگا مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ ابراء باطل ہو جائے گا۔ جیسا کہ صیغہ کی شرائط میں گزر چکا ہے۔ ❼

پندرھویں فصل ..... استحقاق

اس فصل کے ذیل میں ان امور پر گفتگو کی جائے گی، استحقاق کی تعریف، استحقاق پر مرتب ہونے والا اس کا حکم یعنی فسخ اور رجوع،

---

❶.....الدر المختار وردالمحتار ۴/۴۹۵ تکملة ابن عابدين ۲/۱۸۲۔ ❷ حاشية قليوبی وعميره ۲/۳۲۷۔ ❸الدسوقی ۳/۴۱۱۔ ❹اعلام الاعلام للعابدين ۲/۱۰۰۔ ❺ اعلام الاعلام ۲/۱۰۱، الدسوقی ۳/۴۱۱۔ ❻ الدر المختار ۴/۴۹۵۔ ❼حاشية الجمل على شرح المنهج ۳/۳۸۱ طبع احياء التراث۔

معاملات یعنی بیع، مقایضہ، رہن، قسمت، صلح، اجارہ، مساقات، مزارعت وغیرھا میں استحقاق کا حکم، مہر، بدل خلع، وصیت اور وقف میں استحقاق کا حکم، قربانی کے جانور اور ہدی میں استحقاق کا حکم۔ اس فصل میں تین مباحث ہیں:

۱.....استحقاق کی تعریف اور حکم۔

۲.....معاملات میں استحقاق کے اثرات۔

۳.....قربانی کے جانور اور ہدی میں استحقاق کا حکم۔

پہلی بحث: استحقاق کی تعریف اور اس کا حکم:

استحقاق لغت میں..... استحقاق کا لغوی معنی طلب حق ہے۔ سین اور تاء طلب کے لئے آتے ہیں البتہ المصباح میں ہے:

استحق فلان الامر استوجبه فالامر مستحق (اسم مفعول)

یعنی فلاں شخص اس معاملہ کا مستحق ٹھہرا، گویا استحقاق کا شرعی معنی لغوی معنی کے موافق ہے۔

فقہی تعریف..... **ظهور كون الشيء حقا واجبا للغير بالفاظ ويقضى له القاضى بملكيته وانتزاعه عن يد حائزة** یعنی کسی چیز کی ملکیت پر کسی شخص کا دعویٰ جو پائے ثبوت کو پہنچ جائے اور قاضی اس کی ملکیت کا فیصلہ کر دے اور دوسرے کے قبضہ سے نکال کر اس کا حق اسے سونپ دے گویا یوں کہا جائے کہ کسی چیز میں دوسرے شخص کا حق ثابت ہو جانا استحقاق ہے۔

مالکیہ نے استحقاق کی تعریف یوں کی ہے۔ **هو رفع ملك شي بثبوت ملك قبله** یعنی کسی چیز میں پہلے سے ثابت شدہ ملک کی وجہ سے فی الحال ملک کے اٹھا دینے کا نام استحقاق ہے۔

فسخ عقد کے اعتبار سے استحقاق کی دو قسمیں ہیں۔ ❶

۱۔ **بالکلیہ مبطل ملک**..... اس کا حاصل یہ ہے کہ جس چیز میں استحقاق کا ثبوت ہوا ہے اس میں مدعی کے علاوہ کسی اور کا کوئی حق باقی نہیں رہتا جیسے عتق اور حریت اصلیہ۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ قاضی کے فیصلہ کے بغیر ہی عقد فسخ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فروخت کنندگان میں سے ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ وہ ثمن واپس لے لے، اگر غلام نے گواہ پیش کر دیئے کہ اصلاً آزاد ہے یا یہ کہ وہ فلاں شخص کا غلام تھا اس نے اسے آزاد کر دیا تو خریدار فروخت کنندہ سے ثمن واپس لے سکتا ہے، پھر فروخت کنندہ اپنے بائع پر رجوع کر سکتا ہے۔

۲۔ **انتقال ملکیت**..... یعنی استحقاق سے ملکیت ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ صورت غالب الوقوع ہے۔ مثلاً زید نے دعویٰ کیا کہ خالد کے قبضہ میں فلاں چیز میری ملکیت ہے۔ اس نے دعویٰ پر گواہ بھی پیش کر دیئے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ عقد فسخ ہو جائے گا چونکہ استحقاق کی اس قسم سے خریدار کی ملکیت باطل نہیں ہوتی، بلکہ مستحق کی اجازت یا اس کے فسخ پر موقوف ہوتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جب تک خریدار فروخت کنندہ سے ثمن واپس نہ لے اس وقت تک عقد فسخ نہیں ہوگا۔ ظاہر الروایۃ میں ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ کی باہمی رضامندی سے عقد فسخ ہو جائے گا۔

خریدار اول اسوقت فروخت کنندہ پر رجوع کرے گا جب خریدار ثانی خریدار اول (بائع ثانی) پر رجوع کرے تاکہ دونوں ثمن یعنی ثمن اور مبیع ملک واحد میں جمع نہ ہوں۔

استحقاق کا حکم قابض کو شامل ہوگا جس چیز کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہو قابضین سے لی جائے گی، استحقاق کا حکم اسی طرح قابض کے متعلق کو

---

❶.....الدر المختار وردالمحتار ۴/۱۹۹۔

بھی شامل ہوگا، صاحب الدر کہتے ہیں: حکم استحقاق قابض کو بھی شامل ہوگا اور قابض کے متعلق کو بھی شامل ہوگا۔ اگر وہ اس کا مورث ہی کیوں نہ ہو اس طرح معاملہ دوسرے ورثا تک بھی متعدی ہوگا۔

مستحق کا حق کو ثابت کرنا..... اگر استحقاق گواہوں سے ثابت ہو جائے تو خریدار فروخت کنندہ سے ثمن واپس لے سکتا ہے، چونکہ گواہ حجت متعدیہ ہوتے ہیں ان کا اثر کافۃ الناس کے حق میں ظاہر ہوتا ہے جبکہ گواہ حجت معتبرہ قاضی کے فیصلہ سے بنتے ہیں یہاں تک کہ سبھی لوگوں کے حق میں قاضی کا فیصلہ ولایت عامہ کے تحت نافذ ہو جاتا ہے۔

البتہ اگر خریدار کے اقرار سے استحقاق ثابت ہو یا مقدمہ کے وکیل سے استحقاق پائے ثبوت کو پہنچے تو پھر رجوع کا حق نہیں ہوگا چونکہ اقرار حجت قاصرہ ہے جو صرف مقر کے حق میں موثر ہے اور دوسرے تک متعدی نہیں ہوتی چونکہ اقرار کی صورت میں ولایت معدوم ہے۔[1]

تناقض دعویٰ..... تناقض دعویٰ سے مراد یہ ہے کہ دعویٰ میں پہلے کلام کچھ ہو اور بعد میں کچھ تناقض کی صورت میں عین اور منفعت میں ملکیت ثابت نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ وہ اس کا بھائی ہے اور پھر اس سے خرچے کا مطالبہ کیا، مدعی علیہ نے کہا: یہ میرا بھائی نہیں ہے پھر مدعی مرگیا اور اپنے پیچھے ترکہ چھوڑا اب مدعی علیہ نے آ کر میراث کا مطالبہ کرنا چاہا اگر مدعی علیہ نے کہا کہ میت میرا بھائی تھا اس کا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا چونکہ اس کے کلام میں تناقض ہے۔

البتہ اگر کلام اول کسی دوسرے شخص کے لیے کوئی حق ثابت نہ کررہا ہو تو ملک کا دعویٰ ممنوع نہیں ہوگا مثلاً مدعی کہے: اہل شہر میں سے کسی پر میرا کوئی حق نہیں پھر اہل شہر میں سے کسی پر دعویٰ کردے تو اس کا دعویٰ صحیح ہوگا۔

اسی طرح تناقض ایسے دعویٰ کے مانع نہیں ہوگا جس کا سبب مخفی ہو جیسے نسب، طلاق، حریت، مثلاً خریدار نے پیک میں لپیٹا ہوا کپڑا خریدا پھر دعویٰ کیا کہ یہ کپڑا میرا ہے جب کہ اس نے کپڑے کا عام اعلان نہ کیا ہو چنانچہ اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا۔

نسب کی مثال..... مثلاً کسی شخص نے غلام فروخت کیا پھر خریدار نے آگے کسی اور کو فروخت کردیا پھر پہلے فروخت کنندہ نے دعویٰ کردیا کہ وہ غلام اس کا بیٹا ہے، دعویٰ قبول ہوگا جب کہ پہلی اور دوسری خریداری باطل ہو جائے گی چونکہ نسب کا دارومدار علوق پر ہوتا ہے جو مخفی ہے لہٰذا یہاں تناقض میں مدعی کو معذور تصور کیا جائے گا۔

طلاق کی مثال..... اگر خاوند کے ورثہ کے ساتھ اس کی بیوی بھی خاوند کے ترکہ کی حصہ دار بنے جب کہ ورثاء نے اس عورت کی زوجیت کا اقرار کیا ہو اور پھر اس بات پر گواہ پیش کردیں کہ خاوند نے اسے طلاق دے دی تھی اور حالت صحت میں تین طلاقیں دی ہیں۔ ورثہ عورت سے ترکہ میں لئے ہوئے حصے کو واپس لے سکتے ہیں۔

حریت کی مثال..... فروخت کنندہ یا خریدار گواہ پیش کردے کہ فروخت کنندہ نے خرید کردہ غلام کو بیع سے پہلے آزاد کردیا تھا، مدعی کا قول قبول کرلیا جائے گا چونکہ تناقض عتق کا احتمال رکھتا ہے۔

دوسری بحث، مختلف معاملات میں استحقاق کا حکم

اول..... عقد بیع اور مقایضہ میں استحقاق۔

مقایضہ میں استحقاق کا اثر..... اگر بدل بیع میں استحقاق ثابت ہوا مثلاً کار کے ساتھ گھر خریدا پھر گاڑی میں استحقاق ثابت ہوا اور گھر شفعہ کے ذریعہ سے لیا گیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور فروخت کنندہ شفیع سے گھر واپس لے سکتا ہے چونکہ بیع مقایضہ میں استحقاق کی وجہ

---

[1] الدر المختار ۴/ ۳۰۴۔

سے بیع باطل ہو چکی۔ ❶

بیع میں استحقاق کا اثر......اس میں تفصیل ہے اور مختلف آراء ہیں۔

حنفیہ کی رائے ❷ مبیع کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہو:

الف..... اگر قبضہ سے پہلے معقود علیہ (خرید کردہ سامان) کے کچھ حصہ میں استحقاق (کسی دوسرے کا حق) ثابت ہو اور صاحب حق (مستحق) نے بیع کی اجازت نہ دی تو بقدر استحقاق بیع باطل ہو جائے گی چونکہ یہ واضح ہو چکا کہ بقدر استحقاق معقود علیہ فروخت کنندہ کی ملکیت نہیں تھا۔ جب کہ مالک کی طرف سے اجازت بھی نہیں ہے۔ لہٰذا بیع باطل ہو جائے گی۔ بقیہ معقود علیہ میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا اگر اس حصہ کے ثمن سے راضی ہو اگر چاہے تو بیع رد کر دے خواہ بقیہ حصہ میں عیب آئے یا نہ آئے، برابر ہے کہ قبضہ کیے ہوئے حصے کا استحقاق ثابت ہو یا غیر مقبوض حصے کا۔ چونکہ جب مستحق اپنے حصہ کی بیع سے رضامند نہیں ہوا تو خریدار کا صفقہ (سودا) متفرق ہو گیا جب کہ عقد ابھی تمام نہیں ہوا نیز تفریق صفقہ سے خیار واجب ہوتا ہے۔

ب..... اگر معقود علیہ کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا تھا پھر استحقاق ثابت ہوا یا کل معقود علیہ پر قبضہ کرنے کے بعد استحقاق ثابت ہوا تو استحقاق حصہ میں بیع باطل ہو جائے گی پھر کل معقود علیہ کو دیکھا جائے گا چنانچہ اگر استحقاق سے بقیہ معقود علیہ میں عیب پیدا ہو جائے مثلاً معقود علیہ شئے واحد تھی جیسے گھر، گاڑی یا جانور وغیرہ تو بقیہ معقود علیہ میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو اپنے حصہ کے بقدر ثمن سے راضی رہے اگر چاہے تو بیع رد کر دے چونکہ اعیان (معین اشیاء) میں شراکت عیب تصور ہوتا ہے۔

اگر بقیہ حصہ میں استحقاق سے عیب نہ آتا ہو مثلاً معقود علیہ دو چیزوں کی صورت میں ہو جیسے دو جانور، یا معقود علیہ مکیلی چیز ہو جیسے گندم جو وغیرہ یا موزونی ہو جیسے تیل، پٹرول وغیرہ ان میں استحقاق ثابت ہوا تو خریدار کو بقیہ حصہ کے ثمن لازم ہو جائیں گے چونکہ ان اشیاء کی جز وبندی میں کسی کا کوئی نقصان نہیں۔ لہٰذا خریدار کو رد بیع کا خیار نہیں حاصل ہوگا۔

خلاصہ......اگر مبیع کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہوا تو مشتری پر تفریق صفقہ لازم ہو جائے گا اگر چاہے تو بقیہ مبیع پر قبضہ کر سکتا ہے ورنہ بیع رد کر دے، اگر خریدار نے پوری مبیع پر قبضہ کر لیا ہو اور پھر استحقاق ثابت ہوا اور تجزی سے کسی کا نقصان بھی نہ ہوتا ہو تو اس صورت میں خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا بلکہ بقیہ حصے کے ثمن ادا کر کے اس پر قبضہ کرے۔

۲۔ کل مبیع کا استحقاق......اگر مدعی استحقاق نے کل مبیع میں اپنی ملکیت ثابت کر لی اور اور اس کے حق میں فیصلہ بھی کر دیا گیا تو بیع فسخ نہیں ہوگی بلکہ صاحب استحقاق کی اجازت پر موقوف ہوگی اگر بیع کی اجازت دیدی تو مبیع خریدار کا حق ہوگی اور مستحق فروخت کنندہ سے مبیع کے ثمن وصول کر لے، اس صورت میں بائع وکیل کے درجہ میں ہوگا چونکہ بعد میں ملنے والی اجازت سابقہ وکالت کے حکم میں ہوتی ہے، اور اگر مستحق نے بیع کی اجازت نہ دی بلکہ مبیع پر قبضہ کر لیا تو بیع فسخ ہو جائے گی، ظاہر الروایۃ کے مطابق باہمی رضامندی سے فسخ ہوگی، فروخت کنندہ خریدار کو ثمن واپس کرنے کا پابند ہوگا۔

لیکن اگر موقوف چیز میں استحقاق ثابت ہوا، اور متولی نے موقوف چیز کی وقفیت ثابت کر دی تو بیع حتمی طور پر فسخ ہو جائے گی چونکہ یہ اختیار کسی کو حاصل نہیں کہ وہ موقوف چیز کی بیع کی اجازت دے۔

ثمن واپس لینے کی شرائط... خریدار کے بائع پر ثمن میں رجوع کرنے کی تین شرائط ہیں۔

ا......یہ کہ استحقاق سے مبیع کی ملکیت منتقل ہو رہی ہو یعنی مستحق مطلق ملک کا دعویدار ہو یا اس کی ملکیت کی تاریخ خریداری کی تاریخ سے

---

❶......الدر المختار ۴/۲۱۱۔ ❷ البدائع ۵/۲۸۸، فتح القدیر ۵/۱۷۵۔

پہلے کی ہو چنانچہ اگر مستحق نے ایک مہینا سے مبیع میں ملکیت ہونے کا دعویٰ کیا جب کہ خریدار نے مبیع ایک سال قبل خرید رکھی ہو تو اس صورت میں مستحق فروخت کنندہ پر رجوع نہیں کریگا چونکہ استحقاق خریدار کی ملکیت میں پیدا ہوا ہے یہ کہ فروخت کنندہ کی ملکیت میں۔

۲ ...... یہ کہ خریدار اور مستحق آپس میں اس بات پر صلح نہ کریں کہ خریدار حصہ استحقاق کے بقدر مستحق کو ثمن دے یگا اور مبیع پر قبضہ کر لے گا چونکہ اس صورت میں خریدار نے بائع سے ثمن لینے کا حق صلح کر کے خود ہی باطل کر دیا۔ لہٰذا رجوع نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ اگر صلح اس بات پر مکمل ہوئی کہ مبیع خریدار کے پاس رہے گی اور اس کے مقابلہ میں خریدار مستحق کو کوئی چیز دے گا تو اس صورت میں حق رجوع ساقط نہیں ہوگا۔

۳ ...... یہ کہ استحقاق سے قبل فروخت کنندہ نے خریدار کو ثمن سے بری نہ کیا ہو۔ اور اگر فروخت کنندہ نے خریدار کو ثمن سے بری کر دیا ہو تو خریدار کو رجوع کا حق نہیں رہے گا چونکہ خریدار نے بائع کو کوئی چیز نہیں دی اب رجوع کیوں کرے گا۔

قبضہ مبیع سے قبل دعوائے استحقاق کی شرط ...... مبیع پر قبضہ سے پہلے استحقاق کا دعویٰ قابل سماع نہیں ہوگا یہاں تک کہ فروخت کنندہ اور خریدار فیصلے کے لئے قاضی کے پاس حاضر نہ ہو جائیں، چونکہ خریدار کو ملکیت حاصل ہوتی ہے اور بائع کو قبضہ حاصل ہوتا ہے جب کہ مدعی استحقاق دونوں پر دعویٰ کر رہا ہوتا ہے لہٰذا ان دونوں کے خلاف فیصلے کے لیے شرط یہ ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ دونوں حاضر ہوں۔

اگر مشتری کے قبضہ کے بعد استحقاق مبیع کا دعویٰ کیا گیا تو صرف خریدار کو حاضر کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا فروخت کنندہ کا حاضر ہونا شرط نہیں، البتہ خریدار حق رکھتا ہے کہ مقدمہ میں ثالث کے طور پر فروخت کنندہ کو حاضر کرے، چونکہ فروخت کنندہ کے ساتھ رجوع کا علاقہ تو قائم ہے ❶ رہی بات بیع کے زوائد کی جیسے بچہ، سو اگر مستحق گواہوں سے اپنا حق ثابت کر دے تو بچے کو بھی لے سکتا ہے چونکہ گواہ سبھی لوگوں کے حق میں حجت مطلقہ ہوتے ہیں لیکن قاضی کا فیصلہ اس میں شرط ہے اور اگر استحقاق کا اثبات خریدار کے اقرار سے ہوا ہو یا انکار سے ہوا ہو تو مستحق بچے کا حقدار نہیں ہوگا چونکہ اقرار صرف مقر کے حق میں حجت ہوتا ہے۔ ❷

۳۔ احتباس مبیع کا استحقاق ...... اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ استحقاق مبیع بائع کے علاوہ کسی اور شخص کے پاس رہن یا اجارہ ہونے کی وجہ احتباس میں ہے اور استحقاق گواہوں سے ثابت ہو تو اس میں تفصیل ہے۔

الف ...... اگر مرتہن اور مستاجر نے بیع کو اجازت دے دی تو رہن اور اجارہ فسخ ہو جائے گا اور مبیع کے ثمن اس کی جگہ رہن ہو جائیں گے، مرتہن حق رکھتا ہے کہ مبیع کو روک لے حتیٰ کہ ثمن پر قبضہ کر لے، مستاجر بھی مبیع کو روک سکتا ہے بقیہ مدت کی اجرت اسے واپس ہو جائے۔ اگر اجرت پیشگی دی ہو۔ ❸

ب ...... اگر مرتہن اور مستاجر بیع کی اجازت نہ دیں تو بیع فسخ نہیں ہوگی البتہ مبیع مرتہن یا مستاجر کے قبضہ میں رہے گی، خریدار کو خیار دیا جائے گا کہ انتظار کرے یہاں تک کہ رہن کو خلاصی مل جائے اور اجارہ کی مدت ختم ہو جائے یا چاہے بیع فسخ کر دے اور دیئے ہوئے ثمن واپس لے لے۔

مالکیہ کی رائے ❹ اگر کوئی انسان دوسرے کے پاس کسی چیز کا مستحق ٹھہرے اور مشروع طریقہ سے اس کا استحقاق ثابت ہو تو استحقاق دو صورتوں سے خالی نہیں ہوگا یا تو استحقاق کچھ حصہ میں ثابت ہوگا یا کل میں۔

اگر استحقاق کچھ حصہ میں ثابت ہو تو مستحق بقدر استحقاق خریدار پر رجوع کرے گا اور وہ پوری چیز پر رجوع کا حق نہیں رکھتا۔

اگر استحقاق کل چیز میں ثابت ہو پھر اگر اس میں کوئی تغیر نہ آیا ہو تو مستحق اس پر قبضہ کر سکتا ہے اور خریدار ثمن کے معاملہ میں بائع پر رجوع

---

❶ ... الدر المختار ۴/۲۰۷۔ ❷ الدر المختار ۴/۲۰۴۔ ❸ انظر المادہ ۵۹۰ و ۷۴۷ من "المجلۃ" ❹ بدایۃ المجتہد ۲/۲۰۲ الدسوقی ۳/۴۷۰۔

کرے اور اگر ایسا تغیر آجائے جس سے قیمت مختلف ہو جاتی ہو تو خریداری کے دن کی قیمت سے رجوع کرے گا۔

اور اگر اضافہ کی وجہ سے چیز (مبیع) میں تغیر آجائے تو دیکھا جائے گا کہ اضافہ اگر بذات خود اسی چیز سے متصل ہو تو مستحق اسے لے سکتا ہے مثلاً جانور فربہ ہو گیا یا جانور سے پیدا ہونے والا بچہ بڑا ہو گیا۔

اگر اضافہ خریدار کی طرف سے ہو مثلاً خریدار نے زمین میں گھر بنالیا یا گھر میں کمرہ بنالیا تو مستحق کو اختیار دیا جائے گا چاہے تو اضافہ کی قیمت دے کر کل پر قبضہ کر لے چاہے تو استحقاقی حصہ کے بقدر خریدار سے قیمت وصول کر لے، یا پوری مبیع میں دونوں شریک ہوں۔ چنانچہ مستحق اپنے استحقاقی حصہ کے بقدر اور خریدار بقیہ حصہ کے بقدر شریک ہوگا۔ یہی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے۔

اور اگر نقصان کی وجہ سے مبیع متغیر ہو جائے تو پھر اگر تغیر قابض کی طرف سے سرزد نہ ہوا ہو تو خریدار پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔ اگر خریدار کی طرف سے نقصان ہوا ہو مثلاً اس نے گھر کو گرادیا اور ملبہ فروخت کر دیا پھر استحقاق ثابت ہوا تو مستحق خریدار سے رجوع کرے گا۔

شافعیہ کی رائے...... ❶ اگر بعض مبیع میں استحقاق ثابت ہوا اور بعض میں استحقاق ثابت نہ ہو تو اس میں خیار صفقہ حاصل ہوگا، حنفیہ کے نزدیک ظاہری قول یہ ہے کہ تفریق صفقہ میں بیع کی تجزی کی جائے گی اور ہر جز و مبیع کو اس کا حکم ملے گا۔ خریدار حصہ مستحق کے بقدر فروخت کنندہ سے ثمن واپس لے۔

اگر کل مبیع میں استحقاق ثابت ہو تو خریدار فروخت کنندہ سے کل ثمن واپس لے، برابر ہے کہ عقد کے وقت استحقاق کا اسے علم ہو یا علم نہ ہو چونکہ مبیع سے خریدار کا قبضہ زائل ہو چکا اور بیع فسخ ہو چکی۔

اگر قبضہ سے پہلے مبیع میں استحقاق ثابت ہوا تو مستحق خرید کردہ چیز کا مطالبہ نہیں سکتا چونکہ حقیقۃ اس پر قبضہ نہیں ہوا اسی طرح اگر منتقل کرنے سے قبل کچھ چیز کو فروخت کر دیا اور دوسرے خریدار نے اس چیز کو منتقل کیا تو مستحق پہلے خریدار سے مطالبہ نہیں کر سکتا چونکہ خریدار اول سے حقیقۃ مبیع پر قبضہ نہیں کیا۔ اگر بائع نے مبیع خریدار کے روبرو رکھ دی اور پھر مبیع میں استحقاق نکل آیا تو خریدار اس کا ضامن نہیں ہوگا یعنی اس کے متبادل کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، چونکہ خریدار کے روبرو مبیع کا رکھ دینا بیع صحیح میں قبضہ شمار کیا جاتا ہے نہ کہ بیع فاسد میں۔

اگر خریدار نے ملکیت کا بائع کے حق میں اعتراف کر لیا اور پھر مبیع میں استحقاق ثابت ہوا تو خریدار فروخت کنندہ سے ثمن واپس لے چونکہ خریدار نے بظاہر قبضہ کو دیکھ کر اعتراف کیا ہے۔

اگر خریدار کے اعتراف سے مبیع میں استحقاق ثابت ہو یا قسم سے انکار کرنے کی وجہ سے استحقاق ثابت ہو تو خریدار فروخت کنندہ پر رجوع نہیں کر سکتا چونکہ خریدار نے اعتراف کر کے کوتاہی کی ہے یہ رائے حنفیہ کے موافق ہے۔

اگر گواہوں سے مبیع میں استحقاق ثابت ہو یا خریدار اور فروخت کنندہ نے مدعی کی تصدیق کر دی تو خریدار بائع پر رجوع کرے اور اس سے ثمن واپس لے اگر ثمن باقی ہوں اور اگر ثمن فروخت کنندہ نے خرچ کر دیئے ہوں تو ثمن کا متبادل واپس لے۔

حنابلہ کی رائے...... ❷ اگر بیع میں استحقاق ثابت ہو جائے خریدار بائع پر رجوع کرے گا ثمن اور عمارت یا باغ وغیرہ کے لگانے میں جو خرچہ ہو وہ بائع سے وصول کرے، چونکہ درحقیقت فروخت کنندہ نے خریدار کو دھوکا دیا ہے کہ زمین اس کی ملکیت ہے، البتہ خریدار نے جانور پر جو خرچہ کیا ہو یا زمین کا ٹیکس ادا کیا ہو وہ فروخت کنندہ سے واپس نہیں لے سکتا چونکہ خریدار ضمان کے خرچ کا پابند ہے چونکہ عقد بیع اس بات کا مقتضی ہے کہ مبیع پر خرچہ کرے، مستحق کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ بلا ضمان زمین سے درخت اور عمارت اکھاڑ ڈالے۔

حنابلہ کی عبارت کچھ اس طرح سے ہے، اگر خریدار نے زمین میں عمارت کھڑی کر دی پھر زمین مستحق نے لے لی اور عمارت کو منہدم کر دیا

---

❶......المهذب ۱/ ۲۹۹، مغني المحتاج ۲/ ۴۰، اسنى المطالب ۲/ ۳۴۹۔ ❷ كشاف القناع ۳/ ۲۱۶ طبع مكة۔

تو ملبہ خریدار کا حق ہے چونکہ یہ خریدار کا مال ہے، تلف شدہ مالک کی قیمت بائع سے وصول کرے چونکہ فی الواقع بائع نے خریدار کو دھوکا دیا ہے۔ شیخ تقی نے صورت مذکورہ کو اس حالت کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب خریدار کو علم ہو ورنہ دھوکا دہی نہیں ہوگی فی الجملہ یہ رائے خسارہ میں عوض دلانے کی اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔

دوم: **عقد رہن میں استحقاق**.....حنفیہ کی رائے ❶ رہن رکھ لینے کے بعد اگر مرہون چیز کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہو تو بقیہ کو دیکھا جائے گا۔

الف.....اگر بقیہ مرہون رہن رہنے کے قابل ہو تو اس بقیہ حصہ میں رہن فاسد نہیں ہوگا۔

ب.....اگر بقیہ مرہون ایسی ہو کہ ابتداء اس کا رہن رکھنا ممکن نہ ہو تو کل رہن فاسد ہو جائے گا، جیسے رہن شائع میں استحقاق ثابت ہو جائے تو وہ رہن فاسد ہوگا چونکہ جب بعض رہن میں استحقاق ثابت ہوا تو یہ واضح ہو گیا کہ استحقاقی حصہ میں عقد رہن صحیح نہیں تھا جب کہ رہن کا اطلاق تو بقیہ حصہ میں ہوگا اور بقیہ حصہ شائع کے حکم میں ہے لہٰذا رہن فاسد ہوگا چونکہ حنفیہ کے نزدیک شیوع صحت رہن کے منافی ہے۔

مالکیہ کی رائے..... ❷ اگر مرہون چیز کے کچھ معین حصہ میں استحقاق ثابت ہو جائے تو بقیہ مرہون پورے قرضہ کے بدلہ میں رہن رہے گی۔ اگر غیر معین رہن میں استحقاق ثابت ہو تو راہن مرتہن کو استحقاقی حصہ کا متبادل دے گا اگر پورے رہن میں استحقاق ثابت ہوا اور اگر استحقاق رہن پر قبضہ کرنے سے پہلے ثابت ہو تو مرتہن کو اختیار دیا جائے گا کہ بغیر رہن کے عقد کو نافذ رکھے یا عقد کو فسخ کر دے، اگر قبضہ کے بعد استحقاق ثابت ہو تو دین بغیر رہن کے باقی رہے گا الا یہ کہ اگر دھوکا کی صورت ہو تو مرتہن کو فسخ اور عدم فسخ میں اختیار دیا جائے گا۔ جس شخص نے زمین یا جانور رہن میں رکھا اور پھر زمین یا جانور میں کوئی شخص مستحق ٹھہرا اور زمین یا جانور کو مرتہن کے پاس رہنے دیا پھر اسی اثناء میں رہن تلف ہو گیا تو مرتہن ضامن نہیں ہوگا چونکہ مرہون چیز استحقاق کی وجہ سے رہن ہونے سے خارج ہو گئی اور مرتہن محض امین کے درجہ میں رہا لہٰذا استحقاقی حصہ کا ضامن نہیں ہوگا البتہ بقیہ حصے کا ضامن ہوگا۔

شافعیہ کی رائے..... ❸ اگر رہن رکھی ہوئی مبیع میں استحقاق ثابت ہو تو خریدار راہن پر رجوع کرے گا۔ چونکہ مبیع راہن کی ملکیت ہے گویا تمام تر ذمہ داری راہن پر عائد ہوگی اور ضمان اسی کو دینا پڑے گا۔ اگر خریدار کسی تیسرے عادل شخص جس کے پاس رہن بطور حفاظت رکھا گیا ہو پر رجوع کرے تو اس پر رجوع کرنا جائز ہے چونکہ شئے مرہون پر اسی کا قبضہ ہوتا ہے۔

حنابلہ کی رائے..... ❹ اگر مرتہن نے رہن پر قبضہ کر لیا پھر اس میں استحقاق پایا تو مرتہن پر لازم ہے کہ رہن مالک کو واپس کر دے رہن سرے سے باطل ہوگا اور اگر رہن مبیع میں استحقاق ثابت ہو تو خریدار راہن پر رجوع کرے گا چونکہ مبیع راہن کی ملکیت ہے لہٰذا ذمہ داری اسی پر عائد ہوگی اس صورت میں تیسرے عادل شخص پر رجوع نہیں کیا جائے گا۔

سوم: **استحقاق قسمت**..... ❺ حنفیہ کی رائے ❻ اگر معین چیز (جیسے گھر وغیرہ) جس میں تقسیم کا عمل ہوا ہو اس میں استحقاق ثابت ہو جائے تو ظاہر مذہب میں تقسیم باطل ہو جائے گی اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حقیقت میں تقسیم صحیح نہیں ہوئی، اگر مقسوم شئے کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہو تو استحقاقی حصہ میں تقسیم باطل ہوگی۔

مالکیہ کی رائے: ❼ (الف).....شرکائے تقسیم کے قبضہ میں مقسوم چیز کل میں اگر استحقاق ثابت ہو تو تقسیم فسخ ہو جائے گی اور شراکت

---

❶ البدائع ۶/۱۴۱۔ ❷ الخرشی ۵/۲۸۸ الشرح الکبیر ۳/۲۳۸۔ ❸ مغنی المحتاج ۲/۱۳۵۔ ❹ المغنی ۵/۳۹۷ کشاف القناع ۳/۳۳۴۔ ❺ قسمت سے مراد تقسیم ہے یعنی شرکاء کے درمیان مشترک چیز جو ان کے حصص کے بقدر تقسیم کر دی جائے اس میں استحقاق ثابت ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔ ❻ البدائع ۷/۲۴۔ ❼ الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/۵۱۴

داری حسب سابق لوٹ آئے گی۔

(ب) اگر شرکاء نے تقسیم میں سے کسی ایک شریک کے حصہ میں نصف یا تہائی حصہ کے بقدر استحقاق ثابت ہو تو مستحق کو اختیار دیا جائے گا کہ بقیہ پر قبضہ کرلے اور رجوع کا حق نہیں ہوگا یا چاہے تو شریک سے رجوع کرے اور استحقاق کے بقدر حصہ لے لے۔

(ج) اگر استحقاق کسی ایک شریک کے حصہ میں سے چوتھائی کے بقدر ثابت ہو تو مستحق کو اختیار حاصل نہیں ہوگا تقسیم باقی رہے گی اور ٹوٹے گی نہیں مستحق کو استحقاق حصہ کی نصف قیمت کا حق ہوگا بقیہ نصف کے متعلق شریک پر رجوع نہیں کرے گا۔

شافعیہ کی رائے ❶ اگر تقسیم کے بعد تقسیم شدہ مال کے کچھ مشاع حصہ میں استحقاق ثابت ہوا جیسے چوتھائی یا تہائی حصہ تو تقسیم باطل ہو جائے گی بقیہ حصہ میں شافعیہ کے دو اقوال ہیں اظہر قول یہ ہے کہ تقسیم صحیح ہوگی اور خیار ثابت ہو جائے گا چونکہ تقسیم کا مقصد باقی نہیں رہتا، اور وہ یہ ہے کہ ہر شریک کا حصہ دوسرے کے حصے سے ممتاز ہو جائے۔

ب اگر دو حصوں میں استحقاق ثابت ہوا جو برابر برابر ہو تو تقسیم باقی رہے گی چونکہ ہر شریک کو اس کا حق مل چکا۔

ج اگر دو حصوں کا استحقاق برابر نہ ہو مثلاً ایک شریک کے ہاں استحقاق کا حصہ زیادہ ہو اور دوسرے کے ہاں کم ہو تو کل میں تقسیم باطل ہو جائے گی چونکہ بقیہ حصہ حق کے بقدر نہیں رہتا بلکہ ایک شریک دوسرے شریک پر رجوع کا حق رکھے گا اور شیوع واپس لوٹ آئے گی۔

حنابلہ کی رائے ❷ اگر شرکاء آپس میں تقسیم کرلیں پھر کسی ایک کے معین حصہ میں استحقاق ثابت ہوا تو تقسیم باطل ہو جائے گی چونکہ برابری کا تصور فوت ہو جائے گا یعنی شرکاء کے حصے برابر نہیں رہیں گے لہٰذا تقسیم باطل ہو جائے گی۔

(ب) اگر دو حصوں میں استحقاق برابر برابر ہو مثلاً دو شریکوں نے آپس میں زمین تقسیم کرلی، پھر کسی معین حصہ میں دونوں کے حق میں برابر برابر استحقاق ثابت ہوا تو بقیہ زمین میں تقسیم باطل نہیں ہوگی جیسا کہ شافعیہ کے ہاں مقرر ہے۔ چونکہ تقسیم کا معنی ہر حصہ کو جدا جدا کرنا ہے جب کہ یہاں بھی ہر حصہ جدا کر دیا گیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے تقسیم کی ہوئی دو چیزیں ہوں اور ان میں سے کسی ایک میں استحقاق ثابت ہو۔

(ج) اگر استحقاقی حصہ ایک شریک کے حصہ میں زائد ہو اور دوسرے شریک کے حصہ میں کم ہو یا ایک شریک کا نقصان زیادہ ہو اور دوسرے کا کم ہو جیسے راستے کی دیوار یا پانی کی نالی وغیرہ تو تقسیم باطل ہو جائے گی چونکہ برابری فوت ہے۔

اسی طرح استحقاقی حصہ اگر شرکاء کے حصص میں مشاع ہو تب بھی تقسیم باطل ہو جائے گی چونکہ تیسرا شریک اس تقسیم پر راضی نہیں اور نہ ہی اس پر تقسیم کا حکم بھی لاگو نہیں ہوگا۔

چہارم: استحقاق صلح حنفیہ کی رائے ❸ اگر مال پر صلح کرلی پھر مدعی کے پاس مقبوضہ چیز میں استحقاق ثابت ہوا تو صلح درست نہیں ہوگی چونکہ یہ واضح ہو چکا کہ وہ عوض جس پر صلح کی گئی ہے وہ مصالح کی ملکیت نہیں یہ صلح صحیح ہونے کی شرط ہے۔

(ب) اگر صلح اقرار کے ساتھ ہو اور پھر محل صلح میں استحقاق ثابت ہو تو مدعی علیہ حصہ استحقاق کے بقدر دیئے ہوئے عوض کو واپس لے سکتا ہے چونکہ یہ صلح مطلق معاوضہ ہے جیسے بیع، اور اگر کل مصالح علیہ میں استحقاق ثابت ہو تو مدعی علیہ کل مصالح علیہ واپس لے سکتا ہے۔

(ج) اگر صلح سکوت یا انکار کے ساتھ ہوا اور متنازع فیہ میں استحقاق ثابت ہو جائے تو مدعی مستحق پر مقدمہ چلائے چونکہ اب مستحق مدعی علیہ کے قائم مقام ہوا۔ مدعی عوض واپس کرے گا چونکہ مدعی نے مقدمہ سے جان چھڑانے کے لئے مال خرچ کیا تھا جب متنازعہ فیہ میں استحقاق ثابت ہو گیا تو معلوم ہوا کہ اس میں خصومت نہیں ہوئی، لہٰذا عوض بغیر کسی غرض کے باقی رہ جائے گا مدعی علیہ واپس لے لے جیسے

---

❶۔۔۔مغنی المحتاج ۴/ ۴۲۵۔ ❷ کشاف القناع ۶/ ۳۷۲ ط مکۃ۔ ❸ البدائع ۶/ ۴۸ تکملۃ فتح القدیر مع العنایہ ۷/ ۲۹۔

مکفول عنہ کفیل کو مال دے تاکہ دائن سے دفاع کر سکے پھر مکفول عنہ بذات خود دین ادا کر دے تو وہ کفیل سے مال واپس لے گا چونکہ اب غرض باقی نہیں رہی۔

مالکیہ کی رائے: ❶

الف: مدعی کے قبضہ میں موجود چیز میں استحقاق...... اگر ایک شخص نے دوسرے پر کسی چیز کا دعویٰ کیا جیسے گھوڑے کا دعویٰ کر دیا، مدعی علیہ نے اقرار کیا پھر کسی قیمی چیز جیسے کپڑا کے ساتھ مدعی سے صلح کر لی یا مثلی چیز جیسے گیہوں پر صلح کر لی پھر بدل صلح میں استحقاق ثابت ہوا تو اگر بعینہ وہ چیز ضائع نہ ہوئی ہو تو مدعی اس میں رجوع کر سکتا ہے اگر مقر بہ چیز فوت ہو چکی ہو تو مدعی عوض میں رجوع کرے گا یعنی اگر قیمی ہو تو قیمت لے اور اگر مثلی ہو تو مثلی لے۔

ب...... مدعی علیہ کے قبضہ میں جو چیز ہو اس میں استحقاق پیدا ہو مثلاً ایک شخص نے دوسرے پر گھوڑے کا دعویٰ کیا کہ وہ اس کی ملک ہے مدعی علیہ نے انکار کر دیا اور پھر مدعی کے ساتھ کسی قیمی چیز پر صلح کر دی اور وہ چیز مدعی کے سپرد بھی کر دی پھر گھوڑے میں استحقاق ثابت ہوا تو مدعی علیہ جو کہ منکر ہے مدعی پر رجوع کرے اور بدل صلح میں جو چیز دی ہے واپس لے، بشرطیکہ وہ چیز فوت نہ ہوئی ہو اور اگر وہ فوت ہو چکی ہو تو پھر اگر قیمی ہو تو قیمت واپس لے اور اگر مثلی ہو تو اس کی مثل واپس لے۔

اور اگر مدعی علیہ کے پاس جو چیز ہو اور صلح اقرار کے ساتھ ہوئی ہو اس چیز میں استحقاق ثابت ہو تو مقر مدعی پر رجوع نہیں کریگا چونکہ اس نے اعتراف کر دیا کہ یہ اس کی ملکیت ہے اور اس نے ظلماً یہ چیز ہتھیائی ہے۔

اگر کسی شخص نے کوئی سامان خریدا اور اسے علم ہو کہ یہ چیز فروخت کنندہ کی صحیح ملکیت ہے پھر خریدار کے پاس اس میں استحقاق ثابت ہوا تو وہ بائع پر رجوع نہیں کر سکتا چونکہ خریدار کو اس چیز کا علم ہے کہ مستحق اس چیز کو لینے میں ظالم ہے۔

شافعیہ کی رائے...... ❷ اگر کسی شخص نے دوسرے ساتھ گھر پر صلح کر لی اور بدل صلح میں کوئی معین چیز دی پھر اس چیز میں استحقاق ثابت ہو تو عقد فسخ ہو جائے گا اگر تلف کی وجہ سے واپسی متعذر ہو تو جس قدر اس چیز کی قیمت کم ہوئی ہے اس کے بقدر گھر کے حصہ میں رجوع کرے، یہ ایسا ہی ہے جیسے گھر کو فروخت کر دے۔

حنابلہ کی رائے...... ❸ اگر مدعی علیہ نے عوض کے ساتھ گھر پر صلح کر لی پھر عوض میں استحقاق ثابت ہوا تو مدعی گھر میں رجوع کریگا چونکہ اقرار کے ساتھ صلح درحقیقت بیع ہے جب عوض میں استحقاق ثابت ہو چکا تو بیع فاسد ہوگی اور جو اس کا حق تھا اس میں رجوع کرے۔

یہ قصاص پر صلح کرنے کے برخلاف ہے چونکہ قصاص پر صلح بیع نہیں ہوتی چنانچہ اگر کسی عمدہ سامان کے ساتھ قصاص پر صلح کی پھر وہ سامان استحقاق نکلا تو قصاص کا دعویدار اس سامان کی قیمت سے رجوع کرے۔

اگر صلح انکار کے ساتھ ہو اور عوض میں استحقاق ظاہر ہو تو مدعی اپنے دعویٰ کی طرف رجوع کرے چونکہ صلح کا باطل ہونا ظاہر ہو چکا۔

پنجم: اجارہ میں استحقاق:

حنفیہ کی رائے...... ❹ اگر کسی شخص نے اپنا گھر اجرت پر دیا پھر گھر میں استحقاق ثابت ہوا اور مستحق نے اجارے کی اجازت دے دی پھر اگر اجازت منافع حاصل کرنے سے پہلے دی ہو تو اجرت مالک کا حق ہے چونکہ معقود علیہ موجود ہے اور اگر عقد کی اجازت منافع حاصل

---

❶ الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/۴۷۰ الشرح الصغیر ۳/۶۲۲۔ ❷ السنی المطالب ۲/۲۱۸۔ ❸ المغنی ۵/۵۹۳۔

❹ البدائع ۶/۱۷۷

کرنے کے بعد ہو تو اجارہ جائز نہیں اور اجرت عاقد کی ہوگی چونکہ اجازت معدوم ہے اس کے بعد عقد باقی نہیں رہے گا۔

اگر اجازت کچھ مدت گزرنے کے بعد ہو تو اجرت ساری کی ساری امام ابو یوسف کے نزدیک مالک کی ہوگی جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ گزری مدت کی اجرت غاصب کی ہوگی اور بقیہ مدت کی اجرت مالک کی ہوگی۔

مالکیہ کی رائے...... ❶ اگر زمین اجرت پر دی اور زمین شبہ کی حالت میں ہو اور اجرت کی مدت سالوں یا مہینوں کے حساب سے ہو جب کہ بعض مدت گزر چکی ہو اور پھر کھیتی کے بعد زمین میں استحقاق ثابت ہو تو مستحق کو اختیار دیا جائے گا چاہے بقیہ مدت کا اجارہ فسخ کر دے، چاہے بقیہ مدت کی اجازت دے، جو مدت گزر چکی اس کی اجرت میں سے مستحق کو کچھ بھی نہیں ملے گا چونکہ متاجر غلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا۔

شافعیہ کی رائے...... ❷ شافعیہ کے مذہب میں بظاہر اجرت پر دی ہوئی چیز کا استحقاق تلف کی بمثل ہے، شافعیہ کے نزدیک گھر کو منہدم کرنے سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے چونکہ قبضہ یا وصولی سے قبل معقود علیہ کی منفعت فوت ہو چکی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے قبضہ سے پہلے مبیع تلف ہونے سے بیع فسخ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر اجرت پر دی ہوئی چیز معین ہو تو استحقاق سے اجارہ فسخ ہو جائے گا چونکہ معقود علیہ فوت ہو جائے گا۔

حنابلہ کی رائے...... ❸ اگر اجارہ کسی معین چیز کا ہو مثلاً کسی شخص نے سواری کے لیے اونٹ اجرت پر لیا پھر اس اونٹ میں استحقاق ثابت ہوا تو عقد باطل ہو جائے گا مواجر پر متبادل لازم نہیں ہوگا۔ اگر اجارہ ذمہ میں واجب کسی چیز پر واقع ہو پھر اس میں استحقاق نکلے تو عقد باطل ہو جائے گا اور مواجر پر متبادل لازم ہوگا چونکہ معقود علیہ ذمہ میں واجب ہے اور غیر متعین ہے۔

ششم: مساقات اور مزارعت میں استحقاق...... حنفیہ کی رائے ❹ اگر باغ میں استحقاق ثابت ہوا تو کاشتکار اجرت مثل سے رجوع کرے گا بشرطیکہ باغ میں پھل آئے ہوں۔ ورنہ اس کے لئے اجرت نہیں ہوگی۔ اگر باغات میں پھل نہ آئے اور استحقاق ظاہر ہوا تو کاشتکار کو اجرت نہیں ملے گی چونکہ مزارعت کی صورت میں کاشتکاری کے بعد اور اناج نکلنے سے پہلے اگر استحقاق ثابت ہو جائے تو مزارع کے لئے اجرت نہیں ہوتی اسی طرح مساقات بھی ہوگا۔

اگر کھیتی میں غلہ ظاہر ہو جائے تو استحقاق ثابت ہونے پر کاشتکار کھیتی کی قیمت کا حقدار ہوگا۔

مالکیہ کی رائے...... ❺ اگر باغ میں استحقاق ثابت ہو جائے تو عقد مساقات فسخ ہو جائے گا مستحق کو اختیار ہے چاہے عقد فسخ کر دے چاہے کاشتکار کو باقی رکھے چونکہ یہ ظاہر ہو چکا کہ عاقد فی الواقع مالک نہیں ہے اگر عقد فسخ کر دیا تو اناج اور پیداوار مستحق کا حق ہے۔ بنا بریں کاشتکار کو اس کے کام کے حساب سے اجرت مثل ملے گی یہاں تک کہ کاشتکار کا نقصان نہ ہو۔

شافعیہ کی رائے...... ❻ اگر کاشتکار کے کام کے بعد یا اس سے پہلے پھل کا ظہور ہوا جب کہ باغ میں استحقاق ثابت ہوا مثلاً مالک نے باغ کے کچھ درختوں کی وصیت کر دی تھی یا کچھ درختوں میں استحقاق ثابت ہوا تو کاشتکار کو اجرت مثل ملے گی چونکہ کاشتکار کا منافع فوت ہو چکا لہٰذا اسے اس کا متبادل ملے گا۔ یہ تب ہے کہ جب کاشتکار حقیقت حال سے ناواقف ہو اگر حقیقت حال سے واقف ہو تو اسے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

---

❶ الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/۴۶۳۔ ❷ معنی المحتاج ۲/۳۵۵۔ ❸ المغنی ۵/۴۳۲۔ ❹ الدر المختار مع رد المحتار ۵/۲۰۱۔ ❺ الدسوقی ۳/۵۴۷ الخرشی ۶/۲۲۱ بدایۃ المجتہد ۲/۳۲۱۔ ❻ معنی المحتاج ۲/۳۳۱

حنابلہ کی رائے...... ❶ اگر کاشتکار نے درختوں کو پانی وغیرہ دیا اور کام کے بعد درختوں میں استحقاق ثابت ہوا تو مستحق درخت بمعہ پھل لے سکتا ہے چونکہ یہ بعینہ اس کا مال ہے پھل میں کاشتکار کا کوئی حق نہیں ہوگا چونکہ کاشتکار نے کاشتکاری کا عمل مالک کی اجازت کے بغیر کیا ہے اس پر اسے اجرت نہیں ملے گی نیز غاصب کو بھی اجرت نہیں ملے گی چونکہ اس نے عامل کو دھوکا دیا ہے اور اس سے کام لیتا رہا ہے ہاں البتہ کاشتکار کی اجرت مثل غاصب کے ذمہ واجب ہوگی۔

ہفتم: عقد نکاح میں استحقاق:

مہر میں استحقاق حنفیہ کی رائے...... ❷ اگر مہر کوئی معین چیز ہو جیسے گھر اور سپرد کرنے سے پہلے اس میں استحقاق ثابت ہو جائے تو مہر کا تقرر صحیح ہوگا اور خاوند پر گھر کی قیمت واجب ہوگی جو مہر میں دے چونکہ استحقاق کی وجہ سے بعینہ گھر کو سپرد کرنا دشوار ہے تاہم مہر مثل واجب نہیں ہوگا۔

اگر نصف گھر میں استحقاق ثابت ہوا تو بقیہ گھر میں عورت کو اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو عیب کی وجہ سے گھر واپس کر دے اور خاوند سے اس کی قیمت کا مطالبہ کرے چونکہ حصہ داری املاک میں عیب تصور ہوتی ہے، اگر چاہے نصف گھر اپنے قبضہ میں رکھے اور بقیہ نصف کی خاوند سے قیمت وصول کرے اور اگر خاوند نے دخول سے قبل طلاق دے دی تو مہر میں بس یہی نصف گھر اسے ملے گا۔

مالکیہ کی رائے...... ❸ اگر مہر پر عورت نے قبضہ کر لیا ہو اور پھر اس میں استحقاق ثابت ہو یا کوئی عیب پایا جائے تو عورت خاوند سے اس کی قیمت وصول کرے مہر مثل کا مطالبہ نہیں کر سکتی جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ہے چونکہ اعلیٰ طبقاتی نکاح میں مہر مہر مثل سے دوگنا اور دس گنا زیادہ ہوتا ہے۔ حنبلی مذہب میں یہ بھی ہے کہ عورت مہر مثل لے گی ایک قول یہ بھی ہے کہ قیمت اور مہر مثل میں سے جو کم ہوگا وہ لے گی۔

شافعیہ کی رائے...... ❹ اگر خاوند نے عورت کے ساتھ نکاح مال مغصوبہ یا شراب کے ساتھ کیا تو ظاہری مذہب میں مہر مثل واجب ہوگا چونکہ نکاح صحیح ہے اور جو چیز مہر میں مقرر کی ہے وہ فاسد ہے چونکہ مال مغصوب خاوند کی ملکیت نہیں چونکہ فی الواقع وہ خاوند کے علاوہ کسی اور کا حق ہے جب کہ شراب مسلمان کے حق میں مال نہیں ہوتا۔

حنابلہ کی رائے...... ❺ اگر کسی معین چیز کے ساتھ عورت سے نکاح کیا جیسے گھر، چنانچہ گھر میں استحقاق ثابت ہوا تو عورت اس گھر کی قیمت کی حقدار ہوگی، چونکہ عقد گھر پر واقع ہوا ہے لہٰذا اس کی قیمت واجب ہوگی۔ نیز عورت گھر کی قیمت پر راضی بھی ہے بخلاف اس کے کہ اگر خاوند نے کہا: میں نے تجھ سے اس مغصوب گھر پر نکاح کیا تو عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی چونکہ فی الواقع وہ بغیر کسی مہر کے نکاح کرنے پر راضی ہے چونکہ عورت کو اتنا تو معلوم ہے کہ مغصوب گھر پر وہ قبضہ نہیں کر سکتی لہٰذا اس کی مالک بھی نہیں بن سکتی، لہٰذا مہر مقرر کیا ہی نہیں گیا۔

اگر مہر کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہو جائے تو عورت کو اس پوری چیز کی قیمت لینے میں اور استحقاقی حصہ کی قیمت بمعہ بقیہ لینے میں اختیار دیا جائے گا چونکہ ملک میں شراکت داری عیب سمجھا جاتا ہے لہٰذا عورت کو مہر کے فسخ کا حق حاصل ہے جس طرح عیب میں فسخ بیع کا حق ہوتا ہے۔

خلاصہ   جمہور کے نزدیک اگر مہر میں استحقاق ثابت ہوا اور مہر معین چیز ہو تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔
جب کہ شافعیہ مہر مثل کے وجوب کے قائل ہیں۔

---

❶ المغنی ۵/ ۳۱۱۔ ❷ البدائع ۲/ ۲۷۱ فتح القدیر ۲/ ۴۵۵۔ ❸ بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۸ الخرشی ۳/ ۲۹۲۔ ❹ مغنی المحتاج ۳/ ۲۲۵۔ ❺ المغنی ۶/ ۵۸۹ غایۃ المنتہی ۳/ ۶۰۔

۲: استحقاق بدل خلع ... حنفیہ کی رائے ❶ اگر عورت نے کسی معین چیز پر خلع لیا پھر وہ معین چیز (بدل خلع) میں استحقاق ثابت ہوا تو عورت کو اس کی قیمت لازم ہوگی چونکہ اس معین چیز کو بدل خلع کے طور پر خاوند کو سپرد کرنا متعذر ہے چونکہ اس میں استحقاق ثابت ہو چکا ہے۔

مالکیہ کی رائے ... ❷ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی معین قیمی چیز مثلاً کپڑا پر خلع کیا پھر اس کپڑے میں استحقاق پیدا ہوا تو عورت خاوند کو کپڑے کی قیمت دے گی اور خلع کے دن کپڑے کی جو قیمت ہوگی وہ دے گی۔ اگر کسی مثلی چیز پر خلع ہوا ہو تو عورت پر اس کی مثل لازم ہوگا، یہ اس وقت ہے جب میاں بیوی دونوں کو علم نہ ہو کہ بدل خلع حقیقت میں کسی دوسرے کی ملکیت ہے۔ اگر دونوں کو علم ہو تو خاوند کو کچھ نہیں ملے گا اگر بدل خلع قیمی چیز ہو اور استحقاق سے دونوں لاعلم ہوں تو معین قیمی چیز کی قیمت میں رجوع کریں گے، اور جو چیز ذمہ میں واجب ہو اس کی مثل سے رجوع کریں گے اور اگر عورت کو استحقاق کا علم ہو اور خاوند لاعلم ہو پھر اگر بدل خلع کوئی معین چیز ہو تو خلع نہیں رہے گا اور اگر بدل خلع ذمہ میں واجب ہو تو بقدر استحقاق رجوع کرے گا۔

غصب کی ہوئی چیز اور چوری کی ہوئی چیز بھی استحقاق کے حکم میں ہے۔ چنانچہ خاوند اس چیز کی قیمت عورت سے لے گا اگر وہ چیز معین ہو اور اگر ذمہ میں واجب ہو تو اس کی مثل لے گا۔

شافعیہ کی رائے ... ❸ اگر خاوند نے کسی معین چیز مثلاً گھر پر خلع کیا پھر وہ چیز قبضہ سے پہلے تلف ہوگئی یا اس میں استحقاق ثابت ہوا تو خاوند عورت کو وہ چیز واپس کردے یا اس چیز کی مشروط صفت مفقود ہو تو وہ چیز واپس کردے اور عورت سے مہر مثل بدل خلع میں لے۔ عورت کے پاس خلع کا عوض ایسا ہی ہوتا ہے جیسے مہر خاوند کے قبضہ میں، یہ ضمان عقد کے حکم میں ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمان ید ہے۔

حنابلہ کی رائے ... ❹ اگر معین عوض کے ساتھ مرد نے عورت کے ساتھ خلع کیا پھر اس معین عوض میں استحقاق ثابت ہوا اور یہ واضح ہوگیا کہ خلع کا عوض عورت کی ملکیت نہیں تو خلع صحیح ہوگا چونکہ خلع ملک بضع کا معاوضہ ہوتا ہے اور عوض فاسد ہونے سے خلع فاسد نہیں ہوتا جیسے مہر فاسد ہونے سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ لیکن خاوند عورت سے عوض کی قیمت لے گا۔

ششم: وصیت اور وقف میں استحقاق:

حنفیہ کی رائے: ❺ موصی بہ کے استحقاق کا حکم ... ❻ اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ اس کا گھر فروخت کیا جائے اور اس کے ثمن میں ملنے والی رقم مسکینوں پر صرف کی جائے پھر وصی (منتظم وصیت) نے گھر فروخت کر دیا اور ثمن پر قبضہ بھی کر لیا پھر گھر میں استحقاق ثابت ہوا (یعنی گھر میں کسی دوسرے شخص کا حق نکلا) تو وصی ضامن ہوگا چونکہ وہی عاقد ہے تمام تر ذمہ داری اس پر عائد ہوگی چونکہ خریدار صرف اسی صورت میں ثمن دینے پر راضی ہوا تھا جب اسے مبیع سپرد کی جاتی حالانکہ مبیع اسے سپرد نہیں کی گئی گویا فروخت کنندہ نے دوسرے کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لے لیا۔ ہذا اصلی مالک کو واپس کرنا واجب ہے پھر وصی میت کے ترکہ میں رجوع کرے گا چونکہ وصی ترکہ کا منتظم ہے۔ لہٰذا وکیل کی طرح رجوع کرے گا اور رجوع کل ترکہ میں ہوگا چونکہ میت کی طرف سے دھوکا دیا گیا ہے۔ گویا ضمان میت کے ذمہ میں دین ہوگا اور دین کل ترکہ سے ادا کیا جاتا ہے۔ البتہ اگر فروخت کنندہ قاضی ہو یا میت کا امین ہو تو پھر اس پر ضمان نہیں آئے گا چونکہ ضمان لاگو کرنے کی صورت میں عہدہ قضاء میں رخنہ پڑتا ہے جس سے امت کی مصلحت فوت ہو سکتی ہے۔

---

❶ فتح القدیر ۳/ ۲۰۹۔ ❷ الشرح الکبیر والدسوقی ۲/ ۳۴۹۔ ❸ مغنی المحتاج ۳/ ۲۶۵۔ ❹ المغنی ۷/ ۴۳۔ ❺ فتح القدیر ۵/ ۴۶۲ تکملۃ الفتح مع العنایۃ ۸/ ۴۹۸۔ ❻ موصی وصیت کرنے والا (میت) موصی لہ جس کے لیے وصیت کی گئی ہو موصی بہ یہ وہ چیز جس کی وصیت کی جا رہی ہو مثلاً گھر وصی وصیت کا منتظم۔

اگر ترکہ ضائع ہو گیا یا ترکہ سے پوری ادائیگی ناممکن ہو تو وصی ترکہ میں رجوع نہیں کریگا نہ ہی ورثہ پر رجوع کرے گا اور اگر مسکینوں پر صدقہ کر چکا ہو تو ان پر بھی رجوع نہیں کریگا چونکہ بیع صرف میت کے لئے واقع ہوئی ہے گویا یہ ایسا ہی ہے جیسے میت پر کوئی دوسرا دین ہو۔

موقوف کے استحقاق کا حکم...... حنفیہ کہتے ہیں اگر کسی شخص نے کوئی چیز پوری کی پوری وقف کر دی پھر اس کی جزو شائع میں استحقاق ثابت ہوا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف باطل ہو جائے گا چونکہ استحقاق سے یہ ثابت ہو چکا کہ شیوع وقف کے مقارن (ساتھ ملا ہوا) ہے جیسے ہبہ میں ہوتا ہے کہ پوری چیز ہبہ کر دی پھر اس کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہوا تو شیوع کی وجہ سے ہبہ باطل ہو جائے گا۔

جب غیر استحقاقی حصہ میں وقف باطل ہوا تو موقوف چیز واقف کے پاس واپس لوٹ آئے گی اگر وہ چیز باقی اور موجود ہو اور اگر واقف مر چکا ہو تو ورثہ کو واپس مل جائے گی۔

اگر استحقاقی حصہ معین جزو ہو تو بقیہ حصہ میں وقف باطل نہیں ہوگا چونکہ اس میں شیوع نہیں اسی لیے ابتداء بھی یہ جائز ہے کہ بقیہ حصہ کو شروع سے وقف کر لیا جائے۔

شافعیہ کی رائے...... ❶ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے کے لئے معین گھر کے تہائی حصے کی وصیت کی پھر دو تہائی حصوں میں استحقاق ثابت ہوا تو موصی لہ بقیہ تہائی حصے کا حقدار ہوگا چونکہ مقصد موصی لہ کو نفع پہنچانا ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ موصی لہ کو بقیہ کا تہائی حصہ ملے گا اسنوی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے یہ تب ہے جب بقیہ حصہ تہائی کا احتمال رکھتا ہو ورنہ اس کا حق وہی ہوگا جس کا تہائی احتمال رکھتا ہو۔

حنابلہ کی رائے...... اگر کسی شخص نے دوسرے کے لئے کسی معین چیز مثلاً گھر کی وصیت کی پھر گھر کے دو تہائی میں استحقاق ثابت ہوا تو موصی لہ کو بقیہ کا تہائی ملے گا بشرطیکہ یہ حصہ تہائی ترکہ سے نکلتا ہو ورنہ موصی لہ کو تہائی کا تہائی ملے گا یہ صورت متفق علیہ ہے۔

تیسری بحث: قربانی کے جانور اور ہدی کے استحقاق کا حکم:

حنفیہ کی رائے...... ❷ اگر کسی شخص نے قربانی کے لیے بکری خریدی اور اسے ذبح بھی کر لیا پھر دوسرے شخص نے استحقاق پر گواہ پیش کر دیئے اگر مستحق نے ذبح شدہ بکری لی تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی چنانچہ جب تک قربانی کے ایام باقی رہیں ہر ایک پر واجب ہے کہ الگ سے قربانی کے لئے بکری ذبح کرے۔ اگر قربانی کے ایام گزر چکے ہوں تو ذبح کرنے والے پر واجب ہے کہ متوسط قسم کی بکری کی قیمت صدقہ کرے البتہ خریدی ہوئی بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا اس پر واجب نہیں چونکہ استحقاق سے ثابت ہو چکا کہ بکری کا قربانی کے لیے خریدنا اور نہ خریدنا برابر ہے بخلاف اس کے کہ اگر قربانی کے لئے بکری خریدی اور پھر فروخت کر دی تو حاصل شدہ قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے چونکہ اس بکری کو قربانی کے لئے خریدنا صحیح تھا چونکہ اس میں ملکیت میں ہیر پھیر نہیں تھی لہٰذا اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔

اگر مستحق نے ذبح شدہ بکری ذبح کرنے والے کے لئے چھوڑ دی اور اس سے بکری کی قیمت کا ضمان وصول کر لیا تو یہ جائز ہے یہ ایسا ہے جیسے کسی شخص نے قربانی کے لیے بکری خریدی اور وہ غصب کر لی گئی پھر غاصب نے مالک کی اجازت کے بغیر اپنی طرف سے ذبح کر ڈالی پھر اگر غاصب نے زندہ بکری کی قیمت دے دی تو یہ قربانی کافی ہوگی لیکن گناہ ہوگا چونکہ ابتداءً فعل ممنوع واقع ہوا ہے لہٰذا توبہ اور استغفار لازم ہوگا۔ یہ امام زفر کے علاوہ جمہور حنفیہ کا قول ہے۔

مالکیہ کی رائے...... ❸ اگر کسی شخص نے کوئی بکری خریدی پھر ذبح کر دی اس کے بعد بکری میں استحقاق ثابت ہوا اور مستحق نے بیع کی اجازت دے دی تو یہ بکری قربانی کے لئے کافی ہوگی چونکہ مستحق کے لئے جو ضمان واجب ہوا تھا وہ ذابح نے ادا کر دیا۔

---

❶ السنی المطالب ۳/ ۲۲۔ ❷ البدائع ۵/ ۷۶۔ ❸ الخرشی ۳/ ۵۰

شافعیہ کی رائے...... ❶ اگر قربانی کا جانور متعین کردیا گیا ہو مثلاً قربانی کرنے والے نے یوں کہا: یہ قربانی کا جانور یا معین جانور کی نذر مان لی اور یوں کہا: مجھ پر اللہ کے لئے واجب ہے کہ میں اس گائے کو ذبح کروں تو اس پر واجب ہوگا کہ وہ قربانی کے وقت میں اس جانور کو ذبح کرے اگر یہ متعین قربانی یا نذر کا جانور ہلاک کردیا گیا اور طبعی موت نہ مرا تو اس پر اس جانور کا متبادل واجب ہوگا جس کی صورت یہ ہے کہ تلف شدہ جانور کی قیمت سے اس کی مثل خریدے اور مطلوبہ وقت میں اسے ذبح کردے، میرے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ استحقاق اتلاف کی مانند ہے، اگر ذمہ میں واجب قربانی کے جانور کی نذر مان لی پھر نذر کا جانور متعین کردیا مثلاً کہا یہ اونٹ نذر میں ذبح کرے گا چنانچہ اگر معین جانور ضائع ہوگیا تو نذر ذمہ میں جوں کی توں واجب رہے گی چونکہ جس چیز کو اپنے اوپر لازم کردیا گیا ہو وہ ذمہ میں باقی رہتی ہے۔ معین چیز کی ملکیت اگر چہ زائل ہو جائے وہ پھر بھی ذمہ میں قابل ضمان ہوتی ہے۔

حنابلہ کی رائے...... ❷ اگر کسی شخص نے قربانی کا جانور یا ہدی خریدی پھر اسے معین کردیا پھر تعیین کے بعد اس میں استحقاق ثابت ہوا تو اس کا متبادل لازم ہوگا اور اگر تعیین سے پہلے استحقاق ثابت ہو تو اس کا متبادل لازم نہیں ہوگا چونکہ تعیین صحیح نہیں تھی۔

سولھویں فصل......مُقاصہ (دین کا ادل بدل)

اس فصل میں چار مباحث ہیں۔ مقاصہ کا معنی اور اس کی مشروعیت محل مقاصہ انواع مقاصہ اور اس کے احکام۔ ❸

پہلی بحث: مقاصہ کا معنی اور اس کی مشروعیت...... مقاصہ کا لغوی معنی مساوات برابری ہے۔

مقاصہ کی فقہی تعریف ابن جزی نے یوں کی ہے **انها اقتطاع دين من دين** ❹ یعنی دین کو دین سے منہا کرنا مقاصہ ہے۔ مقاصہ کی اس تعریف میں متارکہ معاوضہ اور حوالہ ہوتا ہے۔ دردیر نے مقاصہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

هي اسقاط مالك من دين على غريمك في نظير ماله عليك بشروط ❺

یعنی تمہارا حق جو تمہارے قرض خواہ کے ذمہ واجب الادا ہے اس کو تمہارے اوپر جو اس کا حق ہے اس کے بدلہ میں ساقط کرنا مقاصہ ہے۔ یہ تعریف مقاصہ اتفاقیہ اور غیر اتفاقیہ جو جانب واحد سے کو بھی شامل ہے۔ حنابلہ نے مقاصہ کی یوں تعریف کی ہے کہ:

ان يستوي الدينان جنساً وصفةً وحلولاً واجلاً وقدراً

یعنی مقاصہ یہ ہے کہ دو دین جنس، صفت، مدت اور مقدار کی لحاظ سے مساوی ہوں۔ ابن قیم نے ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

سقوط احد الدينين بمثله جنساً وصفة ❻

یعنی دو دین میں سے ایک دین کا جنس اور قدر کے لحاظ سے بمثلہ دین کے بدلہ میں ساقط ہو جانا مقاصہ ہے۔

مقاصہ کی صورت یہ ہے مثلاً خالد کا ایک دینار زید کے پاس ہو اور زید کا ایک دینار خالد کے پاس ہو یوں دونوں دین برابر سرابر ہیں پھر ایک کا حق دوسرے کے مطالبہ میں ساقط ہو جاتا ہے۔

مقاصہ بالاتفاق مذاہب میں مشروع ہے اور مشروعیت کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بقیع میں اونٹوں کی خرید و فروخت کرتا ہوں دیناروں کے ساتھ میں بیع کرتا ہوں اور دراہم لیتا ہوں۔ دراہم کے ساتھ بیع کرتا ہوں اور دینار لیتا ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اس دن کے

---

❶ مغني المحتاج ۴ ۲۹۹۔ ❷ كشاف القناع ۳ ۹۔ ❸ انظر بحث المقاصه لاستاذ محمد سلام مذكور في مجلة القانون والاقتصاد۔ ❹ القوانين الفقهية ۲۹۲۔ ❺ الشرح الكبير ۳ ۲۲۲۔ ❻ اعلام الموقعين ۱ ۳۲۱

نرخوں پر لو اور تم اس طرح جدا نہ ہو کہ تمہارے درمیان کچھ باقی ہو چنانچہ حدیث میں اس ثمن کا تبادلہ جائز قرار دیا گیا ہے جو دوسرے ذمہ میں واجب ہو۔ بابرتی عنایہ میں لکھتے ہیں: یہ حدیث استحساناً مقاصہ پر دلالت کرتی ہے اور یہ دین اور عین کے درمیان ہونے والا مقاصہ ہے چونکہ نفس دین کا قبضہ متصور نہیں چونکہ یہ ایسے حکمی مال سے عبارت ہے جو ذمہ میں واجب ہے، جب کہ دین متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا چنانچہ بعینہ دین کا قبضہ بدل کے قبضہ سے ہو جائے گا اور بدل عین کا قبضہ ہے، قیاس تو اس بات کا مقتضی ہے کہ دین اور عین میں مقاصہ نہ ہو چونکہ جنس الگ الگ ہے، عقل بھی مقاصہ کے جواز کا مقتضی ہے، چونکہ قرضے چکانے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے شافعیہ اور حنابلہ نے تذکرہ کیا ہے کہ تقاصہ دو دیون کے نفس ثبوت سے ہو جاتا ہے، رضامندی کی ضرورت نہیں چونکہ ایک دوسرے سے مطالبہ کا رعبث ہے اور اس میں فائدہ نہیں۔ ❶

دوسری بحث: مقاصہ کا محل...... اصل میں مقاصہ دو دیون میں ہوتا ہے مثلاً مدیون کا اسی کے دائن پر کوئی اور قسم کا دین ہو تو وہ دونوں تقاصہ کر لیں چنانچہ مقاصہ (دین کا ادل بدل) عین اور عین کے درمیان میں ہوتا اور نہ ہی عین اور دین کے درمیان ہوتا ہے۔

لیکن حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ مقاصہ دین اور عین کے درمیان ہوتا ہے جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص ایک دینار دس دراہم کے ساتھ خریدے بایں طور کہ دس دراہم دینار کے بائع کے ذمہ دین ہوں اور وہ دینار پر قبضہ کر لے تو نفس عقد سے مقاصہ ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مقاصہ جنس واحد کے دو دین کے درمیان ہوتا ہے دو جنسوں کے دین اور عین میں نہیں ہوتا چونکہ جب دینار کا خریدار دینار پر قبضہ کرے گا تو اس کا قبضہ ثمن کے ضمان کا قبضہ ہوگا جس پر دونوں عاقدوں نے اتفاق کر لیا ہو اور وہ دس دراہم ہیں۔ قبضہ سے خریدار کے ذمہ میں بائع کے لئے دین ثابت ہو جائے گا اور یوں دو دین برابر ہو جائیں گے اگر چہ بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ مقاصہ دو مختلف جنسوں کے دین اور عین میں واقع ہوا ہے چنانچہ یہ صورت اور اس جیسی مزید صورتیں دو دین کے مقاصہ کے قبیل میں سے ہیں یوں کہنا ممکن ہے کہ مقاصہ جبریہ صرف دو دین میں ہوتا ہے۔ ❷

رہی بات مقاصہ اتفاقیہ کی سو وہ دین اور عین میں جائز ہوتا ہے۔

تیسری بحث: مقاصہ کی مختلف اقسام...... مقاصہ یا تو جائز ہوگا یا ناجائز، مقاصہ جائز یا تو جبری ہوگا یا اختیاری (اتفاقی)

اول: مقاصہ جبریہ اور اس کی شرائط...... مقاصہ جبریہ کا حاصل یہ ہے کہ ایسا مقاصہ جو بنفسہ دو دیون جو برابر سرابر ہو جنس صفت، مقدار اور مدت میں برابر ہوں میں منعقد ہو جائے یہ مقاصہ طرفین کی رضامندی پر موقوف نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی کے مطالبہ پر موقوف ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نے دوسرے سے نقدی مال بطور قرضہ لیا یا کوئی مثلی چیز لی جو ذمہ میں دین ہو پھر قرضہ لینے والا اپنے دائن کو ثمن معجّل جواز جنس دین ہو کے ساتھ سامان فروخت کرے یوں دونوں دیون میں تقاصہ ہو جائے گا محض دوسرے دین کے ثبوت سے تقاصا ہو جائے گا اور طرفین پر جبراً ہوگا اور ان کی رضامندی پر موقوف نہیں رہے گا اور نہ ہی کسی ایک کے مطالبہ پر موقوف ہوگا۔

جبری مقاصہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے ❸ بشرطیکہ جب شرائط متحقق ہوں اور موانع منتفی ہوں۔ جب کہ مالکیہ مقاصہ جبریہ کو جائز قرار نہیں ❹ دیتے الا یہ کہ اس کا مطالبہ کیا جائے یا دونوں اشخاص اتفاق کر لیں۔ چنانچہ مالکیہ کے نزدیک اکثر تعریفیں مقاصہ اتفاقیہ کی ہوتی ہیں۔

. مقاصہ جبریہ کی شرائط...... مقاصہ جبریہ میں چار شرائط کا اعتبار کیا گیا ہے۔ ❺

---

❶ ..... تحفۃ المحتاج ۲/ ۳۹۶ کشاف القناع ۳/ ۲۵۳ ❷ بحث المقاصہ للاستاذ مدکور ۹۔۱۳ ❸ الدر المختار وردالمحتار ۴/ ۲۵۰ الام الشافعی ۷ ۳۸۸، غایۃ المنتھی ۲/ ۱۱۴ کشاف القناع ۳/ ۲۹۶ ❹ الحطاب ۴ ۲۴۹ ❺ ابن عابدین ۴/ ۲۵۰ کشاف القناع ۳/ ۲۹۶ غایۃ المنتھی ۲ ۱۱۴ القوانین الفقھیۃ ۲۹۲ الدسوقی ۳ ۲۲۷، فتح العزیز شرح الوجیز ۱۸ ۲۴۱، الانوار ۲/ ۳۲۸

۱۔ **دودیون کی تلاقی**......تلاقی سے مراد دودیون کا باہم مقابل اور جمع ہونا یعنی دواعتبارات سے دودیون ایک شخص کے پاس جمع ہوں بایں طور ایک شخص دائن ہواور دوسرے کی بنسبت مدیون ہو۔ چنانچہ مقاصہ اسی وقت متحقق ہوگا جب مقاصہ کرنے والوں میں سے ہر ایک دائن بھی ہواور مدیون بھی۔

مثال......اگر خریدار کا موکل پر دین ہوتو تلاقیٔ دیون کی وجہ سے مقاصہ واقع ہوجائے گا، جب کہ ولی کے ذمہ واجب دین میں تقاصہ نہیں ہوگا، البتہ چھوٹے بچے کی دایہ کے دین اور اس کے ذمہ واجب دین میں مقاصہ ہوگا دائن اور مدیون کے قرض خواہ کے درمیان مقاصہ نہیں ہوگا چونکہ تلاقی (اجتماع) کی شرط نہیں پائی جاتی۔ مقاصہ جبریہ حوالہ کے ساتھ جمع نہیں ہوتا چونکہ جمہور کے نزدیک حوالہ مدیون کے ذمہ سے دین کومحال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل کرنے کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جب مدیون کا دائن پر اس کے دین کے مثل دین ثابت ہوتو مقاصہ جبراً واقع ہوجاتا ہے اس پر دین باقی نہیں رہتا جو دائن دوسرے پر حوالہ کرے اور جب یہ دین حوالہ کے بعد مدیون کے لئے ثابت ہوجائے تو تلاقی معدوم ہونے کی وجہ سے مقاصہ واقع نہیں ہوگا چونکہ دائن مدیون کا دائن نہیں رہتا بلکہ محال علیہ کا دائن ہوجاتا ہے۔

۲۔ **دونوں دین میں مماثلت ہو**...... ❶ جنس، نوع، صفت، حلول اور اجل میں دونوں دین متحد ہوں، چنانچہ اگر دونوں دیون الگ الگ جنس کے ہوں یا وصف میں تفاوت ہو یا اجل میں تفاوت ہو یا ایک دین حال ہو (یعنی اس کی مدت پوری ہوچکی ہو) اور دوسرا مؤجل ہوتو حنفیہ کے نزدیک مقاصہ واقع نہیں ہوگا جبہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اختلاف جنس کی صورت میں مقاصہ صحیح ہے، مثلاً ایک دین عین یعنی سونا یا چاندی ہواور دوسرا غلہ کی صورت میں ہو یا سامان ہو یا ایک دین سامان ہواور دوسرا غلہ۔

یہ معلوم ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ظاہر الروایہ میں شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دراہم اور دنانیر دو مختلف جنسیں ہیں، البتہ بعض حنفی مشائخ کے نزدیک دراہم اور دنانیر مقاصہ میں استحساناً جنس واحد تصور ہوتے ہیں۔ چنانچہ فتاوی ظہیریہ میں ہے۔ اگر جنس مختلف ہواور دونوں اشخاص تقاصہ کرلیں مثلاً ایک کے دوسرے پر سو دراہم ہوں اور دوسرے کے پہلے پر سو دینار ہوں جب دونوں مقاصہ کریں تو دراہم دیناروں کی قیمت بن جائیں گے یعنی کچھ دیناروں کی قیمت بنیں گے اور باقی دینار، صاحب دراہم کے ذمہ واجب ہوں گے۔

کرنسی نوٹ رائج فلوس کے قائم مقام ہیں لہٰذا ہمارے زمانے میں نقود بعض حنفی مشایخ کی رائے کے مطابق جنس واحد شمار ہوں گے چونکہ روزمرہ کے تعامل اور عرف میں کرنسی نوٹوں کو جنس واحد تصور کیا جاتا ہے۔

جب کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کرنسی نوٹوں کو مختلف اجناس سمجھا جائے گا چونکہ ان کے نزدیک دینار اور دراہم دو الگ الگ جنسیں ہیں چنانچہ دو دیون کہ ان میں سے آیک دیناروں کی صورت میں اور دوسرا دراہم کی صورت میں تو ان میں مقاصہ نہیں ہوگا چونکہ جنس مختلف ہیں۔

دو دیون میں صفت کے لحاظ سے مماثلت حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ اس سے ایسی صفات مراد لیتے ہیں جن سے قیمت اور انتفاع میں اختلاف ہو۔

حنفیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ دونوں دیون حال ہوں یعنی ان کی ادائیگی کی مدت پوری ہو اگر دیون موجل ہوں یا ایک حال اور دوسرا مؤجل ہوتو مقاصہ جبریہ واقع نہیں ہوگا۔

جب کہ شافعیہ اور حنابلہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ دونوں دیون حلول میں متفق ہوں اور اجل کی مقدار میں متفق ہوں، اگر ایک دین حال اور

❶ دین ذمہ میں واجب ہوتا ہے حنفیہ کے نزدیک دین کا مال ہونا ضروری نہیں مجازاً دین کو مال کہا جاتا ہے دین تو قبضہ کے بعد مال ہوتا ہے بعد میں وہی چیز دین ہوتی ہے جس کی صفت ضبط میں لانا ممکن ہو جیسے مثلی اشیاء۔

دوسرا مؤجل ہو یا دونوں موجل ہوں اور اجل مختلف ہو تو مقاصہ واقع نہیں ہوگا اگر دونوں دیون کی اجل ایک ہو تو حنابلہ کی رائے میں مقاصہ ہو جائے گا اور شافعیہ کے اصح قول کے مطابق بھی۔

مالکیہ کہتے ہیں...... اگر دونوں دیون کی مدت پوری ہو چکی ہوں یعنی حال ہوں تو مقاصہ جائز ہے اور اگر دیون حال نہ ہو مقاصہ جائز نہیں۔ یا اگر ایک حال ہو دوسرا موجل اگر چہ جنس مختلف ہو مثلاً ایک سونا ہو اور دوسرا چاندی پھر اگر دونوں دیون سونا کی صورت میں ہوں یا دونوں چاندی ہوں تو مقاصہ جائز ہے بشرطیکہ دیون حال ہوں مؤجل نہ ہوں اگر ایک ان کی مدت پوری ہو چکی ہو اور دوسرا مؤجل ہو تو اس میں مالکیہ کے دو قول ہیں مشہور قول جواز کا ہے یہ تفصیل اسوقت ہے کہ اگر دیون نقود میں سے ہوں اور گر دیون غلہ کی صورت میں ہوں پھر اگر بطور قرض ہوں تو مقاصہ جائز ہے برابر ہے مدت پوری ہو چکی یا نہیں اور اگر دیون بیع کی صورت میں واجب ہوئے ہوں تو مقاصہ جائز نہیں برابر ہے مدت پوری ہو چکی ہو یا نہیں چونکہ یہ قبضہ سے پہلے بیع کرنا ہے اگر دونوں دیون بصورت سامان ہوں تو مقاصہ جائز ہے بشرطیکہ جنس متفق ہو اور صفت بھی ایک ہو برابر ہے مدت پوری ہو چکی یا پوری نہ ہو۔

فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ دونوں دیون کھوٹے اور کھرے ہونے میں برابر ہوں اور اگر کھوٹا کھرا ہونے میں تفاوت ہو تو مقاصہ واقع نہیں ہوگا۔

حنفیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ دونوں دیون قوت اور ضعف میں برابر ہوں چنانچہ عورت کے نفقہ کا دین اس دین کے برابر نہیں ہو سکتا جو خاوند کا بیوی کے ذمہ واجب ہوا الا یہ کہ دونوں آپس میں رضامند ہو جائیں۔ بخلاف بقیہ دیون کے چونکہ بیوی کے خرچ کا دین قوت میں ادنی درجے کا ہے جب کہ مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ نے قوت اور ضعف میں مماثلت کی شرط نہیں لگائی۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ رواج، مندی پڑنے، ارزانی اور گرانی میں بھی مماثلت ہو چنانچہ اگر ایک طرف سے دراہم صحیح ہوں اور دوسری طرف سے کھوٹے ہوں تو مقاصہ نہیں ہوگا۔

اختلاف سبب...... دو دیون میں ہونے والے مقاصہ میں یہ شرط نہیں کہ دونوں دیون کا سبب واحد ہو مثلاً ایک دین کا سبب قرضہ ہو اور دوسرے دین کا سبب ثمن مبیع یا اجرت ہو چنانچہ اس صورت میں بھی مقاصہ ہو جائے گا اگر چہ سبب مختلف ہو۔

مقاصہ میں یہ شرط بھی نہیں کہ ہر دین کا سبب جائز ہو اور ممنوع نہ ہو۔ چنانچہ اگر ایک دین کا سبب بیع ہو جو جائز سبب ہے اور دوسرے دین کا سبب غصب ہو جو غیر جائز سبب ہے تب بھی مقاصہ واقع ہوگا۔

۳۔ انتفاء ضرر...... مقاصہ جبریہ میں یہ شرط ہے کہ مقاصہ پر کسی عاقد کا نقصان اور ضرر مرتب نہ ہوتا ہے۔ اگر دونوں کا یا کسی ایک عاقد کا ضرر ہوتا ہو تو مقاصہ واقع نہیں ہوگا چنانچہ حنابلہ کہتے ہیں کہ خاوند کے ذمہ عوت کا واجب نفقہ اور عورت پر واجب دین میں تنگدستی کی حالت میں مقاصہ نہیں ہوگا چونکہ عورت کا نفقہ ادائے قرض سے مقدم ہوتا ہے اور اس مقاصہ کی صورت میں مدیون کا ضرر ہے ہے لہٰذا مقاصہ صحیح نہیں ہوگا۔

اسی طرح میت کی تجہیز و تکفین دین پر مقدم ہوتی ہے چنانچہ ترکہ میں سے اگر کوئی چیز میت کے دائن کو کسی نے فروخت کی جو جنس دین میں سے ہو اس صورت میں مقاصہ واقع نہیں ہوگا تاکہ میت کے حق کی رعایت رہے اور مدیون کو ضرر لاحق نہ ہو۔

وہ دین جس کی رہن کے ساتھ توثیق کی گئی ہو دوسرے دیون پر مقدم ہوگا چنانچہ راہن نے مرہون چیز مرتہن کے علاوہ کسی اور دائن کو فروخت کر دی تاکہ مرتہن کے دین کو ادا کر دے رہن کے ثمن دین کے ہمثل ہوں تو اس میں مقاصہ واقع نہیں ہوگا اس میں تو اس شخص کا ضرر ہے جس کا حق عین کے ساتھ متعلق ہو۔

جیسا کہ مدیون کا ذاتی نقصان ہوتا ہے اور عین کے ساتھ جس کا حق متعلق ہو اس کا ضرر ہے اس لئے مقاصہ نہیں ہوگا، اسی طرح بقیہ قرض خواہوں کا حق کے ساتھ تعلق بھی مقاصہ کے مانع ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک قاضی غرماء کے مطالبہ پر دیوالیہ مدیون پر پابندی لگا سکتا ہے اور ثمن مثل سے کم پر بیع کرنے سے اسے روک سکتا ہے اسی طرح تصرف اور اقرار سے بھی روک سکتا ہے تا کہ غرماء کا نقصان نہ ہو۔

خلاصہ.....اگر کسی ایک دین کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا حق متعلق ہو تو مقاصہ جائز نہیں۔ مثلاً مدیون نے غیر مرتہن دائن کے دین کی ادائیگی کے لئے رہن فروخت کیا۔ غرماء کے حق کے ساتھ تعلق کی مثال یہ ہے مثلاً دیوالیہ مدیون کسی قرض خواہ کو ذمہ میں موجود ثمن کے ساتھ جنس دین کو فروخت کر دے۔

دائن جو طالب بیع ہو کا حق......اگر مجور علیہ مدیون نے کسی دائن کے دین کی ادائیگی کے لئے بیع کی جب کہ دعویدار نے بائع مدیون کو دین دے رکھا ہو جو از قسم ثمن ہو تو بائع کے دین اور خریدار کے دین میں جبری مقاصہ واقع ہوگا چونکہ اس مدیون پر پابندی نہیں اور جس مدیون پر پابندی نہ ہو اس کا تصرف نافذ ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ مدیون بعض دائنین کو ادائیگی کر دے اور بعض کو نہ کرے۔ مجور علیہ مدین اپنے مجور علیہ مال کو فروخت کرنا چاہے تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں۔ اگر خریدار دائن کے علاوہ کوئی اور ہو تو مبیع کے ثمن کے ساتھ مقاصہ بھی کر سکتا ہے۔

۴۔ مقاصہ میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو......مقاصہ جبریہ میں آخری شرط یہ ہے کہ مقاصہ پر کوئی شرعی ممانعت مرتب نہ ہوتی ہو۔ مثلاً جیسے بیع سلم کے راس المال پر قبضہ کرنے سے پہلے عاقدین کا جدا ہو جانا قبضہ سے پہلے مسلم فیہ میں تصرف کرنا عقد صرف کی صورت میں بدلین پر مجلس میں قبضہ نہ کرنا، اموال ربویہ میں ہاتھوں ہاتھ قبضہ نہ کرنا وغیرہ ذالک۔

دوم: مقاصہ اتفاقیہ...... یہ مقاصہ طرفین کی باہمی رضامندی سے طے پاتا ہے بشرطیکہ اس پر کوئی شرعی ممانعت مرتب نہ ہوتی ہو برابر ہے کہ دونوں دیون کی جنس متحد ہوں یا غیر متحد، اوصاف خواہ متحد ہوں یا غیر متحد، برابر ہے کہ ایک حق دین کی صورت میں ہو اور دوسرا عین کی صورت میں۔

سوم: غیر جائز مقاصہ......مذکورہ بالا شرائط میں سے کوئی شرط اگر نہ پائی جائے تو مقاصہ جائز نہیں ہوگا منجلہ غیر جائز مقاصہ کی ایک صورت یہ ہے کہ مقاصہ میں کسی حکم شرعی کی مخالفت لازم آتی ہو تو مقاصہ جائز نہیں ہوگا یہ صورت بیع صرف کی بعض صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ بیع سلم کے راس المال اور مسلم فیہ میں بھی ظاہر ہوتی ہے ان صورتوں میں بھی ظاہر ہوتی ہے جن میں شبہۃ الربا ہو اگر چہ طرفین کی رضامندی سے تقاضا ہو رہا ہو۔

ا......عقد صرف......❶ عقد صرف میں متصارفین کے دو دیون میں مجلس برخاست ہونے کے بعد اگر مقاصہ واقع ہو تو مقاصہ باطل ہوگا، چونکہ عقد صرف باطل واقع ہوا ہے لہٰذا مقاصہ بھی باطل ہوگا چونکہ مقاصہ کرنے والوں میں سے کسی کے ذمہ دین ثابت نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ بقیہ صورتوں میں مقاصہ صحیح ہوگا برابر ہے کہ سابق دین میں ہو یا دین لاحق میں ہو یا ایسے دین سے مدین کے لئے ثابت ہو جو کسی ضمان کے قبضہ کی صورت میں مجلس میں دائن پر ثابت ہوا ہو۔

الف.. اگر دو شخص دین سابق کے ساتھ عقد صرف کریں اور عقد کو اس دین کی طرف منسوب کر رہے ہوں تو یہ جائز ہے مثلاً ایک شخص

---

❶ المبسوط ۱۴/ ۱۹ فتح القدیر مع العنایۃ ۵/ ۳۷۹ البدائع ۵/ ۲۰۶ الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۲۴۹

کے دوسرے پر دس دراہم ہوں مدیون ان دس دراہم کے بدلہ میں ایک دینار دائن کو فروخت کرے چنانچہ جب عقد کو اس دین کی طرف منسوب کیا تو نفس عقد کے ساتھ مقاصہ ہو جائے گا اور مقاصہ عاقدین کے ارادے پر موقوف نہیں ہوگا۔ جواز کی وجہ یہ ہے کہ دینار کے ثمن دراہم قرار دیئے گئے ہیں ان پر قبضہ ضروری نہیں اور نہ ہی قبضہ سے ان کی تعین ضروری ہے یہ بالا جماع جائز ہے چونکہ قبضہ سے تعیین اس لئے ضروری ہوتی ہے تا کہ ربانسیہ سے احتراز ہو جائے، جب کہ ساقط ہو جانے والے دین میں سود نہیں ہوتا، سود تو اس دین میں ہوتا ہے جو معرض خطر میں ہوا سی لیے اگر ذمہ میں موجود دراہم جو دین ہوں کی بیع صرف ذمہ میں موجود دینار جو دین ہوں کے ساتھ صحیح ہے چونکہ یہاں سود کا خطرہ نہیں۔

ب... اگر مدیون نے دس دراہم جو دائن کے ہوں سے ایک دینار فروخت کیا اور اس میں کوئی قید نہ لگائی گویا مطلقاً مدیون نے دائن کو ایک دینار دے دیا پھر دس درہم جو ثمن ہو کا دس درہم دین کے ساتھ مقاصہ کر لیا تو یہ استحسانا جائز ہے ❶ چونکہ قبضہ سے پہلا عقد فسخ ہو چکا اور دوسرا عقد صرف منعقد ہوا جو دین کی طرف منسوب ہے چونکہ جب عاقدین نے عقد کا موجب تبدیل کر دیا تو گویا دونوں نے عقد فسخ کر دیا یہ ایسا ہی ہے جیسے بیع صرف کے پہلے ثمن سے۔

زائد کے ساتھ از سر نو بیع کر لی جائے یعنی مقاصہ عقد اول کے فسخ کو متضمن ہے۔ اور فسخ عقد اقتضاء ثابت ہوگا یہ دو صورتیں دین سابق کے مقاصہ کی ہیں۔

ج... اگر دین عقد صرف کو لاحق ہو جائے جیسے مثلاً ایک شخص نے ایک دینار دوسرے کو دس دراہم کے ساتھ کو فروخت کیا اور دینار کے خریدار نے دینار کے بائع کو مجلس صرف ہی میں دس دراہم کے ساتھ کپڑا فروخت کیا اور کپڑا اسے سپرد کر دیا پھر اسی مجلس میں دس کے ساتھ دس دراہم کا مقاصہ کر لیا تو اصح روایت کے مطابق مقاصہ جائز ہوگا چونکہ عقد اول اقتضاء فسخ ہو جائے گا۔

د..... اگر بیع صرف عین اور مطلقا دین کے ساتھ طے پائے پھر مجلس صرف ہی میں مدیون کا دائن کے ذمہ دین ثابت ہو جائے تو بلا حاجت رضامندی کے مقاصہ جبریہ واقع ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے دائن نے مدیون سے کسی چیز کے ثمن کے بمثل قرضہ لیا یا کوئی چیز غصب کی چونکہ قبضہ متحقق ہو چکا۔

ملحوظ رہے کہ ان مذکورہ صورتوں میں سوائے پہلی صورت کے مجلس عقد صرف کے اختتام سے قبل مقاصہ کا وقوع لابدی ہے اگر مجلس ختم ہو گئی تو مقاصہ باطل ہو جائے گا چونکہ عقد صرف باطل ہو جائے گا۔

۲۔ سلم کے راس المال کا مقاصہ..... حنفیہ (جیسا کہ بدائع کے علاوہ جملہ کتب حنفیہ میں ہے) شافعیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ❷ ہے کہ سلم کے راس المال کا کسی دوسرے مطلق دین کے ساتھ مقاصہ جائز نہیں ہے برابر ہے کہ دین کسی مقدم عقد سے واجب ہو یا عقد سلم سے موخر کسی عقد سے اگر چہ مسلم الیہ اور رب سلم تقاصہ پر اتفاق بھی کر لیں چونکہ مقاصہ قبضہ سے پہلے سلم کے دین میں تصرف ہے اور یہ صحیح نہیں۔ چونکہ سلم کے جمیع راس المال پر مجلس میں قبضہ کرنا شرط ہے۔

۳۔ مسلم فیہ میں مقاصہ..... مسلم فیہ میں مقاصہ جائز نہیں جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ❸ الاصل میں وضاحت کر دی ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے ساتھ گندم کے ایک مد میں بیع سلم کی پھر دوسرے شخص نے پہلے کے ساتھ بھی ایک مد گندم میں بیع سلم کی دونوں نے ایک ہی مدت مقرر کر دی خواہ ان کی صفت واحد ہو یا مختلف مقاصہ صحیح نہیں ہوگا چونکہ درحقیقت یہ ایسی چیز کی بیع ہے جس پر قبضہ نہیں کیا گیا، چنانچہ دونوں نے قبضہ نہیں کیا بلکہ ایک دوسرے پر دین ہے صرف راس المال لے سکتے ہیں۔

---

❶ امام زفر نے یہاں بھی قیاس اپنایا ہے کہ یہ تقاصا جائز نہیں چونکہ بدل صرف پر قبضہ نہیں ہوا قبضہ سے پہلے تبادلہ ہو گیا۔ ❷ تبیین الحقائق ۴/۱۴۰، الانوار ۱/۲۶۵، کشاف القناع ۳/۲۹۲۔ ❸ المبسوط ۱۲/۱۶۸۔

اوراگران میں سے پہلا عقد سلم ہو اور دوسرا قرض ہو تو فی الحال یہ برابر نہیں ہوں گے۔

اور مقاصہ صحیح نہیں ہوگا چونکہ مقاصہ مساوات سے عبارت ہے جب کہ ان دونوں میں مساوات نہیں چونکہ ایک دین معجّل ہے اور دوسرا مؤجل اور معجّل مؤجل سے بہتر ہوتا ہے اور اگر سلم کی مدت پوری ہو جائے تو ایک دین دوسرے کے برابر ہو جائے گا اور اگر ان میں سے ایک قرضہ ہو اور دوسرا سلم پھر بھی ان دیون میں مقاصہ نہیں ہوگا اگر چہ عاقدین مقاصہ پر رضامند ہوں۔

۴۔ اقالہ کے بعد رأس المال...... اگر سلم کے رأس المال میں اقالہ ہو جائے تو اس کا حکم مسلم فیہ کا حکم ہے چنانچہ اوپر گذر چکا ہے کہ مسلم فیہ میں مقاصہ جائز نہیں چونکہ مسلم فیہ منقول کی جانے والی مبیع ہے قبضہ سے پہلے اس میں تصرف جائز نہیں اور اگر دونوں نے سلم کا اقالہ کرلیا تو خریدار کے لئے جائز نہیں کہ وہ رأس المال کے ساتھ مسلم الیہ سے کوئی چیز خریدے یہاں تک کہ رأس المال پر قبضہ نہ کرے [1] چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یا تو مسلم فیہ لو یا اپنا رأس المال [2] یعنی اگر عقد سلم فسخ کر دیا جائے۔ نیز رأس المال مبیع کے مشابہ ہو گیا لہٰذا قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کرنا حلال نہیں۔

۵۔ شبہۃ الربا...... ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر وہ معاملہ اور عقد جس میں شبہۃ الربا (سود کا شائبہ) پایا جائے وہ حرام ہے چنانچہ ہر وہ قرضہ جو کسی قسم کا نفع لائے وہ حرام سود ہے۔ نیز سد ذرائع کا اصول ائمہ کے درمیان متفق علیہ ہے اس کا بھی یہی تقاضا ہے اگر چہ اس قاعدہ کی حدود اور تطبیقات میں ائمہ کا اختلاف ہے چنانچہ اگر مقاصہ میں سود کا شائبہ پایا جائے تو مقاصہ ناجائز ہوگا۔

شبہۃ الربا کی مثالوں میں سے بیوع الآجال ہیں جیسا کہ مالکیہ نے تذکرہ کیا ہے مثلاً دس سیر غلہ دس دراہم کے ساتھ فروخت کیا اور اس کی مدت مقرر کر دی اس کے بعد بائع غلے سے نفع اٹھاتا رہا پھر خریدار نے بائع کو بیس سیر غلہ اس جنس کا دس دراہم کے ساتھ فروخت کیا اور دس دراہم کا دس دراہم کے ساتھ مقاصہ کرلیا یہ مقاصہ جائز نہیں چونکہ خریدار نے دس سیر غلہ میں بیع سلم کی تھی پھر بائع کو بیس سیر غلہ واپس کیا جب کہ ثمن کے بدلہ میں ثمن رہے چنانچہ یہ ایسا قرضہ ہے جس نے نفع لایا۔

چوتھی بحث: مقاصہ کے احکام...... حکم سے مراد شے پر مرتب ہونے والا اثر یا اس کا مقتضاء ہے۔

جب کہ مقاصہ کا مقتضی اسقاط ہے۔ لیکن مقاصہ اسقاط محض نہیں بلکہ مقاصہ اسقاط بالعوض ہے اور عوض ایسا اسقاط ہے کہ جس ادائیگی کا معنی پایا جاتا ہے۔ اور عوض دوسرے شخص کا اپنے حق کو ساقط کرنا ہے جیسے ابراء پر طلاق۔ چنانچہ طلاق اور ابراء اسقاط ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے مقابلہ میں ہے، چنانچہ مقاصہ اسقاط ہے لیکن اس میں معاوضہ کا معنی پایا جاتا ہے مالکیہ کہتے ہیں کہ مقاصہ کا مقصد معاوضہ اور ابراء ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں: مقاصہ میں وفاء یعنی ادائیگی کا معنی ہے بلکہ ان کے نزدیک تو ادائیگی مقاصہ کے طریقے سے ہوتی ہے۔

مقاصہ جبراً اسقاط ہے یہاں تک کہ حنفیہ کی رائے کے مطابق وہ مقاصہ بھی جو باہمی رضامندی سے ہو۔

ساقط بالمقاصہ نفس دین ہے یا مطالبہ...... حنفیہ کے علاوہ جمہور کہتے ہیں: مقاصہ دونوں دیون کو ساقط کر دیتا ہے بشرطیکہ دونوں دین مساوی ہوں اگر ایک دین دوسرے سے زائد ہو تو اقل مقدار کے بقدر دونوں دیون ساقط ہو جاتے ہیں۔ دونوں مدیون بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور یہ برأت اسقاط ہوتی ہے براۃ مطالبہ نہیں ہوتی۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ مقاصہ سے اصل دین ساقط نہیں ہوتا مقاصہ سے فقط مطالبہ ساقط ہوتا ہے جب کہ دین ذمہ میں مشغول ہوتا ہے اگر مطالبہ دین صحیح نہ ہو تو وہ اس حق کے مشابہ ہوگا جس کا دعویٰ پرانا ہونے کی وجہ سے قابل سماعت نہیں ہوتا حنفیہ کی رائے پر یہ نتیجہ مرتب ہوتا

---

[1] الھدایۃ مع فتح القدیر ۵/۳۴۵ (۲) ھذا اخر رواہ عبدالرزاق عن ابن عمرو ابن ابی شیبۃ عن عبداللہ بن عمرو وروی ابوداؤد وابن ماجہ عن ابی سعیدالخدری (نصب الرایۃ ۴/۵۱) [2] شرح الرسالہ ۲/۱۴۰

ہے کہ مقاصہ کے بعد دین سے برأت صحیح ہے دین کا ہبہ بھی صحیح ہے اس دین میں کمی کرنا بھی صحیح ہے فی الواقع یہ رائے غریب ہے عدالت اس کی رعایت نہیں کرتی چنانچہ جو شخص اپنے قرض خواہ کے ساتھ دین کا مقاصہ کر لیتا ہے تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ ادائے دین کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا ہے۔

اگر چہ عین دین سے بہتر اور افضل ہوتی ہے چونکہ دین معرض ضیاع میں ہوتا ہے یہ چیز دین میں ہمیشہ ظاہر رہتی ہے اس دین میں ظاہر ہوتی جسے اس کا مالک عین کے ذریعہ ادا کرتا ہے یوں اس ادائیگی سے دین ختم ہو جاتا ہے اگر ہم یہ کہیں کہ ادا کنندہ کے ذمہ میں دین کی ادائیگی ثابت رہتی ہے تو اس وقت دو متماثل دیون پائے جاتے ہیں جو تلاقی میں ہوتے ہیں یوں اصل دین ساقط نہیں ہوگا اس سے تو صرف مطالبہ ساقط ہوگا۔ ❶

نقض مقاصہ......اگر جملہ شرائط کی رعایت کے ساتھ مقاصہ مکمل ہو جائے تو پھر مقاصہ کا توڑنا ممکن نہیں رہتا۔ نہ ہی فسخ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور طریقہ سے توڑا جا سکتا ہے چونکہ جو چیز ساقط ہو جاتی ہے وہ واپس نہیں لوٹتی، چنانچہ دین جب ساقط ہو جاتا ہے تو پھر اس کا سقوط نہیں ٹوٹتا۔

البتہ مقاصہ صحیح واقع ہونے کے بعد کبھی کبھی ایسے حالات پیش آ جاتے ہیں جن کی وجہ سے کوئی ایک دائن اس حالت میں ہو جاتا ہے کہ گو یا اس نے مقاصہ ہونے والے دین میں سے اپنے حق کو پوری طرح وصول نہیں کیا چنانچہ جس مقدار میں اس کا حق نہیں تھا اس میں مقاصہ ٹوٹ جاتا ہے۔

پہلی حالت کی مثال یہ ہے مثلاً اگر ایک شخص پر بطور قرضہ ایک ہزار دینار ہوں پھر مقروض قرض دہندہ کو حالت صحت میں کوئی معین چیز مثلاً قالین ایک ہزار دینار میں فروخت کر دے اور ایک ہزار دینار ادھار ہوں پھر مقروض بیمار پڑ جائے اور اتنے میں ادھار کی مدت پوری ہو جائے درحالیکہ مقرض پر دیون ہو تو مقاصہ واقع ہو جائے گا۔ اگر مقروض مر جائے درحالیکہ اس کے ذمہ دیون ہوں تو قرض خواہ خریدار کے ساتھ برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ مقاصہ مقروض کی زندگی میں کل ثمن میں واقع ہوا تھا چونکہ اس کی زندگی میں غرماء کو اس پر اعتراض کا حق نہیں تھا چونکہ یہ واضح نہیں تھا کہ آیا وہ مرض الموت میں ہے یا نہیں۔ جب وہ اسی مرض میں مر گیا تو واضح ہو گیا کہ غرماء کا حق اس کے مال کے ساتھ اسی وقت سے متعلق ہو گیا تھا جب سبب پایا گیا اور سبب مرض الموت ہے۔ چنانچہ خریدار اپنے دین میں سے اتنی ہی مقدار وصول کر پائے گا جو اسے غرماء کے ساتھ حصہ میں ملے گی چنانچہ مقروض کی زندگی میں جو مقاصہ صحیح واقع ہوا تھا وہ باطل ہو جائے گا ہاں البتہ خریدار کے حصہ سے زائد مقدار میں مقاصہ باطل ہوگا۔

دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ اگر وکیل کے ذمہ خریدار کا دین ہو اور ثمن برابر ہوں، چنانچہ اگر وکیل فروخت کردہ چیز کو سپرد نہ کرے یہاں تک کہ وہ چیز ضائع ہو جائے تو مقاصہ باطل ہو جائے گا چونکہ سپردگی سے پہلے جب مبیع ضائع ہو گی تو سرے سے بیع ہی فسخ ہو چکی اور اس درجہ میں پہنچ گئی کہ گویا بیع ہوئی ہی نہیں۔

سترہویں فصل......اکراہ

خاکہ موضوع......اکراہ کے متعلق چار مباحث میں گفتگو ہوگی۔

پہلی بحث ...... حقیقت اکراہ اور اس کی دو اقسام

❶......بحث المقاصہ لاستاذ سلام مدکور فی مجلۃ القانون العدد الرابع السنۃ ۲۹ ص ۳۴۲۔

دوسری بحث	.....	اکراہ کی شرائط
تیسری بحث	.....	تصرفات حسیہ میں اکراہ کا اثر
چوتھی بحث	.....	تصرفات شرعیہ میں اکراہ کا اثر

ترتیب مذکورہ کے مطابق ابحاث کی تفصیل ہوگی۔

پہلی بحث: اکراہ کی حقیقت اور اس کی دو اقسام:

حقیقت اکراہ......اکراہ کا لغوی معنی کسی شخص کو زبردستی ایسے کام پر مجبور کرنا جس سے وہ راضی نہ ہو، اکراہ محبت اور رضا مندی کے منافی ہے۔ اسی لیے محبت اور اکراہ کو اس آیت میں ملا کر ذکر کیا گیا ہے:

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ......البقرۃ ۲/ ۲۱۶

ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو ممکن ہے تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے شر ہو۔

فقہاء کی اصطلاح میں اکراہ کی تعریف یہ ہے:

حمل الغیر علی ان یفعل مالا یرضاہ ولا یختار مباشرتہ لو ترك ونفسه

کسی دوسرے شخص کو ایسے کام پر مجبور کرنا جس سے وہ راضی نہ ہو اور نہ ہی وہ اپنے اختیار سے اسے کرتا ہو اگر اپنے تئیں چھوڑنا چاہے تو چھوڑ نہ سکے علامہ سرخسی نے مبسوط میں اکراہ کی اسطرح تعریف کی ہے **فعل یفعله الا نسان بغیرہ فینتفی به رضاہ او یزول به اختیارہ** (اکراہ ایسا فعل ہے جسے کوئی انسان کسی دوسرے شخص کے ذریعہ انجام دیتا ہے اس سے اس کی رضا منتفی ہو جاتی اور اور اس کا اختیار جاتا رہتا ہے۔

رضا سے مقصود دل لگی اور رغبت سے کسی فعل کو انجام دینا ہے اختیار سے مقصود کسی فعل کو سرانجام دینے یا ترک کرنے کی ترجیح ہے۔

اکراہ کی اقسام......حنفیہ کے نزدیک اکراہ کی دو قسمیں ہیں:

۱......اکراہ ملجی یا اکراہ کامل اور تام ۔ ۲......اکراہ غیر ملجی یا اکراہ قاصر، ناقص۔

اکراہ ملجی: وہ اکراہ ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے انسان کے پاس قدرت اور اختیار باقی نہیں رہتا مثلاً جان کی ہلاکت یا کسی فرد کی ہلاکت کی دھمکی دی جارہی ہو۔ اکراہ ملجی کا حکم یہ ہے کہ اس سے رضا معدوم ہو جاتی ہے اور اختیار فاسد ہو جاتا ہے۔

اکراہ غیر ملجی......ایسے اکراہ کو کہتے ہیں جس میں جان یا اعضاء کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو البتہ قید وغیرہ کی دھمکی ہو یا ایسی ضرب کی دھمکی ہو جس سے جان کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، اس اکراہ کا حکم یہ ہے کہ اس سے رضا معدوم ہو جاتی ہے اور اختیار فاسد ہو جاتا ہے۔ ❶

اکراہ کی تیسری قسم......حنفیہ کے نزدیک اکراہ کی تیسری قسم بھی ہے جسے اکراہ ادبی کہا جاتا ہے یہ وہ اکراہ ہے کہ اس سے رضا تمام طور پر معدوم ہو جاتی ہے اور اختیار معدوم نہیں ہوتا جیسے مثلاً باپ دادا یا اولاد یا بھائی بہن کو قید و حبس میں رکھنے کی دھمکی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ استحساناً شرعی اکراہ ہے قیاساً نہیں۔ حنفیہ میں سے ابن ہمام نے یہی لکھا ہے۔

شافعیہ کی رائے......یہ ہے کہ اکراہ کی صرف ایک ہی قسم ہے اور وہ اکراہ ملجی ہے۔ رہی بات اکراہ غیر ملجی کی سو اسے اکراہ نہیں کہا

---

❶ البدائع ۷/ ۱۷۵ تکملة فتح القدیر ۷/ ۲۹۲ تبیین الحقائق ۵/ ۱۸۱ دار الحکام ۲/ ۲۶۹ الدر المختار ورد المحتار ۵/ ۸۸، الو سیط فی اصول الفقه الا سلامی للمو لف ۱۸۵ الشرح الصغیر ۲/ ۵۴۶

جاتا ہے۔شافعیہ کہتے ہیں: اکراہ ڈرانے دھمکانے سے ثابت ہوجاتا ہے مثلاً ضرب شدید حبس طویل اور اتلاف مال وغیرہ۔ اکراہ کا اثر احوال مختلف ہونے سے مختلف ہوجاتا ہے ایسی دھمکی سے اکراہ ثابت نہیں ہوتا جس کی مستقبل میں مدت مقرر کردی گئی ہو جیسے مثلاً کوئی شخص کہے: میں کل ضرور تمہاری پٹائی کروں گا استحقاقی سزا کی دھمکی سے بھی اکراہ ثابت نہیں ہوتا مثلاً کہا ایسا کرو ورنہ میں تم سے قصاص لوں گا شافعیہ کے نزدیک اکراہ کی شرط یہ ہے کہ مکرہ (اکراہ کرنے والا) جو دھمکی دے رہا ہو اسے کرگزرنے کی قدرت رکھتا ہو اسے یہ قدرت خواہ ولایت عامہ سے حاصل ہو یا ظلم وغلبہ سے حاصل ہو جب کہ مستکرہ (مجبور) بھاگ کر یا کسی اور طریقہ سے اس سے دفاع نہ کرسکتا ہو اور قوی گمان ہو کہ اگر مستکرہ نے وہ فعل انجام نہ دیا تو مکرہ جس امر کی دھمکی دے رہا ہے وہ کرگزرے گا بغیر کسی حق کے مستکرہ کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے مباشر ہونے کی وجہ سے جنایت قتل کا اس سے قصاص لیا جائے گا۔)❶

دوسری بحث اکراہ کی شرائط..... اکراہ کے متحقق ہونے کے لئے گیارہ شرطیں ہیں اور وہ درج ذیل ہیں۔

اول: یہ کہ مکرہ (مجبور کرنے والا) جس بات کی دھمکی دے رہا ہو اس کے کرگزرنے پر قادر بھی ہو ورنہ اس کی دھمکی محض گیدڑ بھبھکی ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: اکراہ صرف سلطان کی طرف سے ہوسکتا ہے چونکہ غیر سلطان جس بات کی دھمکی دے رہا ہو اس کے کرگزرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں...... اکراہ سلطان اور غیر سلطان دونوں سے ہوسکتا ہے چونکہ ضرر اور نقصان سلطان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی لاحق ہوسکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف درحقیقت وقت وزمانے پر مبنی ہے دلیل وحجت کا اختلاف نہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کی رعایت کرتے ہوئے فتوی دیا اور پھر صاحبین کے زمانہ میں حالات تبدیل ہوگئے اور انھوں نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق فتویٰ دیا بغدادی کہتے ہیں: اکراہ ایسے شخص سے بھی ثابت ہوجاتا ہے جو دھمکی کو کرگزرنے پر طاقت رکھتا ہو خواہ اکراہ سلطان کی طرف سے ہو یا غیر سلطان کی طرف سے۔

دوم... مستکرہ (مجبور) کا ظن غالب ہو کہ تعمیل نہ کرنے پر جبر کرنے والا واقعی جس بات کی دھمکی دے رہا ہے کرگزرے گا اور مجبور بھاگ کر یا ہائے فریاد کرکے جان چھڑانے سے عاجز ہو۔

سوم...... یہ کہ جس امر پر مجبور کیا جارہا ہو وہ جان یا عضو یا مال کی ہلاکت کو متضمن ہو یا کسی شخص کی اذیت کو متضمن ہو جیسے بیوی والدین یا کسی اور عزیز کو قید وحبس میں رکھنے کی دھمکی ہو یا اس امر کی وجہ سے غم لاحق ہوتا ہو اور حسب حال رضا معدم ہو چنانچہ بعض لوگ سخت باتوں سے غمزدہ ہوجاتے ہیں اور بعض لوگ ضرب مبرح سے غمزدہ ہوتے ہیں۔

چہارم... مستکرہ کو جس کام پر مجبور کیا جارہا ہو وہ اکراہ سے قبل اس کام سے باز رہتا ہو جیسے اپنے مال کو فروخت کرنا، غیر کے مال کو تلف کرنا شراب پینا اور زنا کرنا۔

پنجم...... دھمکی مجبور پر اس کام سے زیادہ خطرناک ہو جس پر اسے مجبور کیا گیا ہو چنانچہ اگر کسی شخص کو طمانچے مارنے کی دھمکی دی گئی یا وہ اپنا مال تلف کرے اس میں لامحالہ طمانچے کھالینا مال تلف کرنے سے ادنی درجے کی دھمکی ہے۔

ششم...... جس کام پر مستکرہ کو مجبور کیا جارہا ہو اس کام کے کرنے سے مستکرہ کو خلاصی ملتی ہو۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے سے کہا: اپنے آپ کو قتل کرو ورنہ میں تمہیں قتل کردوں گا جمہور کے نزدیک یہ اکراہ نہیں ہے حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ چونکہ اس کام کے کرنے

---

❶..... تحفۃ الطلاب للانصاری ۲۷۴ بظاہر مالکیہ اور حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے جو شافعیہ کی ہے۔

سے یعنی اپنے آپ کو قتل کرنے سے جان کو خلاصی نہیں ملتی اس صورت میں مستکرہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس بات پر اقدام کرے جس پر اسے مجبور کیا گیا ہے۔

ہفتم..... یہ کہ دھمکی عاجل ہو اگر دھمکی آجل یعنی کچھ مدت کے بعد کی ہو تو اکراہ متحقق نہیں ہوگا چونکہ مہلت ملنے کی صورت میں مستکرہ استغاثہ اور عدالت کے ذریعہ خلاصی پا سکتا ہے۔

یہ شرط حنفیہ، شافعیہ اور بعض حنابلہ کے نزدیک معتبر ہے مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ شرط نہیں کہ دھمکی عاجل ہو بلکہ شرط یہ ہے کہ خوف فی الحال ہو یہ تعبیر میرے نزدیک زیادہ راجح ہے۔

ہشتم..... مستکرہ کو جس امر پر مجبور کیا گیا ہو وہ اس میں مکرہ کی مخالفت نہ کرتا ہو چاہے اس فعل کے غیر سے یا زیادتی سے یا کمی سے۔ اگر ان تین احوال میں مستکرہ کی مخالفت کی گئی تو گویا مستکرہ یہ فعل خوشی سے بجالایا حقیقت میں یہ اکراہ نہیں ہوگا یہ شافعیہ اور مالکیہ کی رائے ہے۔

چنانچہ اگر کسی شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ بیوی کو طلاق دے اس نے اپنا گھر فروخت کر دیا یا اسے ایک طلاق رجعی پر مجبور کیا گیا تھا اور اس نے تین طلاقیں دے دیں یا اسے تین طلاقوں پر مجبور کیا گیا تھا اور اس نے ایک طلاق دی تو یہ تینوں صورتیں شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک واقع ہو جائیں گی چونکہ یہ اکراہ نہیں ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ کمی میں مخالفت ہو مثلاً ایک شخص کو کسی کام پر مجبور کیا گیا اس نے وہ کام کمی کے ساتھ بجالایا تو وہ شخص مکرہ غیر مختار ہوگا البتہ اگر زیادتی کر دی یا جس کام پر اسے مجبور کیا گیا تھا اس کے خلاف کوئی دوسرا کام کر دیا تو فاعل مکرہ نہیں ہوگا بلکہ مختار ہوگا جیسے شافعیہ اور مالکیہ نے کہا ہے۔

نہم..... شافعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ جس کام پر مجبور کیا جا رہا ہو وہ کام معین ہو یعنی وہ شئے واحد ہو چنانچہ اگر کسی شخص کو بیوی کی طلاق پر مجبور کیا گیا تو یہ اکراہ ہوگا اور اگر دو بیویوں میں سے کسی ایک کی طلاق یا زید یا عمرو میں سے کسی ایک کو قتل کرنے پر مجبور کیا گیا تو یہ اکراہ نہیں ہوگا۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے یہ شرط عائد نہیں کی۔ چنانچہ اگر کسی شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی دو بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دے تو وہ مکرہ کہلائے گا۔

دہم..... یہ کہ جس کام پر مجبور کیا جا رہا ہو وہ کام کسی دوسرے ناحق کام کا واسطہ اور سبب نہ ہو چنانچہ اگر خاوند نے بیوی کو طلاق کی دھمکی دی کہ اگر بیوی نے خاوند کو دین سے بری نہ کیا وہ اسے طلاق دے دے گا۔ یہ اکراہ نہیں ہوگا، بعض فقہاء کہتے ہیں یہ اکراہ ہوگا چونکہ خاوند بیوی کی لئے سلطان ہے لہٰذا اکراہ ہوگا۔

یہ شرط متاخرین شافعیہ کے ہاں معتبر ہے اور اس میں حنفیہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شرط عائد نہیں کی۔

یازدہم..... یہ کہ مستکرہ کو جس کام پر مجبور کیا جا رہا ہو وہ کام مستکرہ پر حق نہ ہو مثلاً دیوالیہ شخص کو مال فروخت کرنے پر مجبور کیا گیا یا قاتل عمد کو قصاص کی دھمکی دی گئی یا ایلاء کی قسم کھانے والے کو طلاق کی دھمکی دی گئی ان سب صورتوں میں اکراہ نہیں ہوگا چونکہ جس کام پر مستکرہ کو مجبور کیا جا رہا ہے وہ مستکرہ پر واجب و مستحق ہوتا ہے۔

خلاصہ..... شافعیہ اور حنابلہ تین شرائط میں متفق ہیں۔

۱..... مکرہ قدرت رکھتا ہو۔

۲..... مستکرہ اپنا دفاع کرنے سے عاجز ہو۔

۳..... یہ کہ مستکرہ کو ضرر کثیر کا اندیشہ ہو جیسے قتل، شافعیہ نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ اکراہ بغیر کسی حق کے ہو۔

تیسری بحث: تصرفات حسیہ میں اکراہ کا اثر...... وہ کام جس کو کرنے یا چھوڑنے پر مستکرہ کو مجبور کیا جا رہا ہو وہ یا تو امور حسیہ میں سے ہوگا یا امور شرعیہ میں سے ہوگا پھر دونوں صورتوں میں یا تو وہ امر معین ہوگا یا اختیاری ہوگا۔

معین حسی تصرفات سے دو حکم تعلق رکھتے ہیں:

۱..... بنسبت آخرت کے۔

۲..... بنسبت دنیا کے۔

حسی تصرفات میں آخرت کے احکام تصرف کی نوع کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں تصرف حسی کی تین اقسام ہیں: مباح، مرخص فیہ (جس میں رخصت ہو) اور حرام۔

۱۔ حسی تصرف جو اکراہ کی وجہ سے مباح ہو...... جیسے مردار، خون اور خنزیر کا گوشت کھانا، شراب پینا اس کا حکم اکراہ کی اقسام کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے چنانچہ اگر اکراہ ملجی ہو مثلاً جان یا عضو کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو یہ افعال مباح ہوں گے چونکہ اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے موقع پر ان افعال کو مباح قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ...... الانعام ۶/ ۱۱۹

ہاں البتہ اگر تم اس ممنوع فعل کو کرنے میں اضطراری حالت میں پہنچ جاؤ۔

اگر مستکرہ اس ممنوع فعل سے باز رہا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا تو عند اللہ اس کا مواخذہ ہوگا چونکہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے جب کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ...... البقرۃ ۲/ ۱۹۵

اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

اگر اکراہ غیر ملجی یعنی ناقص ہو مثلاً حبس وقید یا معمولی مار پٹائی کی دھمکی دی گئی ہو تو اس فعل کا اقدام اس کے لئے مباح نہیں ہوگا اور اسے رخصت نہیں ملے گی بلکہ اس فعل کے اقدام پر گناہ گار ہوگا چونکہ اس صورت میں اللہ کے حق کو اپنے حق پر مقدم کرنا واجب ہے۔

خلاصہ...... یہ جملہ تصرفات صرف اکراہ ملجی کی صورت میں مباح ہوں گے۔

۲۔ حسی تصرفات اکراہ کی وجہ سے جس میں رخصت دی گئی ہے...... جیسے ایمان پر پوری طرح دل مطمئن ہو اور محض زبان سے کلمہ کفر جاری کر دیا جائے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر دی جائے یا صلیب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی جائے یا کسی مسلمان کا مال ضائع کر دیا جائے چنانچہ یہ امور مباح نہیں ہوں گے لیکن اکراہ تام کی صورت میں ان کو کرنے کی رخصت ہے اگر مستکرہ ان امور کو کرنے سے باز رہا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا تو اسے عند اللہ جہاد کا ثواب ملے گا اگر اکراہ ناقص ہو تو پھر یہ امور سرے سے قابل رخصت نہیں۔ اگر امور صادر ہو گئے تو فاعل کا فر قرار پائے گا اگرچہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو یہ حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے۔

جبکہ شافعیہ حنابلہ، اور ظاہر یہ نے اکراہ ناقص کی صورت میں کلمہ کفر کی رخصت دی ہے چونکہ ابتدائے اسلام میں کفر پر مجبور کرنے کے جو اکثر واقعات پیش آئے ان میں اکراہ ناقص تھا اس لحاظ سے یہ رائے راجح ہے۔

اکراہ تام کی صورت میں زبان سے کلمہ کفر جاری کرنے کی رخصت پر دلیل یہ آیت ہے:

---

❶..... البدائع ۷/ ۱۷۶ تبیین الحقائق ۵/ ۱۸۵ الدر المختار ۵/ ۹۲ تکملۃ فتح القدیر ۷/ ۱۹۸ الکتاب مع اللباب ۴/ ۱۱۰

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ النحل ۱۶/۱۰۶

جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے وہ نہیں جسے زبردستی (کلمہ کفر کہنے پر) مجبور کر دیا گیا ہو جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو بلکہ وہ شخص جس نے اپنا سینہ کفر کے لئے کھول دیا ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے غضب نازل ہوگا اور ان کے لئے زبردست عذاب تیار ہے۔

یہی جمہور اور ظاہریہ کا مذہب ہے۔

مالکیہ.....صرف قتل کی دھمکی پر کلمہ کفر زبان سے جاری کرنے کو مباح قرار دیتے ہیں اگر کسی عضو کو تلف کرنے کی دھمکی ہو تو کلمہ کفر کو زبان سے جاری کرنے کو مباح قرار نہیں دیتے۔

ملاحظہ.....کلمہ کفر سے باز رہنا افضل ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ مسیلمہ کذاب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابہ کو گرفتار کر لیا ان میں سے ایک صحابی سے کہا: محمد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابی نے جواب دیا: وہ تو اللہ کے رسول ہیں۔ مسیلمہ (ملعون) نے کہا: میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابی نے جواب دیا: اور تم بھی (یعنی تم بھی اللہ کے رسول ہو) مسیلمہ نے اس صحابی کو چھوڑ دیا مسیلمہ نے دوسرے صحابی سے کہا: تم محمد کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا: وہ اللہ کے رسول ہیں مسیلمہ نے کہا: میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابی نے جواب دیا: میں بہرہ ہوں بات نہیں سن سکتا۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب نے تین بار یہی بات دہرائی صحابی نے بھی تین بار یہی جواب دیا۔ چنانچہ مسیلمہ نے اس صحابی کو قتل کروا دیا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر ہوتی تو فرمایا: رہی بات پہلے شخص کی سو اس نے اللہ تعالیٰ کی رخصت پر عمل کیا۔ رہی بات دوسرے کی سو اس نے حق کا بول بالا کیا۔ یہ حق گوئی اسے مبارک ہو۔ ❶

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اکراہ کے وقت گستاخی کرنے کی رخصت اس حدیث سے ثابت ہے کہ کفار نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے پر مجبور کیا، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا: اے عمار! تمہارے پیچھے کیا حالات ہیں، عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حالات بہت برے ہیں کفار نے اس وقت تک مجھے نہیں چھوڑا جب تک میں نے آپ کی شان میں گستاخی نہ کر لی اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کفار تمہیں پھر مجبور کریں تو تم بھی میری گستاخی کر لو۔ ❷

اگر مستکرہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے سے باز رہا تو عند اللہ ماجور ہوگا اس کی دلیل حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے آپ رضی اللہ عنہ کو مشرکین نے گرفتار کر کے اہل مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا اہل مکہ آپ رضی اللہ عنہ کو سخت اذیت پہنچاتے اور مطالبہ کرتے کہ ہمارے معبودان کا تذکرہ خیر کرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دو آپ رضی اللہ عنہ ان کے معبودان باطلہ کو گالیاں دیتے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرتے جب کفار ہر طرح سے مایوس ہو گئے تو انھیں قتل کرنے پر سب نے اتفاق کر لیا آپ رضی اللہ عنہ نے قتل ہونے سے قبل دو رکعتیں نماز پڑھنے کی مہلت مانگی چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت مختصر سی دو رکعتیں پڑھی تاکہ کفار کو یہ گمان نہ ہو کہ آپ رضی اللہ عنہ موت کے ڈر کی وجہ سے لمبی نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے کفار سے یہ مطالبہ کیا کہ میں سجدہ کرتا ہوں مجھے سجدہ کی حالت میں قتل کر دیا جائے تاہم کفار نے انکار کر دیا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی: اے میرے اللہ! میں تو صرف دشمن کے منحوس چہرے دیکھ رہا ہوں (کوئی ہمنوا نہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام پہنچائے لہٰذا) تو ہی میرا اسلام حضور

---

❶..... تفسیر القرطبی ۱۰/۱۸۹ التلخیص الحبیر ۳۸۱. ❷ رواہ الحاکم والبیہقی وابن ابی شیبہ وابونعیم وعبدالرزاق واسحاق بن راھویہ وقال الحاکم علی شرط الشیخن ولم یخرجاہ (نصب الرایۃ ۴/۱۵۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے پھر فرمایا: یااللہ ان کفار کی تعداد شمار کرے اور ان کا بالکلیہ صفایا کر دے اور ان میں سے کسی کو باقی نہ رکھ پھر یہ شعر پڑھا:

ولست ابالی حین اقتل مسلما　　　علی ای جنب کان فی اللہ مصر عی

جب مجھے اسلام پر قتل کیا جا رہا ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں خواہ جس پہلو کے بل اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے پچھاڑا جائے۔

چنانچہ کفار نے جب آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کو سولی پر لٹکا دیا تو آپ رضی اللہ عنہ کا چہرہ قبلہ کی طرف مڑ گیا آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سید الشہداء ہے اور جنت میں میرا رفیق ہوگا۔❶

یہ واقعہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا افضل ہے۔❷

رہی بات کسی مسلمان کے مال کو تلف کرنے کی بات سو اکراہ تام میں اس کی رخصت ہے چونکہ ضرورت کے موقع پر دوسرے کا مال مباح ہوتا ہے جیسے مخمصہ کی حالت میں دوسرے کا مال جان بچانے کے لئے کھالینا مباح ہے چنانچہ اکراہ میں بھی ضرورت درپیش ہے۔ البتہ رخصت کا اثر ضروری مواخذہ کے سقوط میں ظاہر ہوگا اصل حرمت پھر بھی باقی رہتی چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ہے اس کا مال اس کی جان اور اس کی عزت حرام ہے❸ اکراہ تام میں اتلاف مال سے مراد مال کو جلانا وغیرہ شافعیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔

مالکیہ اور ظاہریہ کی رائے ہے کہ مال جلانے میں رخصت نہیں ہے چونکہ اس میں بندے کا حق متعلق ہے، چونکہ شارع نے دوسرے کو ضرر پہنچانے کو حرام قرار دیا ہے❹ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاضرر ولاضرار یعنی نہ ضرر پہنچانا چاہیے اور نہ ہی ضرر پہنچانے کے درپے ہونا چاہیے۔❺

اسلام پر مجبور کرنا اگرچہ شرعاً ممنوع ہے اگر اسلام کا وقوع ہوا تو معتبر ہوگا اور مستکرہ کے ساتھ مسلمان جیسا معاملہ کیا جائے گا چونکہ یہ اکراہ مستکرہ کی اصلاح کے لیے ہے اور دین حق کی سربلندی کے لیے ہے اس لیے اس کا اثر معتبر ہوگا۔

۳۔ حرام حسی تصرف جو اکراہ کی وجہ سے نہ مباح ہے اور نہ ہی اس میں رخصت ہے.... یہ وہ اکراہ ہے کہ جس میں ناحق کسی مسلمان کو قتل کرنا ہو یا اس کے کسی عضو کو تلف کرنا ہو اگرچہ انگلیوں کے پور ہی کیوں نہ ہوں چونکہ قتل حرام محض ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ الا بالحق الاسراء۱۷/۳۳

کسی جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے ہاں البتہ کسی حق کے ساتھ۔

نیز ظلم زیادتی حرام ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۸﴾ الاحزاب ۳۳/۵۸

---

❶......روی قصة القتل احمد والبخاری وابوداؤد والنسائی عن ابی هریرة قال الز یلعی القول هو سید الشهداء الخ حدیث غریب لان المعروف ان حمزة رضی الله عنه سید الشهداء کما روی الحاکم: البدائع ۱۷۶ تکملة فتح القدیر ۲۹۹ تبیین الحقائق ۱۸۶ الدرالمختار ۹۳ الکتاب مع اللباب الحاکم۔❷الموا فقات ۱/۳۲۵ اصول الفقه المؤ لف ۱/۱۱۳ الشفاء للقاضی عیاض ۲/۲۲۲۔❸ رواه مسلم عن ابی هریرة الاربعین النوویة ۷۶۔❹ تکملة فتح القدیر ۷/۳۰۲ الدرالمختار ۳/۹۵ والمرا جع السابقه۔❺ رواه ابن ماجه والدارقطنی وغیرهما عن ابی سعید الخدری (مجمع الزوائد ۴/۱۱۰ سبل السلام ۳/۸۴)

اور جولوگ مومن مرد اور مومن عورتوں کو ایسے کام کی تہمت سے جو انہوں نے نہ کیا ہو ایذاء پہنچائیں تو اپنے نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔ حرمت برابر ہے خواہ اکراہ تام ہو یا اکراہ ناقص۔

اس کی ایک مثال والدین کو مارنے کی بھی ہے خواہ والدین کو کم مارے یا زیادہ چنانچہ اکراہ کی وجہ سے والدین کو مارنا مباح نہیں بلکہ حرام ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْ هُمَا الاسراء۱۷/۲۳

والدین کو اف مت کہو اور نہ ہی انھیں ڈانٹو۔

ظاہر ہے جب اف سے منع کیا گیا ہے تو مار پٹائی سے بطریق اولیٰ منع کیا گیا ہے۔

اسی طرح زنا مباح نہیں اور نہ ہی اکراہ کی وجہ سے اس کی رخصت ہے اگر مستکرہ نے زنا کر دیا تو گناہ گار ہوگا چونکہ زنا کی حرمت عقلاً ثابت ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ۝ الاسراء۱۷/۳۲

زنا کے قریب بھی مت جاؤ چونکہ زنا بے حیائی اور بہت برا راستہ ہے۔

اکراہ کی صورت میں عورت کو بھی زنا کی رخصت نہیں دی گئی اگر چہ زنا تام ہو علامہ کاسانی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

خلاصہ......کفر، قتل اور زنا کسی صورت میں بھی مباح نہیں مباشر گناہ گار ہوگا اگر چہ کلمہ کفر کو زبان پر لانے میں رخصت ہے رخصت اور اباحت میں واضح فرق ہے چنانچہ رخصت کی صورت میں فی ذاتہ فعل مباح نہیں ہوگا البتہ صرف مسئولیت اٹھائی جاتی ہے جب کہ اباحت کی صورت میں فی ذاتہ شے مباح ہوتی ہے گناہ اور دنیوی مسئولیت اٹھالی جاتی ہے۔

دنیوی احکام......یعنی انواع ثلاثہ میں دنیوی احکام درج ذیل ہیں۔

نوع اول......اس نوع میں درج ذیل امور پر گفتگو ہوگی۔

۱۔ شراب نوشی پر اکراہ......اگر اکراہ تام ہو تو بالاتفاق شراب نوشی کی وجہ سے مستکرہ پر حد شراب جاری نہیں ہوگی چونکہ حد اس لیے ہوتی ہے تاکہ مستقبل میں مباشر اس فعل شنیع سے باز رہے جب کہ مستکرہ کی شراب نوشی جنایت نہیں بلکہ شراب نوشی اس کے لیے مباح ہے۔

اکراہ کی وجہ سے جو شخص شراب پی لے اور پھر اسے نشہ چڑھ جائے تو جمہور کے نزدیک اس کے تصرفات نافذ نہیں ہوں گے چونکہ حالت اختیار میں شرابی کے تصرفات سزا کے طور پر نافذ العمل ہوتے ہیں تاکہ اس پر جتنی زیادہ سختی ہو اچھا ہے۔

اگر اکراہ ناقص ہو تو حنفیہ کے نزدیک مستکرہ پر حد جاری کی جائے گی چونکہ اس صورت میں شراب نوشی حرام اعتبار ہوگا اور شراب نوشی کا حکم لاگو ہوگا۔

جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک اکراہ ناقص کی صورت میں شراب پینے پر حد نہیں ہوگی چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو خطا نسیان اور وہ معاملہ جس پر انھیں مجبور کر دیا گیا ہو معاف فرما دیے ہیں۔ ❶

۲۔ اکراہ بر سرقہ......یعنی چوری پر اکراہ چنانچہ اگر اکراہ تام ہو تو مستکرہ چور پر کوئی گناہ نہیں حدیث سابق کی وجہ سے حد نہیں ہوگی نیز حدود شبہات سے ختم ہو جاتی ہیں۔ اور اگر اکراہ ناقص ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک گناہ اور حد ختم نہیں ہوگی۔ چونکہ چوری کے فعل میں کوئی ضرورت

❶......رواه الطبرانی فی الكبير عن ثوبان وابی الدرداء واخرجه ابن ماجة وابن حبان والحاكم عن ابن عباس مرفوعاً رواه ابن ماجة ايضاً عن ابی ذر ورواه ابونعيم عن ابن عمر۔

نہیں جب کہ جمہور فقہاء کے نزدیک گناہ اور حد نہیں ہوگی اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے......الخ۔ اس حدیث میں موجب اکراہ سے مطلقاً معافی ہے خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص۔

نوع دوم......اس میں دو بحثیں ہیں۔

ا۔ کفر پر اکراہ......اگر اکراہ تام ہو تو مستکرہ کے کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور نہ ہی مستکرہ کی بیوی کفر کی وجہ سے بائنہ ہوگی اس پر فقہاء کا اتفاق ہے البتہ مالکیہ کے نزدیک اگر قتل کی دھمکی نہ ہو اور مستکرہ کفر کا اقدام کر بیٹھے تو مالکیہ کے نزدیک وہ کافر ہو جائے گا چونکہ قتل کے علاوہ باقی امور کفر میں کم خطرہ رکھتے ہیں۔

اگر اکراہ ناقص ہو اور مستکرہ نے کلمہ کفر زبان سے جاری کر دیا تو شافعیہ حنابلہ اور ظاہریہ کے نزدیک مستکرہ مرتد نہیں ہوگا چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ......النحل ۱۶/۱۰۶

مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اکراہ ناقص کی صورت میں مستکرہ کے کافر ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور وہ مرتد ہو جائے گا اس پر مرتد کے احکام لاگو ہوں گے چونکہ حقیقت میں وہ مکرہ نہیں اس نے کفر کا اقدار محض غم دور کرنے کے لیے کیا ہے یہاں کفر کی ضرورت نہیں لیکن نص کو سامنے رکھتے ہوئے پہلی رائے زیادہ راجح ہے۔

یہ اختلاف صلیب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے اور بت کو سجدہ کرنے میں بھی جاری ہوگا۔

اگر مسلمان کو کفر پر مجبور کیا جائے تو مسلمان کافر نہیں ہوگا اور اگر کافر کو اسلام پر مجبور کیا جائے تو وہ مسلمان کہلائے گا دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ ایمان حقیقت میں تصدیق ہے اور کفر تکذیب ہے اور ان دونوں چیزوں کا تعلق دل سے ہے جب کہ اکراہ کا تعلق دل سے نہیں لہٰذا حالت اختیار میں زبان کو دل کی دلیل قرار دیا گیا ہے جب کہ کفر پر اکراہ کی حالت میں زبان کو دل کی دلیل قرار نہیں دیا گیا چونکہ ایمان قلبی چیز ہے، البتہ اسلام پر اکراہ کی صورت میں یہ احتمال ہوگا کہ مستکرہ کے دل میں کفر ہو لیکن جانب اسلام کو حق کی سربلندی کی وجہ سے ترجیح ہوگی اور حق کی سربلندی واجب ہے [1] چنانچہ آپ علیہ السلام کا فرمان ہے اسلام کی شان بلند ہے اور اس پر کسی اور دین کو بلندی نہیں دی گئی۔[2]

ملاحظہ......جمہور علماء کے نزدیک حربی کو اسلام پر مجبور کرنا جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ذمی اور مستامن (اجازت نامہ لے کر دارالاسلام آنے والے) کو بھی اسلام پر مجبور کرنا جائز ہے جب کہ جمہور علماء کے نزدیک ان دونوں کو مجبور کرنا جائز نہیں۔ اس اختلاف کے دلائل فقہ کی مطول کتابوں میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں البتہ ذمی کے معاملہ میں جمہور کا مذہب راجح ہے اور میرے نزدیک حربی کے معاملہ میں راجح یہ ہے کہ اسے اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا جیسا کہ علماء کی ایک بڑی جماعت کی یہی رائے ہے نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ......البقرۃ ۲/۲۵۶

دین میں کوئی زبردستی نہیں۔[3]

۲۔ اتلاف مال پر اکراہ...... اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی کو کسی کے گھر یا اثاثہ جات کے جلانے پر مجبور کیا پھر اگر اکراہ تام ہو تو

---

[1] ...البدائع ۱۷۸/۶ بحث الاکراہ للاستاذ البر دیسی ۶۱ تکملۃ فتح القدیر ۳۰۷/۷ المغنی ۱۴۵/۸ الکتاب مع اللباب ۱۱۴/۴۔ [2] اخرجہ الدارقطنی عن عائذ بن عمرو بن المزنی وفیہ مجہول ان رواہ الطبرانی والبیھقی عن عمر ورواہ نھشل عن معاذ وروی عن ابن عباس موقوفا (نصب الرایۃ ۲۱۳/۲ سبل السلام ۶۷/۴۔ [3] راجع آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی الطبعۃ الثانیۃ للمولف ۷۸۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ضمان مکرہ (مجبور کرنے والے) پر ہوگا بعض شافعیہ کے نزدیک بھی یہی ہے۔ چونکہ مستکرہ کا ارادہ معدوم ہے وہ تو مکرہ کا صرف آلہ کار ہے اور بالاتفاق ضمان آلہ پر نہیں ہوتا۔

مالکیہ، ظاہریہ اور بعض شافعیہ کے نزدیک ضمان مستکرہ (مجبور) پر ہوگا چونکہ مستکرہ اس حالت میں مضطر ہے جیسے حالت اضطرار میں دوسرے کا کھانا کھانا جائز ہے اور ضمان مضطر پر ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ضمان مستکرہ پر ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک راجح اور حنابلہ کا ایک قول یہ ہے کہ ضمان مکرہ اور مستکرہ دونوں پر ہوگا چونکہ حقیقتاً مباشر مستکرہ ہے اور مکرہ بالواسطہ مباشر ہے لہٰذا ضمان میں دونوں برابر ہوں گے لیکن اصح قول کے مطابق بالآخر ضمان مکرہ پر لاگو ہوگا۔

۲۔ اگر اکراہ ناقص ہو تو حنفیہ، مالکیہ، ظاہریہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ضمان مستکرہ پر ہوگا چونکہ اکراہ ناقص سے اختیار بالکلیہ سلب نہیں ہوتا لہٰذا مستکرہ مکرہ کا محض آلہ کار نہ ہوا لہٰذا اتلاف مال کا فعل مستکرہ سے صادر ہوا ضمان بھی اسی پر واجب ہوگا۔ [1]

نوع سوم...... اس میں بھی دو بحثیں ہیں۔

۱۔ قتل پر اکراہ...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل پر اکراہ گناہ ہے اگر اکراہ تام ہو اور مستکرہ نے کسی کو قتل کر دیا تو اس کے قصاص میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام محمد، داؤد ظاہری اور ایک روایت میں امام احمد اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مستکرہ پر قصاص نہیں ہے بلکہ مکرہ (مجبور کرنے والے) پر قصاص ہوگا اور مستکرہ پر صرف تعزیر ہوگی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

غفرت عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ

چنانچہ کسی چیز سے معافی درحقیقت اس چیز کے مقتضاء سے معافی ہوتی ہے۔ لہٰذا جس امر پر اکراہ کیا گیا ہو اس کا مقتضی معافی ہے نیز مستکرہ تو بس آلہ کار ہے جب کہ فی الواقع قاتل مکرہ ہے اور مستکرہ سے قتل کی صورت وجود میں آئی ہے لہٰذا مستکرہ آلہ کے مشابہ ہوا اس واسطے مستکرہ پر قصاص نہیں ہوگا۔

امام زفر اور ابن حزم ظاہری کہتے ہیں...... مستکرہ سے قصاص لیا جائے گا چونکہ حساب اور مشاہدہ و حقیقتاً قتل مستکرہ سے پایا گیا ہے نیز مستکرہ نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا ہے جو اس پر حرام تھا رہی بات مکرہ کی سو وہ تو متسبب ہے تسبب کی وجہ سے قصاص نہیں ہوتا امام طحاوی نے یہ رائے راجح قرار دی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نہ مستکرہ سے قصاص لیا جائے گا اور نہ ہی مکرہ سے چونکہ قصاص لینے میں شبہ آ گیا ہے چونکہ مکرہ حقیقۃ قاتل نہیں وہ تو قتل کا سبب ہے حقیقتاً قاتل تو مستکرہ ہے اور جب قصاص مستکرہ پر واجب نہیں تو بطریق اولیٰ مکرہ پر بھی واجب نہیں البتہ مکرہ پر دیت واجب ہوگی اور مستکرہ پر کچھ نہیں ہوگا۔

مالکیہ اور شافعیہ کا راجح قول اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ مستکرہ اور مکرہ دونوں سے قصاص لیا جائے گا چونکہ حقیقت میں مستکرہ کی طرف سے قتل پایا گیا ہے اور مکرہ قتل کا متسبب ہے اور متسبب مباشر کے حکم میں ہوتا ہے۔

پہلی رائے بقیہ آراء سے زیادہ راجح ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اگر اکراہ ناقص ہو تو مستکرہ پر قصاص واجب ہے

---

[1] البدائع ۷/۱۷۹ اللباب شرح الکتاب ۴/۱۱۲ تکملہ فتح القدیر ۳۰۲ تبیین الحقائق ۱۷۶ المحلی لابن حزم ۸/۲۸۱ الاشباہ والنظائر للسیوطی ۹۔۱ قواعد الاحکام ۲/۱۳۲ تہذیب الفروق ۲/۲۰۳ کشاف القناع ۴/۹۸ الشرح الکبیر الدردیر وحاشیہ الدسوقی ۳/۴۴۴ القواعد لابن رجب حنبلی ۲۸۶۔

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں چونکہ اکراہ ناقص سے اختیار سلب نہیں ہوتا لہٰذا اکراہ ناقص وجوب قصاص کے مانع نہیں ہوگا۔

رہی بات حالت اکراہ میں دیت کی......سو حنفیہ کے نزدیک اس کے وجوب میں دو آراء ہیں راجح رائے یہ ہے کہ دیت مستکرہ پر واجب ہوگی۔

اگر مستکرہ کو مورث کے قتل پر مجبور کر دیا گیا اور اس نے مورث کو قتل کر دیا تو امام زفر کے علاوہ ائمہ حنفیہ کے نزدیک مستکرہ وراثت سے محروم نہیں ہوگا۔

اگر مستکرہ نے کسی انسان کا ہاتھ کاٹ دیا تو اکراہ علی قتل پر مذکورہ بالا اختلاف اس میں بھی جاری ہوگا۔

اگر مظلوم نے مستکرہ کو ہاتھ کاٹنے یا قتل کرنے کی اجازت دے دی تو مستکرہ کے لیے ارتکاب مباح نہیں ہوگا چونکہ یہ جنایات اجازت سے مباح نہیں ہوتیں، اگر اس حالت میں ہاتھ کاٹ دیا گیا تو ضمان کسی پر نہیں ہوگا چونکہ مظلوم نے ہاتھ کاٹنے کی اجازت دے دی البتہ قتل کی صورت میں اجازت کا اعتبار نہیں اور دیت مکرہ پر واجب ہوگی ظاہر الروایۃ میں یہی ہے ایک اور روایت کے مطابق دیت واجب نہیں ہوگی۔ ❶

ا......اکراہ علی زنا کا وقوع یا تو عورت پر ہوگا یا مرد پر ہوگا۔

اگر عورت کو زنا پر مجبور کیا گیا تو عورت پر جمہور فقہاء کے نزدیک حد نہیں ہوگی برابر ہے کہ اکراہ خواہ تام ہو یا ناقص۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ النور ۲۴/ ۳۳

اور اپنی باندیوں کو دنیا کا ساز و سامان حاصل کرنے کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو کوئی انہیں مجبور کرے گا تو ان کو مجبور کرنے کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ جس عورت کو زنا پر مجبور کیا گیا اس کے ذمہ گناہ نہیں ہوگا جب گناہ نہیں تو حد بھی نہیں ہوگی۔

اگر کسی مرد کو زنا کرنے پر مجبور کیا گیا خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص تو حنابلہ کے نزدیک مختار مذہب یہ ہے کہ حد زنا کرنے والے پر ہوگی چونکہ زنا آلہ تناسل کے انتشار کے بغیر نہیں ہوتا اور خوف کے ہوتے ہوئے آلہ تناسل میں انتشا پیدا نہیں ہوتا جہاں انتشار پایا جائے گا وہاں وہاں فعل میں دل کی رضامندی بھی پائی جائے گی چنانچہ جب زنا پر مجبور کئے ہوئے شخص کی طرف سے دلی رضامندی ہوئی تو اس پر حد واجب ہوگی۔

لیکن فی الواقع طبعی انتشار اختیار کی دلیل نہیں ہے۔ چونکہ طبعی انتشار عورت کے مقابلہ میں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سوئے ہوئے شخص کا آلہ تناسل بھی منتشر ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا اختیار نہیں ہوتا۔

شافعیہ کہتے ہیں مستکرہ علی زنا پر حد واجب نہیں خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص چونکہ اکراہ کی خواہ جون سی صورت بھی ہو وہ شبہ کی باعث ہے جب کہ حدود شبہات سے ختم ہو جاتی ہیں۔

رہی بات حنفیہ کی سو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ مستکرہ پر زنا پر حد واجب ہے پھر فرمایا: اگر اکراہ تام ہو یعنی اپنے زمانہ کے عرف کے مطابق امام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اکرام تام صرف سلطان کی طرف سے ہو سکتا ہے تو حد واجب نہیں ہوگی، اگر اکراہ غیر سلطان کی طرف سے ہو تو حد واجب ہوگی صاحبین کہتے ہیں: اکراہ تام کی صورت میں حد واجب نہیں ہوگی خواہ اکراہ تام سلطان کی طرف سے ہو

❶ ... البدائع ۷/ ۱۸۰ مجمع الضمانات ۲۰۴ اللباب شرح الکتاب ۴/ ۱۱۲ مختصر الطحاوی ۴۰۹۔

غیر سلطان کی طرف سے صاحبین کی رائے جمہور حنفیہ کے نزدیک زیادہ راجح ہے اور آخر میں یہی رائے امام ابوحنیفہ ؒ کی بھی تھی۔

اگر اکراہ ناقص ہو تو امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک حد واجب ہوگی چونکہ اکراہ ناقص سے اختیار سلب نہیں ہوتا لہٰذا حالت زنا میں زانی مختار ہوگا اس پر حد جاری کی جائے گی۔

خلاصہ..... حنیفہ اکراہ تام کی صورت میں حد کو واجب قرار نہیں دیتے اور اکراہ ناقص کی صورت میں واجب قرار دیتے ہیں۔

مالکیہ...... کہتے ہیں اگر مرد اور عوت دونوں کو زنا پر مجبور کیا گیا ہو تو حد واجب ہوگی اگر عورت رضامند ہو اور شادی شدہ نہ ہو تو گویا اس نے رضامندی سے اپنا حق ساقط کر دیا اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق باقی رہا اور اللہ تعالیٰ کا حق اکراہ سے ساقط ہو جاتا ہے بعض مالکیہ کے نزدیک اگر قتل کی دھمکی ہو تو حد واجب نہیں ہوگی اگر دھمکی قتل کے علاوہ کی ہو تو حد واجب ہوگی یہی قول مفتی بہ ہے اور مالکیہ کے مذہب میں مشہور یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں پر حد ہوگی۔

حنابلہ کے مذہب میں بھی مکرہ علی الزنا پر حد جاری کی جائے گی۔ بظاہر شافعیہ کا مذہب راجح ہے چونکہ حدود شبہات سے ٹل جاتی ہیں۔ ❶

دو چیزوں پر اکراہ...... اوپر جو بھی مذکور ہوا یہ تب ہے جب فعل مکرہ علیہ تصرف حسی ہو اور معین ہو اور اگر جس کام پر مستکرہ کو مجبور کیا جا رہا ہو وہ مخیرّ فیہ (یعنی دو چیزوں میں سے کسی ایک کے کرنے میں اختیار دیا گیا) تو اخروی حکم کے اعتبار سے فعل مخیرّ فیہ مباح ہوگا اور اس میں رخصت ہوگی لیکن مستکرہ پر واجب ہے کہ وہ ہلکے درجہ کے فعل کو اختیار کرے مثلاً اگر کسی شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ یا تو مردار کھائے یا مسلمان کو قتل کرے وہ مردار کھالے مسلمان کو قتل نہ کرے قتل کی اسے رخصت نہیں دی جائے گی اگر مستکرہ نے قتل کا ارتکاب کرلیا اور مردار کھانے سے باز رہا تو گناہگار ہوگا۔ اسی طرح اگر مسلمان کے مال ضائع کرنے یا مسلمان کو قتل کرنے پر مجبور کیا گیا تو وہ ان دو اختیارات میں سے اس فعل کو اختیار کرے جس کی شناعت اخف اور ہلکی ہو یعنی مسلمان کو قتل نہ کرے اس کا مال ضائع کرے۔

اگر قتل یا زنا میں سے کسی ایک امر پر مجبور کیا گیا یعنی ان دو میں سے کسی ایک کو اختیار کرے اسے ان میں سے کسی امر کے کرنے کی رخصت نہیں دی جائے گی اگر قتل کر دیا تو گناہ گار نہیں ہوگا۔

اگر قتل یا کفر پر مجبور کیا گیا تو اسے کلمہ کفر کے زبان سے جاری کرنے کی رخصت ہوگی بشرطیکہ ایمان پر اسکا دل مطمئن ہو۔

رہی بات دنیوی حکم کے اعتبار سے تو تخیر کے اعتبار سے تعین کی حالت میں حکم مختلف ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی کو مجبور کیا گیا کہ یا تو وہ مردار کا گوشت کھائے یا مسلمان کو قتل کرے اس نے مردار نہ کھایا اور مسلمان کو قتل کر دیا تو حنیفہ کے نزدیک مستکرہ پر قصاص آئے گا۔ چونکہ مباح کو اختیار کر کے ضرورت کا دفیعہ اس کے لیے ممکن تھا، گو اس نے اپنے اختیار سے فعل قتل کا ارتکاب کیا۔

اگر کفر یا قتل پر مجبور کیا گیا اور مستکرہ نے قتل کر دیا اور زبان سے کلمہ کفر جاری نہ کیا تو اس صورت میں قیاس کا تقاضا ہے کہ اس پر قصاص واجب ہو چونکہ اس نے حرام کو ایسے فعل پر ترجیح دی ہے جس میں اسے رخصت حاصل تھی، جب کہ استحسان کا مقتضی یہ ہے کہ اس پر قصاص نہ ہو بلکہ اس پر دیت واجب ہو بشرطیکہ اسے علم نہ ہو کہ کلمہ کفر زبان سے جاری کرنے کی اسے رخصت حاصل ہے۔ ❶

چوتھی بحث: تصرفات شرعیہ میں اکراہ کا اثر (یعنی قولی یا قانونی تصرفات میں اکراہ کا اثر)...... میں اولاً معین تصرفات شرعیہ کو بیان کروں گا۔

معین تصرفات شرعیہ یا تو از قبیل انشاء ہوں گے یا از قبیل اقرار، تصرفات انشائیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جو فسخ کا احتمال نہیں

❶ البدائع ۷/ ۱۸۰ تکملة فتح القدير ۷/ ۳۰۶ مختصر الطحاوی ۴۱۰ الدر المختار ۵/ ۹۵ تبيين الحقائق ۵/ ۱۸۹۔

رکھتے دوسری قسم جو فسخ کا احتمال رکھتے ہیں۔

وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے جیسے طلاق، نکاح، ظہار، قسم، قصاص کو معاف کر دینا، بعض حنفیہ نے ان کی تعداد بیس تک بتائی ہے جب کہ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ ان کی تعداد پندرہ ہے۔ ❶

وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال رکھتے ہیں جیسے بیع، اجارہ وغیرہ۔

اول: وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے...... یعنی وہ تصرفات جو لازم ہو جاتے ہیں اور رد نہیں کیے جا سکتے۔ چنانچہ حنفیہ کی رائے ہے کہ تصرفات شرعیہ جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ان پر اکراہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا، ان میں رضا بھی شرط نہیں یہ تصرفات اکراہ کے ساتھ بھی نافذ ہو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ تصرفات فسخ کو قبول نہیں کرتے لہٰذا لازم ہیں چنانچہ اگر کسی شخص کو طلاق یا نذر یا قسم یا ظہار یا نکاح یا رجعت یا ایلاء یا ایلاء سے رجوع کرنے یا قصاص سے معاف کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کا یہ تصرف (یعنی وہ کام جس پر اسے مجبور کیا گیا ہے) واقع ہو جائے گا چونکہ ان تصرفات میں جدل وہزل (ہنسی مزاح اور سنجیدگی) برابر ہیں جب کہ اکراہ ہزل کے معنی میں اس طرح ہے کہ اس میں تصرف کا قصد صحیح نہیں ہوتا، اس میں اصل حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ یہ کہ جب مشرکین نے آپ رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا اور انہیں قسم دینا چاہی کہ وہ جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کریں گے انھوں نے مجبور (حالت اکراہ) میں قسم اٹھالی پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ پورا کرو ہم ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔

مصنف عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا ہے ❷ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مکرہ کی طلاق کو جائز قرار دیا ہے (یعنی مکرہ کی طلاق ہو جاتی ہے) چنانچہ اس کی تائید اس آیت کے عموم سے بھی ہوتی ہے فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ اگر خاوند نے (تیسری) طلاق دے دی تو اس کے بعد بیوی اس کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ (البقرۃ ۲، ۲۳۰) الآیۃ

خلاصہ...... یہ تصرفات صحیح ہیں اور مستکرہ کی طرف سے لازم ہو جائیں گے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور ائمہ کی رائے ہے کہ اکراہ ان تصرفات میں اثر کرے گا اور اکراہ ان تصرفات کو فاسد کر دیتا ہے چنانچہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی، اکراہ میں ہونے والا نکاح بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچے گا یہی راجح ہے۔

جمہور کا استدلال یہ ہے کہ حالت اکراہ میں کلمۂ کفر جاری کرنے پر اللہ تعالیٰ نے کوئی اثر مرتب نہیں کیا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَ قَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ ...... النحل ۱۶/ ۱۰۶

البتہ جس شخص کو مجبور کیا گیا ہو در حالیکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔

احادیث میں ثابت ہے کہ حضرت حنساء بنت خزام انصاریہ رضی اللہ عنہ ثیبہ خاتون تھیں ان کے والد نے ان کا نکاح کرا دیا جسے وہ ناپسند کرتی تھیں پھر وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح رد کر دیا۔ ❸

اس کی تائید ایک اور واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک نوجوان لڑکی کی شادی اس کے باپ نے اپنے بھتیجے کے ساتھ زبردستی کرادی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کے نکاح کا اختیار لڑکی کو سونپ دیا۔ ❹

---

❶ ... الدر المختار رد المحتار ۵/ ۹۲ ❷ اخرجه عبد الرزاق فی مصنفه عن ابن عمر (نصب الراية ۳/ ۲۲۲ ❸ رواه البخاری عن حسناء بنت حزام (نصب الراية ۳/ ۱۹۱ ❹ اخرجه النسائی واحمد عن عائشة وقال البيهقی هذا مرسل (سبل السلام ۳/ ۱۲۲ نصب الراية ۳/ ۹۲،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اغلاق میں نکاح نہیں ہوتا (1) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اغلاق کی تفسیر اکراہ سے کی ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور وہ امر جس پر انھیں مجبور کر دیا گیا ہو کو معاف فرما دیا ہے نیز یہ تصرفات اکراہ کے ہوتے ہوئے صحیح نہیں ہوتے یہاں تک کہ ان پر لوگوں کے حقوق کا زوال مرتب نہ ہوتا ہو اور اس میں ان کی رضا شامل نہ ہو۔

بنا بریں شافعیہ کہتے ہیں کہ مستکرہ کی طلاق، عتاق، بیع، اجارہ، نکاح، رجعت وغیرہ جیسے تصرفات صحیح نہیں ہوتے چونکہ اکراہ کا حکم متعلق بہ ہے کہ حکم کے معدوم ہونے سے ختم ہوتا ہے جیسے طلاق کا واقع ہونا اور بیع و نکاح کا صحیح ہونا۔

البتہ شافعیہ کے نزدیک مستکرہ قاتل پر قصاص کا حکم لاگو ہوگا اور قصاص کا حکم عموم سے مستثنیٰ ہے چونکہ قتل کو مباح قرار دینے کی کوئی گنجائش نہیں اور خون کی تعظیم واجب ہے اور اس کی حرمت لابدی ہے۔ (2)

رہی یہ حدیث کہ تین چیزوں کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مزاح بھی سنجیدگی ہے وہ یہ ہیں نکاح، طلاق اور رجعت (3) اس حدیث سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے جب کہ راجح یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، رہی بات حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سو وہ بقول ابن حزم حدیث مکذوب ہے۔

رہی بات ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کی سو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس کے خلاف ابن عمر کا دوسرا اثر نقل کیا ہے جسے عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ ثابت اعرج کے قصہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مکرہ کی طلاق کو جائز قرار نہیں دیا۔ اسی طرح مکرہ کی طلاق کے عدم جواز کی تائید ابن عمر کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سنن بیہقی صحیح بخاری اور موطا امام مالک میں روایت کی گئی ہے۔

رہی بات احناف کے استدلال یعنی عموم آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ (البقرہ ۲/ ۲۳۰) کی سو یہ استدلال دوسری آیت کے معارض ہے اور وہ یہ ہے وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ (البقرہ ۲/ ۲۲۵) مستکرہ تو اپنی بیوی کو کبھی طلاق نہ دیتا بلکہ حدیث اغلاق (اکراہ) میں طلاق نہیں ہوتی۔ آیت طلاق کے اطلاق کو مقید کر رہی ہے یہاں تک کہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق بھی جو حدیث کے ظنی ہونے کے قائل ہیں ظنی قطعی کو مقید نہیں کرتا چونکہ یہ آیت حدیث مشہور کے ساتھ مقید ہے اور وہ یہ ہے تین آدمی مرفوع القلم ہیں بچہ یہاں تک کہ جوان ہو جائے سویا ہوا شخص یہاں تک کہ بیدار ہو جائے اور مجنون یہاں تک کہ اسے افاقہ ہو جائے (4) یوں دلیل ظنی ہو گئی اور اس کے بعد خبر ظنی کے ساتھ مقید ہو گئی۔ (5)

دوم: وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال رکھتے ہیں...... اگر کسی انسان کو کسی ایسے تصرف پر مجبور کیا گیا جو فسخ کا احتمال رکھتا ہو خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص البتہ اس تصرف میں رضامندی شرط ہو جیسے بیع و شراء ہبہ، اجارہ غیرھا۔ چنانچہ جمہور حنفیہ کے نزدیک اکراہ ان تصرفات کو فاسد کر دیتا ہے یعنی تصرفات نافذ لیکن فاسد ہوں گے اس صورت میں خریدار قبضہ کرنے سے مبیع کا مالک بن جائے گا۔ فساد کا سبب یہ ہے کہ رضامندی ان تصرفات کے نفاذ کی شرط ہے جبکہ اکراہ رضامندی کو معدوم کر دیتا ہے جب شرط منتفی ہوگی مشروط بھی منتفی ہوگا مشروط نفاذ ہے۔ لہٰذا تصرف فاسد ہو جائے گا۔ بنا بریں مستکرہ کی بیع اجارہ اور ہبہ فاسد ہوگا البتہ اکراہ زائل ہونے کے بعد مستکرہ کو اختیار ہوگا چاہے تصرف کو نافذ کرے یا فسخ کرے، چونکہ رضامندی ان تصرفات کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

---

(1) ...... رواہ ابوداؤد وابن ماجه والحاکم وقال علی شرط مسلم۔ (2) تخریج الفروع علی الاصول ۱۴۹۔ (3) رواہ الطبرانی عن ثوبان ورمز الیسوطی لصحته (راجع الفتح الکبیر ۳۵/۴) (4) رواہ احمد واصحاب السنن الاربعة الا الترمذی وصححه الحاکم واخرجه ابن حبان عن عائشة ورواه بعضهم عن علی وعمر وابن عباس وابی هریرة وغیرهم (مجمع الزوائد ۲۵۱/۶ سبل السلام ۱۸۰/۳۔ (5) البدائع ۱۸۲/۷ تکملة فتح القدیر ۳۰۳/۷ تبیین الحقائق ۱۸۸/۵ الدرالمختار ۹۲/۵ مجمع الضمانات ۲۰۶ المحلی ۸۳/۸ وغیرہ

مالکیہ اور حنفیہ میں سے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اکراہ کی وجہ سے یہ تصرفات موقوف ہوں گے چونکہ رضا صحت عقد کے لئے شرط ہے انعقاد عقد کے لئے شرط نہیں حتیٰ کہ زوال اکراہ کے بعد مستکرہ نے اگر عقد کی اجازت دے دی تو عقد صحیح ہو جائے گا اگر عقد فاسد ہوتا تو پھر جائز نہ ہوتا۔ چونکہ فاسد اجازت سے جائز نہیں ہوتا اور فساد اجازت سے رفع نہیں ہوتا جیسے بیوع فاسدہ لہٰذا مستکرہ کا تصرف فضولی کی بیع کے مشابہ ہوا جب بیع موقوف ہوئی تو قبضہ سے ملکیت کا فائدہ نہیں دے گی۔

خلاصہ......امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مذہب ہے کہ اکراہ عقد کو فاسد کر دیتا ہے باطل نہیں کرتا پھر اگر اکراہ کے بعد مستکرہ نے عقد کی اجازت دے دی تو عقد صحیح ہوگا اور لازم ہوگا۔ جب کہ امام زفر عقد کو غیر نافذ قرار دیتے ہیں جیسے فضولی کا عقد۔ اور زوال اکراہ کے بعد مستکرہ کی اجازت پر موقوف ہوگا فاسد نہیں ہوگا چونکہ عقد فاسد فسخ کے قابل ہوتا ہے ملحوظ رہے کہ امام زفر کی دلیل قوی تر ہے اور راجح ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک امام ابوحنیفہ اور صاحبین کی رائے قابل اعتماد ہے۔ ❶

باقی فقہاء کہتے ہیں کہ یہ تصرفات اکراہ کے ساتھ باطل غیر صحیح ہوتے ہیں ❷ مثلاً اکراہ کی حالت میں بیع خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص۔ ملاحظہ ہو کہ مستکرہ کی بیع کے متعلق علما کے چار مذاہب ہے۔

الف......امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مذہب ہے کہ مکرہ کی بیع فاسد ہے، ان کی دلیل بیع کی عموم نصوص ہیں اس میں کوئی فرق نہیں کہ بیع سبب جہالت کی وجہ سے فاسد ہو یا سود کی وجہ سے باطل ہو یا کسی اور وجہ سے باطل ہو یا اکراہ کی وجہ سے فاسد ہو چونکہ رضامندی نہیں پائی جاتی البتہ زوال اکراہ کے بعد مستکرہ کو حق حاصل ہے چاہے عقد کی اجازت دے یا نہ دے۔

اگر بیع کی اجازت نہ دی تو مبیع واپس کی جائے گی، اگر چہ مبیع مختلف ہاتھوں پر چڑھ گئی ہو مثلاً خریدار نے مبیع آگے کسی اور کو فروخت کر دی یا اس میں کوئی تصرف کر دیا اکراہ کے علاوہ بقیہ بیوع فاسدہ کو اجازت لاحق نہیں ہوگی چونکہ بیوع فاسدہ کا فساد حق شرع یعنی سود وغیرہ کی وجہ سے ہے جیسے مثلاً دوسرے خریدار نے مبیع میں تصرف کر دیا تو اس کا تصرف نافذ ہو جائے گا اور اصلی بائع کو فسخ کا حق نہیں چونکہ دوسرے خریدار کا حق مبیع کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے جب کہ بندے کا حق اللہ کے حق پر مقدم ہوتا ہے چونکہ اللہ بے نیاز ہے اور بندہ محتاج ہے۔

۲.....حنفیہ میں سے امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ مستکرہ کی بیع موقوف ہے۔

۳......مالکیہ کا مذہب ہے کہ مستکرہ کی بیع غیر لازم ہے یعنی مکرہ کو خیار حاصل ہوگا چاہے عقد نافذ کرے یا فسخ کرے یہ رائے امام قدوری حنفی کی بیان کردہ رائے کے موافق ہے۔

۴.....شافعیہ حنابلہ اور ظاہریہ کا مذہب ہے کہ مستکرہ کی بیع باطل ہے۔

اقرار پر اکراہ کا اثر......میں نے تصرفات انشائیہ کا تذکرہ کر دیا ہے اور اب میں اقرارات کا تذکرہ کروں گا۔ جب بغیر کسی حق کے کسی شخص کو کسی چیز کے اقرار پر مجبور کیا گیا تو اس اقرار کے متعلق دو مذہب ہیں۔

۱.....حنفیہ، شافعیہ حنابلہ ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ اقرار لغو ہے اور اس پر اثر مرتب نہیں ہوگا برابر ہے کہ مقر بہ ان تصرفات میں سے ہو جو فسخ کا احتمال رکھتے ہوں جیسے بیع اجارہ وغیرہ یا فسخ کا احتمال نہ رکھتے ہوں جیسے طلاق اور رجعت۔

حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ اقرار خبر ہے جو صدق و کذب کا احتمال رکھتی ہے۔ ہاں البتہ حالت اختیار میں اقرار صحیح ہے چونکہ انسان کی ذات پر تہمت نہیں جب کہ حالت اکراہ میں اقرار صحیح نہیں چونکہ دھمکی کی وجہ سے جانب کذب راجح ہوگی۔

❶ راجع المدخل الفقهي للاستاذ الزرقاء ٣٦٤. ❷ البدائع ١٨٢/٧ تكملة فتح القدير ٢٩٣/٧ الكتاب مع اللباب ١٠٨/٤ تبيين الحقائق ١٨٢/٥ الدر المختار و ردالمحتار ٨٩/٥ المحلى ٣٨٠/٨

حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے میری امت کو خطا، نسیان اور وہ امر جس پر انھیں مجبور کیا جائے معاف فرمادیا ہے۔ حدیث میں اکراہ میں عموم ہے لہٰذا ہر وہ تصرف جس پر انسان کو مجبور کیا جائے وہ مرفوع القلم ہوگا۔ جب کہ اقرار بھی ایک تصرف ہے، لہٰذا اس کا حکم اکراہ کے وقت مرفوع ہوگا۔ لہٰذا اقرار پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔

۲... مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ بغیر کسی حق کے مستکرہ کا قرار غیر لازم ہوگا یعنی زوال اکراہ کے بعد مکرہ کو اختیار حاصل ہوگا خواہ اقرار کو نافذ کرے یا رد کردے۔

مالکیہ کا مستدل یہ ہے کا مستکرہ کا اقرار اس کی طلاق کی مانند ہے ان دونوں تصرفات میں یہ قدر مشترک ہے کہ ہر ایک تصرف میں رضا معدوم ہوتی ہے۔ جس طرح مستکرہ کی طلاق نہیں ہوتی اسی طرح مستکرہ کا اقرار بھی معتبر نہیں۔

اگر مکرہ نے زنا یا شراب نوشی یا چوری یا قذف یا قتل کا اقرار کیا یہ اقرار لغو شمار ہوگا۔ مکرہ پر حد اور قصاص اکثر فقہاء کے نزدیک قائم نہیں کی جائے گی ان فقہاء میں مالکیہ بھی ہیں۔ چونکہ اکراہ ایک طرح کا شبہ ہے جب کہ حال یہ کہ حدود شبہات سے ٹل جاتی ہیں۔ ❶

ان تصرفات شرعیہ میں اکراہ کا اثر جن میں اختیار حاصل ہو...... ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تصرفات شرعیہ یا تو قابل فسخ ہوں گے یا قابل فسخ نہیں ہوں گے رہی بات ان تصرفات شرعیہ کی جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے اور اکراہ کی وجہ سے ان میں اختیار حاصل ہو تو ان کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

اول: شافعیہ کی رائے...... یہ ہے کہ وہ چیز جس پر مجبور کیا جارہا ہو شافعیہ اس کی تعیین کی شرط لگاتے ہیں اختیار وتخییر کے ہوتے ہوئے اکراہ نہیں ہوگا اور وہ تصرفات جن میں اختیار دیا گیا ہو اور وہ فسخ کو قبول نہ کرتے ہوں وہ نافذ العامل ہوں گے۔

دوم: جمہور ائمہ کی رائے...... یہ ہے کہ وہ تعیین مکرہ علیہ وہ چیز جس پر اکراہ کیا جارہا ہو، کی شرط نہیں لگاتے تخییر کے ساتھ اکراہ باقی رہے گا اور تصرفات شرعیہ مخیرّ فیہا جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے میں اکراہ کا اثر مرتب ہوگا جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

چنانچہ اگر کسی انسان کو مجبور کیا گیا کہ وہ بیوی مدخول بہا کو طلاق دے یا غیر مدخول بہا کو طلاق دے اور دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے تو شافعیہ کے نزدیک اکراہ معتبر نہیں ہوگا طلاق واقع ہو جائے گی چونکہ اختیار پر قرینہ پایا گیا ہے۔

بقیہ ائمہ کے نزدیک اکراہ معتبر ہوگا لیکن انھوں نے طلاق واقع ہونے میں تفصیل کی ہے یعنی اکراہ کے مرتب ہونے میں تفصیل کی ہے چنانچہ حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی چونکہ ان کے نزدیک تصرفات قولیہ جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ان میں اکراہ کا اثر نہیں ہوگا۔

مالکیہ کا قابل اعتماد مذہب یہ ہے کہ طلاق لازم نہیں ہوگی، زوال اکراہ کے بعد مستکرہ کو طلاق کی اجازت کا حق ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی چونکہ حنابلہ کے نزدیک تخییر تعیین کی مانند ہے۔

رہی بات تصرفاً شرعیہ مخیرّ فیھا کی جو فسخ کا احتمال رکھتے ہیں سو ان کے متعلق بھی فقہاء کی دو آراء میں۔

اول...... شافعیہ کی رائے ہے کہ جو اس بات کے قائل ہیں کی تخییر کے ہوتے ہوئے اکراہ نہیں ہوتا۔

دوم باقی ائمہ کی رائے جو کہتے ہیں کہ تخییر کے ہوتے ہوئے اکراہ کے مانع کوئی چیز نہیں۔

مثلاً اگر کسی شخص کو دو مملوک عمارتوں میں سے کسی ایک کے فروخت کرنے پر مجبور کیا گیا اس نے دو میں سے ایک عمارت فروخت کردی تو شافعیہ کے نزدیک بیع نافذ ہوگی چونکہ یہاں اکراہ معدوم ہے۔

---

❶ ... البدائع ۱۸۹/۷ تکملة فتح القدير ۲۶۵/۷ تبيين الحقائق ۱۸۲/۵ الدر المختار ۸۹/۵ مجمع الضمانات ۲۰۶ الشرح الكبير للدردير ۳/۹۷، المغنی ۱۹۶/۸ حاشية الباجوری ۲/۲۔

باقی ائمہ کے نزدیک اکراہ کا اثر مرتب ہوگا جیسے تعیین کی حالت میں اکراہ کا اثر مرتب ہوتا ہے بنابرایں دو عمارتوں میں سے ایک عمارت کی بیع حنابلہ اور ظاہر یہ کے نزدیک باطل ہوگی جب کہ جمہور حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد ہوگی، مالکیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع موقوف ہوگی۔ان سب کے دلائل گزر چکے ہیں۔❶

اٹھارہویں فصل......حجر (پابندی)

حجر کے بارے میں چار مباحث کے متعلق گفتگو ہوگی۔

اول......حجر کی تعریف،مشروعیت اور قانون سازی میں حجر کی حکمت۔

دوم......اسباب حجر

سوم......رفع حجر کے بیان میں

چہارم......ترکہ کے ساتھ دین کا تعلق

پہلی بحث: حجر کی تعریف،مشروعیت،حجر کی قانون سازی کی حکمت اور حجر کی دو اقسام:

اول: حجر کی تعریف: حجر کا لغوی معنی......رکاوٹ،منع تضییق یعنی تنگی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے **حجر علیه حجرا** یعنی فلاں شخص کو تصرف سے روک دیا اسی لیے حرام کو بھی حجر کہا جاتا ہے۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔**وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا** یعنی حرام ہے۔عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝ الفجر ۸۹/۵

اس میں قسم ہے عقلمند کے لیے۔

چونکہ عقل بڑے مفاسد سے انسان کو روکتی ہے اور عاقبت نااندیشی سے باز رکھتی ہے حطیم کو بھی حجر کہا جاتا ہے چونکہ حطیم کعبہ کے آگے رکاوٹ ہے۔❷

حجر کی شرعی تعریف......هو منع الانسان عن التصرف فی ماله❸ انسان کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دینے کا نام حجر ہے۔حجر کی فقہاء کے نزدیک مختلف تعریفیں ہیں جو قریب المعنی ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

حنفیہ نے حجر کی تعریف یوں کی ہے❹ **هو المنع من لزوم العقود والتصرفات القولية** یعنی معاملات اور تصرفات قولیہ کے لزوم سے رک جانا حجر ہے۔چنانچہ مجور نے کوئی عقد یا کوئی قولی تصرف کر دیا تو وہ نافذ نہیں ہوگا،اور اس پر حکم مرتب نہیں ہگا۔چنانچہ قبضہ سے مالک نہیں بنے گا۔حجر (بندش،رکاوٹ) کا تصور تصرفات قولیہ میں ہوتا ہے کہ وہ نافذ العمل نہیں ہوں گے۔جب کہ افعال میں حجر کا تصور نہیں چونکہ جب فعل کا وقوع ہو جاتا ہے تو اس کا زوال اور خاتمہ ممکن نہیں ہوتا بخلاف قول کے،چنانچہ قول کے انعقاد اور نفاذ کو شرعاً روکا جا سکتا ہے حنفیہ نے حجر کی ایک اور دقیق تعریف بھی کی ہے **الحجر عبارة عن منع مخصوص متعلق بشخص مخصوص عن تصرف مخصوص اوعن نفاذ** یعنی حجر مخصوص رکاوٹ اور بندش سے عبارت ہے جو مخصوص شخص سے متعلق ہوتی ہے اور مخصوص تصرف سے روکا جاتا ہے

❶......المراجع السابقه فی بحث الا کراه فی التصرفات القابلة للفسخ مغنی المحتاج ۳/۲۸۹ الشرح الكبير للدردير حاشيه الدسوقی علیه ۲/۳۶۷، بحث الاكراه للبرديسی القسم الثانی ۶۰۔❷ جس پر پابندی ہوا سے فقہی اصطلاح میں مجور کہا جاتا ہے۔❸ تبيين الحقائق ۵/۲۰۳ الدر المختار ورد المحتار ۵/۱۰۸۔❹ الدر المختار ۵/۹۹ تبيين الحقائق ۵/۱۹۰ اللباب ۲/۶۶

تا کہ وہ نافذ نہ ہو۔ چونکہ مجور کا عقد موقوف ہوتا ہے۔ ❶

چنانچہ چھوٹے بچے یا مجنون پر اگر حجر (بندش) لگایا جائے تو اس کا تصرف سرے سے غیر نافذ ہوتا ہے۔ گویا اس کے تصرف میں ضرر محض ہے، جیسے بیوی کو طلاق دینا بسا اوقات مجور کا تصرف اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے جیسے بیع وشراء اگر مجور سرے سے ناسمجھ اور لا یعقل ہو تو اس کا تصرف باطل ہے۔

افعال پر حجر غیر مفید ہے چنانچہ بچہ یا مجنون دوسرے کا کوئی مال اگر تلف کر دے تو وہ ضامن ہوگا اگر اس کا مال ہو تو ثمن اس کے مال سے لیا جائے گا، ادائیگی کا مطالبہ ولی (سرپرست) یا وصی سے کیا جائے چونکہ ضمان کا تعلق خطاب وضع سے ہے اور وہ تکلیف یا تمیز میں شرط نہیں ہے لیکن بچے اور مجنون پر حدود اور قصاص جاری ہیں ہوگا چونکہ ان کے فعل میں قصد صحیح نہیں ہوتا بلکہ قتل کی صورت میں ان پر دیت واجب ہوگی؛ چونکہ ان سے قتل خطا سرزد ہوسکتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک حجر کی تعریف...... **الحجر صفة حكمية توجب منع موصوفها من نفوذ تصرفه فيما زاد على قوته اوتبرعه بما زاد على ثلث ماله** یعنی حجر صفت حکمیہ (یعنی اس کا حکم شریعت سے ہے) ہے جو مجور کے نفاذ تصرف کے مانع ہے جو تصرف اس کی خوراک تبرع اور ثلث مال سے زائد ہو۔

حجر، بچے، مجنون، سفیہ (بیوقوف) اور مفلس وغیرھم کو شامل ہے چنانچہ یہ لوگ خرید وفروخت اور تبرع کے تصرف سے باز رکھے گئے ہیں اور یہ تصرف ان کی خوراک سے زائد ہو ان کا تصرف ولی کی اجازت پر موقوف ہے۔

حجر کی اس تعریف کا دوسرا حصہ مریض الموت کو بھی شامل ہے چنانچہ مرض الموت میں حجر خرید وفروخت کے مانع ہے اور تہائی مال سے زائد کے تبرع کے بھی مانع ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حجر کی تعریف...... **الحجر فانه المنع من التصرفات المالية** یعنی حجر مالی تصرفات سے روک دینے کا نام ہے یہ رکاوٹ خواہ شریعت کی طرف سے ہو جیسے بچے، مجنون اور بیوقوف کو مالی تصرف سے روک دینا، خواہ یہ رکاوٹ حاکم وقت کی طرف سے ہو جیسے خریدار کو اس کے اپنے مال میں تصرف سے روک دیا جائے یہاں تک کہ وہ فی الحال واجب ادائیگی کا سامان کرے جیسے طلاق اور اقرار کا تصرف، البتہ واجب مالی عبادت جیسے حج نافذ ہوگی لیکن مستحب مالی عبادت نافذ نہیں ہوگی، جب کہ بچے اور مجنون کا تصرف سرے سے صحیح نہیں خواہ وہ تصرف اموال، ذمہ، احوال شخصیہ جیسے نکاح اور طلاق سے ہو یا اس کے علاوہ۔

دوم: حجر کی مشروعیت کی دلیل...... قرآن کریم میں تین آیتیں ایسی ہیں جو اصولی طور پر حجر کی مشروعیت پر دلیل ہیں:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

اور ناسمجھ (یتیموں) کو اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے ہاں ان کو ان میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے مناسب انداز میں بات کرلو۔ النساء ۴/ ۵

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو منع فرمادیا ہے کہ بے وقوفوں کو ان کا مال نہ دیں چونکہ انہیں مال دینا ضائع کرنے سے مترادف ہے لہٰذا آیت میں دلیل ہے کہ بے وقوفوں کو مال دینا ممنوع ہے چنانچہ بے وقوفوں پر پابندی (حجر) کا یہی معنی ہے۔

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ ...... النساء ۴/ ۶

یتیموں کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ حد نکاح کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان کے اندر سمجھداری محسوس کرو تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دو،

❶ ردالمحتار ۵/ ۹۹.

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یتیموں کا امتحان لیتے رہو تا کہ ان کا مال محفوظ رہے مثلاً کچھ مال دے کر ان کو جانچا جاسکتا ہے کہ آیا وہ سمجھداری کے ساتھ تصرفات کرسکتے ہیں یا نہیں اگر سن بلوغ سے پہلے ان میں سمجھداری آ جائے تو اموال ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔

فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ ......البقرۃ ۲/ ۲۸۲

وہ شخص جس کے ذمہ حق ہو وہ اگر ناسمجھ ہو یا کمزور ہو یا املاء کرانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو عدل وانصاف سے اس کا ولی املاء کرائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سفیہ کی تفسیر مبذر یعنی فضول خرچ سے کی ہے اور ضعیف کی تفسیر بچے سے کی ہے کبیر کی مختل یعنی مبہوت الحواس سے اور جو املاء کی استطاعت نہیں رکھتا اس سے مراد مغلوب العقل ہے، اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی کہ ان لوگوں کے اولیاء ان کے نائبین ہیں لہٰذا ان لوگوں پر حجر اور پابندی کی دلیل ہوئی، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر حجر لگا دیا تھا اور ان پر موجود قرضہ کے چکانے کے لئے ان کا مال فروخت کر دیا تھا[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فضول خرچی کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما پر پابندی لگادی تھی۔[2]

حجر کی قانون سازی کی حکمت...... حجر اور پابندی میں انسان کی ذلت نہیں بلکہ یہ تو انسان کے لئے رحمت، مصلحت، حفاظت اور ایک تعاون ہے بلکہ محجور علیہ کے لیے حجر تو سراسر رحمت ہے چونکہ جب اس کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں انھیں پورا کرنے کے لئے اسے پوری طرح مال دستیاب ہوتا ہے لہٰذا حجر میں تو زندگی درماندگی کا شکار نہیں ہوگی اور نہ ہی محجور کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے، اس کی مشقت بڑھتی ہیں بلکہ اس کی معاشی حالت بہتری کی راہ پر گامزن ہوجاتی ہے۔ جس سے اس کی حالت بہتر ہونے کی توقع ہے۔ حجر تو مال کو اللے تللوں میں خرچ کرنے سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے لایعنی اور غیر ضروری امور میں مال کو بہانے سے بچانے کا ذریعہ ہے۔

حجر میں فرد اور معاشرہ کی مصلحت اور دفع ضرر کا باعث ہے چونکہ اثنائے حجر میں محجور کو مختلف تجربات اور مشقوں سے گزرنا پڑتا ہے، تجارتی معاملات اس کے سامنے ہوتے ہیں جن سے وہ عبرت حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ معاشرے پر بوجھ نہیں بنتا، حجر تو یتیم کی رشد وہدایت کے لئے مددومعاون ہے تا کہ وہ کل سفینۂ حیات کو دریا کہ بہاؤ سے بچا کر ساحل پر لاسکے، نیز دوران حجر اس کا مال پھلتا پھولتا رہتا ہے اور نہایت ضروری امور میں اس میں سے خرچ کیا جاتا ہے جب کہ وہ امور جو غیر ضروری ہوں ان میں خرچ ہونے سے اس کا مال بچا رہتا ہے۔

چنانچہ محجور علیہ اگر چھوٹا بچہ ہو یا مجنون ہو یا معتوہ (ناسمجھ) ہو تو وہ مال کو خرچ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اور نہ ہی اس کی صحیح رضامندی مقصود ہو سکتی ہے قصد واختیار بھی معلوم نہیں ہوسکتا، لہٰذا ایسے شخص کے تصرفات پر پابندی ہوگی تا کہ اس کا مال محفوظ رہے۔

اور اگر محجور علیہ مغفل ہو تو وہ نفع بخش تصرفات تک رسائی نہیں حاصل کرسکتا بلکہ وہ خرید وفروخت میں دھوکا ہی کھاتا رہے گا اور اگر محجور علیہ مدیون ہو تو قرض خواہوں کے حقوق کی رعایت لابدی ہے تا کہ ان کا نقصان نہ ہو اور قرض دہندگی کی بری خبر لوگوں میں نہ پھیلے ورنہ لوگ قرضہ حسنہ دینے سے باز رہیں گے جو ایک برائی ہے۔

اسی لیے حجر مشروع ہے تا کہ محجور علیہ کی مصلحت کا خیال رکھا جاسکے اور مال، اسراف اور فضول خرچی سے محفوظ رہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ......الاسراء ۱۷/ ۲۷

فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہوتے ہیں۔

---

[1] رواه الدارقطني والبيهقي والحاكم وصححه عن كعب بن مالک (نيل الاوطار ۵/ ۲۴۴) [2] رواه الشافعي في مسنده عن عروة بن الزبير (نيل الاوطار ۵/ ۲۴۵)

اللہ تعالیٰ نے یتیموں اور مسکینوں کے اولیاء (سرپرستوں) کو حکم دیا ہے کہ عدل وانصاف کے ساتھ ان کے معاملات انجام دیں چونکہ بسا اوقات ایک شخص اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ کر مر جاتا ہے جو اس کے بعد دوسروں کی معاونت کی محتاج ہوتی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ النساء ۴/ ۹۔۱۰

اور وہ لوگ یتیموں کے مال میں خرد برد کرنے سے ڈریں جو اگر اپنے پیچھے کمزور بچے چھوڑ کر جائیں تو ان کی طرف سے فکر مند رہیں۔

لہٰذا وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی سیدھی بات کہا کریں یقین رکھ کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا۔

امام احمد نسائی اور ابوداؤد وغیرھم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ......الاسراء ۱۷/ ۳۴

یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ ہاں البتہ اچھے طریقہ سے۔

تو لوگ یتیموں کے اموال سے بالکلیہ الگ ہو گئے یہاں تک کہ یتیموں کا بچا ہوا کھانا خراب ہو جاتا اور گوشت بدبودار ہو جاتا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ......البقرہ ۲/ ۲۲۰

اگر تم یتیموں کے ساتھ رل مل جاؤ تو وہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ فسادی اور راستباز میں امتیاز رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یتیموں کو ان کے اموال سونپنے سے پہلے ان کے امتحان کو واجب قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ......النساء ۴/ ۶

یتیموں کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں اور تم ان میں سمجھداری محسوس کرو تو انھیں ان کے اموال دے دو۔

قرآن کریم نے بے وقوف کو اسی کا مال دینے سے منع فرمایا ہے تاکہ اس کی مصلحت رہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ ......النساء ۴/ ۵

بے وقوفوں کو ان کے اموال مت دو۔

مدیون پر حجر سنت سے ثابت ہے تاکہ دائنین کا نقصان نہ ہو چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک فضول خرچ پر پابندی لگا دی تھی تاکہ اس کا مال ضائع ہونے سے محفوظ رہے دار قطنی نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر حجر لگا دیا تھا اور ان کا مال ادائے قرض کے لئے فروخت کر دیا تھا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں عروہ بن زبیر سے روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن جعفر پر فضول خرچی کی وجہ سے پابندی لگا دی تھی۔

چہارم: مصلحت کے پیش نظر حجر کی تقسیم......مصلحت مقصودہ کے اعتبار سے حجر کی دو اقسام ہیں۔ ❶

اول: محجور علیہ کی مصلحت کے پیش نظر حجر......جیسے مجنون، بچے، سفیہ (بے وقوف) اور فضول خرچ پر حجر چنانچہ ان پر پابندی ان پر ظلم نہیں بلکہ شریعت نے ان کی ذاتی مصلحت کو پیش نظر رکھا ہے۔

دوم: غیر کی مصلحت کے پیش نظر حجر......جیسے دیوالیہ شخص پر حجر تاکہ قرض خواہوں کا حق محفوظ رہے، مریض الموت کا حجر تاکہ اس

---

❶......مغنی المحتاج ۲/ ۱۶۵، کشاف القناع ۳/ ۴۰۴۔

کے ورثہ کا حق محفوظ رہے، راہن کا حجر تا کہ مرہونہ چیز میں مرتہن کا حق محفوظ رہے، اس قسم میں محجور علیہ کے علاوہ کسی اور شخص کی مصلحت کے لئے حجر مشروع ہوا ہے۔

دوسری بحث: اسباب حجر...... حجر کے بہت سارے اسباب ہیں منجملہ ان میں سے کچھ متفق علیہ ہیں جیسے صغر (بچپن) جنون، بے وقوفی، فقدان اہلیت۔ کچھ اسباب مختلف فیہ ہیں جیسے سفاہیت، غفلت، دین، اختلاف کا سبب قصور اہلیت کی وجہ سے نہیں بلکہ ان محجورین اور دوسرے لوگوں سے ضرر کا دفعیہ مقصود ہے رق یعنی لامی کی وجہ سے حجر متفق علیہ ہے چنانچہ محجور غلام دوسرے کے مال میں تصرف نہیں کرسکتا ہاں البتہ مالک اگر اجازت دے تو تصرف کرسکتا ہے چونکہ غلام ملکیت کی اہلیت نہیں رکھتا۔

سبب مختلف ہونے کی وجہ سے تصرفات میں حجر کے اثرات بھی مختلف ہوجاتے ہیں اختلاف درج ذیل مقاصد میں ظاہر ہوتا ہے۔

پہلا مقصد: چھوٹے بچے کے تصرفات میں حجر کا اثر...... صغر یعنی بچپن ایسا عارض ہے جس سے ہر انسان کو گزرنا پڑتا ہے، بچپن کی ابتداء ولادت سے ہوتی ہے اور انتہاء سن بلوغت پر ہوتی ہے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ وہ ایتام جو حد بلوغت کو نہ پہنچے ہوں ان پر حجر (پابندی) لگانا واجب ہے [1] اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ...... النساء ۴/۶

عقلی وجہ یہ ہے کہ یتیم بچوں میں تصرف کی اہلیت معدوم ہوتی ہے چونکہ ان میں قوت ادراک معدوم ہوتی ہے چنانچہ فقہا نے بچے کے تصرفات کے حکم میں اختلاف کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اول: بچے کے تصرفات کے حکم یا بچے کے حجر کے اثرات کے متعلق فقہاء کی آراء...... بچے پر لگائے گئے حجر کے متعلق فقہاء کے مختلف مذاہب ہیں۔ چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ نے ممیز بچے (وہ بچہ جو نفع نقصان میں امتیاز کرسکتا ہے اور غیر ممیز بچے کے فرق کو ضروری سمجھا ہے جب کہ شافعیہ اور حنابلہ نے اس فرق کو ضروری نہیں سمجھا۔

حنیفہ اور مالکیہ...... کہتے ہیں [2] بچہ یا تو ممیّز ہوگا یا غیر ممیّز۔ غیر ممیّز بچہ وہ ہوتا ہے جس کی عمر کے سات سال مکمل نہ ہوئے ہوں اور ممیّز وہ بچہ ہے جس کی عمر کے سات سال مکمل ہو چکے ہوں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب ان کی عمر سات سال ہوجائے۔ [3]

تصرفات یا تو قولی ہوں گے یا فعلی

تصرفات فعلیہ...... جیسے غصب اور اتلاف ان تصرفات پر بچے یا مجنون کے حجر کا کوئی اثر نہیں ہوگا لہٰذا بچے اور مجنون نے جو چیز تلف کردی ان پر اس کا تاوان ہوگا جب کہ افعال پر حجر نہیں ہوتا حجر تو اقوال پر ہوتا ہے۔ [4]

تصرفات قولیہ...... اگر غیر ممیّز سے صادر ہوں تو اس کے جملہ تصرفات باطل ہوں گے چونکہ غیر ممیّز میں تصرف کی اہلیت مفقود ہوتی ہے اس میں عقل اور تمیز نہیں ہوتی لہٰذا غیر ممیّز کی رضا اور قصد معتبر نہیں برابر ہے کہ تصرف اس کے نفع میں ہو یا اس کے نقصان میں یا ضرر و نفع کے بین بین ہو غیر ممیّز کا عقد، اقرار اور طلاق صحیح نہیں جیسے مجنون کے یہ تصرفات صحیح نہیں۔

---

[1]...... بدایۃ المجتہد ۲/۷۵۔ [2] الدر المختار ۵/۱۰۱ تبیین الحقائق ۵/۱۹۱ تکملۃ الفتح ۷/۳۱۰ البدائع ۷/۱۷۱ اللباب ۲/۶۷ الشرح الکبیر ۳/۲۹۴ الشرح الصغیر ۳/۳۸۴ القوانین الفقہیۃ ۳۲ بدایۃ المجتہد ۲/۲۷۸۔ [3] رواہ احمد وابوداؤد والحاکم عن عبداللہ بن عمرو۔ [4] چونکہ اقوال کا نفاذ ہوجاتا ہے جب کہ اقوال کا رد ہوسکتا ہے۔ (الہدایۃ مع تکملۃ الفتح ۷/۳۱۱)

اگر تصرفات ممیز سے صادر ہوں تو اس کی تین اقسام ہیں:

الف..... وہ تصرف جس میں ممیّز (نفع ونقصان میں امتیاز کر لینے والا بچہ) کا نفع ہی نفع ہو جیسے ہبہ یا وصیت قبول کرنا، یہ تصرف ولی یا وصی کی اجازت کے بغیر بھی نافذ ہو جائے گا چونکہ اس میں نفع ہے نقصان نہیں۔

ب..... وہ تصرف جس میں نقصان محض ہو۔ جیسے ممیّز اپنے مال میں سے تبرع کر دے یا کسی کو قرضہ دے دے یا کوئی چیز عاریۃً دے دے یا بیوی کو طلاق دے دے اس کا یہ تصرف باطل ہوگا اور ولی کی اجازت سے صحیح نہیں ہوگا چونکہ اجازت باطل کو لاحق نہیں ہوتی حنفیہ کے مرتب کردہ فقہی قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر بچے اور معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی اس قاعدہ کی تائید میں حنفیہ ایک حدیث بھی روایت کرتے ہیں جو صحیح نہیں۔ ❶

ج..... وہ تصرف جو نفع ونقصان میں بین بین ہو جیسے خرید وفروخت اجارہ، استیجارہ، نکاح۔ چنانچہ یہ تصرف ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا بشرطیکہ ممیّز خرید وفروخت کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو کہ بیع کی صورت میں چیز سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں اور خریداری کی صورت میں چیز ملکیت میں آتی ہے نیز بچہ ہنسی مذاق نہ کر رہا ہو چونکہ تصرف نقصان کا بھی احتمال رکھتا ہے اگر ولی نے اجازت دے دی اگر ولی نے اجازت نہ دی تصرف باطل ہو جائے گا ولی ایسے تصرف کی اجازت نہیں دے سکتا جس میں غبن فاحش ہو اور ولی کو اختیار بھی حاصل ہوگا اگر تصرف میں بہتری سمجھے تو اجازت دے دے چاہے فسخ۔

۲: شافعیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں بچے کے مالی تصرفات باطل ہیں خواہ بچہ ممیّز ہو یا غیر ممیّز البتہ شافعیہ کہتے ہیں ممیّز کے تصرفات صحیح نہیں اگر چہ اس کا ولی اجازت بھی دیدے ممیّز بچے کی اجازت ہدیہ پہنچانے میں اور احرام باندھنے میں معتبر ہے اس کی عبادت بھی صحیح ہے ممیّز برائی کو مٹا سکتا ہے اس پر اسے بالغ جیسا ثواب ملے گا جیسے اس کا اسلام معتبر ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صغرسنی میں اسلام قبول کیا تھا۔

حنابلہ کہتے ہیں..... ممیّز کا تصرف ولی کی اجازت سے صحیح ہو جاتا ہے جس تصرف کی اسے اجازت دی گئی ہو اس میں حجر اٹھا لیا جائے گا اور جن تصرفات میں اسے اجازت دی گئی ہو ان میں اس کا اقرار بھی صحیح ہے۔

دو مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ بچہ اگر مال یا جان کو ہلاک کر دے تو اس پر ضمان ہوگا یہ دو مذاہب حنفیہ اور مالکیہ کے ہیں۔

خلاصہ..... حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بچے اور مجنون کے معاملات نافذ نہیں ہوں گے نہ ہی ان کا اقرار نافذ ہوگا شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اقرار صحیح نہیں۔

دوم: بچے کو اس کا مال سپرد نہ کرنا..... علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بچے کو اس کے اموال سپرد نہیں کیے جائیں گے یہاں تک کہ اس میں سمجھداری پیدا ہو جائے ❷ چونکہ اللہ تعالیٰ نے بچے کو مال سپرد کرنے کی دو شرطیں مقرر کی ہیں (۱) بلوغ (۲) سمجھداری۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۚ ......النساء ۴/۶

یتیموں کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ جب تم ان میں سمجھداری محسوس کر دو تو انہیں ان کے اموال سپرد کر دو۔

چنانچہ حکم دو شرطوں پر معلق ہے جو ان کے بغیر ثابت نہیں ہوگا۔

چنانچہ بچہ یا تو سمجھداری کے ساتھ بالغ ہوگا یا بغیر سمجھداری کے۔

---

❶ .....نصب الرایۃ ۴/۱۶۱۔ ❷ المغنی ۴/۴۵۷ المھذب ۱/۳۳۰ البدائع ۷/۱۷۰ بدایۃ المجتھد ۲/۲۷۷

ا۔ اگر سمجھداری کے ساتھ بالغ ہو...... یعنی مال کو راست بازی کے ساتھ استعمال کرنے کی صلاحیت اس میں موجود ہو تو اسے مال دے دیا جائے گا اور حجر کو ہٹا دیا جائے گا❶ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ ......(النساء ۴/ ۶)

سنن ابی دواؤد میں ہے یتیمی بلوغ کے بعد نہیں ہوتی جب یتیم یا بچے کو مال دیا جائے تو اس پر گواہ بنا لیے جائیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ ......النساء ۴/ ۶

جب تم بچوں کو ان کے اموال سپرد کرو تو ان پر گواہ بنا لو۔

کیا حجر ختم کرنے کے لئے قاضی کے حکم کی ضرورت ہے۔

جمہور کہتے ہیں...... بچے کا حجر حاکم کے حکم کے بغیر بھی اٹھایا جا سکتا ہے بشرطیکہ بچہ بالغ ہو چکا ہو چونکہ بچے پر حجر حاکم کے فیصلہ کے بغیر عائد کیا گیا تھا۔

لہٰذا حجر قاضی کے حکم کے بغیر بھی ختم کیا جا سکتا ہے جیسے مجنون پر پابندی اٹھائی جا سکتی ہے شافعیہ کے نزدیک ایک اور سبب بھی ہے وہ یہ کہ بچہ دیکھ بھال کا محتاج ہوتا ہے اور امتحان لینے کے محتاج ہوتا ہے جیسے بے وقوف سے حجر کو اٹھانا جب کہ جمہور کی رائے راجح ہے چونکہ اس میں آسانی ہے۔❷

مالکیہ...... کہتے ہیں بچہ یا تو لڑکا ہوگا یا لڑکی۔ اگر لڑکا ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:

اول...... یہ کہ اس کا باپ زندہ ہوگا، اس صورت میں بلوغ کے ہوتے ہی بغیر قاضی کے حکم کے حجر اٹھ جائے گا الّا یہ کہ بچے میں سفاہت کے اثرات نمایاں ہوں یا اس کا باپ خود ہی حجر لگائے رکھے۔

دوم...... یہ کہ بچے کا باپ وفات پا گیا ہو اور بچے کا نگران وصی ہو اس صورت میں بچہ حجر سے نہیں نکلے گا ہاں البتہ اس میں سمجھداری ہو تب۔ اگر باپ نے وصی قائم کر رکھا ہو تو اسے اختیار حاصل ہوگا کہ وہ قاضی کی اجازت کے بغیر بھی اس کی ترشید (معنی آ رہا ہے) کا حکم لگا سکتا ہے چونکہ بچے پر حجر اصالۃ ثابت ہوا ہے لہٰذا معاملہ قاضی کے پاس لے جانا ضروری نہیں اگر وصی قاضی کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو تو وصی بچے کی ترشید کا فیصلہ قاضی کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتا جیسا کہ ابن جزی نے تذکرہ کیا ہے۔ البتہ دردیر نے جو لکھا ہے وہ راجح ہے وہ یہ کہ باپ کا وصی ہو یا قاضی کا وصی تو ترشید قاضی کے حکم کی محتاج نہیں۔ ترشید کا معنی یہ ہے کہ وصی عادل لوگوں کے سامنے کہے: تم گواہ رہو کہ میں نے فلاں سے حجر اٹھا لیا اور اس کے تصرف کو بحال کر دیا چونکہ میرے نزدیک اس بچے میں سمجھداری آ چکی ہے اور اس کے تصرف میں بہتری آ گئی ہے۔

سوم...... بچہ اس حالت میں بالغ ہوا کہ نہ اس کا باپ ہو اور نہ وصی ایسے بچے کو اصطلاح میں مہمل کہا جاتا ہے ایسے بچے کو رشد پر محمول کیا جائے گا الّا یہ کہ اس کی سفاہت واضح ہو جائے۔

خلاصہ...... جس بچے کا باپ زندہ ہو یا وصی مختار موجود ہو تو اس کا حجر فرمان حاکم کا محتاج نہیں البتہ وہ بچہ جس کا باپ زندہ ہو وہ ترشید کا محتاج نہیں جب کہ وصی والا بچہ ترشید کا محتاج ہے اگر وصی معین نہ جسے قاضی نے مقرر کیا ہو تو ابن جزی کی رائے کے مطابق قاضی کے حکم کا محتاج ہوگا ابن دردیر کی تحقیق کے مطابق حکم قاضی کا محتاج نہیں۔

---

❶ ...... المہذب ۱/ ۳۳۱ مغنی المحتاج ۲/ ۱۶۶ المغنی ۴/ ۴۵۷ البدائع ۵/ ۱۵۴ تبیین الحقائق ۵/ ۱۹۵ بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۷۷۔

❷ المرجع السابق، الشرح الکبیر والدسوقی ۳/ ۲۹۶ الشرح الصغیر ۳/ ۳۸۳ بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۷۷ القوانین الفقہیۃ ۳۲۱۔

اگر لڑکی ہو...... اگر لڑکی کا باپ زندہ ہو اور اگر باپ نے ترشید نہ کی ہو تو حجر چار امور کی وجہ سے اٹھایا جائے گا۔ بلوغ سے، حسن تصرف سے عدول کی گواہی سے اور خاوند کے ہمبستری کر لینے سے۔ باپ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ رخصتی سے پہلے لڑکی کی ترشید کر سکتا ہے مثلاً یوں کہے: میں نے تمہیں سمجھدار پایا ہے اس لیے میں نے تم سے پابندی اٹھالی یوں حجر اٹھ جائے گا اور لڑکی کے تصرفات نافذ ہو جائیں گے اگر چہ عدول اس کی صلاحیت حال کی گواہی نہ دیں۔

اگر لڑکی کا وصی ہو خواہ مختار وصی ہو یا قاضی کا مقرر کردہ تو اس صورت میں پانچ امور کے ساتھ حجر اٹھایا جائے گا۔ بلوغ حسن تصرف، گواہوں کی گواہی، رخصتی اور ترشید سے وصی حجر اٹھالے۔ حجر اٹھانے کے لئے قاضی کے فیصلے کی ضرورت نہیں بنا بر ایں مالکیہ کا مذہب جمہور کے مذہب کے قریب قریب ہے چونکہ بچے سے حجر کو اٹھانا قضائے قاضی کے محتاج نہیں الا یہ کہ بچہ قاضی کی ولایت تلے ہو اس صورت میں قاضی کی ترشید کی ضرورت ہے جیسے وصی والد بچہ وصی کی ترشید کا محتاج ہے۔

خلاصہ...... بچے سے حجر دو چیزوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا یہ شافعیہ کے علاوہ جمہور کا مذہب ہے (۱) ولی تجارت کی اجازت دے (۲) بچہ سمجھداری کے ساتھ بالغ ہو جب کہ شافعیہ کے نزدیک صرف ایک چیز سے حجر اٹھایا جائے گا اور وہ بلوغ ہے۔

ب...... اگر بچہ ناسمجھی کی حالت میں بالغ ہو: اس صورت میں مال بچے کو سپرد نہیں کیا جائے گا بلکہ سفاہت (ناسمجھی اور بیوقوفی) کی وجہ سے اس پر حجر رہے گا۔ اس پر جملہ مذاہب کا اتفاق ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ......النساء ۴/۶

یتیموں کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ حد نکاح کو پہنچ جائیں پھر اگر تمہیں ان میں سمجھداری محسوس ہو تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...... فرماتے ہیں ❶ وہ لڑکا جو ناسمجھی کے ساتھ بالغ ہو جائے اس پر حسب سابق حجر جاری رہے گا تاوقتیکہ پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے پھر اسے مال سپرد کیا جائے گا پچیس سال کا ہونے پر اگر چہ اس میں سمجھداری نہ آئے تب بھی مال اسے دے دیا جائے گا چونکہ اتنی عمر گزرنے کے بعد اس پر حجر کا باقی رکھنا انسانیت کی تذلیل ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ......الاسراء ۱۷/۳۴

یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ ہاں البتہ اچھے طریقہ سے یہاں تک کہ یتیم (عمر کی) پختگی کو پہنچ جائے۔

چنانچہ ۲۵ سال کی عمر کو جو لڑکا پہنچ جاتا ہے وہ عمر کی پختگی کو پالیتا ہے بلکہ اس عمر میں تو دادا بھی بن جاتا ہے نیز مال سے اسے تادیباً روکا گیا تھا اس کے بعد غالب احوال میں تادیب نہیں ہوئی لہٰذا مال نہ دینے میں کوئی فائدہ نہیں لہٰذا اسے مال دے دینا لازمی ہے۔

صاحبین اور باقی ائمہ...... کہتے ہیں ❷ اگر لڑکا بلوغت کے بعد بھی ناسمجھ رہا تو مال اسے نہیں دیا جائے گا اس پر پابندی برقرار رہے گی یہاں تک کہ اس میں سمجھداری آجائے اگر چہ آٹھ سال کی عمر کو کیوں نہ پہنچ جائے ان کی دلیل سابقہ آیت ہے:

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ ......(النساء ۴/۶)

اللہ تعالیٰ نے مال سپرد کرنے کی دو شرطیں رکھی ہیں بلوغت اور سمجھداری جو حکم دو شرطوں پر معلق ہو وہ ان کے بغیر نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ ......النساء ۴/۵

---

❶ ....البدائع ۷/۱۷۱ تکملۃ فتح القدیر ۷/۳۱۶ تبیین الحقائق ۵/۱۹۵ اللباب ۲/۶۹۔ ❷ بدایۃ المجتہد ۲/۲۷۷ القوانین الفقہیۃ ۳۲۱ الشرح الکبیر ۲/۲۹۸ المہذب ۱/۳۳۱ مغنی المحتاج ۲/۱۶۶ المغنی ۴/۴۵۷ کشاف القناع ۳/۴۴۰

بے وقوفوں کو اموال مت دو۔

سوم بلوغ...... بلوغ یا تو طبعی علامات سے ثابت ہوتا ہے یا عمر سے۔طبعی علامتوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں ❶ لڑکے کا بلوغ احتلام سے ثابت ہوتا ہے یا انزال منی سے یا کسی عورت کو حاملہ کر دینے سے۔احتلام سے مراد نیند یا بیداری میں منی کا نکل جانا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا ......النور ۲۴/ ۵۹

جب بچے حلم (بلوغت/ احتلام) کو پہنچ جائیں تو انھیں بھی اجازت حاصل کرنی چاہیے۔

حدیث میں ہے:

رفع القلم عن ثلاثة منها عن الصبی حتی یحتلم

یعنی تین اشخاص مرفوع القلم ہیں ان میں سے ایک بچہ بھی ہے یہاں تک کہ حد احتلام (بلوغ) کو پہنچ جائے۔

ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سن کر یاد کی ہے کہ اختلام (بلوغت) کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔

جب بلوغ احتلام سے متحقق ہو جاتا ہے تو انزال سے بطریق اولی متحقق ہوگا۔ چونکہ احتلام نزول ماء کا عادۃ سبب ہوتا ہے۔اسی طرح عورت کو حاملہ کرنا بھی انزال کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔

لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت حیض ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے اللہ تعالیٰ کسی حائضہ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں فرمائے (**رواہ الخمسة الا النسائی**) یا عورت حاملہ ہو جائے۔

چنانچہ حمل بھی بلوغ کی علامت ہے چونکہ حمل عورت کے انزال کی دلیل ہے لہٰذا جس وقت عورت حاملہ ہوئی اس وقت سے اس کے بالغ ہونے کا حکم لگایا جائے گا لڑکے کے بالغ ہونے کی کم از کم عمر ۱۲ (بارہ) سال ہے اور لڑکی کے بالغہ ہونے کی کم از کم عمر ۹ (نو) سال ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہی مختار ہے۔

اگر طبعی علامات سے بلوغ ثابت نہ ہوا تو عمر سے بلوغ کی تعین کی جائے گی چنانچہ لڑکا یا لڑکی اگر پندرہ سال کی عمر کو پہنچ گئے تو مفتی بہ قول کے مطابق سن بلوغ کو پہنچ گئے یہ مراہقت کی عمر ہوتی ہے یعنی اس میں اگر لڑکا یا لڑکی بالغ نہ بھی ہوں تو کم از کم بلوغت کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ......فرماتے ہیں: لڑکا اسوقت بالغ ہو جاتا ہے جب اس کی عمر کے اٹھارہ (۱۸) سال پورے ہو جائیں اور لڑکی کے سترہ (۱۷) سال پورے ہو جائیں۔ چونکہ وہ عمر جس میں بلوغ اور احتلام سے مایوسی ہوتی ہے اور شریعت نے اس پر حکم کو معلق کیا ہے وہ یہی عمر ہے۔

مالکیہ کا مذہب...... ❷ بلوغ کی علامتیں سات ہیں جو دو جنسوں کے درمیان مشترک ہیں اور دو علامتیں عورت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ چنانچہ حیض اور حمل عورت کا ساتھ مخصوص ہے انزال منی مطلقاً خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں، زیر ناف کھردرے بال، بالوں کی روئیں، بغلوں کی بو، ناک کے بانسہ کی پختگی اور گمبھیر آواز۔ یہ علامتیں لڑکے اور لڑکی میں مشترک ہیں اور اگر یہ علامتیں ظاہر ہو جائیں تو بلوغ ثابت ہو جائے گا۔ زیر ناف بال اگنے کی دلیل ترمذی کی حدیث ہے جسے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بوڑھے مشرکین کو قتل کر دو اور وہ لڑکے جن کے زیر ناف بال نہیں اگے انھیں زندہ رکھو اگر بلوغ کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو بلوغ ۱۸

❶......البدائع ۷/ ۱۷۱۔ الدر المختار ۵/ ۱۰۷ تبیین الحقائق ۵/ ۲۰۳ تکملة الفتح ۷/ ۳۲۳۔ ❷ الشرح الکبیر ۳/ ۲۹۳

سال کی عمر مکمل ہونے سے ثابت ہو جائے گا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لڑکی کے ساتھ ہمبستری کرنے سے بلوغ ثابت ہو جائے گا۔

شافعیہ کا مذہب...... ❶ بلوغ یا تو پندرہ قمری سال پورے ہونے سے ثابت ہوتا ہے یا احتلام سے بوقت امکان منی نکلنے سے۔ وقت امکان نو سال کا مکمل ہونا ہے۔ بلوغ زیر ناف کھردرے بال اگنے سے بھی ثابت ہوتا ہے جب کہ بغلوں کے بال اور داڑھی بلوغ کی دلیل نہیں چونکہ پندرہ سال سے کم عمر میں ان کا ہونا نادر ہے۔ عورت کے لیے مزید دو علامتیں اور ہیں۔ حیض اور حمل۔

خلاصہ......شافعیہ کے نزدیک بلوغ پانچ چیزوں سے ثابت ہوتا ہے۔ تین چیزوں میں مرد عورت دونوں مشترک ہیں وہ یہ ہیں: انزال، بالوں کا اگنا اور عمر، دو علامتیں عورت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ حیض اور حمل۔

پندرہ سال کی تحدید پر شافعیہ کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ میں غزوہ احد کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت میری عمر چودہ (۱۴) سال تھی تاہم آپ نے مجھے اجازت مرحمت نہیں فرمائی، نیز آپ نے مجھے بالغ نہیں سمجھا۔ پھر غزوہ خندق کے موقع پر مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی اور مجھے بالغ سمجھا۔ ❷

حنابلہ کا مذہب بھی شافعیہ کے مذہب جیسا ہے۔ ❸

چہارم: رشد (سمجھداری)......جمہور فقہاء یعنی حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک رشد سے مراد صلاح مال ❹ ہے اگرچہ مکلف فاسق ہی کیوں نہ ہو یعنی مال پیدا اور بڑھانے اور خرچ کرنے کی مہارت اور تجربہ رکھتا ہو اسے حفاظت سے رکھ سکتا ہو اور اس کے اصلاح حال کی سوجھ بوجھ رکھتا ہو۔ پھر اچھی طرح سے اسے خرچ کر سکتا ہو نفع اور نقصان میں تمیز کر سکتا ہو۔ مصلحت کے علاوہ مال خرچ نہ کرتا ہو، فضول خرچی میں مال ضائع نہ کرتا ہو۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ ...... النساء ۴/ ۶

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یعنی اموال میں وہ راستبازی سے کام لیتے ہو سو جو شخص مصلحت میں مال خرچ کرتا ہو اس میں رشد پایا جائے گا چنانچہ ناسمجھ پر حجر اسی لیے لگایا جاتا ہے تاکہ اس کا مال محفوظ رہے۔

شافعیہ......کہتے ہیں ❺ رشد اور سمجھداری سے مراد صلاح دین اور صلاح مال (یعنی مال اور دین کی درستی) ہے دین کی درستی یہ ہے کہ معاصی کا ارتکاب نہ ہو جس سے عدالت ساقط ہو جائے اور مال کی درستی یہ ہے کہ مال کی حفاظت کرتا ہو اور فضول خرچی سے گریز کرتا ہو ایسا حرام کام نہ کرتا ہو جس سے عدالت مجروح ہو جائے اس کی معصیت طاعت پر غالب نہ ہو تبذیر سے گریز کرتا ہے اور غبن فاحش سے دور ہو حرام کاموں میں مال خرچ نہ کرتا ہو، اگر بچہ غیر رشید (ناسمجھ) بالغ ہو جائے دین اور مال کی درستی نہ رکھتا ہو تو اس کا حجر بدستور رہے گا لہذا اب بھی اس کے مال میں وہی تصرف کرے گا جو شخص بلوغ سے قبل تصرف کرتا رہا۔

شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ صدقات وخیرات کھانے پینے اور پہننے میں جو مال خرچ کرے وہ تبذیر کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

ولی دین اور مال کے معاملہ میں بچے کی رشد اور سمجھداری کا امتحان لیتا رہے۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى ...... النساء ۴/ ۶

---

❶ مغنی المحتاج ۲/ ۱۶۶ المہذب ۱/ ۳۳۰۔ ❷ رواہ ابن حبان واصلہ فی الصحیحین وقد رواہ الجماعۃ۔ ❸ المغنی ۴/ ۵۰۹ کشاف القناع ۳/ ۴۴۳۔ ❹ البدائع ۷/ ۱۷۰ الدر المختار ۵/ ۱۰۵ بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۷۸ المغنی ۴/ ۴۶۷ کشاف القناع ۳/ ۴۴۳۔ ❺ مغنی المحتاج ۲/ ۱۶۹ المہذب ۱/ ۳۳۱۔

یتیموں کا امتحان لیتے رہو۔

دین میں امتحان کا طریقہ یہ ہے کہ عبادات میں اس کی حالت کا مشاہدہ کیا جائے اور ممنوعات سے اس کے اجتناب کو دیکھا جائے نیز آیا کہ شبہات سے بچتا ہے یا نہیں اہل خیر کے ساتھ مل بیٹھتا ہے یا نہیں۔

مال میں اس کا امتحان اسی طرح حسب حال لیا جائے چنانچہ تاجر کے بیٹے سے خرید وفروخت اور تجربہ کے متعلق پوچھا جائے نیز خریدار نے جو چیز طلب کی ہے اس پر زائد مال کے متعلق پوچھا جائے، کسان کے بیٹے سے زراعت کے متعلق سوال کرے کاشتکاروں پر خرچ کرنے کے متعلق پوچھے پیشہ ور سے اس کے پیشہ اور صنعت کے متعلق سوال کرے اسی طرح عورت سے سوت کاتنے اور روئی کی حفاظت کے متعلق سوال کرے وغیر ذالک۔

دو یا دو سے زائد بار امتحان لینا شرط قرار دیا گیا ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ بلوغ کے بعد امتحان لیا جائے۔

پنجم: محجور علیہ کا ولی......ولی: شرعی سرپرستی کا مالک ہوتا ہے جو سرپرستی کے تحت دوسرے کے مال میں تصرف کرتا ہے اور اس کا تصرف کسی کی اجازت پر موقوف نہیں ہوتا۔ ائمہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ محجور علیہ بچے کا ولی باپ ہوگا اگر باپ زندہ ہو۔ باپ کے علاوہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

حنفیہ......کہتے ہیں ❶ وہ ولی جس کو محجور علیہ کے مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہو وہ بچے کا باپ ہے، پھر اس کے مرنے کے بعد وصی پھر وصی کا وصی۔ پھر بچے کا دادا پھر دادے کا وصی پھر وصی کا وصی، پھر والی پھر قاضی یا قاضی کا وصی، یہ ترتیب شفقت پر مبنی ہے، چنانچہ باپ کی شفقت بقیہ سب لوگوں کی شفقت سے اوپر ہوتی ہے باپ کے وصی کی شفقت دادا کی شفقت سے اوپر ہوتی ہے چونکہ وصی باپ کا مقرر کردہ اور اس کا پسندیدہ شخص ہوتا ہے دادا کی شفقت قاضی کی شفقت سے اوپر ہوتی ہے۔

مذکور بالا کے علاوہ بقیہ عصبات مثلاً بھائی چچا وغیرہم محجور علیہ کے مال پر نگرانی کا حق نہیں رکھتے اور نہ ہی نابالغ کے لئے تجارت کی اجازت رکھتے ہیں۔ اولیاء کی یہ ترتیب مال کے متعلق ہے، جب کہ نکاح کے معاملہ میں اولیاء کی ایک اور ترتیب ہے۔

مالکیہ......کہتے ہیں ❷ محجور علیہ کا ولی وہ شخص ہوگا جو بالغ ہونے کے بعد بے وقوف نہ رہے اور یہ سمجھدار (رشید) باپ یا اس کا وصی ہو سکتا ہے وصی کے بعد حاکم، اگر حاکم نہ ہو تو ولایت کا حق عام مسلمانوں کو حاصل ہوگا، چنانچہ ولایت مالیہ کا حق دادا، بھائی اور چچا کو حاصل نہیں ہوگا الا یہ کہ باپ ان میں سے کسی کو وصی مقرر کرے۔

شافعیہ......کہتے ہیں ❸ بچے کا ولی اس کا باپ ہے پھر دادا پھر وصی پھر قاضی پھر قاضی کا نائب ہے چونکہ حدیث میں ہے: جس شخص کا کوئی ولی نہ ہو سلطان اس کا ولی ہے ❹ عصبات یعنی بھائی اور چچا کو ولایت حاصل نہیں جیسے ماں کو ولایت حاصل نہیں انہیں ولایت مال اور ولایت نکاح حاصل ہوگی میرا رجحان اس رائے کے ساتھ ہے چونکہ باپ کے وصی کی شفقت دادا کی شفقت سے زیادہ نہیں ہوتی جب کہ وصی قرابتدار نہ ہو۔ چنانچہ خون اور رشتہ داری کا تعلق رعایت اور حفاظت کے لئے زیادہ حقدار ہوتا ہے اور نابالغ کے معاملات کو اس تعلق کے ساتھ بحسن خوبی اہتمام میں لایا جا سکتا ہے۔

حنابلہ......کا مذہب بتمامہ ❺ مالکیہ کے مذہب جیسا ہے کہ ولایت باپ کو حاصل ہوگی اور اس کے بعد وصی کو پھر حاکم کو لیکن اگر کسی

---

❶ ... الدر المختار ۱۲۲/۵ تبیین الحقائق ۲۲۰/۵ البدائع ۱۵۵/۵ ۔❷ الشرح الکبیر ۲۹۹/۳ الشرح الصغیر ۲۸۹/۳۔ ❸ مغنی المحتاج ۱۷۳/۲ المہذب ۳۲۸/۱۔ ❹ رواہ الترمذی وحسنہ والحاکم صححہ ❺ المغنی ۴۷۱/۴ کشاف القناع ۴۳۴/۳

شخص پر بعد از بلوغ حجر باقی رہے تو اس صورت میں ولایت حاکم کو حاصل ہوگی چونکہ حجر حاکم کے حکم کا محتاج ہوتا ہے۔

ششم: قاصر (نابالغ مجنون وغیرہ) کے ولی کے تصرفات......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ولی بچے کے مال میں وجوباً تصرف کرے گا اور مصلحت کے خلاف نہیں کر سکتا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ الاسراء۱۷/۳۴

یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ ہاں البتہ اچھے طریقہ کے ساتھ۔

دوسرا فرمان ہے:

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ

اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون معاملات بگاڑنے والا ہے اور کون سنوارنے والا علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ مالدار یتیم کا مال نہ کھائے البتہ فقیر ولی معروف طریقہ سے کھا سکتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ

جو شخص مالدار ہو وہ یتیم کا مال کھانے سے اجتناب کرے اور جو (ولی) فقیر ہو وہ معروف طریقہ سے کھائے۔ شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ یتیم کا ولی اگر فقیر ہو تو اس کی نگرانی وغیرہ کے بدلہ میں معروف طریقے سے اس کا مال کھائے۔ ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے پاس مال نہیں جب کہ میری پرورش میں ایک یتیم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسراف سے بچ کر یتیم کا مال کھاؤ فضول خرچی سے اجتناب کرو مال جمع کرنے میں مت لگے رہو۔ ❶

تحقیق مصلحت میں مذاہب کی تفصیل:

حنفیہ کہتے ہیں...... ❷ ولی بچے کے مال میں تبرعات کا اختیار نہیں رکھتا، چونکہ تبرعات میں بچے کا نقصان محض ہے بچے کے مال کو قرضہ کی مد میں نہیں دے سکتا اور نہ اس کی وصیت کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے مال کو صدقہ میں دے سکتا ہے بچے کی بیوی کو طلاق بھی نہیں دے سکتا۔ بلاعوض بچے کے مال کو ہبہ بھی نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہبہ بالعوض بھی نہیں کر سکتا چونکہ ہبہ بالعوض ابتداء، تو ہبہ ہوتا ہے اور انجام کار معاوضہ ہے۔

جب کہ ولی ہبہ کا اختیار نہیں رکھتا، البتہ قاضی یتیم کے مال کو قرضہ پر دے سکتا ہے چونکہ یہ حفظ دین کے قبیل میں سے ہے، ولی ہبہ، صدقہ اور وصیت جو بچے کے لیے کئے گئے ہوں کو قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے چونکہ یہ تصرف نفع محض ہے چنانچہ حدیث میں ہے لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو۔ ❸

ولی قاصر (نابالغ مجور علیہ) کے مال کو استحساناً عاریت پر دے سکتا ہے اور ودیعت بھی کر سکتا ہے، چونکہ تصرف تجارت کے توابع میں سے ہے، اور ولی اس کا اختیار رکھتا ہے جیسے ولی ذاتی دین کے بدلہ میں نابالغ کے مال کو رہن پر رکھ سکتا ہے چونکہ عین مرہون مرتہن کے پاس ہوتی ہے ہاں البتہ مرہون چیز اگر ہلاک ہوگئی تو جس قدر مرہون قابل ادائیگی ہوگا اس مقدار کا ولی ضامن ہے۔

ولی یہ اختیار بھی رکھتا ہے کہ نابالغ کے مال کو اس کی قیمت سے زائد رقم کے ساتھ فروخت کرے اور کم قیمت کے ساتھ اس کے مال کے بدلہ میں کوئی چیز خرید ے۔ جیسے ولی مثل قیمت کے ساتھ فروخت کا اختیار رکھتا ہے اور اتنی کم قیمت کے ساتھ بھی کہ جتنے میں عموماً لوگ دھوکا کھا

---

❶......رواه ابوداؤد والنسائي واحمد وابن ماجة عن عبد الله بن عمروؓ۔ ❷البدائع ۵/۱۵۳ تكملة الفتح ۸/۴۹۹ مجمع الضمانات ۴۰۸۔ ❸رواه القضاعي عن جابر بن عبد الله وهو حديث حسن.

جاتے ہیں۔ ولی مثل قیمت اور اتنی زائد قیمت جس میں عادۃ لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں کے ساتھ خریداری بھی کرسکتا ہے۔

ولی یہ بھی اختیار رکھتا ہے کہ مجور علیہ کو اجرت مثل سے زائد اجرت پر مزدوری پر لگادے یا اجرت مثل کے ساتھ بھی اور اتنی کم اجرت کے ساتھ بھی مزدوری پر لگا سکتا ہے جتنی میں عادۃ لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ ولی نابالغ کے لئے کوئی چیز اجرت پر لے سکتا ہے کم اجرت کے ساتھ بھی اجرت مثل کے ساتھ بھی اور اتنی زائد اجرت کے ساتھ بھی جتنی میں عادۃ لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اگر دوران اجارہ نابالغ بالغ ہو جائے تو اسے خیار حاصل ہوگا چاہے اجارہ کو نافذ رکھے چاہے اسے باطل کردے۔ جب کہ اجارۂ مال میں اسے اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ چونکہ باپ کو بحسب مصلحت اختیار حاصل ہوتا ہے اور اس کا تصرف نافذ ہوتا ہے۔

ولی نابالغ کے مال کو ساتھ لے کر سفر بھی کرسکتا ہے اس کے مال کو مضاربت پر لگا سکتا ہے۔ خرید فروخت میں وکیل بھی بنا سکتا ہے اسی طرح اجارہ اور استجارہ میں بھی نابالغ کی طرف سے وکیل نامزد کرسکتا ہے چونکہ یہ معاملات بیع کے توابع میں سے ہیں۔

نابالغ کی زمین عادل ولی مثل قیمت یا اس سے زائد قیمت کے ساتھ فروخت کرسکتا ہے، البتہ وصی فروخت نہیں کرسکتا الا یہ کہ دین کی ادائیگی کا کوئی چارہ کار نہ ہو یہی قول مفتی بہ ہے وصی کی بیع قاضی کی اجازت سے نافذ ہو جاتی ہے قاضی بیع کو رد بھی کرسکتا ہے۔

باپ اور دادا بچے کے مال کو اپنے لئے خرید سکتے ہیں یا اپنے مال کو بچے کے ساتھ فروخت کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ قیمت میں غبن فاحش نہ ہو بیع قاضی کی اجازت سے نافذ ہو جاتی ہے اگر فسخ بیع میں بچے کی بھلائی ہو تو قاضی بیع فسخ بھی کرسکتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وصی کے لئے خرید وفروخت کرنا جائز نہیں۔ جب کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ خرید فروخت میں بچے کی بھلائی ہو ورنہ جائز نہیں بھلائی کی تفسیر یوں کی گئی ہے مثلاً وہی سامان جو کسی اجنبی سے دس روپے میں مل سکتا تھا وصی نے نابالغ بچے سے پندرہ روپے میں خرید لیا۔

مالکیہ...... کہتے ہیں ❶ ولی بچے کے مال میں مصلحت کے ساتھ تصرف کرسکتا ہے باپ اپنے مجور علیہ بیٹے کے مال کو مطلقاً فروخت کر سکتا ہے۔ خواہ مال منقولی ہو یا غیر منقولی باپ سے کسی حال میں بھی بیع کے سبب کے اظہار کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا چونکہ باپ کا تصرف مصلحت پر محمول ہے۔ باپ ہبہ بالعوض کا اختیار بھی رکھتا ہے۔

رہی وصی کی بات سو وہ مجور کی زمین فروخت نہیں کرسکتا الا یہ کہ کوئی ایسا سبب پیش آ جائے جو بیع کا متقاضی ہو جیسے مالکیہ کے ہاں وصی ہبہ بالعوض کا اختیار بھی نہیں رکھتا۔ چونکہ اگر موہوب چیز ہلاک ہوگئی تو اسے ہبہ کے دن کی قیمت لازم ہوگی اور یہ یتیم کے لیے باعث ضرر ہے۔

اسی طرح حاکم وصی کی طرف بوقت ضرورت مجور کا مال فروخت کرسکتا ہے جیسے خرچہ یا ادائے دین کے لئے۔ اصول کے لحاظ سے یہ مذہب حنفیہ کے مذہب کے مترادف ہے۔

مالکیہ نے مجور کی زمین کو گیارہ اسباب کی بنا پر فروخت کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

(۱)...... واضح اور نمایاں حاجت پیش آ جائے جیسے خرچہ اور دین کی ادائیگی بشرطیکہ زمین فروخت کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔

(۲)...... اگر خوف ہو کہ ظالم حکمران بچے کی زمین کو غصب کرلے گا یا ظلم وتعدی کرے گا اور پیداوار لے جائے گا۔

(۳)...... کوئی ظاہری مصلحت پیش آ جائے مثلاً مثلی قیمت سے زائد قیمت کے ساتھ فروخت کردے۔

(۴)...... یہ کہ بچے پر بے جا ٹیکس عائد کردیا گیا ہو اور اس کی زمین اس غرض سے فروخت کی جائے کہ اس کے بدلہ میں ایسی زمین خریدی جائے گی جس پر ٹیکس نہ ہو۔

❶...... الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۲۹۹۔ ۳۰۲ الشرح الصغیر ۳/ ۳۹۰ القوانین الفقهية ۳۲۲۔

(۵)...... یہ کہ بچے کی زمین میں شراکت داری ہو اس کا حصہ اس لیے فروخت کیا جائے تا کہ بلاشرکت غیرے زمین خرید دی لی جائے۔

(٦)...... یہ کہ زمین کی زرخیزی نہ ہونے کے برابر ہو یہ زمین فروخت کرنے کوئی زرخیز زمین خریدنا مقصود ہو۔

(۷)...... یہ کہ زمین دین و دنیا کے برے پڑوسیوں میں جکڑی پڑی ہو یا پڑوسی ذمی ہوں، فروخت کر کے اچھے نیک وصالح پڑوسیوں کے پاس زمین خریدنا مقصود ہو۔

(۸)...... یہ کہ زمین مشترک ہو اور قابل تقسیم نہ ہو یوں شریک اپنا حصہ فروخت کر دے یوں شریک کے ساتھ نابالغ کا حصہ بھی فروخت کرنا پڑے۔

(۹)...... زمین کے بنجر ہونے کا خوف ہو جب کہ زمین کی بحالی کے لئے بچے کے پاس مال بھی نہ ہو۔

(۱۰)...... زمین بنجر ہوتا ہم بچے کے پاس آبادی کاری کے لیے مال بھی ہو لیکن آبادکاری کی نسبت فروخت میں بہتری ہو۔

(۱۱)...... یہ کہ اڑوس پڑوس کے لوگ ہجرت کر جائیں اور صرف نابالغ کا مکان باقی رہ جائے لہٰذا وحشت سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس کی زمین اور مکان فروخت کرنا جائز ہے۔

شافعیہ...... ❶ مصلحت کے پیش نظر ولی وجوباً تصرف کرسکتا ہے، لہٰذا ولی مال کی حفاظت کرے تا کہ محفوظ رہے مال کو آمدنی پر لگائے تجارت میں لگائے تا کہ اخراجات سے اس کا مال ختم نہ ہو جائے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا...... النساء ۴/ ۵

جو لوگ بے قوف ہوں ان کو ان کا مال نہ دو جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں نگران مقرر کیا ہے۔

چنانچہ آیت میں لفظ فیھا آیا ہے منھا نہیں آیا اس میں یہ نکتہ ہے کہ اصل سرمایہ سے یتیم پر خرچ نہیں کرنا بلکہ اصل سرمایہ سے حاصل ہونے والے منافع کو خرچ کرنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص کسی یتیم کا سرپرست ہو وہ اس کے مال کو تجارت میں لگائے، مال کو یونہی نہ چھوڑے رکھے کہ صدقات ہی مال کو ہڑپ کر جائیں ❷ عمدہ میٹریل سے نابالغ یتیم کے لیے مکان بنائے، اور آمدنی سے اس کے لئے جائیداد خریدے، ولی بچے کے مال کو لے کر سفر کرسکتا ہے بشرطیکہ راستہ پرامن ہو اور سفر میں کوئی مصلحت بھی ہو۔ ایسی چیز نہ خریدے جو جلدی خراب ہوتی ہو اگرچہ نفع بخش ہو۔

بچے کی جائیداد صرف دو صورتوں میں فروخت کرسکتا ہے اور حاجت شدیدہ کی صورت میں جیسے خرچہ کی ضرورت پڑ گئی یا بچے کے کپڑوں کی ضرورت پڑ گئی بایں طور کہ آمدنی کافی نہ ہوتی ہو کوئی قرضہ دینے والا بھی نہ ہو اور قرضہ لینے میں کوئی بہتری بھی نہ ہو یا زمین کے بنجر ہونے کا خوف ہو۔

۲...... کسی ظاہری مصلحت کے پیش نظر مثلاً اچھی خاص قیمت کے ساتھ زمین فروخت ہو رہی ہو جب کہ خریدار کم قیمت میں اس جیسی زمین خرید سکتا ہو، یا یہ کہ اس زمین پر بھاری ٹیکس عائد ہو جب کہ پیداوار اتنی نہ ہو۔

ولی نابالغ کا مال کسی دوسرے سامان کے ساتھ مبادلہ فروخت کرسکتا ہے، اگر مصلحت دیکھے تو ادھار بھی فروخت کرسکتا ہے۔ مثلاً پہلی صورت میں منافع ہو اور دوسری صورت میں مناسب زائد مال مل رہا ہو یا ولی کو چوروں کا خطرہ ہو اگر ادھار پر مال فروخت کرے تو اس پر گواہ بنا لے اور ثمن کے بدلہ میں رہن رکھے، اگر ولی نے ایسا نہ کیا تو ضامن ہوگا، اصح قول کے مطابق بیع باطل ہو جائے گی، نابالغ کا مال ودیعت پر نہ

---

❶ مغنی المحتاج ۲ / ۱۷۳، المھذب ۱ / ۳۲۸۔ ❷ رواہ الترمذی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص۔

رکھے، بلا حاجت مال قرضہ پر نہ دے یتیم کے مال میں بڑھوتری کے درپے رہے چونکہ ولی نابالغ کا قائم مقام ہوتا ہے اچھے طریقے سے اس پر خرچ کرے اس کے کھانے پینے اور پہنے کا انتظام کرے جو اس کے مالدار اور تنگدست ہونے کے لحاظ سے مناسب ہو اگر کنجوسی کی تو گناہ گار ہوگا اور اگر اسراف سے کام لیا گناہ گار بھی ہوگا اور ضامن بھی۔

اگر بچے نے بلوغ کے بعد باپ پر یا دادا پر مال فروختگی کا دعویٰ کیا یا بغیر مصلحت کے زمین فروخت کرنے کا دعویٰ کیا باپ اور دادا کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی چونکہ وفور شفقت کی وجہ سے ان پر زیادتی کی تہمت نہیں لگائی جا سکتی۔ اگر وصی یا قاضی پر دعویٰ کر دیا تو بچے کی تصدیق کی جائے گی چونکہ ان میں باپ دادا جیسی شفقت نہیں ہوتی اگر ولی نابالغ کے مال کو اپنے مال کے بدلہ میں فروخت کرے پھر اگر ولی باپ یا دادا ہو بیع جائز ہوگی چونکہ ان پر زیادتی کی تہمت نہیں ہوتی، اگر ولی باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور ہو تو بیع جائز نہیں۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وصی یتیم کے مال میں سے کچھ بھی نہ خریدے۔ ❶

حنابلہ: کا مذہب بھی شافعیہ جیسا ہے ❷ بچے اور مجنون کے ولی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کے مال میں بغیر کسی مصلحت کے تصرف کرے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ......الاسراء ۱۷/ ۳۴

یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ ہاں البتہ اچھے طریقہ کے ساتھ۔

اگر ولی نے تبرعا مال دے دیا مثلاً ہبہ کر دیا یا صدقہ کیا یا محابات کر دی مثلاً زائد مال کیساتھ خریداری کر لی یا نقصان کے ساتھ مال فروخت کر دیا تو ضامن ہوگا، چونکہ ولی نے افراط سے کام لیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے مال میں تصرف کرے ولی حاکم کی اجازت کے بغیر بھی بچے اور مجنون پر خرچ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

ولی، وصی یا حاکم کے لیے صحیح نہیں کہ وہ بچے یا مجنون کے مال میں سے کوئی چیز اپنے لئے خریدے یا اپنی کوئی چیز انھیں فروخت کر دے ان کے مال میں سے کوئی چیز اپنے لئے رہن رکھے چونکہ ایسا کرنا باعث تہمت ہے، البتہ یہ تصرف باپ کر سکتا ہے چونکہ اس میں وفور شفقت ہوتی ہے۔

ولی پر واجب ہے کہ وہ نابالغ کے مال کی زکوۃ دے، ولی نابالغ اور مجنون کے خلاف اقرار نہیں کر سکتا چونکہ یہ اقرار علی الغیر ہوگا، ولی تجارت کے لئے ان کا مال لے کر سفر کر سکتا ہے۔

ولی بلا اجرت تجارت کرے گا اور نفع سارے کا سارا نابالغ کا ہوگا۔ چونکہ نفع اسی کے مال کی پیدائش ہے نابالغ اور مجنون کے مال کو تجارت میں لگانا ویسے پڑا رہنے سے افضل ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یتیموں کے اموال میں تجارت کروتا کہ ان کا مال صدقہ نہ کھا جائے ولی کسی امانتدار شخص کو مضاربت پر دے سکتا ہے اور بضاعت پر بھی لگا سکتا ہے البتہ حاصل ہونے والا سارے کا سارا منافع نابالغ کا ہوگا۔

ولی مالدار شخص کو ادھار پر مال فروخت کر سکتا ہے، مصلحت کے پیش نظر مال قرضہ پر بھی دے سکتا ہے۔ مثلاً سفر کی حاجت درپیش ہو! مال کی لوٹ کھسوٹ کا خوف ہو یا غرق کا خوف ہو، اگر بغیر رہن اور کفیل کے ہو، اگر رہن نہ رکھنے یا کفیل نہ بنانے کی وجہ سے مال ضائع ہو گیا تو ولی ضامن نہیں ہوگا چونکہ بظاہر سلامتی ہے۔

ولی نابالغ کے مال کو ودیعت پر رکھ سکتا ہے، امانتدار اور مالدار کو قرضہ پر دے سکتا ہے چونکہ یہ امر اس کے لئے زیادہ حفاظت کا باعث ہے اور اگر بغیر تفریط کے مال تلف ہو گیا تو ولی پر ضمان نہیں ہوگا، وصی اور حاکم اپنے لئے قرضہ نہیں رکھ سکتا جیسے اپنے لئے کسی چیز کو خرید نہیں سکتا،

❶ رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح عن صله بن زفر عن ابن مسعود (مجمع الزوائد ۴/ ۲۱۴) ❷ كشاف القناع ۳/ ۴۳۵.

اپنے لئے فروخت بھی نہیں کرسکتا چونکہ اس میں تہمت ہے رہی بات باپ کی سووہ یہ تصرفات کرسکتا ہے چونکہ اس میں تہمت معدوم ہے۔

ولی بالعوض مال کو ہبہ کرسکتا ہے عوض قیمت کے بقدر ہو یا زائد ہو۔اس کے علاوہ محابات تصور ہوگی جو صحیح نہیں مزید ارعتماد اور بھروسہ کے لئے رہن رکھ سکتا ہے۔

ولی نابالغ کے لئے زمین خرید سکتا ہے تا کہ اس کی آمدنی بڑھا سکے۔اسی طرح اہل شہر کے رواج کے مطابق نابالغ کے لئے مکان بھی بنا سکتا ہے۔

ولی کو چاہیے کہ نابالغ کو خطاطی، تیراندازی، ادب اور دوسرے نفع بخش فنون سکھادے دیگر ہنر وغیرہ بھی سکھا سکتا ہے۔

ولی اگر مصلحت دیکھے تو نابالغ کی زمین کو فروخت بھی کرسکتا ہے اگر چہ بقدر مثل سے زائد قیمت نہ ملتی ہو، مصلحت کی مختلف انواع ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

۱..... نان نفقہ کپڑے یا دین کی ادائیگی کی حاجت ہو جس کا بچے کے لئے کوئی چارہ کار نہ ہو۔

۲..... زمین کے غرق یا بنجر ہونے کا خوف ہو۔

۳..... زمین کی فروختگی میں نابالغ کا فائدہ ہو۔

۴..... زمین ایسی جگہ ہو جہاں بھرپور نفع نہ اٹھایا جاسکتا ہو، مثلاً غیر آباد علاقہ میں ہو بیچ کر کسی آباد جگہ زمین خریدنا مقصود ہو۔

۵..... ولی سمجھتا ہو کہ کوئی خاص چیز ارازں نرخوں سے مل رہی ہو اور اس کی خریداری زمین فروخت کرنے کے بغیر نہ سکتی ہو۔

۶..... یہ کہ زمین ایسی جگہ ہو جہاں نابالغ کا نقصان ہو رہا ہو جیسے پڑوسی بہت برا ہو وغیرہ۔

ہفتم: نابالغ کو تصرفات میں اذن..... اذن کا لغوی معنی اعلام (یعنی اعلان) ہے اسی سے اذان ہے جو نماز کے وقت کا اعلان ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ ...... التوبہ ۹/ ۳

اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام انسانوں کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے۔

دوسری جگہ فرمان ہے:

وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ...... الحج ۲۲/ ۲۷

لوگوں میں حج کا اعلان کردو۔

اذن کی شرعی تعریف..... تجارت میں حجر کو اٹھالینا۔اور تصرف میں چھوٹ دے دینا نابالغ پر ولی کو تصرف سے روکنے کا جو اختیار حاصل ہوا سے ساقط کردینا اذن ہے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تصرفات میں ممیز کا امتحان لیا جائے تا کہ اس کی رشد اور سمجھداری کا علم ہو جائے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى ...... یتیموں کو آزماتے رہو۔ النساء ۴/ ۶

نابالغ کا امتحان تصرفات کی تفویض سے کیا جاتا ہے اگر تاجر کا بیٹا ہو تو خرید و فروخت میں تجربہ سے امتحان لیا جائے، اگر کسان کا بیٹا ہو تو زراعت کھیتی باڑی کے ذریعہ اس کا امتحان لیا جائے، اگر اہل پیشہ میں سے ہو پیشہ کے ذریعہ امتحان لیا جائے، عورت کا امتحان امور خانہ داری میں لیا جائے گا۔[1]

---

[1]..... المغنی ۴/ ۸ ۷ ۴۔

تجارت کے متعلق نابالغ کو ولی کے اذن دینے اور تصرفات میں اذن کے اثرات میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

۱۔ شافعیہ...... کہتے ہیں تجارت میں اسے اذن دینا جائز نہیں، البتہ اسے مال سپرد کیا جائے گا اور تجربہ کاری کے متعلق اس کا امتحان لیا جائے جب عقد کا ارادہ کریگا تو ولی عقد کریگا چونکہ نابالغ کے تصرفات اور معاملات باطل ہوتے ہیں چونکہ نابالغ میں عقل کی کمی ہوتی ہے اس کے لئے عقلاء کے احکام ثابت نہیں ہوں گے۔ البتہ سفیہ کا امتحان لیا جائے گا جب اس کی رشد اور سمجھداری ظاہر ہو جائے تو عقد کرسکتا ہے چونکہ وہ مکلف ہے۔

۲۔ حنفیہ اور مالکیہ...... کہتے ہیں: جب ولی نابالغ میں سمجھداری محسوس کرے تو اسے تجارت کی اجازت دے سکتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى (النساء ۴/۶) مہارت اور تجربہ کا پتہ تبھی لگ سکتا ہے جب تصرف کا اختیار نابالغ کو سپرد کیا جائے حنابلہ کی راجح روایت بھی یہی ہے، حنابلہ کے نزدیک اگر ولی کی اجازت کے بغیر تصرف کر دیا تو صحیح نہیں ہوگا۔ جب کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ تصرف نافذ نہیں ہوگا۔ یہ راجح اور معقول رائے ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک کبھی اذن صریح ہوتا ہے مثلاً ولی یوں کہے: میں نے تمہیں تجارت کی اجازت دے دی، اور کبھی اذن دلالۃً ہوتا ہے۔ مثلاً ولی نے نابالغ کو خرید و فروخت کرتے دیکھا اور اس پر سکوت اختیار کر لیا۔ چونکہ ولی کا سکوت رضا مندی کی دلیل ہے۔ اگر اس کا سکوت معتبر نہ ہوتا تو اس کے ساتھ کیا گیا معاملہ باعث ضرر ہوتا۔

حنابلہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں...... دلالۃً اذن ثابت نہیں ہوتا چونکہ ولی کا سکوت رضا مندی اور عدم رضا مندی دونوں کو احتمال رکھتی ہے۔ ❶

اذن کے اثرات...... حنفیہ کہتے ہیں اذن حجر کا اٹھا لینا ہے توکیل نہیں۔ اذن عام ہوگا، اگرچہ کسی ایک نوع کے ساتھ مخصوص ہو۔ اذن وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا نوع کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا۔ چونکہ اذن اسقاط ہے اور اسقاطات تقیید کو قبول نہیں کرتے، اگر ولی نے تجارت میں اجازت دے دی تو جملہ تصرفات میں اس کا نفاذ ہوگا نابالغ ماذون خرید فروخت مضاربت، رہن، اجارہ، استجارہ، سب معاملات کرسکتا ہے البتہ ہبہ، صدقہ، قرضہ کفالت جیسے تصرفات جو از قسم تبرع ہیں نہیں کرسکتا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماذون کے لئے جائز ہے کہ وہ غبن فاحش کے ساتھ تصرف کرے چونکہ اذن سے اس کی اہلیت درجہ کمال کو پہنچ چکی ہو جس شخص کو کامل اہلیت حاصل ہو وہ جملہ افعال تجارت انجام دے سکتا ہے اگرچہ غبن فاحش ہی کے ساتھ کوئی معاملہ کر گزرے۔

صاحبینؒ کہتے ہیں...... نابالغ کا غبن فاحش کے ساتھ تصرف جائز نہیں چونکہ غبن فاحش کا حصہ بمنزلہ تبرع کے ہے اور نابالغ ماذون تبرع کا اہل نہیں ہوتا، میرے نزدیک یہ رائے راجح ہے چونکہ غبن فاحش میں نابالغ کا ضرر محض ہے۔

مالکیہ کا مذہب معاوضات مالیہ میں ماذون کے نفاذ تصرفات نہ کہ تبرعات میں حنفیہ جیسا ہے، ہاں البتہ صاحبینؒ کہتے ہیں کہ وہ تصرف جو غبن فاحش پر مشتمل ہو وہ نافذ نہیں ہوتا حنابلہ کہتے ہیں: اذن توکیل کی طرح ہے حجر اذن سے انہی امور سے ختم ہوگا ولی جن کی اجازت دے گا۔ چنانچہ اگر ولی نے سو روپے کی تجارت میں اجازت دی اس سے زیادہ میں اجازت نافذ نہیں ہوگی۔ اگر کسی مخصوص نوع میں تجارت کی اجازت دی تو اذن اسی نوع کے ساتھ مقید ہوگا جیسے مضاربت تخصیص سے خاص ہو جاتی ہے۔

---

❶ الدر المختار ۵/۱۰۸، تبیین الحقائق ۵/۲۰۳، البدائع ۷/۱۹۴، الشرح الکبیر ۳/۲۹۴، الشرح الصغیر ۳/۳۸۴، المغنی ۴/۴۶۸، کشاف القناع ۳/۴۵۵۔

بقدر اذن ممیز ماذون کا اقرار صحیح ہے چونکہ اقرار سے حجر اٹھالیا گیا ہے۔

ولایت پر ولی کی اجرت...... اگر ولی مالدار ہو تو محجور کے اموال کی دیکھ بھال پر وہ اجرت لینے کا حقدار نہیں ہوگا۔ اور اگر فقیر ہو اور اموال کے انتظام وانصرام میں اس کا وقت لگتا ہو تو اعتدال کے ساتھ ولی کے لئے اجرت لینا جائز ہے۔ اجرت کی تعین حسب عرف کی جائے گی، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ ......النساء ۴/ ۶

جو شخص مالدار ہو وہ یتیم کے مال سے اجتناب کرے اور جو شخص فقیر ہو وہ قاعدہ کے مطابق کھائے۔

دوسرا مقصد: مجنون کے تصرفات میں حجر کا اثر...... مجنون وہ ہوتا ہے جس کی عقل زائل ہو چکی ہو اگر ہر وقت جنون طاری رہے تو اسے جنون مطبق کہا جاتا ہے۔ اگر کبھی افاقہ ہو جاتا ہو اور کبھی جنون طاری ہو جاتا ہو تو اسے جنون منقطع کیا جاتا ہے۔

چنانچہ بوقت جنون مجنون غیر ممیز بچے کے حکم میں ہوگا، جملہ ولایت اور اختیارات سلب ہو جائیں گے جیسے ولایت نکاح وصیت وقضاء دین، ودنیا کے متعلق اس کے اقوال باطل ہوں گے جیسے اسلام اور معاملات چونکہ قصد معدوم ہے۔

مجنون کے تبرعات جیسے صدقہ، ہبہ وغیرہ غیر معتبر ہوں گے جملہ معاملات اور تصرفات باطل جیسے خرید وفروخت، اقرار، طلاق چونکہ مجنون مفقود الاہلیت ہے، البتہ مجنون کے افعال معتبر ہوں گے جیسے عورت کو حاملہ کر دیا، دوسرے کا مال ضائع کر دیا، چنانچہ بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اگر کسی نفس پر جنایت کر دی یا کوئی عضو ضائع کر دیا تو اس کا تاوان لازم ہوگا۔

اگر کسی وقت کامل افاقہ ہو جائے تو اس وقت کے تصرفات معتبر صحیح اور نافذ ہوں گے اگر افاقہ ناقص ہو مثلاً بعض باتیں وہ سمجھ نہ پاتا ہو تو اس کے تصرفات ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے اگر تصرفات نفع ونقصان دونوں کا احتمال رکھتے ہوں اور اگر تصرفات میں ضرر ہی ضرر ہو تو وہ باطل ہوں گے اگر تصرفات میں نفع ہی نفع ہو تو نافذ ہوں گے یہ تفصیل حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ہے۔

تیسرا مقصد: معتوہ کے تصرفات میں حجر کا اثر:

معتوہ...... وہ شخص ہوتا ہے جو کم سمجھ مخلوط الکلام اور تدبیر سے نابلد ہو۔ برابر ہے کہ پیدائشی ہی ایسا ہو یا کسی بیماری کی وجہ سے ایسا ہو۔

اگر عتہ (ناسمجھی) شدید ہو اور معتوہ غیر ممیز ہو تو وہ مجنون اور غیر ممیز بچے کے حکم میں ہے، اس کے سبھی تصرفات باطل ہوں گے کتب فقہ میں معتوہ کو مجنون کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے۔ ❶

اگر عتہ خفیف یعنی ہلکے درجہ کا ہو اور معتوہ ممیز ہو تو اس کا ایسا تصرف جو اس کے لئے باعث ضرر ہو تو وہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک باطل ہوگا البتہ نفع بخش تصرف صحیح ہوگا۔ اور وہ تصرف جو نفع اور نقصان میں دائر ہو وہ ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا جیسے ممیز بچے کا اسی قسم کا تصرف ولی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ ❷

چوتھا مقصد: سفیہ پر حجر کے اثرات...... باتفاق مذاہب سفیہ پر حجر لگایا جائے گا۔ جیسے بچے اور مجنون پر حجر لگایا جاتا ہے سفیہ پر حجر حنفی مذہب میں مختار اور مفتی بہ ہے۔

---

❶ البدائع ۷/ ۱۷۰ تبیین الحقائق ۵/ ۱۹۱ تکملۃ الفتح ۷/ ۳۱۰ الدر المختار ۵/ ۱۰۰ اللباب ۲/ ۶۶ الشرح الکبیر ۳/ ۲۹۲ الشرح الصغیر ۳/ ۳۸۲ مغنی المحتاج ۲/ ۱۶۵ المھذب ۱/ ۳۲۸ کشاف القناع ۳/ ۴۳۰۔ ❷ الدر المختار وردالمحتار ۵/ ۱۰۰ تکملۃ الفتح ۷/ ۳۱۱۔

سفیہ......وہ شخص ہوتا ہے جو فضولیات میں اپنا مال خرچ کرتا ہو جو حکمت اور شریعت کے سراسر اخلاف ہو، مالکیہ نے سفہ کی تفسیر یوں کی ہے۔ معصیت میں مال صرف کرنا جیسے شراب، جوا، لہو ولعب وغیرہ، اور اگر خرید وفروخت میں خرچ بھی کردے تو غبن فاحش ہو اور کوئی مصلحت بھی نہ ہو یا نفسانی خواہشات میں صرف کرتا ہو۔ جیسے بے جا اشیاء خورونوش ملبوسات اور سواری وغیرہ۔ یا مال کو بالکلیہ ضائع کرتا ہو مثلاً دریا برد کرتا ہو یا یونہی زمین پر پھینکتا ہو۔ سفہ کی تعریف اور احکام میں مذاہب میں اختلاف ہے۔

ا۔ حنفیہ کا مذہب...... (1) سفہ تبذیر مال اور شریعت وعقل کے مقتضی کے خلاف مال کے ضائع کرنے کو سفہ کیا جاتا ہے۔ اگرچہ کسی بھلائی کے کام میں مال خرچ کیا جائے جیسے مسجد میں بنانے میں، تبذیر خرچے میں اسراف کرنے کے مترادف ہے مثلاً بغیر کسی غرض کے تصرفات یا کسی ایسی غرض میں مال خرچ کرنا جو متدین عقلاء کے نزدیک غرض صحیح نہ ہو جیسے گانے بجانے والوں کو مال دے دیا، اور تجارت میں غبن فاحش ہو گیا۔

سفیہ......خفیف العقل جو بغیر کسی غرض کے اپنا مال تلف کرتا ہو اور کوئی مصلحت بھی نہ ہو اس کا حکم مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں آزاد عاقل بالغ پر سفہ کی وجہ سے حجر نہیں لگایا جائے گا اور نہ ہی دین فسق اور غفلت کی وجہ سے حجر لگایا جائے گا۔ سفیہ پر حجر نہیں لگایا جائے اس کا تصرف جائز ہوگا۔ اگرچہ مبذر رہو اور بے غرض اور بے مصلحت مال خرچ کرتا ہو چونکہ اس کی ولایت سلب کرنے میں آدمیت کی تذلیل ہے، اور اسے جانوروں سے ملانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا ادنیٰ ضرر کے دفعیہ کے لئے بڑے درجے کا ضرر قابل برداشت نہیں ہوگا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ......النساء ۴/ ۲

یتیموں کو ان کے اموال سونپ دو اور گندے مال کو عمدہ مال سے مت بدلو۔

اس سے مراد بلوغ ہے۔ (2)

البتہ اگر لڑکا غیر رشید بالغ ہو تو مال سے نہیں سونپا جائے گا یہاں تک کہ پچیس سال کی عمر کا ہو جائے اس عمر کے بعد اگر اس نے تصرف کیا تو تصرف نافذ ہوگا چونکہ اہلیت موجود ہے۔

چنانچہ پچیس سال کی عمر میں آدمی دادا بھی بن جاتا ہے۔ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ یہ غیر مفتی بہ قول ہے صاحبین کہتے ہیں: سفیہ مدیون اور مغفل پر حجر لگایا جائے گا فاسق پر حجر نہیں لگایا جائے گا صاحبین کا قول مفتی بہ ہے صاحبین اور دوسرے ائمہ کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ ...... الآية

اگر سفیہ کو مال دینا مباح ہوتا ہے پھر اس سے ممانعت نہ کی جاتی۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے وقوفوں سے مال لے لو۔ رواہ الطبرانی باسناد صحیح

سفیہ پر پابندی اس کی مصلحت کی رعایت کے لئے ہوتی ہے تاکہ انجام کار فقر وفاقہ کی نوبت پیش نہ آئے اور مجبور معاشرہ پر بوجھ نہ بنے نیز ضرر کا دفعیہ واجب ہے حدیث میں ہے **لاضرر ولاضرار** یعنی کسی کو ضرر دینا اور انتقام کے طور پر ضرر پہنچانا روا نہیں۔

صاحبین کے قول کی بنا پر سفیہ مجور کا حکم ممیز بچے کے حکم کی طرح ہے یعنی ان تصرفات میں جو فسخ کا احتمال رکھتے ہوں جیسے خرید وفروخت یہ اس کے تصرفات ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے۔ اگر حجر کے بعد خرید وفروخت کی تو بیع نافذ ہوگی۔

---

(1)...... البدائع ۷/ ۱۶۹ الدرالمختار ۵/ ۱۰۲ تبیین الحقائق ۵/ ۱۹۵ تکملۃ الفتح ۷/ ۳۱۰ [illegible]

ولاتوتوا السفھاء اموالکم سے مقید ہے۔

البتہ وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے جیسے نکاح طلاق وغیرہ سو یہ تصرفات صحیح ہوں گے، اگر سفیہ نے ایک یا چار عورتوں سے نکاح کرلیا تو نکاح صحیح ہوگا چونکہ نکاح ضروریات اصلیہ میں سے ہے نیز یہ تصرفات ہزل (ہنسی مذاق) سے بھی باطل نہیں ہوتے پھر اگر نکاح مہر مثل کے ساتھ ہوتو مہر لازم ہوگا اور مہر مثل سے زائد مال ساقط ہوگا۔ پھر اگر رخصتی سے قبل طلاق دے دی تو مقرر شدہ مہر کا نصف واجب ہوگا۔

تہائی مال کی مقدار کے بقدر وصیت صحیح ہوگی بشرطیکہ وصیت کی جہت خیر و بھلائی ہو جیسے فقراء پر خرچ کرنے کی وصیت کردی مساجد، ہسپتال یا مدارس تعمیر کرنے کی وصیت کردی، چونکہ وصیت مرنے کے بعد نافذ ہوتی ہے۔

حدود اور قصاص کا اقرار صحیح ہوگا حجر لگنے کے بعد مال کا اقرار صحیح نہیں ہوگا، سفیہ پر بیوی بچوں اور ذوی الارحام کا خرچہ واجب ہے اس کے مال کی زکوٰۃ نکالی جائے گی، چونکہ سفیہ سے انسانوں کے حقوق باطل نہیں ہوتے۔

سفیہ کی عبادات صحیح ہیں فرض حج بھی انہی عبادات میں سے ہے، البتہ قاضی زادراہ سفیہ کے حوالے نہ کرے بلکہ کسی معتبر حاجی کو دے جو دوران سفر اس پر خرچ کرتا رہے۔ تاکہ سفیہ حج کے علاوہ کہیں اور نہ خرچ کردے۔

ملاحظہ ہو کہ سفیہ اور مدیون پر حجر قاضی کے فیصلہ سے ثابت ہوگا بخلاف صغر جنون اور عتہ کے چنانچہ ان میں قضائے قاضی کی ضرورت نہیں۔

۲۔ **مالکیہ کا مذہب**...... ❶ سفیہ وہ ہوتا ہے جو فضول مواقع میں اپنا مال خرچ کرتا ہو یا تو شہوات میں مال خرچ کرتا ہو یا اسے مصالح کی پوری طرح معرفت نہ ہو اگرچہ دین میں راستباز ہو سفہ غیر شرعی موقع میں مال خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ سفیہ پر حجر باپ کے حقوق میں سے ہے بشرطیکہ سفہ قریب البلوغ میں ہو۔ اگر سفہ بالغ ہونے کے بعد طاری ہو جو ایک سال سے زائد رہے تو اس صورت میں حاکم کے حکم سے حجر لگایا جائے گا۔

سفیہ کے تصرفات کا حکم...... سفیہ مہمل جس کا کوئی ولی اور نگران نہ ہو حجر سے پہلے کے تصرفات نافذ سمجھے جائیں گے۔ اور نفاذ بغیر اجازت کے ہوگا، برابر ہے کہ سرے سے سفیہ ہو یا سفہ طاری ہوا ہو۔

اگر سفیہ غیر محقق یعنی مجہول السفہ ہو تو بالاتفاق اس کا تصرف نافذ ہوگا، البتہ سفیہ بچہ اور بالغہ لڑکی جو سفیہ ہو ان کے تصرفات مردود ہوں گے، یہاں تک کہ بچہ بالغ ہو جائے اور لڑکی حیض سے مایوس ہو جائے یہ چالیس سے ساٹھ سال کی عمر تک ہوتا ہے، یا رخصتی کے بعد ایک سال گزر جائے۔

سفیہ مجور کی وصیت صحیح ہوتی ہے اور نافذ ہوتی ہے جیسے بیوی کو اس نے طلاق دے دی تو طلاق نافذ ہوگی، ہبہ، صدقہ، اور عطیہ لازم نہیں ہوگا اگر حد و قصاص کا اقرار کیا تو لازم ہوگا۔

وہ سفیہ جو مجور بالعوض ہو اس کے تصرفات اس کے ولی کی صواب دید پر موقوف ہوں گے یعنی اس کا تصرف ممیز بچے کے تصرف کی طرح ہے، ولی مجور پر وجوباً خرچ کرے گا۔

۳۔ **شافعیہ کا مذہب**: ❷ سفیہ...... تبذیر یعنی فضول خرچی کو کہا جاتا ہے۔ یعنی مال کا برا تصرف۔ ❸ مثلاً معاملہ میں غبن فاحش کے ساتھ مال ضائع کردینا یا مال دریا آگ وغیرہ میں پھینک دینا اگرچہ مال تھوڑا ہی ہو یا معصیت میں خرچ کیا اگرچہ معصیت گناہ صغیرہ ہو۔ چونکہ ایسا قلت دین کی وجہ سے ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ صدقات وخیرات اشیائے خورونوش ملبوسات جو سفیہ کے حال کے لائق نہ ہوں میں

---

❶ .... الشرح الکبیر وحاشیة الدسوقی ۳/۲۹۶، الشرح الصغیر ۳/۳۸۷ بدایة المجتهد ۲/۲۷۹ القوانین الفقهیة ۳۲۱۔ ❷ مغنی المحتاج ۲/۱۶۸ المهذب ۱/۳۳۲۔ ❸ تبذیر اور اسراف میں اعتباری فرق ہے واقع حقوق سے جہل تبذیر ہے اور مقادیر حقوق سے جہل اسراف ہے۔

مال صرف کرنا تبذیر نہیں اگر چہ مال زیادہ خرچ کرے چونکہ امور خیر میں مال صرف کرنے کی غرض ثواب ہے اور امور خیر میں خرچ کرنا اسراف نہیں جیسے اسراف میں کوئی خیر نہیں۔ نیز مال تو اسی لئے حاصل کیا جاتا ہے تا کہ اس سے نفع اٹھائے اور لذت حاصل کرے۔

سفیہ پر حجر لگانے کے لئے قاضی کا حکم ضروری ہے قاضی کے علاوہ باپ یا دادا کا حکم نہیں چلے گا چونکہ سفیہ پر حجر محل اجتہاد ہے مسنون ہے کہ قاضی سفیہ کے حجر پر گواہ بنالے، اگر سفیہ میں رشد اور سمجھداری لوٹ آئی تو حجر کا حکم قاضی کے فیصلہ سے اٹھے گا جیسے حجر کا ثبوت قاضی کے حکم سے ہوتا ہے۔

سفیہ کا ولی قاضی ہے چونکہ باپ وغیرہ کی ولایت زائل ہو جاتی ہے لہٰذا سفیہ پر اسی شخص کو ولایت حاصل ہوگی جس کی نظر و رعایت میں عموم ہو۔

سفیہ کے تصرفات ولی کی اجازت سے صحیح ہوتے ہیں جیسے نکاح، طلاق، رجعت اور خلع وغیرہ ظہار، ایلاء، نسب سے انکار، لعان اور استلحاق بھی صحیح ہوں گے۔

سفیہ کا مال تصرف صحیح نہیں اگر چہ ولی کی اجازت سے ہو چونکہ سفیہ کی عبارت کا کوئی اعتبار نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے بچے کو اجازت دی جائے چنانچہ مجور کی خرید فروخت، ہبہ صحیح نہیں، سفیہ کا اقرار صحیح نہیں، خواہ حجر سے پہلے ہو یا بعد جیسے بچے کا اقرار صحیح نہیں۔ اور جس طرح مال تلف کرنے کا اقرار صحیح نہیں ہوتا، البتہ حد اور قصاص کا اقرار صحیح ہے چونکہ ان دونوں چیزوں کا تعلق مال سے نہیں ہوتا، اور تہمت سے بھی دور ہیں۔ اگر حد سرقہ کا اقرار کیا ہو تو سفیہ کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر قصاص کے مدعی نے معاف کر دیا تو مال لازم نہیں ہوگا۔ چونکہ مال غیر کے اختیار سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ اقرار سے۔

عبادات واجبہ کا حکم مطلقاً اور مستحبہ بدنیہ عبادات میں سفیہ کا حکم رشید (سمجھدار) جیسا ہے۔ چونکہ جملہ شرائط سفیہ میں پائی جاتی ہیں۔ رہی بات مالی مندوب عبادات کی جیسے نفلی صدقات ان میں رشید کی طرح نہیں ہوگا، البتہ زکوۃ اپنے تئیں زکوۃ نہیں بانٹے گا ہاں البتہ اگر ولی متعین کر دے کہ فلاں شخص کو دو تو اس صورت میں سفیہ کا اپنے تئیں زکوۃ دینا صحیح ہے جیسے ممیز بچے کا زکوۃ دینا صحیح ہے بشرطیکہ اس کا تصرف ولی یا ولی کے کسی نائب کی موجودگی میں ہو۔ چونکہ اگر اس پر کڑی نظر نہ رکھی گئی تو مال تلف کر دے گا یا مصرف کے متعلق جھوٹ بول دے گا۔

سفیہ نے جو نذر مانی ہوا سے پورا کرنا صحیح ہے، اگر سفیہ نے فرض حج کے لیے احرام باندھا تو ولی راستے کا خرچہ کسی باوثوق شخص کو دے جیسا حنفیہ کہتے ہیں۔ اگر حجر کے بعد سفیہ نے نفلی حج کے لئے احرام باندھا یا نفلی عمرہ کا احرام باندھا اور اس کا خرچہ معتاد خرچے سے زائد ہو گیا تو ولی اسے ان عبادات سے روک سکتا ہے اگر مصلحت سمجھے تو اجازت بھی دے سکتا ہے شافعیہ کا مذہب ہے کہ احرام باندھنے کے بعد اگر اسے حج کے عمرہ سے روکا گیا تو وہ محصر کے حکم میں ہوگا، لہٰذا حلال ہو جائے چونکہ آگے بڑھنا اس کے لئے ممنوع ہے، یہ روزے رکھ کر حلال ہوگا چونکہ مال اس کے ہاتھ میں نہیں دیا جائے گا، اور اگر حج کے راستے میں اسے روکا گیا جب کہ راستے میں اگر مزدوری وغیرہ کے مواقع میسر ہوں جس سے وہ زائد اخراجات پیدا کر سکتا تو اس صورت میں اسے منع کرنا جائز نہیں چونکہ حج یا عمرہ مال زائد دینے کے بغیر بھی اس کے لئے ممکن ہے۔

۴۔ حنابلہ کا مذہب......سفیہ وہ شخص ہوتا ہے جو سوجھ بوجھ کے ساتھ اچھی طرح تصرف نہ کر سکتا ہو۔ اس پر حجر لابدی ہے جیسا کہ سبھی ائمہ کا مذہب ہے اور حجر حاکم کے حکم سے لگایا جائے۔ جس شخص پر حاکم حجر لگائے اس کا اظہار ضروری ہے اور گواہ بنانا بھی ضروری ہے شافعیہ کا بھی یہی مؤقف ہے سفیہ کا ولی اس کا باپ باپ کے بعد اس کا مقرر کردہ وصی، اور اگر دونوں نہ ہوں تو حاکم ہوگا اگر مجور چھوٹا بچہ ہو تو حجر اس پر بدستور جاری رہے گا۔

محجور علیہ کے تصرفات......محجور علیہ کا نکاح ولی کی اجازت اور بغیر اجازت کے بھی صحیح ہے جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے، چونکہ اس میں مصلحت ہے، البتہ نکاح مہر مثل کی ساتھ مقید ہوگا مہر مثل سے زائد مہر نہیں رکھا جائے گا چونکہ زائد مہر محض تبرع ہے جب کہ سفیہ تبرع کا اہل نہیں نکاح تب کرے گا جب سفیہ کو احتیاج ہوا گر سفیہ کو نکاح کی ضرورت نہ ہو تو اس کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں چونکہ نکاح ایسا تصرف ہے جس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے لہٰذا خرید فروخت کی طرح ولی کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں۔

سفیہ کی طلاق صحیح نہیں چونکہ طلاق مالی تصرف نہیں جیسے بیوی کے ساتھ خلع صحیح ہے چونکہ جب مال کے بغیر بیوی کو طلاق دینا صحیح ہے تو خلع بطریق اولی صحیح ہوگا لیکن بدل خلع سفیہ کو نہیں دیا جائے گا، بلکہ اس کا ولی قبضہ کرے گا۔

سفیہ کا ظہار، ایلاء، لعان کے ذریعہ نسب کی نفی اور نسب کا اقرار صحیح ہے۔

سفیہ کی وصیت صحیح ہے جیسا کہ بھی فقہاء کا مؤقف ہے چونکہ وصیت میں سفیہ کی مصلحت ہے اور وہ مال کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔

سفیہ کا حد اور قصاص کا اقرار صحیح ہے اسی طرح زنا، سرقہ، شرب خمر، قذف، قتل عمد قطع ید وغیرھا کا اقرار بھی صحیح ہے۔ اگر مالک قصاص نے سفیہ کو معاف کر دیا تو درست اور صواب یہ ہے کہ سفیہ پر مال (دیت) واجب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ شافعیہ کا مذہب ہے چونکہ سفیہ اور مقرلہ نے معافی پر اتفاق کر لیا۔

سفیہ کا اقرار دین صحیح نہیں اور ایسے حق کا اقرار بھی صحیح نہیں جو موجب دین ہو جیسے قتل خطا یا قتل شبہ عمد کا اقرار۔ چنانچہ دوران حجر سفیہ نے جو اقرار کیا ہو وہ اس پر لازم نہیں ہوگا چونکہ مصلحت کی بنا پر اس پر پابندی لگی ہوئی ہے لیکن حنابلہ کا بظاہر یہ مذہب ہے کہ اقرار حجر اٹھا لینے کے بعد لازم ہوگا۔

دوسرے کا مال تلف کرنے کے متعلق سفیہ کا وہی حکم ہے جو بچے اور مجنون کا حکم ہے۔ سفیہ کے تبرعات (نفلی صدقات) صحیح نہیں، جیسے ہبہ، وقف وغیرہ، جیسے بقیہ فقہاء کہتے ہیں چونکہ تبرع میں ضرر ہے اور سفیہ تبرع کا اہل بھی نہیں سفیہ کی شرکت، حوالہ، اور کفالہ صحیح نہیں چونکہ یہ مالی تصرفات نہیں لہٰذا خرید اور فروخت کی طرح صحیح نہیں ہیں۔

ولی کی اجازت کے بغیر سفیہ کی بیع وشراء باطل ہیں، چونکہ مال کی حفاظت کے لئے اس پر حجر عائد کیا گیا ہے اگر ولی سفیہ کو بیع وشراء کی اجازت دے دے تو کیا بیع وشراء صحیح ہوگی، اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱......صحیح ہے چونکہ بیع وشراء عقد معاوضہ ہے لہٰذا ولی کی اجازت سے خرید وفروخت کا مالک ہوگا جیسے اجازت سے نکاح کا مالک ہوتا ہے حنابلہ کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

۲......سفیہ کی بیع وشراء صحیح نہیں، چونکہ سفیہ پر اس لئے حجر لگایا گیا تا کہ تبذیر اور تصرف بد سے اسے روکا جائے اگر اسے بیع وشراء کی اجازت دے دی گی تو ایسے تصرف کی اجازت دی گئی جس میں کوئی مصلحت نہیں لہٰذا بیع وشراء صحیح نہیں پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ صورت شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔

سفیہ پر شرعی واجبات لازم ہوں گے جیسے بیوی کا خرچہ خادم کا خرچہ، وہ دینی فرائض جو مال سے متعلق ہوں وہ بھی اس پر واجب ہوں گے، جیسے زکوۃ لیکن سفیہ اپنے تئیں زکوۃ نہیں بانٹے گا بلکہ بانٹنے کا کام ولی انجام دے گا جیسے دیگر مالی تصرفات سفیہ کی ہر بدنی عبادات کی نذر صحیح ہے جیسے حج، روزہ نماز وغیرہ چونکہ سفیہ کے بدن پر حجر تو نہیں لگایا گیا البتہ مالی عبادات کی نذر صحیح نہیں ہوگی جیسے صدقہ اور قربانی وغیرہ۔

اگر سفیہ نے فرض حج کے لئے احرام باندھا اس کا احرام صحیح ہوگا جیسے دوسری عبادات صحیح ہیں البتہ سفر خرچ کسی باوثوق شخص کو دیا جائے گا جو

راستے میں اس پر خرچ کرتا رہے گا یہاں تک سفیہ حج سے واپس لوٹ آئے بقیہ فقہاء کا بھی یہی مؤقف ہے۔ اگر حج نفلی ہو اور اس کے اخراجات اتنے ہی آتے ہوں جتنے گھر بیٹھے بیٹھے یعنی حالت حضر کے ہوں یا اس سے زائد ہوں تاہم دوران سفر سفیہ کو مزدوری کے مواقع بھی میسر ہوں تو ولی اسے حج سے نہیں روک سکتا، چونکہ حج شروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے۔ اگر سفر خرچ زائد ہو اور دوران سفر مزدوری کے مواقع بھی میسر نہ ہوں تو ولی نفلی حج سے اسے حلال کرالے چونکہ اس صورت میں سفیہ کا ضرر اور نقصان ہے دس روزے رکھ کر حلال ہو (یعنی احرام کھولے) یہ ایسا ہی ہے جیسے محصر شافعیہ کا بھی یہی موقف ہے۔

سفیہ کے ولی کے تصرف کا حکم یہی ہے جو بچے اور مجنون کے ولی کے تصرف کا حکم ہوتا ہے۔

خلاصہ..... سفیہ کے تصرفات جواز قسم خرید وفروخت ہوں وہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے جب کہ شافعیہ کے نزدیک باطل ہوں گے اگرچہ ولی کی اجازت سے ہوں حنابلہ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر باطل ہوں گے جب کہ راجح یہ ہے کہ اگر ولی نے اجازت دے دی تو تصرفات نافذ ہوں گے۔

پانچواں مقصد: مغفل پر حجر کے اثرات:

مغفل..... غفلت والے شخص کو کہا جاتا ہے جس سے بیوع (خرید وفروخت کے معاملات) میں دھوکا ہو جائے جب کہ نفع بخش تصرفات کی سوجھ بوجھ بھی نہ رکھتا ہو، چونکہ مغفل میں تجربہ نہیں ہوتا اور وہ قلب سلیم کا مالک بھی نہیں ہوتا، البتہ مغفل سفیہ سے اس معنی میں مختلف ہے کہ مغفل اپنے مال کو تباہ وبرباد نہیں کررہا ہوتا، اور نہ ہی اللے تللوں میں خرچ کرتا ہو، جب کہ سفیہ اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ بالقصد اپنے مال کو تباہ کررہا ہوتا ہے اور محض خواہشات اور ہوائے نفس میں خرچ کرتا ہو، مغفل معتوہ بھی نہیں ہوتا یہ مخلوط الکلام ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مغفل پر پابندی نہیں لگائی جائے گی، جب کہ صاحبین کے نزدیک پابندی لگائی جائے گی، صاحبین کا قول مفتی بہ ہے یہی باقی فقہاء کی رائے ہے اس میں مغفل کی بہتری ہے مغفل کے تصرفات کے احکام سفیہ جیسے ہیں۔ ❶

سفیہ اور مغفل پر حجر کی ابتداء اور انتہاء..... امام محمد بن حسن اور ابن قاسم مالکی ❷ کہتے ہیں: سفیہ اور مغفل سے جس وقت سفہ اور غفلت کی علامتیں ظاہر ہوں اس وقت سے ان پر حجر لگایا جائے گا جب یہ علامتیں ختم ہو جائیں اس وقت حجر بھی ختم ہو جائے گا حجر حکم قاضی پر موقوف نہیں چونکہ وجودا وعدما سبب کے ساتھ مسبب بھی گھومتا ہے یعنی یہاں جہاں سبب پایا جائے گا مسبب بھی وعلی علیہ۔

بنابریں سفیہ اور مغفل کی علامتیں جب ظاہر ہوں اسی وقت سے ان کے تصرفات غیر صحیح شمار ہوں گے، اور دونوں محجور علیہ کہلائیں گے۔

امام ابو یوسف اور جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ سفیہ اور مغفل کا حجر بحکم قاضی ثابت ہوگا چونکہ سفہ اور غفلت ایسے امور ہیں جو غیر محسوس ہیں جیسے جنون اور عتہ، ان پر تو تصرفات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ جب کہ یہ امور تو تقدیری اور اجتہادی ہیں جو مختلف ہوتے ہیں، لہٰذا قاضی کے حکم کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ اس رائے کے مطابق میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ حجر قضائی سے پہلے کے تصرفات نافذ العمل ہوں گے۔ چونکہ ان میں کسی کا نقصان نہیں۔

چھٹا مقصد: فاسق پر حجر کا بیان:

مذاہب اربعہ..... ❸ کا اس پر اتفاق ہے کہ صرف فسق کی وجہ سے فاسق پر حجر نہیں لگایا جائے گا چنانچہ اگر سفیہ فسق کا ارتکاب کرتا

---

❶..... الدر المختار ۵/۱۰۲ تبیین الحقائق ۵/۱۹۸ البدائع ۷/۱۶۹ الشرح الکبیر ۳/۲۹۷۔ ❷ ردالمحتار ۵/۱۰۳ ❸ الدر المختار ۵/۱۰۲ اللباب مع الکتاب ۲/۷۵ القوانین الفقہیة ۳۲۰ الشرح الکبیر ۳/۲۹۲ مغنی المحتاج ۲/۱۷۰ کشاف القناع ۳/۴۴۰

ہو اور بالغ ہونے کے بعد تبذیر کا وصف جا تا رہے اور اس کے تصرفات میں بہتری ہو تو اس پر حجر نہیں لگایا جائے گا چونکہ فاسق اپنے نفس اور اپنی اولاد پر ولایت رکھتا ہے نیز حجر کی مشروعیت اس لئے ہے تا کہ اسراف اور تبذیر سے مجور کو دور رکھا جائے، نیز اسلاف نے فاسقین پر حجر نہیں لگایا۔

فسق اصلی (جو بچپن سے ہو) اور فسق طاری (جو بلوغ کے بعد ہو) حجر کے عدم جواز میں برابر ہیں۔شافعیہ کے ہاں بھی اصح یہی ہے۔

ملاحظہ: حجر علی الغائب...... حنفیہ اپنے اصول کے برخلاف کہتے ہیں کہ غائب شخص پر حجر صحیح ہے لیکن جب تک اسے حجر کا علم نہ ہو حجر اس کے حق میں غیر مؤثر ہوگا۔ ❶

ساتواں مقصد...... مصلحت عامہ کے پیش نظر حجر:

حنفیہ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ مصلحت عامہ کے لیے حجر جائز ہے چونکہ خاص ضرر کو عام ضرر کے دفیعہ کے لیے برداشت کیا جا سکتا ہے، چنانچہ جاہل طبیب پر پابندی لگائی جا سکتی ہے لاپرواہ مفتی اور مفلس کرایہ دار پر بھی پابندی لگائی جا سکتی ہے۔مثلاً جاہل طبیب لوگوں کو مہلک ادویات دیتا ہو جن کا ازالہ ہی ناممکن ہو اور ان کی تاثیر مریضوں پر شدید تر ہوتی ہے تو ایسے طبیب پر پابندی لگائی جا سکتی ہے۔

لاپرواہ مفتی جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہو مثلاً عورت کو بائنہ کرنے کے لئے مرتد ہونے کا حیلہ، زکوۃ ساقط کرنے کا حیلہ سکھاتا ہو اور حرام کو حلال قرار دینے میں اور حلال کو حرام قرار دینے میں اسے کوئی پرواہ نہ ہو یا افتاء کے شعبہ سے ہی نابلد ہو تو اس پر پابندی لگائی جا سکتی ہے مفلس مکاری جو لوگوں سے دنا دن کرائے وصول کرتا ہو جب کہ نقل وحمل کے وسائل جیسے اونٹ گھوڑے ٹرک کی گاڑی وغیرہ اس کے پاس نہ ہوں (کمیاب ہوں) جیسے اس کے پاس مال نہیں وہ ان کرایوں سے وسائل نقل وحمل خریدنا چاہے اور لوگ بھروسہ کر کے اسے کرایہ دیتے رہیں جب کہ مال ماخوذ اپنی ضروریات میں صرف کرتا ہوں جب بار برداری اور نقل کا وقت آئے تو یہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے یوں لوگوں کا مال ضائع ہو جائے ایسے مکاری (کرایہ لینے والے) پر بھی پابندی لگائی جا سکتی ہے۔

چنانچہ ان جیسوں لوگوں پر پابندی لگائی جا سکتی ہے چونکہ عام ضرر کا دفعیہ واجب ہوا گر چہ اس میں خاص آدمی کا ضرر اور نقصان ہے۔ان حالات میں حجر مناسب سزا ہے تا کہ یہ لوگ مفاسد سے باز رہیں چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ان تین شخصوں پر حجر جاری کرتے تھے چونکہ جاہل طبیب لوگوں کے بدن کو نقصان پہنچاتا ہے لاپرواہ مفتی دین کے لئے نقصان دہ ہے اور مکاری لوگوں کے اموال کے لئے نقصان دہ ہے۔

لیکن حجر سے مراد حجر حقیقی نہیں جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے بلکہ حجر سے مراد ممانعت حسی ہے کہ ان لوگوں کو ان کے کام سے روکا جائے گا۔چنانچہ اگر حجر کے بعد مفتی نے درست فتوی دیا تو جائز ہے طبیب نے دوائی فروخت کی جو نفع بخش ثابت ہوئی اس کی بیع نافذ ہوگی، چونکہ یہ ممانعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قبیل سے ہے تا کہ جاہل طبیب کی ادویات سے لوگوں کی صحت خراب نہ ہو لاپرواہ مفتی سے دین خراب نہ ہو اور مفلس مکاری لوگوں کے اموال کو ضائع نہ کرے۔

آٹھواں مقصد...... مرض الموت میں مبتلا مریض پر حجر:

مرض الموت...... سے مراد وہ مرض ہے جو اطباء کی رائے کے مطابق موت کا سبب بن جائے۔

یا اس مرض سے موت واقع ہو جائے اگر چہ غالب احوال میں موت واقع نہ ہوتی ہو، یعنی دارومدار اس پر ہے کہ مرض کی وجہ سے اکثر

❶ ... الدر المختار وردالمحتار ۵ / ۱۰۶۔

موت واقع ہوجاتی ہے اگر چہ غالباً نہ ہو۔ ❶

مجلہ احکام عدلیہ (م ۱۵۹۵) میں مرض الموت کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ یہ ایسا مرض ہے جو مرد یا عورت کو اعمال معتادہ سے عاجز کردے شروع مرض سے ایک سال گزرنے سے قبل موت متصل ہوگی بشرطیکہ حالت شدیدہ نہ ہوا گر مرض میں حالت شدیدہ ہوجاتی ہو تو بوقت شدت سے مرض الموت سمجھی جائے گی جو شخص مرض الموت میں مبتلا ہوا سے مریض کہا جاتا ہے مریض کا متضاد صحیح (صحتمند اور تندرست) ہے اور صحیح وہ ہوتا ہے جو مرض الموت میں مبتلا نہ ہوا گر چہ کسی دوسرے مرض میں مبتلا ہو لہٰذا اپاہج، مفلوج اور مسلول کا مرض اگر طویل ہوجائے اور صاحب فراش نہ ہو تو وہ صحیح کے حکم میں ہے۔

بنابرایں مالکیہ کہتے ہیں مریض کی دو قسمیں ہیں ❷ ایک وہ مریض جس پر موت کا خوف نہ ہو جیسے برص کا مریض مجذوم، آشوب چشم کا مریض وغیرہ ان پر حجر نہیں ہوگا۔

دوسرا وہ مرض جس پر موت کا غالباً وعادۃً خوف ہو جیسے شدید بخار، شدید پیچش، اور نمونیا وغیرہ۔ میری رائے کے مطابق ہر زمانہ کے لحاظ سے مرض الموت کا اعتبار کیا جائے گا چنانچہ ماضی میں پیچش کا مرض خطرناک اور لا علاج سمجھا جاتا تھا ہمارے زمانہ میں نئی نئی دریافتوں کی وجہ سے سہل العلاج مرض ہے۔

ائمہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ مریض الموت پر حجر جائز ہے تا کہ ورثہ کے حقوق محفوظ رہیں مالکیہ نے تصریح کی ہے کہ وہ شخص جس کی موت کا قوی امکان ہو جیسے میدان جنگ میں لڑنے والا فوجی اور قتل کے لیے قید کیا ہوا شخص بھی مریض الموت کے حکم میں ہے۔ حاملہ عورت جب اس کے حمل کو چھ ماہ گزر جائیں اور ساتویں ماہ میں داخل ہوجائے، موسم طوفان میں سمندر میں سفر کرنے والے میں اختلاف ہے اصح یہ ہے کہ وہ مریض الموت کے حکم میں نہیں۔ صرف مریض الموت کے تبرعات پر حجر ہوگا جو ایک تہائی ترکہ سے زائد ہوجائیں، جیسے ہبہ صدقہ، وصیت، وقف، بیع محابات، (محابات کا ذکر وصیت میں آئے گا) وہ بیع جو غبن پر مشتمل ہو یعنی مریض الموت کے تبرعات کا حکم وصیت کی طرح ہے اور اس کے تبرعات ایک تہائی میں نافذ ہوں گے، تہائی سے زائد تبرعات ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوں گے اگر مرض سے صحتیاب ہوگیا تو اس کے تصرفات صحیح ہوں گے، یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے۔ اگر اس کے دیون کل ترکہ کو مستغرق ہوں تو اس کے سبھی تصرفات پر پابندی ہوگی پھر تہائی کو نہیں دیکھا جائے گا تا کہ قرض خواہوں کے حقوق محفوظ رہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں...... مریض کا تبرع تہائی میں سے نافذ نہیں ہوگا البتہ اگر تبرع میں دیا ہوا مال ایسا ہو جو تغیر سے محفوظ ہو جیسے زمین گھر وغیرہ تو تبرع نافذ نہیں ہوگا اگر چہ تہائی سے کم ہی ہو۔

مالکیہ نے نزدیک بقدر ضرورت سے زائد میں مریض الموت کا تصرفات جائز نہیں یعنی کھانے پینے پینے، اور علاج معالجے کا تصرف کر سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔

معاوضات مالیہ کے تصرفات جیسے خرید فروخت، قرض، مضاربت، مساقات اور اجارہ وغیرہ کر سکتا ہے، ہاں البتہ اگر محابات پر کوئی تصرف مبنی ہو تو وہ نہیں کر سکتا۔

اگر مریض مرگیا تہائی مال میں سے تبرعات کا تصرف نافذ ہوگا اور اگر زندہ رہا تو کل مال سے تصرف نافذ ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں...... مریض کے خاص ضروری تصرفات بذاتہ نافذ ہوں گے اور کسی کی اجازت پر موقوف نہیں ہوں گے جیسے ضروری اخراجات جو کھانے پینے، پہننے اور سکنی سے متعلق ہوں ذوی الارحام کا خرچہ علاج معالجہ کا خرچہ آپریشن وغیرہ کا خرچہ لازم ہوگا۔ مریض الموت

---

❶..... الشرح الکبیر و حاشیة الدسوقی ۳/۳۰۶ ❷ القوانین الفقهیة ۳۲۲۔

شادی کر سکتا ہے، چونکہ بسا اوقات اسے بیوی کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی خدمت کرے گی اور اس کا دل بہلائے گی بشرطیکہ نکاح مہر مثل کے ساتھ ہو، اگر مہر مثل سے زائد ہوا تو وہ تبرع ہے جو وصیت کے حکم میں ہے۔

مریض اجنبی کے لئے قرضے کا اقرار کر سکتا ہے اپنے کسی وارث کے لئے بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر اقرار اجنبی غیر وارث کے لئے ہو تو وہ صحیح ہے اور ورثہ کی اجازت کے بغیر نافذ ہو جائے گا البتہ حالت صحت کے دیون مقدم ہوں گے۔

نواں مقصد: بیوی پر حجر...... مالکیہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: کہتے ہیں ❶ شادی شدہ آزاد عورت پر حجر لگایا جائے گا تاکہ تصرف میں خاوند کے لئے بہتری رہے ایسے تصرف میں حجر ہوگا بلا عوض ہو جیسے ہبہ، کفالہ وغیرہ جو تہائی سے زائد ہو، اسے مریض الموت پر قیاس کیا گیا ہے تہائی سے زائد تبرع نافذ ہوگا یہاں تک کہ خاوند یا تو سبھی کو رد کر دے یا اس میں سے جتنا چاہے مالکیہ کے نزدیک یہی مشہور ہے۔

بنابرھذا عورت کے جمیع تبرعات نافذ ہوں گے اگر خاوند کو اس کے تبرع کا علم نہ ہو یہاں تک کہ طلاق سے عورت بائن ہو جائے یا خاوند کو علم ہو اور اس پر خاموش رہے۔ یا دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے۔

اگر عورت تہائی سے زائد تبرع کر دے تو خاوند کو اختیار حاصل ہے چاہے تبرع کو نافذ کر دے چاہے رد کر دے گویا خاوند کو عورت کے تبرعات پر اختیار حاصل ہے معتمد قول کے مطابق خاوند کا رد موقوف ہوگا جب کہ اشہب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خاوند کا رد ابطال ہے۔

عورت تہائی کے بعد تبرع نہیں کر سکتی الا یہ کہ دو مرتبہ تبرع کرے جو نصف سے بڑھ جائے، رہی بات عورت کے واجبات کی جو اس کے والدین کے خرچہ کے طور پر اس پر واجب ہوں تو ان کے حوالے سے عورت پر حجر نہیں ہوگا ابن قاسم کے نزدیک اگرچہ اس نفقہ میں خاوند کا ضرر ہو تب بھی حجر نہیں ہوگا جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت بھی ہے کہ اگر ثلث سے زائد تبرع میں خاوند کا ضرر ہو تو عورت پر حجر ہوگا۔

عورت اپنا سارا مال اپنے خاوند کو ہبہ کر سکتی ہے ہبہ کی صورت میں کسی کو اعتراض کا حق نہیں عورت اپنے جمیع مال میں تصرف کا حق رکھتی ہے۔

اس مذہب کی دلیل بہت ساری احادیث ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کسی عورت کے لئے جائز ہیں کہ وہ اپنے مال سے عطیہ کرے ہاں البتہ اپنے خاوند کی اجازت سے عطیہ کر سکتی ہے جو خاوند اس کی عصمت اور ناموس کا مالک ہوتا ہے۔ ❷

جمہور (حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کہتے ہیں ❸ سمجھدار عورت اپنے پورے مال میں تصرف کا اختیار رکھتی ہے خواہ تبرع از قسم معاوضہ ہو یا محض تبرع ہو، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ......النساء ۶/۴

اگر تمہیں ان میں سمجھداری محسوس ہو تو ان کے اموال نہیں دے دو۔

بظاہر یہ آیت حجر اٹھا لینے کی دلیل ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو اگرچہ صدقہ میں تمہیں اپنے زیورات ہی کیوں نہ دینے پڑیں ❹ چنانچہ صحابیات صدقات کرتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صدقات قبول فرماتے تھے، آپ سوال نہیں کرتے تھے اور نہ ہی تفصیل پوچھتے تھے، یہ راجح رائے ہے چونکہ عورت کے مالی حقوق خاوند کے مالی حقوق سے جدا اور مستقل ہیں یہ شریعت مطہرات کے مفاخر میں سے ہے کہ عورت کو تصرف اور اختیار کی پوری اہلیت سونپی ہے۔

ملحق: کیا عورت خاوند کے مال سے تھوڑا بہت صدقہ کر سکتی ہے...... اس ضمن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دو

---

❶ ......الشرح الکبیر ۳/۳۰۷، الشرح الصغیر ۳/۴۰۲ القوانین الفقہیة ۳۲۳ المغنی ۴/۴۶۴ کشاف القناع ۳/۴۰۵ ❷ رواہ الخمسة الترمذی عن عمر وبن شیعب عن ابیه عن جده (نیل الاوطار ۶/۱۸) ❸ المغنی ۴/۴۶۴۔ ❹ رواہ الترمذی عن زینب امراۃ عبداللہ بن مسعود

روایتیں ہیں جو اسلاف کی آراء میں اہمیت کی حامل ہیں۔

اول.....عورت خاوند کی اجازت سے صدقہ کر سکتی ہے اور یہ جائز ہے، حنبلی مذہب میں یہ روایت مشہور ہے، اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت اپنے خاوند کے گھر سے جو کچھ خرچ کرتی ہے اس حال میں کہ تباہ و برباد نہ کرتی ہو جو خرچ کرے گی اس کا اسے اجر و ثواب ملے گا عورت کو اس کی کمائی کا ثواب ملے گا خزانچی کو بھی اس کا ثواب ملے گا یہ ایک دوسرے کا ثواب کم نہیں کریں گے [1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں اجازت کا تذکرہ نہیں کیا چونکہ عادۃ چشم پوشی برت لی جاتی ہے گویا صراحۃ اجازت ہے۔ جیسے مہمان کے سامنے کھانا پیش کر دینا ہی صراحۃ اجازت کے قائم مقام ہے۔

لیکن اگر خاوند منع کرتا ہو یا خاوند بخیل ہو اور اس کی رضا مندی میں شک کرتا ہو تو اس صورت میں خاوند کے مال میں سے صدقہ کرنا عورت پر حرام ہے جیسے عورت کے کھانے سے خاوند پر صدقہ کرنا حرام ہے چونکہ عادۃ عورت کے کھانے سے صدقہ نہیں کیا جاتا۔ غلام اور خادم عورت کے قائم مقام ہے چنانچہ خادم اپنے مالک کے گھر سے ایک دو روٹیاں صدقہ کر سکتا ہے۔

دوم.....دوسری روایت کے مطابق عورت کے لیے جائز نہیں کہ خاوند کے مال سے صدقہ کرے۔ اس کی دلیل حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ عورت اپنے گھر سے خاوند کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرچ نہ کرے عرض کیا: گیا اے اللہ کی رسول! کھانا (غلہ) بھی نہیں خرچ کر سکتی؟ آپ نے فرمایا: یہ تو ہمارا افضل مال ہے۔ [2]

نیز یہ مالک کی اجازت کے بغیر تبرع ہے جو جائز نہیں۔

تبصرہ......ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں پہلی رائے صحیح ہے چونکہ اس کی تائید میں بہت ساری صحیح روایات ہیں جو خاص کا درجہ رکھتی ہیں چنانچہ خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔ جب کہ ابوامامہ باہلی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ضعیف ہے بیوی کو غیر پر قیاس نہیں کیا جائے گا، چونکہ عرف عادت میں عورت اپنے خاوند کے مال میں سے خرچ کرتی رہتی ہے۔ اور اس کے مال میں صدقہ بھی کرتی ہے گویا عرفی اذن حقیقی اذن کے قائم مقام ہے گویا خاوند نے عورت کہ کہہ دیا ہوتا ہے کہ کام کرو۔

دسواں مقصد: مدیون پر حجر اور اس کے اثرات:

اول: تفلیس اور مفلس کی تعریف......تفلیس کا لغوی معنی لوگوں میں کسی شخص کے مفلس ہونے کا اعلان ہے مفلس، فلوس سے ماخوذ ہے اور فلوس نہایت گھٹیا قسم کے مال کو کہا جاتا ہے تفلیس کی شرعی تعریف یہ ہے حاکم کا مدیون کو مفلس قرار دینا بایں طور کہ اسے مال میں تصرف کرنے سے روک دے تا کہ قرض خواہوں کا حق محفوظ رہے فلس مال نہ ہونے کو کہا جاتا ہے۔ عرف میں مفلس اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس مال نہ ہو، شریعت میں مفلس اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے مال سے دیون کی ادائیگی نہ ہو سکتی ہو یا وہ شخص جس کے مال کا دیون نے احاطہ کر لیا ہو۔ یعنی وہ شخص جس کے پاس مال تھوڑا ہو اور اس پر دین زیادہ ہو لہٰذا وہ شخص بھی مفلس ہے۔ جس کے پاس مال ہو لیکن دیون میں مصروف ہو گویا وہ معدوم المال ہوتا ہے۔ یا آخر کار اس کا مال دیون میں صرف ہو جاتا ہے یا ایسے شخص کو مفلس اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی گزر بسر کے لیے حقیر چیز تصرف میں لاسکتا ہے جیسے فلوس وغیرہ۔ [3]

بالفاظ دیگر مفلس کو ہم جدید اصطلاح میں دیوالیہ کہہ سکتے ہیں۔

---

[1].....رواہ الجماعۃ (نیل الاوطار ۶/ ۱۵) [2] رواہ سعید بن المنصور فی سننہ وفی معناہ احادیث۔ [3] بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۸۰ القوانین الفقہیۃ ۳۱۸ الشرح الکبیر ۳/ ۲۶۱ مغنی المحتاج ۲/ ۱۴۶۔

دوم: کیا مدیون مفلس (دیوالیہ) پر حجر......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (1) دین کے معاملہ میں مفلس پر میں حجر نہیں لگاؤں گا چونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے چنانچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مفلس مدیون پر حجر نہیں لگایا جائے گا جیسے ان کے نزدیک سفیہ پر حجر نہیں لگایا جائے گا چونکہ حجر لگانے میں اس کی تذلیل ہے یہ دائن کے ضرر سے بڑھا ہوا ضرر ہے لہٰذا مفلس کے تصرفات فافذ ہوں گے جبراً اس کا مال فروخت نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے دیون کی سلامتی کا حکم دیا جائے گا۔ اگر ادائیگی میں پیش رفت کی تو اس کی کسی چیز کے ساتھ تعرض نہیں کیا جائے گا اور اگر ادائیگی میں کوتاہی کی اسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ دیون کی ادائیگی کی کوئی راہ نکل آئے۔ یا وہ خود اپنے تئیں مال فروخت کردے، مدیون کو قید وحبس میں رکھنا اس لیے مشروع ہے تا کہ اس کے ظلم کا دفعیہ ہوجائے چونکہ دین کی ادائیگی اس پر واجب ہے اور ٹال مٹول ظلم ہے قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ جبراً مدیون مفلس کا مال فروخت کرے چونکہ یہ بھی ایک قسم کا حجر ہے جو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں۔

خلاصہ......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حاکم مفلس پر حجر نہیں لگا سکتا اور نہ ہی اس کا مال فروخت کرسکتا ہے، بلکہ اسے قید کرے یہاں تک کہ دیون ادا کرے یا جیل میں مرکھپ جائے۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک صاحبین کا قول مفتی بہ ہے یہی جمہور کا قول ہے، وہ یہ ہے کہ مفلس مدیون پر مالی تصرفات کے حوالے سے حجر لگانا جائز ہے۔ تا کہ دائنین کے حقوق محفوظ رہیں۔ ان کی دلیل دارقطنی اور حاکم کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر حجر لگادیا تھا اور ان پر جو دین تھا اس میں ان کا مال فروخت کردیا تھا اور پھر قرض خواہوں میں تقسیم کردیا۔ چنانچہ مال کے سات حصے کیے گئے اور قرض خواہوں کو پانچ حصے دیے، پھر فرمایا: تمہارے لیے بس یہی ہے بعض تفصیلات میں مذاہب کا اختلاف بھی ہے جس میں سے ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ آیا حجر قاضی کے فیصلہ سے ہوگا یا بغیر قاضی کے فیصلہ کے۔

سوم: مدیون پر حجر قاضی کے فیصلہ پر موقوف ہے:

ا۔ مالکیہ کا مذہب......وہ مفلس جس پر دین محیط ہو اس کی تین صورتیں ہیں۔ (2)

پہلی صورت تفلیس سے قبل: یعنی مفلس (دیوالیہ) سے مال چھین کر دائنین کو دینے قبل دائنین کو حق حاصل ہے کہ وہ مفلس کو بغیر عوض کے تصرف سے منع کریں اور اس کا تصرف باطل کردیں برابر ہے کہ اس کا دین حال ہو (یعنی جس کی ادائیگی کی مدت پوری ہوچکی ہو) یا مؤجل ہو دائنین ایسے تصرفات سے مفلس کو روک دیں جن سے ان کی مصلحت کا نقصان ہوتا ہو جیسے تبرع ہبہ صدقہ، وقف، کفالہ، قرض اقرار دین ایسے شخص کے لیے جس میں مدیون کے بھاگنے کی تہمت ہو مثلاً بیوی یا بیٹے کے لئے اقرار کردیا۔ البتہ اگر موضع تہمت نہ ہو تو پھر اقرار معتبر ہوگا مذکور بالا کے علاوہ تصرفات جیسے خرید وفروخت وغیرہ نافذ ہوں گے۔

دوسری صورت......یہ کہ معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش نہ کیا گیا ہو بلکہ قرض خواہ مدیون کی تلاش میں ہوا اور وہ چھپ گیا ہو قرض خواہوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کے اور اس کے مال کے درمیان حائل ہوجائیں اور تبرعات سے اسے روک دیں بیع وشراء کے مالی تصرفات اور نکاح سے روک دیں بلکہ اس کے مال کو دیون کے حصہ جات کے بقدر آپس میں تقسیم کرلیں۔

تیسری صورت......حاکم (قاضی) مدیون کے مفلس ہونے کا حکم صادر کردے اور مدیون سے مال چھین کر غرباء کو دے چونکہ مدیون ادائے دیون سے عاجز آچکا ہے۔

---

(1)......بدایة المجتهد ۲/۲۸۰ القوانین الفقهیة ۳۱۸ الشرح الکبیر ۳/۲۶۱ مغنی المحتاج ۲/۱۴۶ المغنی ۴/۴۰۸ کشاف القناع ۳/۴۰۵. (2) الشرح الکبیر وحاشیة الدسوقی ۳/۲۶۱ الشرح الصغیر ۳/۳۴۵ بدایة المجتهد ۲/۲۸۰ القوانین الفقهیة ۳۱۸

یہ صورت صرف اسی حالت میں متحقق ہوسکتی ہے جب دائنین مطالبہ کررہے ہوں اور دین کی ادائیگی کی مدت پوری ہوچکی ہو دین مؤجل کی یاداش میں مدیون کو مفلس قرار دینا صحیح نہیں یہ بھی شرط ہے کہ دین اس کے مال سے زیادہ ہو چنانچہ جب قاضی مدیون کو مفلس قرار دے سبھی غرماء اس کے مال میں شریک ہوں گے۔

مدیون کو مفلس قرار دینے پر چار امور مرتب ہوتے ہیں جن میں حجر کا معنی متحقق ہوتا ہے مفلس مدیون تبرعات سے روک دیا جاتا ہے، معاوضات مالیہ سے روک دیا جاتا ہے، ایک بیوی سے زیادہ بیویاں رکھنے سے روک دیا جاتا ہے اور اس کا مال دائنین کے رمیان تقسیم کردیا جاتا ہے۔

دائنین مفلس مدیون کو سفر تجارت سے روک سکتے ہیں خواہ ادائے دین کی مدت پوری ہوچکی یا پوری نہ ہوئی ہو۔

۲۔ جمہور کا مذہب...... ❶ مفلس مدیون پر بغیر قضائے قاضی کے حجر نہیں لگایا جائے گا گویا قبل از قضا کے تصرفات نافذ العمل ہوں گے جب مدیون پر حجر لگادیا گیا تو وہ سبھی تصرفات سے روک دیا جائے گا جن سے دائنین کا نقصان ہوتا ہو مثلاً تبرعات، معاوضات مالیہ، حالت حجر میں دین کا اقرار، حاکم اس کا مال فروخت کردے گا اور حاصل ہونے والی رقم قرض خواہوں میں بانٹ دے گا۔

حنفیہ نے مدیون پر حجر لگانے کی دو شرطیں عائد کی ہیں یہ صاحبین کا قول ہے جو مفتی بہ ہے وہ دیون جن کی ادائیگی کی مدت پوری ہوچکی ہو وہ مدیون کے مال سے زائد ہوں یہ کہ قرض خواہ حجر کا مطالبہ کرتے ہوں۔

مہر مثل کے ساتھ مفلس کا نکاح، طلاق خلع، رجعت، مطالبہ قصاص، اسقاط قصاص اگرچہ مفت ہو صحیح ہے۔ حجر سے پہلے مدیون نے جو مبیع خرید رکھی ہو اسے عیب اور اقالہ کی وجہ سے رد کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ رد میں کوئی مصلحت ہو۔ شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ مدیون جس چیز کا مالک ہوگا اس پر حجر موثر ہوگا۔

مدیون کے مال میں سے اس پر اس کی بیوی بچے اور ذوی الارحام پر خرچ کیا جائے گا چونکہ مدیون کی حاجت اصلیہ قرض خواہوں کے حق پر مقدم ہوگی۔

مدیون کے حجر اور سفیہ کے حجر میں فرق...... حنفیہ نے ان دونوں کے درمیان مختلف فروق بیان کئے ہیں۔ ❷

۱...... سفیہ پر حجر ایسی علت کی وجہ سے لگایا جاتا ہے جو اس میں پائی جاتی ہے اور وہ سفیہ کا اختیار بد ہے، قرض خواہوں کے حقوق کے پیش نظر سفیہ پر حجر نہیں لگایا جاتا جب کہ مدیون پر حجر دائنین کی مصلحت کے پیش نظر لگایا جاتا ہے۔ دونوں پر حجر بحکم قاضی ہوگا۔

۲...... مدیون مجور نے اگر حالت حجر میں دین کا اقرار کیا تو زوال حجر کے بعد اس کا اقرار نافذ ہوگا جب کہ سفیہ مجور کا اقرار بالدین جائز نہیں ہے۔ نہ ہی حالت حجر میں اور نہ حجر کے بعد۔ فرق کی یہ دو صورتیں شافعیہ حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں بھی معتبر ہیں۔

مفلس کا حجر مریض الموت کے حجر سے قوی تر ہوتا ہے چونکہ مریض الموت دوران مرض تہائی مال میں تصرف کرسکتا ہے ورثہ کا مال سے تعلق موت کے بعد ہوتا ہے رہی بات مفلس کے حجر کی سو اس کا تعلق غرماء کے حقوق سے ہے۔ ❸

مفلس مدیون کا سفر...... مدیون کو سفر سے روکنے کی متعلق فقہاء کی دو رائیں ہیں۔

۱...... حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں ❹ دائنین مدیون کو سفر سے روکنے کا حق نہیں رکھتے یہ تب ہے جب دیون کی مدت پوری نہ ہوگی ہو۔ اگر

---

❶...... تبیین الحقائق ۱۹۹/۵ الدر المختار ۱۰۳/۵ الکتاب مع اللباب ۷۳/۲ تکملۃ الفتح ۳۲۷/۷ مغنی المحتاج ۱۴۷/۲ المھذب ۳۲۰/۱ المغنی ۴۰۹/۴ کشاف القناع ۴۰۷/۳ ❷ ردالمحتار ۱۰۳/۵ تبیین الحقائق ۱۹۶/۵۔ ❸ مغنی المحتاج ۱۴۸/۲ لمھذب ۳۲۱/۱ ❹ البدائع ۱۷۳/۷ تکملۃ الفتح ۳۲۹/۷ اللباب ۷۴/۲ المھذب ۳۹۱/۱ مغنی المحتاج ۱۵۷/۲

مدت پوری ہو جائے تو پھر اسے سفر سے روک سکتے ہیں۔

۲..... مالکیہ کہتے ہیں ❶ دائن مدیون کو سفر تجارت سے روکنے کا حق رکھتا ہے بشرطیکہ مدت پوری ہو چکی ہو یا مدیون کے سفر کے دوران پوری ہوتی ہو۔ اگر چہ دین مدیون کے مال کو محیط نہ بھی ہو۔

اگر دین مؤجل ہو یا دوران سفر دین کی مدت پوری نہ ہوتی ہو تو دائن مدیون کو سفر سے روکنے کا حق نہیں رکھتا۔

حنابلہ کا یہ قول مالکیہ کے موافق ❷ ہے کہ اگر مدیون مسافت قصر سے زائد سفر کرنا چاہتا ہو تو دائن اسے روکنے کا حق رکھتا ہے بشرطیکہ سفر سے واپس آنے سے قبل دین کی مدت پوری ہو جاتی ہو اگر سفر سے واپس لوٹنے کے بعد مدت پوری ہوتی ہو تو دائن اسے روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ البتہ حنابلہ کہتے ہیں اگر سفر جہاد ہو تو دائن مدیون کو روکنے کا حق رکھتا ہے الا یہ کہ دائن مدیون سے کفیل لے یا رہن رکھے چونکہ سفر جہاد میں شہادت کا قوی امکان ہوتا ہے۔ لہٰذا حق فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔

خلاصہ..... پہلی رائے حنفیہ اور شافعیہ کی ہے۔ کہ اگر دین موجل ہو تو دائن مدیون کو روکنے کا حق نہیں رکھتا، دوسری رائے مالکیہ اور حنابلہ کی ہے اس رائے میں سختی کے ساتھ دائن کی حق کی حفاظت کی گئی ہے۔

پنجم: مفلس پر حجر کے اثرات اور احکام حجر..... حجر پر درج ذیل آثار اور احکام مرتب ہوتے ہیں۔

ا۔ مدیون کے عین مال سے غرماء کا تعلق حق اور مالی تصرف سے ممانعت ❸..... مستحب ہے کہ قاضی حجر پر گواہ بنالے تاکہ لوگوں کو مفلس مدیون کا حال معلوم ہو جائے اور اس کے ساتھ معاملات کرنے سے باز رہیں اگر معاملہ کریں بھی تو دیکھ بھال کر کریں۔ جب اس پر حجر لگا دیا جائے تو غرماء کے دیون کا ❶❶ س کے مال کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے لہٰذا مدیون کے مال میں اس کا ایسا تصرف نافذ نہیں ہوگا جو دائنین کو نقصان پہنچائے۔ چنانچہ مفلس کے تبرعات جیسے ہبہ اور صدقہ وغیرہ باطل ہو جائیں گے مفلس قرار دیئے جانے کے بعد اس کے اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ لیکن مالکیہ کہتے ہیں: مفلس کا وہ اقرار جو اجنبی کے حق میں ہو قبول کیا جائے گا۔ البتہ اراس کا اقرار موضع تہمت میں ہو تو قبول نہیں ہوگا جیسے بیٹے بھائی یا بیوی کے حق میں اقرار کر دیا تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کا اقرار اسی مجلس میں قبول کیا جائے گا جس مجلس میں اسے مفلس قرار دیا گیا۔ معاوضات مالیہ جیسے بیع شراء باطل ہوں گے انکار بطلان حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک ہے چونکہ مال کے ساتھ غرماء کا حق متعلق ہو چکا ہے نیز مدیون مفلس بحکم القاضی مجور ہے لہٰذا اس کا تصرف صحیح نہیں ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں ثمن مثل یا مثل قیمت کے ساتھ مفلس کی خرید وفروخت صحیح ہے اور اگر بیع غبن کے ساتھ ہو تو دائنین کی اجازت پر موقوف ہوگی لہٰذا اگر ثمن مثل سے کم کے ساتھ بیع ہوئی اسے بیع سے روکا جائے گا۔ ❹

مالکیہ کہتے ہیں: اگر تصرف مالی واقع ہوا تو باطل نہیں ہوگا بلکہ حاکم اور غرماء کی صوابدید پر موقوف ہوگا۔

مفلس مجور کے وہ تصرفات جو اس کے ذمہ میں متعلق ہوں جیسے بیع سلم یا ذمہ میں واجب کسی چیز کی بیع صحیح ہیں۔ چونکہ ان تصرفات میں غرماء کا ضرر اور نقصان ہیں: وہ تصرت جو مال سے متعلق نہ ہوں وہ بھی صحیح ہیں جیسے نکاح، طلاق، خلع، قصاص، اسقاط حق قصاص خواہ مفت میں یا بمقابلہ دیت۔

حجر سے پہلے واجب حق یا مال کا اقرار صحیح ہے ایسے حقوق کا اقرار صحیح نہیں جو حجر کے بعد مال سے متعلق ہو۔

---

❶..... الشرح الکبیر ۳/۲۶۲ الشرح الصغیر ۳/۴۳۸ ❷ المغنی ۴/۴۵۵ کشاف القناع ۳/۴۰۵۔ ❸ ردالمحتار ۵/۱۰۵ تکملۃ الفتح ۷/۲۲۸ الشرح الکبیر ۳/۲۶۵ الشرح الصغیر ۳/۳۵۲ القوانین الفقھیۃ ۳۱۸ مغنی المحتاج ۲/۱۴۷ المھذب ۱/۳۲۱ کشاف القناع ۳/۴۱۱ المغنی ۴/۴۰۹۔ ❹ المھذب ۱/۳۲۱ مغنی المحتاج ۲/۱۴۸ المغنی ۴/۴۴۰ کشاف القناع ۳/۴۱۱۔

۲۔ دیون مؤجلہ کی مدت کا پورا ہونا......جیسے کہ حنفیہ کے نزدیک موت سے دیون کی مدت پوری ہوجاتی ہے اسی طرح تفلیس سے بھی دیون موجلہ کی مدت پوری ہوجاتی ہے مالکیہ کی مشہور روایت بھی یہی ہے۔❶

شافعیہ کا ظاہری قول اور حنابلہ کا راجح قول ❷ یہ ہے کہ مفلس قرار دینے سے دین موجلہ کی مدت پوری نہیں ہوتی چونکہ اجل (مدت) مدیون کا حق ہے جو مفلس قرار دینے سے ساقط نہیں ہوتا ہے جیسے بقیہ حقوق ساقط نہیں ہوئے مفلسی اور موت میں یہ فرق ہے کہ میت کا ذمہ باطل ہوتا ہے۔ بنا بریں وہ دائنین جن کے دیون مؤجل ہوں وہ ان غرماء کے ساتھ مال میں شریک نہیں ہوں گے جن کے دیون کی مدت پوری ہوچکی ہو بلکہ موجود مال ان غرماء میں تقسیم کیا جائے گا جن کے دیون کی مدت پوری ہوچکی ہو جب کہ دین موجل تا مدت ذمہ میں باقی رہے گا اگر غرماء نے مال تقسیم نہ کیا یہاں تک کہ دین مؤجل کی مدت بھی پوری ہوگئی تو وہ بھی غرماء کے ساتھ شریک ہوگا۔

۳۔ مدیون کی ملازمت اور حبس احتیاطی......فقہاء کا ملازمت مدیون (یعنی مدیون کے ساتھ لگے رہنے) کے جواز میں اختلاف ہے البتہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مدیون کو غرماء کے مطالبہ پر بحکم قاضی قید میں رکھنا جائز ہے۔

ملازمت......امام ابوحنیفہ اور صاحبین کہتے ہیں ❸ دائنین کو حق حاصل ہے کہ وہ مدیون کے ساتھ لگے رہیں۔ مدیون جہاں بھی جائے وہ بھی اس کے ساتھ ہوں جب گو واپس آئے اگر دائنین کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے تو داخل ہوجائیں۔ ورنہ دروازے پر بیٹھے انتظار کرتے رہیں جب باہر نکلے پھر ساتھ چمٹ جائیں۔ لیکن اسے تصرف، مزدوری، سفر سے نہ روک سکتے، اسے کسی مخصوص جگہ میں قید بھی نہیں کر سکتے۔ چونکہ یہ حبس بیجا ہے بلکہ وہ جہاں جائے اس کے ساتھ ہوں ایسا کرنے سے مدیون ادائیگی پر مجبور ہوگا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے صاحب حق ملازمت اور مطالبہ کا حق رکھتا ہے۔❹

امام زفر، مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں ❺ جب حاکم کے پاس مدیون کا تہی دست ہونا ثابت ہوچکا تو اب اس سے مطالبہ اور ملازمہ کا حق کوئی نہیں رکھتا، بلکہ اسے آزاد چھوڑ اجائے گا تاکہ مال کما سکے چونکہ جب اس کی تنگدستی ثابت ہوگی تو مالداری تک اسے مہلت دی جائے گی۔ جیسے دین موجل میں ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ......البقرۃ ۲/ ۲۸۰

اگر تنگدست ہو تو اسے مالداری تک مہلت ہوگی۔

اور اوپر جو حدیث بیان کی گئی ہے اس میں کلام ہے جیسا کہ ابن منذر نے کہا ہے۔ یا اس حدیث کو موسر (مالدار) پر محمول کیا جائے گا چنانچہ ایک شخص نے پھلوں کو فروخت کر دیا تھا پھر کسی آفت کی وجہ سے پھلوں میں شدید نقصان آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرماء سے فرمایا: جو تم پاؤ وہی لے لو اور تمہارے لیے بس یہی ہے ❻ یہی راجح قول ہے۔

مدیون کو حبس میں رکھنا......شریعت میں یہ اصول مقرر ہے کہ اگر مدیون مالدار ہو تو دیون کی ادائیگی اس پر واجب ہے اگر تنگدست ہو تو آسودگی اور کشائش تک اسے مہلت دی جائے گی۔ اور اگر اس کے پاس مال ہو دائن کو ویسے ہی ٹال دیتا ہو تو حاکم اسے جس میں رکھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مالدار شخص کی ٹال مٹول ظلم ہے اس کی شکایت اور اسے سزا دینا حلال ہوجاتا ہے ❼ اس حدیث کی

---

❶......الشرح الصغیر ۳/ ۳۵۲۔ القوانین الفقهیة ۳۱۸ بدایة المجتهد ۲/ ۲۸۲، الشرح الکبیر ۳/ ۲۶۵۔ ❷ المغنی المحتاج ۲/ ۱۴۷ المغنی ۴/ ۴۳۵ ❸ تبیین الحقائق ۵/ ۲۰۰ تکملة الفتح ۷/ ۳۲۹ البدائع ۷/ ۱۷۳۔ ❹ رواہ بهذا للفظ ابن عدی فی الکامل عن ابی عتبة الخولانی و رواہ الدارقطنی عن مکحول (نصب الرایة ۴/ ۱۶۲) ❺ مغنی المحتاج ۲/ ۱۵۶ المغنی ۴/ ۴۴۹ کشاف القناع ۳/ ۴۰۶ الشرح الصغیر ۳/ ۳۷۰۔ ❻ رواہ مسلم و الترمذی۔ ❼ رواہ الخمسة الاالترمذی اخرجه البیهقی و ابن حبان و صححه عن عمر و بن شرید۔

روشنی میں مدیون کو حبس میں رکھنا جائز ہے لیکن چند شرائط کے ساتھ جن کی فقہاء نے وضاحت کی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں...... قاضی کو اختیار ہے کہ مدیون خواہ مرد ہو یا عورت کو ہر ایسے دین کے بدلہ میں حبس وقید میں رکھے جو کسی بھی عقد کی پاداش میں لازم ہوا ہو جیسے مہر، کفالہ، جب کہ مدیون۔

مالدار ہو یا قاضی پر اس کا حال مشتبہ ہوا اور تنگدستی و مالداری میں سے کسی ایک حالت پر حجت قائم نہ ہو جب قاضی نے مدیون کو دو یا تین مہینے تک حبس میں رکھا اور اس عرصے کے دوران اس کے مال کا اتا پتا نہ چلا تو اسے رہا کر دیا جائے گا اگر مدیون نے اپنی تنگدستی پر گواہ قائم کر دیئے تو قاضی اسکا راستہ چھوڑ دے یعنی رہا کر دے چونکہ آیت میں ہے:

فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ......البقرۃ ۲/ ۲۸۰

محبوس کو دین کی وجہ سے مارا نہ جائے اور نہ ہی اسے خوفزدہ کیا جائے اسے بیڑیاں نہ پہنائی جائیں ننگا نہ کیا جائے، دائن کے سامنے تذلیل کے لیے کھڑا نہ کیا جائے اور نہ ہی اس پر جرمانہ کیا جائے۔ ❶

حبس کی تین شرائط ہیں جو دین مدیون اور دائن میں ہوں۔

(اول)...... یہ کہ دین کی مدت پوری ہو چکی ہو دین مؤجل میں مدیون کو حبس نہیں کیا جائے گا چونکہ حبس تو اس ظلم کا دفیعہ ہے جو ادائے دین کی تاخیر کی صورت میں دائن کو لاحق ہوتا ہے جب کہ دین مؤجل کی صورت میں یہ ظلم نہیں ہوتا۔

(دوم)...... مدیون میں تین شرائط کا اعتبار کیا گیا ہے ادائے دین کی قدرت ہو اگر مدیون بیچارہ ہو، ہی تنگدست اور سفید پوش تو اسے حبس نہیں کیا جائے گا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ......البقرۃ ۲/ ۲۸۰

۲...... مدیون ٹال مٹول کر رہا ہو یعنی ادائیگی کا وقت ہو چکا ہو اور مدیون خوامخواہ تاخیر کر رہا ہو، اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے مطل الغنی ظلم یعنی مالدار شخص کی ٹال مٹول ظلم ہے مدیون کو اس ظلم کے دفیعہ کے لیے حبس میں رکھا جائے گا۔ حبس سزا ہے اگر مدیون کی طرف سے ٹال مٹول کی صورت پیش نہ ہو تو اسے قید میں نہیں رکھا جائے گا۔

۳...... یہ کہ مدیون والدین کے علاوہ کوئی اور شخص ہو۔ چنانچہ والدین اور اصول کو حبس میں نہیں رکھا جائے گا اسی طرح اولاد کو بھی حبس کیا جائے گا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ......لقمان ۳۱/ ۱۵

دنیا میں والدین کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ......الاسراء ۱۷/ ۲۳

والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو۔

والدین کو قید وحبس میں رکھنا حسن سلوک نہیں ہے البتہ اگر والد اپنی اس اولاد کا خرچہ نہیں دیتا جس کا خرچ اس پر واجب ہو تو تعزیراً حبس میں رکھا جائے گا۔ اسی طرح چھوٹے بچے کا ولی اگر ادائے دین میں تاخیر کا سبب بن رہا ہو تو ولی کو بھی حبس میں رکھا جائے گا۔

(سو) یہ کہ دائن (صاحب حق) قاضی کی عدالت میں جس مدیون کا مطالبہ کرتا ہوں، اگر دائن حبس کا مطالبہ نہیں کرتا تو مدیون کو حبس میں نہیں رکھا جائے گا چونکہ دین اسی کا حق ہے اور حبس وسیلہ حق ہے۔ اور حق کی تگ ودو مطالبہ حق سے ہوتی ہے۔

---

❶...... البدائع ۷/ ۱۷۳ تکملة الفتح ۷/ ۳۲۹، تبیین الحقائق ۵/ ۱۹۹۔

محبوس کن امور سے باز رہے گا......اپنی روزمرہ کی مصروفیت کے لیے باہر نہیں جا سکتا، دینی اور دنیوی مہمات میں نہیں جا سکتا ہے جیسے جمعہ اور نماز باجماعت، عید، جنازہ کے ساتھ چلنا، عیادت مریض، ملاقات، ضیافت، وغیرہ۔ تاکہ دین کی ادائیگی ممکن ہو جائے۔ البتہ قریبی رشتہ داروں کی ملاقات سے نہیں روکا جائے گا تصرفات شرعیہ جیسے خرید وفروخت، ہبہ، صدقہ اور اقرار وغیرہ سے بھی نہیں روکا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں...... ❶ اگر مدیون مستور الحال ہو تو اسے قید میں رکھا جائے گا، یا یہ کہ اس کی ظاہری حالت سے اس کا مالدار ہونا معلوم ہوتا ہو مثلاً فاخرانہ لباس پہنتا ہو سواری کے لیے اعلیٰ قسم کی گاڑی استعمال کرتا ہو اور اس کے پاس خادم بھی ہو اسے قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ اس کی سفید پوشی ثابت ہو جائے یا کوئی ضامن پیش کر دے پھر اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

اگر مدیون نے قرض خواہ سے وعدہ کر لیا کہ دو دن کے اندر اندر قرضہ ادا کر دے گا تو اسے مہلت دی جائے گی اور اگر کفیل (ضامن) نے کفالت قبول کر لی تو مدیون کو قید نہیں کیا جائے گا۔

اگر مدیون بظاہر مالدار ہو اور ادائیگی کا وعدہ کرتا ہو اسے مہلت دی جائے گی یا اگر مدیون اپنا مال اور سامان تجارت فروخت کرنے کے لیے مہلت طلب کرے اسے مہلت دی جائے گی۔ اگر کفیل پیش کر دیا فبہا ورنہ قید میں رکھا جائے گا۔ حاکم سامان تجارت فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا بخلاف مفلس کے، چونکہ مفلس کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا جاتا ہے، عورت کسی امانتدار عورت کے پاس قید کی جائیگی اور دادا پوتے کے حق میں محبوس کیا جا سکتا ہے۔

اگر مجہول الحال مدیون یا بظاہر تنگدست مدیون نے گواہوں کی گواہی سے اپنی تنگدستی ثابت کر دی کہ اس کے پاس نہ ظاہری مال ہے نہ خفیہ اور اس نے قسم بھی اٹھالی کہ اس کے پاس مال نہیں۔ اسے آسودگی تک مہلت دی جائے گی، قید میں نہیں رکھا جائیں گا قبل ازیں اس سے مطالبہ نہیں، ادائے دین کے لئے قرض لینا بھی اس کے لیے ضروری نہیں۔ مجہول الحال کو قید سے حاکم اپنی صوابدید پر رہا کر سکتا ہے مثلاً قید میں پڑے پڑے اسے اتنا عرصہ گزر جائے کہ اگر اس کے پاس مال ہوتا تو ظاہر کر دیتا۔ البتہ اگر مدیون بظاہر مالدار لگتا ہو تو بغیر گواہوں کے قید سے رہا نہیں کیا جائے گا گواہ یہ گواہی دیں گے کہ اس کے پاس مال نہیں ہے۔ اگر مدیون کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ مالدار ہے اسے تاوقت قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ دین ادا کر دے یا کوئی ضامن پیش کر دے۔

شافعیہ اور حنابلہ......اگر مالدار شخص سے ادائے دین کا مطالبہ کیا گیا ہو اور وہ انکار کرتا ہو جب کہ اس کے پاس ظاہری مال ہو جو جنس دینی ہو تو اسی سے دین کی وصولی عمل میں لائی جائے گی۔ اگر مال دین کی جنس میں سے نہ ہو تو حاکم جبراً اس کا مال فروخت کر دے اور اگر مال ایسی جگہ ہو جہاں حاکم کی ولایت نہ ہو اور مدیون نے مال کو پوشیدہ رکھا ہو جب کہ مال متعین ہو اور قرض خواہ جس کا مطالبہ بھی کرتا ہو تو حاکم اسے حبس کر دے اولاً اس پر حجر لگائے یہاں تک کہ وہ مال ظاہر کر دے اگر مدیون کو حبس سے عبرت نہ ہو اور حاکم اسے مارنے پیٹنے کی رائے رکھتا ہو تو وہ یہ بھی کر سکتا ہے۔

اگر کوئی مدیون تنگدستی کا دعویٰ کرتا ہو اور دائن اس کی تصدیق نہ کرتا ہو اسے حبس میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ گواہ پیش کرے جو اس کی تنگدستی کی گواہی دیں، اگر اس کی تنگدستی ثابت ہو چکی تو اسے مہلت دینا واجب ہے اس کے ساتھ لگے رہنا جائز نہیں جو آیت میں ہے:

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ......البقرۃ ۲/ ۲۸۰

اگر مدیون تنگدست ہو تو اسے سہولت تک مہلت دینا ہے۔

---

❶ الشرح الصغیر ۳/ ۳۶۸ الشرح الکبیر ۳/ ۲۷۸ القوانین الفقھیۃ ۳۱۸۔

اگر ثابت ہوجائے کہ مدیون ادائیگی دین کی قدرت رکھتا ہے اس کے باوجود وہ دیون ادا نہ کرتا ہو تو حکمران اسے حبس میں رکھے ❶ چنانچہ حدیث ہے مالدار شخص کی ٹال مٹول سے اس کی شکایت اور حبس حلال ہوجاتا ہے حاکم کو یہ اختیار نہیں کہ مدیون کو قید سے رہا کردے یہاں کہ اس کا معاملہ واضح ہوجائے کہ وہ تنگدست ہے اس وقت اسے رہا کرنا واجب ہے یا مدیون دین ادا کردے یا قرض خواہ اسے بری الذمہ کردے۔ اس صورت میں اسے چھوڑ دیا جائے، ہاں البتہ خود قرض خواہ اسے رہائی دینے میں راضی ہو اگر مالدار مدیون کو بالاصرار حبس میں رکھا گیا اور وہ دین بھی ادا نہ کرتا ہو تو حاکم اس کا مال فروخت کردے اور دیون ادا کرے۔

جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ مدیون کو محنت مزدوری پر مجبور نہیں کیا جائے گا، چنانچہ حدیث گزر چکی ہے کہ جو کچھ تم پاؤ لے لو اور تمہارے لئے بس یہی ہے جیسے ہدیہ صدقہ یا قرضہ قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا۔

۴۔ **مجور علیہ مدیون کا مال فروخت کرنا اور ثمن غرماء کے درمیان تقسیم کرنا**...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے ❷ کہ مفلس مجور علیہ مدیون کا مال فروخت کیا جائیگا اور حاصل شدہ رقم قرض خواہ دائنین کے درمیان تقسیم کردی جائے گی اور تقسیم دیون کے حصص کے بقدر ہوگی مستحب یہ ہے کہ حجر کے فوراً بعد مال فروخت کیا جائے تاکہ زمانہ حجر طویل نہ ہو اور مدیون جلد از جلد بری الزمہ ہوجائے، حق صاحب حق کو مل جائے نیز جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر حجر لگایا تو ادائیگی دین کے لیے آپ نے ان کا مال فروخت کردیا اور حاصل شدہ ثمن غرماء کے درمیان تقسیم کردیئے۔

اگر دیون مدیون کے مال کی جنس میں سے ہو تو قاضی پر واجب ہے کہ مال فروخت کردے اور حاصل شدہ رقم دائنین کے درمیان تقسیم کردے۔

قاضی کے لیے مستحب ہے کہ مال فروخت کرتے وقت مدیون کو حاضر کردے یا اس کا وکیل حاضر ہو چونکہ اس میں چند فوائد ہیں۔ وہ اپنے سامان کو ضبط میں لاسکے گا اچھے طریقے سے اپنے سامان کی پہچان کر واسکے گا مدیون کا دل مطمئن رہے گا، سامان کے خریدنے میں رغبت ہوگی، جیسے غرماء کو حاضر کرنا مستحب ہے چونکہ خرید فروخت انہی کے لیے تو ہو رہی ہے بسا اوقات غرماء خود کسی چیز میں رغبت ظاہر کرتے ہیں اور اسے خرید لیتے ہیں اور ثمن بڑھا دیتے ہیں نیز ان کا دل مطمئن رہے گا اور اس میں تہمت سے دوری بھی ہے بسا اوقات کوئی قرض خواہ بعینہ اپنا مال پاتا ہے جو لے لیتا ہے۔

ہمارے زمانہ میں بولی لگا کر مال نیلام کیا جائے اور ہر چیز کو اس کے متعلقہ بازار میں فروخت کیا جائے اور بیع ثمن مثل کے ساتھ کی جائے۔

بیع میں اولاً ان اشیاء کو فروخت کیا جائے جو جلدی خراب ہوجاتی ہیں جیسے پھل اور سبزیاں، پھر ان چیزوں کو فروخت کیا جائے جن کے ساتھ کوئی حق متعلق ہو جیسے مرہون، پھر جانور فروخت کیے جائیں چونکہ جانوروں کو چارے کی ضرورت ہوتی ہے نیز جانور کے ہلاک ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ پھر منقولی اشیاء فروخت کی جائیں چونکہ ان کے چوری ہونے کا خدشہ ہے پھر کپڑے فروخت کیے جائیں پھر زمین البتہ عمارت (مکان) زمین سے پہلے فروخت کیا جائے زمین کو اس لیے مؤخر کیا جائے چونکہ زمین کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہیں ہوتا اور چوری ہونے سے بھی محفوظ ہے۔ نیز زمین پناہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے زمین کی فروختگی میں ضرر شدید ہے تبھی تو زمین اشد ضرورت کے وقت فروخت کی جائے گی۔ مالکیہ کے نزدیک زمین دو ماہ کی تاخیر کے بعد فروخت کی جائے۔

---

❶...... ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کسی معین جگہ مدیون کو حبس میں رکھنا واجب نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ تصرف سے باز رہے اسے کسی بھی جگہ جس میں رکھا جاسکتا ہے۔ کشاف القناع ۳/۴۰۸۔ ❷ تکملة الفتح ۷/۳۲۸ تبيين الحقائق ۵/۱۹۹، الشرح الصغير ۳/۳۵۷ الشرح الكبير ۳/۲۶۹ مغنی المحتاج ۲/۱۵۰ المهذب ۱/۳۲۲، كشاف القناع ۳/۴۲۰ المغنی ۴/۴۴۱، بداية المجتهد ۲/۸۷۔

ملاحظہ رہے کہ امام ابوحنیفہ کے ساتھ صاحبین کا اختلاف ہے چنانچہ امام نے نزدیک قاضی مدیون کا ساز وسامان اور زمین فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

مفلس کے لیے ساز وسامان کا مجموعہ باقی رکھا جائے گا جس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو جیسے ضرورت کے کپڑے جیسے شافعیہ کے نزدیک تقسیم کے دن کا خرچہ مدیون کے لئے رکھا جائے گا جو اس کی بیوی بچوں اور ذوی الارحام کے لیے کافی ہو حنفیہ کے نزدیک ان لوگوں پر قبل از تفلیس مدیون کے مال سے خرچ کیا جائے گا اگر چہ حجر کے بعد، مالکیہ کے نزدیک مدیون کے پاس اشیاء خورونوش چند ایام کے لیے چھوڑی جائیں گی، حنابلہ کے نزدیک اتنا مال چھوڑا جائے گا کہ غرماء کے درمیان مال تقسیم کرنے سے فراغت ہو جائے چنانچہ حنابلہ کا مسلک شافعیہ جیسا ہے۔ مدیون کے لیے وہ ہتھیار چھوڑے جائیں گے جن کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو، جیسے عالم کے لیے کتابیں چھوڑ دی جاتی ہیں جب کہ مالکیہ نے کتابوں اور جمعہ کے کپڑوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ ان کی قیمت زیادہ ہو چونکہ ان کے نزدیک علم تو وہ ہے جو دلوں میں محفوظ ہوتا ہے البتہ علامہ عدوی کہتے ہیں: اب یادداشتیں نہایت کمزور ہو چکی ہیں لہٰذا اب علم کا دارومدار کتابوں پر ہے۔

مدیون کے پاس اتنا مکان باقی چھوڑا جائے گا جس میں وہ خود اور اس کا خادم رہ سکے، چونکہ مکان کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوتا لہٰذا لباس اور خوراک کی طرح مکان نہیں فروخت کیا جائے گا۔

لیکن شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ مکان اور سواری فروخت کی جائے گی چونکہ کرائے سے مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے، مالکیہ کہتے ہیں: مفلس کے خادم کو مزدوری پر لگایا جائے گا اور دوسری اشیاء فروخت کی جائیں گی۔

۵۔ دائن مفلس کے پاس بعینہ اپنا مال پائے تو کیا واپس لے سکتا ہے...... یہ پانچواں حکم یا اثر ہے جو مفلس پر حجر لگانے پر غیر حنفیہ کے ہاں مرتب ہوتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں...... ❶ جو شخص مفلس قرار دیا گیا یعنی قاضی نے اس کے مفلس ہونے کا حکم جاری کیا اس کے پاس کسی شخص کا مال جوں کا توں موجود ہو وہ مال فروخت کیا جائے گا اور حاصل شدہ رقم میں صاحب مال دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ یعنی مال کا مالک اس مال کا حقدار نہیں ہوگا بلکہ اس مال میں دوسرے غرماء کا بھی حق ہے۔ اگر سامان پر قبضہ سے پہلے مدیون مفلس قرار دیا گیا یا قبضہ کے بعد مفلس قرار دیا گیا لیکن فروخت کنندہ کو اس کی خبر نہیں تھی تو مالک اپنا مال واپس لے سکتا ہے اور قبل از قبضہ کی صورت میں ثمن کے بدلہ میں اسے حبس بھی کروا سکتا ہے۔

اس پر حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ افلاس عقد معاوضہ میں انسان کو عین مال سپرد کرنے سے عاجز کر دیتا ہے، جب کہ عقد قابل فسخ نہیں ہے لہٰذا حق فسخ ثابت نہیں ہوگا استحقاق تو ثمن میں ثابت ہوا ہے یا وہ دین ہے جو ذمہ میں واجب ہے۔ اور جب خریدار نے عین بیع پر قبضہ کر لیا تو دین اور عین کا تبادلہ ثابت ہو گیا۔

جمہور کہتے ہیں...... ❷ جب قاضی کسی شخص کو مفلس قرار دے دے اور قرض خواہوں میں سے کسی ایک نے بعینہ اپنا مال پالیا تو اسے بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا بیع فسخ کر کے اپنا مال لے لے چونکہ خریدار مبیع کے ثمن ادا کرنے سے عاجز آ گیا نیز جب عوض کی ادائیگی دشوار ہو تو فسخ عقد جائز ہے۔

جیسے مسلم فیہ کی سپردگی اگر متعذر ہو جائے تو بیع سلم کو فسخ کر دینا جائز ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی

---

❶ ..... الدرالمختار ۵/۱۰۶ تکملۃ الفتح والعنایۃ ۷/۳۳۰ تبیین الحقائق ۵/۲۰۱۔ ❷ بدایۃ المجتھد ۲/۲۸۳ الشرح الصغیر ۳/۳۷۳ الشرح الکبیر ۳/۲۸۲ المھذب ۱/۳۲۲، مغنی المحتاج ۲/۱۵۷ المغنی ۴/۴۰۹۔

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی ایسے شخص کے پاس بعینہ اپنا مال پایا جسے مفلس قرار دیا گیا ہو تو وہ دوسرے کی نسبت اس مال کا زیادہ حقدار ہے۔ ❶

حنفیہ کہتے ہیں...... یہ حدیث خصاف کی روایت کے معارض ہے وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو مفلس قرار دیا گیا اور اس کے پاس کسی نے اپنا سامان پایا تو وہ دوسرے غرماء کے ساتھ یکساں شریک ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خریدار نے اس صورت میں قبضہ کیا ہو کہ بائع کو خیار شرط حاصل ہو۔

جمہور کی رائے قوی ہے چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے اور حنفیہ کی بیان کردہ تاویل بعید ہے، جب کہ اگر بائع کو خیار شرط حاصل ہو اس صورت میں تو حدیث کی ضرورت ہی نہیں چونکہ بائع کو ایسے ہی اپنا سامان واپس لینے کا حق ہے حنفیہ نے ایک اور تاویل بھی کی ہے اگر سامان ودیعت یا عاریت یا لقطہ ہو لیکن یہ تاویل بھی صحیح نہیں چونکہ حدیث میں مفلس کا لفظ آیا ہے۔

اس موقع پر کچھ ایسے امور بھی ہیں جو مالک سامان کے رجوع سے متعلق ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں۔

اول۔ کیا رجوع کا خیار علی الفور ہوگا یا علی التراخی...... اس میں شافعیہ اور حنابلہ کی دو آراء ❷ ہیں، اصح روایت یہ ہے کہ رجوع کا خیار علی الفور ہوگا جیسے خیار عیب علی الفور حاصل ہوتا ہے اگر خیار میں تاخیر ہوئی تو اس سے غرماء کو ضرر پہنچے گا۔

دوم۔ کل معاوضات میں رجوع کا حق...... شافعیہ کہتے ہیں ❸ صاحب مال کو سبھی معاوضات محضہ میں رجوع کا حق حاصل ہوگا جیسے بیع، اجارہ، قرض، بیع سلم ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا عموم ہے جو چند سطریں اوپر گزری ہے۔ چنانچہ مالک مکان نے مفلس کو گھر اجرت پر دیا مفلس نے قبضہ نہیں کیا تھا کہ اس پر حجر لگا دیا گیا تو مواجر گھر واپس لے لیے اور اجارہ کو فسخ کر دے۔

یہاں منفعت کو مبیع کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے، اگر مفلس کو دراہم بطور قرض دیئے یا بطور بیع سلم کے کے پاس المال کے دیئے پھر مسلم فیہ کی سپردگی کی مدت پوری ہوگئی اور ادھر مفلس پر حجر لگا دیا گیا جب کہ دراہم چند شروط جو بعد میں آرہی ہیں کے ساتھ باقی ہوں تو رب سلم رجوع کر سکتا ہے۔

رہی بات غیر معاوضات کی جیسے ہبہ اور معاوضاحت غیر محضہ جیسے نکاح اور دم عمد کی صلح سوان میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

سوم۔ رجوع کی شرائط...... بیع کی صورت میں رجوع کی شافعیہ کے نزدیک چند شرائط ہیں۔ ❹

۱...... رجوع کی وقت ثمن کی مدت پوری ہو چکی ہو۔ ثمن مؤجل نہ ہو چونکہ مؤجل کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

۲...... یہ کہ افلاس کی وجہ سے ثمن کا حاصل کرنا متعذر (دشوار) ہو اگر مدیون افلاس (دیوالیہ اقرار دینے) کی نفی کر رہا ہو باوجود مالدار ہونے کے ثمن دینے سے انکار کرتا ہو یا بھاگ گیا ہو یا مالداری کی حالت میں مرجائے اور وارث ادائیگی سے انکار کرتا ہو تو اصح قول کے مطابق بیع فسخ نہیں ہوگی، چونکہ بحکم قاضی حق وصول کرنا ممکن ہے۔

اگر غرماء ثمن دے کر مال کا فدیہ دیں تو بائع پر لازمی نہیں کہ وہ اسے قبول کرے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بائع فسخ کا حق رکھتا ہے چونکہ فدیہ میں احسان جتلانا ہے نیز عین مال کے ساتھ بائع کا حق متعلق ہے مالکیہ کہتے ہیں اس صورت میں بائع رجوع کا حق نہیں رکھتا چونکہ رجوع تو اس لیے ہوتا ہے تا کہ ثمن میں ہونے والے نقصان کی تلافی ہو جائے، جب پورے ثمن اسے مل رہے ہیں تو اسے رجوع کا حق نہیں رہے گا یہ

---

❶ حدیث صحیح رواہ الجماعۃ عن ابی ہریرۃ (نیل الاوطار ۵/۲۴۲) ❷ مغنی المحتاج ۲/۱۵۸ المغنی ۴/۴۱۰۔ ❸ مغنی المحتاج ۲/۱۵۸۔ ❹ المرجع والمکان السابق

ایسا ہی ہے جیسے کسی عیب دار چیز سے عیب ختم ہو جائے۔ ❶

۳..... مبیع خریداری کی ملکیت میں باقی رہے، اگر خریدار کی ملکیت ختم ہو گئی خواہ حساً جیسے خریدار مر گیا یا حکماً ملکیت ختم ہو جائے مثلاً وقف کردے فروخت کردے یا ہبہ کردے تو اب رجوع کا حق نہیں رہے گا چونکہ مبیع مفلس مدیون کی ملکیت سے نکل چکی ہے۔

مذکورہ بالا شرائط سے واضح ہوا کہ شافعیہ کے نزدیک رجوع کی نو (۹) شرطیں ہیں۔ ❷

۱..... یہ کہ رجوع معاوضہ محضہ میں ہو جیسے بیع۔

۲..... حجر کا معلوم ہوتے ہی رجوع کرے۔

۳..... یوں کہتے ہوئے رجوع کرے میں نے بیع فسخ کردی اس میں حکم قاضی کی حاجت نہیں۔

۴..... یہ کہ عوض پر قبضہ نہ ہوا اگر کچھ عوض پر قبضہ ہو گیا بقیہ میں رجوع ثابت ہوگا۔

۵..... یہ کہ عوض کی سپردگی یا وصولی افلاس (دیوالیہ قرار دینے) کی وجہ سے ہو۔

۶..... یہ کہ عوض ذمہ میں دین ہوا رعین ہو تو وہ بھی غرباء کو پیش کی جائے گی۔

۷..... دین کی مدت پوری ہو چکی ہو۔

۸..... مبیع مفلس کی ملکیت میں باقی ہو۔

۹..... مال کے ساتھ حق لازم متعلق نہ ہوا ہو جیسے خریدار نے رہن رکھ دیا ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں..... ❸ بائع پانچ شرائط کے ساتھ سامان کو واپس لے سکتا ہے جب کہ کشاف القناع میں دو اور شرطوں کا اضافہ کیا ہے۔

(اول)..... یہ کہ بعینہ سامان باقی ہو، اس میں سے کچھ بھی تلف نہ ہوا ہو۔ اگر کچھ تلف ہو گیا مثلاً پھلدار درخت میں سے کچھ پھل تلف ہو گیا تو رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا اور بائع غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: بقیہ میں رجوع جائز ہے یہ شرط شافعیہ کے نزدیک آٹھویں شرط ہے۔

(دوم)..... یہ کہ مبیع کے ساتھ متصل اضافہ نہ ہوا ہو جیسے فربہی مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ شرط مانع نہیں ہے۔

(سوم)..... یہ کہ بائع نے بعض ثمن پر قبضہ نہ کیا ہو۔ اگر کچھ ثمن پر اس نے قبضہ کیا ہو تو رجوع کا حق ساقط ہو جائے گا۔ یہ شافعیہ کے نزدیک چوتھی شرط ہے اس شرط پر دونوں مذہب متفق ہیں۔ مالکیہ کہتے ہیں: صاحب سامان کو اختیار حاصل ہوگا۔ اگر چاہے تو ثمن کے جس حصہ پر قبضہ کیا ہے اسے واپس کردے اور پھر پورے سامان کو واپس لے یا چاہے تو غرماء کے ساتھ برابر کا حصہ دار رہے اور رجوع نہ کرے۔

(چہارم)..... یہ کہ سامان کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا حق متعلق نہ ہو چنانچہ اگر خریدار نے سامان کو رہن میں رکھ دیا یا ہبہ کر دیا تو بائع واپس نہیں لے سکتا یہ ایسا ہی ہے جیسے بیع کی ہو یہ شافعیہ کے نزدیک نویں شرط ہے اس شرط میں شافعیہ، حنابلہ، اور مالکیہ میں اختلاف ہیں۔

(پنجم)..... یہ کہ مفلس زندہ ہو، اگر مر گیا ہو تو بائع غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا برابر ہے بائع کو مرنے سے پہلے مفلس کے دیوالیہ ہونے کا علم ہوا اور اس پر حجر لگا دیا گیا ہو اور پھر وہ مرا ہو یا مرنے کے بعد دیوالیہ ہونے کا اسے علم ہوا ہو۔ یہ بھی مالکیہ کی رائے ہے اس شرط کی

---

❶ الشرح الکبیر ۳/۲۸۳ الشرح الصغیر ۳/۳۷۳ مغنی المحتاج: ۱۵۹ المغنی ۴/۴۱۱۔ ❷ مغنی المحتاج ۲/۱۶۰۔

❸ المغنی ۴/۴۱۳ کشاف القناع ۳/۴۱۴

دلیل ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی حدیث ہے۔ اگر خریدار مر گیا تو سامان کا مالک غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا[1] شافعیہ کہتے ہیں: بائع کو فسخ کا حق حاصل ہوگا اور اپنا سامان واپس لے سکتا ہے، ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے۔

(ششم)......سامان برابر خریدار کی ملکیت میں رہے، بیع، ہبہ یا وقف کے ذریعہ کبھی اس کی ملکیت سے نکلنے نہ پائے۔

(ہفتم)......یہ کہ بائع تاوقت رجوع زندہ رہے۔

مالکیہ کے نزدیک بائع کے مفلس پر عین مال کے رجوع کرنے کی تین شرائط ہیں۔[2]

اول......یہ کہ مفلس پر جو ثمن واجب ہوں غرماء ان کا فدیہ نہ دیتے ہوں اگر اپنے مال کا فدیہ دیں یا بائع کو ثمن کی ضمانت دیں در مالکیہ غرماء قابل اعتماد ہوں یا بائع کو باعتماد کفیل دیں تو اس صورت میں وہ عین مال نہیں لے سکتا۔

دوم......یہ کہ عین مال کا لینا ممکن ہو اور وصولی بھی ممکن ہو، اگر لینا ممکن نہ ہو جیسے بیوی کی ملک بضع تو اس صورت میں میں رجوع نہیں کر سکتا، چنانچہ عورت کے خاوند کو جب مفلس قرار دیا گیا اور عورت مہر کا مطالبہ کرے تو وہ دوسرے غرماء کے ساتھ برابر کی شریک ہوگی چونکہ عورت ملک بضع میں رجوع نہیں کر سکتی البتہ قبل از دخول اگر خاوند کو مفلس قرار دیا جائے تو وہ فسخ نکاح کا حق رکھتی ہے۔

سوم......یہ کہ عین مال بحالہ باقی ہو اس میں تغیر نہ آئے یا بوقت عقد کی حالت پر باقی نہ رہے اگر عین مال میں تغیر آ جائے تو صاحب مال غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ چنانچہ اگر مبیع گندم تھی وہ پیس لی گئی یا زمین میں بودی گئی یا آٹا تھا گوندھ لیا گیا اور اس کی روٹیاں بنادی گئیں تو بائع رجوع نہیں کر سکتا یا چمڑا تھا اس کا جوتا بنا دیا گیا یا جانور تھا ذبح کر دیا گیا یا تازہ کھجوریں تھیں وہ چھوہارے بن گئیں یا مبیع کو کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط کر لیا گیا، اور اب الگ کرنا ناممکن ہو جیسے مثلاً شہد گھی یا تیل کے ساتھ گڈمڈ کر دیا یا عمدہ قسم کی گندم ردی یا گھن زدہ گندم کے ساتھ ملا دی گئی یا ایک قسم کا تیل دوسری قسم کے تیل کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا ان صورتوں میں بائع اپنی چیز واپس نہیں لے سکتا۔

اگر مبیع اسی جیسی چیز کے ساتھ خلط کر لی گئی یا چمڑے کو دباغت دے دی گئی یا کپڑے کو رنگ کر دیا گیا، یا سوت کات لی گئی یا کسی آسمانی آفت سے چیز میں عیب پیدا ہو گیا یا خریدار کے ذاتی فعل سے چیز میں عیب پیدا ہو گیا یا اجنبی کے فعل سے عیب پیدا ہوا یا وہ چیز اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئی تو اس کا مالک اسے واپس لے سکتا ہے۔

اگر چیز میں عیب برقرار رہے اور اپنی پہلی حالت پر واپس نہ آئے تو وہ اس چیز کو لے سکتا ہے اور نقصان میں غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا یا اس چیز کو چھوڑ دے اور جمیع ثمن میں غرماء کے ساتھ برابر کا شریک رہے۔

چہارم: مفلس خریدار کے پاس مبیع میں اضافہ کر دیا......اگر مفلس کے پاس مبیع میں اضافہ ہو جائے تو کیا اصل مالک اسے واپس لے سکتا ہے، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: اضافہ متصل ہو......جیسے فربہی اور بڑھوتری پر کتابت قرآن سیکھ لینا وغیرہ اس صورت میں یہ اضافہ مالکیہ کے نزدیک رجوع کے مانع نہیں ہے، ہاں البتہ اگر غرماء مبیع کے ثمن دے دیں، شافعیہ کے نزدیک یہ اضافہ رجوع کے مانع ہوگا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی ایک روایت ہے۔ حنابلہ کے نزدیک، راجح ہے چونکہ ان کی کتب کا اسی پر اتفاق ہے۔[3]

دوسری صورت: اضافہ منفصل ہو......جیسے پھل اور بچہ جو بیع کے بعد خریدار کے پاس پیدا ہوا مذاہب ثلاثہ کے نزدیک یہ اضافہ

---

[1]......رواه مالك في المؤطا وابوداؤد وهو مرسل وقد سنده ابوداؤد من وجه ضعيف (نيل الاوطار ۵/۲۴۲) [2] الشرح الكبير ۳/۲۸۳ الشرح الصغير ۳/۳۷۴۔ [3] الشرح الكبير ۳/۲۸۳ مغنى المحتاج ۲/۱۶۱ المهذب ۱/۳۲۳ المغنى ۴/۴۱۹ كشاف القناع ۳/۴۱۶ القوانين الفقهية ۳۲۰

رجوع کے مانع نہیں چنانچہ بائع اصل واپس لے گا اضافہ واپس نہیں لے گا، چونکہ اضافہ خریدار کا حق ہے، نیز شارع نے صاحب مال کو اصل میں رجوع کا حق دیا ہے لہٰذا، اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔ ❶

تیسری صورت رنگ کے سبب اضافہ ہو...... اگر ایک شخص نے کسی دوسرے سے کپڑا خریدا اور پھر اسے رنگ کر دیا پھر وہ شخص مفلس قرار دیا گیا تو بلا اتفاق مذاہب ثلاثہ میں یہ اضافہ اصل کپڑے میں رجوع کے مانع نہیں چونکہ عین مال میں اسے رجوع کا حق حاصل ہے مفلس اضافہ میں کپڑے کے مالک کے ساتھ شریک ہوگا گویا اضافہ مفلس کا حق ہے۔ ❷

ایک اور احتمال میں حنابلہ کے نزدیک اگر مبیع کی قیمت بڑھ جائے تو رجوع کا حق نہیں رہے گا چونکہ مبیع کے ساتھ مفلس کا اضافہ متصل ہو گیا ہے لہٰذا فربہی کی طرح رجوع ممنوع ہے۔

چوتھی صورت: عمارت یا باغ یا زراعت کا اضافہ:

مالکیہ کہتے ہیں...... ❸ جس شخص نے مفلس کے پاس بغیر اپنا مال پایا جب کہ مال میں اضافہ ہو چکا ہو مثلاً زمین میں عمارت بنا ڈالی یا باغ لگا دیا تو اس صورت میں رجوع ممنوع ہوگا صاحب مال غرماء کے ساتھ مال میں برابر کا شریک ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں ❹ اگر زمین میں عمارت یا درخت لگانے کے اور بائع نے رجوع کو اختیار کیا تو اگر غرماء اور مفلس زمین کو معات اور باغ سے فارغ کرنے پر متفق ہوں تو انھیں یہ اختیار حاصل ہوگا چونکہ یہ انکا حق ہے۔ جب زمین عمارت اور درختوں سے فارغ ہو جائے تو بائع اسے واپس لے سکتا ہے چونکہ بائع نے بعینہ اپنا مال پا لیا ہے، جو گڑھے پڑ گئے ہوں انھیں ہموار کرنا واجب ہے اور اکھاڑنے سے مفلس کا جو نقصان ہوا ہے اس کا تاوان بھرنا بھی واجب ہے۔ اگر غرماء زمین کو فارغ کرنے سے انکار کریں تو مجبور نہیں کئے جائیں گے، ایک قول یہ بھی ہے کہ بائع تعمیر اور باغ کی قیمت دے کر مالک بن جائے اسے یہ بھی حق ہے کہ باغات اکھاڑ دے اور جو نقصان ہو اس کا ضمان دے چونکہ مفلس کا سارا مال مبیع کے حکم میں ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ بائع زمین واپس لینے کا حق نہیں رکھتا عمارت اور درخت مفلس کا حق ہوں گے۔ چونکہ رجوع کی صورت میں مفلس اور غرماء کا نقصان ہے ضرر ضرر سے ختم نہیں ہوتا۔ رجوع تو دفع ضرر کے لیے مشروع ہوا ہے چنانچہ بائع کا ضرر مفلس اور غرماء کے ضرر ت ختم ہی ہوگا۔ اس صورت میں بائع غرماء کے ساتھ برابر حصے کا شریک ہوگا۔ اسی لیے مذاہب ثلاثہ کا اس حالت میں عدم رجوع پر اتفاق ہے۔

اگر خریدار نے زمین کاشت کی پھر وہ مفلس قرار دیا گیا تو بائع کے لئے شافعیہ کے نزدیک زمین میں رجوع کرنا جائز ہے چونکہ بائع نے عین مال پا لیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مبیع گھر ہو اور اس میں خریدار کا سامان پڑا ہو۔ اس وقت اگر کھیتی کاٹ لی گئی تو اسے منتقل کرنا واجب ہے اگر فصل نہ کاٹی گئی ہو تو کٹائی اسے چھوڑے رکھنا جائز ہے۔ چونکہ خریدار نے زمین میں فصل بوئی ہے جب ملکیت ختم ہو جائے تو کٹائی تک کھیتی کو چھوڑنے رکھنا جائز ہے لیکن زمین کی مشغولیت کی کوئی اجرت نہیں ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص زمین میں کاشتکاری کرے پھر زمین کو فروخت کر دے۔

---

❶ ......المراجع السابقه كشاف القناع ۳/۴۱۸۔ ❷ الشرح الكبير ۳/۲۸۳ مغنى المحتاج ۲/۱۶۴ المهذب ۱/۳۲۵، المغنى ۴/۱۷ كشاف القناع ۳/۴۱۸۔ ❸ بداية المجتهد ۲/۲۸۵۔ ❹ مغنى المحتاج ۲/۱۶۲ المهذب ۱/۳۲۵ المغنى ۴/۴۲۶ كشاف القناع ۲/۴۳۲۷

پنجم: مبیع میں تغیر آ جائے.....مثلاً ایک شخص نے گندم خریدی اور پیس ڈالی یا زمین میں بودی، یا آٹا خریدا اور اسکی روٹی پکا ڈالی۔ یا تیل خریدا اور اس کا صابن بنا ڈالا یا کپڑا خریدا اور اس کی قمیص بنا ڈالی یا سوت خریدا اور اس کا کپڑا بنا دیا یا لکڑی خریدی اور اس کے کھڑکیاں دروازے بنا لئے یعنی کوئی بھی چیز خریدی اور اس میں ایسا کام کیا جس سے اس کا نام ہی بدل گیا پھر خریدار مفلس قرار دیا گیا تو مذاہب ثلاثہ میں بائع کو رجوع کا حق نہیں رہے گا البتہ شافعیہ کے نزدیک بشرطیکہ قیمت زیادہ ہو جائے اور اگر قیمت زیادہ نہ ہو تو بائع رجوع کر سکتا ہے اور مفلس کو کچھ نہیں ملے گا۔ ❶

ششم: مبیع کا کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط ہو جانا.....اگر کسی شخص نے تیل خریدا اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا تیل ملا لیا یا گندم خریدی اور اس کے ساتھ کوئی ایسی چیز ملا لی جسے جدا کرنا ناممکن ہو تو بالاتفاق مذاہب ثلاثہ میں بائع کا حق رجوع ساقط ہو جائے گا۔ البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر چیز اپنی مثل کے ساتھ مخلوط ہو جائے تو بائع کو رجوع کر حق حاصل ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں.....اگر مبیع اپنی مثل کے ساتھ مخلوط ہوئی تو مبیع کے بقدر بائع مخلوط کو ہی واپس لے اگر مبیع کے ساتھ اس سے عمدہ چیز مخلوط ہوئی تو بائع کو رجوع کا حق نہیں ہے گا بلکہ بائع غرماء کے ساتھ ثمن میں برابر کا شریک ہوگا۔ ❷

ہفتم: مبیع میں نقص آ جائے.....یعنی عین مبیع تو باقی ہو لیکن اس کی کوئی صفت باقی نہ رہے جس کی وجہ سے اس کی مالیت کم پڑ جائے مثلاً بیع میں عیب آ گیا جیسے لاغر ہو گیا یا بیمار ہو گیا یا کپڑا تھا جو بوسیدہ ہو گیا تو بالاتفاق مذاہب ثلاثہ میں یہ نقص رجوع کے مانع نہیں ہوگا چونکہ صفت کے مفقود ہونے سے مبیع عین مال ہونے سے نہیں نکلتی۔ لیکن شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بائع کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو جمیع حق کے بدلہ میں ناقص مبیع لے چاہے غرماء کے ساتھ برابر کا حصہ دار ہو چونکہ ثمن سامان کی صفت کے مقابلہ میں نہیں ہوتے۔
مالکیہ کے نزدیک بائع کو نقصان کی نسبت اختیار ہوگا چاہے مبیع لے اور غرماء کے ساتھ شریک ہو یا مبیع کو چھوڑ دے اور کل ثمن میں غرماء کے ساتھ شریک ہو یہی مذہب شافعیہ کا اس صورت میں ہے کہ کوئی اجنبی کسی چیز کے کچھ حصہ کو تلف کرے۔ ❸

تیسری بحث: مجورین سے حجر اٹھانا.....شریعت میں یہ اصول مقرر ہے کہ حکم سبب یا علت کے ساتھ گھومتا ہے اگر سبب موجود ہے تو حکم بھی موجود ہوگا اگر سبب موجود نہیں تو حکم بھی موجود نہیں ہوگا۔ چنانچہ حجر بھی کسی سبب کی بناء پر لگایا جاتا ہے جب حجر کا سبب ختم ہو جائے تو مسبب بھی ختم ہو جاتا ہے مسبب سے مراد حجر ہے تفصیل گزر چکی ہے یہاں مختصر بیان کیا جائے گا۔

سفیہ.....میں جب رشد (سمجھداری) ظاہر ہو جائے اور اس میں خرص مال کی علامتیں پیدا ہو جائیں تو حجر اٹھا لیا جائے گا۔ لیکن راجح قول کے مطابق قاضی کے حکم کے سوا کوئی چارہ کار نہیں البتہ امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ اور ابن قاسم کا اس میں اختلاف ہے چونکہ سفیہ پر حجر بحکم قاضی ہوگا لہٰذا حجر کا خاتم بھی بحکم قاضی ہوگا۔

مغفل.....سے بھی اسی طرح حجر اٹھا لیا جائے گا جب اس میں حسن تدبیر اور بیدار مغزی کی نشانیاں ظاہر ہو جائیں اور حسن وخوبی سے تصرف کرے اس میں بھی قاضی کا حکم ضروری ہے اور مذکور بالا اختلاف اس میں بھی ہے۔

مجنون.....سے حجر قاضی کے حکم کے بغیر اٹھا لیا جائے گا چنانچہ جب مجنون شفایاب ہو گیا اور اس کی عقل عود کر آئی تو حجر اٹھا لیا

---

❶ الشرح الکبیر ۳/۲۸۳ الشرح الصغیر ۳/۳۷۴ مغنی المحتاج ۲/۱۶۳ المہذب ۱/۳۲۵، المغنی ۴/۴۱۶ ❷ الشرح الکبیر والصغیر ومغنی المحتاج المکان السابق المغنی ۴/۴۱۵ المہذب ۱/۳۲۶۔ ❸ الشرح الکبیر والصغیر المکان السابق المہذب ۱/۳۲۴ المغنی ۴/۴۱۴ القوانین الفقہیۃ ۳۲۰

جائے گا۔

معتوہ......کے قوائے عقلیہ جب اچھی طرح کام کرنے لگیں اور اس کی مخبوط الحواسی ختم ہو جائے تو حجر اٹھالیا جائے گا۔

بچہ: اگر غیر ممیز ہو تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک سات سال پورے ہونے پر بعض تصرفات سے حجر اٹھالیا جائے گا اگر چہ ممیز ہو تو اس سے دو چیزیں حجر کو اٹھادیتی ہیں۔ ❶

اول شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک ولی کی اجازت جواز روئے تجارت ہو حجر کو اٹھادیتی ہے اور ان تصرفات سے حجر اٹھایا جائے گا جو نفع ونقصان میں دائر ہوں شافعیہ کے نزدیک حجر کا خاتمہ میں ہوگا اگر چہ تجارت کی اجازت ہو۔

دوم عقلمندی کے ساتھ بلوغ بچے کے حجر کو ختم کردیتا ہے ولی کی ترشید اور حکم قاضی کی ضرورت نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں......اگر بچے کا باپ زندہ ہو تو بلوغ سے بغیر حکم قاضی حجر ختم ہو جائے گا۔ اگر باپ کی طرف سے وصی مقرر ہو تو ترشید سے حجر کا خاتمہ ہوگا۔ اگر وصی قاضی کی طرف سے مقرر ہو تو قاضی کی ترشید سے حجر ختم ہوگا۔ یہ ابن جزی مالکی کی رائے ہے جب کہ دردیر کی رائے کے مطابق وصی ترشید کی معاملہ میں اذن قاضی کا محتاج نہیں۔

مشہور مذہب کے مطابق لڑکی باپ کی ولایت (سرپرستی) میں برابر رہے گی یہاں تک کہ اس کی شادی ہو جائے اور اس کا خاوند دخول بھی کرلے سمجھداری بھی محسوس ہو جائے یا عادل گواہ اس کے مال کے محفوظ ہونے کی گواہی دے دیں یا لڑکی کا باپ قبل از دخول یا بعد از دخول اس کی ترشید کرے قاضی کا وصی صرف گواہوں کی گواہی سے ترشید کرسکتا ہے۔

مفلس......جب غرماء کے درمیان اس کا مال تقسیم کردیا جائے تو کیا حجر ختم ہو جائے گا یا خاتمہ کے لیے حکم قاضی کی ضرورت ہے؟ چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ نے اس میں دو صورتیں ذکر کی ہیں۔

اول......مفلس کا مال تقسیم کرتے ہی اس پر سے حجر اٹھ جاتا ہے چونکہ جس علت کے کارن اس پر حجر لگایا گیا تھا وہ علت جاتی رہی لہٰذا تبعاً حجر بھی ختم ہو جائے گا جیسے جنون کے ختم ہوتے حجر ختم ہو جاتا ہے۔

دوم حجر قاضی کے حکم سے ختم ہوگا چونکہ حجر کا ثبوت حاکم کے حکم سے ہوا لہٰذا اس کا اختتام بھی حاکم کے حکم سے ہوگا۔ جیسے مبذر پر حجر کا خاتمہ حاکم کے حکم سے ہوتا ہے۔ جب کہ مجنون کے حجر کا حکم مختلف ہے چونکہ وہ بذاتہ ثابت ہوا لہٰذا علت کے زائل ہونے سے ختم ہو جائے گا۔

چوتھی بحث: ترکہ کے ساتھ دین کا تعلق

......اس بحث میں تین امور تفصیل طلب ہیں۔

۱۔ کیا موت سے دیون مؤجل کی مدت پوری ہو جاتی ہے......جمہور علماء ائمہ مذاہب کے نزدیک موت کی وجہ سے دیون مؤجلہ کی مدت پوری ہو جاتی ہے ❷ جیسے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تفلیس سے دیون موجلہ کی مدت پوری ہو جاتی ہے۔ امام زہری کہتے ہیں: یہ طریقہ جاری رہا ہے کہ موت کی وجہ سے دین کی موت پوری ہو جاتی ہے ❸ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ادائے دین کے بعد ورثہ کے لیے میراث کو مباح کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ موت سے دین مؤجل کی مدت پوری نہیں ہوتی۔

اگر دین کی موت سے مدت پوری نہ ہو تو پھر دین یا تو میت کے ذمہ میں باقی رہے گا یا ورثہ کے ذمہ میں رہے گا یا مال کے ساتھ متعلق ہوگا۔ میت کے ذمہ میں دین کا باقی رہنا جائز نہیں چونکہ میت سے مطالبہ متعذر ہے۔ ورثہ کے ذمہ بھی نہیں رہتا چونکہ ورثہ دین کے پابند نہیں مال ترکہ کی مختلف اشیاء کے ساتھ دین کا تعلق بھی جائز نہیں چونکہ اس میں میت کے لئے ضرر ہے۔ اور اس میں ورثہ کا کوئی نفع بھی نہیں ہے۔

---

❶ البدائع ۷/ ۱۷۱ المغنی ۴/ ۴۵۷۔ ❷ بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۸۲ المغنی ۴/ ۴۳۵ المہذب ۱/ ۳۲۷ منار السبیل ۱/ ۳۵۴۔

❸ المہذب ۱/ ۳۲۷۔

میت کا ضرر اس طرح ہے کہ اس کا ذمہ دین کے ساتھ مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی طرف سے دین ادا کر دیا جائے چنانچہ حدیث ہے مؤمن کا نفس اس کے دین کی ساتھ معلق رہتا ہے یہاں تک کہ ادا نہ کر دیا جائے ❶ صاحب دین کا ضرر اس طرح ہے کہ اس کا حق تاخیر میں پڑ جائے گا بسا اوقات عین تلف بھی ہو جاتی ہے اور یوں اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ ورثہ کا ضرر اس طرح ہے کہ وہ اشیائے ترکہ سے نفع نہیں اٹھا سکتے اور ان میں تصرف بھی نہیں کر سکتے۔

نیز موت سے حقوق باطل نہیں ہوتے بلکہ موت تو انتقال حقوق کا معین وقت ہے اور ورثہ کے لیے ایک علامت اور نشان ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس شخص نے کوئی حق یا مال چھوڑا وہ ورثہ کا حق ہے۔ ❷

۲۔ ترکہ کے ساتھ تعلق دین کی کیفیت...... اکثر علماء کی رائے ہے ❸ کہ دین میت کے ذمے چوں کا توں باقی رہتا ہے۔ اور دین کا عین مال کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے جیسے غرماء کے حقوق کا تعلق بوقت حجر مفلس کے مال سے ہوتا ہے۔ یا جس طرح دین کا تعلق مرہون سے ہوتا ہے چونکہ اس میں میت کی زیادہ احتیاط ہے۔ چنانچہ ایسے دیون سے پہلے ورثہ اموال میں تصرف نہیں کر سکتے۔ شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ دین مستغرق اور غیر مستغرق رہن ترکہ میں برابر ہے چنانچہ ورثہ کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔

بنا برایں اگر کسی شخص نے اپنا سامان فروخت کیا ہے خریدار ثمن ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو شافعیہ کے نزدیک بائع اپنے مال کا زیادہ حقدار ہوگا جیسے حالت افلاس میں بائع زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ شافعیہ کی دلیل ابن ابی ذئب کی حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مرگیا یا مفلس قرار دیا گیا تو سامان کا مالک سامان کا زیادہ حقدار ہوگا۔

حنابلہ، حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں صاحب سامان غرماء کے ساتھ یکساں شریک ہوگا ان کی دلیل ابی بکر بن عبد الرحمٰن کی حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص مرگیا یا مفلس قرار دیا گیا اور اس کے کسی قرض خواہ نے اپنا مال بعینہ پالیا تو سامان کا مالک غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔

۳۔ کیا دین ورثہ کو ترکہ منتقل ہونے کے مانع ہے...... اس مسئلہ میں شافعیہ اور حنابلہ کی دو آراء ہیں، ان دونوں میں سے صحیح روایت یہ ہے کہ دین انتقال ترکہ کے مانع نہیں چونکہ دین کا ترکہ کے ساتھ جو تعلق ہے وہ مرہون کے ساتھ مرتہن کے تعلق سے زیادہ ہیں اور دائن کا حق مفلس کے مال کے ساتھ ہے۔ چنانچہ رہن کی صورت میں راہن کی ملک ختم نہیں ہوتی اور مال سے مفلس کی ملکیت بھی ختم نہیں ہوتی لہٰذا دین انتقال ملک کے مانع نہیں۔

اگر ورثہ نے ترکہ میں تصرف کر دیا مثلاً فروخت کر دیا تو ان کا تصرف صحیح ہوگا اور دین کی ادائیگی لازمی ہوگی۔ اگر ادائیگی دشوار ہو تو تصرف فسخ ہو جائیگا البتہ ترکہ کے زوائد جیسے پیداوار بچہ ورثہ کا حق ہوں گے چونکہ زوائد ورثہ کی ملکیت میں پیدا ہوئے ہیں۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وارث ترکہ کو روک سکتا ہے اور اپنے مال سے دین ادا کر سکتا ہے چونکہ وارث مورث کا خلیفہ ہوتا ہے۔

اگر میت یا مفلس کا مال غرماء کے درمیان تقسیم کر دیا گیا پھر کوئی اور قرض خواہ ظاہر ہوا تو وہ غرماء پر رجوع کرے گا وہ بقدر دین غرماء کے ساتھ شریک ہوگا چونکہ ظاہری حکم پر تقسیم ہوتی ہے اور تقسیم ظاہر کے خلاف ہوئی تو تقسیم کا توڑنا واجب ہوگا۔

دوسری رائے مرجوح ہے کہ دین انتقال ترکہ کے مانع ہے چونکہ آیت میں ہے:

---

❶......رواه احمد والترمذی وابن ماجه والحاكم عن ابی هريرة وهو حديث صحيح. ❷ رواه احمد وابن ما جه عن ابی كريم (الجامع الكبير ۳/۱۷۸) ❸ شرح السراجيه ۴ بداية المجتهد ۲/۲۸۴ القوانين الفقهية ۳۱۹ مغنی المحتاج ۲/۱۴۴ المغنی ۴/۴۳۶ المهذب ۱/۳۲۷۔

مِنۡ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ ......النساء ۴/ ۱۱

یعنی وصیت اور دین کے بعد ترکہ ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

آیت میں دین اور وصیت کے بعد ترکہ وارث کا حق قرار دیا گیا ہے اس سے قبل ورثہ کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی، اگر ورثہ نے تصرف کر دیا تو تصرف صحیح نہیں ہوگا۔ چونکہ وہ غیر کی ملک میں تصرف کریں گے ہاں البتہ غرماء تصرف کی اجازت دیں تو تصرف صحیح ہوگا۔

چوتھی قسم: ملکیت اور اس کے توابع:

اس قسم کے ضمن میں دو ابواب میں ملکیت کی بحث آئے گی، پہلا باب ملکیت کے متعلق ہے اس میں ایک تمہید اور چھ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل ...... ملکیت اور ملک کی تعریف کے بیان میں

دوسری فصل ...... تملک کے لئے مال کی قابلیت اور عدم قابلیت

تیسری فصل ...... ملک کی مختلف انواع

چوتھی فصل ...... ملک ناقص کی مختلف انواع

پانچویں فصل ...... ملک تام کے مختلف اسباب

چھٹی فصل ...... طبیعت ملک یعنی کیا ملکیت خاصہ شریعت اسلامیہ میں مطلق ہے یا مقید

دوسرا باب ملکیت کے توابع کے بیان میں ہے، بارہ فصلوں میں اس کی بحث ہوگی۔

تمہید......ملکیت اور اس کی خصوصیات ایسی مہتم بالشان چیز ہے جس پر ماضی اور حال میں تمام تر اقتصادی ڈھانچہ کھڑا رہا ہے اور اب بھی کھڑا ہے ملکیت ہی عصر حاضر کے دو عالمی اقتصادی نظاموں کے درمیان اختلاف کا محور اور مرکز ہے میری مراد سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کا نظام ہے۔ اسی لیے ملکیت اور اس کے توابع کا شمار ان مسائل میں ہوتا ہے جو زبردست اہمیت کے حامل ہیں اور ساری دنیا کی توجہ اپنی طرف مرکوز کی ہوئی ہے۔

اس موضوع میں تحقیق کرنے والا مختلف نقطہ ہائے نظر سے موجودہ نظامہائے معیشت وملکیت کے بلند اہداف اور اسلام کے نظام ملکیت میں مشابہت پائے گا، خواہ مرکزیت فرد و جماعت کی مصلحت ہو یا علاقائی وملکی مصلحت ہو۔ اسی سے مسئلہ ملکیت کی رسہ کشی کا وہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے جس کی اسلام نے ضمانت دے رکھی ہے لیکن اجتماعی ملکیت کی مصلحت مختلف اور کڑی قیودات کے ساتھ مقید ہے۔ چنانچہ اسلام مصلحت عام کا رہن ہے اور حصہ داری اور ملکیت کا زبردست دافع ہے۔

محقق اختلاف اور فقہی جہات کے پیش نظر یہ بھی پائے گا کہ قومی اموال جیسے پٹرول اور معدنیات ملک کے عوام کا حق ہوتے ہیں فرد واحد کی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ ملکی حق ہوتے ہیں اور حکومت ان اموال کی منتظم ہوتی ہے۔ چنانچہ جس طرح معاملات اور مالی میدان میں جدید اصول وقواعد قدیم فقہی احکام سے ماخوذ ہیں، نقصان ومعاوضہ میں مساوات وعدل کی اساس پر تلف شدہ اشیاء کا ضمان وتاوان، حق ملکیت کی رعایت، عزت مال اور جان کی حفاظت وغیرھا اس امر کی کھلی دلیل ہیں کہ بنیادی اسلامی اصول کتنی زبردست علوشان کے حامل ہیں۔ **واللہ الموفق الی سواء السبیل۔**

نظریات فقہیہ کی بحث میں ملکیت کی تعریف اسباب اور انواع کا تذکرہ گزر چکا ہے، وہاں ملکیت کا ضمناً تذکرہ ہوا ہے اور یہاں اصالۃً تذکرہ کا ہوگا اور یہ کہ اسلام میں فردی ملکیت مطلق ہے یا مقید؟ پھر میں اس کے متعلقات کو ذکر کروں گا اس کا بیان بارہ فصلوں میں ہوگا اور یہی دوسرے باب کا موضوع ہے، فصول کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے:

پہلا باب......ملکیت اور اس کی خصوصیات

اس باب میں چھ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: ملکیت اور ملک کی تعریف:

ملکیت اور ملک......انسان اور مال کے درمیان علاقہ جسے شریعت نے مقرر کر رکھا ہے اور وہ مال کو انسان کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے۔ انسان مال میں ہر طرح کے تصرفات کرتا ہے جب تک کہ کوئی مانع نہ پایا جائے۔ جس طرح اس علاقہ پر ملک کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح مملوک چیز پر بھی ملک کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ بولا جاتا ہے یہ چیز میری ملک ہے یعنی میری مملوک ہے مجلہ (م ۱۲۵) میں یہی تعریف مقصود ہے۔ برابر ہے کہ وہ معین چیز ہو یا منافع ہو اسی معنی کے لحاظ سے حنفیہ کا یہ قول سمجھ میں آجاتا ہے کہ منافع اور حقوق ملک ہوتے ہیں مال نہیں ہوتے بنا برایں ملک حنفیہ کے نزدیک مال سے اعم ہے۔ یعنی ہر مال ملک ہے لیکن ہر ملک مال نہیں۔

ملک کا لغوی معنی......انسان کا اپنے مال کو احاطہ اور تصرف میں لانا یعنی مال میں تصرف کرنے میں انفرادیت فقہاء نے ملک کی مختلف تعریفیں کی ہیں جو قریب المعنی ہیں۔ ان میں سے مشہور تعریف یہ ہے۔

ملک......"اختصاص بالشیء یمنع الغیر منہ ویمکن صاحبہ من التصرف فیہ ابتداء الا لمانع شرعی"

ملک ایسی اختصاصی کیفیت کا نام ہے جو صاحب شئی کے سوا دوسروں کو انتفاع اور تصرف سے روکتی ہے اور صاحب شئی کو تصرف کا حق دیتی ہے الا یہ کہ کوئی شرعی مانع نہ ہو۔ ❶

---

❶ ...فتح القدیر ۵/۴۷۳، الفروق القرافی ۳/۲۰۸۔

چنانچہ جب کوئی شخص کسی چیز کو اپنے احاطہ اور دسترس میں شرعی طریقہ سے لاتا ہے تو وہ چیز اس شخص کے ساتھ مخصوص ہو جاتی ہے، اسی اختصاص کے پیش نظر مالک اس چیز سے نفع اٹھا سکتا ہے اور اس میں تصرف کر سکتا ہے ہاں البتہ کوئی شرعی مانع ہو جیسے جنون، عتہ، سفہ، بچپن، وغیرہ تو پھر تصرف نہیں کر سکتا۔ جس طرح اختصاص دوسرے شخص کو تصرف سے روکتا ہے الا یہ کہ شرعی طور پر کوئی گنجائش اگر موجود ہو تو دوسرا شخص بھی اس میں تصرف کر سکتا ہے۔

مثلاً دوسرے کو حق ولایت، وصیت اور وکالت حاصل ہو۔ جب کہ ولی، وصی یا وکیل کا اس شے میں ابتداءً تصرف نہیں پایا جاتا بلکہ تصرف نیابت کے طور پر ہوتا ہے گویا نابالغ اور مجنون فی الواقع مالک ہوتے ہیں اہلیت کی کمی یا فقدان کی وجہ سے وہ تصرف نہیں کر سکتے، جب مانع یا عارض ختم ہو جوتا ہے تو تصرف کا حق انھیں دوبارہ مل جاتا ہے۔

دوسری فصل......تملک ❶ کے لیے مال کی قابلیت اور عدم قابلیت:

دراصل مال اپنی طبع کے اعتبار سے تملک کے قابل ہوتا ہے البتہ بسا اوقات کوئی ایسا عارض پیش آ جاتا ہے جو مال کو ہر حالت میں یا بعض احوال میں تملک کے قابل نہیں رہنے دیتا۔ مال کی قابل تملک ہونے کے اعتبار سے تین اقسام ہیں۔

ا۔ وہ مال جو تملیک اور تملک کو کسی حال میں قبول نہیں کرتا......اس سے مراد وہ مال ہے جو عامۃ الناس کے نفع کے لئے مخصوص ہوتا ہے جیسے شارع عام، پل، قلعے، گلیاں، دریا، عجائب گھر، قومی لائبریریاں عوامی باغیچے اور گارڈنز وغیرھا چنانچہ یہ اشیاء نفع عامہ کی وجہ سے تملک خاصہ کے قابل نہیں ہوتیں البتہ جب ان اشیاء کی یہ حالت زائل ہو جاتی ہے تو اپنی اصلی حالت پر واپس لوٹ آتی ہیں۔ اور وہ قابلیت تملک ہے۔ چنانچہ جب شارع عام کی ضرورت ختم ہو جائے اور ویران پڑی ہو تو وہ قابل تملک ہو جاتی ہے۔

۲۔ وہ مال جو صرف شرعی نقطہ نظر سے قابل تملک ہو......جیسے وقف شدہ اموال، بیت المال کی املاک چنانچہ وقف شدہ مال کی خرید وفروخت، ہبہ وغیرہ نہیں کیا جائے گا ہاں البتہ اگر موقوفہ مال انہدام کے قریب ہو اور اس کے اخراجات آمدن سے زائد ہو تو محکمہ اوقاف کے لیے جائز ہے کہ اس کی تبدیلی کا اعلان کردے۔

بیت المال کی املاک یا وزارت مالیات کی خرید وفروخت صحیح نہیں ہاں البتہ اگر حکومت وقت خرید وفروخت میں کوئی بہتری سمجھے تو فروخت کر سکتی ہے۔ مثلاً حکومت کو اس کے ثمن کی ضرورت ہو یا دوگنے ثمن کے ساتھ املاک فروخت ہو رہی ہوں چونکہ سرکاری اموال حکومت کی تحویل میں اسی طرح ہوتے ہیں۔

جس طرح یتیم کا مال وصی کے پاس ہوتا ہے۔ تاہم یتیم کے مال میں وصی بوقت ضرورت اور مصلحت کو دیکھ کر تصرف کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے آپ کو مسلمانوں کے مال کے لئے ایسا ہی منتظم مقرر کرتا ہوں جیسے وصی یتیم کے لئے مقرر ہوتا ہے۔

۳۔ وہ مال جس کا تملک اور تملیک مطلقاً جائز ہے: اس میں کوئی قید نہیں یہ وہ اموال ہیں جو مذکورہ بالا دونوں اقسام کے علاوہ ہیں۔

تیسری فصل......ملک کی انواع

ملک کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ملک تام ۲۔... اور ملک ناقص۔

---

❶ کسی چیز کو اپنی ملک میں لینا تملک ہے یعنی مال میں ملک بننے کی صلاحیت کا نام تملک ہے۔

ملک تام......وہ ہے جس میں اصل شیء کا بھی مالک ہو اس کی منفعت کا بھی مالک ہو بایں طور کہ مالک کے لئے اس چیز کے جملہ حقوق شرعیہ ثابت ہوں۔

ملک تام کی اہم خصوصیات: ملک تام مطلق اور دائمی ہوتی ہے اور یہ محدود زمانے کا ساتھ مقید نہیں ہوتی جب تک ملک کا محل باقی رہتا ہے ملک بھی باقی رہتی ہے ملک تام قابل اسقاط نہیں ہوتی، چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی مملوکہ چیز غصب کر لی اور مغصوب منہ (مالک) نے کہا کہ میں اپنی ملک کو ساقط کرتا ہوں تو اس کی ملکیت ساقط نہیں ہوگی بلکہ اس کی ملک میں رہے گی ہاں البتہ ملک قابل انتقال ہوتی ہے چونکہ یہ بات جائز نہیں کہ کوئی چیز بغیر مالک کے ہو، انتقال کا طریقہ یہ ہے کہ ملک یا تو خرید وفروخت کے عقد سے منتقل ہوتی ہے یا میراث سے یا وصیت سے۔

مالک کو ملک تام کے استعمال تصرف اور حصول آمدنی کا پورا حق حاصل ہوتا ہے وہ اپنی ملک کو فروخت کر سکتا ہے، ہبہ کر سکتا ہے وقف کر سکتا ہے اور اس کی وصیت بھی کر سکتا ہے عاریت اور اجارہ پر دے سکتا ہے۔ چونکہ مالک چیز کی اصل اور اس کی منفعت دونوں کا مالک ہوتا ہے۔

اگر مالک اپنی ملک کو تلف کر دے تو اس پر ضمان نہیں ہوتا، چونکہ فرد واحد مالک بھی ہو اور ضامن بھی ہو ایسا تصور ناممکن ہے لیکن دیانۃً اس سے مواخذہ ہوگا چونکہ مال کو تلف کرنا حرام ہے بسا اوقات قضاءً بھی مواخذہ ہوتا ہے چنانچہ اگر مالک کا سفیہ ہونا ثابت ہو جائے تو اس پر حجر لگایا جاتا ہے۔

ملک ناقص......وہ ہے کہ آدمی صرف اصل چیز یا صرف اس کی منفعت کا مالک ہو، ملک منفعت کو حق انتفاع بھی کہا جاتا ہے۔ ملک منفعت کبھی منفع (نفع اٹھانے والے کے لئے) حق شخص ہوتی ہے عین مملوکہ نہیں ہوتی جیسے موصی لہ تاحیات شیء کی منفعت کا مالک ہوتا ہے۔ کبھی حق عینی ہوتا ہے قطع نظر شخصی نفع کے اسے حق ارتفاق کہا جاتا ہے یہ صرف زمین میں حاصل ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل حقوق ارتفاق کے تحت آیا جاتی ہے۔

چوتھی فصل: ملک ناقص کی انواع......ملک ناقص کی تین اقسام ہیں:

ا۔ فقط ملک عین......اس کا حاصل یہ ہے کہ عین (رقبہ، اصل چیز) کسی شخص کی مملوک ہو اور اس کے منافع کسی دوسرے شخص کے مملوک ہوں، مثلاً ایک شخص نے عرصہ تین سال کی لئے کسی دوسرے شخص کو زمین کاشتکاری کے لئے دے دے یا رہائش کے لئے مکان دے دے۔ چنانچہ جب مدت پوری ہوگی عین (اصل چیز) موصی کی ملکیت ہوگی اور موصی لہ محدود مدت تک کے لئے منفعت کا مالک ہوگا۔ چنانچہ اس حالت میں مالک عین سے نفع نہیں اٹھا سکتا اور اس کی منفعت میں تصرف بھی نہیں کر سکتا، بلکہ مالک پر تو واجب ہے کہ عین نفع اٹھانے والے کی سپرد کرے اگر مالک سپردگی سے انکار کرے تو اس پر جبر کیا جائے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقط عین کی ملکیت دائمی ہوتی ہے جو بالآخر ملکیت تامہ پر منتہی ہوتی ہے، جبکہ منافع کی ملکیت کبھی مؤقت ہوتی ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک منافع وراثت میں منتقل نہیں ہوتے یا منافع دائمی ہوتے ہیں جیسے وقف۔

۲۔ منفعت شخصی کی ملک یا حق انتفاع......[1] ملک ناقص کی اس قسم کے ذیل میں ملک منفعت کے پانچ اسباب ہیں وہ یہ ہیں

---

[1] ......حنفیہ کے نزدیک ملک منفعت اور حق انتفاع میں کوئی فرق نہیں چنانچہ منتفع بذات خود نفع اٹھا سکتا ہے اور اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ کسی دوسرے کو منفعت کا مالک بنا دے چنانچہ جو شخص غرماء کے سکنی کے لئے گھر وقف کرنے تو طالب کے لئے فقط حق سکنی ہوگا۔ یہی رائے قانوناً معمول بہ ہے مالکیہ کے نزدیک ان دونوں میں فرق ہے چنانچہ ملک منفعت ایسا اختصاصی حق ہے کہ صاحب حق بذاتہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اور غیر کو بھی نفع کے لئے دے سکتا ہے جب کہ حق انتفاع شخصی انتفاع کی محض رخصت ہے۔ الفروق القرافی ۱/۱۸

اعارہ، اجارہ، وقف، وصیت اور اباحت۔

اعارہ......یعنی کسی چیز کو عاریت دینا، جمہور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بغیر عوض کے کسی چیز کی۔

منفعت کا مالک بنا دینا اعادہ ہے مستعیر (عاریۃ لینے والے) بذات خود مستعار چیز سے نفع اٹھا سکتا ہے اور وہ عاریت پر دوسرے کو بھی دے سکتا ہے۔ البتہ اجرت پر نہیں دے سکتا چونکہ اعارہ عقد غیر لازم ہے یعنی مالک کسی وقت بھی واپس لے سکتا ہے جب کہ اجارہ عقد لازم ہے چنانچہ ضعیف پر قوی کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی، نیز مستعار کے اجارہ میں اصلی مالک کا ضرر اور نقصان ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بلا عوض منفعت کو مباح کر دینا اعارہ ہے، چنانچہ مستعیر مستعار چیز کو عاریت پر آگے نہیں دے سکتا۔

اجارہ......عوض لے کر منفعت کی تملیک اجارہ ہے مستاجر بذات خود اجرت پر لی ہوئی چیز سے نفع اٹھا سکتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرا شخص بھی منفعت یا بالعوض نفع اٹھا سکتا ہے بشرطیکہ منفعت مختلف نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر موجر نے یہ شرط لگا دی کہ مستاجر بذات خود نفع اٹھائے تب بھی مستاجر نفع اٹھانے کے لئے چیز دوسرے کو دے سکتا ہے البتہ اگر منفعت کی صورت مختلف ہو تو اصل مالک سے اجازت لینا ضروری ہے۔

وقف......عین کو کسی بھی انسان کی تملیک سے روک دینا اور سکی منفعت کو موقوف علیہ پر خرچ کرنا چنانچہ وقف موقوف علیہ کو منفعت کی تملیک کا فائدہ لیتا ہے، موقوف علیہ بذات خود بھی موقوف سے نفع اٹھا سکتا ہے اور دوسرا شخص بھی نفع اٹھا سکتا ہے بشرطیکہ واقف اسے اجازت دے۔

منفعت کی وصیت......جس چیز کی وصیت کی گئی ہو (یعنی موصی بہ) وصیت اس کی منفعت کی ملک کا فائدہ دیتی ہے موصی لہ بذات خود موصی بہ سے نفع اٹھا سکتا ہے عوض اور بغیر عوض کے دوسرا بھی نفع اٹھا سکتا ہے، بشرطیکہ موصی نے آمدنی و پیداوار کی اجازت دی ہو۔

اباحت......کسی چیز کے ہلاک کرنا یا استعمال کرنے کی اجازت، جیسے کھانا یا پھل لینے کی اجازت، منافع عامہ سے نفع اٹھانے کی اجازت جیسے سڑکوں، گلیوں سے گزرنے کی اجازت، باغیچوں میں بیٹھنے کی اجازت، مدارس، اسکولوں اور ہسپتالوں میں داخل ہونے کی اجازت، اذن خاص جیسے ذاتی گاڑی میں کسی کو سواری کرنے کی اجازت یا گھر میں رہائش کی اجازت۔

اباحت اور ملک میں فرق......ملک انسان کو مملوکہ چیز میں تصرف کا پورا پورا اختیار دیتی ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔ جب کہ اباحت کسی چیز سے نفع اٹھانے کا حق ہے جو بموجب اذن ہوتا ہے اذن (اجازت) یا تو مالک کی طرف سے ہوتا ہے، جیسے گاڑی میں سوار ہونا یا شریعت کی طرف سے ہوتا ہے جیسے مرافق (مصالح) عامہ سے نفع اٹھانا مثلاً راستے، دریا، چراگاہیں وغیرہ۔ چنانچہ مباح شے منتفع کی نہ مملوکہ ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی منفعت مملوکہ ہوتی ہے جب کہ ملک اس کے برعکس ہے۔

حقِ منفعت کی خصوصیات یا انتفاع شخصی......ملک ناقص یا انتفاع شخصی کی اہم امتیازی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱......ملک ناقص زمان و مکان کی قید کو قبول کرتی ہے جب کہ ملک تام اس کے برعکس ہے چنانچہ جو شخص مثلاً اپنی گاڑی کرائے پر دے یا مکان کرائے پر دے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ انتفاع کی مدت مقرر کر دے مثلاً ایک مہینہ جگہ بھی متعین کر دے مثلاً کہے گاڑی شہر میں چلاؤ صحراء میں نہ چلاؤ صرف منتفع سواری کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا۔

۲......حنفیہ کے نزدیک حق انتفاع وراثت میں منتقل نہیں ہوتا۔ جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حق انتفاع وراثت میں منتقل ہوتا ہے چونکہ

وراثت ہی وہ مال ہے جو بوقت موت منتقل ہوتا ہے جو موجود ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک منافع مال نہیں ہوتے۔ جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک منافع مال ہیں چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی غریب کے لئے اپنے گھر کے سکنی کی وصیت کی اور سکنی کی مدت ایک سال مقرر کردی، مدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ غریب مر گیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غریب کے ورثہ کو سکنی کا حق ملے گا۔

۳.... مالک پر واجب ہے کہ جس چیز سے نفع اٹھایا جائے وہ منتفع کو سپرد کردے اگرچہ وہ جبرا ہی سپرد کرے پھر یہ چیز منتفع کے پاس بطور امانت ہوگی۔ ملک خاص کی طرح اس کی حفاظت کرے گا اگر چیز ہلاک ہوجائے تو تعدی اور تقصیر کی وجہ سے ضامن ہوگا۔

۴.... اگر منتفع چیز سے مفت نفع اٹھا رہا ہو تو چیز کے اخراجات منتفع پر واجب ہوں گے، جیسے عاریت کی صورت میں اخراجات مستعیر پر آتے ہیں اور اگر انتفاع عوض کے ساتھ ہو جیسے اجارہ میں ہوتا ہے تو چیز کے مالک پر اخراجات ہوں گے۔

۵.... جب منتفع چیز سے نفع اٹھالے تو اس پر واجب ہے کہ چیز مالک کو سپرد کرے ہاں البتہ اگر منتفع کا نقصان ہو مثلاً فصل ابھی کٹائی کے لئے تیار نہ ہوئی ہو۔

حقِ منفعت کی انتہاء..... حق منفعت حق مؤقت ہوتا ہے، لہٰذا مندرجہ ذیل امور میں سے کسی ایک کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے۔

۱.... مقررہ مدت ختم ہوجائے تو حق منفعت بھی ختم ہوجاتا ہے۔

۲.... جس چیز سے نفع اٹھایا جائے رہا ہو وہ ضائع ہوجائے یا اس میں استعدر عیب آجائے کہ قابل انتفاع ہی نہ رہے۔ جیسے رہائشی مکان کا گرجانا، زمین کا بنجر ہوجانا اور مالک شئے کی تعدی سے عیب آیا ہو تو اس پر متبادل چیز کا دینا واجب ہے۔

۳.... حنفیہ کے نزدیک منتفع کا مرجانا چونکہ احناف کے نزدیک منافع وراثت میں منتقل نہیں ہوتے۔

۴.... اگر منفعت عاریت یا اجارہ کے طور پر ہو اور چیز کا مالک مرجائے تو بھی حق منفعت منتہی ہوجاتا ہے۔ چونکہ عقد اعارہ تبرع ہے۔ اور تبرع متبرع کی موت سے ختم ہوجاتا ہے۔ نیز اجرت پر دی ہوئی چیز کی ملکیت ورثہ کو منتقل ہوجاتی ہے یہ حنفیہ کے نزدیک ہے شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں اعارہ عقد غیر لازم ہے بنا معیر یا اس کے وراثت کے لئے جائز ہے کہ وہ عاریت سے رجوع کرلیں۔

برابر ہے عاریت مطلق ہو یا مؤقت ہو۔ مالکیہ کہتے ہیں: اعارہ موقتہ عقد لازم ہوتا ہے چنانچہ اگر کسی نے معین جگہ تک کے لئے جانور سواری کے لئے دیا تو اس سے پہلے مالک جانور واپس نہیں لے سکتا۔

اس تفصیل سے یہ بھی ظاہر ہوچکا کہ اعارہ معیر یا مستعیر کی موت سے ختم نہیں ہوجاتا اسی طرح اجارہ بھی عاقدین میں سے کسی ایک کی موت سے منتہی نہیں ہوتا۔ چونکہ اجارہ عقد لازم ہے جیسے بیع عقد لازم ہے۔

البتہ اگر منفعت وصیت یا وقف کے طور پر ہو تو حق منفعت موصی کی موت سے ختم نہیں ہوتا۔ چونکہ وصیت کی ابتداء ہی موصی کی موت کے بعد ہوتی ہے۔

اسی طرح واقف کی موت سے بھی موقوف کی منفعت ختم نہیں ہوتی چونکہ وقف علی التابید ہوتا ہے۔

۳.... منفعت عینی کی ملک یا حقِ ارتفاق:

حقِ ارتفاق..... اموال غیر منقولہ یعنی زمین، مکان وغیرہ کے ایسے نفع کا نام ہے جو کسی دوسرے کے مملوکہ اموال غیر منقولہ سے متعلق ہوں، حق ارتفاق دائمی ہوتا ہے اس میں مالک کی طرف نظر نہیں ہوتی۔ جیسے حق شرب، حق مجری، حق مسیل، حق مرور، حق جوار، حق علو۔

حق شرب...... یعنی درختوں اور کھیتوں کو سیراب کرنے کا حق یا یوں کہیے کہ حق شرب: کھیتی سیراب کرنے کے لیے پانی کے مخصوص حصہ کی نوبت ہے۔

حق شفہ بھی حق شرب کے ساتھ ملحق ہے، حق شفہ سے مراد انسان، حیوان اور گھریلو استعمال کا حق چنانچہ، پانی عموماً ہونٹوں سے پیا جاتا ہے اور شفہ کا معنی ہونٹ ہے۔

اس اعتبار سے پانی کی چار اقسام ہیں۔❶

الف...... عام دریاؤں کا پانی جیسے نیل، دجلہ، فرات (سندھ، جہلم) وغیرھا، ہر شخص ان دریاؤں سے نفع اٹھا سکتا ہے خود بھی پی سکتا ہے، اپنے جو پایوں کو پلا سکتا ہے، زمین بھی سیراب کر سکتا بشرطیکہ کسی دوسرے کا اس میں ضرر نہ ہو چنانچہ حدیث ہے لوگ تین چیزوں میں برابر شریک ہوتے ہیں: پانی، گھاس اور آگ دوسری حدیث ہے **لاضرر و لا ضرار**۔

ب...... نہروں اور نالیوں کا پانی جو کسی شخص کا مملوک ہوتا ہے ہر شخص اس پانی کو پینے کا حق رکھتا ہے، چوپایوں کو پلا سکتا ہے، مالک کے سوا دوسرا شخص اپنی کھیتوں کو سیراب نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ مالک کی اجازت سے سیراب کر سکتا ہے۔

ج...... چشموں، کنوؤں اور حوض وغیرہ کا پانی جو کہ کسی شخص کی ملک ہوتا ہے دوسری قسم کے پانی کی طرح اس میں پینے کا حق ثابت ہوتا ہے جب کہ حق شرب ثابت نہیں ہوتا، اگر پانی کا مالک لوگوں کو پینے سے روکے یا چوپایوں کو نہ پینے دے تو اس کے ساتھ قتال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ ضرورتمند اپنی حاجت پوری کرے۔

د...... مخصوص برتنوں میں محفوظ کیا ہوا پانی، جیسے گھڑوں، گھریلو حوضوں، پن چکیوں اور پائپوں میں محفوظ کیا ہوا پانی، پانی کی اس قسم سے نفع مالک کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں اٹھا سکتا، چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی خرید فروخت سے منع فرمایا ہے ہاں البتہ جو پانی پاس اٹھا رکھا ہو اس کی خرید فروخت جائز ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص جاں بلب ہو وہ کسی طرح بھی پانی حاصل کر سکتا ہے خواہ اسے لڑائی کرنی پڑے۔ چونکہ اضطراری کیفیت دوسرے کے حق کو باطل نہیں کرتی۔

حق فجری...... ایک شخص کی زمین پانی سے دور ہے وہ اس جگہ سے پانی بہا کر اپنے کھیت کی سیرابی کے لئے پانی اپنی زمین تک لاتا ہے اسی حق کو حق فجری کہا جاتا ہے پڑوسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے پڑوسی کو پانی لے جانے سے روکے، ورنہ پڑوسی جبراً پانی لے جا سکتا ہے تاکہ اس کے ضرر کا دفیعہ ہو سکے۔

حقّ مسیل...... فاضل اور استعمال شدہ پانی کے اخراج کا حق مسیل ہے یا غیر شفاف پانی جو گھریلو استعمال کے لائق نہ ہو اسے عام مصرف مثلاً سیرابی کھیت کے لئے لے جانا، یا بارش کے پانی یا گھریلو استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا حق حق مسیل ہے، مسیل اور فجری میں یہ فرق ہے کہ فجری ضرورت کے پانی کو زمین میں لانا ہے اور مسیل زمین یا گھر سے پانی کی نکاسی ہے مسیل کا حکم حق فجری کے حکم جیسا ہے چنانچہ حق مسیل سے روکنے کا کوئی شخص اختیار نہیں رکھتا ہاں البتہ اگر کسی کا ضرر ہو تو وہ روک سکتا ہے۔

حق مرور...... حق مرور سے راستے سے گزرنے کا حق مراد ہے تاکہ انسان اپنے مکان یا زمین تک پہنچ سکے، برابر ہے کہ راستہ شارع عام کی شکل میں ہو جو کسی کی ملک نہیں ہوتی یا مخصوص کسی کی ملک ہو چنانچہ شارع عام میں ہر انسان کو حق مرور حاصل ہوتا ہے جب کہ طریق خاص چند اشخاص کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔

حق جوار...... جوار کا معنی پڑوسی ہے۔ پڑوسی کی دو قسمیں ہیں:

---

❶...... البدائع ۱۸۸/۶، تکملة فتح القدير ۱۴۴/۸، القوانين الفقهية ۳۳۹ نهاية المحتاج ۲۵۵/۴ المغنی ۵: ۵۳۱۔

۱...... جوار علوی (بالائی پڑوسی) ۲...... جوار جانبی (پہلو کا پڑوسی)

حق جوار میں دو طرح کے حقوق ہوتے ہیں۔

۱۔ حق تعلی...... بالائی منزل کے لوگوں کو اپنی تحتانی منزل کی چھت پر اپنے مکان کو قائم رکھنے کا جو مستقل حق حاصل ہوتا ہے اسی کو حق تعلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔ جوار جانبی کا حق...... یہ وہ حق ہے جو دو پڑوسیوں میں سے ہر ایک کو دوسری حاصل ہوتا ہے چنانچہ جس شخص کو حق تعلی حاصل ہو وہ بالائی منزل پر اپنا حق برقرار رکھ سکتا ہے گویا یہ حق بالائی منزل والے کے لئے دائمی ہوتا ہے یہ حق زمین کے منہدم ہونے سے یا تحتانی منزل کے منہدم ہونے سے ختم نہیں ہوتا، صاحب تعلی کو ہمیشہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ خود یا اس کے ورثہ بالائی منزل کو تعمیر کر سکتے ہیں۔ بالائی منزل اور تحتانی منزل کے مالکان اپنے اپنے حصہ میں ایسا تصرف نہیں کر سکتے جس سے دوسرے کا نقصان ہو۔ اگر تحتانی منزل منہدم ہو جائے تو اس کے مالک پر ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو جلد از جلد اسے تعمیر کرے اگر تعمیر سے انکار کرے گا تو اس پر جبر کیا جائے گا، اگر تحتانی منزل والا یوں ہی چھوڑے رکھے تو بالائی منزل والا تعمیر کرے پھر تحتانی منزل کے مالک سے اخراجات وصول کرے۔

جس شخص کو جوار جانبی حاصل ہو اس کے لیے صرف ایک حق ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ دونوں پڑوسی ایک دوسرے کو ضرر نہ پہنچائیں یعنی ایسا ضرر جس سے کوئی پڑوسی اپنی ملک سے نفع نہ اٹھا سکے۔

چنانچہ جواز کی جملہ انواع میں ضرر ممنوع ہے البتہ وہ تصرفات جن کا معاملہ بالائی پڑوسی کے لئے قابل اشکال ہو اور معلوم نہ ہو کہ آیا اس سے ضرر لاحق ہوگا یا نہیں۔ جیسے دروازہ کھولنا، یا کھڑکی کھولنا یا بالائی منزل پر بھاری بوجھ رکھنا جس سے چھت متاثر ہوتی ہو سو اس قسم کا تصرف حنفیہ کے درمیان مختلف فیہ ہے، امام ابوحنیفہ کہتے ہیں پڑوسی کی اجازت کے بغیر اس قسم کا تصرف جائز نہیں، چونکہ مالک کے اپنی ایسی ملک میں تصرفات جس کے ساتھ دوسرے کا حق متعلق ہو اس میں اصل ممانعت ہے چونکہ صاحب تصرف کی ملک خالص نہیں لہٰذا وہ صرف ایسا تصرف کر سکتا ہے جس میں دوسرے کا نقصان نہ ہو ہاں البتہ دوسرے پڑوسی کی اجازت سے تصرف کر سکتا ہے حنفیہ کے نزدیک یہی رائے مستفتیٰ بہ ہے۔

صاحبین کہتے ہیں...... پڑوسی کے تصرف میں اصل اباحت ہے چونکہ بالائی منزل والا اپنے ہی ملک میں تو تصرف کرتا ہے، جب کہ مالک تصرف کرنے میں آزاد ہوتا ہے بشرطیکہ تصرف سے دوسرے کا نقصان نہ ہو اس صورت میں اس کا تصرف ممنوع ہوگا۔ اور اس کے علاوہ تصرف اپنی اباحت پر باقی رہے گا[1] میرے نزدیک یہ رائے معقول ہے اور واجب الاتباع ہے۔ گویا جوار جانبی کا ایک ہی حق ہے وہ اپنی ملک میں تصرف کا مباح ہونا ہے بشرطیکہ اس تصرف پر ضرر فاحش مرتب نہ ہوتا ہو۔ اگر ضرر ہو تو تعدی کرنے والے پر ضمان آئے گا۔ برابر ہے کہ ضرر براہ راست ہو یا بالواسطہ، یہی مالکیہ کی رائے ہے اور باقی مذاہب بھی یہی ہیں۔[2]

حقوق ارتفاق کے متعلق تین امور:

ا: حق ارتفاق اور حق انتفاع شخصی میں فرق...... حق ارتفاق اور حق انتفاع میں مندرجہ ذیل فروق ہیں۔

ا...... حق ارتفاق دائمی ہوتا ہے جو ہمیشہ اموال غیر منقولہ زمین اور مکان کے متعلق ہوتا ہے اس سے زمین کی قیمت کم پڑ جاتی ہے جب کہ

---

[1] ...... فتح القدیر ۵/۵۰۳ ردالمحتار علی الدر المختار ۴/۳۷۳، البدائع ۶/۲۶۴، البحر الرائق ۷/۳۳، تبیین الحقائق ۴/۱۹۶

[2] المنتقی علی الموطا ۶/۴۰ القوانین الفقہیۃ ۳۴۱ نیل الاوطار ۵/۲۶۱۔

حق انتفاع منقولہ وغیرہ منقولہ دونوں طرح کے اموال سے تعلق رکھتا ہے جیسے زمین وقف کر دی، اجرت پر دے دی، مکان کرائے پر دے دیا، یا کتاب عاریۃ دے دی یا گاڑے کرائے پر دے دی۔

۲.....حق ارتفاق زمین کے ساتھ مقرر ہوتا ہے البتہ حق جوار شخص سے متعلق ہوتا ہے اور زمین سے بھی، جب کہ حق انتفاع معین شخص کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔

۳.....حق ارتفاق دائمی ہوتا ہے جو عقار (زمین) کے تابع ہوتا ہے اگر چہ املاک متعدد ہوں، جب کہ حق انتفاع شخصی مؤقت ہوتا ہے۔

۴.....حق ارتفاق وراثت میں بھی منتقل ہوتا ہے حتی کہ حنفیہ کے نزدیک بھی، چونکہ حق ارتفاق زمین کے تابع ہوتا ہے، جب کہ حق انتفاع کا وراثت میں منتقل ہونا فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔

دوم حقوق ارتفاق کی خصوصیات.....حقوق ارتفاق کے احکام عامہ بھی ہیں اور خاصہ بھی۔

احکام عامہ.....یہ ہیں کہ جب حقوق ارتفاق ثابت ہو جاتے ہیں تو وہ اس وقت تک باقی رہتے ہیں۔

جب تک ان کی بقا پر غیر کا ضرر مرتب نہ ہو۔ اگر حقوق ارتفاق پر دوسرے کا ضرر یا اذیت مرتب ہو تو اس کا ازالہ واجب ہے چنانچہ عام راستہ میں گندے پانی کے بہاؤ کو روکا جائے گا اگر منتفعین کو ضرر پہنچ رہا ہو تو حق شرب سے روک دیا جائے گا اسی طرح اگر شارع عام میں گاڑی کے چلنے پر ضرر مرتب ہو تو گاڑی کو چلنے سے روکا جائے گا مثلاً گاڑی حد سے زیادہ رفتار سے چلائی جا رہی ہو چنانچہ حدیث ہے **لاضـــرر ولا ضـــرار** یعنی نہ کسی کو ضرر پہنچاؤ اور نہ انتقام کے لئے ضرر کے درپے رہو نیز راستے سے گزرنے کا حق (حق مرور) سلامتی کے ساتھ مقید ہے اور اس ضرر سے احتراز بھی ممکن ہے چونکہ ضرر قدیم نہیں ہوتا۔

احکام خاصہ.....کو میں عنقریب حقوق ارتفاق کی بحث میں ذکر کروں گا۔

سوم.....حقوق ارتفاق کے اسباب:

حقوق ارتفاق کے متعدد اسباب ہیں:

۱۔ **اشتراک عام**.....حق ارتفاق کا ایک سبب عمومی قسم کی شرکت ہے جو شہریوں کو سرکاری املاک میں حاصل ہوتی ہے جیسے سڑکیں، دریا مصارف عامہ۔ چنانچہ ان املاک کے قریب جو زمین بھی ہوگی اس کے لیے یہ حقوق ثابت ہوں گے مرور کا حق سیرابی کا حق ضرورت سے زائد پانی کی نکاسی کا حق وغیرھا چونکہ یہ منافع لوگوں کے درمیان مشترک ہوتے ہیں اور ان سے منافع حاصل کرنا ان کے کے لئے مباح ہوتا ہے بشرطیکہ دوسرے منتفعین کو ضرر لاحق نہ ہو۔

۲۔ **معاملات میں شرط لگا دینا**.....جیسے مثلاً فروخت کنندہ خریدار پر شرط لگا دے کہ اسے حق مرور حاصل ہوگا، یا اس کی کوئی دوسری مملوکہ زمین کے لئے حق شرب ہوگا یوں شرط لگا دینے سے یہ دونوں حقوق ثابت ہوں گے۔

۳۔ **تقادم**.....حق ارتفاق حاصل ہونے کا تیسرا سبب تقادم یعنی قدیم اور نامعلوم زمانہ سے کسی عمل کا جاری اور ثابت رہنا ہے مثلاً ایک شخص کو ایسی زمین وراثت میں ملتی ہے جو قدیم زمانہ سے پڑوسی کی زمین سے سیراب کی جاتی تھی یا اس کا فاضل پانی پڑوسی کی زمین میں بہایا جاتا تھا، یہ بھی بجائے خود حق ارتفاق کے ثابت ہونے کا ذریعہ ہے لیکن یہاں بھی یہی شرط ملحوظ ہوگی کہ دوسرے کے لئے باعث ضرر نہ ہو چونکہ بظاہر یہ حق سبب مشروع سے ثابت ہوا ہے اس لئے لوگوں کو احوال کے پیش نظر صلاح اور نفع پر محمول ہوگا۔

پانچویں فصل......ملک تام کے اسباب:

ملک تام کے اسباب اور مصادر چار ہیں:

۱.....مباح چیز کو اپنی تحویل میں لے لینا ۲.....عقد و معاملہ

۳.....خلیفہ یا نیابت ۴.....اور مملوکہ چیز سے حاصل شدہ اضافہ یا توالد۔ جب کہ سول قانون میں

ملک تام کے اسباب چھ ہیں:

۱.....منقول وغیرہ منقول املاک جو ملک نہ ہوں انھیں اپنی تحویل میں لینا۔

۲.....میراث اور تصفیہ ترکہ۔ ۳.....وصیت ۴.....منقولی وغیر منقولی املاک کے ساتھ التصاق

۵.....عقد و معاملہ ۶.....تقادم وحیازہ۔ ❶

یہ اسباب اسباب شرعیہ کے ساتھ متفق ہیں ❷ البتہ تقادم اور حیازہ یعنی مدت طویل سے غیر کی ملک کو اپنے قبضہ میں رکھنا اس اتفاق سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ اسلام نے تقادم کو ملک کا سبب قرار نہیں دیا، بلکہ یہ تو محض سماع دعویٰ کے مانع ہے ❸ جب کہ فی الواقع جو شخص غیر کی ملکیت پر ہاتھ ڈالے گا وہ شرعاً اس کا مالک نہیں بنے گا۔

اسلام نے تقادم کا اعتبار بھی نہیں کیا بایں طور کہ تقادم ترک مطالبہ کے ذریعہ مسقط حق ہے چنانچہ تقادم کی وجہ سے حقوق کا ثبوت وسقوط عدالت وخلق کے منافی ہے۔ تقادم کے ناحق ہونے میں اتنی بات ہی کافی ہے کہ غاصب اور چور مالک بن جائیں گے البتہ مدونہ میں ہے کہ حیازہ یعنی غیر کی ملکیت پر قبضہ کرنے سے امام مالک کے نزدیک ملکیت ساقط ہو جاتی ہے لیکن یہ رائے مالکیہ کی مشہور رائے کے خلاف ہے۔ لیکن حیازہ کی مدت کی کوئی تحدید نہیں کی البتہ ایک مرسل حدیث جو سعید بن مسیب سے مروی ہے اس سے حیازہ کی تحدید ہو سکتی ہے کہ زید بن اسلم نے مرفوع حدیث بیان کی کہ جو شخص اپنے فریق کے مقابلہ میں دس سال تک کسی چیز پر قبضہ کر لے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ ❹

البتہ التصاق اور اضافہ جو سیلاب بارش، ریت کے گرداب جو تیز ہوا کے سبب ہو جائیں وہ شرعاً مانع نہیں چونکہ یہ اضافہ سماویہ ہے یہ اس اصول میں داخل ہیں التولد من المملوك اضافہ کا تعلق ملک سے ہوتا ہے۔

ا۔ مباح کو تحویل میں لینا......مباح: وہ مال ہوتا ہے جو کسی معین شخص کی ملک میں داخل نہیں ہوتا اور اس کے مالک بننے میں کوئی شرعی مانع نہ ہو جیسے پانی، گھاس، لکڑی، جنگل کے درخت۔ خشکی وتری کا شکار مباح کو تحویل میں لینا درج ذیل امور سے ممتاز ہے۔

یہ کہ مباح کی ملکیت کا سبب باعث ملکیت ہو یعنی انشائی ہو اور مباح کسی دوسرے کی ملکیت نہ ہو جب کہ ملکیت کے دوسرے اسباب جیسے عقد، میراث وغیرھا تو یہ ملکیت کے اسباب حادثہ ہیں اور یہ سبب ناقل ہیں۔

ب۔ مباح کو تحویل میں لینا سبب فعلی ہے قولی نہیں۔ یعنی مباح پر ملکیت بالفعل اور قبضہ سے متحقق ہوگی لہٰذا یہ ملکیت ہر شخص کی درست ہو گی اگر چہ اس کی اہلیت ناقص ہو جیسے بچہ، مجنون اور مجور علیہ غیر ہو۔ جب کہ ناقص الاہلیت کا عقد صحیح نہیں ہوتا یا موقوف ہوتا مباح کو اپنی تحویل میں سے کی دو شرطیں ہیں۔

(اول)......یہ کہ اس نے مباح کو حاصل کرنے میں سبقت کی ہو چونکہ جس کا پہلے قبضہ ہوگا وہی اس کا مالک ہوگا۔

---

❶......راجع الفصل الثانی من حق الملکیة اسباب کتب الملکیة ۸۲۸/۷۔ ❷ مجلہ مادہ ۱۴۸ ۲۔ ❸ فقہاء نے تقادم کی تجدید ۳۳ سال سے کی ہے مجلہ ۱۶۶۱ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے یہ تحدید حقوق خاصہ کے متعلق ہے اراضی میں دس سال اوقات اور اموال میں ۳۶ سال۔(۴) دیکھئے بحث الحیازہ التقادمؒ فی الفقہ الاسلامی الدکتور محمد عبد الجواد ۱۸۔

(دوم)......اس نے مالک بننے کے ارادہ سے مباح کو حاصل کیا ہو اگر اس کی طرف سے ادانہ پایا گیا تو وہ مالک نہیں بنے گا۔ مثلاً جیسے کوئی پرندہ کسی کی گود میں آن پڑے تو وہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے شکار پکڑے کے لیے جال پھیلایا اور بیچ میں کوئی شکار نہیں کیا تو شکاری مالک بن جائے گا اور اگر جال خشک کرنے کے لیے پھیلایا ہو اور بیچ میں کوئی شکار پھنس گیا تو شکاری مالک نہیں بنے گا۔ چونکہ امور کو وجود قصد سے ملتا ہے۔

اول: احیاء موات (مردہ زمین کو زندہ کرنا)......یعنی بنجر اور غیر آباد زمین کو استعمال اور منفعت کے قابل بنانا احیاء موات ہے موات وہ زمین کہلاتی ہے جو کسی کی ملکیت نہ ہو اور اس سے کسی طرح بھی نفع نہ اٹھایا جاتا ہو شہر سے خارج ہو سو جو زمین کسی کی ملکیت میں ہو یا شہر کے اندر واقع ہو یا شہر سے باہر واقع ہو لیکن اہل شہر کے استعمال میں ہو تو وہ موات نہیں ہوگی۔

احیاء (آبادکاری) ملک کا فائدہ دیتی ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس شخص نے مردہ کو زندہ کیا وہ اس کا حق ہے برابر ہے کہ حاکم وقت کی اجازت سے زمین آباد کی ہو یا اس کی اجازت کے بغیر۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کہتے ہیں کہ احیائے ارض کے لئے حاکم وقت کی اجازت ضروری ہے۔ احیاء ارض سے مراد یہ ہے کہ زمین کو قابل انتفاع بنانا مثلاً تعمیر، باغات، کھیتی باڑی یا ہل وغیرہ کے قابل بنادی یا زمین میں کنواں کھود دیا فقہی اصطلاح میں احیائے ارض کے عمل کو تحجیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ احیاء کی مدت تین سال مقرر کی گئی ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا ہے کہ حد بندی کرنے والے کے لئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں۔"

دوم: شکار کرنا......صید غیر مملوک مباح چیز پر قبضہ کرنا صید ہے یا تو بالفعل شکار پر قبضہ کرنے سے شکار مکمل ہوتا ہے مثلاً شکار پکڑ لیا۔ یا قبضہ حکمی کر لیا مثلاً پرندہ یا جانور یا مچھلی پر اس طرح گرفت مضبوط کر لی کہ وہ بھاگ نہ سکیں جیسے مثلاً مچھلی کے لیے حوض بنالیا، جال ڈال دیا یا شکار پکڑنے والے جانوروں نے شکار کو گھیرے میں لے لیا۔

شکار انسان کے لئے حلال ہے، البتہ حج اور عمرہ کا احرام اگر باندھ رکھا ہو تو اس حالت میں کیا ہوا شکار حلال نہیں ہوتا۔ یا شکار حرم مکہ یا حرم مدینہ کا ہو وہ بھی حلال نہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ......المائدہ ۹۶/۵

تمہارے لیے سمندر کا شکار حلال کر دیا گیا اور سمندر کا کھانا بھی جو تمہارے لیے سامان معیشت ہے

اور مسافر کے لیے بھی تمہارے اوپر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں رہو۔

شکار ملکیت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے لیکن قبضہ حکمی میں تملک کا قصد اور ارادہ شرط ہے جب کہ حقیقی قبضہ میں یہ شرط نہیں۔ چونکہ قاعدہ ہے کہ امور کا وجود قصد وارادہ سے ہوتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے جال پھیلا رکھا ہو اور اس کی نیت جال سکھانے کی ہو اتفاقاً کوئی شکار اس میں پھنس جائے تو جو شخص پر شکار پر پہلے قبضہ کرے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔ چونکہ جال کے مالک کی نیت شکار کرنے کی نہیں تھی اگر چہ شکار اس کی ملک میں پھنسا ہے اگر مالک نے جال شکار کرنے کے قصد وارادہ سے پھیلایا ہو اور شکار پھنس جائے اور پھر کوئی دوسرا شخص شکار نکال لے تو وہ غاصب شمار ہوگا اگر کسی شخص کی زمین میں پرندے نے گھونسلا بنالیا تو جس نے پہل کر لی وہی پرندوں کا مالک ہوگا، ہاں البتہ اگر مالک زمین نے محض اسی غرض کے لیے زمین تیار کی ہو تو وہی مالک سمجھا جائے گا۔

اگر پرندہ کسی شخص کے مکان میں داخل ہوا، مالک مکان نے گھر کا دروازہ بند کیا تو پرندے کا وہی مالک ہوگا۔ اسی طرح اگر شکار گڑھے یا کنویں میں گرا تو جس نے پہل کر لی وہی اس کا مالک ہوگا البتہ اگر مالک نے گڑھا اسی نیت سے کھودا ہو تو وہی مالک ہوگا۔

سوم: گھاس اور جھاڑیوں پر قبضہ......گھاس کو عرب میں الکلاء کہا جاتا ہے، اس سے مراد وہ سبزہ ہوتا ہے جو خود بخود زمین سے اُگ

جاتا ہے۔ اور جانوروں کے چرنے کے کام آتا ہے۔

جھاڑیوں سے مراد وہ سرکنڈے ہیں جو جنگلات اور غیر مملوکہ زمین میں اگ جاتے ہیں۔

گھاس کا حکم...... یہ ہے کہ وہ کسی کی ملک نہیں اگرچہ مملوکہ زمین میں اگا ہو بلکہ گھاس سبھی لوگوں کے لیے مباح ہے سبھی کاٹ سکتے ہیں اور اپنے جانوروں کو چرا سکتے ہیں۔ مالک زمین روکنے کا حق نہیں رکھتا چونکہ گھاس مباح الاصل ہے مذاہب اربعہ میں یہی راجح ہے چونکہ حدیث ہے لوگ تین چیزوں میں برابر شریک ہیں پانی گھاس اور آگ۔ ❶

جھاڑیاں...... جھاڑیاں بھی مباح مال ہیں اگرچہ مملوکہ زمین میں ہوں۔ ہر شخص کو جھاڑیوں پر قبضہ کا حق حاصل ہے۔ ان سے روکنے کا حق کسی کو نہیں۔ جب کوئی شخص کسی جھاڑی پر قبضہ کر لے اور اور کاٹ کر اپنے پاس محفوظ کر لے وہی اس کا مالک ہوگا لیکن چونکہ عصر حاضر میں جنگلات ملکی اور قومی سرمایہ سمجھے جاتے ہیں اس لیے حکومت وقت جنگلات کاٹنے سے روکنے کا اختیار رکھتی ہے۔ چونکہ جنگلات میں مصلحت عامہ ہے اور قومی آمدنی کا ایک ذریعہ ہے۔ البتہ اگر درخت یا جھاڑیاں مملوکہ زمین میں ہوں تو وہ مباح نہیں بلکہ مالک زمین کی مالک ہیں۔ مالک کی اجازت کے بغیر ان کو کاٹنا جائز نہیں چونکہ زمین درخت لگانے کے لئے بھی آباد کی جاتی ہے بخلاف گھاس کے۔

معدنیات اور کنز کو تحویل میں لینا...... معادن یا معدنیات سے مراد وہ مال ہے جو اصل خلقت وطبع سے زمین کے اندر موجود ہو جیسے سونا چاندی، پیتل، لوہا، سیسہ وغیرہ۔

کنز...... سے مراد وہ مال ہے جو کسی شخص نے زمین میں دبا دیا ہو خواہ جاہلیت میں یا اسلام میں کنز کو خزانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

معدنیات اور کنز دونوں کے لیے حنفیہ کے نزدیک رکاز کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ زمین کے اندر موجود مال کو رکاز کہا جاتا ہے۔ برابر ہے کہ وہ مال اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے زمین میں موجود ہو جیسے لوہے اور پیتل کی ڈلیاں یا لوگوں نے رکھا ہو جیسے مدفون خزانہ حدیث میں رکاز کا حکم واحد ہے کہ رکاز میں خمس (پانچواں حصہ بطور زکوٰۃ) ہے۔ ❷

معدنیات کا حکم...... معدنیات پر قبضہ کر کے ان مالک بننے میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ معدنیات کے مالک بننے کے متوقع فقہاء کی دو آراء ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں...... معدنیات کی جملہ انواع قبضہ کرنے سے ملک نہیں بنتیں جیسے زمین کی ملکیت کے تابع ہونے میں ملک میں بنتیں بلکہ معدنیات سرکاری مال ہوتی ہیں حکومت وقت حسب مصلحت جیسے چاہے ان میں تصرف کرے، چونکہ زمین اسلامی فتوحات سے حکومت کی ملک بن جاتی ہے۔ نیز مصلحت بھی اسی حکم کی متقضی ہے مالکیہ کا یہی مشہور قول ہے۔ ❸

حنفیہ کہتے ہیں...... زمین کا مالک بننے سے آدمی معدنیات کا بھی مالک بن جاتا ہے چونکہ انسان جب زمین کا مالک بنتا ہے تو اس کے جمیع اجزاء کا مالک بنتا ہے۔ چنانچہ زمین اگر کسی شخص کی ملکیت ہو تو معدنیات بھی اس کی ملکیت ہوں گی اگر سرکاری زمین میں معدنیات ہوں تو سرکاری ہوں گی اگر غیر مملوک زمین میں ہوں تو جس نے معدنیات کو پالیا اسی کی ملک ہوں گی۔ چونکہ معدنیات زمین کے تابع ہوکر مباح ہیں ❹ یہ ساری تفصیل معادن اور اقطاع کی بحث میں آیا چاہتی ہے۔

معدنیات میں سرکاری حق ہونے کے اعتبار سے دو آراء ہیں۔

---

❶ ...... البدائع ۶/۱۹۳۔ ۲/۱۰۲ محلہ۔ ❷ رواہ الجماعة عن ابی ھریرة (نیل الاوطار ۴/۱۴۷) ❸ القوانین الفقھیة ۱۰۲ الشرح الکبیر مع الدسوقی ۱/۴۸۶۔ ❹ الدر المختار وردالمحتار ۱/۱۱ ۱/۱۲۲ المغنی ۳/۲۸۔

حنفیہ کہتے ہیں......معدنیات میں خمس (پانچواں حصہ) ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک رکاز کا اطلاق معدنیات اور خزانہ دونوں پر ہوتا ہے بقیہ چار حصے پانے والے کے ہوں گے۔ یہ حکم ان معدنیات کا ہے جو ٹھوس ہوں اور آگ میں پگھلائی جاتی ہوں جیسے سونا، چاندی، لوہا، پیتل اور سیسہ وغیرہ البتہ وہ معدنیات جو ٹھوس ہوں اور آگ پر پگھلائی نہیں جاتیں جیسے الماس (ہیرا) یاقوت، عقیق وغیرہ، اور وہ معدنیات جو مائع ہیں مثلاً تیل، پڑول، تارکول وغیر، تو ان میں حکومت کے لیے کچھ بھی۔ واجب نہیں، چونکہ جواہرات (ہیرا وغیرہ) پتھر اور مٹی کے مشابہ ہیں اور تیل تارکول وغیرہ پانی کے مشابہ ہیں۔ ان میں حکومت کے لیے کوئی حصہ واجب نہیں، ہاں البتہ پارے میں حکومت کے لیے خمس واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں......معدنیات میں حکومت وقت کے لیے کچھ بھی واجب نہیں۔ نہ خمس نہ کچھ اور البتہ معدنیات میں زکوٰۃ واجب ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: چوپائے کا مارا ہوا ہدر ہے کنویں میں گر کر مرنے والا ہدر ہے، کان میں دب کر مرنے والا ہدر ہے جب کہ رکاز میں خمس ہے ❶ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکاز میں خمس کو واجب قرار دیا ہے رکاز اہل جاہلیت کا دفینہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معدنیات میں کوئی چیز واجب قرار نہیں دی چونکہ حدیث کے الفاظ یوں ہیں **المعدن جبار** جبار کا معنی ہے اس میں کوئی چیز ہیں شافعیہ زکوٰۃ کے عمومی دلائل کی وجہ سے زکوٰۃ کو واجب کرتے ہیں۔ جبکہ معادن (کانیں) ان جگہوں کو کہا جاتا ہے جس سے زمین کے جواہرات، سونا، چاندی وغیرہ نکالے جاتے ہیں۔

کنز (دفینہ) کا حکم......کنز سے مراد لوگوں کا دفن کیا ہوا مال ہے برابر ہے کہ جاہلیت میں دفن کیا ہو یا اسلام میں۔ تاہم اس کی دو قسمیں ہیں:

۱.....جاہلی ۲..... اسلامی۔

اسلامی......وہ دفینہ جس پر کوئی ایسا نشان یا علامت ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دفینہ ظہور اسلام کے زمین میں گاڑا گیا ہے مثلاً مال پر کلمہ شہادت کندہ ہو یا کوئی آیت لکھی ہو یا کسی مسلمان خلیفہ کا نام لکھا ہوا۔

جاہلی......وہ مال جس پر ایسی کوئی علامت پائی جائی جو اس کے قبل از اسلام ہونے پر دلالت کرے مثلاً بت کی تصویر بنی ہو یا کسی جاہلی بادشاہ کا نام لکھا ہو وغیرہ۔

مشتبہ......وہ دفینہ جس پر کوئی ایسی علامت نہ ہو جس سے اس کے اسلامی یا جاہلی ہونے کا پتہ چلتا ہو چنانچہ ایسے کنز کے بارے میں متقدمین حنفیہ کی رائے ہے کہ یہ جاہلی ہے جب کہ متاخرین کی رائے ہے کہ یہ اسلامی ہے۔ اگر ایسا کنز ملے جس میں اسلامی اور جاہلی دونوں طرح کی علامتیں موجود ہوں تو وہ اسلامی ہوگا چونکہ بظاہر وہ کسی مسلمان کی ملک ہے جو ختم نہیں ہوتی۔

اسلامی کنز مالک کی ملکیت میں رہتا ہے اس کی ملکیت سے نکلتا نہیں، جس شخص کو ملے وہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ بلکہ دفینہ لقط کے حکم میں ہوگا اس کا اعلان اور تشہیر واجب ہے اگر مالک مل گیا تو اسے دے دیا جائے گا اگر مالک نہ ملے تو فقراء پر صدقہ کر دیا جائے گا فقیر کے لیے حلال ہے کہ اس سے نفع اٹھائے۔ یہ حنفیہ کی رائے ہے۔ ❷

جب کہ مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ نے پانے والے کے لیے اس سے نفع اٹھانا جائز قرار دیا ہے البتہ اگر بعد میں مالک ظاہر ہو گیا تو مال اسے سونپنا ضروری ہے اگر مال باقی نہ رہا ہو تو اس کا ضمان واجب ہے۔

---

❶ رواہ الائمہ الستۃ فی کتبہم عن ابی ہریرۃ(النصب الرایۃ ۲/ ۲۸۰ شرح مسلم ۱۱/ ۲۲۶۔ ❷ فتح القدیر ۳/ ۳۰۷ البدائع ۶ ۲۰۲ المبسوط ۱۱ ۴ الدر المختار ۳/ ۳۵۱۔

رہی بات جاہلی کنز کی سوائمہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کا خمس (پانچواں حصہ) بیت المال یعنی سرکاری خزانہ میں جمع کرنا واجب ہے۔ بقیہ چار خمس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ چار خمس پانے والے کا حق ہے خواہ مملوکہ زمین سے پائے یا غیر مملوکہ زمین سے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر غیر مملوکہ زمین یا وہ زمین جو احیاء کے ذریعہ مملوک ہوئی (یعنی نو آباد ہو) تو اس سے ملنے والا دفینہ پانے والے کا حق ہے اور اگر مملوکہ زمین سے ملے تو وہ اس شخص کا حق ہے جس نے سب سے پہلے اس زمین کو آباد کیا ہوا گر وہ موجود نہ ہو تو اس کے ورثہ کا حق ہے اگر ورثہ بھی معلوم نہ ہوں تو بیت المال کا حق ہے۔

چنانچہ سوریہ کے سول قانون ۸۳۰ میں کنز کے تین حصے مالک زمین کا حق ایک حصہ دریافت کنندہ کا حق اور پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے۔

۲: ملکیت کو منتقل کرنے والے معاملات...... جیسے خرید وفروخت ہبہ، وصیت وغیرہ وہ اہم عقود میں جو روزمرہ زندگی میں عام الوقوع ہیں اور اقتصادی ترقی انہی معاملات کے مرہون منت ہے ان کے علاوہ ملکیت کے اسباب کا وقوع روزمرہ زندگی میں بہت قلیل ہے۔

وہ عقد جو ملکیت کے لئے سبب مباشر کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں دو اور صورتیں بھی داخل ہیں۔

اول ..... وہ عقود جو جبر انعقاد پذیر ہوں اور حقیقی مالک کے نائب کی حیثیت سے صادر ہوئے ہیں جیسے ادائیگی دیون کے لیے مدیون کے اموال کو فروخت کرنا ذخیرہ اندوزی میں رکھا گیا مال فروخت کرنا چنانچہ عقد بیع کے طور پر خریدار اموال کا مالک بن جائے گا۔ ❶

دوم..... جبراً ملک کو کشید کر لینا اس کی دو صورتیں ہیں۔

شفعہ..... حنفیہ کے نزدیک شفعہ شریک یا جار ملاحق کے حق کو خریدار پر جبر کرتے ہوئے لے لینا ہے جمہور نے شفعہ کو شریک پر مقصور رکھا ہے۔

ب..... مصالح عامہ کے پیش نظر کسی چیز کی ملکیت حاصل کرنا مثلاً مسجد کی توسیع یا سڑک کی توسیع کے لئے مالک زمین سے جبراً زمین خرید لینا یوں مالک اس قسم کی ملکیت پر تعمیرات کا حق رکھتا ہے۔

بنا بریں وہ عقد جو ملکیت کا سبب بنے اس کا وجود یا تو رضامندی سے ہوگا یا جبراً ہوگا پھر یا تو صریح ہوگا جیسے مدیون کی بیع یا فرضی ہوگا جیسے شفعہ۔

۳..... خلیفہ (نیابت) خلیفہ سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کا نائب بن جائے اور منوب عنہ کے اموال کی ملکیت نائب کو منتقل جائے یا ایک چیز کسی دوسری چیز کے قائم مقام ہو جائے خلیفہ کی دو قسمیں ہیں ایک شخص کا دوسرے کا خلیفہ بننا یہ صورت میراث کی ہے۔ ایک چیز کا دوسری چیز کا خلیفہ ہونا اور یہ صورت تضمین کی ہے۔

میراث..... میراث مالک بننے کا ایک جبری سبب ہے چنانچہ وارث شریعت کے حکم سے ترکہ کا مالک بن جاتا ہے۔

تضمین...... یعنی کسی دوسرے شخص کی کوئی چیز تلف کرنے پر متلف کو ضامن بنانا تضمین ہے۔

یا مالک سے کوئی چیز غصب کر لی گئی ہو وہ ضائع ہوگئی یا گم ہوگئی اور غاصب کو اس کا ضامن قرار دیا گیا۔ اس صورت میں دیت، جنایات کا تاوان بھی داخل ہے۔

۴۔ مملوک سے پیدا شدہ اضافہ...... یعنی اصل مملوک چیز سے جو پیدا ہو وہ مالک اصل کی ملک ہے، چونکہ اصل کا مالک فرع کا

---

❶..... نیل الاوطار ۵/۸/۲۱۳۔

مالک بھی ہوتا ہے۔ برابر ہے کہ اضافہ مالک کے فعل سے پیدا ہو یا اصل کے طبع سے پیدا ہو۔ چنانچہ اگر کسی نے زمین غصب کر لی اور اس میں فصل کاشت کی تو حاصل شدہ پیداوار جمہور کے نزدیک غاصب کا حق ہے حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے چونکہ فصل بیج کی پیداوار ہے اور اسی کا ما حاصل ہے اور بیج غاصب کی ملکیت ہے البتہ غاصب پر زمین کا کرایہ واجب ہوگا اور کاشتکاری کی وجہ سے زمین کا جو نقصان ہوگا غاصب اس کا بھی ضامن ہوگا درختوں کے پھل، جانور کا بچہ اور بھیڑوں کی اون اصل مالک کا حق ہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں...... فصل مالک زمین کا حق ہے، حنابلہ کی دلیل رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مالکان کی اجازت کے بغیر ان کی زمین میں فصل کاشت کی تو فصل میں سے اسے کچھ بھی نہیں ملے گا اور اس کے لیے فصل کا خرچ ہوگا۔ ❶

چھٹی فصل ...... ملکیت کی طبیعت وحقیقت

کیا ملکیت خاصہ قانون اسلام میں مطلق ہے یا مقید...... بیع (خرید وروخت) معاملات اور مالک بننے کے حقوق کا ایک منظم قانون ہے چنانچہ باہمی معاملہ کی صورت میں شریعت نے قیود کے ضمن میں کچھ اہداف مقرر کئے ہیں، بیع کو قیود یا شرائط کے ساتھ معلق کرنے کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق محفوظ رہیں، ایک کی ملکیت ناحق کسی کو منتقل نہ ہو دھوکا دہی ملاوٹ غش، غبن، ایسی جہالت جو مفضی الی النزاع ہو سے مکمل اجتناب ہو وہ طریقہ بھی معاملات میں کارفرما رہے جس سے دوسروں کے مال کو ہڑپ کرنے کی نوبت پیش آتی ہو یہ وہ عوامل ہیں جو عقد کو فاسد یا باطل کر دیتے ہیں شریعت اسلام میں یہی امر باعث حرمت ہے۔

اسی نقطہ نظر سے یہ امر اس اہمیت کا حامل ہے کہ ہم سوال کریں آیا کہ ایک شخص اپنے تصرفات اور عمل ومعاملہ کے میدان میں قیود وشرائط سے آزاد ہے یا حق ملکیت کو حاصل کرنے میں قیود وشرائط ہیں؟

تمہید...... عصر حاضر میں ساری دنیا میں دو متعارض اقتصادی نظاموں کی سیادت ہے:

۱...... سرمایہ دارانہ نظام　　　　۲...... اور اشتراکی نظام۔

سرمایہ دارانہ نظام...... یہ نظام اموال میں ملکیت خاصہ کا معترف ہے خواہ اموار پیداواری ہوں یا غیر پیداواری اس نظام میں یہ شرط نہیں کہ سبھی اموال افراد کی ملکیت ہیں، بلکہ حکومت یا اس کے کسی ادارہ کے لئے جائز ہے کہ ان اموال میں سے کچھ کو اپنی ملکیتی تحویل میں لے لے، جیسا کہ یہ شرط نہیں کہ ملکیت خاصہ کا حق مطلق ہے بلکہ حق ملکیت پر منفعت عامہ کے پیش نظر بعض قیود کا عائد کرنا جائز ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد افراد کی اقتصادی آزادی پر استوار ہے اور حکومتیں افراد کی اقتصادی ترقی میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی مجاز نہیں۔

چنانچہ سرمایہ وارانہ نظام معیشت کے سائے تلے پر محرک رو بہ سیل ہے کہ حصول زر کا اگلا درجہ کیسے ممکن الوصول ہے۔

تاہم تقسیم دولت کی حوالے سے یہ نظام غیر متوازن ہے اس کی پاداش میں معاشرہ دو طبقوں میں بٹ جاتا ہے ایک طبقہ سرمایہ داروں اجارہ داروں کا طبقہ ہے اور دوسرا مزدوروں کسانوں کا طبقہ ہے۔ اس نظام معیشت میں دولت چند افراد تک مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے جو صنعتی اور تجارتی اجارہ دار ہوتے ہیں، یوں نتیجتاً اقتصادی استقرار کے ضمن میں سرمایہ دارانہ نظام بری طرح ناکام ہے اور عام انسانوں کی زندگی میں بہتری کا ضامن نہیں۔

---

❶...... رواہ الخمسة الا النسائی وقال البخاری: هو حدیث حسن

اشتراکی نظام...... اس نظام کی بنیاد اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ تمام وسائل پیداوار یعنی زمین اور کارخانے وغیرہ انفرادی ملکیت سے نکال کر حکومت کی تحویل میں دے دیئے جائیں اور انفرادی ملکیت کا سرے سے وجود ہی نہ رہے اور فرد کو اقتصادی آزادی حاصل نہ ہو۔ ہاں البتہ فرد کی ملک میں صرف اتنا مال ہو جو معاشرہ اسے عطا کر دے جس سے اس کا نظام زندگی استوار رہے۔

چنانچہ ملکیت خاصہ بالکلیہ لغو نہیں ہو جاتی اس نظام میں گھریلو ساز وسامان، نقود وغیرہ کی ملکیت کا اعتراف کیا جاتا ہے ان اموال کی ملکیت بطریقہ میراث دوسرے تک منتقل ہو سکتی ہے۔

رہی بات وسائل پیداوار کی ملکیت کی سو وہ اشتراکی ملکیت ہوگی جو حکومتی تحویل میں رہے گی بایں ہمہ وسائل پیداوار کی ملکیت خاصہ روس میں بالکلیہ لغو نہیں ہوتی۔ چنانچہ روسی قانون نے چھوٹے پیمانے پر بعض معاشی حقوق زمینداروں اور اور اہل حرفت کو سونپ رکھے ہیں کہ وہ شخص طور پر اپنا کام جاری رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ ایک حد تک ان کی ملکیت رہے اس سے آگے بڑھنے نہ پائے۔

اشتراکی نظام کا اصل مقصد یہ ہے کہ اجتماعی طور پر یکسانیت رہے اسی لیے ہر فرد کی حاجت پوری کرنے میں یہ نظام متہم رہا ہے جب کہ ایک انسان کو مادی سطح پر سہولت کی فراہمی اس نظام کا منشور ہے یہ الگ بات ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام سے جان چھڑانے کی لیے اس نظام کو متعارف کرایا گیا لیکن بارش سے بھاگا پرنالے کے نیچے کی مثل کا مصداق بنا۔

اس نظام پر نقد وتبصرہ کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ نظام فرد کے طبعی مقدس حق کو کالعدم کر دیتا ہے اور وہ مقدس حق ملکیت کا حق ہے ۱۹۸۹ء میں یہ نظام روس میں اپنی ناکامی کی حد کو پہنچ گیا، اور مغربی نظام معیشت روس میں متعارف ہوا۔

اسلامی معاشی نظام...... اسلامی معاشی نظام مذکورہ بالا دونوں نظاموں کے کے درمیان معتدل نظام ہے، یہ نظام بذاتہ قائم ہے کسی دوسرے نظام معیشت سے مستعار نہیں لیا گیا، یہ اجتماعی نظریئے کا حامل نظام ہے جو اسی کے ساتھ خاص ہے یہ نظام قیمت انسان کا معترف ہے جیسے معاشرتی حقوق کی پاسداری کا ضامن ہے یہ متوازن نظام معیشت ہے بلکہ یہ نظام فرد کو جماعت کے ساتھ منسلک کرتا ہے اور جماعت کو فرد کے ساتھ یہ کوئی فردی نظریہ نہیں جو سرمایہ دارانہ نظام تک لے جائے اور کوئی مجموعاتی افکار کا حاصل بھی نہیں جو کہ مارکسیت تک پہنچا دے، یہ نظام فرد کو کھلی چھٹی بھی نہیں دیتا اجتماعی یا حکومتی سطح پر ایسے اجتماعی اور معاشی روابط کا حامل ہے جو فرد اور جماعت کے درمیان قائم رہتے ہیں اس کی اساس کینہ پروری اور عداوت نہیں۔

بنابریں اسلامی معاشی نظام فرد کو حق تملک سے سرفراز کرتا ہے اور فرد کو انتفاع اور پیدوار کا حق عطا کرتا ہے، تادم واپسیں فرد کو اپنی ملک میں بھرپور تصرف کا حق دیتا ہے تاہم اسلامی نظام کی حدود مقرر ہیں، ان قیود کا دائرہ اتنا تنگ بھی نہیں کہ اشتراکیت بن جائے اور اتنا زیادہ وسیع بھی نہیں کہ اس کے ڈانڈے سرمایہ دارانہ نظام سے مل جائیں۔ چنانچہ اسلامی نظام معیشت سود اور ذخیرہ اندوزی سے باز رکھتا ہے اور حرام آمدنی کی راہوں کو مسدود کرتا ہے گویا اسلامی نظام معیشت میں اشتراکیت اور سرمایہ داررانہ نظامہائے معیشت کی اچھائیاں جمع ہیں۔ اور جوان دونوں نظاموں میں بڑائیاں ہیں اسلامی نظام معیشت ان سے کنارہ کش ہے۔

یہ کہنا کسی طرح روا نہیں کہ اسلامی نظام معیشت سرمایہ دارانہ نظام ہے یا اشتراکی نظام ہے چونکہ ان دونوں نظاموں کا مفہوم واضح اور نمایاں ہے جب کہ اسلامی نظام معیشت کی اپنی خصوصیات ہیں جو معاشی زندگی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

اسلامی ایک ایسا نظام حیات ہے بذاتہ قائم ہے یہ اپنا وجود برقرار رکھنے میں کسی نئے مذہب یا نئے نظام یا قدیم نظام کا محتاج نہیں دراصل یہ نظام زندگی اور فطرت ظاہر و باطن کے درمیان ربط ہے یوں جانبین کی کارکردگی ظہور میں آتی ہے جس سے پاک وصالح تہذہب پروان

چڑھتی ہے جس کا تعلق انسانی عقل اور روح سے پیوستہ ہے چنانچہ اسلامی فرد اور معاشرہ کے حقوق اور قواعد مقرر ہیں تاہم جب اشتراکیت میں بعض ایسے امور کی رعایت رکھی گئی ہے جو اسلام کے مقرر کردہ اجتماعی تکافل کے ہم آہنگ ہیں اس یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلامی نظام معیشت اشتراکی مارکسی نظام ہے جبکہ دونوں کے درمیان بعد المشرقین ہے۔

اسلام کی نظر میں مال اور ملکیت کی حیثیت.....حنفیہ کے نزدیک مال کا اطلاق ہر ایسی چیز پر ہوتا ہے جس کی طرف طبعاً انسان مائل ہوتا ہو اور ضرورت کے لئے اسے ذخیرہ کرنا ممکن ہو جمہور کے نزدیک ہر وہ چیز جس کی قیمت ہو اور قیمت سے اسے فروخت کیا جاتا ہو تلف کی صورت میں متلف پر اس کا ضمان لازم ہوتا ہو اگر چہ وہ چیز قلیل ہی کیوں نہ ہو عادۃ لوگ اسے پھینکتے نہ ہوں جیسے فلس پیسہ۔ یہ تعریف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ ❶

چنانچہ پہلی تعریف کے مطابق حقوق مجردہ اور منافع مال نہیں ہوں گے البتہ اجرت پردی ہوئی چیز کی منفعت مال ہوگی دوسری تعریف کے مطابق منافع مال ہوں گے اور وراثت میں منتقل ہوں گے۔

ملک.....ایسا اختصاصی اختیار ہے جو اپنے صاحب کو تصرف سونپتا ہے بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو۔ ❷

مال حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ملک ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا فِيْهِنَّ ......المائدہ ۵/۱۲۰

آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔

عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں گواہی دیتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملک ہے انسان اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جس شخص نے بنجر زمین آباد کر لی وہی اس کا زیادہ حقدار ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان مالک بننے میں اللہ تعالیٰ کے اوامر اور قیود کا پابند ہے جب کہ سبھی لوگ مالک بننے میں برابری کا حق رکھتے ہیں زمین سے حاصل ہونے والے اموال کا مالک بننا ان کا حق ہے فردی ملکیت کا حق۔ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ مال فی ذاتہ مقصود نہیں بلکہ مال تو منافع جات سے مستفید ہونے کا وسیلہ ہے۔ ❸

بالخصوص اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ تاریخ اسلام میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ مالدار سے مال چھین کر کسی فقیر محتاج کو دے دیا جائے اگر چہ محتاج فاقوں مر رہا ہو۔

بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو خرچ کرنے کی ترغیب دیتے تھے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرچ کرنے کا کسی کو حکم نہیں دیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب سے متاثر ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا مال لے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا آدھا مال لے آئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کی تیاری کا جملہ سامان فراہم کیا اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔

ملکیت کی قید بندی.....بعض مصنفین کہتے ہیں: جب مال اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اور سبھی لوگ اللہ کے بندے ہیں، وہ زندگی جس میں لوگ عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مال میں اسے کھپاتے ہیں وہ بھی اللہ کی دی ہوئی ہے اور اللہ کا مال ہے۔ لہٰذا یہ بات ضروری قرار پائی کہ مال سے سبھی لوگ نفع اٹھائیں اگر چہ مال کسی معین شخص کے نام کے ساتھ مربوط ہو چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

❶ الاشباہ والنظائر للسیوطی ۲۵۸۔ ❷ المدخل الفقهی الاستاذ الرقاء ج ۱/ ۲۲۰۔ ❸ اشتراکیۃ الاسلام اللمرحوم الدکتور مصطفی السباعی ۷۷

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ......البقرۃ ۲/۲۹

وہی اللہ ہے جس نے تمہارے سے جو کچھ زمین میں ہے پیدا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مال میں ایک قسم کا اجتماعی (وظیفہ فنڈ) مقرر ہے جس کا ہدف معاشرتی خوشحال ہے گویا نظریہ اسلام کے مطابق شخص ملکیت اجتماعی وظیفہ ہے۔ ❶

ہمارے استاذ شیخ محمد ابوزہرہ کی رائے یہ ہے کہ ملکیت کے وظیفہ اجتماع ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں لیکن اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ ملکیت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، حکام کا اس میں دخل نہیں چونکہ حکام ہمیشہ عادل نہیں رہے۔ ❷

میرے نزدیک تعبیر یوں ہے کہ اسلام واضح بے غبار راستہ ہے اور یہ تاثر اشتراکیت کا حربہ ہے جو اسلام کی حمات حاصل کرنا چاہتا ہے یوں تملک میں انسانی فطرت جو آزاد ہے کا نقض لازم آتا ہے اور ملکیت کے اسلامی نظریہ کی حقیقت سمجھنے میں کجی واقع ہوئی ہے چنانچہ ملکیت خاصہ اسلام میں حق محفوظ ہے الا یہ کہ غیر کا حق نہ مارا جائے یا معاشرتی مصلحت کے خلاف نہ ہو چنانچہ حق ملکیت اجتماعی وظیفہ نہیں جو مالک کو جماعت کا محض مؤظف نہیں البتہ مالک اجتماعی وظیفہ کا صاحب ہے جیسے مالک فردی صفت کا حق رکھتا ہے چنانچہ اگر حق کو اجتماعی وظیفہ اعتبار کیا جائے تو صاحب حق محض تنخواہ دار ہو کر رہ جائے گا یا جماعت کا وکیل ہوگا اور مصلحت خاصہ فوت ہو جائے کی حقیقت میں یہ تاثر نوائے حق کو اکارت کرنے کی ایک ناکام کوشش ہے ملکیت کو لغو قرار دینا انسانی فطرت کے خلاف ہے اور انسانی شعور کے متقارم ہے۔

بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ اسلام ملکیت خاصہ کے مانع نہیں اور نہ ہی اسلام ملکیت کو کھلی چھٹی دیتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ......النساء ۴/۲۹

اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ ہاں البتہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو جائے۔

وَفِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ الذاریات ۵۱/۱۹

تمہارے مال میں سائل اور نادار کا حق ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ......النحل ۱۶/۷۱

اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت بخشی ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ......المائدہ ۵/۵۴

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسلمان مسلمان حرام ہے اس کی جان اس کا مال اور اس کی آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے ❸ ایک اور حدیث میں ہے تمہاری جانیں تمہارے اموال ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے یہ دن اس شہر میں اور اس مہینہ میں ❹ ایک اور حدیث ہے کسی مسلمان کا مال حلال نہیں مگر اس کی الی رضامندی سے۔ ❺

قرآن وحدیث سے ملکیت کا ثبوت...... ان آیات اور احادیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ افراد کی ملکیت پر تعدی اور ظلم حرام ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک بالشت کے برابر بھی ظلما کسی کی زمین ہتھیائی اللہ تعالیٰ سات زمینوں تک طوق بنا کر

---

❶ ..... انظر مقام الشیخ للازسر محمور شلتوت فی جریدۃ الجمہوریۃ ۲۲ دسمبر ۱۹۶۱ء۔ ❷ التکافل الاجتماعی فی الاسلام ۲۳۔ ❸ رواہ مسلم وغیرہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ❹ رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی عن جابر بن عبداللہ (جمع الفوائد لابن سلیمان لارودانی ۱/۴۷۴) ❺ اخرجہ الدارقطنی فی سننہ (مجمع الزوائد ۴/۱۷۱ الضابر آیۃ ۴/۱۶۱ سبل السلام ۳/۶۰ نیل الاوطار ۸/۱۵۲

اس پر ڈال دیں گے۔ ❶

اسلام نے چوری، غصب، سلب، غش اور بیجا ٹیکس پر سزائیں مقرر کی ہیں اور جو ملکیت ناجائز ہو حکومت وقت کا فریضہ بنتا ہے کہ اپنا اختیار استعمال کر کے اصل مالک کو ملکیت لوٹائی جائے برابر ہے کہ ملکیت منقولی ہو یا غیر منقولی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض والیوں سے ایسی ملکیتیں واپس کروائیں جو انھوں نے اپنی تحویل میں لے رکھی تھیں اور مالداری کا ذریعہ بنا رکھی تھیں چونکہ ملکیت طیبات اور مباحات کے ساتھ مقید ہے، اور وہ ملکیت جو حرام سبب مثلاً رشوت، چوری، ڈاکہ، سود یا غش ناپ تول میں کمی کرنے سے آئے تو وہ شرعی طور پر مالک بننے کا سبب صالح نہیں ہے۔

ملکیات خاصہ میں بھی حکومت دخل انداز ہو سکتی ہے تاکہ مصلحت عامہ متحقق رہے چونکہ اگر کھلی چھوڑ دی جائے گی تو عامۃ الناس کا نقصان ہونے لگے گا جیسے جاگیروں کی ملکیت میں یہ برائی عیاں ہے اسی لیے عادل حکمران کے لیے ضروری ہے کہ جب کوئی شخص ابتداء غیر آباد زمین کو آباد کرنا چاہے تو اس پر ایسی قیود کا نفاذ کر دیا جائے تاکہ وہ حد سے تجاوز نہ کر سکے اور کسی دوسرے کو میلی آنکھ سے اس کی طرف دیکھنے کی جرات نہ ہو بشرطیکہ جب اس میں عام مسلمانوں کی بہتری ہو۔ چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے حاکم وقت مصلحت عامہ کے پیش نظر اباحت ملکیت سے روک سکتا ہے چنانچہ اولوالامر کی اطاعت واجب ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ ...... النساء ٤/ ٥٩

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول اور اصحاب اختیار کی اطاعت کرو۔

اولوالامر سے مراد امراء، ولاۃ اور حکمران طبقہ ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے طبری کہتے ہیں اولوالامر سے مراد درست بات کرنے والے لوگ ہیں۔

ملکیت میں اہل اختیار کی دخل اندازی کی ایک مثال وہ ہے جو محمد باقر نے اپنے والد حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ایک انصاری کے باغ میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے کھجوروں کے چند درخت تھے، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ باغ میں داخل ہوئے جس سے انصاری کو اذیت پہنچی انصاری نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درختوں کے مالک سے فرمایا: یہ درخت فروخت کر دو، مالک نے انکار کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درخت کاٹ دو اس نے انکار کر دیا فرمایا: ہبہ کر دو تمہیں ان جیسے درخت جنت میں ملیں گے، مالک نے اس سے بھی انکار کر دیا اس پر آپ نے فرمایا: تم ضرر پہنچانے کے درپے ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جاؤ اور اس کی کھجوروں کے درخت اکھاڑ ڈالو ❷ یہ واقعہ اس بات پر کھلی دلیل ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ملکیت کا احترام نہیں کیا جو تعدی اور ظلم کے باعث ہو دوسری حدیث ہے **لاضرر ولاضرار** ❸ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک اور حدیث روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک پڑوسی اپنے پڑوسی کو دیوار میں لکڑی رکھنے سے نہ روکے ❹ اسی لیے اسلام میں حق شفعہ کو مشروع قرار دیا گیا ہے تاکہ ضرر کا دفعیہ ہو اور مصلحت عامہ متحقق رہے۔

دوسری مثال...... اس کی دوسری مثال امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ ضحاک بن خلیفہ نامی ایک شخص مدینہ میں عریض نامی وادی سے پانی کی نال نکال کر اپنی زمین تک لانا چاہتا تھا اور درمیان میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زمین پڑتی تھی، ضحاک نے اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بات کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حکم دیا کہ اسے اپنی زمین سے

---

❶ ...... متفق علیه (نیل الاوطار ٥/ ٣١٧) ❷ انظر الاحکام السلطانیه لابی یعلی ٢٨٥. ❸ رواه مالک فی الموطا قدمر غیر مرة
❹ رواه مسلم ومالک واحمد وابن ماجة بل رواه الجماعة الا النسائی۔

پانی کی نالی گزرنے دو، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اجازت نہ دی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کو ایسی چیز سے کیوں منع کرتے ہو جو اس کے لئے نفع بخش ہے حالانکہ اس میں تمہارا بھی نفع ہے تم اول وآخر اپنے کھیت کو بھی سیراب کرو گے اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں محمد بن مسلمہ نے کہا: اللہ کی قسم میں پانی نہیں گزرنے دوں گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم اسے ضرور پانی گزارنے دو اگرچہ وہ تمہارے پیٹ پر سے گزارے پھر ضحاک کو حکم دیا کہ پانی گزار کر لے جاؤ چنانچہ ضحاک نالی بنا کر پانی لے گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرر سے روک دینا کافی نہیں بلکہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں ایسا نظام قائم رہنے دے جو اس کے لیے مفید ہو جب تک اس میں ضرر نہ آنے پائے۔ نظام ملکیت کو ایک قاعدہ کے ذیل میں بیان کرنا ممکن ہے **الضرورات تبیح المحظورات** ضرورت محظور (ممنوع) کو مباح کر دیتی ہے نیز مصلحت عامہ اور سد ذرائع کا قانون ہے کہ ایسا ذریعہ جو حقوق اللہ کے مانع ہو تسلط ظلم سرکشی، تبذیر، اسراف، فساد، جھگڑا، ذخیرہ اندوزی اموال کی بے جا نکاسی کا سبب بنے یا جس سے مصلحت امر مفلوج ہوتی ہے ہو اس سے ہر ممکن اجتناب کیا جائے اور ایسا اقدام کیا جائے جس کی پاداش میں مصلحت عامہ کو فروغ ملتا ہے۔

ملکیت کی قیود...... ملکیت کی تین قیود ہیں:

۱۔ یہ کہ ملکیت اتنے دائرہ میں ہو جو ضرر کے مانع ہو۔

۲۔ ہر چیز فردی ملکیت کے قابل نہیں ہوتی۔

۳۔ ملکیت خاصہ پر حکومت وقت کے کچھ حقوق مقرر ہیں۔

پہلی قید: دوسروں کو ضرر نہ پہنچے...... ملکیت پر مقررہ حقوق کی بنیاد دو چیزیں ہیں۔

۱۔ ملکیت سے دوسرے کو ضرر نہ پہنچے چونکہ اسلام میں ہر حق میں یہ قید ملحوظ ہے کہ اس میں دوسرے کا ضرر نہ ہو۔

۲۔ اگر ملکیت میں دوسرے کا ضرر نہ ہو دوسرے کا نفع ہو۔ ❶

علماء کے نزدیک ضرر کی چار قسمیں ہیں۔ ❷

۱: **ضرر مؤکد الوقوع**...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ملک میں تصرف کرنا چاہتا ہے اور اس کے استعمال حق میں دوسرے کا ضرر ہو تو اسے ضرر سے روکا جائے گا چونکہ اسے تصرف سے روکنے میں ضرر خاص ہے اور ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کو برداشت کرنا پڑے گا اور اگر ضرر خاص افراد تک محدود ہو تو صاحب حق کا اعتبار بطریق اولی ہوگا۔

۲: **ضرر غالب الوقوع**...... اس کا حاصل یہ ہے کہ جب مالک فعل بجا لائے تو اس کے فعل سے بہت زیادہ ضرر واقع ہوتا ہو، یہ صورت مذکور بالا صورت کے ساتھ ملحق ہے یعنی ضرر کا خاتمہ ضروری ہے چونکہ احکام عملیہ میں غلبہ ظن یقین کے قائم مقام ہوتا ہے۔

۳: **ضرر کثیر غیر غالب**...... اس کا حاصل یہ ہے کہ فعل پر مفسدہ اور خرابی کا ترتب فی نفسہ کثیر ہو لیکن اس کے وقوع کا غالب گمان نہ ہو۔ اس صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ مالکیہ اور حنابلہ کا عمل اس فقہی قاعدہ پر ہے کہ دفع مضار جلب مصالح پر مقدم ہوتا ہے یعنی جس چیز میں ضرر بھی ہو اور نفع بھی تو اس کے ضرر سے اجتناب کیا جائے گا اور نفع کے عدم کو برداشت کیا جائے گا ضرر فعل کا احتمال ہی فعل کی ممانعت کے لئے کافی ہے حنفیہ اور شافعیہ کی یہ رائے ہے کہ دراصل فعل مشروع ہے اور محض ضرر کا احتمال متوقع ضرر کی دلیل نہیں بن سکتا لہٰذا محض ضرر کے احتمال کی وجہ سے حق ممنوع نہیں ہوگا۔

---

❶...... التكافل الاجتماعی للاستاذ محمد ابوزهره ۲۴۔ ❷ المصدر السابق ۶۴۔

۴: ضرر قلیل...... یہ کہ حق کے استعمال پر جو ضرر مرتب ہو رہا ہو وہ نادر الوقوع ہو یا وہ ضرر بنفسہ قلیل ہو چنانچہ اس کے قلیل ہونے کی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی چونکہ دار و مدار حق ثابت کی اصل پر ہوتا ہے لہٰذا حق ثابت سے صرف اسی صورت میں عدول کیا جائے گا جب اس کے استعمال پر ضرر کثیر مرتب ہوتا ہو۔

دوسری قید: بعض حالت میں ملکیت خاصہ کی ممانعت:

ہر قسم کا مال فردی ملکیت کے قابل نہیں ہوتا...... چنانچہ مال کی تین اقسام ایسی ہیں جو فردی ملکیت کے قابل نہیں ہوتیں بلکہ وہ سرکاری ملکیت کے قابل ہوتی ہیں ❶ ان کے علاوہ بقیہ مرافق جیسے مزروعت (زرعی پیداوار) اور مصنوعات سوان کی ملکیت اور تصرف کا اختیار افراد کے پاس ہو سکتا ہے مال کی یہ تین انواع حسب ذیل ہیں:

اول..... وہ اموال جنکا نفع عمومی (قومی) ہوتا ہے جیسے مساجد، مدارس، اسکولز، سڑکیں، دریا، اوقاف وغیرھا۔ چنانچہ یہ اموال کسی فردی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ سبھی مسلمانوں کے حقوق ان سے وابستہ ہوتے ہیں۔

دوم...... وہ اموال جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے موجود ہوں جیسے معدنیات پٹرولیم، پانی گھاس، آگ وغیرھا۔ چنانچہ ان اشیاء کو انسان نے ایجاد نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ان کو وجود ملا ہے چنانچہ معدنیات سب کی سب حکومت کی ملکیت ہوتی ہیں اور انھیں قومی مفاد میں استعمال کیا جاتا ہے، مالکیہ کے نزدیک یہی رائے راجح ہے ظاہری ٹھوس اور بہنے والی معدنیات کے متعلق حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے ظاہری معدنیات جیسے نمک، پٹرولیم، الکحل وغیرہ۔ رہی بات جامد معدنیات کی وہ زمین کی ملکیت کے ماتحت ہیں۔

حنفیہ کے ہاں اس کی تفصیل ہے جو ان کی کتب سے معلوم کی جا سکتی ہے البتہ حنفیہ کے ہاں اتنی بات مقرر ہے کہ اس قسم کے اموال میں حکومت کا ایک بڑا حصہ ہے۔ حنابلہ کی رائے ابن قدامہ حنبلی کے اس بیان سے ظاہر ہوتی ہے فی الجملہ ظاہری معدنیات جنھیں حاصل کرنے میں مشقت اور اخراجات نہ اٹھانے پڑتے ہوں اور لوگوں کو ان کے حصول کے لیے چندہ نہ جمع کرنا پڑتا ہو جیسے نمک پانی، آگ، تارکول، الکحل، یاقوت پتھر کی پنڈیاں، مٹی وغیرہ، سو زمین آباد کرنے سے ان چیزوں کا انسان مالک نہیں بنتا کسی ایک شخص کی ان اشیاء پر اجارہ داری بھی جائز نہیں چونکہ ایسا کرنے میں مسلمانوں کا ضرر ہے اور انھیں تنگی میں ڈالتا ہے۔ ❷

سوم...... وہ اموال جن کی ملکیت افراد سے حکومت کو منتقل ہوتی ہے یا حکومت کو ان اموال پر ولایت حاصل ہوتی ہے۔

(اول)..... جیسے وہ مال جو بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے جیسے ضائع شدہ اموال یا وہ اموال جنکا کوئی وارث نہ ہو چونکہ بیت المال اس شخص کا وارث ہوتا ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو (دوم) جیسے زرعی خراجی زمین جو فتوحات سے مسلمانوں کو مل گئیں جیسے شام، مصر، عراق، اور فارس کی زمین یا یہ زمینیں معدنیات کی طرح حکومت کی ملکیت ہیں ان زمینوں پر قبضہ اختصاصی ہوگا جو صرف انتفاع کی حد تک معتبر ہوگا اور یہ قبضہ ملک تام کا قبضہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی اکثر زمینیں خراجی ہیں تو ان کی کاشتکاری کی ملکیت مالک مطلق نہیں ہوگی۔ چنانچہ ارباب اختیار بوقت ضرورت قابضین سے واپس لے سکتے ہیں اور اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو انھیں معاوضہ بھی دے سکتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں یہ ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں زمین کے ایک ٹکڑے کی حد بندی کی تھی جو مسلمانوں کے اونٹوں کے چرنے میں کام آتی تھی ❸ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے اس ٹکڑے کو مسلمانوں کے لئے مشاع قرار دیا تھا۔

---

❶......انظر التكافل الاجتماعی للاستاذ ابی زهرة ۲۹۔ ❷ المغنی ۵/ ۵۲۰ (۲) رواه احمد و ابن حبان عن ابن عمر و ابوداؤد عن الصعب بن جثامة (جامع الاصول ۳/ ۳۳۱ مجمع الزوائد ۴/ ۱۷۱ نيل الاوطار ۵/ ۳۰۸، ❸ الاموال لابی عبيد ۲۹۴ الملكية الضروريه وتحديدها فی الاسلام ۱۰۸۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربذہ اور شرف مقام کی زمینوں کی حد بندی کی تھی اس علاقہ کے رہنے والے حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ آپ نے ہماری زمینوں کی حد بندی کی (یعنی سرکاری تحویل میں لے لیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تھوڑی دیر کے لیے سر جھکا لیا پھر فرمایا: مال تو اللہ تعالیٰ کا ہے، انسان اللہ کے بندے ہیں اللہ کی قسم اگر مجھے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ساز و سامان مہیا نہ کرنا ہوتا میں ایک مربع بالشت زمین کی بھی حد بندی نہ کرتا اس اثر سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی منافع کے پیش نظر آپ رضی اللہ عنہ نے زمین سرکاری تحویل میں لی تھی اور جب مصلحت عامہ کا سوال آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مالکان کی شکایت نہیں سنی۔ مثلاً پانی، بجلی، پٹرولیم کی کمپنیاں بحری اور بری اڈے یہ ایسے اجتماعی منافع ہیں جن کے لئے حکومت مصلحت عامہ کے پیش نظر ملکیت خاصہ کو تحویل میں لے سکتی ہے۔

تیسری قید: افرادی ملکیت میں حکومت کے حقوق:

اموال اور افرادی ملکیات میں سرکاری حقوق ہوتے ہیں چونکہ اسلام ارتکاز دولت کو مکروہ سمجھتا ہے کہ دولت پر اژدھا بن کر بیٹھ جاؤ اور حقوق ادا نہ کرو لہٰذا اغنیاء کے مال میں ضرور تمندوں کا حصہ واجب ہے معاشرہ میں برابری برقرار رہے اور دولت گھومتی رہے۔ اسی طرح اہم امور جس سے امت کا اقبال وابستہ ہو ان کی محافظت بھی مالداروں پر واجب ہے چنانچہ مالداروں کے اموال میں یہ حقوق مختصراً ذیل میں [1] بیان کئے گئے ہیں۔

ا۔ زکوۃ...... اسلام میں لازمی قانون ہے جو اغنیاء پر واجب ہے، حکومت کے ذمہ واجب ہے کہ وہ سرمایہ داروں سے زکوۃ کی وصولی کو یقینی بنائے حکومت جبر کا اختیار بھی رکھتی ہے چنانچہ زکوۃ حقیر صدقہ نہیں جیسا کہ بعض کالم نگاروں نے سمجھا ہے، فقیر کو زکوۃ دینا اس کی تذلیل نہیں بلکہ زکوۃ تو حق مستقیم ہے جو دیانتاً اور قانوناً واجب ہے زکوۃ اموال نامیہ (بڑھنے والے اموال) سے لی جائے گی چنانچہ ماضی میں مسلمانوں کے عرف میں اس کی چار اقسام ہیں۔

جانور...... اونٹ، گائے، بکری، جو سال کے اکثر حصہ میں چرتے رہے ہوں، جانوروں کا نقصان اور مقدار زکوۃ قرآن وسنت میں معروف ہے۔

ب: نقدین...... سونا چاندی، ان کی زکوۃ ۲،۵ (اڑھائی) فیصد کی شرح سے ادا کرنا واجب ہے عصر حاضر میں سونا چاندی کی جگہ کاغذی کرنسی نے لے لی ہے۔

ج۔ اموال تجارت...... یعنی جو مال خرید و فروخت کے لئے رکھا ہوا اس میں بھی اڑھائی فیصد کی شرح سے زکوۃ واجب ہے۔

د۔ غلہ، جانور اور پھل...... چنانچہ اگر زمین آلات کے ساتھ سیراب کی جاتی ہو تو اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہے اور اگر آلات کے بغیر زمین سیراب کی جاتی ہو مثلاً بارانی ہو تو اس میں عشر واجب ہے۔

۲۔ ملکی دفاعی مہم...... اگر امت کی دفاع کی حاجت پیش آجائے یا جہاد فی سبیل اللہ ہو رہا ہو جب کہ سرکاری خزانے میں اتنا مال نہ ہو جو اس ضرورت کو پورا کر سکتا ہو تو سرکار پر واجب ہے کہ ضرورت پوری کرنے کے لئے لوگوں پر مناسب ٹیکس لاگو کرے چنانچہ کثیر علماء نے اس کی صراحت کی ہے جیسے امام غزالی، قرافی، شاطبی، ابن حزم، عز بن عبد السلام اور ابن عابدین۔ [2]

---

[1] ...... انظر اشتراکیة الاسلام للساعی ۱۲۱ التکافل الاجتماعی فی الا سلام للاستاذ ابوزھرہ ۷۹۔ [2] انظر اصول الفقه للمولف ۲/۷۶۵ الا عتصام ۲/۱۲۱ الفروق ۱/۱۴۱ المستصفی ۱/۲۳۱ حاشیة ابن عابدین ۲/۴۲ المحلی ۶/۱۵۶

۳۔ فقراء کی کفایت...... حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ طبقہ اغنیاء سے فقراء کی دادرسی کرائے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں پر ان کے اموال میں اتنی مقدار فرض کی ہے جس سے فقراء کی ضروری پوری ہو سکے، چنانچہ جب فقراء بھوکے ہو جاتے ہیں یا پہننے کے لیے ان کے پاس کپڑے دستیاب نہیں ہوتے تو ان کا سہارا مالدار لوگ ہی ہوتے ہیں۔ خبردار! اللہ تعالیٰ مالداروں سے سخت حساب لے گا اور (نافرمانی کی صورت میں) انھیں دردناک عذاب دے گا۔ ❶

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بھی جگہ کے رہنے والے لوگوں میں سے اگر کوئی آدمی صبح کو بھوکا اٹھے (یعنی رات کو وہ بھوکا سویا رہا) تو اس بستی میں رہنے والوں سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے۔ ❷

ایک اور حدیث ہے ”مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے“ ❸ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا: کاش وہ بات جو مجھے بعد میں معلوم ہوگی اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتی ہے تو میں مالداروں کے زائد از حاجت اموال لے لیتا جو فقراء میں بانٹ دیتا ابن حزم نے کتاب المحلی میں لکھا ہے ہر علاقہ کے مالداروں پر فرض ہے کہ وہ اس علاقہ کے فقراء کی ضروریات کو پورا کریں اگر مالدار لوگ ادائیگی زکوٰۃ میں کوتاہی کریں تو حاکم وقت انھیں مجبور کر کے زکوٰۃ وصول کرے البتہ مسلمانوں کے کبھی اموال میں حاکم وقت جبر نہیں کر سکتا چنانچہ فقراء کے لیے اتنا انتظام کرنا ضروری ہے جس سے ان کی خوراک گرمی، سردی کے کپڑوں اور سر چھپانے کے لیے مکان کا سامان ہو سکے۔ ❹

۴۔ قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرنا...... انسان کے قریبی رشتہ دار اگر محتاج ہوں تو ان پر ان کا خرچہ واجب ہے، جن رشتہ داروں کا خرچہ واجب ہے ان میں باپ دادا اور اولاد ہے۔ رہی بات بھائیوں چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کی سو ان پر خرچ کرنے میں مذاہب کا اختلاف ہے چنانچہ حنفیہ نے ہر ذی رحم محرم جیسے چچا بھائی، بھانجا، پھوپھی، بھتیجا، ماموں کا خرچہ واجب قرار دیا ہے۔ جب کہ حنابلہ نے ہر اس قریبی رشتہ دار کا نفقہ واجب قرار دیا ہے جسے وارثت سے حصہ ملتا ہو خواہ ذی الفروض میں آتا ہو یا عصبات میں البتہ حنابلہ کے نزدیک ذوی الارحام جیسے چچا کی بیٹی، ماموں اور خالہ کا خرچہ واجب نہیں۔

۵۔ صدقۃ الفطر...... اسلام نے مالداروں پر ان کے اموال میں صدقہ فطر بھی واجب قرار دیا ہے چنانچہ ایک شخص کو اپنا، اپنی بیوی کا نابالغ اولاد اور خادم کا صدقہ فطر ادا کرنا پڑتا ہے۔

۶۔ قربانی...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر سال ایک بار قربانی کرنا واجب ہے جمہور ائمہ کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے۔

۷۔ نذر اور کفالت...... جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے مال کی نذر مان لے تو اس پر واجب ہے کہ نذر پوری کرے، اسی طرح بعض گناہوں کے ارتکاب پر کفارہ بھی واجب ہوتا ہے مثلاً کفارہ یمین، کفارہ ظہار، کفارہ رمضان اور دوران حج کسی ممنوع امر کا ارتکاب۔

ان کے علاوہ ابھی انفاق فی سبیل اللہ کے مختلف مواقع ہیں جیسے اوقاف، غنائم اسی سے اسلام میں تکافل اجتماعی کا معنی متحقق ہوتا ہے۔

اسلام نے کچھ اور قیود بھی عائد کی ہیں، حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ ان قیود کی ماحقہ پاسداری کی جائے۔ چنانچہ حصول معاش میں ربا، چور بازاری، سٹہ، دھوکہ، دھاندلی، تدلیس، جوا، اجارہ داری، اور ناپ تول سے کلی اجتناب کیا جائے۔

---

❶ رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر۔ ❷ رواہ الحاکم واحمد وفی اسنادہ اصبغ بن زید وکثیر بن مرۃ الاول مختلف فیہ والثانی قال فیہ ابن حزم انہ مجہول واخرجہ ابن ابی شیبۃ والبزار۔ ❸ رواہ الترمذی عن فاطمۃ بنت قیس۔ ❹ المحلی ۶/ ۴۵۲۔

خلاصہ......اسلام میں ملکیت شخصیہ پر بہت ساری قیود عائد کی گئی ہیں ان میں سے کچھ قیود الزامی قانون کی حیثیت رکھتی ہیں اور کچھ اخلاقی اور دینی حیثیت کی ہیں چونکہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں رخنہ نہیں اسلام کے قوانین مربوط اور روزمرہ زندگی کے ہم آہنگ ہیں حتیٰ کہ عبادات ایک دوسری سے مکمل ہوتی ہیں۔ جب ان قیود کی رعایت کی جائے گی اس کے نتیجہ میں شاندار زندگی اور اعلیٰ معاشی نظام وجود میں آئے گا **واللہ الموفق**۔

دوسرا باب......ملکیت کے توابع

یہ بارہ (١٢) فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل......احکام اراضی:

وہ زمینیں جو اسلامی قبضہ میں چلی آرہی ہیں یا تو وہ مسلمانوں کو فتوحات سے حاصل ہوئی ہوں گی، یا زمانہ قدیم سے مسلمان اس میں آباد چلے آرہے ہوں گے، میں ان دونوں انواع سے درج ذیل اجمال کے تحت بحث کروں گا۔

(اول)..... ان اراضی کے احکام جن کا قبضہ فتوحات سے حاصل کیا گیا۔

(دوم)......داخلی اراضی کے احکام۔

اول: ان زمینوں کے احکام جن کا قبضہ فتوحات سے حاصل کیا گیا:

وہ زمینیں جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ان کی تین اقسام ہیں:

١...... وہ زمین جو عنوۃً وقہراً مسلمانوں کی ملکیت میں آئی۔

٢......وہ زمین جس کے اہالی (اہل کی جمع) کے عام معافی کے تحت جلاوطن کردیا گیا اور وہ زمین مسلمانوں کی ملکیت بن گئی۔

٣......وہ زمین جس کا قبضہ صلح سے حاصل کرلیا گیا۔

١۔ وہ اراضی جو عنوۃ فتح ہو...... مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق اراضی کی ملکیت محض اس پر غلبہ حاصل کرنے سے فاتحین کو منتقل ہوجاتی ہے یہی حنابلہ، شیعہ، امامیہ اور زیدیہ کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ فاتحین کے غلبہ کی وجہ سے محاربین کی ملکیت زائل ہوگئی اور زمین مباح کے حکم میں ہوگئی لہٰذا جو پہلے اس پر قبضہ کرے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک اراضی اور منقول اشیاء کی ملکیت غلبہ پانے اور باہمی رضامندی سے آپس میں تقسیم کرنے سے حاصل ہوجاتی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اراضی کی ملکیت تبھی منتقل ہوگی جب اراضی کو دارالاسلام کے ساتھ ضم کردیا جائے اور اس زمین کو دارالاسلام کا جزو قرار دیا جائے۔

وہ غیر آباد (بنجر) زمین جو عنوۃً یا صلحاً فتح ہو اس کی ملک بالاتفاق احیاء (آباد کرنے سے) حاصل ہوجاتی ہے:[1]

١... غلبہ پانے کے بعد مالک زمین کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

---

[1]... الخرشی ١٢٨/٣، تأسیس النظر الدبوسی ٥٧ مغنی المحتاج ١٣٣/٤ المہذب ٢٤١/٢ القواعد لابن رجب ١٨٩، المغنی ٤٢٢/٨، مفتاح الکرامة ٧ ۔ البحر الزخار ٢١٥/٢ ۔الام ١٠٣/٤ مخطوطہ الروضۃ للنووی ٢٤٠/٢ المحلی ٢٤١/٧۔

۲..... چنانچہ جمہور صحابہ، شافعیہ اور ظاہریہ کا یہ مذہب ہے ❶ کہ اراضی کی ملکیت مالکان سے مسلمانوں کو منتقل ہو جاتی ہے جیسے مال غنیمت کی ملکیت منتقل ہو جاتی ہے اور جیسے خمس کی ملکیت منتقل ہو جاتی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ ......الانفال ۸/ ۴۱

جان لو جو چیز بھی تمہیں غنیمت میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کا حق ہے۔

مال غنیمت وہ ہوتا ہے جو اہل حرب سے عنوۃ اور غلبہ پا کر چھین لیا جائے۔

بقیہ چار حصے مجاہدین اور غازیوں کے ہوں گے، ہاں البتہ اگر غازیان ومجاہدین خوشدلی سے مال غنیمت چھوڑیں خواہ عوض لیں یا نہ لیں تو حاکم وقت مال کو مسلمانوں کے مصالح کے لیے محکمہ اوقاف کی تحویل میں دے سکتا ہے۔

مالکیہ کا مشہور قول اور امامیہ کہتے ہیں یہ اراضی مسلمانوں کے لیے وقف ہوں گی، یعنی محض غلبہ پا لینے سے مسلمانوں کے لیے وقف ہو جائے گی امام کے حکم وقف کی ضرورت نہیں۔ یہ زمین کسی ایک خاص فرد کی ملکیت نہیں، اس کا خراج مسلمانوں کے مصالح فوجیوں کی تنخواہوں، پل ومساجد کی تعمیر وغیرہ میں صرف کیا جائے گا۔ ہاں البتہ حاکم وقت اگر کسی وقت اس زمین کو تقسیم کرنے میں مصلحت سمجھے تو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر سکتا ہے۔

حنابلہ کی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول مشہور روایت یہ ہے کہ امام اپنی رائے میں جو بہتر سمجھے۔ خواہ تقسیم کرے یا وقف کر دے، البتہ اجرت کی طرح خراج دائمی ہوگا اور زمین عشر خراجی ہوگی عشر تو پیداوار پر ہوگا اور خراج زمین کے مالکانہ حقوق پر حنیفہ اور زیدیہ کہتے ہیں ❷ حاکم وقت کو مکمل اختیار حاصل ہوگا، چاہے مسلمانوں کے درمیان زمین کو تقسیم کر دے جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین میں کیا۔ امام چاہے تو اصل مالکان ہی کو برقرار رکھے ان پر جزیہ مقرر کر دے اور زمینوں پر خراج مقرر کر دے۔ گویا یہ زمین خراجی ہوگی اور اس کے مالکان ذمی ہوں گے ابن عابدین کہتے ہیں: ضرورت کے وقت غازیوں کے درمیان تقسیم کر دینا بہتر ہے اور مالکان کے پاس رہنے دینا بھی اچھا ہے تا کہ مستقبل میں مسلمانوں کے کام آ سکے۔

دلائل...... مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اموال غنیمت نمازیوں کے درمیان تقسیم کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل آیت کا عموم ہے:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ

جان لو تمہیں جو چیز بھی غنیمت میں ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ رسول قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔ الانفال ۸/ ۴۱

یعنی غنیمت کا پانچواں حصہ ان لوگوں کا حق ہے جو آیت میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اور بقیہ چار حصے غازیوں کا حق ہے ائمہ کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

سنت قولی اور فعلی میں بھی اس کی دلیل موجود ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس قریہ میں بھی تم جاؤ اور اس میں تم قیام کرو اس میں تمہارا حصہ مقرر ہے۔ اور جو قریہ بھی اللہ اور رسول کی نافرمانی کرتا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے۔ پھر وہ تمہارا حق ہے ❸ حدیث میں قریہ اولی سے مراد فئی یعنی غنیمت ہے اور قریہ ثانیہ سے مراد وہ مال جو عنوۃ چھینا جائے اسی سے خمس نکالا جائے گا اور بقیہ غازیوں کا حق ہے۔ حدیث کے آخری جملہ پھر وہ تمہارا حق ہے کا یہی معنی ہے۔

---

❶ الخرشی ۳/ ۱۲۸ المدونہ ۳/ ۲۷، الحطاب ۳/ ۳۲۶ القوانین الفقہیة ۱۴۸ الکافی للکلینی ۱/ ۴۲۲ مفتاح الکرامة ۴/ ۲۳۹، الشرح الرضوی ۳۱۰ الروضة البهیة ۱/ ۲۲۲۔ ❷ المبسوط ۱۰/ ۱۵ دار الحکام ۱/ ۲۸۵ فتح القدیر ۴/ ۳۰۳ حاشیة ابن عابدین ۳/ ۲۱۶، البحر الزخار ۲/ ۴۱۲۔ ❸ رواہ احمد ومسلم وابو داؤد شرح مسلم ۱/ ۹۲ الاموال لابی عبید ۵۷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت فعلی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین عنوۃ فتح کی جو غانمین کے درمیان تقسیم کردی اسی طرح آپ نے بنی قریظہ اور بنونضیر کے اموال بھی غازیوں کے درمیان تقسیم کردی ابن قیم نے زاد المعاد میں یہی ذکر کیا ہے۔ (۱)

رہی بات مدینہ کی سو وہ قرآن کے ذریعہ فتح ہوا اہل مدینہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور انھیں اپنی زمینوں پر برقرار رکھا گیا، جبکہ مکہ کی سرزمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنوۃ فتح کی اور پھر غازیوں کے درمیان تقسیم نہیں کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر مجھے آخری آدمی کے معدوم ومفلس ہونے کا خوف نہ ہوتا کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہوگا تو جو قریہ (بستی) بھی فتح ہوتا اسے میں اسی طرح تقسیم کردیتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین خیبر کو تقسیم فرمادیا تھا لیکن میں بستیوں کو میں لوگوں کے لیے بچا کر رکھتا ہوں تاکہ وہ خود تقسیم کریں (۲) حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بعض بستیوں کے متعلق یہ رائے تھی کہ ان کی زمینیں تقسیم نہ کی جائیں۔

کیا امام کے لیے تقسیم لازمی ہے یا اسے اختیار حاصل ہے:

ا... شافعیہ اور ظاہریہ کہتے ہیں کہ غانمین میں اراضی کی تقسیم واجب ہے جس طرح بقیہ اموال کی تقسیم واجب ہے۔ چونکہ قرآن وسنت کا مقتضی یہی ہے۔ چنانچہ عقار اور منقول میں کوئی فرق نہیں۔ نیز آیت غنیمت وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ...... الآیۃ کا مقتضی بھی یہی ہے۔ آیت کی رو سے تقسیم واجب ہے نیز اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی موجود ہے جو مجمل کے قائم مقام ہے۔ (۳)

رہی بات آیت سورۃ حشر کی: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ...... کی سو وہ فئی کے متعلق ہے یعنی ان اموال کے متعلق ہے جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کو مل جائیں۔

اگر امام غازیوں میں اراضی تقسیم نہ کرے تو ان سے اجازت ضرور لے تاکہ وہ خوش ہو کر تقسیم سے دستبرداری ظاہر کریں جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے موقع پر غازیوں کو خوش کیا اور قیدیوں کو چھوڑ دینے کے متعلق ہر ایک سے اجازت لی خیبر اور بنوقریظہ کی اراضی میں بھی ہی کیا (۴) جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح عراق کے بعد معاوضہ اور بغیر معاوضہ کے دونوں طرح سے غازیوں کو خوش کیا اور ان سے اجازت لی یوں اراضی غنیمت ہو جانے کے بعد وقف ہو جائے گی اور مصالح عامہ میں استعمال ہوگی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ وان کے حصہ اراضی کا معاوضہ دیا بنوبجل کی ایک خاتون کو اس کے باپ کے حصہ کا معاوضہ دیا۔ چونکہ غلبہ سے جو زمین فتح کر لی جائے اس میں غانمین کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور امام ثابت شدہ حق کو باطل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا جیسے منقول میں غانمین کے ثابت شدہ حق کو امام باطل نہیں کرسکتا سو جو حصہ دار دلی رضامندی سے اپنا حصہ نہ چھوڑے وہ اس کا حقدار ہے۔ (۵)

(ب)..... مالکیہ کا مشہور قول اور امامیہ کا مذہب یہ ہے کہ اراضی پر محض غلبہ پا لینے سے مباح ہو جاتی ہیں یعنی غلبہ اباحت کا اثر طبعی ہے، امام کی حاجت اس میں نہیں ہے اور نہ ہی مجاہدین کی رضامندی اور خوشدلی کی ضرورت ہے، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ اراضی کو وقف کردیا تھا جیسے مصر، شام اور عراق۔

ج: حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں... یہ اصول مقرر ہے کہ اراضی میں امام کو پورا اختیار حاصل ہے وہ چاہے تقسیم کردے یا وقف کردے

---

(۱) ... شرح مسلم ۲ / ۹۱، عینی بخاری ۵ / ۱۴۲، سنن ابی داؤد ۳ / ۷۲، زاد المعاد ۲ / ۸، نیل الاوطار ۸ / ۲. (۲) اخرجہ البخاری ۸۶/۴ یعنی یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ تقسیم میں حاضر ہوں گے جو باقی بچ جائیں گے یعنی غیر حاضر ہوں گے ان کو تو کچھ بھی نہیں ملے گا لہٰذا بعد میں تقسیم کر لیں تاکہ سب کو ملے۔ (۳) بدایۃ المجتہد ۱ / ۳۸۹، مجمع الزوائد ۵ / ۳۴۰ (۴) رواہ البخاری والبیہقی وغیرھما۔ (۵) مغنی المحتاج ۳ / ۲۳۴ شرح المجموع ۱ / ۲۰۳۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا حق استعمال کیا اور اراضی کو حکومت اسلامیہ کے لیے وقف قرار دیا، یعنی اراضی کے مالکانہ حقوق حکومت کے پاس رہیں گے اور حقوق منفعت کاشتکاروں اور آبادکاروں کے ہوں گے۔

فریق ثانی کے دلائل...... وہ فقہاء جو اس بات کے قائل ہیں کہ زمین وقف کرنے میں امام کو اختیار ہے ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

سورۃ انفال کی آیت وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ...... الانفال ۸/ ۴۱

اور سورت حشر کی آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ...... الحشر ۵۹/ ۶

ایک موضوع میں وارد ہوئی ہیں، البتہ آیت حشر کی سورت انفال کی آیت کی تخصیص کرتی ہے یعنی انفال کی آیت زمین اور منقول دونوں کے لئے ہے جبکہ آیت حشر نے زمین کے علاوہ غنیمت کی تخصیص کردی رہی بات زمین کی سو آیت حشر نے زمین امام کا حق قرار دیا ہے کہ امام جو بہتر سمجھے اس میں تصرف کرے یا وقف کردے یا اصل مالکان کو آباد رہنے دے اور ان پر جزیہ مقرر کردے چونکہ آیت انفال موجب تخمیس (مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کو واجب قرار دیتی) ہے جبکہ آیت حشر اموال غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کو واجب قرار دیتی ہے اسطرح دونوں آیتوں کو جمع کرنا ممکن ہے، چنانچہ اکثر اصولیین کے نزدیک دلائل کا جمع کرنا نسخ سے اولی ہے یعنی آیت حشر آیت انفال کے لئے ناسخ ہے جیسے بعض کا قول ہے، اس سے بہتر یہ ہے کہ دونوں آیتوں کو جمع کرلیا جائے۔ ❶

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت انفال پر عمل کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت فئ پر عمل کیا تاہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل رد نہیں ہوا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بیان اباحت کے لیے تھا یا وجوب کے طور پر تھا تاہم اس میں اختیار ہوگا اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وجوب کی ایک اور صورت آیت سے مستنبط کی ہے ❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آیت حشر تاقیامت معمول بہا رہے گی ❸ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کی قسم ہر مسلمان کا اس مال میں حق ہے خواہ اس میں سے اسے عطا کیا جائے یا منع کیا جائے یہاں تک کہ عدن میں ایک چرواہے کا بھی اس میں حق ہے۔ ❹

بنا بریں حشر کی آیت تمام مومنین کو شامل ہے، اس آیت نے آخری مسلمان کو پہلے کے ساتھ حق میں شریک کردیا ہے چنانچہ آخری مسلمان کو بھی حصہ مل جائے گا جب اراضی مسلمان کے درمیان تقسیم نہ کی گئی ہو۔ مالکیہ کے نزدیک اراضی کے وقف کا یہی معنی ہے۔ وقف کا یہ معنی ہیں کہ اراضی کے مالکانہ حقوق ہی منتقل ہوجائیں بلکہ اس زمین کی خرید وفروخت جائز ہے جیسا کہ امت کا اس پر عمل ہے چنانچہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ اراضی میراث میں منتقل ہوتی ہے جب کہ وقف میراث میں منتقل نہیں ہوتا۔ ❺

۲...... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ساری بستیاں تقسیم نہیں کیں حالانکہ آپ نے عنوۃ مکہ فتح کیا ❻ مکہ میں اموال بھی تھے آپ نے اموال تقسیم نہیں کئے، آپ نے قریظہ و بنی نضیر کو بھی زیرنگوں کیا آپ نے سرزمین خیبر کے علاوہ اور کوئی زمین تقسیم نہیں کی۔ گویا امام کو اختیار حاصل ہے چاہے تو تقسیم کرے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین تقسیم کی، چاہے تو تقسیم نہ کرے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے علاوہ کی اراضی کو تقسیم نہیں کیا۔ ❼

---

❶...... المقدمات المهدات لابن رشد ۱/ ۲۷۱۔ ❷مخطوط الدرة اليتيمة فى الغنيمة الشيخ الفزارى ۱۰۲۔ ❸رواه ابو داؤد فى سننه ۳/ ۱۹۵۔ ❹رواه ابن ابى شيبة والبيهقى (سنن البيهقى ۶/ ۳۵۱) ❺المنتقى على المؤطا ۳/ ۲۲۳، زادا لمعاد ۲/ ۶۹۔ ❻الرواية فى معناه اخرجه مسلم بداية المجتهد ۱/ ۳۸۸۔ ❼ القسطلانى شرح البخارى ۵/ ۲۰۲ زادالمعاد ۲/ ۶۹، الخراج لابى يوسف ۶۸ القياس لابن تيميه ۴۰

۳.....حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل پر صحابہ کا اجماع ہے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے سوادِ عراق کو فتح کیا تو ساری زمین مالکان کے قبضہ میں رہنے دی اور لوگوں پر جزیہ مقرر کیا اور اراضی پر خراج مقرر کیا، اس وقت صحابہ کی موجودگی میں آپ رضی اللہ عنہ نے کیا اور آپ نے آیت حشر سے استدلال کیا تھا، یہ منقول نہیں کہ آپ کے فعل کا کسی صحابی نے انکار کیا ہو گویا یہ صحابہ کا اجماع ہے، شروع شروع میں جن صحابہ نے اختلاف کیا بھی جیسے بلال رضی اللہ عنہ اور سلمان رضی اللہ عنہ تو بعد میں انھوں نے بھی موافقت ظاہر کر دی۔ ❶

۴۔ **عقلی دلیل**......اس کا حاصل یہ ہے کہ جب مفتوحہ اراضی کا ایک بڑا حصہ غانمین میں تقسیم کر دیا جائے تو بعد میں آنے والوں کے لیے کیا بچے گا؟ سرکاری خزانہ اپنے اخراجات کہاں سے پورے کرے گا جو مسلمانوں کے مصالح میں صرف ہوتے ہیں؟ اسی لیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورۃ حشر کی آیات تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس مال فئی میں ان لوگوں کو بھی تمہارا شریک بنا دیا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے سو اگر میں اس مال کو تقسیم کر دوں تو بعد میں آنے والوں کے لیے کوئی چیز نہیں بچے گی۔ اگر میں زندہ رہا تو مقام صنعاء کا چرواہا بھی اس مال سے اپنا حصہ حاصل کرے گا درحالیکہ اس کا چہرہ خون آلود ہوگا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا: مجھے بتاؤ سرحدوں کی حفاظت کے لئے ایسے لوگوں کا ہونا ازحد ضروری ہے جو پابندی سے اپنی ڈیوٹی بجالائیں مجھے بتاؤ یہ بڑے بڑے ملک جیسے شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصران میں ہمہ وقت لشکروں کا موجود رہنا ازبس ضروری ہے، لامحالہ ان کی تنخواہوں کا انتظام بھی ضروری ہے، سو اگر میں اراضی اور اموال کو تقسیم کر دوں تو فوجیوں کے اخراجات کہاں سے آئیں گے؟ تمام صحابہ نے جواب دیا: آپ کی رائے ہی درست اور صواب ہے لہٰذا آپ جو کچھ فرما رہے ہیں یہی بہتر ہے۔ ❷

تقسیم اراضی میں ایک اور خرابی بھی ہے کہ اگر غانمین میں اراضی تقسیم کر دی جائیں تو سپاہی کھیتی باڑی میں مشغول ہو جائیں گے، جہاد چھوڑ بیٹھیں گے یوں آناًفاناً امت اسلامیہ کمزوری کے دہانے پر جا کھڑی ہوگی (جیسا آج ہم دیکھ رہے ہیں) اور بجائے خوداری کے طمع میں مبتلا ہو جائیں گے بلکہ اس سے تو معیشت عامہ فنا ہو کر رہ جائے گی۔ اگر زمین مالکان کے پاس رہنے دی جائے تو اس کے فوائد طویل ہوں گے اور مالکان کھیتی باڑی میں مشغول رہیں گے بخلاف اہل عرب کے جو کھیتی باڑی سے غیر مانوس ہیں اور شہروں میں رہنا ان کا شیوہ نہیں۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ خلاصہ نکالا جا سکتا ہے کہ تقسیم اراضی کا اختیار امام کو حاصل ہے چاہے اراضی غانمین میں تقسیم کر دے چاہے مالکان کے پاس رہنے دے اور ان پر خراج لاگو کرے۔

راجح یہی ہے کہ غنیمت اور فئی بمعنی واحد ہیں چنانچہ ان دونوں کا معنی واحد یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو دشمن سے چھینی جائے چاہے مال ہو یا زمین، لغت بھی اسی معنی کی مقتضی ہے چنانچہ تقسیم اور عدم تقسیم میں امام کو مکمل اختیار حاصل ہوگا۔

۲۔ وہ زمین جس کے اہالی کو ڈرا دھمکا کر جلاوطن کر دیا جائے..... یہ اراضی کی دوسری قسم ہے۔ فقہاء کے ہاں یہ قسم فئی سے تعبیر کی جاتی ہے اور فئی وہ مال ہوتا ہے جو دشمن سے بغیر جنگ کے حاصل ہو جائے اور گھوڑے (ٹینک) وغیرہ دوڑانے کی نوبت نہ آئے جیسے جزیہ اور تجارتی ٹیکس۔ ❸

اس زمین کا حکم......اس زمین پر غلبہ پالینے اور قبضہ لے لینے سے اس کی ملکیت بیت المال کو منتقل ہو جاتی ہے اور یہ سرکاری املاک میں شامل ہو جاتی ہے فقہاء اسے وقف سے تعبیر کرتے ہیں یعنی یہ زمین امت اسلامیہ کی ملکیت ہوگی، اس زمین میں جو بھی آباد ہو خواہ معاہدہ

---

❶ .....انظر الخراج لابی یوسف ۲۷، ۳۵ شرح السیر الکبیر ۳/۲۵۴ القسطلانی ۵/۲۰۰، الاموال ۵۸۔ ❷ شرح السیر الکبیر ۳/۲۵۴ الخراج لابی یوسف ۲۴، الاموال ۵۷ فتوح البلدان ۲۷۵۔ ❸ بدایۃ المجتہد ۱/۳۸۹ المہذب ۲/۲۳۷ نہایۃ المحتاج ۵/۱۵، احکام اہل الذمہ لابن القیم ۱۰۶

ہو یا مسلمان ہو اس سے ٹیکس (خراج) لیا جائے گا یہ زمین وقف اس لئے ہوگی چونکہ یہ غنیمت نہیں اس کا حکم فئی کا سا حکم ہوگا سبھی مسلمانوں کی ملک ہوگی ہمارے فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں البتہ شافعیہ اور حنابلہ کا ایک قول ہے کہ اگر امام مصلحت سمجھے تو وقف قرار دے راجح اس کے برخلاف قول ہے۔ ❶

منقولی فئی: فئی میں حاصل ہونے والے وہ اموال جو منقولی ہوں تو جمہور کے نزدیک وہ بھی موقوف ہوں گے اور مسلمانوں کے مصالح میں صرف کئے جائیں گے یعنی امام کو اختیار ہوگا جہاں مصلحت سمجھ وہاں صرف کردے شافعیہ کے نزدیک فئی کا خمس نکالا جائے گا جیسے غنیمت کا خمس نکالا جاتا ہے چونکہ آیت حشر مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مطلق ہے جب کہ آیت انفال وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ مقید ہے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا تا کہ دونوں آیتیں جمع ہو جائیں اور حکم متحدر ہے اور حکم متحد یہ ہے کہ حربیوں سے مال چھینا جائے اگر چہ سبب قتل اور عدم قتل مختلف ہو۔ ❷

البتہ جمہور کا مذہب راجح ہے۔ ان کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بنی نضیر کے اموال مال فئی تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر جنگ کے عطا فرمایا۔ یہ اموال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھے، آپ نے ان میں سے اپنی ازواج کو سال بھر کے اخراجات دے دیتے اور جو باقی بچتا وہ (جنگ کے) گھوڑوں اور اسلحہ کی تیاری میں صرف کرتے تھے۔ ❸

حدیث میں یہ جو آیا کہ اموال بنی نضیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھے، اس سے جمہور کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ مال فئی سے خمس نہیں نکالا جائے گا جبکہ معروف یہ ہے کہ فدک اور عوالی (بنو نضیر کے مدینہ کے اموال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھے اور آپ کے بعد ائمہ (خلفاء) کے لیے تھے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ ......الحشر ۵۹/۶

اور اللہ نے اپنے رسول کو ان کا جو مال بھی فئی کے طور پر دلوایا۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ ......الحشر ۵۹/۷

اللہ اپنے رسول کو دوسری بستیوں سے جو مال بھی فئی کے طور پر دلا دے تو وہ اللہ کا حق ہے اور رسول کا۔

مراد یہ ہے کہ مال فئی غنیمت کی طرح تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ...... الحشر ۵۹/۷

تا کہ وہ مال انہی لوگوں کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے جو تم میں سے دولتمند ہیں۔

اگر امام مال فئی مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنا چاہے تو تقسیم کا کام منظم طریقہ سے انجام دینے کے لیے محکمہ حساب مقرر کرے اور مناسب طور پر ماہوار یا سالانہ وظائف مقرر کرے۔ ❹

۳۔ وہ زمین جو صلح سے فتح ہو

صلح سے فتح کی گئی زمین میں یا تو یہ طے پایا گیا ہوگا کہ زمین مسلمانوں کا حق ہوگی اور مسلمان ہی اس پر قابض ہوں گے یا یا طے پایا ہوگا

---

❶ ......فتح القدیر ۴/۳۵۳ الخراج ۲۳ الشرح الکبیر لدردیر ۲/۱۷۵ القوانین الفقہیة ۶۶ الاحکام السلطانیة للماوردی ۱۳۳ مغنی المحتاج ۳/۹۹، الشرح الکبیر للمقدسی ۱۰/۵۴۲ کشاف القناع ۳/۷۵۔ ❷ زادالمعاد ۳/۲۲۰ القوانین الفقہیة ۱۴۸ مغنی المحتاج ۳/۹۳۔ ❸ شرح مسلم ۱۲/۷، قال النووی: یہ بنی نضیر کے عمدہ اموال تھے۔ ❹ البحر الزخار ۵/۴۴۲، المہذب ۲/۲۴۸

کہ زمین مالکان ہی کے پاس رہنے دی جائے، جیسے یمن اور حیرہ کی زمینیں۔

پہلی صورت......یعنی صلح میں یہ طے پایا ہو کہ زمین مسلمانوں کے قبضہ میں رہے گی تو اس صورت میں زمین مسلمانوں کے لیے وقف ہو جسے عنوۃً فتح کی گئی زمین، یہ زمین اسلامی ملک کہلائے گی، جیسے کسی زمین کے اہالی کو جلاوطن کر دیا جائے۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کی سرزمین فتح کی تو اہل خیبر کے ساتھ صلح کی کہ وہی زمین آباد کریں اور انہیں پیداوار کا نصف حصہ ملے گا اور بقیہ نصف مسلمانوں کا حق ہوگا۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین نصف پھلوں اور نصف غلہ کی شرط پر بٹائی پر دی۔ ❶ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے ساتھ ان کی جلاوطنی پر صلح کی، انہیں یہ رعایت بھی دی گئی کہ اونٹوں پر اسلحہ کے علاوہ دیگر ساز و سامان لاد کر لے جاسکتے ہیں۔ ❷

اس نوعیت کی زمین پر خراج مقرر کیا جائے گا، اگر کوئی مسلمان اس زمین کو خرید ے گا تو وہ بھی خراج دینے کا پابند ہوگا۔ چونکہ خراج اس زمین سے حاصل شدہ منافع کی اجرت ہے، یہ حکم فقہاء کے ہاں متفق علیہ ہے۔ ❸

دوسری صورت......یعنی زمین مالکان کے پاس ہی رہے۔ چنانچہ بموجب صلح زمین ان کی ملک ہوگی۔ اس میں فقہاء کا اتفاق ہے۔ مسلمان صلح کی جملہ شرائط کے نفاذ کے پابند ہوں گے، بشرطیکہ جب تک یہ لوگ صلح پر قائم رہیں۔ البتہ زمین کا خراج لاگو کیا جائے گا اور خراج کی مد سے حاصل ہونے والا مال سرکاری خزانہ میں جمع ہوگا۔ ❹ یہ خراج جزیہ کے حکم میں ہوگا، چنانچہ اگر اس زمین کے مالکان اسلام قبول کرلیں تو جمہور ائمہ اور شیعہ امامیہ کے نزدیک جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ ❺ اس کی دلیل وہ خط ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عمال کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا: ''جس خراجی زمین کے لوگ اسلام قبول کرلیں ان پر خراج نہیں ہوگا۔''

جبکہ حنفیہ اور شیعہ زیدیہ کے نزدیک خراج ساقط نہیں ہوگا چونکہ ان کے نزدیک خراج میں مؤنۃ اور عقوبت کا معنی پایا جاتا ہے۔ ❻

اہل صلح کے علاقہ کو دارِ عہد یا دار الصلح سے تعبیر کیا جائے گا۔ یہ شافعیہ اور بعض حنابلہ کے نزدیک ہے۔ جبکہ جمہور کے نزدیک یہ علاقہ دارالاسلام سے تعبیر کیا جائے گا اور اس کے اہالی ذمی ہوں گے۔ ان سے جزیہ لیا جائے گا۔

دوم......داخلی اراضی کے احکام

یعنی کسی ملک (اسلامی) کی داخلی اراضی کے احکام کیا ہیں؟ ذیل میں اس کا تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

اراضی کی دو قسمیں ہیں۔

۱......مملوکہ زمین　　　　۲......مباح زمین

پھر مملوکہ زمین کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱......آباد　　　　۲......غیر آباد

---

❶......رواہ البخاری والبیہقی وابوداؤد وسنن البیہقی ❷ الشرح الکبیر لابن قدامہ ۱۰/۵۴۲. ❸ المدونہ ۳/۲۶، المنتقی ۳/۲۱۹، الخرشی ۳/۱۴۹ کشاف القناع ۲/۷۵، المحرر ۲/۱۷۹، احکام اہل الذمہ صفحہ ۱۰۶، مفتاح الکرامۃ ۴/۱۴۹ ❹ الخراج صفحہ ۶۳، تبیین الحقائق ۳/۲۷۴، حاشیۃ ابن عابدین ۳/۵۳، حاشیۃ الدسوقی ۲/۱۷۵، القوانین الفقہیۃ صفحہ ۱۴۸ الام ۴/۱۰۳ وغیرھا۔ ❺ لباب اللباب صفحہ ۷۳، سنن البیہقی ۹/۱۴۱، المحرر ۲/۱۷۹، مفتاح الکرامۃ ۴/۲۳۹۔ ❻ التلویح علی التوضیح ۲/۱۵۲، المنتزع المختار ۱/۵۷۵

مباح زمین کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱.....وہ مباح زمین جو ملکی منافع کے لیے ہو۔ جیسے لکڑیاں کاٹنے کے لیے زمین، جانوروں کے لیے چراگاہ۔

۲.....وہ زمین جو ملکی منافع کے لیے نہ ہو اور یہ غیر آباد (موات) زمین ہے جو سرکاری ملکیت سمجھی جاتی ہے۔ غالباً اسے خالصہ سرکار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

آباد زمین سے مراد وہ زمین ہے جس سے رہائش اور زراعت وغیرہ کا نفع اٹھایا جائے۔ بنجر زمین سے مراد وہ زمین ہے جس کا پانی منقطع ہو گیا ہو قابل رہائش بھی نہ ہو اس سے کوئی اور آمدنی بھی متوقع نہ ہو، عربی میں اس قسم کی زمین کو الارض الخراب، کہا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ہر قسم کی زمین کا اجمالی حکم بیان کریں گے۔

۱.....آباد مملوکہ زمین کا یہ حکم ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس زمین میں کسی کو بھی تصرف کرنے کا حق نہیں۔

۲.....بنجر زمین جس کا پانی منقطع ہو چکا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ زمین بدستور مالک کی ملکیت میں رہے گی، اگر چہ اس زمین کو بنجر رہتے رہتے طویل مدت گزر جائے اس زمین کی خرید وفروخت ہبہ، اجارہ سب جائز ہے، وراثت میں بھی منتقل ہو گی یہ حکم تب سے جب مالک زمین معروف ہو اور اگر مالک معروف نہ ہو تو پھر یہ زمین لقطہ کے حکم میں ہے۔

گھاس......رہی بات مملوکہ زمین میں اگی ہوئی گھاس کی سو یہ گھاس عامۃ الناس کے لئے مباح ہے کسی کی ملک نہیں۔ ہاں البتہ اگر مالک زمین کاٹ کر اسے سنبھال لے تو اس کی ملک ہو گا۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لوگ تین چیزوں میں برابر شریک ہیں پانی، گھاس اور آگ میں ❶ چنانچہ اگر مالک زمین نے گھاس کاٹ کر اپنی تحویل میں لے لے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا چونکہ مالک مباح چیز پر مستولی ہو چکا اور اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا لہٰذا اس کی ملک ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص نے کسی ایسی چیز کی طرف سبقت کی جس کی صرف کوئی مسلمان بھی سبقت کر سکتا ہو تو وہ اس کا حق ہے۔ ❷

غیر مملوکہ چراگاہیں اور غیر مملوکہ جھاڑیاں اور گھنے درخت جنگلات مچھلیاں، پرندے، وغیرہ بھی گھاس کے حکم میں ہیں۔

رہی بات مملوکہ جنگلات میں لکڑیوں اور بانسوں کی سو انھیں مالک کی اجازت کے بغیر کوئی بھی نہیں کاٹ سکتا۔ چونکہ یہ مالک زمین کی ملک میں جو اس کی مملوکہ زمین میں اُگے ہیں اگر چہ مالک نے اپنے فعل سے انھیں اگایا نہیں چونکہ جنگلات کی ملکیت سے مقصود لکڑا اور پانی کی ملکیت ہوتی ہے لہٰذا جنگل کی ملکیت سے لکڑی کا بھی مالک ہو گا بخلاف گھاس کے چونکہ گھاس مقصود نہیں بلکہ مقصود تو زمین میں کھیتی باڑی ہے۔ ❸

مسئلہ......اگر مملوکہ زمین سے گھاس اگایا جائے مالک گھاس کی دیکھ بھال کرتا ہوں پانی سے سیراب کرتا ہو یعنی گھاس کے اگنے میں مالک کے عمل کو دخل ہو تو وہ بالخصوص اس کی ملکیت ہو گا۔ بغیر اجازت کے اسے کوئی بھی نہیں کاٹ سکتا۔

۳۔ارض موات (بنجر، غیر آباد زمین) کا حکم بجز زمین کی دو قسمیں ہیں:

اول......وہ زمین جو اہل علاقہ کے مصالح کے لیے استعمال کی جاتی ہو مثلاً مویشیوں کی چراگاہ، لکڑیاں چننے، مردوں کے لئے قبرستان، بچوں کے کھیل کے میدان وغیرہ کے لئے کام آتی ہو، خواہ شہر کے اندر ہو یا باہر یہ زمین اہل شہر کا حق ہے موات (بنجر) نہیں ہو گی امام کے لئے

---

❶ ......مر تخریجہ غیر مرۃ۔ ❷ رواہ ابو داؤد عن سمرہ بن مضرس وصححہ فی المختارہ وقال البغوی لا اعلم بھا الاسناد غیر هذا الحدیث (نیل الاوطار ۵/ ۳۰۲) تاہم کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں کاٹنے سے قبل ہی گھاس کو ملک سمجھا جاتا ہے گویا مالک پہلے ہی سے استیلاء کا دعویدار ہوتا ہے اس لیے گھاس مالک کی ملک تصور ہو گا۔ ❸ البدائع ۶/ ۱۹۲۔

جائز نہیں کہ یہ زمین کسی کو جاگیر کے طور پر دے دے چونکہ جاگیر دینے کی صورت میں اہل شہر کا ضرر ہے البتہ اس زمین سے اہل شہر اور شہر کے علاوہ دوسرے لوگ بھی نفع اٹھا سکتے ہیں اہل شہر دوسروں کو روکنے کے مجاز نہیں چونکہ یہ زمین اہل شہر کی ملکیت نہیں۔

شہر کے قریب ہونے کے لئے حد فاصل یہ مقرر کی گئی ہے کہ اس جگہ آخری مملوکہ زمین سے آواز سنائی دیتی ہو اگر آواز سنائی نہ دے تو وہ غیر آباد زمین ہے (یعنی موات کے حکم میں ہے) یہ زمین شہر میں شامل نہیں ہوگی جبکہ وہ زمین جس سے نمک، تیل اور تارکول وغیرہ نکلتا ہو وہ اموات کے حکم میں نہیں ہوگی بلکہ وہ مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت ہے یہ زمین جاگیر میں کسی کو دینا جائز نہیں بلکہ یہ مسلمانوں کا اجتماعی حق ہے۔

دوم۔ وہ زمین جو کسی بستی یا شہر کے زیر استعمال نہ ہو وہ غیر آباد زمین ہے جسے فقہاء کی اصطلاح میں موات کہا جاتا ہے۔

اموات (غیر آباد یا بنجر زمین) وہ زمین ہوتی ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو، اس سے نفع بھی اٹھایا نہ جاتا ہو، یا تو اس میں پانی کی سہولت ختم ہوگئی ہو یا پانی کا زیادہ غلبہ ہو یا ریت کے ریگ پڑے ہوں نیز یہ زمین کسی مسلمان یا ذمی کی ملکیت نہ ہو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی مطابق بستی سے یہ زمین اتنی دور ہو کہ بستی کے کنارے پر کوئی شخص کھڑا ہو کر اگر آواز دے تو اس زمین تک آواز نہ پہنچتی ہو۔

ظاہر الروایہ میں مذکور بالا آخری شرط کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ اہل شہر کا اس زمین کو اپنے استعمال میں نہ لانا ہی کافی ہے اگر چہ شہر کے قریب ہی کیوں نہ ہو حنفیہ کے نزدیک یہی قول مفتی بہ ہے اگر زمین کسی کی مملوکہ ہو تو وہ موات نہیں ہوگی اور اگر اس زمین کا مالک معروف نہ ہو تو وہ لقطہ کے حکم میں ہوگی امام اپنی رائے کے مطابق اس میں تصرف کر سکتا ہے۔

احیاء ارض...... یعنی زمین کو تعمیر، باغ، کھیتی، باڑی وغیرہ کے قابل بنانا احیاء ارض ہے اگر پتھروں یا مٹی وغیرہ کے ساتھ زمین کی حدود مقرر کر لی جائیں تو اس سے پتھر رکھنے والا مالک نہیں بنے گا چونکہ یہ احیاء ارض نہیں بلکہ حد بندی ہے ہاں البتہ آئمہ کے نزدیک بالاتفاق دوسرے کی بنسبت یہ شخص اس زمین کا زیادہ حقدار ہوگا۔ ❶

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس شخص نے کسی ایسی چیز کی طرف سبقت کی جس کی طرف کسی مسلمان سبقت نہ کی ہو تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ منیٰ اونٹوں کے بٹھانے جگہ ہے اور محل اقامت ہے جو شخص اس کی طرف سبقت کر جائے اسی کا حق ہے۔ ❷

جس شخص نے پتھر لگا کر زمین کی حد بندی کر دی اور پھر تین سال تک زمین آباد نہ کی تو حاکم وقت زمین اس سے لے کر کسی اور کو دے دے چونکہ پتھر لگانا زمین کو آباد کرنا نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ پتھروں سے حد بندی کرنے والے کے لئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ❸ نیز عرصہ تین سال میں ضرورت اس امر کی تھی کہ زمین کو تیار کر کے احیاء کے قابل بنایا جائے۔

احیاء موات کے لئے حاکم وقت سے اجازت لینا ضروری ہے...... اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔

ابو حنیفہ و مالکیہ...... کہتے ہیں ❹ احیاء موات کے لئے حاکم وقت یا اس کے کسی نائب سے اجازت لینا ضروری ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: آدمی کا حق صرف اسی چیز میں ہے جو اس کا امام اسے خوشدلی سے دے دے ❺ اگر حاکم وقت اجازت نہ دے تو گویا

---

❶.... تکملة فتح القدير ۱۳۸ البدائع ۱۹۵ الدرالمختار ۳۰۷ المراجع السابقه الشرح الكبير ۷۰/۴ مغنی المحتاج ۳۶۶/۲ المغنی ۵۱۸/۵ المهذب ۴۲۵/۱۔ ❷روا ه احمد واصحاب السنن ابوداؤد والترمذی وابن ماجه والبيهقی عن عائشة رضی الله عنها وقال الترمذی حديث حسن (نيل الاوطار ۲۲/۸) ❸روا ه ابويوسف فی كتاب الخراج عن سعيد بن المسيب (نصب الراية ۲۹۰/۴ الخراج لابی يوسف ۶۵) ❹البدائع ۱۹۴/۶ تكملة فتح القدير ۱۳۶/۸ الدرالمختار ۳۰۹/۵ الشرح الكبير للدردير ۶۹/۴۔ ❺روا ه الطبرانی من حديث معاذ بن جبل وفيه ضعف (نصب الراية ۲۳۰/۳)

خوشدلی سے اس نے یہ چیز نہیں دی لہٰذا آباد کار زمین کا مالک بھی نہ ہوگا۔

صاحبین ، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: آباد کرنے سے آدمی زمین کا مالک بن جاتا ہے، اگرچہ امام نے اجازت نہ دی ہو۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: جس شخص نے غیر آباد زمین آباد کی اور ظالم شخص کی کاشت کا کوئی حق نہیں۔ ❶

اس حدیث میں آباد کار کے لئے ملک ثابت کی گئی ہے اور امام کی اجازت کی شرط ذکر نہیں کی گئی، نیز مردہ زمین کو زندہ کرنا مباح فعل ہے، آباد کار جب اس پر قبضہ کرلے گا وہ اس کا مالک بن جائے گا امام کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص شکار پکڑ لے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔

ارض موات میں کنویں اور نہر کی بھی حریم ہوگی...... جب کوئی شخص بیابان میں کنواں کھودے یا نہر کھودے جو غیر آباد زمین میں ہو تو کھدائی احیاء موات تصور ہوگی لیکن کنویں اور نہر کی حریم ہوگی یا نہیں۔

چنانچہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کنویں اور نہر کی حریم ہوتی ہے دوسرے لوگوں کے لئے آباد کاری کے ذریعہ تجاوز کرنا جائز نہیں چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنویں کی حریم قرار دی ہے جیسا کہ آیا جاتا ہے۔

البتہ کنویں کی حریم کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ چشمے کی حریم ہر طرف سے پانچ سو ذراع (ہاتھ) ہے اس کی دلیل حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چشمہ کی حریم پانچ سو ذراع ہے اور کنویں کی حریم چالیس ذراع ہے۔ ❷

کنویں اور نہر کی حریم میں اختلاف ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ کنواں جس سے ہاتھ (ڈھول وغیرہ) کے ساتھ پانی نکالا جائے اس کی حریم چالیس ذراع ہے۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کنواں کھودے تو اس کے آس پاس کا چالیس ذراع کا رقبہ حریم ہوگا جو مویشیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہوگی۔ ❸

جس کنویں سے اونٹ وغیرہ سے پانی نکالا جاتا ہو اس کی حریم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چالس ذراع ہے ان کی دلیل حدیث سابق ہے عقلی دلیل یہ ہے کہ بئر ناضح کی ضرورت چالیس ذراع سے پوری ہو جاتی ہے۔

صاحبین کے نزدیک بئر ناضح (جس کنویں سے اونٹ کے ساتھ پانی نکالا جائے) کی حریم ساٹھ ذرائع ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ بئر عطن کی حریم چالیس ذرائع ہے اور بئر ناضح کی حریم ساٹھ ذراع ہے عقلی دلیل یہ ہے کہ بسا اوقات جانوروں کو پانی پلانے کے لئے کنویں کے پاس زیادہ جگہ کی ضرورت پیش آتی ہے جو ساٹھ ذراع سے پوری ہو جاتی ہے۔

نہر کی حریم کی تحدید میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی نزدیک نہر کے عرض (چوڑائی) کے نصف کی برابر نہر کی حریم ہوگی یہی قول مفتی بہ ہے امام محمد کے نزدیک نہر کی کل چوڑائی (عرض) کے بقدر نہر کی حریم ہوگی۔ ❹

حریم کا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص حریم کے اندر کنواں کھودنا چاہے اسے کھودنے سے روکا جائے گا چنانچہ حریم کا مالک تجاوز کردہ کنویں کو پاٹ سکتا ہے یا کھودنے والے سے ضمان لے لے پھر اسے پاٹ دے۔

---

❶......روی عن عائشة وسعید بن زید وجابر وعبد اللہ بن عمرو وفضالہ بن عبید ومروان بن الحکم وعمر وبن عوف وابن عباس وحدیث عائشة رواہ البخاری وغیرہ۔ ❷قال الزیلعی عن ھذا الحدیث: غریب (نصب الرایة ۲۹۲/۴۔ ❸رواہ ابن ماجة والطبرانی عن عبد اللہ بن مغفل واسنادہ ضعیف لان فیہ اسماعیل بن اسلم رواہ احمد عن ابی ہریرۃ(نصب الرایة ۲۹۱/۴ سبل السلام ۸۵/۳) ❹ البدائع ۱۹۵/۶ تکملہ فتح القدیر ۱۳۹/۸ ،الشافی ۳۰۸/۵

مالکیہ کہتے ہیں۔حریم وہ ہے جس کے متاثر ہونے سے ہر کنویں کے پانی کا نقصان ہوتا ہے مزید یہ کہ وہ کنویں جو مویشیوں کے پانی پینے یا سیرابی کے لیے ہو اس کی حریم اتنی ہو کہ آنے جانے والی کو تنگی نہ ہو۔❶

شافعیہ کہتے ہیں: غیر آباد زمین میں کھودے گئے کنویں کی حریم اتنی ہے کہ جتنی جگہ پر پانی نکالنے والا اونٹ بآسانی کھڑا ہو سکے اور کنویں سے بیل سہولت کے ساتھ آ جا سکیں۔شافعیہ کے نزدیک نہر کی حریم وہ جگہ ہے جہاں کنویں سے مٹی، کیچڑ وغیرہ نکال کر ڈالی جاتی ہے حریم کی مقدار میں اہل بستی کے عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔❷

شافعیہ نے حدیث سابق سے استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے کنویں کھودا اس کے آس پاس کی حریم چالیس ذراع ہے دوسری دلیل سعید بن المسیب کی مرسل حدیث ہے تازہ کھودے ہوئے کنویں کی حریم پچیس ۲۵ ذرائع ہے اور پرانے کنویں کی حریم پچاس ۵۰ ذراع ہے اور کھیتی باڑی میں استعمال ہونے والے کنویں کی حریم تین سو ذراع ہے۔❸

حنابلہ کہتے ہیں......تازہ کھودے ہوئے کنویں کی حریم پچیس ۲۵ ذراع ہے اور پرانے کنویں کی حریم پچاس ذراع ہے ان کی دلیل ابن مسیب کی مذکور بالا حدیث ہے ❹ احیاء الموات کے ذیل میں اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

دوسری فصل......احیاء الموات

زمینوں کی اصلاح اور ان میں عمارت تعمیر کرنا......خاکہ بحث اس موضوع پر کلام درج ذیل عبارت میں ہوگا۔

پہلی بحث......احیاء الموات کی تعریف، مشروعیت اور اس کی ترغیب۔

دوسری بحث......موات میں سے کونسی زمین میں احیاء کو قبول کرتی ہیں۔

تیسری بحث......احیاء کا طریقہ اور کیفیت اور روکنا۔

چوتھی بحث......شرائط۔

پانچویں بحث......اس کے احکام زمین کا مالک ہونا اور ملکیت کی مقدار یعنی حریم۔

پہلی بحث: احیاء الموات کی تعریف، مشروعیت اور اس کی ترغیب

احیاء موات کی تعریف......احیاء لغوی معنی کے اعتبار سے کسی چیز کو زندہ کرنا یعنی کسی چیز میں قوت حساسہ اور بڑھنے والی قوت پیدا کرنا اور موات وہ چیز جس میں روح نہ ہو یا ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو یا غیر آباد زمین اور مختصرا یہ کہ وہ زمین جو آباد نہ لی گئی ہو اور احیاء موات سے مراد بڑھنے والی زندگی کا سبب بننا، عمارت کر و تعمیر کر و زندگی کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اس کے غیر آباد رہنے کو موت کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اس کی زندگی اس کی تعمیر ہے۔

اور شرعاً احیاء: بنجر زمین کو عمارت، درخت لگا کر اور ہل وغیرہ چلا کر درست کرنا۔

اور موات: وہ زمین جس میں نہ عمارتیں اور آبادی ہو اور نہ پانی ہو نہ اس کا کوئی مالک ہو اور نہ کوئی اس سے نفع اٹھا سکے ❺ یا حنفیہ کے ہاں ایسی زمین جس پر زراعت کرنا پانی نہ ہونے کی وجہ سے متعذر رہو یا پانی اس پر بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے ناممکن ہو اور وہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور آبادی سے دور ہو یا وہ خاص طور پر احیاء کے لیے دیئے گئے ہوں۔❻

---

❶......الشرح الكبير وحاشية الدسوقى ۶۷/۴۔❷ المهذب ۴۲۴/۱، مغنى المحتاج ۳۶۳/۲۔❸رواه ابوداؤد فى مراسيله عن الزهرى عن سعيد بن المسيب واخرجه الدارقطنى والخلا باسنادهما عن سعيد بن المسيب عن ابى هريرة (نصب الراية ۲۹۲/۴) ❹ المغنى ۵۴۰/۵۔❺القوانين الفقهيه ۳۳۹۔❻ تبيين الحقائق ۳۴/۶

شوافع کے ہاں موات کی تعریف: جو آباد نہ ہو اور آباد زمین کی حریم ہو چاہے آبادی کے قریب ہو یا دور ہو۔

تمام تعریفوں کا مضمون وخلاصہ..... جو احیاء موات میں غالب ہے زرعی زمینوں کی اصلاح یا انہیں زراعت کے قابل بنانا زراعت سے مانع اشیاء مثلاً پتھر کانٹے وغیرہ اس سے اٹھانا اور پانی نکالنا، اور زراعت کے قابل مٹی کا اضافہ کرنا اور اسکے گرد باڑ وغیرہ لگانا اور اس میں مضبوط عمارتیں وغیرہ بنانا۔

شریعت میں احیاء مطلق وارد ہے اور جو چیز اس طرح ہو تو اس میں عرف کی طرف رجوع واجب ہے اس لیے کہ وہ شریعت کے مطلق احکام کی وضاحت کرتا ہے، جس چیز سے عرف میں احیاء حاصل ہوتا ہے وہ پانچ چیزیں ہیں: زمین کو سفید کرنا، زراعت کے لیے صاف کرنا، زمین پر باغ یا دیوار بنانا اور اس میں گہری خندق کھودنا کہ اس میں اترا ہوا شخص بنا کے بغیر معلوم نہ ہو سکے اور پانی نکالنا۔ ❶

مشروعیت..... غیر آباد زمین کو آباد کرنے کی مشروعیت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، بہت ساری احادیث ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں: جس نے غیر آباد زمین آباد کی تو وہ اسی کی ہے ❷ جس نے غیر آباد زمین آباد کی وہ اسی کی ہے اور ظالم کا کوئی حصہ نہیں ❸ جس نے ایسی زمین آباد کی جو کسی کی نہ ہو تو وہ اس کا حقدار ہے ❹ جس زمین کی طرف کسی مسلمان نے سبقت نہ کی ہو اس کی طرف جس نے سبقت کی وہ اسی کی ہے صحابی فرماتے ہیں تو جلدی جلدی نکلنے اور زمینوں پر نشانات لگانے لگے ❺

یہ احادیث احیاء موات کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں جن کا نہ کوئی مالک ہو اور نہ کوئی ان سے نفع اٹھاتا ہو پھر اسے کسی آدمی نے سیراب کیا اس میں کھیتی باڑی کی درخت لگائے عمارت بنائی یا اس پر نشان لگا دیئے اور اسے آباد کیا عروہ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اور عام فقہاء نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ غیر آباد زمین کو جو آباد کرے وہ اس کا مالک ہے اگر چہ شرائط میں اختلاف ہے۔ نیز احادیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ شریعت نے زمین آباد کرنے کی ترغیب دی ہوئی ہے کیونکہ لوگوں کی ضرورت ہے زراعت، تعمیرات اور وہ چیز جن کی انہیں اقتصادی طور پر ضرورت ہے اور جس سے ثروت حاصل ہو۔

دوسری بحث: وہ غیر آباد زمین جو آباد کرنے کے قابل ہے..... ہر زمین آباد ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ بعض آبادی کو قبول کرتی ہیں اور بعض نہیں اور اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ زمین جس کا نہ کوئی مالک ہو اور نہ ہی اس میں آبادی اور نفع اٹھانے کے آثار ہوں اسے آباد کرنے سے وہ مالک ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ زمین جن کا کوئی مشہور مالک ہو اس نے خریدی ہو یا اسے عطیہ وغیرہ کے طور پر ملی ہو تو اس سے اس کی ملکیت منقطع نہ ہو تو کسی دوسرے کا اسے آباد کرنا جائز نہیں اس کے مالکوں کے علاوہ زمین کی باقی اقسام میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ❻

پہلی قسم..... جس زمین کا مالک بنا تھا احیاء کی وجہ سے پھر اسے چھوڑ دیا کہ اس کی آبادی کے نشانات ختم ہوئے اور وہ دوبارہ موات بن گئی تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں۔ ❼ اسے آباد کرنے والا اس کا مالک نہ ہوگا اس لیے کہ احادیث میں اس آباد کرنے کی اجازت ہے کہ وہ زمین مملوک نہ ہو نیز جتنے بھی مال ہیں انہیں چھوڑنے کی وجہ سے ملکیت ختم نہیں ہوتی، حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں: اس زمین کو دوبارہ جو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا کہ اس کا متعین مالک معلوم نہ ہو اور بستی سے دور ہو اس طور پر کہ اگر ایک شخص بلند آواز والا اس بستی کی آبادی کے کنارے پر کھڑا ہو کر خوب زور سے چیخے اور اس کی آواز اس جگہ پر سنائی نہ دے اور امام محمد کے ہاں اگر اسلام

---

❶..... سبل السلام: ۸۲/۳۔ ❷رواہ احمد والترمذی۔ ❸ ایضاً۔ ❹نصب الرایۃ (۲۸۸/۴)۔ ❺ ایضاً۔ ❻المغنی۔ ۵۱۳/۵۔
❼المہذب۔ ۳۶۲/۲۔

میں مالک بنا ہے تو وہ موات نہیں اور اگر اس کا مالک معلوم نہ ہو تو وہ مسلمانوں کی ہے اور ظاہر روایت ہی مفتی بہ ہے کہ شہر کے فوائد و منافع اس سے متعلق نہ ہوں۔

مالکیہ کے ہاں...... دوبارہ زندہ کرنے والا اس کا مالک بن جائے گا کیونکہ احادیث عام ہیں مثلاً جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اسی کی ہے نیز اس زمین کی اصل یہ ہے کہ یہ مباح ہے لہٰذا اگر چھوڑ دی گئی اور وہ دوبارہ موات بن گئی تو وہ مباح ہو گی۔

دوسری قسم...... وہ زمین جن میں زمانہ جاہلیت کے آثار پائے جاتے ہیں جیسے روم قوم ثمود اور اس طرح دوسرے آثار وغیرہ تو ائمہ اربعہ کے ہاں احیاء سے مالک بن جائے گا ❶ اور یہی شوافع کے ہاں اظہر ہے اس لیے کہ جاہلیت کی ملکیت کی کوئی حرمت نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے زمین اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹ آئی اور پھر اس کے بعد وہ تمہاری ہے یعنی پرانی اور ویران زمین جو اسلام میں کسی کی ملکیت میں نہ ہو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری رائے یہ ہے کہ اسے آباد کرنے سے مالک نہیں بنے گا کیونکہ یہ موات ہے ہی نہیں۔

تیسری قسم...... وہ زمین جو زمانہ اسلام میں کسی مسلمان یا ذمی وغیرہ کی ملک میں رہی ہیں لیکن ان کا مالک معلوم نہیں تو حنفیہ، مالکیہ کے ہاں اور ایک روایت میں امام احمد کے ہاں اسے آباد کرنے سے مالک بن جائے گا کیونکہ آباد کرنے کے سلسلہ میں احادیث عام ہیں نیز اس لیے بھی کہ یہ ارض موات ہے اس میں کسی متعین قوم کا حق نہیں تو یہ اس زمین کے مشابہ ہو گئی جس پر کسی مالک کی ملکیت جاری نہیں ہوئی۔

شوافع کے ہاں: یہ ضائع شدہ مال ہے اور اس کا معاملہ حاکم کے سپرد ہے کہ وہ اس کے مالک کے معاملہ ہونے تک اس کی حفاظت کرے یا اسے فروخت کر کے اس کی رقم کی حفاظت کرے اور بیت المال کے لیے اسے قرض لے لے یعنی ایسی زمین کو آباد کرنے والا مالک نہیں ہوگا اور حنابلہ کے ہاں صحیح یہ ہے کہ احیاء سے مالک نہیں بنے گا، ایسی زمین میں احیاء کا کوئی اثر نہیں اور یہ مال فئی ہوگا اس مال کی طرح جسے دشمن خوف کی وجہ سے چھوڑ جائے یعنی اسے عام ضروریات میں صرف کیا جائے گا۔ ❷

خلاصہ...... یہ کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں احیاء سے مالک نہیں بنے گا حنفیہ اور مالکیہ اس کے احیاء کے جواز کے قائل ہیں۔

احیاء کے قابل زمین کے متعلق مذاہب کی آراء کی وضاحت...... مناسب معلوم ہوتا ہے ہر مذہب کی رائے کو علیحدہ بیان کرنا قابل احیاء زمین کے متعلق۔

۱۔ حنفیہ کا مذہب...... ❸ ارض موات: وہ زمین جو شہر سے دور ہو اور وہ کسی کی ملکیت میں بھی نہ ہو اور نہ کسی کا اس پر خاص حق ہو شہر میں موجود زمین بالکل موات نہیں اور اسی طرح وہ زمین جو شہر سے باہر ہے لیکن اس کا فائدہ شہر سے متعلق ہے مثلاً اہل شہر اس سے لکڑیاں لاتے ہیں ان کی چراگاہیں ہیں تو آبادی کے قریب جو زمینیں ہیں انہیں آباد (احیاء) کرنا جائز نہیں اس لیے کہ یہ آبادی کے منافع میں سے ہے اور اس کے تابع ہے اور اسے بستی والوں کی چراگاہ اور کھیتیاں کھانے کے لیے چھوڑا جائے گا کیونکہ ان کی ضرورت ثابت ہے لہٰذا یہ موات نہیں راستہ اور نہر کی طرح غیر مملوکہ زمین میں جو اہم بات ہے وہ یہ کہ اہل شہر و بستی کے فوائد اس سے متعلق نہ ہوں چاہے وہ شہر آبادی کے قریب ہو یا دور ہو یہی ظاہر روایت ہے اور ائمہ ثلاثہ کا قول بھی اور یہی حنفیہ کے ہاں مفتی بہ ہے۔

۲۔ مالکیہ کا مذہب...... ❹ ارض موات جو احیاء کے اختصاص سے خالی ہو یا وہ کسی عمارت کی حریم ہو جیسے لکڑیاں چننے کی جگہ یا اہل شہر کی چراگاہ تو جب اس کی عمارت درخت وغیرہ ختم ہو جائیں یا اس میں پانی ہو جائے تو اس سے اس شخص کی ملکیت ختم نہ ہو گی جس نے اسے قابل کاشت بنایا تھا الا یہ کہ کافی لمبا عرصہ پر بنجر پڑی رہے اور اس کے بعد کوئی اسے آباد کرے تو پھر وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اور اس میں

---

❶ الشرح الکبیر ۶۶/۴۔ ❷ المغنی: ۵۱۴/۵۔ ❸ البدائع: ۱۹۴/۶۔ ❹ الشرح الکبیر ۶۶/۴۔

برابر ہے کہ وہ آبادی کے قریب ہو یا دور اتنی بات ہے کہ اسے آباد کرنے کے لیے حاکم کی اجازت ہونا اولیٰ ہے۔

۳۔ شوافع کا مذہب...... ❶ موات کی تعریف وہ زمین جو نہ آباد ہوا اور نہ آبادی کی حریم ہو چاہے آبادی کے قریب ہو یا دور یا وہ زمین جو اسلامی شہروں میں کبھی آباد نہ کی گئی ہو اور نہ بطور حریم کے اس کا کوئی مالک ہو اور حریم وہ جگہ جس کی ضرورت ہو فائدہ اٹھانے میں مثلاً گھوڑ دوڑ اونٹ ریس اور تیر اندازی وغیرہ کی جگہ۔

۴۔ حنابلہ کا مذہب...... ❷ موات وہ زمین جس کا نہ تو کوئی مالک ہو، نہ اس میں پانی ہو نہ عمارت اور نہ اس سے نفع اٹھایا جاتا ہو یا وہ زمین کسی کے اختصاص اور معصوم ملک سے خالی ہو اور ملک معلوم چاہے مسلمان کی ہو یا کافر کی لیکن جو جگہ آبادی کے قریب ہو اور اس کی ضروریات مثلاً راستے، پانی گندگی ڈالنے مٹی وغیرہ ڈالنے کے لیے ہو تو اسے آباد کرنا جائز نہیں اور گاؤں کی ضروریات سے متعلق مثلاً اس کا فناء بکریاں چرانے کی جگہ لکڑیاں اکٹھے کرنے کی جگہ راستے پانی وغیرہ کی ضرورت ہو قریب اور بعید ہونے کی تحدید عرف سے ہوگی خلاصہ کہ یہ کہ تمام مذاہب اصل کے اعتبار سے قریب قریب ہیں اور شرائط کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

تیسری بحث: آباد کرنے کی کیفیت اور طریقہ

غیر آباد زمین کو آباد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کھیتی باڑی کی اس میں لوگوں کی عادت کے موافق صلاحیت پیدا کر دینا جیسا کہ شوافع نے لکھا ہے لیکن اس موضوع پر مذاہب کی آراء ہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... ❸ موات کو عمارت بنا کر درخت لگا کر ہل چلا کر یا دیوار بنا کر یا نہر کھود کر یا بیج ڈال کر نہریں کھود کر سیراب کر کے یا نشانات لگا کر یا اس سے پانی روک کر اس کی درستگی کی جائے تو یہ احیاء ہے۔ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر آباد کرنے والے نے صرف نہر کھودی اور زمین کو سیراب نہ کیا یا اس کے برعکس کیا تو اس کا یہ کام تحجیر ہوگا احیاء نہ ہوگا۔

مالکیہ کے ہاں...... ❹ آباد کرنے عمارت بنا کر درخت لگا کر کھیتی باڑی کر کے ہل چلا کر اور اس میں پانی چلا کر ہوگا یعنی سات چیزوں میں سے ایک چیز۔

پہلی......کنویں یا چشمہ کے ذریعہ پانی جاری کرنے سے مالک ہو جائے اور اسی طرح جس زمین میں کھیتی باڑی کر دے۔

دوسری...... زمین سے پانی نکالے کہ وہ پانی سے بھری ہوئی تھی۔

تیسری......عمارت تعمیر کرنا۔

چوتھی......درخت لگانا۔

پانچویں......ہل وغیرہ چلانا۔

چھٹی......درخت قبضہ کی نیت سے کاٹنا۔

ساتویں......پتھر وغیرہ توڑ کر زمین برابر کرنا۔

شوافع کے ہاں...... ❺ وہ آباد کرنے جس سے مالک بن جائے یہ غرض کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا ہے اور اس میں عرف کو دیکھا جائے گا کیونکہ عرف عام طور پر عادت کی تمثیل کرتا ہے اس لیے کہ شریعت سے اسے مطلق رکھا ہے اور لغت میں اس کی کوئی تعریف نہیں لہٰذا عرف کی طرف رجوع ہوگا۔ جیسے مبیع اور موہوب کے قبضہ میں اور چوری میں حفاظت کی کے لئے عرف کی طرف رجوع ہوتا ہے اور عرف ہر چیز میں اس کی حیثیت کے اعتبار سے ہوتا ہے پس مقصود حاصل کرنے کا ضابطہ ہے پر اگر غیر آباد جگہ کو رہائش بنانا چاہتا ہے تو اس میں یہ شرط ہے

❶ مغنی المحتاج ۴/۳۶۱۔ ❷ المغنی ۵/۵۱۳ ❸ تبیین الحقائق ۶/۳۶۔ ❹ الشرح الصغیر ۴/۹۳۔ ❺ المهذب ۱/۴۲۶۔

کہ اس جگہ کو اینٹوں پتھروں یا بانس وغیرہ کے ذریعہ متعین کر لے اس جگہ کے عرف کے اعتبار سے اور معتمد یہ ہے کہ صرف نشانات لگا دینا عمارت بنائے بغیر کافی نہیں بلکہ عمارت بنانا ضروری ہے اور کچھ حصہ پر رہائش کے لیے چھت ڈالنا بھی شرط ہے اور دروازہ لگانا اس لیے کہ عمارت میں عرف یہی ہے کہ ان کے دروازے ہوتے ہیں لہٰذا زمین رہائش کے اہل ان چیزوں کے بغیر نہیں ہوتی یعنی عمارت بنانا چھت ڈالنا اور دروازہ لگانا اگر آباد کرنے کا مقصد جانوروں وغیرہ کے لیے جگہ بنانا ہے جیسے پھل اور غلہ کے لیے محفوظ مکان وغیرہ تو عرف کے اعتبار سے صرف عمارت کا نشان لگانا کافی ہے اس پر چھت بنانا شرط نہیں اس لیے کہ چھت نہ ہونے کا عرف ہے اور دروازہ لگانا ضروری ہے عمارت کے ساتھ ساتھ اگر احیاء موات کا مقصد زراعت کرنا ہے تو پر اس کے گرد مٹی جمع کرنا زمین برابر کرنا چھوٹی نالیاں نکال کر پانی لانا یا کنواں اور قنات وغیرہ کھودنا جبکہ عام بارش کافی نہ ہوتی ہو اور عملی طور پر کھیتی باڑی کرنا شرط نہیں جیسا کہ گھر میں رہائش اختیار کرنا شرط نہیں اگر آباد کرنے کا مقصد باغ بنانا ہے تو زمین کے گرد مٹی جمع کرنا زراعت کی طرح شرط ہے اور نشانات لگانا جیسا کہ عملی طور پر عرف ہو اور پانی مہیا کرنا اور کچھ درخت لانا بھی شرط ہے یہ احیاء نشانات لگانے زمین برابر کرنے پانی جاری کرنے اور درخت لگانے سے ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں ❶ احیاء ارض......اس طرح کہ اس کے گرد مضبوط دیوار لگادے چاہے اس کا ارادہ عمارت بنانے کا ہو یا زراعت کا بکریوں کے لیے باڑے کا ہو لکڑیاں اکٹھی کرنے وغیرہ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے زمین پر دیوار لگادی تو وہ اسی کی ہے ❷ اس لیے کہ دیوار مضبوط پردہ اور رکاوٹ ہے لہٰذا یہ احیاء ہوگا۔

اور دیوار ہی کی طرح ہے کہ اگر زمین میں کھیتی باڑی پانی کے بغیر نہ ہوسکتی ہو تو وہ پانی نہر یا کنویں کے ذریعہ اس میں جاری کردے یا اس میں کنواں کھودے جس سے پانی بہتا ہو لیکن اگر پانی نہ نکلتا ہو تو پھر یہ تحجیر کرنے والا ہے جو آبادی شروع کرے گا اور حائط ہی کی طرح ہے کہ اس میں درخت لگادے یا جس زمین میں زراعت ممکن نہ ہو اس سے دوسروں کو روک دے خلاصہ یہ کہ احیاء یا تو مضبوط دیوار کے ذریعہ یا پانی جاری کرنے اور درخت لگانے کے ذریعہ ہوگا۔ صرف کھیتی باڑی کرنے اور ہل چلانے سے آباد نہیں ہوگی اس لیے کہ اس سے بقاء مراد نہیں ہوتی برخلاف درختوں کے جیسا کہ جس زمین کو آباد کرنا چاہتا ہے اس کے گرد خندق کھودنے سے احیاء نہیں کہلاتی۔

کیا پتھر رکھنے سے حیاء اور آبادی ہوگی...... تحجیر اور تحویط یہ کہ زمین کے اردگرد پتھر کانٹے وغیرہ لگا کر رکھنا فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس سے زمین آباد نہیں ہوگی لیکن اس طرح کرنے والا اس کا زیادہ مستحق ہے۔ حنفیہ کے ہاں ❸ اگر کسی شخص نے زمین کے اردگرد پتھر رکھے تو وہ صرف اس سے اس کا مالک نہیں ہوگا اس لیے کہ صحیح قول کے مطابق یہ احیاء نہیں اس لیے کہ احیاء یہ ہے کہ اسے زراعت کے قابل بنانے اور تحجیر تو علامت ہے اور حجر سے مشتق ہے اور یہ لوگوں کو پتھر کی علامت رکھ کر روکنا ہے یا اس میں موجود گھاس کانٹے وغیرہ کاٹنا اور انہیں زمین کے اردگرد رکھنا یا اس میں موجود کانٹوں وغیرہ کو جلانا اور یہ ساری چیز مفید ملک نہیں لہٰذا زمین مباح ہمارے ہی گی ہاں پتھر وغیرہ رکھنے والا اس کا زیادہ مستحق ہے دوسروں سے اس سے تین سال تک وہ زمین نہیں لی جائے گی اگر اس مدت میں بھی اس نے اسے آباد نہ کیا تو حاکم اس سے لے کر کسی دوسرے کو دے دے گا اور تین سال مدت مقرر کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے ماخوذ ہے کہ پتھر رکھنے والے کا تین سال کے بعد کوئی حق نہیں۔ ❹

لیکن یہ حکم دیانۃً ہے اور قضاءً یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے نے تین سال گذرنے سے پہلے اس کو قابل کاشت بنادیا تو وہ اس کا مالک ہوجائے گا کیونکہ اس کی طرف سے سبب ملک متحقق ہوگیا ہے۔ مالکیہ کے ہاں ❺ احیاء پتھر وغیرہ رکھنے اس کا گھاس چرانے بکریوں کے لیے کنواں

❶......المغنی ۵/۵۳۸۔ ❷ابوداؤد۔ ❸الدرالمختار ۵/۳۰۷۔ ❹ نصب الرایۃ ۴/۲۹۰۔ ❺الشرح الکبیر ۴/۷۰ المہذب ۱/۴۲۵۔

کھودنے یا اس سے پانی پلانے سے حاصل نہیں ہوگا۔ الاّ یہ کہ کنواں کھودتے وقت اپنی ملکیت کی وضاحت کرے اگر ایسا کر دیا تو یہ احیاء ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❶ اگر اس نے موات کے گرد پتھر لگا کر اُسے آباد کرنا شروع کیا لیکن مکمل نہ کیا یا زمین پر پتھر وغیرہ کے ذریعہ علامات لگائیں یا لکڑیاں اس میں گاڑ دیں یا کانٹے وغیرہ لگا دیئے یا چھوٹی دیوار لگا دی تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا اس لیے کہ ملکیت احیاء سے حاصل ہوگی اور یہ احیاء نہیں لیکن دوسرے لوگوں سے یہ زیادہ اس کا مستحق ہوگا ابوداؤد کی حدیث کی وجہ سے کہ جس نے اس کی طرف دوسرے کسی مسلمان سے سبقت کی تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اگر کسی دوسرے نے اسے آباد کر دیا تو وہ اس کا مالک ہوگا اگر متحجر کا احیاء مکمل نہ ہوا اور عرفاً مدت لمبی ہوگئی مثلاً تین سال تو اس سے کہا جائے گا یا تو اسے آباد کر کے مالک بن جاؤ یا پھر اسے چھوڑ دو آباد کرنے والے کے لیے اس لیے کہ یہ لوگوں کے مشترک حق میں تنگی ڈالنا ہے کہ وہ آباد کرنے پر قادر نہیں اگر پتھر رکھنے والے نے کسی عذر کی بنا پر مہلت مانگی تو اسے دو ماہ یا تین ماہ یا اس سے کم مہلت دی جائے گی جو حاکم مناسب سمجھے لیکن اگر اسے کوئی عذر نہ ہو تو اسے مہلت نہ دے۔ شوافع اور حنابلہ، حنفیہ کی طرح ہیں۔

چوتھی بحث: احیاء کی شرائط...... یہاں آباد کرنے والے کے لیے آباد کی جانے والی زمین کے لیے اور احیاء کو جاری کرنے کے لیے شرائط ہیں۔

پہلا مقصد: آباد کرنے والے کے لیے شرائط...... محی وہ ہے جو آباد کرے اور ملکیت واختصاص کے اسباب اختیار کرے اور ہر وہ جو مال کا مالک بن سکتا ہے اس کے لیے احیاء جائز ہے اس لیے کہ شکار کی طرح ہے ملکیت کا فعل ہے۔ جمہور (حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ) کے ہاں آباد کرنے والے کا مسلمان ہونا شرط نہیں۔ احیاء کے اعتبار سے مسلمان اور ذمی میں کوئی فرق نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عام ہے جس نے غیر آباد زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کی ہے نیز اس لیے بھی کہ احیاء اسباب ملک میں سے ملکیت کا ایک سبب ہے اس میں مسلمان اور ذمی مشترک ہیں جیسا کہ تمام اسباب ملکیت میں ہوتا ہے۔

شوافع کے ہاں...... آباد کرنے والے کا مسلمان ہونا شرط ہے اور ذمی ارض موات کا مالک نہ ہوگا اگرچہ امام نے اسے اجازت بھی دی ہو اس لیے کہ احیاء استعلاء ہے اور دار الاسلام میں ان کا استعلاء ممتنع ہے۔

اگر ذمی نے زمین آباد کی تو اس سے چھین لی جائے گی اور اسے کسی قسم کی اجرت نہیں دینا پڑے گی اور اگر اس سے کسی مسلمان نے لے لی اور سے آباد کیا تو وہ اس کا مالک ہوگا اگرچہ امام نے اجازت نہ بھی دے اس لیے کہ ذمی کے فعل کا کوئی اثر نہیں۔

دوسرا مقصد: آباد کی جانے والی زمین کی شرائط...... اس زمین کی ملکیت اس کے فوائد اور جگہ کے اعتبار سے کچھ شرطیں ہیں

ا۔ کہ وہ زمین کسی کی ملکیت نہ ہو نہ مسلمان کی نہ ذمی کی اور اس میں کسی کا کوئی اختصاص نہ ہو اور یہی معنی ہے فقہاء کے قول کا **ان تکون الارض عادیا** کہ پرانی ویران ہو کہ اسلام میں اس کا کوئی مالک نہ ہو گویا کہ قوم عاد کے عہد سے یہ زمین خراب اور ویران ہے اور یہ شرط فقہ کے اعتبار سے متفق علیہ ہے۔ ❷

۲۔ اہل شہر کے فوائد کے لیے استعمال نہ ہو چاہے قریب ہو یا دور جیسے لکڑیاں اور چراگاہ، اور قصہ گوئی کی مجلس گھڑ دوڑ اور اونٹ دوڑ اور تیر اندازی کنویں کا حریم سڑکیں اور راستے وغیرہ کے لیے استعمال نہ ہو اور یہ مذاہب میں متفق علیہ ہے۔

۳۔ شوافع کے ہاں زمین اسلامی شہروں میں ہو اگر دار الحرب میں ہو تو مسلمان اسے آباد کر سکتا ہے اگر اس سے مسلمانوں کو روکا نہ جاتا ہو اگر وہ اس سے روکیں یا مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیں تو پھر غلبہ کے ذریعہ مسلمان اس کا مالک نہ ہوگا ❸ جمہور کے ہاں دار الحرب اور دار الاسلام میں کوئی فرق نہیں کیونکہ احادیث عام ہیں اور نیز اس لیے بھی کہ دار الحرب کو آباد کرنے والا غلبہ کی وجہ سے مالک بن جاتا ہے، جیسے کہ ان کے

❶ الشرح الکبیر ۴/۷۰ المہذب ۱/۴۲۵۔ ❷ الدر المختار: ۵/۶۳۔ ❸ مغنی المحتاج ۴/۳۶۲

سارے مالوں پر۔ ❶

تیسرا مقصد: احیاء کی شرائط جس سے ملکیت ثابت ہوتی ہے...... جس احیاء سے ملکیت ثابت ہوتی ہے اس میں دو شرطیں ہیں بعض کے ہاں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں...... ❷ احیاء امام اور حاکم کی اجازت سے ہو۔ دلیل حدیث ہے آدمی کے لیے اس کے امام کی اجازت کے بغیر جائز نہیں جب اس نے اجازت نہ دی تو اس کا نفس اس پر خوش نہیں نیز اس لیے بھی کہ یہ زمینیں کافروں کے قبضہ میں تھیں پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں تو یہ فئی ہیں اور امام فئی کی تقسیم کے ساتھ خاص ہے جیسے غنیمت اور قاتل کا اما ل سلب کر دینا نبی علیہ السلام کے ارشاد من قتل قتیلا فلہ سلبہ کی وجہ سے اور آپ علیہ السلام کا یہ تصرف من حیث الامت اور سیاست ہے نہ کہ بطور شرع اور نبوت۔

مالکیہ کے ہاں...... اگر زمین آبادی کے قریب ہو تو حاکم کی اجازت کی ضرورت ہے اور اگر دور ہو تو ضرورت نہیں اور اس میں بھی اجازت صرف مسلمان کے لیے ہوگی اور ذمی کے لیے احیاء قریبہ میں اجازت نہیں اور ذمی کے لیے جزیرۃ العرب مکہ ومدینہ اور جو جزیرۃ العرب میں داخل جگہیں ہیں وہاں پر احیا جائز نہیں۔

صاحبین شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... جس نے مردہ زمین زندہ کی تو وہ اس کا مالک ہے اگر چہ امام اور حاکم نے اپنے اجازت نہ بھی دی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پر اکتفاء کرتے ہوئے جس نے مردہ زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے اور یہ حکم بطور شرع اور نبوت ہے نیز یہ کہ یہ مال مباح ہے جیسے لکڑیاں چننا اور شکار کرنا اس کی طرح آباد کرنے والے سبقت کی ہے اور اس کی تائید بخاری شریف میں موجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جس نے آبادکی زمین جو کسی کی نہ ہو تو وہ اس کا حقدار ہے اس سے ظاہر ہے کہ حاکم اجازت شرط نہیں لیکن اجازت لینا مستحب ہے۔

۲ حنفیہ کے ہاں تحجیر کی حالت میں شرط یہ ہے کہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ تین سالوں میں آباد کر لے اگر ان میں اس نے آباد نہ کیا تو حاکم اس سے لے کر کسی دوسرے کو دے دے اس لیے کہ ابتداء کرنا اور کام شروع کرنا اس کی تعمیر کو چاہتا ہے اور اس سے نفع مسلمانوں کو عشر یا خراج کی صورت میں حاصل ہوگا پس جب مقصود حاصل نہ ہوا تو پھر اس کے قبضہ میں چھوڑنے کا کوئی فائدہ نہیں اور تین سال کی مدت مقرر کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ماخود ہے کہ پتھر اور باڑ لگانے کا تین سال کے بعد کوئی حق نہیں۔ نیز یہ مدت معقول بھی ہے زمین کی اصلاح ودرستگی اور اس کی تدبیر کے لیے لیکن یہ حکم بطور دیانت ہے اور قضاء اگر کسی نے اس مدت کے گذرنے سے پہلے کسی اور نے اسے آباد کر دیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا نہ کے پہلا۔ شوافع اور حنابلہ کا مذہب حنفیہ کے مذہب کے قریب ہے۔

پانچویں بحث: احیاء موات کے احکام

زمین آباد کرنے پر اس کا مالک بننا عشر وخراج مقرر ہونا، حریم معہود کا مالک نہ ہونا اور حریم موات کا مالک ہونا وغیرہ احکام مرتب ہوتے ہیں۔

پہلا مقصد: آباد کی جانے والی زمین کا مالک ہونا...... کیا احیاء الموات کی وجہ سے حق انتفاع کا مالک ہو جاتا ہے یا زمین کا مالک ہوتا ہے مطلقاً جو حق تصرف استعمال اور حق انتفاع کا مالک ہوتا ہے۔ فقہی ابو القاسم احمد بلخی رحمہ اللہ نے فرمایا احیاء موات سے صرف نفع اٹھانے کا حق حاصل ہوتا ہے ملکیت کا نہیں مباح جگہ پر بیٹھنے والے پر قیاس کرتے ہوئے کہ اس کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے جب وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تو اس کا حق باطل ہو گیا اور عام فقہاء کے ہاں احیاء سے مطلق ملکیت کا حق ثابت ہوتا ہے حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ جس نے مردہ زمین آباد کی تو وہ اسی کی ہے اس میں لام تملیک کے ذریعہ آباد کرنے والے کا حق ثابت کیا ہے، اور چھوڑنے سے اس

---

❶ المغنی ۵/۵۱۵۔ ❷ البدائع ۶/۱۹۴۔

کی ملکیت ختم نہیں ہوتی یہی عین حق ہے آباد کرنے والے کے لیے اسی بناء پر حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر آباد کرنے والے نے آباد کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا اور کسی اور نے اس میں زراعت کی تو پہلا اس کا زیادہ حقدار ہے اصح قول کے مطابق۔

دوسرا مقصد: آباد کی جانے والی زمین کا وظیفہ...... آباد کی جانے والی زمین میں دوسرا حق حکومت کا ہے لیکن اس زمین پر واجب عشر ہے یا خراج؟ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: اگر مسلمان نے اسے آباد کیا اور وہ زمین اگر عشری زمینوں میں سے ہو تو اس میں عشر واجب ہے اور اگر خراجی زمینوں میں سے ہے تو اس میں خراج واجب ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: اگر اسے عشری پانی سے سیراب کیا یعنی بارش اور بڑی نہر کے پانی سے تو وہ عشری زمین ہے اور جسے خراجی پانی سے سیراب کیا جیسے ایسی نہر سے اسے سیراب کیا جسے غیر مسلموں نے کھودا ہو تو وہ خراجی ہے اسی رائے کو صاحب ہدایہ نے لیا ہے۔

عشری زمین کی پانچ قسمیں ہیں:

۱...... عرب کی زمین۔

۲...... ہر وہ زمین جس کی بسنے والوں نے خوش دلی سے اسلام قبول کیا ہو۔

۳...... وہ زمین جو زبردستی لی گئی ہو جنگ وغیرہ کر کے اور غانمین میں میں تقسیم کر دی گئی ہو۔

۴...... مسلمان جب اپنے گھر کو باغ وغیرہ بنا دے۔

۵...... مسلمان جب حاکم کی اجازت سے مردہ زمین کو آباد کرے تو یہ بھی عشری زمین کے تابع شمار ہوگی یا اسے عشری پانی سے سیراب کیا گیا ہو۔ اور عشری پانی، بارش کا پانی اور عشری زمینوں کو لگنے والا پانی۔

خراجی زمینیں

۱...... عراق کے تمام دیہات، اور ہر وہ زمین جو جنگ کر کے فتح کی گئی ہو اور اس کے رہنے والوں کے قبضہ میں چھوڑ دی جائے اور حاکم ان پر احسان کرے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان پر جزیہ مقرر کر دیا جائے اور خراج چاہے وہ اسلام لائیں یا نہ لائیں حنفیہ کے ہاں یہ حکم ہے۔

۲... اسی طرح اگر حاکم نے انہیں جلا وطن کر دیا اور ان کی جگہ دوسروں کو آباد کیا۔

۳...... مسلمان یا ذمی موات کو آباد کریں اور اسے خراجی پانی سے سیراب کریں اور ذمی جب اپنے گھر کو باغ بنا دے۔ حنابلہ کے ہاں: جس نے جنگ کے ذریعہ فتح کی ہوئی زمین کو آباد کیا تو اس پر خراج نہیں جیسے مصر اور عراق کی زمینیں۔ البتہ اگر انہیں ذمی نے آباد کیا تو پھر مطلقاً خراجی ہیں بالاتفاق۔

تیسرا مقصد: آباد کرنے والے اور حریم کی قید...... حریم وہ ہے جس کی ضرورت ہو مکمل نفع اٹھانے کے لیے معمور سے یا عامر کے لئے جس کی ضرورت ہو جیسے کنویں کی حریم گھر کا صحن، راستہ، پانی کا راستہ بستی و دیہات کے منافع مثلاً اجتماع کی مجلس لکڑیاں چننے کی جگہ چراگاہ، گھڑ دوڑ، اونٹ بٹھانے کی جگہ، راکھ وغیرہ ڈالنے کی جگہ۔ تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق حریم پہلے بنانا اور غیر آباد جگہ کو بعد میں آباد کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ حریم آبادی کے تابع ہے یہ مالک نہ ہوگا اس لیے کہ اگر ہم اسے جائز قرار دے دیں تو پھر ہم آبادی والوں کی ملکیت کو باطل کرنے والے ہوں گے۔ اسی طرح جائز نہیں بستیوں کے درمیان کی جگہوں کو آباد کرنا مثلاً راستے شارع عام اور بازاروں میں بیٹھنے کی جگہوں کو اس لیے کہ مذکورہ اشیاء موات نہیں بلکہ آبادی میں سے ہیں نیز اس لیے بھی کہ اگر ہم اس کی ملکیت جائز قرار دیں تو پھر ہم لوگوں کے املاک اور راستوں میں تنگی پیدا کرنے والے ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ مملوکہ چیز کا احیاء جائز نہیں اور ایک اور اعتبار سے آباد کرنے والے کے لیے ایک

اضافی ملکیت ہے جسے شریعت نے برقرار رکھا ہے اور وہ زمین کی حریم ہے جسے اس نے آباد کیا ہے پس اسے آباد کرنے کی وجہ سے جو منافع ضروری ہیں مثلاً گھر کا صحن پانی کا راستہ، کنویں کا حریم وغیرہ بنانے کی اجازت ہے۔ اور وہ دوسروں کو اس سے روک سکتا ہے حریم کے متعلق اس کی اصل مشروعیت اور حقدار کے بارے میں بات ہوگی۔

حریم کی مشروعیت...... حریم کی مشروعیت میں اصل یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنویں کے لیے حریم قرار دی اور چشمے کے لیے بالا جماع حریم ہے اس لیے کہ آپ علیہ السلام نے ہر زمین کے لیے حریم رکھا ہے۔

حریم کی مقدار...... فقہاء کے نزدیک مقدار حریم قریب قریب ہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... جاری چشمے کی حریم: اصح یہ ہے کہ چشمے کی حریم پانچ سو ذراع ہے ہر جانب سے اور ذراع چھ قبضے کا ہے اور ہر قبضہ چار انگل کا ہوتا ہے اور ذراع کہنی سے انگلیوں تک ہے۔ زھری کا قول ہے چشمہ کا حریم پانچ سو ذراع ہیں ہر جانب سے اسی بنا پر حریم والے کے علاوہ کو اس کی مسافت میں کنواں وغیرہ کھودنے سے منع کیا جائے گا اس لیے کہ یہ اس کی ملکیت ہے اور وہ تعدی کرنے والے اور کنواں کھودنے والے کو ضامن بنائے۔

۲۔ کنویں کی حریم...... کنویں کی حریم کنویں کے ارد گرد اونٹ بٹھانے اور ہاتھ سے پانی نکالنے اور اونٹ کے ذریعہ پانی نکالنے کے اعتبار سے مختلف ہے۔ بئر عطن یعنی اوپر بٹھانے کے اعتبار سے کنویں کی حریم ہر جانب سے چالیس ذراع ہیں بالاتفاق حنفیہ کے ہاں جیسا کہ اس پر بعض احادیث دلالت کرتی ہیں لیکن ہیں غریب امام زیلعی نے اسی طرح فرمایا ہے۔

اور بئر ناضح کی حریم بھی چالیس ذراع ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اور صاحبین کے ہاں ساٹھ ذراع ہیں صحیح یہ ہے کہ اس کی حریم ہر جانب سے بقدر ضروری ہے۔

۳۔ قناۃ کی حریم...... یعنی زمین کے نیچے پانی چلنے کی جگہ نالی اس کی حریم کی لیے کوئی مقدار مقرر نہیں کہ اس کو منضبط کیا جا سکے پس اس کی حریم مٹی وغیرہ ڈالنے کی بقدر ہے اور امام محمد سے روایت ہے کہ قناۃ بھی کنویں کی طرح ہے حریم کے اعتبار سے اور بھی کئی آراء ہیں اور ان میں سے میرے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ اس کی حریم حاکم کی رائے پر ہے اس لیے کہ شریعت میں اس کی کوئی تصریح نہیں۔

۴۔ نہر کی حریم...... اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے ہاں: غیر کی ملکیت میں نہر کی کوئی حریم نہیں۔

صاحبینؒ کے ہاں: دونوں جانب سے اس کے لیے حریم ہے اس لیے کہ حریم کا استحقاق حاجت وضرورت کی وجہ سے ہے، اور نہر والا اس کا محتاج ہے جس طرح چشمے اور کنویں والا اس لیے کہ وہ نہر کی دونوں جانب چلنے کا محتاج ہے جیسا کہ کھدائی کے وقت مٹی ڈالنے کی جگہ کا محتاج ہے پھر صاحبین کا اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نہر کا نصف بطن ہر جانب ہے یعنی نصف نہر۔ اور امام محمد کے ہاں ہر جانب سے نہر کا پورا بطن یعنی پورا عرض حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ مٹی وغیرہ ڈالنے کے لیے جتنی ضرورت ہے اتنی حریم نہر کے لیے ہے۔ جب کہ وہ ارض موات میں اسے جاری کرے اور اسی بناء پر اگر کسی دوسرے کی زمین میں نہر ہو تو امام ابوحنیفہ کے ہاں اس کی حریم نہیں جب کہ وہ صرف دعویٰ کر رہا ہو کہ اس کی نہر ہے اس لیے کہ ظاہراً اس کی گواہی نہیں دے رہا، زمین والے کا ساتھ دے رہا ہے اس لیے کہ یہ اس کی زمین کی جنس میں سے ہے اور بات اس کی معتبر ہوگی ظاہر ہے جس کی گواہی دے رہا ہو الا یہ کہ وہ اس پر گواہ پیش کر دے اس لیے کہ یہ خلاف ظاہر کو ثابت کرنے کے لیے ہیں۔

صاحبینؒ کے ہاں اس کے لیے چلنے کا راستہ اور مٹی ڈالنے کی جگہ ہے اس لیے کہ نہر کے لیے یہ ضروری ہے گویا ظاہر اس کے ساتھ ہے۔

ثمرۂ اختلاف..... درخت لگانے کی ولایت زمین والے کو ہے امام صاحب کے ہاں اور صاحبین کے ہاں نہر والے کو ہے۔ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حریم نہر والے کے لیے ہے جب کہ زیادہ نہ ہو۔

۵۔ **درخت کی حریم**..... جو درخت ارض موات میں لگائے جاتے ہیں ان کی حریم ہر جانب سے پانچ ذراع ہیں کہ غیر اس کی حریم میں درخت نہیں لگا سکتا، اس لیے کہ وہ پھل توڑنے کے لیے حریم کا محتاج ہے اور اس میں پھل رکھنے کے لیے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کی حریم پانچ ذراع مقرر کی ہے۔ ❶

مالکیہ کے ہاں: حریم کی مقدار یہ ہے..... کنویں کی حریم زمین سے متصل جگہ اور یہ کنویں کے بڑے یا چھوٹے ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اسی طرح زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے اور یہ زمین کے باطن کو بھی شامل ہے دوسرا اس کا حقدار نہیں کہ وہ ایسا کنواں کھودے جو اس کے پانی کو ختم کردے یا اور اسے لے جائے یا اس کو تبدیل کردے نجاست وغیرہ پہنچا کر جیسا کہ ظاہری زمین کو بھی شامل ہے عمارت اور درخت کے اعتبار اور گھر کی حریم اس کے داخل ہونے اور نکلنے کے اعتبار سے اور ان کے رہنے والوں کی مٹی ڈالنے اور پرنالہ وغیرہ کے لیے۔

فدان کی حریم..... اس کے کنارے، نکلنے اور داخل ہونے کی جگہ ہے۔ (**فدان یعنی قصبہ**)

گاؤں کی حریم..... لکڑیاں چننے اور چراہ گاہ کی جگہ ہے۔

درخت کی حریم..... جس میں عرفاً مصلحت ہو پس درخت والا منع کرسکتا ہے اسے جو اس کے قریب کوئی کام کرنا چاہے جس سے اسے نقصان ہو مثلاً عمارت بنانا درخت لگانا، کنواں کھودنا وغیرہ۔

شوافع کے ہاں..... حریم کی مقدار میں عرف کو دیکھا جائے اس لیے کہ منصوص احکام میں بھی عرف دعادت کا لحاظ ہے اور حریم جیسا کہ گذر انفع اٹھانے کے لیے جتنی جگہ کی ضرورت ہے اگرچہ اصل نفع اس کے بغیر ہی حاصل ہوسکتا ہو۔ چنانچہ آباد ہونے والے گاؤں کی حریم قبضہ گوئی کی مجلس کی جگہ گھوڑے باندھنے کا اصطبل، اونٹ بٹھانے کی جگہ اور راکھ کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ اسی طرح بکریاں چرانے کی جگہ پانی کا راستہ اور بچوں کے کھیلنے کی جگہ۔

موات میں کھودے ہوئے کنویں کی حریم..... پانی نکالنے کے لیے کھڑے ہونے والے کی جگہ حوض، تالاب، جو ہڑ اور جانوروں و آدمیوں کو پلانے کے لیے جگہ ہے۔

پانی پینے والے کنویں کی حریم..... پانی پینے کی جگہ ہے۔

نہر کی حریم..... مٹی وغیرہ ڈالنے کی جگہ عرف کے اعتبار سے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث کی وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کنواں کھودے تو اس کے لیے چالیس ذراع اس کے اردگرد ہیں اس کی بکریوں کے لیے۔

گھر کی حریم..... راکھ ڈالنے کی جگہ کوڑا کرکٹ اور برف پھینکنے کی جگہ اور دروازہ کی طرف سے گذرنے کی جگہ۔

قنات کے کنواں کی حریم..... اتنی جگہ کہ اگر اس میں دوسرا کنویں کھودا جائے تو اس کا پانی ختم ہوجائے یا پانی ختم ہونے کا خوف ہو اور وہ گھر جو دوسرے گھر کے ساتھ بنائے جاتے ہیں ان کی کوئی حریم نہیں اور ہر ایک اپنی ملکیت میں تصرف کرے اگر کسی نے تعدی کی تو وہ ضامن ہوگا۔ حرم مکی کے موات کا احیاء بھی جائز ہے جیسا کہ اس کا آباد کرنے والا اس کی خرید و فروخت کا مالک ہے۔ عرفات، مزدلفہ اور منی کا نہیں ان کا احیاء جائز نہیں کیونکہ عرفات کے ساتھ وقوف کا تعلق ہے اور شعائر حج کی ادائیگی اس اور دوسری جگہوں کے ساتھ اور عام حقوق کی طرح جس

❶..... ابو داؤد۔

طرح راستہ،صحرا میں عیدگاہ، اور پانی کی جگہیں۔

حنابلہ کا مذہب: پرانا کنواں...... کہ جس کا پانی ختم ہو گیا ہو پھر دوبارہ اسے کھودا اس کی تعمیر کی یا اس کا پانی منقطع کر دیا تو آباد کرنے والا اس کا اور اس کی حریم کا مالک ہوگا اور اس کی حریم پچاس ذراع ہے ہر جانب سے اور نیا کنواں اس کی حریم پرانے کنویں کا نصف یعنی پچیس ذراع ہے ہر جانب سے اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جو ابو عبید رضی اللہ عنہ نے اموال میں سعید بن مسیتب سے نقل کی ہے کہ پرانے کنویں میں سنت حریم پچاس ذراع ہیں اور نئے کنویں میں پچیس ذراع اور کھیتی کے کنویں کی حریم تین سو ذراع ہیں۔ چشمہ اور قنات کی حریم پانچ سو ذراع ہیں یعنی ہاتھ، اطلاق کے وقت یہی ذہن میں آتے ہیں اور نہر کی حریم جس کی نہر محتاج ہے مثلاً مٹی ڈالنے کی جگہ اور جس کے مالک بننے سے اس کے مالک کو نقصان ہو اگر چہ زیادہ جگہ کیوں نہ ہو اسی طرح اس میں داخل ہونے کی جگہ۔

درخت کی حریم...... اس کی ٹہنیوں کی لمبائی کی مقدار۔

کھجور کی حریم...... اس کی چھال کی مقدار۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی روایت دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاس کھجور کی حریم کا جھگڑا پیش ہوا تو آپ نے اس کی ٹہنیوں میں سے ایک ٹہنی کا حکم دیا اس سے ناپا گیا تو وہ سات یا پانچ ذراع نکلی اسی کے ساتھ آپ نے فیصلہ فرمایا: زرعی زمین کی حریم اتنی مقدار ہے جتنی کی سیراب کرنے جانور باندھنے، کانٹے ڈالنے اور پانی اگر اضافی ہو اس کو چھوڑنے وغیرہ کی جگہ۔ اس لیے کہ یہ تمام مذکورہ چیزیں اس کے منافع میں سے ہیں۔

گھر کی حریم...... مٹی کوڑا کرکٹ، برف، پانی، پرنالہ اور دروازہ سے گذرنے کی جگہ ہے اس لیے کہ یہ ساری وہ چیزیں ہیں جن کا فائدہ اس کے رہائشی اٹھاتے ہیں اور خوف سے بنائے ہوئے گھر میں جو غیر کی ملکیت میں ہو کوئی حریم نہیں کسی جانب سے بھی اس لیے کہ حریم تو فائدہ اٹھانے کے لیے ہے اور غیر کی ملکیت سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا اس لیے کہ اس کا مالک اس کا زیادہ حقدار ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنی ملکیت میں تصرف کرے اور عادت کی اعتبار سے اس سے نفع اٹھائے اگر کسی نے عادت سے تعدی کی تو اسے منع کیا جائے گا تعدی سے اسی بناء پر اگر کسی نے اپنی زمین میں کنواں کھودا اور اس نے پڑوسی کے کنویں کے پانی کو خشک کر دیا تو اس کنویں کے پانی کو روکنا واجب ہے حنابلہ کے ہاں اور حنفیہ کے ہاں اس پر کچھ نہیں اس لیے کہ زمین کے نیچے موجود پانی کسی کی ملکیت نہیں اور اس کی جملہ میں تصریح ہے۔ (م ۱۲۸۸)

تیسری فصل...... معدنیات، حمیٰ اقطاع کے احکام:

اس میں دو بحثیں ہیں۔ پہلی ۔حمی، دوسری اقطاع اور یہ معدنیات کے احکام کو متضمن ہے۔

پہلی بحث: حمی...... اس کا معنی، اس کی اصل، مشروعیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا امام جو حمی بنادے۔

پہلی بات: حمیٰ کی اصلیت اور معنی...... جاہلیت میں عرب کے رئیس جب کسی سرزمین میں ٹھہرتے تو کتے کو بلند جگہ پر چڑھا کر بھونکاتے تو جہاں تک ہر جانب سے اس کی آواز پہنچتی تو وہ اسے اپنے لیے بطور حمی (چراگاہ) رکھ لیتا اس میں کوئی دوسرا جانور نہیں چرا سکتا تھا، ہاں وہ دوسروں کے ساتھ چرا سکتا تھا اور شرعاً یہ جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں لوگوں پر تنگی ہے اور انہیں ایسی چیز سے روکنا ہے جس میں ان کا حق انتفاع ہے۔ حمی حمی کے معنی میں مصدر ہے اور اس سے اسم مفعول مراد ہے۔ یا اس سے حمایت

اور تحجیر مراد ہے اور شرعاً اس کا معنی ہے کہ حاکم اور امام ارض موات میں اپنے لیے چراگاہ خاص کرلے اور لوگوں کو اس میں موجود گھاس وغیرہ چرانے سے منع کردے ان کے علاوہ وہ اس کے ساتھ خاص مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر نہ کہ اپنے لیے مالکیہ نے شرعی حمی کی تعریف یوں کی ہے کہ حاکم ایک خاص جگہ کو غیر کی حاجت کے لیے حمی بنالے۔

دوسری بات......اس کی مشروعیت: کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں کہ موات کو حمی بنالے تاکہ احیاء موات سے وہ مانع ہو اور اس میں موجود گھاس وغیرہ چرانے سے۔صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور اس کے رسول کے علاوہ کسی کی لیے حمی نہیں۔ ❶

تمام مذاہب میں بالاتفاق اور شوافع کے ہاں بھی امام اور حاکم کے لیے جائز ہے کہ وہ مجاہدین کے گھوڑوں اور جزیہ کی بکریوں اور صدقہ کی اونٹوں اور کمزور بکریوں کے لیے حمی مقرر کرے، دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے (مدینہ سے بیس فرسخ) دور نقیع میں حمی بنائی ❷ اور اس کی تائید عبداللہ بن زبیر والی روایت بھی کرتی ہے کہ اہل نجد میں سے ایک اعرابی (دیہاتی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی اے امیر المومنین ہم اپنے شہروں کے لیے زمانہ جاہلیت میں قتل وقتال کرتے تھے، اور اسلام میں ہم نے امن کیا کیا ہمارے لیے اس میں حمی ہے؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے گردن مبارک اوپر اٹھائی اور اپنی مونچھوں کو تاؤ دینے لگے اور آپ کو جب کوئی چیز ناپسند ہوتی تو اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا کرتے تھے جب اعرابی نے اس حالت کو دیکھا تو دوبارہ گویا ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مال تو اللہ کا مال ہے اور بندے اللہ کے بندے ہیں اگر ہمارے پاس جہاد کے لیے گھوڑے نہ ہوتے تو میں زمین میں ایک بالشت بھی حمی نہ بناتا۔ ❸

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ آپ ہر سال چالیس گھوڑے حمی میں رکھتے تھے۔اور امام بخاری نے فرمایا ہم تک خبر پہنچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نقیع کو حمی بنایا اور عمر رضی اللہ عنہ نے شرف اور ربذہ کے مقام کو حمی بنایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام ھنیا کو حمی کا رکھوالا بنایا اور اس سے کہا اے ھنی! مسلمانوں کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ اور مظلوم کی بددعا سے بچو اس لیے کہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے اور اس میں تیس اونٹ اور چالیس بکروں کم داخل کرو اور ابن عوف اور ابن عفان کے اونٹوں سے اس کو بچاؤ اس لیے کہ اگر ان کے اونٹ مرگئے تو یہ کھجور کھیتی کی طرف متوجہ ہوجائیں گے (کیونکہ امیر ہیں) حریمہ اور علیمہ والوں کی اگر بکریاں مرگئیں تو وہ گواہ لے کر آئیں گے اور کہیں گے: اے امیر المؤمنین! ہم انہیں چھوڑ دیں پانی اور گھاس سونے اور چاندی سے مجھ پر آسان ہے اور اللہ کی قسم وہ سمجھتے ہیں کہ میں نے ان پر ظلم کیا وہ ان کے شہر ہیں جاہلیت میں ان پر لڑتے تھے اور اسلام میں وہ ان پر اسلام لے آئے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر وہ مال نہ ہوتا جس پر ہم جہاد میں سوار ہوتے ہیں تو میں ان کے شہروں میں کبھی بھی حمی نہ بناتا ❹ ابن قدامہ نے فرمایا ❺ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اس لیے کہ جو چیز مسلمانوں کے مصالح کے لیے ہو تو اس میں حاکم وائمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہوتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اللہ تعالیٰ نے جو لقمہ اپنے نبی کو کھلایا تو اس میں سے بعد والوں کے لیے بھی لقمہ رکھا۔رواہ احمد

مالکیہ نے شرعی حمی کی چار شرطوں کے ساتھ اجازت دی ہے۔

۱......لوگوں کو اس کی ضرورت ہو اگر ضرورت نہ ہو تو حمی بنانا جائز نہیں۔

۲......حمی تھوڑی ہو گو زیادہ نہ ہو تھوڑی وہ جس سے لوگوں کو تنگی نہ ہو اور زیادہ وہ جس سے لوگوں کو تنگی ہو۔

۳......حمی خالی جگہ پر ہو جہاں نہ عمارت ہو نہ درخت ہوں۔

---

❶......رواہ البخاری۔ ❷ رواہ احمد و البخاری۔ ❸ رواہ البخاری۔ ❹ ایضًا۔ ❺ المغنی: ۵/ ۵۳۰۔

۴.....حمی کا مقصد اور غرض عام لوگوں کی مصلحت ہو مثلاً جہاد اور اس میں استعمال ہونے والی جانوروں کا چرنا صدقہ کے جانور یا کمزور مسلمانوں کے جانو وغیرہ۔

حاکم کا نائب، حاکم کی طرح ہے، اگر چہ اس کو حاکم نے اجازت نہ بھی دی ہو برخلاف اقطاع کے اس لیے کہ سلطان کے نائب کو اقطاع دینے کی سلطان کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں اس لیے کہ اقطاع سے تملک اور ملکیت حاصل ہوتی ہے اس میں اجازت ضروری ہے برخلاف حمی کے۔

تیسری بات: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امام کی حمی کا حکم...... یہ ہے کہ کسی کو بھی اسے توڑنے یا تبدیل کرنے کا اختیار نہیں جبکہ ضرورت وحاجت باقی ہو کیونکہ یہ منصوص علیہ کی طرح ہے اور جو اس میں سے کسی کو آباد کرے وہ مالک نہ ہوگا اگر ضرورت ختم ہو جائے تو پھر اس بارے میں شوافع اور حنابلہ کے ہاں دو وجہیں ہیں:

ایک وجہ...... میں جائز ہے کیونکہ سبب زائل ہو گیا۔

دوسری وجہ...... جائز نہیں اس لیے کہ جس کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو وہ نص ہے اسے اجتہاد سے توڑنا جائز نہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور حاکم حمی بنائے پھر خود اس کو تبدیل کر دے یا کوئی اور حاکم اسے تبدیل کر دے تو جائز ہے۔ اگر حاکم کے بعد کوئی شخص اسے آباد کرے تو شوافع اور حنابلہ کے اس بارے میں دو قول ہیں: ایک وہ مالک نہ ہوگا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمی کا مالک نہیں ہوتا۔

دوسرا قول مالک ہوگا اس لیے کہ امام کی حمی اجتہاد ہے اور زمین کا آباد کر کے مالک ہونا نص ہے اور نص اجتہاد پر مقدم ہوتی ہے۔

دوسری بحث: اقطاع......اقطاع کی تعریف مشروعیت، اقسام اور ان کا حکم۔

پہلی بات: اقطاع کی تعریف...... بعض غیر آباد (موات) زمینیں بعض خاص لوگوں کو دینا چاہے وہ معدنیات ہوں یا زمین ہو پس یہ بعض لوگ اس کے زیادہ مستحق ہوں گے دوسری کی نسبت بشرطیکہ اس موات کا کوئی مالک نہ ہو۔ یا اقطاع یہ کہ امام کا اللہ تعالیٰ کے مال سے کسی کو اہل اور مستحق دیکھ کر دینا اور اکثر اقطاع کا استعمال زمین میں ہوتا ہے اور یہ کہ اس میں سے نکال کر اسے دے جو اس کی حفاظت کر سکتا ہو یا تو اسے مالک بنادے یا پھر عمری کر دے یا اس کے منافع کو ایک مدت کے لیے اس کو دے دے۔

دوسری بات: مشروعیت...... امام اور حاکم کے لیے جائز ہے کہ وہ ارض موات میں سے ایک حصہ کسی کو ملکیتی طور پر دے دے تا کہ وہ اسے آباد کرے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضر موت میں ایک حصہ زمین الگ کیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ اسے اپنے لیے رکھیں ❶ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھوڑے کی رفتار کی بقدر جگہ دی انہوں نے گھوڑا دوڑایا کھڑے ہونے کی جگہ تک پھر اپنے کوڑا پھینک کر فرمایا اس کو الگ کر لو جہاں تک کوڑا پہنچے ❷ عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنیہ یا مزینہ کے لوگوں کے لیے ایک قطع زمین بطور اقطاع دیا ❸ اور روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانچ صحابہ کرامؓ زبیر، سعد، ابن مسعود، خباب اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کے لیے۔ نافع ابی عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو کہا گیا کہ بصرہ میں ہمارے لئے زمین قبول کر لیں جو خراجی نہیں اور نہ ہی اس سے مسلمانوں میں

❶......رواہ الترمذی۔ ❷ رواہ احمد وابوداؤد۔ ❸ رواہ سعید بن منصور فی سننہ۔

سے کسی ایک کونقصان ہوتا ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو وہ مجھے بطور اقطاع دے دیں میں اس میں جو وغیرہ بوؤں گا اپنے اونٹوں کے لیے تو ایسا کر دیں تو فرماتے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا جیسا یہ کہتے ہیں اگر ایسا ہی ہے تو پھر وہ جگہ ان کو دے دواسی طرح جائز ہے معدنیات کو سرمایہ کاری کے لیے دینا نہ کہ ذاتی ملکیت کے لیے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کو قبیلہ کے معادن دیئے جلس اور غور کے اور قدس میں سے جو جگہ زراعت کی صلاحیت رکھتی تھی اور کسی مسلمان کا حق نہیں دیا۔

تیسری بات: اقطاع کی اقسام: اقطاع کی تین قسمیں ہیں......اقطاع تملیک ،اقطاع استغلال اور اقطاع ارفاق، پھر اقطاع تملیک تقسیم ہوتی ہے فوات اور آباد اور معادن کی طرف اور اقطاع استغلال کی دو قسمیں ہیں،عشر،خراج۔

اقطاع موات کا حکم......حاکم کے لیے تمام آئمہ کے ہاں بالاتفاق جائز ہے کہ وہ آباد کرنے کے لیے اقطاع فوات والا معاملہ کرے اور شہروں کی تعمیر ہواس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کما تقدم اور ابوبکر صدیق ،عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے اس طرح زمین دیں جب امام اور حاکم کسی کو بطور اقطاع زمین دے دے تو مالکیہ کے ہاں وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے اگر چہ اس میں کوئی تعمیر آبادی نہ بھی کرے وہ اسے فروخت کرسکتا ہے، ہبہ کرسکتا ہے اور وہ اس سے وارث ہوگا یہ احیاء نہیں بلکہ تملیک جمہور کے ہاں اقطاع موات کا مالک نہیں ہوگا اس لیے کہ اگر وہ اس کا مالک ہوتو پھر اس کا واپس کرنا جائز نہ ہوتا بلکہ یہ صرف تحجیر والے کی طرح ہے جس نے آبادی شروع کی ہو لہٰذا یہ اس کا زیادہ مستحق ہوگا اگر اس مدت میں اس کو آباد کردے حنفیہ کے ہاں اس کی زیادہ سے زیادہ مدت تین سال ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی وجہ سے کہ پتھر لگانے والے کے لیے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں حاکم کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اتنی مقدار میں بطور اقطاع دے جتنی وہ آباد کرسکتا ہواس لیے کہ اس مقدار سے زیادہ دینا لوگوں کے مشترک حق میں تنگی کرنا ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں اس سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا۔اگر امام اور حاکم نے جتنا علاقہ وہ آباد کرسکتا تھا اس سے زیادہ دے دیا پھر معلوم ہوا کہ وہ اسے آباد نہیں کرسکتا تو امام اس سے واپس لے لے جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے آباد نہ کرسکنے کی صورت میں واپس لے لیا تھا عقیق میں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیا ہوا تھا یہی مراد ہے مصلحت سے جس کی وجہ سے اقطاع جائز ہے اس لیے کہ حکم علت کے ساتھ لگتا ہے،حنابلہ کے ہاں حاکم کو اجازت ہے کہ وہ کسی کو آباد جگہ بطور تملیک دے دے اور انتفاع کے لیے مصلحت کی وجہ سے اسی طرح مال خراج سے بھی اقطاع جائز ہے جیسا کہ مال جزیہ سے جائز ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... حاکم وہ زمینیں جوزبردستی فتح کی گئی ہیں مثلاً مصر،شام،اور عراق کی زمینیں انہیں بطور اقطاع ملکیت کے دینا صحیح نہیں اس لیے کہ یہ ان کے ہاں وقف ہے صرف نفع اٹھانے کے لیے پیسے سکتا ہے رہ گئی وہ زمین جوزیارات کے قابل نہیں اگر چہ درخت وغیرہ لگانے کے قابل ہوتو وہ عقار نہیں بلکہ موات ہے اسے اقطاع کے طور پر ملک کے لیے دے سکتا ہے۔اور وہ زمین جو صلح کے طور پر لی گئی ہوتو حاکم اسے کسی کو اقطاع کے طور پر نہیں دے سکتا کیونکہ وہ اس کے مالکوں کی ملکیت میں ہے۔

۲۔آباد زمین کو اقطاع کے طور پر دینے کا حکم......شوافع اور حنابلہ کے ہاں آبادی میں موجود مسجد وغیرہ کے لیے دینا اور بازاروں میں بیٹھنے کی جگہ اور وسیع راستے بطور انتفاع کے اقطاع کے طور پر دینا جائز ہے اور وہ اس کا مالک نہیں ہوتا بلکہ اس سے اس وقت تک نفع اٹھائے گا جب تک لوگوں کو تنگی نہ ہو اور گذرنے والوں کو نقصان نہ ہو جس نے مذکورہ اشیاء بطور اقطاع لیں تو ان جگہوں پر وہ دوسروں سے زیادہ مستحق ہے بیٹھنے کا اس لیے کہ امام کو نظر اور اجتہاد کی اجازت ہے جب وہ قطعہ اراضی دے دے گا تو اس کا قبضہ اس پر ثابت ہوجائے گا دوسروں کے لیے اس جگہ بیٹھنا جائز نہیں جس طرح اس جگہ یہ ہے پہلے بیٹھنے والے کا حق ہے۔صرف فرق ایک ہے کہ ایسی جگہ پر پہلے بیٹھے والا جب اپنا سامان اٹھا کر وہاں سے منتقل ہوجائے تو اس کا استحقاق ختم ہوجاتا ہے کیونکہ وہ چیز زائل ہوگئی جس کی وجہ سے یہ مستحق ہوا تھا اور اقطاع

میں اس کا استحقاق زائل نہیں ہوتا چاہے سامان منتقل کرنے یا نہ کرے چاہے بیٹھے یا نہ بیٹھے اس لیے کہ یہ امام کے اقطاع کی وجہ سے مستحق ہوا ہے لہٰذا نہ بیٹھنے سے اس کا زائل نہ ہوگا۔

راستے وغیرہ میں بیٹھنے والا اپنے اوپر چٹائی اور چادر وغیرہ کے ذریعہ سایہ کرسکتا ہے ضرورت کی بناء پر اور اس میں کسی کو نقصان نہ ہو لیکن راستے میں کوئی عمارت وغیرہ بنانے کی اسے اجازت نہیں اور نہ مسجد میں کیونکہ اس میں تنگی ہے اور وسیع راستے میں بیٹھنے والے کا اس طرح بیٹھنا کہ جس سے اس کے پڑوسی کو معاملات کرنے والے نظر نہ آئیں جائز نہیں یا اس کے پڑوسی پر کیل، وزن، لینا دینا مشکل ہو کیونکہ حدیث ہے نہ ضرر پہنچے نہ ضرر پہنچایا جائے۔

۳۔معدنیات کے اقطاع اور ملکیت کا حکم......معدن کی تعریف، معدن اور رکاز اور کنز میں فرق معدن کی اقسام اس کی ملکیت کا حکم اور مذاہب میں اس کا قطع زمین سے کھود کرید کر جو کچھ نکلتا ہے وہ یا تو معدن ہے یا رکاز یا کنز (خزانہ)۔

معادن کی تعریف......وہ چیزیں جو زمین کے اندر اپنی خلقت کے اعتبار سے پائی جائیں جیسے سونا، چاندی، پیتل، لوہا اور سیسہ وغیرہ معدنیات ہیں۔

رکاز اور کنز......وہ مال جو کسی نے زمین میں دفن کیا ہو یا کسی ایسے اثر کی وجہ سے دب جائے جو اللہ کی طرف سے جیسے زلزلہ اور سخت قسم کی ہوا وغیرہ کے ذریعے جو شہروں کو مع مال و دولت تباہ و برباد کردے۔ معدن اور رکاز میں فرق معدن زمین کا حصہ ہوتا ہے، اور رکاز زمین کا حصہ اور جزء نہیں ہوتا بلکہ اسے کسی انسان نے دفن کیا ہوتا ہے۔

معادن کی اقسام......حنفیہ کے ہاں معدن کی کئی قسمیں ہیں۔

۱......وہ معدنیات جو پگھل سکتی ہیں ان سے برتن زیور وغیرہ بنایا جاتا ہو یہ سونا، چاندی، لوہا، پیتل اور سیسہ ہیں۔

۲......جو پگھلانے سے نہ پگھلیں۔ جیسے ہیرا، یاقوت، بلور، عقیق، فیروز، سرمہ، ہڑتال وغیرہ۔

۳......بہنے والی معدنیات، جیسے تیل، پٹرول معدنی تیل وغیرہ۔

شوافع اور حنابلہ نے معدنیات کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔

الف: ظاہری معدنیات......وہ ہیں جو ظاہر ہوں اور زمین کے ساتھ ملی ہوئی نہ ہوں جن کے نکالنے اور ان تک پہنچنے میں مشقت نہ اٹھانی پڑے جیسے تیل پڑول نمک سرمہ، فاسفورس وغیرہ

ب: باطنی معدنیات......وہ معدنیات جو نکالنے میں مشقت و پریشانی کا باعث ہوں جیسی سونا، چاندی، لوہا، پیتل اور سیسہ وغیرہ۔

معادن کا حکم حنفیہ کے ہاں...... ❶ معدنیات والی زمین مثلاً جہاں نمک ہو تیل ہو یا وہ چیزیں ہوں جن سے مسلمان مستغنی نہ ہوں یہ زمین ارض موات نہیں لہٰذا امام کے لیے جائز نہیں کے وہ بطور اقطاع کسی کو دے دے اس لیے کہ عام مسلمانوں کا اس میں حق ہے اور اقطاع میں ان کا حق باطل ہوتا ہے جو کہ جائز نہیں ان کی ملکیت اور زکوٰۃ کا حکم آرہا ہے۔ حنفیہ معدن اور کنز وغیرہ میں زکوٰۃ کی مقدار میں فرق نہیں کرے اور رکاز ان دونوں کو خشکی کے اعتبار سے شامل ہے اور یہاں سمندر معادن بھی ہیں۔

پہلی بات: معدن......معدن اگر دارالاسلام میں غیر مملوکہ زمین میں پایا جائے اور وہ پگھل سکتا ہو جیسے سونا چاندی، لوہا، پیتل اور سیسہ وغیرہ چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ تو اس میں بیت المال کے لیے خمس ہوگا جیسے غنیمت میں واجب ہے اور باقی چار خمس اس کے ہیں جو اس پر

❶......البدائع ۲/ ۶۵۔۶۸

مطلع ہوا چاہے وہ جو بھی ہو الا یہ کہ حربی مستامن نہ ہو ورنہ اس سے سارا واپس لیا جائے گا۔

ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے رکاز میں خمس ہے ❶ رکاز معدن کا حقیقی نام ہے اور کنز پر اس کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے اس لیے کہ عرب کہتے ہیں جب کوئی شخص رکاز پائے یعنی سونے کا ٹکڑا جو معدن سے نکالے تو کہتے ہیں ارکز الرجل امام ابو یوسف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رکاز میں خمس ہے، کہا گیا رکاز کیا ہے اے اللہ کے رسول!؟ تو آپ نے فرمایا: جو چیز اللہ تعالیٰ نے زمین کے پیدا کرتے وقت اس میں پیدا کی ❷ ان کے ہاں یہ نص اس بات پر دلیل ہے کہ رکاز کا اطلاق معدن پر ہوتا ہے اور مال مدفون پر بھی۔

ب.....اگر معدن ایسا ہے جو پگھلانے سے نہیں پگھلتا۔ جیسے ہیرا، یاقوت اور تمام قیمتی پتھر تو ان میں خمس نہیں اور یہ سارے کے سارے پانے والے کے ہیں اس لیے کہ یہ زمین کی جنس میں سے ہیں جیسے مٹی، پتھر الا یہ کہ یہ روشن میں اور پتھروں میں خمس نہیں۔

ج.....اور معدن اگر مائع ہو جیسے تیل وغیرہ تو بیت المال کے لیے اس میں کچھ نہیں اور یہ سارے کا سارا پانے والے کا ہے اس لیے کہ یہ پانی کی طرح ہے اور اس سے غلبہ کا ارادہ نہیں ہوتا، اور یہ غنیمت کی طرح بھی نہیں جن میں خمس واجب ہوتا ہے، رہ گیا عقیق تو اس میں خمس ہے اس لیے کہ یہ غیر کے ساتھ جڑتا ہے اگر چہ اکیلا نہیں جڑتا لہٰذا یہ چاندی کے مشابہ ہے۔

د.....اگر معدن مملوکہ زمین میں پائی جانے یا کسی کے گھر دکان وغیرہ میں پائی جائے تو حنفیہ کے ہاں اس بات میں کوئی خوف نہیں کہ چار خمس مالک کے ہوں گے اگر چہ کوئی اور ہی اس کی زمین میں پائے اس لیے کہ معدن زمین کے تابع ہیں کہ یہ زمین کے اجزاء میں سے ہے جو اس میں پیدا کی گئی ہے۔

اور رہ گیا خمس تو وہ بیت المال کے لیے ہے جب کے وہ پگھلانے سے پگھل سکے صاحبین کے ہاں، حدیث متقدم کی وجہ سے کیونکہ فی الرکاز الخمس میں مملوکہ اور غیر مملوکہ زمین کی قید نہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اس میں خمس نہیں۔

دوسری بات: کنز: (الف) اگر اسلامی ہو بایں طور کہ اس پر اسلام کی علامت ہو جیسے مصحف، دراہم جن پر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ہو اور وہ غیر مملوکہ زمین میں پائی جائے جیسے پہاڑ وغیرہ تو وہ لقطہ کی طرح ہے۔ اسے پانے والے پر اس کی تشہیر کرنا واجب ہے پھر اگر فقیر ہے تو اس سے انتفاع اٹھائے اگر امیر ہو تو صدقہ کر دے۔

(ب) اگر وہ غیر اسلامی ہو مثلاً اس پر جاہلیت کی علامت ہو یا کسی گھوڑے وغیرہ کی علامت ہو تو بیت المال کے لیے خمس ہوگا اور باقی چار خمس پانے والے کے لیے ہیں بغیر کسی اختلاف کے۔

(ج).....اگر خزانہ مملوکہ زمین میں ہو تو بغیر کسی اختلاف کے اس میں خمس واجب ہے حدیث سابق کی وجہ سے کہ فی الرکاز الخمس باقی مالک کے لیے ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کا ہے امام ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک امام ابو یوسف کے ہاں پانے والے کا ہے کیونکہ غنیمت ہے وہ اس تک غیر کے علاوہ پہنچا ہو۔

(د).....اگر کنز دار الحرب میں ملے اور ملے بھی غیر مملوکہ زمین سے تو وہ پانے والے کا ہے اور اس میں خمس نہیں اس لیے کہ یہ مال ہے اس نے لیا ہے تو زبردستی اور غلبہ پا کر نہیں لیا اگر مملوکہ زمین میں پایا جائے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے ہاں اس میں بیت المال کے لیے خمس ہے اور باقی مالک کا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ پانے والے کے لیے ہے اس لیے کہ مباح ہے اور اس کی طرف اس کا ہاتھ پہلے بڑھا ہے جیسا کہ دار الاسلام کے لیے ہے۔

---

❶ رواه احمد والائمه السنة. ❷ نصب الراية ۲/۳۸۰.

تیسری بات: سمندر سے نکلا ہوا خزانہ..... جیسے موتی، مرجان، عنبر اور وہ تمام زیور جو سمندر سے نکلتے ہیں امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس میں بیت المال کے لیے کچھ نہیں یہ سارے کا سارا پانے والے کے لیے ہے۔ دلیل وہ روایت ہے کہ ابن عباس سے عنبر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ ایسی چیز ہے جسے سمندر نے باہر پھینکا ہے اس میں خمس نہیں نیز اس لیے بھی کہ کفار کا قبضہ سمندر کے اور ثابت نہیں جس سے موتی اور عنبر نکلتی ہے اور سمندر سے نکلی ہوئی چیز بطور غلبہ نہیں لی گئی لہٰذا غنیمت نہیں اس میں خمس بھی نہیں عنبر مشہور خوشبو ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سمندر سے نکلنے والے تمام جواہرات اور زیورات میں بیت المال کے لیے خمس ہے اور باقی اسے پانے والے یا نکالنے والے کا ہے دلیل یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عامل کو خط لکھا تھا جس نے موتی پائے تھے ان میں خمس ہے، نیز کفار زمین کے مالک ہیں بری اور بحری طور پر ان کے اموال میں سے جو کچھ بھی انہیں ملے گا وہ غنیمت ہے اور غنیمت میں قرآن کریم کی تصریح کے مطابق خمس ہے یہ رائے اتباع کے زیادہ لائق ہے اس زمانے میں ابوعبیدہ نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں ان میں بعض وہ ہیں جو امام ابوحنیفہ اور امام احمد سے منقول ہیں اور ان میں سے عمر رضی اللہ عنہ کا قول عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ سمندری معدن خشکی کی معدن کی طرز میں اگر نصاب کو پہنچ جائیں تو ان میں زکوٰۃ ہے۔

معادن مالکیہ کے ہاں..... معدن رکاز نہیں، رکاز صرف کنز ہے اور معدن جو کچھ سونا چاندی وغیرہ زمین سے نکلے۔ مالکیہ کا مذہب جدید طرز حکومت کے ساتھ معدن کے سلسلہ میں متفق ہے۔

پہلی بات..... معدن کی ملکیت اور اس میں واجب معدن کی ملکیت کی تین قسمیں ہیں۔ اگر غیر مملوکہ زمین میں پایا جائے تو یہ بادشاہ اس کے نائب کا ہے اور نفع اٹھانے کے لیے جس کو بھی مسلمانوں میں سے دے دے تو دے سکتا ہے ملکیت کے اعتبار سے نہیں یا اسے بیت المال میں رکھے عام نفع و مصلحت کے تحت اور جس کی زمین میں پائی جائے اسے کچھ بھی نہیں ملے گا اگر کسی کی مملوکہ زمین میں معدن پایا جائے اور مالک متعین ہو تو یہ بھی بادشاہ ہی کا ہے مشہور قول کے مطابق اور کہا گیا ہے کہ زمین والے کی ہے۔

اگر مملوکہ زمین میں ہو اور مالک متعین نہ ہو مثلاً صلح یا لڑائی سے لی گئی زمین اس میں بھی معتمد قول یہ ہے کہ حاکم اور امام کا ہے اور کہا گیا ہے جس نے اسے فتح کیا اس کا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام معدنیات چاہے جامد ہوں یا مائع اور سائل مالکیہ کے ہاں وہ حکومت کی ہے اس لیے کہ کبھی شریر لوگوں کے قبضہ میں معدنیات آ جاتی ہیں اگر یہ امام کی نہ ہوں تو پھر فتنہ ہی فتنہ ہو۔

معدن میں زکوٰۃ واجب ہے اور وہ ربع عشر ہے یہ بھی جب ہے کہ وہ نصاب کے بقدر ہو ورنہ اس میں کچھ بھی واجب نہیں اور معدن کی زکوٰۃ میں سال گذرنا شرط نہیں بلکہ ملتے ہی زکوٰۃ ادا کرے کھیتی باڑی کے عشر کی طرح۔

دوسری بات..... رکاز اور وہ کنز ہے اس کا حکم پائے جانے والی زمین کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اور اس کی چار صورتیں ہیں۔

پہلی کہ کنز جنگلوں وغیرہ سے ملے اور وہ جاہلیت کے مدفون میں سے ہو تو یہ اسے پانے والے کا ہوگا اور اس میں بیت المال کے لیے مطلقاً خمس ہے چاہے سونا ہو یا اور کچھ تھوڑا ہو یا زیادہ۔

دوسری کہ مملوکہ زمین میں پایا جائے تو یہ پانے والے کا ہوگا اور کہا گیا ہے کہ مالک زمین کا ہوگا۔

تیسری کہ ایسی زمین سے ملے جو لڑائی کی ذریعہ فتح کی گئی ہو تو یہ پانے والے کا ہوگا اور کہا گیا ہے فتح کرنے والوں کا ہے۔

چوتھی کہ ایسی زمین سے ملے جو صلح کے ذریعہ فتح کی گئی ہو اس کے لیے بھی کہا گیا ہے کہ پانے والے کا یا صلح کرنے والوں کا ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ مسلمانوں کا نہ ہو لیکن اگر مسلمانوں کا ہوا تو پھر لقطہ کے حکم میں ہے ایک سال تک اس کی تشہیر کرے اگر مالک معلوم نہ ہو تو پھر بیت المال کے لیے خلاصہ یہ کہ رکاز میں بیت المال کے لیے خمس ہے اور باقی اگر زمین مملوکہ نہ ہو تو پانے والے کا اور اگر مملوکہ ہو تو مالک کا

پھر اس کے ورثاء کا اور مالک بھی اصل ہو جس نے اسے آباد کیا ہو خرید کر یا یہ کے ذریعہ مالک نہ بنا ہوا۔

معادن شوافع اور حنابلہ کے ہاں:.....ان کے ہاں بھی معدن رکاز نہیں، معدن جو زمین میں پیدا ہوا ہو، اور زمین کی جنس سے نہ ہو اور یہ زمین کا جزء ہے اور رکاز: جاہلیت کے دفینے یا کفار کے دفن کئے ہوئے خزانے اور یہ دونوں قسموں میں فرق کرتے ہیں ایک معدن ظاہری اور وہ وہ ہے جو بغیر عمل کی ظاہر ہو جائے اور اسے حاصل کرنے میں کسی قسم کی مشقت نہ اٹھانی پڑے بلکہ صرف اسے حاصل کرنے میں کام کرنا پڑے جیسے تیل پیٹرول، نمک وغیرہ۔ اور دوسری قسم معدن باطنی جس کے نکالنے میں کام اور مشقت اٹھانی پڑے جیسے سونا، چاندی، لوہا، پیتل اور سیسہ وغیرہ۔

۲۔**ظاہری معدنیات**.......ان کو بطور اقطاع کسی بھی آدمی کو دینا جائز نہیں نہ تملیکاً نہ نفع اٹھانے کے اعتبار سے بلکہ یہ تمام لوگوں کا ہے تمام اس سے نفع اٹھائیں اور اور ارض موات میں اگر پایا گیا تو پانے والا اس کا مالک نہ ہوگا شوافع کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں اس لیے کہ چیز یں لوگوں کے درمیان مشترک ہیں چاہے مسلمان ہوں یا کافر جیسے پانی اور گھاس جیسا کہ حدیث میں ہے لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں پانی گھاس اور آگ میں نیز یہ زمین کے اجزاء میں سے بھی نہیں لہٰذا زمین آباد کرنے والا ان کا مالک نہ ہوگا جیسے خزانے کا مالک نہیں ہوتا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بطور اقطاع نمک کی کان دی تو ایک شخص کہنے لگا اے اللہ کے رسول! یہ تو پانی کی طرح جس میں اقطاع نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر نہیں۔

باطنی معدنیات......شوافع اور حنابلہ کے ہاں صرف کھودنے اور ظاہر کرنے کی وجہ سے اس کا مالک نہیں ہوگا ظاہری معدنیات کی طرح اس لیے کہ زمین کو آباد کرنا تو عمارت کی تعمیر کے لیے ہے بغیر عمل کے تکرار کے اس سے نفع اٹھانا ہے، اور معدنیات کو کھودنا تکرار عمل اور تخریب سے ہوگا لہٰذا صرف ظاہر کرنا ملکیت کا سبب نہیں۔

۳۔جس نے ارض موات کو آباد کیا پھر اس کا مالک ہوگا اس میں باطنی معدنیات مثلاً سونا چاندی وغیرہ ملے تو شوافع کے ہاں وہ اس کا مالک ہے، اس لیے کہ زمین کو آباد کرنے کی وجہ سے وہ زمین کے تمام اجزاء کا مالک ہو گیا اور زمین کے اجزاء میں سے معدنیات بھی ہیں برخلاف کنز کے وہ تو وہاں سے نکالنے اور منتقل کرنے کے لیے ودیعت ہوں گے ہیں۔ حنابلہ کے ہاں جس نے ارض موات کو آباد کیا تو وہ اس کا مالک ہو گیا تو وہ جامد معدنیات کا بھی مالک ہے اس لیے کہ وہ زمین کے تمام اجزاء کا مالک ہے اور یہ معدنیات بھی زمین ہی میں سے ہیں لہٰذا اس کی ملکیت میں تابع ہو کر داخل ہے رہ گئے مائع معدنیات مثلاً مٹی کا تیل، تارکول وغیرہ تو ان کے ہاں ظاہر روایت یہ ہے کہ زمین کو آباد کرنے والا اس کا مالک نہیں ہوگا اس لیے کہ لوگ ان میں شریک ہیں حدیث کی وجہ سے کہ لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں پانی گھاس اور آگ میں۔

۴.... جیسے غیر آباد زمین میں ظاہری یا باطنی معدنیات پانے میں اولیت حاصل ہو تو جو کچھ اس نے پایا ہے اس میں وہ اس کا زیادہ حقدار ہے مالک نہیں بنے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کسی ایسی چیز کی طرف آگے بڑھ گیا جس کی طرف کوئی مسلمان نہیں بڑھا تو وہ اس کی ہے۔ رواہ ابوداؤد

خلاصہ......ظاہری معدنیات شوافع اور حنابلہ کے ہاں حکومت و ریاست کی ہیں اور باطنی معدنیات بھی حکومت کی ہیں انہیں ظاہر کرنے والا ان کا مالک نہیں البتہ ارض موات کو آباد کرنے والے کی زمین میں اور باطنی معدنیات ظاہر ہوں تو شوافع کے ہاں وہ ان کا مالک ہے اور حنابلہ کی ہاں صرف ٹھوس اور جامد معدنیات کا مالک ہے مائع کا نہیں۔

۶.....معدنیات اگر سونا چاندی ہوں تو ان میں شوافع کے ہاں ربع عشر واجب ہے اور حنابلہ کے ہاں تمام میں ربع عشر ہے۔

۷۔ اور خزانہ (کنز) جو جاہلیت کا دفینہ ہے تو اس میں بیت المال کے لیے خمس واجب ہے اور باقی اگر مملوکہ زمین میں پایا گیا تو شوا[فع] اور حنابلہ کے ہاں مالک زمین کا ہے ورنہ جس کو ملا ہے اسی کا ہے اور اگر ارض موات میں پایا جائے تو وہ پانے والے کا ہے اور اگر خزانہ اسلامی ہ[و] اور اس کا مالک معلوم ہو تو وہ اسی کا ہے ورنہ یہ لقطہ کے حکم میں ہے اور اسی طرح جب اس کا اسلامی یا جاہلیت کا ہونا معلوم نہ ہو تو یہ بھی مالک کا ہو[گا] اگر معلوم ہو ورنہ لقطہ ہے۔

چوتھی فصل......نفع اٹھانے کے حقوق (حقوق الارتفاق)

اس سلسلہ میں دو بحثوں میں بات ہوگی۔ پہلی بحث: حق ارتفاق کی تعریف، اس میں اور حق انتفاع میں فرق اس کا فقہی وصف اور ا[س] کے عام احکام۔ دوسری بحث: حقوق ارتفاق کی اقسام۔

پہلی بحث پہلی بات: حق ارتفاق کی تعریف...... ارتفاق لغت میں کسی چیز سے نفع اٹھانے کو کہتے ہیں اور شرعی اعتبار سے یہ ملک ناقص (ملک منفعت) کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، یہ عینی حق ہے اور عقار پر مقصور ہے دوسرے کی عقار کی منفعت جو پہلے کی مملوک نہ ہو جیسے پڑوسی کی زمین سے پانی گذارنا یا متعین مصرف میں مصروف پانی کو پھیرنا یا غیر کی زمین سے گذرنے کا حق یا دوسرے کے گھر پر عمارت تع[میر] کرنا (حق تعلی) چاہے وہ زمین جس سے نفع اٹھایا جا رہا ہے وہ عمومی ملکیت کی ہو یا کسی کی خاص ملکیت میں ہو اور قطع نظر اس سے کہ مالک عقاروں ہے اسی وجہ سے حق ارتفاق کو عینی حق کہتے ہیں، اگر دو عقار کسی ایک مالک کی ہوں تو حق ارتفاق ثابت نہیں۔

دوسری بات: حق ارتفاق اور حق انتفاع میں فرق...... ان دونوں حقوق میں سے ہر حق حق عینی ہے شخصی نہیں لیکن ان دونو[ں] میں چند فرق ہیں۔

۱۔ حق ارتفاق عقار کے لیے ثابت ہے اور حق انتفاع آدمی کے لیے مقرر اور ثابت ہے گذرنے کا حق ایک زمین سے دوسری طرف دوسری زمین کے لیے ثابت و مقرر حق ہے اس سے ہر مالک نفع اٹھائے گا اس سے نفع اٹھانا کسی ایک آدمی پر مقصور نہیں اور رہ گیا حق انتفاع تو صرف نفع اٹھانے والے شخص کے ساتھ خاص ہے جب وہ مر گیا تو اس کا حق ختم ہو گیا، برابر ہے چاہے دو زندوں کے درمیان ہو جیسے اجارہ او[ر] عاریت یا ایک زندہ اور مردہ کے درمیان ہو جیسے وصیت اور وقف۔

۲۔ حق ارتفاق ہمیشہ زمین (عقار) کے لیے ثابت مقرر ہے اور حق انتفاع کبھی عقار سے متعلق ہوتا ہے جیسے زمین عاریت کے طور [پر] لی جائے اور کبھی منقولی اشیاء سے متعلق ہوتا ہے جیسے کتاب عاریت پر لی جائے۔

۳۔ حق ارتفاق دائمی ہے کسی وقت ختم نہیں ہوتا اور بالاتفاق تمام مذاہب کے ہاں اس میں میراث جاری ہوتی ہے اور حق انتفاع مؤقت ہوتا ہے وقت کے ساتھ اور نفع اٹھانے والے مرنے سے ختم ہو جاتا ہے جیسے زمین کا نفع اٹھانے والا موصی لہ کے مرنے سے ختم۔

تیسری بات: فقہی وصف۔ حنفیہ کے ہاں حق ارتفاق مال نہیں بلکہ یہ مالی حق ہے مالک کو اس سے نفع اٹھانا جائز ہے چونکہ یہ مال نہیں اس لیے حنفیہ کے ہاں اسے علیحدہ طور پر زمین سے ہٹ کر فروخت کرنا جائز نہیں بلکہ یہ زمین کے تابع ہو کر فروخت کیا جاتا ہے اس کا ہبہ صدقہ کرنا جائز نہیں اس لیے کہ یہ تملیک ہے اور حقوق مجردہ تملیک کا احتمال نہیں رکھتے اسی طرح اس پر صلح جائز نہیں ایسے دعویٰ میں جو مال قصاص وغیرہ سے متعلق ہو۔ اس لیے کہ صلح بیع کے معنی میں ہے اور ان کی بیع جائز نہیں۔ اور عقد نکاح میں اسے مہر بنانا جائز و درست نہیں اس لیے کہ اس میں تملیک ہوتی ہے اور حق ارتفاق تملیک کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس حالت میں مہر مثل واجب ہے۔ جیسا کہ اسے بدل خلع بنا[نا] درست نہیں بایں طور کہ عورت اس پر خلع کرلے اس لیے کہ عوض دینا تملیک ہے اور حق ارتفاق میں تملیک نہیں اس صورت میں عورت پر لیا ہوا م[ہر]

واپس کرنا واجب ہے۔ چونکہ یہ مالی حق ہے اس لیے اس میں میراث میں جاری ہونا ممکن ہے کیونکہ حنفیہ کے ہاں بعض اموال میں اور بعض حقوق مثلاً خیار عیب وغیرہ میں میراث جاری ہوتی ہے اور اس سے نفع اٹھانے کی وصیت کرنا بھی صحیح ہے جیسے کسی شخص کو وصیت کرنا کہ وہ حق شرب سے ایک معلوم مدت اپنی زمین کو سیراب کرے اور وراثت کی طرح وصیت بھی اموال اور حقوق میں صحیح ہے لیکن جب موصی لہ مر جائے گا تو وصیت باطل ہو جائے گی اور حق ارتفاق کے علاوہ زمین فروخت کرنا صحیح ہے اور زمین فروخت کرنے میں حق ارتفاق مثلاً حق شرب (پانی کی باری) داخل نہیں ہوگی الا یہ کہ وہ اس کی وضاحت کرے یا ایسی بات کرے جو اس پر دلالت کرتی ہو مثلاً بائع یوں کہے کہ میں نے زمین اس کے حقوق ومنافع کے ساتھ فروخت کی یا اس کے ارد گرد جو بھی تھوڑا بہت ہے۔

چوتھی بات..... حق ارتفاق کے عام احکام: حق ارتفاق کے عام اور خاص دو طرح کے احکام ہیں احکام خاصہ تو ارتفاق کی اقسام کے ساتھ بیان ہوں گے اور اس کے عام احکام درج ذیل ہیں:

۱..... واجب ہے کہ اس کا استعمال کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچائے اس قاعدے **لاضرر ولاضرار** نہ ضرر پہنچے نہ ضرر پہنچایا جائے پر عمل کرتے ہوئے لہٰذا گزرنے والا غیر کی زمین کو نقصان نہ پہنچائے کیونکہ یہ جائز نہیں اسی طرح جو حق شرب کے ذریعہ اپنی زمین کو سیراب کر رہا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ پانی میں اتنا اسراف کرے کہ اس سے نفع اٹھانے والوں کو نقصان ہو۔

۲..... حقوق ارتفاق یا تو عام املاک میں ثابت ہوں گے یا خاص املاک میں عام املاک مثلاً بڑی نہریں نیل، دجلہ، فرات یا راستے اور عام نفع کی چیزیں پل وغیرہ جو کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں ان میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں حق ارتفاق کی اجازت کے بغیر سب لوگوں کے لیے ثابت ہے۔ اور رہ گئی خاص املاک جو کسی ایک فرد کی ہوں یا کئی افراد کی ہوں ان میں مالک کی اجازت کے بغیر حق ارتفاق ثابت نہیں۔

۳..... جب حق ارتفاق کا سبب معلوم نہ ہو تو اس سے نفع اٹھانے والے کو نفع اٹھانے دیا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ یہ قدیم ہے جو کسی شرعی سبب سے مشروع ہوا ہے اس قاعدے پر عمل کرتے ہوئے البتہ یہ شرط ہے کہ اس سے کسی دوسرے کو نقصان نہ ہو رہا ہو جیسے پاخانہ وغیرہ کی لائن جس سے پڑوسی کے کنویں میں پانی خراب ہو رہا ہو یا کھلا راستہ جو پڑوسی کی عورتیں گذرنے کے لیے ہو تو پھر منشاء ضرر کو زائل کرنا واجب ہے ایک دوسرے قاعدے پر عمل کرتے ہوئے جو پہلے کے لیے قید ہے اور وہ ہے **الضرر لایکون قدیماً** ضرر قدیم نہیں ہوسکتا۔

دوسری بحث: حقوق ارتفاق کی اقسام..... حنفیہ کے ہاں اہم قسم کے حقوق ارتفاق چھ قسموں میں منحصر ہیں اور وہ یہ ہیں حق شرب (پانی کی باری) حق طریق حق مجری (پانی بہنے کی جگہ گذر گاہ) حق مسیل (پانی بہنے کی جگہ) حق تعلّی اور حق جوار حنفیہ کے ہاں ان کے علاوہ دوسرے حقوق اتفاق جاری کرنا جائز نہیں اس لیے کہ ان کے جاری کرنے میں ملکیت میں قید و پابندی ہوتی ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ قید قبول نہ کرے مالکیہ کے ہاں ان مذکورہ ہی میں حقوق ارتفاق محصور نہیں بلکہ ارادہ سے نئے حقوق جاری کرنا جائز ہے مثلاً ایک شخص زمین کے ایک کنارے میں عمارت تعمیر کرنے یا درخت لگانے یا متعین بلندی کے برابر بلند نہ کرنے کا التزام کرے۔

پہلا قصد: حق شرب..... کا معنی پانی کی اقسام ہر قسم کی ملکیت کا حکم پانی سے نفع اٹھانے کے عام احکام اور نہر کھودنی۔

پہلی بات: حق شرب کا معنی..... رب لغوی اعتبار سے پانی کے حصہ اور باری کو کہتے ہیں: صالح علیہ السلام نے فرمایا:

هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ الشعراء ۲۶ ۱۵۵

اس کا اطلاق پانی کے زمانے پر بھی ہوتا ہے اور فقہاء اسے دو معنوں میں استعمال کرتے ہیں، ایک پانی کا حصہ جو کھیتی اور درختوں سیراب کرنے کے لیے ہوتا ہے یہ اکثر فقہاء کے ہاں اور کبھی اس کا استعمال پانی کی باری پر بھی ہوتا یا اس زمانے پر جس میں درخت اور کھیتی سیراب کی

جاتی ہے اور کے ساتھ حق شفعہ بھی ملحق ہے اور وہ حق شرب (شین کے پیش کے ساتھ) وہ پانی جو انسانوں یا حیوانوں کو پینے کے لیے خاص ہو اور اس کا مقصد انسان اور اس کے جانوروں کے پانی پینے کی حاجت پوری کرنا ہے۔

دوسری بات: حق شرب اور حق شفعہ کے اعتبار سے پانی کی اقسام...... ان دونوں حقوق کے اعتبار سے پانی کی چار قسمیں ہیں خاص برتنوں میں محفوظ پانی، چشموں اور کنوؤں کا پانی، نہروں اور خاص نالیوں کا پانی، عام نہروں کا پانی۔

پہلی قسم: خاص برتنوں میں محفوظ وجمع شدہ پانی...... یہ وہ پانی ہے جیسے اس کے مالک نے کسی برتن وغیرہ میں جمع کیا ہو جیسے مٹکا. پانی کا حوض، جو ہڑ وغیرہ اور انہیں میں سے ہیں شہروں میں موجود پانی کے ٹینک جو مشترک ہوتے ہیں پانی کی حفاظت کے لیے اور یہ پانی جس نے محفوظ کیا اسی کی ملکیت میں ہوتا ہے، غلبہ پانے کی وجہ سے جیسا کہ تمام مباح چیزوں کا انسان مالک بن جاتا ہے جمع اور محفوظ کرنے کی وجہ سے، اس پانی سے مالک کی اجازت کے بغیر کسی کو نفع فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں نیز اس کا مالک اسے فروخت بھی کرسکتا ہے اور جس طرح کا چاہے اس میں تصرف کرسکتا ہے ❶ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ الا یہ کہ اس میں جو نکال لیا گیا ہو (تو وہ فروخت کیا جاسکتا ہے) اس حدیث سے خاص کیا گیا ہے وہ پانی جو زیادہ ہو قیاس کے ذریعہ سے کہ لکڑیوں کو جب محفوظ کرلیا جائے تو اسے فروخت کرنا جائز ہے اس حدیث کی وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو لکڑیاں فروخت کرنے کا حکم فرمایا تاکہ وہ بھیک نہ مانگے باوجود اس کے کہ یہ پانی مالک کی ملکیت ہے لیکن مضطر جسے پیاس کی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ ہو اس میں سے پینا اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے لینا جائز ہے اگرچہ بزور بازو ہی لے تاکہ ہلاکت سے بچے اور پانی بھی مالک کی ضرورت سے زیادہ ہو بایں طور کہ اس کی جان بچانے کی لیے کافی ہو اور مضطر کو اور پانی ہی کہیں سے نہ ملے ہاں قیمت ادا کرنا اس پر واجب ہے اس لیے کہ اضطرار غیر کے حق کو باطل نہیں کرتا یا یہ کہ مضطر کا کسی چیز کو لینا ضمان کے منافی نہیں اور بزور بازو لینے میں اسلحہ کے علاوہ اس سے زور آزمائی کرے۔ مثلاً لاٹھی وغیرہ سے اس لیے کہ اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے۔ گویا یہ اس کے لیے تعزیر ہے۔

دوسری قسم: چشموں اور کنوؤں کا پانی...... وہ پانی جسے آدمی اپنے لیے نکالے۔ حنفیہ کے ہاں ❷ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اس کی ملکیت نہیں بلکہ فی نفسہ یہ مباح ہے اور اس میں نکالنے والے کا خاص حق ہے چاہے یہ مباح زمین میں ہو یا مملوک زمین میں اس لیے کہ اصل کے اعتبار سے پانی تمام لوگوں کے لیے مباح ہے نبی علیہ السلام کے ارشاد کی وجہ سے کہ لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں پانی گھاس اور آگ میں اسی وجہ سے اس میں حق شفعہ ثابت ہے نہ کہ حق شرب پہلا کسی خاص شخص سے مختص نہیں بلکہ یہ مستحق کا ہے اور دوسرے لوگوں کا وہ اس سے اپنی ضرورت کے مطابق اپنے پینے اور جانوروں کے پینے اور گھریلو استعمال کے لیے لے سکتے ہیں۔

اگر مالک انکار کردے تو ضرورتمند اس سے جبراً لے سکتا ہے اگر طاقت کا استعمال کرنا پڑے اور اس سے وہ اسلحہ کے ساتھ لڑ سکتا ہے اس لیے کہ کنویں میں پانی مباح ہے کسی کی ملکیت نہیں صرف اتنی شرط ہے کہ ضرورتمند کو اس کے قریب اور پانی نہ ملتا ہو اور محتاج کے حق پر دلیل یہ ہے کہ ایک قوم سفر کررہی تھی وہ ایک پانی پر پہنچے انہوں نے ان پانی والوں سے اپنے پینے اور اپنے جانوروں کے پینے کے لیے جو ہلاک ہونے کے قریب تھے پانی مانگا تو انہوں نے انکار کردیا انہوں نے اس کا تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ان سے کیوں اسلحہ سے لڑائی نہ کی۔ ❸

یہ بات یاد رہے کہ ان دونوں قسموں کا حکم تقریباً قریب قریب ہے فرق یہ ہے کہ پہلی قسم مالک کی مملوک ہے اور دوسری قسم کسی کی مملوک نہیں۔ نیز مضطر پہلی صورت میں بغیر اسلحہ کے لڑ کر پانی لے سکتا ہے اور دوسری صورت میں اسلحہ استعمال کرنا جائز ہے اور اس قسم میں حق ارتفاق

---

❶...... البدائع ۶/ ۱۸۸۔ ❷ البدائع ۶/ ۱۸۸۔ ❸ الخراج لابی یوسف، ص: ۹۷۔

کی صفت بہت واضح طور پر ظاہر ہوگئی ہے۔

شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق ارض موات یا اپنی خاص زمین میں کنواں کھودنے والا اس کا مالک ہے کیونکہ یہ اس کی ملکیت کی بڑھوتری ہے جیسے پھل دودھ وغیرہ نیز شوافع کے ہاں مالک کی ضرورت سے جو زائد پانی ہے اسے کھیتی باڑی اور درختوں کی سیرابی کے لیے صرف کرنا لازم نہیں اور پینے سے اور جانوروں کو پلانے سے جو زائد پانی ہے اسے دوسرے لوگوں کے پینے اور جانوروں کے پلانے کے لیے صرف کرنا واجب ہے صحیحین میں روایت ہے کہ زائد پانی سے اس لیے نہ منع کروتا کہ گھاس سے روکو یعنی جانور کو پانی کے قریب چرنے سے۔ نہ روکو اس لیے کہ جب پانی سے روک دیا تو گھاس سے خود بخود روک دیئے جائیں گے اور مراد اس سے مباح کنویں کا نفع ہے یعنی کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اس پر غلبہ پالے اور لوگوں کو روکے یہاں تک کہ اسے برتن میں نہ بھرے۔

تیسری قسم...... خاص نہروں کا پانی یہ وہ پانی ہے جو نہروں یا چھوٹی چھوٹی نالیوں میں ہو اور بعض لوگوں کی ملک میں ہو اس کا حکم دوسری قسم کی طرح ہے ❶ اس میں ہر ایک کے لیے حق شفعہ ثابت ہے نہ کہ حق شرب ہر انسان کو اختیار ہے کہ وہ ان سے خود اور اپنے جانوروں کا نفع اٹھائے اگر چہ تھوڑا ضرر ہی ہو اس لیے کہ زیادہ ضرر کو کم ضرر سے زائل کیا جاتا ہے لیکن کسی کو یہ اختیار نہیں کہ مالک کی اجازت کے بغیر وہ اپنے زرعی زمین یا درختوں کو سیراب کرے مالک کو اختیار ہے کہ وہ دوسروں کو زمین اور درخت سیراب کرنے سے روکے اس لیے کہ اس پانی اس کا خاص حق ہے اور احناف کے ہاں مالک کے لیے جائز نہیں کہ وہ صرف حق شرب کو فروخت کرے مثلاً ایک دن یا زیادہ دونوں کی پانی کی باری فروخت کر دے اس لیے کہ یہ نام ہے حق شرب اور سیراب کرنے کا اور حقوق اکیلے بیع و شراء کے متحمل نہیں اگر کسی نے زمین حق شرب کے ساتھ فروخت کی تو زمین کے تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہے اس لیے کہ کسی چیز کو غیر کے تابع کرنا جائز ہے اگر چہ مستقل طور پر علیحدہ اسے فروخت کرنا جائز نہ ہو نیز زمین کی بیع میں شرب بغیر وضاحت کے داخل نہیں ہوتی یا ایسے الفاظ ذکر کرے جو اس پر دلالت کریں مثلاً میں نے زمین اس کے حقوق اور منافع کے ساتھ فروخت کی البتہ حنفیہ محفوظ اور معلوم مقدار پانی کی پینے کے لیے بیع کی اجازت دیتے ہیں اسی طرح مالکیہ شوافع اور حنابلہ مملوک پانی کی زمین کی علاوہ فروخت کی اجازت دیتے ہیں البتہ مالک کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ بغیر ثمن کے خرچ کرے البتہ اس پر خرچ کرنے کے لیے زبردستی کرنا جائز نہیں الا یہ کہ کچھ لوگوں کو سخت پیاس ہو اور موت کا خطرہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ انہیں پانی پلائے اور روکنے پر وہ اس سے قتال کریں۔ شوافع نے تصریح کی ہے کہ جو پانی فروخت کیا جائے اس کی مقدار کیل یا وزن کے اعتبار سے ہونا شرط ہے۔

چوتھی قسم: عام نہروں کا پانی...... وہ پانی عام نہروں میں ہے اور کسی کی ملکیت میں نہ ہو یہ تمام لوگوں کا ہے جیسے دریائے نیل، دجلہ، فرات اور اس طرح کی بڑی نہریں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ان نہروں پر کسی کی ملکیت نہیں نہ پانی میں اور نہ پانی بہنے کی جگہ میں بلکہ یہ تمام لوگوں کا حق ہے، ہر ایک کو ان سے نفع اندوز ہونے کا حق ہے خود پینے اور جانوروں کو پلانے کھیتی اور درخت سیراب کرنے اس سے نالیاں نکالنے اور اپنی زمین کی طرف پانی لانے کے لیے آلات نصب کرنا اور اس طرح کے دوسرے وسائل اختیار کرنے کا سب کو حق ہے اور حاکم کسی کو بھی کسی طرح کا نفع اٹھانے سے منع نہیں کرسکتا جب کہ نہر کسی دوسرے یا عام لوگوں کے کسی کے فعل سے نقصان نہ پہنچے جیسا کہ راستوں اور عام منافع کے استعمال کا حکم ہے۔

جب نقصان ہو تو مسلمانوں میں سے ہر ایک کو اسے روکنے کا اختیار ہے اور اسے تصرف سے روکنے کا تاکہ ضرر زائل ہو۔ اس لیے کہ یہ عام مسلمانوں کا حق ہے اور ان کے حق میں تصرف کا مباح ہونا ضرر کے منتفی ہونے کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ عام منافع کے انتفاع میں اس

❶...... البدائع: ۱۸۹/۶ المھذب: ۴۲۷/۱۔

لیے کہ نہ ضرر پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے اور اس بات کی دلیل کہ یہ نہریں کسی کی بھی ملکیت میں نہیں اور ان تمام لوگوں کو مشاع طور پر حق ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں پانی گھاس اور آگ میں۔ اور ایک روایت میں ہے نمک لوگوں کی ان اشیاء میں شرکت شرکت اباحت ہے نہ کہ شرکت ملک کیونکہ اسے ذخیرہ نہیں کیا گیا یہ اس سے نفع اٹھانے میں برابر ہیں اور پانی بھی عام ہے لہٰذا ان کے لیے حق شرب ثابت ہے۔

تیسری بات: حق شرب اور پانیوں سے انتفاع کے عام احکام...... پانیوں سے نفع اور ہونے کے کچھ عام احکام ان نہروں والا نفع اندوز ہونے سے روک سکتا ہے اپنے اوپر سے ضرر و نقصان دور کرنے کے لیے حدیث نبوی **لاضرر ولاضرار** پر عمل کرتے ہوئے اور ضرر میں سے ہے کہ پڑوسی کی زمین کی طرف غیر معتاد طریقے سے پانی بہایا جائے اگر اس نے تعدی کی تو اس پر ضمان ہوگا حنفیہ نے کہا ہے کہ وہ شخص جو اپنی زمین کو پانی سے بھر دے پھر اس سے پانی نکل کر پڑوسی کی زمین کو غرق کر دے یا عام طریقے سے وہ اپنی زمین کو سیراب کرے اور س سے پڑوسی کی زمین کو نقصان پہنچے تو یہ شخص ضامن نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ سبب تو بنا ہے لیکن تعدی کرنے والا نہیں اور اگر سیرابی غیر معتاد طریقے سے ہو تو پھر یہ ضامن ہوگا اسی پر فتویٰ ہے۔ ❶

۲...... نفع اٹھانے والے پر واجب ہے کہ وہ اگر عام راستہ پائے تو اس سے پانی گذار کر لے جائے اور اگر عام راستہ نہ ہو تو پھر خاص راستے والے پر واجب ہے کہ وہ اسے پانی گذارنے کی اجازت دے یا پانی کے ذریعہ اس کی حاجت پوری کرے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے جبکہ ضحاک بن خلیفہ رضی اللہ عنہ نے شکایت کی تھی وہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زمین سے پانی گذار کر لے جانا چاہتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا بخدا یہ پانی ضرور ضرور گذاریں گے۔ اگرچہ آپ کے پیٹ پر سے گذار کر لے جانا پڑے۔ ❷

۳...... حق شرب میں وراثت جاری ہوگی اور اس سے نفع اٹھانے کی وصیت کرنا بھی جائز ہے۔ حتیٰ کہ حنفیہ کے ہاں بھی وراثت جاری ہو گی جو حقوق اور منافع کی وراثت کے قائل نہیں۔ اور زمین کے تابع کر کے اسے فروخت کرنا بھی جائز ہے البتہ مستقل طور پر علیحدہ کر کے حنفیہ کے ہاں فروخت کرنا جائز اور صحیح نہیں۔ **کما اوضحت سابقا** اس لیے کہ اس کی مقدار معلوم نہیں اور مجہول چیز کی بیع جائز نہیں اس لیے کہ اس میں ضرر اور ظلم ہے نیز اس لیے بھی کہ حنفیہ کے ہاں حقوق مال متقوم نہیں ظاہر روایت میں لہٰذا انفرادی طور پر ان کی بیع ہبہ اجارہ صدقہ صحیح نہیں اولیٰ یہ ہے کہ حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کی رائے پر عمل کیا جائے جو حقوق اور منافع میں تصرف کے جواز کے قائل ہیں اس لیے کہ لوگوں کے عرف میں یہ مال متقوم ہے۔

۴...... اگر پانی کسی ایک شخص کی ملکیت ہو تو اسے اس سے جس طرح چاہے نفع اٹھانے کا حق ہے۔ اور اگر پانی کسی مشترک جماعت یا بہت سے لوگوں کا ہو وہ آپس میں انصاف کے ساتھ تقسیم کرتے ہوں یا تو مہایات نے طور پر باری باری بایں طور کہ ایک ایک خاص مدت میں پانی استعمال کرے یا وہ نالیاں وغیرہ نکال کر استعمال کرتے ہوں اور اس کی مساحت تمام کے لیے مناسب ہو۔ یہی شوافع کی بھی رائے ہے اور تقسیم میں برابری کے تقاضا کی وجہ سے اگر ایک قوم کے درمیان نہر مشترک ہو اور وہ حق شرب میں لڑ پڑیں تو پھر ان کے درمیان شرب ان کی زمینوں کی مساحت کے اعتبار سے ہوگی **کمابینت** اس لیے کہ مقصود زمین سیراب کر کے نفع اٹھانا ہے لہٰذا ان کا حق اسی کی بقدر مقرر ہوگا برخلاف راستے کے اس لیے کہ اس کا مقصد تو گذرنا ہے اور وہ تنگی اور کشادگی کی وجہ سے مختلف نہیں ہوتا اور گھر کے وسیع یا تنگ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ مقصود صرف چلنا ہے۔ نیز برابری وعدل کا تقاضا یہ ہے کہ تقسیم کی تبدیلی وغیرہ تمام کی رضامندی سے ہو لہٰذا کی شریک کو یہ جائز نہیں

---

❶...... الدر المختار ۵/۳۱۷۔ ❷ تنویر الحوالک لشرح المؤطا مالک: ۲/۱۸۔

کہ وہ ان کی رضامندی کے بغیر نہر سے نالی نکالے یا اس پر پن چکی لگائے یا پانی نکالنے کا آلہ لگائے یا پل لگائے یا نہر کا منہ کشادہ کرے یا پہلے نالیوں کے ذریعہ پانی تقسیم تھا اب اسے دنوں کے ذریعہ تقسیم کرنا یا اپنے حصہ کو کسی دوسری اپنی زمین کی طرف لے کر جائے جس میں حق شرب نہیں یہ سب اس لیے کہ قدیم کو اپنے قدیم پہ چھوڑا جاتا ہے کیونکہ اس میں حق ظاہر ہے نیز دوسروں کو ضرر سے روکنا ہے جب کہ ان کاموں کے ذریعہ انہیں ضرر اور نقصان ہے۔ ❶

۵..... حنفیہ کے ہاں زمین کے بغیر بھی حق شرب کا دعویٰ کرنا استحسانا درست ہے اس لیے کہ یہ مرغوب چیز ہے اور اس سے نفع اٹھایا جاتا ہے اور اس کا بغیر زمین کے بھی مالک بنا جا سکتا ہے وراثت اور وصیت کے طور اس لیے کہ کبھی زمین حق شرب کے بغیر فروخت کر دی جاتی ہے اور حق شرب ہی باقی رہتا ہے لہٰذا جب کو اس پر غلبہ پانا چاہے تو اپنے اوپر سے ظلم دور کرنے کے لیے اور اپنا حق ثابت کرنے کے لیے گواہوں سے اسے ثابت کرنا صحیح ہے۔

۶..... بارش، سیلاب اور چھوٹی نہروں کے پانی سے لوگ نفع اٹھائیں جس میں بہت سے لوگ ہوں بایں طور کے سب سے اوپر والا پہلے اپنی زمین کو سیراب کرے پھر اس کے قریب والا پھر اس سے قریب والا اسی طرح آخر تک سیراب کریں دلیل حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور میں سیراب کرنے کے لیے سیلاب کے پانی کا فیصلہ فرمایا کہ اوپر والا نیچے والے سے پہلے سیراب اور پانی اپنے کھیتوں کی انتہاء تک پہنچائے پھر وہ پانی چھوڑے اپنے سے نیچے والے کی طرف اسی طرح کریں یہاں تک کہ باغات ختم ہو جائیں یا پانی ختم ہو جائے۔ ❷

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور انصار میں سے ایک صحابہ رضی اللہ عنہ میں حرۃ کی زمین میں ایک چھوٹی نہر کے سلسلہ میں اختلاف ہوا جس سے کھجوریں سیراب کی جاتی تھیں انصاری کہنے لگے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کہ پانی چھوڑ دو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تو دونوں جھگڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنی زمین سیراب کرو پھر پانی اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ، تو انصاری کہنے لگے، کیا اس وجہ سے کہ یہ آپ کے چچا کے بیٹے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، اور آپ نے فرمایا: اے زبیر اپنی زمین کو سیراب کرو یہاں تک کہ تمام زمین انتہاء تک سیراب ہو جائے ❸ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ......النساء: ۴/ ۶۵

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت کی ہے کہ انہیں خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہروز اور مذہب کے سیلاب کے بارے میں فرمایا پانی اپنے باغات وغیرہ کے سیراب کرنے کے لیے روکو پھر اوپر والا نیچے والے کے لیے چھوڑے۔ ❹

چوتھی بات: نہریں کھودنا...... الکری کا معنی ہے نہر کی زمین سے مٹی نکالنا، اسے کھودنا اور اس کے منہ کو درست کرنا، اور اسی سے ملحق ہے پل وغیرہ کی درستگی۔ اور کھودنے کا خرچہ نہروں کی اقسام کے اعتبار سے ہے اور نہروں کی تین قسمیں ہیں۔ ❺

پہلی قسم...... وہ عام نہریں جو کسی کی ملکیت میں نہیں ہیں جیسے فرات، نیل وغیرہ ان کے کھودنے اور درست کرنے کا خرچہ بیت المال سے ہوگا اور اس میں بھی خراج اور جزیہ وغیرہ سے صدقات اور عشر وغیرہ سے نہیں اس لیے کہ یہ عام مصلحت کے لیے ہیں لہٰذا اس کا خرچہ بیت المال کے ساتھ خاص ہوگا حدیث نبوی پر عمل کرتے ہوئے الخراج بالضمان ❻ اگر بیت المال میں کچھ بھی نہ ہو تو حاکم لوگوں کو نہر کی درستگی

---

❶ الدر المختار ۵/ ۳۱۵۔ ❷ رواہ ابن ماجۃ۔ ❸ متفق علیہ۔ ❹ تنویر الحوالک: ۲/ ۲۱۷۔ ❺ تکملہ فتح القدیر ۸/ ۱۴۶۔ ❻ رواہ الخمسۃ۔

پر مجبور کرے اگر چہ وہ اس سے رکیں، ضرر دور کرنے اور عام فائدہ کی غرض سے اسی طرح کے ایک مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم اسے چھوڑ دو تو تم اپنی اولاد کو فروخت کرو۔اور وہ امیر اور مالدار جو خود نہر درست نہیں کر سکتے ان کے ذمہ اس کا خرچہ ہوگا جیسا کہ لشکر تیار کرنے میں ہوتا ہے۔اور جو لوگ کام کر سکتے ہیں انہیں کام پر مجبور کیا جائے گا اور ان کا خرچہ امیروں پر ہوگا۔

دوسری قسم...... وہ عام نہر جو چند لوگوں کے درمیان مشترک اور مملوک ہو یہ من وجہ عام ہے اور من وجہ خاص ہے اس کی درستگی کا خرچہ اس کے رہنے والوں پر ہوگا اس لیے کہ حق بھی ان کا ہے اور اس کا فائدہ بھی خاص طور پر ان کی طرف لوٹتا ہے لہٰذا اس کی درستگی ان کے ذمہ ہے کیونکہ فائدہ اٹھانے والے پر ضمان ہے اور جو ان میں سے انکار کرے تو اسے خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے گا وہ عام ضرر جو شرکاء کو ملحق ہو رہا ہے اس کو دور کرنے کے لیے۔اور مملوک اس طور پر کہ مقاسم اور تقسیم کے تحت داخل ہو، عام اور خاص، خاص وہ تیسری قسم ہے جس میں خاص گروہ شریک ہو اور عام جو ایک غیر محدود جماعت کی ملک میں ہو۔

تیسری قسم...... وہ مملوک نہر جو خاص گروہ کی ہو اس کا خرچہ بھی اس کے شرکاء پر ہے۔اس لیے کہ اس کا نفع بھی انہیں کی طرف لوٹتا ہے، لیکن اگر یہ سارے اسے ٹھیک کرنے سے رک جائیں تو ان پر حاکم زبردستی نہیں کرے گا، جیسا کہ اپنے گھر اور زمین کی اصلاح نہ کرنے والا اگر بعض انکار کریں اور بعض نہ کریں تو کہا گیا ہے کہ انکار کرنے والے پر زبردستی کی جائے گی اس لیے کہ نفع سب کا ہے اور کہا گیا ہے کہ زبردستی نہ کی جائے گی اس لیے کہ زبردستی کرنے میں اس کا نقصان ہے اور شرکاء سے نقصان دور کیا جا سکتا ہے اس کے حصہ کو خرید کر جب کہ قاضی کے حکم سے درستگی واصلاح کی گئی ہو۔

شرکاء کس طرح کھودیں اس میں اختلاف ہے، جب نہر کی درستگی کی ضرورت ہو ایسی جگہ جہاں سے اوپر کچھ نہ ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مشترک کے کھودنے کا خرچہ اوپر والے شرکاء پر ہے جب ایسے شخص کی زمین سے متجاوز ہو جائیں جس کے کھودنے کی ضرورت نہیں تو وہ کھودنے کے اخراجات سے بری ہو جائے گا اس لیے کہ کھودنے کا مقصد سیراب کرنے کا نفع اٹھانا ہے، اور وہ اوپر والے کو حاصل ہو گیا اس پر دوسرے کا نفع لازم نہیں۔

صاحبینؒ کے ہاں کھودنا تمام شرکاء پر ہے شروع سے آخر تک شرب اور زمینوں کے حصص کے اعتبار سے اس لیے کہ اوپر والے کا نیچے والے میں حق ہے کیونکہ اضافی پانی بہانے میں وہ اس کا محتاج ہے اور یہ رائے میرے اندازے کے مطابق معقول ہے اور حنفیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ درستگی جب نہر کے اوپر سے ہو تو اس کے اخراجات تمام شرکاء پر ہیں کیونکہ اس کی درستگی پر تمام کا نفع موقوف ہے۔

دوسرا مطلب: حق شفہ...... حق شفہ حق شرب کے ساتھ ملحق ہے اور ان کے احکام ایک ہی طرح کے ہیں کچھ فرق کے ساتھ۔حق شفہ کا معنی وہ پانی سے انسان کے پینے اور گھریلو استعمال مثلاً کھانا پکانا غسل وغیرہ کا فائدہ اٹھانا ہے نیز جانوروں کو بلانا تا کہ ان کی پیاس بجھ جائے یا انسان کی ضرورت ہے پانی خود استعمال کرنے جانوروں کو بلانے اور گھریلو فوائد حاصل کرنے کا نام ہے۔اس کے احکام پانی کی اقسام کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہیں۔اور پانی کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم...... سمندروں کا پانی ان میں ہر ایک کو حق شفہ اور زمین کو سیراب کرنے کا حق ہے وہ جس طرح بھی فائدہ اٹھائیں اس لیے کہ یہ کسی کی ملکیت میں نہیں اور سمندر سے فائدہ اٹھانا ایسے ہی ہے جیسے سورج چاند اور ہوا سے فائدہ اٹھانا۔

دوسری قسم...... بڑی نہروں (دریاؤں) کا پانی جیسے فرات، دجلہ، نیل سیحون اور جیحون وغیرہ کا پانی اس میں بھی تمام لوگوں کو مطلق حق شفہ ہے اور زمینوں کو سیراب کرنے کا حق ہے کیونکہ یہ اصل کے اعتبار سے مباح ہیں ہر انسان کو ان سے پینے اور سیراب کرنے کا حق ہے جبکہ

لوگوں کو اس سے نقصان نہ ہو اس لیے کہ ان سے ضرر دور کرنا واجب ہے نیز مباح چیز سے نفع اٹھانا اسی وقت جائز ہے جب اس سے کسی ایک کو نقصان نہ ہوتا ہو جیسے بند خراب کرنا اور اس کا منہ توڑنا جس سے بستیاں اور زمینیں غرق ہو جائیں۔

تیسری قسم...... چھوٹی مملوکہ نہروں کا پانی جو کسی خاص قوم کے درمیان مشترک ہو فقہاء کے ہاں اسے ماء القاسم" کہتے ہیں اس میں بھی ضرورت کی بناء پر بھی حق شفہ ثابت ہے اس لیے کہ پانی میں اصل لوگوں کا شریک ہونا ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں پانی گھاس اور آگ میں نیز ہر جگہ پر پانی پہنچانا مشکل ہے اور لوگ اس کے محتاج ہیں اگر انہیں اس سے منع کر دیا جائے تو پھر عظیم حرج ہوگا۔

لیکن اگر پانی کسی مملوکہ نہر یا کنویں کا ہو کسی مملوکہ زمین میں تو زمین والا اپنی زمین میں داخل ہونے سے انہیں منع کر سکتا ہے، جب کہ کہیں قرب وجوار میں پانی موجود ہو۔ اگر کہیں پانی موجود نہ ہو یا تو وہ اسے پانی خود نکال کر دے دے یا پھر اسے چھوڑ دے کہ وہ خود اس سے پانی نکال دے اس شرط کے ساتھ کہ کنویں یا نہر کی کسی جانب ٹوٹنے نہ پائے اس لیے کہ مضطر کے لیے نہر کنویں یا حوض وغیرہ میں ضرورت کے وقت حق شفہ ہے اگر زمین کے مالک نے اسے روک دیا وہ خود یا اس کا جانور پیاس کی حالت میں ہو تو اسے اجازت ہے کہ وہ اسلحہ کے ساتھ اس سے لڑے تا کہ ایسے آپ کو ہلاک ہونے سے بچائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سابقہ ارشاد کی وجہ سے **ھلا وضعتم فیھم السلاح**۔

نیز مالک زمین اسے حق شفہ سے روک کر اس کا اتلاف کر رہا ہے جب کہ یہ اس کا حق ہے اس لیے کہ کنویں اور نہر وغیرہ کا پانی مباح ہے کسی کی ملکیت نہیں۔ اصح یہ ہے کہ لوگ اس پانی سے لے سکتے ہیں اور اسے وضو غسل اور کپڑے دھونے کے لیے لے جا سکتے ہیں، اس لئے کہ ان سے روکنا دنائت ہے آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ عمدہ امور کو پسند فرماتے ہیں اور غیر مہذب اور ناشائستہ چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں اور اصح یہ ہے کہ دختوں اور سبزیوں وغیرہ کے لیے پانی لے جانے سے مالک زمین روک سکتا ہے" اسی طرح جب تمام پانی پر حق شفہ ہو۔ مثلاً چھوٹی چھوٹی نالیاں نکالی ہوتی ہوں اور اس پر زیادہ جانور رہوں تو اکثر فقہاء کے ہاں مالک کو روکنے کا حق ہے اس لیے کہ اس سے اسے نقصان ہوگا۔

چوتھی قسم...... برتنوں میں محفوظ پانی یہ جمع کرنے والے کی ملک میں ہے اس سے کوئی بھی نفع اٹھانے کا حقدار نہیں الا یہ کہ مالک اجازت دے دے لیکن وہ شخص جو مضطر ہو اور پیاس کی وجہ سے اسے ہلاکت کا خوف ہو اور سے اس محفوظ پانی کے علاوہ پانی نہ ملتا ہو تو اسے اختیار ہے کہ وہ ملک سے پانی لے لے اگر چہ طاقت کا استعمال ہی کرنا پڑے لیکن اس میں اسلحہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں جب کہ پانی مالک کی ضرورت سے زیادہ ہو۔

تیسرا مقصد: حق مجری (پانی بہا کر لے جانے کا حق) اس کی تعریف اور احکام:

تعریف...... یہ دور کی زمین کے مالک کا حق ہے اپنی زمین کی طرف اسے سیراب کرنے کے لیے پانی لے جانا کبھی تو پانی بہانے کی جگہ زمین والے کی اپنی ہوتی ہے اور کبھی زمین والے کی ہوتی ہے او کبھی دونوں کی ہوتی ہے اور کبھی بہت سے لوگوں کے درمیان مشترک ہوتی ہے۔

اس کے احکام...... شریعت میں جو عام حکم ہے وہ یہ ہے کہ زمین والے کو اپنی زمین سے پڑوسی کو پانی گذارنے سے منع کرنا جائز نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گزشتہ ارشاد پر عمل کرتے ہوئے کہ جب پڑوسی کو زمین سے پانی گذارنے سے منع کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ پانی گذارے گا اگر چہ تمہارے سینے پر ہی سے گذار کر لے جائے اسی طرح مالک زمین کو یہ اختیار نہیں کہ وہ پانی گذارنے کی جگہ کو تبدیل

کرلے الّا یہ کہ تمام لوگ راضی ہوں اوران سب کواس کی تبدیلی میں حق ہے اوراس سے پانی لے جانے سے روکنا اسے گہرا کرنا اس کی کناروں کومضبوط کرنا سب کا حق ہے جیسا کہ مالک زمین کواس کی اصلاح درستگی کے مطالبہ کا حق ہے۔

جب مجری ایک جماعت کے درمیان مشترک ہوتو ان میں سے کسی ایک کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اسے بند کرے، ہاں اگر سب اس بات پر رضامند ہوں کہ ہرایک اپنی باری پر بند کرے تو یہ الگ بات ہے اگر وہ بند کرنے سے روکیں تو پھر سے کسی چیز کے ذریعہ اپنی زمین پانی لے جانے کی اجازت ہے۔[1]

تمام شرکاء کی رضامندی کی دلیل قاعدہ ہے کہ خاص ضرر عام ضرر کودور کرنے کے لیے برداشت کیا جائے گا حق مجری اگر کسی کی زمین میں قدیم سے ہوتواس کواپنی حالت پر چھوڑا جائے گا اس قاعدے قدیم اپنی حالت پر رہے گا پرعمل کرتے ہوئے اور ہمیشہ رہے گا الا یہ کہ مالک زمین کونقصان ہورہا ہوتو ہواس قاعدے ضرر قدیم نہیں ہوتا پرعمل کیا جائے گا۔

اگر نیا پانی گذارنے کا راستہ بنانا چاہیں اگر وہ عام راستہ ہے تو پھر سلطان کی اجازت سے اسے بنایا جائے گا ضرر دور کرنے اور عام مصلحت کے تحقیق کے لیے۔

اگر کسی کی مملوکہ زمین ہوتو پر مالک کی اجازت سے بنایا جائے اگر اس سے کوئی ضرر نہ ہوتو پھر مالک اسے منع نہیں کرسکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد پرعمل کرتے ہوئے:

والله يمرن به ولو على بطنك

چوتھا مقصد: حق مسیل ......تعریف اور احکام: حق مسیل، ضرورت سے زائد پانی کے تصرف کا حق یا بے فائدہ پانی کودوسرے عام راستے کی طرف لے جانا کسی سطحی، یا پوشیدہ راستہ کے ذریعہ چاہے زمین میں ہو یا گھر اور فیکٹری کا اس میں اور حق مجری میں فرق یہ ہے کہ حق مجری صحیح پانی کوزمین کے لیے لانا اور حق مسیل غیر مفید پانی کوزمین گھر وغیرہ سے دور کرنا۔

مسیل کبھی تو منتفع بہ کا مملوک ہوتا ہے اور کبھی مالک زمین کا ہوتا ہے اور بھی عام راستہ ہوتا ہے جب پڑوسی کی زمین سے مسیل بنانا متعین ہوجائے تو اس کے مالک کواس سے روکنا یا جھگڑا کرنا جائز نہیں الا یہ کہ اس پر واضح ضرر ہواور یہ حق ہمیشہ رہے گا اگرچہ اس زمین کی صفتتبدیل ہوجائے مثلاً پہلے زمین زرعی تھی اب وہ گھر یا فیکٹری بنادی گئی۔ اگر حق مسیل قدیم: د تو وہ اپنے حال پر باقی رہے گا جب کہ عام یا خاص مصلحت کو نقصان نہ ہوتو اس وقت اس کا ازالہ واجب ہوگا اس لیے کہ ضرر کو زائل کیا جائے گا'' اور ضرر کے قدیم ہونے سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔

اس لیے کہ ضرر قدیم نہیں ہوتا مسیل کی درستگی کے اخراجات نفع اٹھانے والے پر ہوں گے جب کہ اس کی ملکیت میں ہواور اگر عام زمین میں ہوتو درستگی کے اخراجات بیت المال پر ہوں گے۔

پانچواں مقصد: حق مرور (گذرنے کا حق) ......تعریف اور احکام، حق مرور، یہ ہے کہ انسان اپنی مملوکہ زمین یا گھر میں کسی راستے سے گزر کر پہنچے چاہے عام راستہ ہو یا خاص۔

اس کا حکم راستے کی اقسام کی اعتبار سے مختلف ہے:

ا......اگر راستہ عام ہوتو پھر ہر انسان کواس سے نفع اٹھانے کا حق ہے، اس لیے کہ یہ مباحات میں سے ہے چاہے گذریں یا اس سے کوئی راستہ بنائیں یا چبوترہ نکالیں نیز جانور کھڑے کرنا گاڑیاں کھڑی کرنا خرید وفروخت کے لیے جگہ بنانا اس میں صرف دو شرطیں ہیں: پہلی شرط سلامتی ہواور کسی دوسرے کا کوئی نقصان نہ ہو اس لیے کہ ''لاضرر ولا ضرار'' دوسری شرط اس میں حاکم کی طرف سے اجازت ہو۔ اگر

[1]......البدائع: ۶/ ۱۹۰۔

گذرنے والا نقصان پہنچائے یا دوسرے نفع اٹھانے والوں کو نقصان ہو مثلاً گذرنے سے روک دے اگر چہ اس کے اس فعل سے نقصان نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے ہاں حاکم کی اجازت سے جائز ہے اور صاحبین کے ہاں اجازت شرط نہیں جیسا کہ میں حق تعلی میں بیان کروں گا شوافع اور حنابلہ کے ہاں بھی حاکم کی اجازت شرط نہیں۔

مالکیہ کے ہاں اگر کسی نے مسلمانوں کے راستے میں کوئی عمارت بنائی یا اپنی ملک سے راستہ میں کسی چیز کا اضافہ کیا تو بالاتفاق اسے اس سے روکا جائے گا۔ شوافع کے ہاں راستہ میں ایسا تصرف کرنا جس سے گذرنے والوں کو تکلیف ہو جائز نہیں اس لیے کہ اس میں تمام مسلمانوں کا حق ہے اس میں روشندان یا دو دیواروں پر چھت بنانا جائز نہیں جس سے تمام لوگوں کو نقصان ہو۔ اگر راستہ خاص ہو تو اس سے نفع اٹھانے کا حق اس کے مالک رہنے والے یا اس میں مشترک لوگوں کو ہے اور کسی غیر کو اختیار نہیں کہ وہ اس میں دروازہ یا راستہ بنائیں اور جب شارع عام میں رش ہو تو اس خاص راستے سے گزرنے کا تمام لوگوں کا حق ہے اس کے مالکوں کو اسے بند کرنے یا ختم کرنے کا حق نہیں عام لوگوں کے حق کے احترام کی وجہ سے۔ اسی طرح اس راستے والوں میں سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کر وہ اس سے غیر معروف طریقے سے نفع اٹھائیں ہاں اگر سارے راضی ہوں پھر ایسا کیا جا سکتا ہے یہاں تک کہ ان میں سے کسی ایک سے خریدنے والے کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ ان کی اجازت کے بغیر اسی طرح کوئی کمرہ یا چبوترہ یا نالہ بنائے۔

چھٹا مقصد: حق تعلی کی تعریف اور مالک اعلیٰ اور اسفل کے اس میں تعریف کا حکم:

حق تعلی ...... یہ ہمیشہ کا اقرار یا اوپر والے طبقہ کا نیچے والے طبقہ سے ربط اور تعلق اور اس کی چھتوں سے فائدہ اٹھانا جیسا کہ آج کل مشترک منزلوں میں ہوتا ہے۔ یہ حق اوپر والے کے لیے ہمیشہ سے ثابت ہے اور اوپر والے کے لیے حق بقاء اور قرار ہے نیچے والوں پر اور حنفیہ کے ہاں وہ اس کی چھت کا مالک نہیں ہوگا اس کا حق اس کا منہدم ہونے یا نیچے والی منزل کے منہدم کرنے سے ختم نہیں ہوتا اور یہ حق برقرار رہتا ہے اور اس میں وراثت بھی جاری ہوگی۔

مالکیہ کے ہاں ...... جو چھت ان دو منزلوں کے درمیان ہوتی ہے وہ نیچے والی کی ہے لہٰذا اگر وہ منہدم وغیرہ ہو جائے تو اس کا بنانا اور اس کی درستگی نیچے والے پر ہے۔ اور اوپر والے کو اس پر بیٹھنا جائز ہے جس طرح حنفیہ کے ہاں ہے۔

شوافع کے ہاں ...... یہ چھت دونوں کے درمیان مشترک ہے جیسے کہ دیوار دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہوئی ہے کیونکہ اس سے فائدہ حاصل کرنے میں دونوں شریک ہیں اس لیے کہ یہ نیچے والے کے لیے پردہ ہے اور اوپر والے کے لیے زمین ہے اور اوپر والا اس پر سہارا لے سکتا ہے اور ان میں سے کسی ایک اس میں کیل لگانے یا روشندان کھولنے کی اجازت نہیں ہاں اگر ایک دوسرے کو اجازت دے دے تو یہ الگ بات ہے اور اوپر والا عادی طریقے سے اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اور جب مشترک چیز منہدم ہو جائے تو ایک دوسرے کو اس کی تعمیر پر مجبور پر نہیں کر سکتا اس لیے کہ ضرر ضرر سے زائل نہیں ہوتا، اور حنفیہ کے ہاں مستقل طور پر علیحدہ حق تعلی فروخت نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس کا فروخت کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ یہ مال نہیں اور حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کے ہاں اس کو مستقل طور پر فروخت کرنا جائز ہے اس لیے کہ منافع ان کے ہاں مال ہیں یہی رائے معقول اور عقلاً عرفاً اور فقہاً صحیح ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا صاحبینؒ سے تصرف کے حوالے سے اختلاف ہے علوم سفل والے مسئلہ میں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مالک کے اپنی ملک میں تصرف اگر اس سے غیر کا حق متعلق ہو تو ممنوع ہے اس لیے کہ یہ ایک ایسے محل میں تصرف ہے جس کے ساتھ غیر کا

حق متعلق ہے لہٰذا پڑوسی کے لیے اپنی ملکیت میں تصرف کرنا اس کی رضامندی کے بغیر درست نہیں اگر چہ اس تصرف سے نقصان نہ بھی ہوتا ہو اسی بناء پر نیچے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی عمارت میں تبدیلی کرے مثلاً کیل لگانا روشندان کھولنا یا دیوار بلند کرنا وغیرہ۔ ہاں اگر اوپر والا اجازت دے دے اسی طرح اوپر والا ایسی عمارت نہیں بنا سکتا جس سے نچلی منزل کمزور ہو۔

صاحبینؒ کے ہاں...... پڑوسی کے تصرف میں اصل اباحت ہے اس لیے کہ یہ اپنی ملکیت میں تصرف ہے اور ملکیت مطلق تصرف کا تقاضا کرتی ہے جس طرح مالک چاہے الا یہ کہ اس کی وجہ سے دوسرے کو نقصان ہو، تو اس صورت میں مالک کو اس سے منع کیا جائے گا اور اس بناء پر نچلی منزل والے کو اجازت ہے کہ ایسا کرے جس سے اوپری منزل کو نقصان نہ ہو۔

یہی رائے معقول ہے اور میرے اندازے میں اصح یہی استحسان اور حنفیہ کے ہاں مفتی بہ ہے۔

ساتواں مقصد: حقِ جوار...... تعریف، پڑوسی کا اپنی ملکیت میں تصرف کرنا۔ حق جوار سے مراد قریب کی جوانب کا حق ہے جو حدود کے ملنے اور اڑوس پڑوس ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے پڑوسیوں میں سے ہر ایک کو اپنے پڑوسی کی عقار سے نفع اور فائدہ اٹھانے حق ہوتا ہے جب کہ پڑوسی کو ضرر فاحش لاحق نہ ہو۔

جس چیز سے پڑوسی کو تکلیف ہو اس سے بچنا دیانۃً واجب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ رہے [1] اس کے ساتھ ساتھ فقہاء کی آراء ہیں پڑوسی کو ضرر نہ پہنچانے کے سلسلہ میں۔ [2]

امام ابوحنیفہ، شوافع اور ظاہریہ کے ہاں...... مالک کو اختیار ہے وہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور اپنی ملکیت میں تصرف کرنے میں آزاد ہے اگر چہ دوسرے کو ضرر ہی ہوا سے جو چاہے راستے بنائے جو دیواریں چاہے گرا دے اور جہاں چاہے کنویں کھودے جس قسم کی چاہئے فیکٹریاں کھولے اور جس قسم کے رہائش مکانات اور تجارتی مرکز بنائے۔

شوافع کے جدید قول کے مطابق مشترک دیوار میں دو شریکوں میں سے کسی ایک کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر شہتیر کھے اور نہ ہی اس میں کیل لگا سکتا ہے نہ روشندان وغیرہ نکال سکتا ہے جس سے دوسرے شریک پر تنگی ہو اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی سامان رکھ سکتا ہے اس لیے کہ یہ اور دوسرے اس دیوار سے فائدہ اٹھانے میں اجنبی ہیں اس لیے کہ مالک کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا اور نہ اس پر تنگی کی جائے گی بلکہ اس سے وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے اگر چہ مالک منع ہی کر رہا ہو۔

صاحبینؒ کے ہاں مالک کا اپنی عقار وغیرہ کا تصرف مقید ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس سے پڑوسی کو کوئی بڑا نقصان نہ ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاضرر ولا ضرار نہ ضرر پہنچے نہ ضرر پہنچایا جائے، حنفیہ کے ہاں یہی مفتی بہ ہے۔

واضح ضرر یہ ہے کہ جو پڑوسی کی عمارت کے گرنے کا سبب بنے یا جس سے اس کی عمارت کمزور ہو یا پڑوسی کو ہمیشہ اکیلے کوئی تکلیف پہنچے یا جس کی وجہ سے وہ حق انتفاع سے محروم ہو جائے یعنی ضروریات اصلیہ سے وہ رک جائے مثلاً اس کے گھر کے درمیان کوئی فیکٹری، پن چکی، حمام، تنور یا ایسی دیوار وغیرہ بنائے جن کی وجہ سے روشنی اس کے گھر میں داخل نہ ہو سکے۔

جب یہ کام وہ کرنا چاہئے تو اسے روکا جائے گا یا اس کو ختم کرنے کا اسے کہا جائے گا نیز اس سے پڑوسی کا جو نقصان ہوگا اس کا یہ ضامن ہوگا چاہے مباشر ہو یا صرف سبب سے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں...... مالک کا استعمال اور تصرف اس شرط سے مقید ہے کہ اس کے ذریعے دوسروں کو نقصان نہ ہو اگر چہ

---

[1] ......مسلم۔ [2] البدائع ۲۶۴/۶۔

نیت وارادہ سے ہو اگر اس کے تصرف میں کوئی ظاہری مصلحت نہ ہو یا وہ دوسروں کے ضرر کے درپے ہو تو اسے روکا جائے گا اس لیے کہ مسلمان کو نقصان پہنچانے سے رکنا ضروری ہے۔

لیکن مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ کوئی آدمی اگر اپنی عمارت بلند کرنا چاہے جس سے پڑوسی کے گھر سورج کی روشنی نہ جا سکے تو اسے منع نہیں کیا جائے گا لیکن اگر اس سے ہوا بند ہو جائے تو اسے روکا جائے گا اور مالکیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پیدا ہونے والے مختلف قسم کے نقصان سے اسے روکا جائے گا۔ مثلاً روشندان یا ایسا طاقچہ بنانا جس سے پڑوسی کے گھر میں نظر پڑے تو اسے بند کرنے اور پردہ لٹکانے کا حکم دیا جائے گا یا کوئی شخص اپنے گھر میں حمام یا لوہار کا کام یا کوئی ایسی فیکٹری بنانا چاہے جس کے دھوئیں وغیرہ سے پڑوسی کو نقصان پہنچے تو اس سے اسے روکا جائے گا ہاں اگر وہ دھواں زائل کرے تو پھر منع نہیں کیا جائے گا اسی طرح اگر اس کے گھر کا پانی پڑوسی کے گھر یا اس کی چھت پر پہنچے یا اس کی گھر میں پانی جاری ہو جائے اور اس سے پڑوسی کی دیواروں کو نقصان پہنچے وغیرہ۔

خلاصہ..... یہ کہ فقہ اسلامی میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مالک کو ایسا تصرف کرنے کی اجازت ہے جس سے پڑوسی کو نقصان نہ ہو۔ نیز اگر کوئی چیز پڑوسی سے پہلے کی ہو تو اسے چھوڑا جائے گا جب کہ اس سے کوئی نیا نقصان نہ ہوتا ہو۔

پانچویں فصل......زمین کی سرمایہ کاری کے عقود

مزارعت مساقات: مغارسہ:

پہلا عقد: مزارعت: مزارعت..... مزارعت کی تعریف، اس کی مشروعیت، رکن، صفت عقد شرائط، انواع واقسام، اس کا حکم، مزارعت کا ختم ہونا اور فسخ کی صورتیں۔ اور اس میں پانچ بحثیں ہیں۔

پہلی بحث: مزارعت کی تعریف، مشروعیت، رکن اور عقد کی نوعیت:

پہلی بات: مزارعت کی تعریف...... مزارعت باب مفاعلہ سے ہے زرع سے ماخوذ ہے اگانا اور شرعاً بعض پیداوار پر عقد کرنا مالکیہ نے اس کی تعریف کی ہے۔ پیداوار میں شرکت، اور حنابلہ نے تعریف کی زمین کسی شخص کو دینا جو اس میں کھیتی باڑی کرے اور کام کرے اور پیداوار ان دونوں میں مشترک ہو۔ اسے مخابرہ بھی کہتے ہیں یہ خبار سے ہے یعنی نرم زمین اور محاقلہ بھی کہتے ہیں اور اہل عراق اسے قراح کہتے ہیں۔

شوافع نے یوں تعریف کی ہے...... زمین میں کام کرنا اس سے نکلنے والی بعض پیداوار پر بیج عامل کی طرف سے ہو۔ مزارعت بھی مخابرہ ہے لیکن اس میں بیج مالک کی طرف سے ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ..... مزارعت زرعی زمین میں سرمایہ کاری ہے جو مالک زمین اور دوسرے آدمی کے درمیان ہوتی ہے جو کام کرتا ہے اس شرط پر کہ اس سے حاصل شدہ منافع دونوں کے درمیان حصص کے اعتبار سے مشترک ہے۔

دوسری بات: مزارعت کی مشروعت...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر مزارعت کو جائز قرار نہیں دیتے بالفاظ دیگر مزارعت فاسد ہے اور ثلث یا ربع پر مزارعت ان کے ہاں باطل ہے [1] اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی مزارعت کو جائز نہیں قرار دیتے

---

[1]..... العنایۃ ۸/۳۲

شوافع کے ہاں مساقات کے تابع ہو کر جائز ہے ضرورت کی وجہ سے، اگر کھجوروں کے درمیان خالی زمین ہو تو مساقات کے ساتھ اس میں مزارعت جائز ہے بشرطیکہ عامل ایک ہی ہو اور درختوں کو علیحدہ سیراب کرنا مشکل ہو اور خالی زمین کو تعمیر کرنا مشکل ہو اور وہ کھیتی باڑی کرتا ہے تا کہ کھجوروں کو سیراب کیا جائے اور زمین کو ہل چلایا جائے اصح یہ ہے کہ یہ شرط ہے کہ دونوں عقدوں میں عاقدین الگ الگ عقد نہ کریں بلکہ دونوں کا اکٹھا عقد ہو نیز مزارعت کو مساقات سے پہلے نہ کیا جائے اس لیے کہ یہ تابع ہے اور تابع متبوع سے مقدم نہیں ہوتا۔

اور مخابرہ شوافع کے ہاں مساقات نے تابع ہو کر بھی جائز نہیں اس لیے کہ اس کی مشروعیت ثابت نہیں۔ ❶

مزارعت کی عدم مشروعیت پر امام ابوحنیفہ، زفر اور شافعی رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔ ❷ مخابرہ مزارعت ہی ہے نیز مزارع کو جو اجرت ملتی ہے وہ زمین سے نکلنے والی پیداوار ہے یا تو وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے یا مجہول ہوتی ہے اس لیے کہ کبھی کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ جہالت اور محل عقد کا معدوم ہونا یہ عقد اجارہ کو فاسد کرنے والا ہے۔

رہ گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل خیبر سے معاملہ کرنا کما سیاتی وہ خراج متاسمہ ہے جیسے ثلث یا ربع غلبہ پر بطریق احسان اور صلح اور یہ جائز ہے۔

اس کے ساتھ بہت سارے شوافع فقہاء کے ہاں مزارعت مستقل طور پر جائز ہے اہل خیبر سے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کی وجہ سے اور مخابرہ مزارعت کے معنی میں ہے صاحبین امام مالک، امام احمد اور داؤد ظاہری کے ہاں یہی جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ مزارعت جائز ہے۔ دلیل یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے زمین سے نکلنے والی پیداوار کھیتی اور پھل کے ایک حصہ پر مزارعت کی۔ نیز یہ مال اور عمل کا عقد شرکت ہے، لہٰذا مضاربت کی طرح جائز ہے حاجت اور ضرورت پوری کرنے کے لیے کیونکہ کبھی صاحب مال اچھی طرح زراعت نہیں کرسکتا اور عامل اچھی طرح کرسکتا ہے اب اس کے تعاون سے خیر اور سرمایہ کاری ہوتی ہے۔

حنفیہ کے ہاں عمل اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس لیے کہ یہ لوگوں کی ضرورت بھی ہے اور اس پر لوگوں کا عمل بھی ہے یہی راجح ہے اور یہ شرکت اور اجارہ کے مشابہ ہے اور یہ پیداوار میں مالک زمین اور مزارع کے درمیان طے شدہ مثلاً نصف یا ثلث میں شرکت ہے۔ زمین میں پیداوار کے اعتبار سے یہ عقد اجارہ ہے اور اس میں اجرت ایک متعین حصہ ہے لیکن یہ شرکت سے ممتاز ہے کہ مالک کا حصہ زمین ہی سے نکلنے والا حصہ ہوتا ہے اور عام منافع میں سے نہیں ہوتا۔

اور یہ زرعی زمین کی اجرت معلومہ سے ممتاز ہے اس لیے کہ اگر اجرت ایک متعین مقدار ہو مثلاً گندم یا چاول تو یہ عقد مزارعت نہیں بلکہ عام اجارہ ہے۔

تیسری بات: رکن مزارعت اور صفت عقد..... حنفیہ کے ہاں عقد مزارعت کا رکن ایجاب اور قبول ہے بایں طور کہ مالک زمین عامل سے کہے میں تمہیں یہ زمین بطور مزارعت اتنے حصہ پہ دیتا ہوں اور عامل کہے میں نے قبول کرلیا یا میں راضی ہو گیا یا وہ ایسا کام کرے جو قبولیت اور رضا پر دلالت کرے جب یہ چیز پائی گئی تو عقد مکمل ہو جائیں گے۔ ❸

اس کے اطراف تین ہیں مالک زمین، عامل، اور محل عقد، جو زمین کی منفعت اور عامل کے عمل کے درمیان دائر ہے اور یہ حنفیہ کے ہاں ابتداء اجارہ ہے، اور انتہاء شرکت ہے اگر بیج عامل کی جانب سے ہو تو معقود علیہ زمین کی منفعت ہوگی اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہو تو معقود علیہ عامل کی منفعت ہوگی۔ حنابلہ کے ہاں مزارعت اور مساقات میں لفظ قبول کی ضرورت نہیں بلکہ صرف کام شروع کر دینا قبولیت کے لیے کافی ہے۔

---

❶ المہذب ۱/۳۹۴ ❷ مسلم ❸ البدائع ۶/۱۷۶

مزارعت کی صفت...... یہ حنفیہ کی ہاں باقی شرکتوں کی طرح عقد غیر لازم ہے۔
مالکیہ کے ہاں زمین میں بیج ڈالنے اور نرم کرنے سے لازم ہو جاتا ہے نیز مالکیہ کے ہاں معتمد یہ ہے کہ شرکت اموال صیغہ سے لازم ہو جاتی ہیں۔
حنابلہ کے ہاں عقد مزارعت اور مساقات دونوں غیر لازم عقد ہیں ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہے اور متعاقدین میں سے کسی ایک کے مرجانے کی وجہ سے عقد باطل ہو جاتا ہے۔

دوسری بحث: شرائط: مزارعت...... حنفیہ میں سے صاحبین نے مزارعت میں چند شرائط لگائی ہیں کچھ عاقد میں کچھ کھیتی میں کچھ پیداوار میں کچھ زمین میں اور محل عقد، آلات زراعت اور مدت مزارعت میں۔

عاقد کی شرائط...... دو عام شرطیں ہیں:
۱...... عاقد عاقل ہو لہٰذا مجنون اور ناسمجھ بچے کی مزارعت جائز وصحیح نہیں اس لیے کہ تصرفات کی اہلیت کے لیے عقل شرط ہے رہ گیا بلوغ تو وہ مزارعت کے جواز کے لیے حنفیہ کے ہاں شرط نہیں لہٰذا ماذون بچے کی مزارعت اجارہ کی طرح جائز ہے اور مزارعت بھی بعض پیداوار کا اجارہ ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں باقی عقود کی طرح مزارعت میں بھی بلوغ شرط ہے۔
۲...... اگر عاقد مرتد نہ ہو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں۔ اس لیے کہ مرتد کے تصرفات ان کے ہاں موقوف ہیں لہٰذا فی الحال درست نہیں، البتہ صاحبین کے ہاں یہ شرط نہیں وہ مرتد کی مزارعت کو نافذ قرار دیتے ہیں۔ اور مرتدہ کی مزارعت احناف کے ہاں بالاتفاق درست ہے۔

کھیتی کی شرائط...... کہ معلوم ہو بایں کہ واضح کر کے جو بونا ہے اس لیے کہ مزدور کی حالت کھیتی کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی ہے کمی اور زیادتی کے اعتبار سے اس لیے کہ کچھ کھیتی زمین میں زیادہ ہوتی ہے اور کچھ کم ہوتی ہے اور استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ زمین میں کیا بویا جائے یہ شرط نہیں اس لیے کہ یہ عامل کے سپرد ہے جو چاہے بوئے۔

مزدور کی شرط...... کہ وہ زراعت کے عمل کے قابل ہو کہ عمل کی وجہ سے اس میں اضافہ ہو۔

پیداوار کی شرائط...... چند شرائط ہیں اگر نہ پائی گئی تو عقد فاسد ہو جائے گا۔
۱...... پیداوار معلوم ہو عقد کے وقت اس لیے کہ یہ اجرت کی طرح ہے اور اس کا مجہول ہونا عقد کو فاسد کر دیتا ہے۔
۲...... پیداوار عاقدین کے درمیان مشترک ہو اگر کسی ایک کے لیے خصوصی شرط لگادی گئی تو عقد فاسد ہو جائے گا۔
۳...... پیدوار کی مقدار معلوم ہو جیسے نصف ثلث ربع وغیرہ اس لیے کہ مقدار کا بیان نہ کرنا ایسی جہالت کی طرف لے جاتا ہے تو جو مفسد عقد ہے۔
۴...... پیداوار عاقدین کی درمیان مشاع حصہ ہو اگر کسی ایک کے لیے معلوم شرط لگادی گئی مثلاً چار من یا بیج کی بقدر تو عقد صحیح نہیں کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ صرف اتنی ہی مقدار پیدوار ہو اسی طرح یہ شرط لگانا کہ پانی کے قریب کی پیدوار کسی ایک کی ہوگی تو بھی عقد صحیح نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے صرف اسی جگہ پر پیداوار ہو۔ اسی طرح یہ شرط لگانا بھی درست نہیں کہ چارہ ایک کا ہوگا اور دانے دوسرے کے اس لیے کہ بھی کھیتی کو کوئی آفت لاحق ہو کہ دانے بالکل نہ ہوں یا چارہ اور پتے ہی نہ ہوں۔
مالکیہ نے عاقدین میں پیداوار کی تقسیم برابر شرط قرار دی ہے شوافع اور حنابلہ احناف کی طرح تفاوت کو جائز قرار دیتے ہیں۔

زمین کی شرطیں..... مزارعت والی زمین میں درج ذیل شرطیں ہیں:

۱.....کہ وہ زراعت کے قابل ہو اگر زمین بنجر ہو تو عقد جائز نہیں اس لیے کہ عقد تو بعض پیداوار پر ہے اور بنجر زمین کا اجارہ جائز نہیں تو مزارعت بھی جائز نہیں۔

۲.....زمین معلوم ہو اگر مجہول ہو تو عقد صحیح نہیں اس لیے کہ یہ منازعت کی طرف لے جانے والا ہے۔

۳.....زمین عامل کے لیے فارغ کر دیا جائے اور اسے خالی سپرد کی جائے وہ اس طرح کے مالک زمین کی طرف سے عامل اور زمین میں تخلیہ ہو اگر کام مالک زمین کے لیے شرط قرار دیا یا دونوں پر تو مزارعت صحیح نہیں۔ کیونکہ تخلیہ نہیں پایا گیا۔

محل عقد کی شرط..... مزارعت میں معقود علیہ مقصود بھی ہو عرف اور شرع کے اعتبار سے یعنی زرعی اعمال عرف وشرعاً اس حیثیت سے کہ یہ دو چیزوں میں سے ایک کا اجارہ ہے یا تو عامل کے عمل کی منفعت مثلاً بیج مالک زمین کی طرف سے ہو یا زمین کی منفعت مثلاً بیج عامل کی طرف سے ہو اگر دونوں چیزیں مزارعت میں جمع ہوں تو عقد مزارعت۔ فاسد ہو جائے گا اسی طرح اگر کام غیر زرعی ہو تو بھی عقد فاسد ہو جائے گا۔ جیسے درخت کاٹنا انہیں منتقل کرنا اور راستوں کے کناروں کو پتھروں سے درست کرنا اس لیے کہ یہ اعمال مزارعت میں سے نہیں۔

زرعی آلات کی شرط..... کہ وہ آلہ مثلاً جانور ہو یا جدید کوئی آلات ہوں جو عقد کے تابع ہوں مقصود نہ ہوں اگر انہیں مقصود قرار دیا تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

مدت مزارعت کی شرط..... کہ مدت معلوم ہو مزارعت مدت بیان کرنے بعد ہی درست ہوگی اس لیے کہ یہ بعض پیداوار پر اجارہ ہے اور مدت مجہول ہونے کے ساتھ اجارہ درست نہیں ہوتا اور مدت بھی متعارف ہو اگر اتنی مدت رکھی جس میں عامل کام مکمل نہیں کر سکتا یا عاقدین اس میں زندہ نہیں رہ سکتے تو عقد فاسد ہو جائے گا اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ زراعت مدت بیان کرنے کے بغیر بھی درست ہے اور یہ پہلی زراعت پھر ہوگا عقد۔

خلاصہ یہ کہ صاحبین کے ہاں آٹھ شرطوں کے ساتھ مزارعت صحیح ہے۔

۱.....عاقدین کی اہلیت	۲.....مدت عقد کی تعیین مفتی بہ یہ ہے کہ شرط نہیں
۳.....زمین کا زراعت کے قابل ہونا	۴.....عامل اور زمین میں تخلیہ
۵.....پیدوار عاقدین کے درمیان مشترک ہو	۶.....بیج کس کے ذمہ ہے اس کا بیان
۷.....عاقدین میں سے ہر ایک کا حصہ بیان کرنا	

۸.....بیج کی جنس معلوم ہونا تا کہ اجرت معلوم ہو اس لیے اجرت پیدوار کی ایک جزو ہے۔

لہٰذا اس کا بیان ضروری ہے تا کہ معلوم ہو کہ پیدوار کس نوعیت کی ہوگی اس لیے کہ بس اوقات ایسا بیج ہوتا ہے جو بہت زیادہ کام کے بعد ہی پیداوار دیتا ہے استحسان یہ ہے کہ بیج کی جنس بیان کرنا شرط نہیں خلاصہ: مدت کی مقدار بیان کرنا حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول کے مطابق شرط نہیں اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں شرط ہے۔

مالکیہ کے ہاں مزارعت کی شرائط..... مالکیہ نے مزارعت کے لیے تین شرطیں لگائی ہیں۔

۱.....زمین کا ایسا کرایا نہ لگایا جائے جو ممنوع ہے تا کہ زمین یا اس کا بعض حصہ بیج کے مقابلہ میں نہ آئے یا طعام، یا اگر زمین میں کھیتی اگے ہی نہیں جیسے شہد پیدا تو ہو لیکن طعام کے علاوہ ہو مثلاً روئی، وغیرہ، یا لکڑیاں یعنی صحت مزارعت کے لیے اس کا کرایہ سونا چاندی یا سامان تجارت یا جانور رہنا ضروری ہے، اور بیج عامل اور مالک زمین دونوں کا ہو اگر بیج کسی ایک کا ہو اور زمین دوسرے کی ہو تو مزارعت فاسد ہوگی۔

یہ شرط لگانے کا سبب سنت میں زمین کی پیداوار سے کرایہ رکھنا منع ہونا ہے۔

۲......دونوں شریک برابر ہوں پیداوار وغیرہ میں مثلاً زمین کے مقابل بیج کے علاوہ جانور وغیرہ پر۔ اور ان دونوں کے درمیان منافع کی مقدار مثلاً زمین کی اجرت سو ہو تو بیج کے علاوہ جو جانور وغیرہ اس کے مقابل ہو وہ بھی سو کا ہو اور منافع دونوں کے درمیان نصف نصف ہو تو صحیح ہے ورنہ فاسد اور شرکت لازم ہونے کے بعد کسی ایک کا عمل یا منافع میں اضافہ کرنے میں احسان جائز ہے۔

۳......دونوں بیج نوع کے اعتبار سے مماثل ہوں مثلاً گندم، جو وغیرہ اگر کسی ایک کا بیج دوسرا ہوا تو مزارعت فاسد ہوگی۔ امام مالک اور ابن القاسم کا مذہب یہ ہے کہ دونوں بیجوں کا خلط حقیقۃً اور حکماً خلط ہوں شرط نہیں بلکہ جب دونوں کے بیجوں کی پیداوار ہو مستقل طور پر تو شرکت صحیح ہے اس سے ظاہر ہوا کہ مالکیہ دونوں عاقدوں کی طرف سے بیج پیش کرنے کی شرط لگاتے ہیں اور نوع کے اعتبار سے برابری اور نفع میں تماثل اور دونوں عینی چیز پیش کریں جیسے زمین اور اس کے مقابلہ میں حیوان اور عمل ہو اور مزارعت زمین کی پیداوار پر نہ ہو بلکہ دوسرے عوض کے بدلہ میں ہو اور یاد رہے کہ یہ شرائط سخت ہیں مزارعت موجود پر یہ منطبق نہیں ہوتی۔

شوافع کے ہاں مساقات کے تابع جو مزارعت ہے اس میں عاقدین کا پھل اور کھیتی میں برابر ہونا شرط نہیں بلکہ عامل کی لیے نصف پھل کی شرط لگانا صحیح ہے اسی طرح ان کے ہاں کسی خاص جگہ کا کرایہ، زمین کی پیداوار سے لگانا درست نہیں اور یہ کہتے ہیں مزارعت زمین کی پیداوار سے ہے اور بیج مالک کی طرف سے حنابلہ کے ہاں زمین کی پیدوار پر مزارعت جائز ہے اور پیداوار اور نتیجہ میں برابری شرط نہیں اور ان کے ہاں بھی بیج مالک کی جانب سے ہونا شرط ہے اور امام احمد سے روایت ہے کہ عامل کی طرف سے بھی اگر بیج ہو تو جائز ہے اسی طرح ہر ایک کا حصہ بیان کرنا بھی شرط ہے اگر حصہ مجہول ہوا تو مزارعت فاسد ہو جائے گی جیسا کہ ان کے ہاں بیج کی جنس اور مقدار معلوم ہونا شرط ہے اس لیے کہ مزارعت عمل پر عقد ہے لہٰذا نا معلوم جنس اور مقدار پر درست نہیں جیسے اجارہ۔

خلاصہ......حنفیہ کے ہاں کسی ایک کی جانب سے بیج کا ہونا جائز ہے اور مالکیہ کے ہاں دونوں کی جانب سے اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں بیج مالک زمین کی طرف سے اور عمل عامل کی طرف سے ہونا شرط ہے۔

تیسری بحث: مزارعت کی صورتیں......صاحبین کی ہاں مزارعت کی چار صورتیں اور حالتیں ہیں۔ تین صورتوں میں مزارعت درست ہے اور ایک میں باطل۔ [1]

پہلی صورت......زمین اور بیج ایک کا ہو اور عمل اور جانور دوسرے کا ہو تو مزارعت جائز ہے اور اس صورت میں مالک زمین عامل کو اجرت پر لینے والا ہوگا اور جانور ہل جوتنے کے لیے جو ہے وہ عمل کا آلہ ہے۔

دوسری صورت......زمین ایک کی ہو جانور بیج اور عمل دوسرے کا ہو تو بھی مزارعت جائز ہے اور عامل زمین کو اجارہ پر لینے والا ہوگا۔

تیسری صورت......زمین، جانور، اور بیج ایک کا ہو اور کام ایک کا تو بھی مزارعت جائز ہے اس صورت میں مالک زمین عامل کو اجارہ پر لینے والا ہوگا۔

چوتھی صورت......زمین اور جانور ایک ہو بیج اور کام ایک کا تو یہ مزارعت فاسد ہے ظاہر روایت میں اس لیے کہ اگر اس عقد کو اجارہ زمین شمار کیا جائے تو اس کے مالک پر جانور کی شرط مفسد اجارہ ہے اس لیے کہ جانور کو زمین کے تابع کرنا ممکن نہیں منفعت مختلف ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ حیوان کی منفعت زمین کی منفعت کی جنس سے نہیں اس لیے کہ زمین تو بڑھوتری اور اگانے کے لیے ہے اور جانور کام اور زمین

---

[1]......البدائع ۶/۱۷۹۔

پھاڑنے کے لیے۔

اور اگر اس عقد کو اجارہ عامل قرار دیا جائے تو اس پر بیج کی شرط لگانا مفسد عقد ہے اس لیے کہ وہ اس کے تابع نہیں۔ اسی بناء پر اگر آلات زراعت جانور اور عمل مالک زمین کے لیے شرط قرار دیا جائے تو مزارعت فاسد ہو جائے گی جیسا کہ کل پیداوار کسی ایک عاقد کے لیے شرط لگا دیتا یا گاھنا، کاٹنا، اٹھانا، اور حفاظت کرنے کی شرط عامل کے ذمہ لگا دینا بھی مفسد عقد ہے اس لیے کہ زراعت کی اصلاح اس سے متعلق نہیں۔

چوتھی بحث..... مزارعت صحیحہ اور فاسد کا حکم:

پہلی بات: حنفیہ کے ہاں مزارعت صحیحہ کا حکم..... حنفیہ کے ہاں مزارعت صحیح ❶ کے درج ذیل احکام ہیں:

۱..... عمل مزارعت میں ہر وہ چیز جو زراعت کی اصلاح کے لیے مثلاً بیج کا خرچ حفاظت کی اجرت، وغیرہ تو یہ مزارع پر ہے اس لیے کہ عقد اسے شامل ہے۔

۲..... ہر وہ چیز جو کھیتی کے اخراجات میں سے ہے مثل کھاد جھاڑیاں، کاٹنا، کھانا تو یہ عاقدین پر ہے حصص کے اعتبار سے اور مالکیہ کے ہاں: یہ چیزیں عامل کے ذمہ ہیں ہل چلانے اور کھیتی بونے کے بعد کھیتی جس کی محتاج ہوتی ہے مثلاً سیراب کرنا اس سے جڑی بوٹیاں تلف کرنا کاٹنا اور اسے گھانے کے لیے منتقل کرنا اور اسے صاف کرنا تو یہ کیل کے اعتبار سے دونوں پر تقسیم ہوگا۔ ❷

۳..... زمین سے نکلنے والی پیداوار عاقدین کے درمیان بحساب شرط تقسیم ہوگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں ❸ اگر زمین سے کچھ بھی پیدا نہ ہو تو عاقدین کے لیے ایک دوسرے پر کچھ بھی نہ ہوگا عامل کے لیے تو اس وجہ سے کہ وہ بعض پیداوار پر اجرت پر مثل ہے اور وہ پائی نہیں گئی اور یہ مزارعت فاسدہ کے برخلاف ہے کہ اس میں عامل کے لیے اجرت مثل واجب ہے اگر زمین سے کچھ بھی پیدا نہ ہوا اور فرق یہ ہے کہ عقد صحیح میں مقرر وہ بعض پیداوار ہے جب وہ نہ پائی گئی تو کچھ بھی واجب نہیں اور مزارعت فاسدہ میں تو اجرت مثل واجب ہوتی ہے ذمہ میں نہ کہ پیدوار۔ پس پیداوار کا نہ ہونا ذمہ میں واجب کے مانع نہیں۔

۴..... جیسا کہ پہلے گذرا کے حنابلہ کے ہاں عقد مزارعت غیر لازم ہے اور مالکیہ کے ہاں بیج کی وجہ سے لازم ہو جاتا ہے اور حنفیہ کے ہاں بیج والے کی جانب سے غیر لازم اور دوسرے عاقد کی جانب سے لازم ہے، اور اسے فسخ کرنا جائز نہیں سوائے عذر کے کما سیاتی اگر بیج والا عمل سے رک گیا تو اس پر جبر و زبردستی نہیں کی جائے گی لیکن جس کی طرف سے بیج نہیں وہ رک گیا تو حاکم اسے عمل پر مجبور کرے گا اس لیے کہ عقد کے ذریعہ اسے کوئی نقصان نہیں اور عقد لازم ہے اجارہ کی طرح ہاں اگر وہاں کوئی ایسا عذر ہو جس سے اجارہ فسخ کیا جا سکتا ہے تو اس سے مزارعت بھی فسخ ہو جائے گی اور عاقدین میں فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بیج والا عقد کو اپنی ملکیت تلف کرنے کے بغیر نافذ نہیں کر سکتا لہٰذا اس کا شروع کرنا اس کے حق میں لازم نہیں اس لیے کہ کسی انسان کو اپنی ملکیت تلف کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا رہ گیا دوسرا عاقد اس کی طرف سے ملکیت کا اتلاف نہیں لہٰذا اس کا شروع کرنا اس کے حق کو لازم کرتا ہے۔

۵..... ہل جوتنا اور سیراب کرنا اگر اس پر اتفاق ہو جائے یا شرط لگائی جائے تو جس پر وہ شرط ہے اسے اسی کا پورا کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر کسی کے لیے بھی شرط نہ ہو تو اس عاقد کو مجبور کیا جائے گا جس کو معتاد طریقے سے یہ کام کرنے ہوتے ہیں اگر زمین آسمان کے پانی سے سیراب ہوتی ہے تو کسی ایک کو بھی سیراب کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا ورنہ معتاد طریقے پر ہوگا اگر عامل نے مزارعت صحیحہ میں زمین سیراب نہ کی جس کی وجہ سے کھیتی ضائع ہوگئی تو اس وجہ سے وہ ضامن ہوگا کیونکہ کام اس کے ذمہ واجب تھا اور امانت کا ضمان دے گا کوتاہی کی وجہ سے اس لیے کہ زمین اس کے قبضہ میں امانت تھی اور مزارعت فاسدہ میں ضامن نہ ہوگا۔

---

❶..... البدائع ۶/ ۱۸۱۔ ❷ التاج والاکلیل: ۳/ ۱۷۷۔ ❸ نصب الرایۃ ع ۴/ ۱۱۲۔

۶.....پیداوار میں مذکورہ شرط پر اضافہ کرنا اور اس میں کمی کرنا درست ہے اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جب اس میں نیا عقد کرنے کا احتمال ہو تو اس میں اضافہ بھی درست ہے اور اگر نہ ہو تو نہیں۔ اور کمی دونوں صورتوں میں جائز ہے جیسا کہ عقد بیع میں ثمن میں اضافہ۔

اگر عامل، مالک زمین کے حصہ میں اضافہ کرے کاٹنے کھانے کے بعد اور بیج بھی عامل کی طرف سے ہو تو یہ جائز نہیں اس لیے کہ اجرت، عمل مزارعت کی انتہاء کی وجہ سے مکمل ہوگئی اور معقود علیہ یعنی منفعت کی وصولی ہوگئی تو اب یہ جائز نہیں اس لیے کہ کاٹنے کے بعد عقد کرنا جائز نہیں لہٰذا اضافہ بھی جائز نہیں اگر اس صورت میں مالک زمین کی طرف سے عامل کے لیے اضافہ ہو تو یہ جائز ہے اس لیے کہ یہ کمی ہے اس اجرت میں جس کا وہ مستحق ہے اور اس میں معقود علیہ کا قائم رہنا ضروری نہیں۔

اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو اور وہ کاٹنے کے بعد عامل کے حصہ میں اضافہ کرے تو اس میں مالک کی جانب سے زیادتی و اضافہ جائز نہیں اس لیے کہ معقود علیہ کی وصولی ہوگئی اور مزارع کی جانب سے اس صورت میں اضافہ جائز ہے کیونکہ یہ اپنی اجرت میں کمی ہے۔

لیکن اگر اضافہ دونوں کی جانب سے ہو کھیتی کاٹنے سے پہلے تو یہ جائز ہے۔

۷.....اگر عاقدین میں سے کوئی ایک مر جائے کھیتی پکنے سے پہلے تو اسے پکنے تک چھوڑا جائے گا اور مزارع پہ کچھ بھی نہ ہوگا کیونکہ عقد اجارہ مدت کے باقی ہونے کی وجہ سے باقی ہے۔

خلاصہ.....زمین والا دو چیزوں کا التزام کرتا ہے۔

۱.....زمین کو فائدہ اٹھانے کے حقوق کے ساتھ سپرد کرنا۔

۲.....زرعی آلات کی درستگی اور عامل مزارع مالک کے مقابلہ میں دوسری دو چیزوں کا التزام کرتا ہے اور وہ دونوں پر ہے کہ زراعت کی طرف توجہ اور عادت خرچ ہونے والا نفقہ اور معروف کام مثلاً بیج بونا، زمین کھودنا، سیراب کرنا وغیرہ زمین کی حفاظت اور کھیتی کی حفاظت۔

شوافع کے ہاں مزارعت کا حکم.....یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ شوافع کے ہاں مزارعت جائز نہیں ہاں مساقات کے ساتھ جائز ہے اور مخابرہ (یعنی بیج عامل کی طرف سے ہو) مساقات کے تابع ہو کر جائز نہیں اگر انفرادی طور پر مزارعت کی تو غلہ مالک کا ہوگا اس لیے کہ یہ اس کی ملک کی بڑھوتری ہے اور مالک کے ذمہ عامل کی اجرت مثل اور جانور اور آلات کی اجرت ہوگی اور غلہ کو طرفین عاقدین کے لیے اجرت قرار دینا اور ایک دوسرے یہ اجرت نہ ہونا جب بیج مالک کی طرف سے ہو تو دو صورتوں میں حاصل ہوگا ایک یہ کہ مالک عامل کو نصف بیج مشاع جیسے نصف ربع پر اجرت پر لے اور عامل زمین میں کام کرے اور پیداوار کو دونوں کے درمیان ملکیت کے اعتبار تقسیم کیا جائے یہ اجارہ اور عاریت ہے۔ دوسری یہ کہ مالک عامل کو نصف مشاع پر اجرت پر لے اور نصف زمین کا مشاع نفع ہوتا کہ وہ آدھا بیج آدمی زمین پر کاشت کرے پس یہ دونوں شریک ہوں گے نصف نصف میں اور کسی پر دوسرے کی اجرت نہ ہوگی اس لیے کہ عامل اپنے حصہ کے اعتبار سے زمین کی منفعت کا مستحق ہوا اور مالک اپنے حصہ کے اعبار سے کھیتی کا مستحق ہوا[1] یہ اجارہ ہے اگر بیج عامل کی طرف سے ہو اور وہ مالک سے ایک متعین مشاع حصہ زمین کا نصف بیج کا بدلے اجرت پر لے یا نصف زمین نصف بیج کے بدلے لی اور باقی نصف میں تبرعا کام کرے تو وہ دونوں بقدر ملکیت غلبہ کے مالک ہوں گے بیج اور زمین کے نفع کے اعتبار سے۔

دوسری بات: حنفیہ کے ہاں مزارعت فاسدہ کا حکم.....مزارعت فاسدہ کے بھی احکام ہیں۔[2]

---

[1] مغنی المحتاج ۲/ ۳۲۵۔ [2] البدائع ۶/ ۱۸۲

۱.....مزارع پر اعمال مزارعت میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں اس لیے کہ عقد کا ایجاب ہی درست نہیں۔

۲.....پیداوار ساری کی ساری بیج والے کی ہوگی چاہے وہ مالک زمین ہو یا مزارع اس لیے کہ پیداوار اس کی ملکیت کی بڑھوتری کے سبب ہوئی ہے نہ کے شرط کی وجہ سے اس حکم میں مالکیہ اور حنابلہ بھی۔

حنفیہ ❶ کے ساتھ متفق ہیں وہ یہ کہ جب عقد فاسد ہو گیا تو کھیتی بیج والے کی ہوگی۔

۳.....اگر بیج مالک زمین کا ہو تو مزارع مزارعت کے فاسد ہونے کی وجہ سے اجرت مثل کا حقدار ہوگا، اور اگر بیج عامل کا ہو تو اس کے ذمہ مالک زمین کی اجرت ہوگی کیونکہ دونوں حالتوں میں عقد اجارہ ہے۔ پہلی حالت میں ساری پیداوار مالک زمین کے لیے حلال ہے اس لیے کہ اس کی ملکیت کی بڑھوتری ہے بیج اور زمین اور دوسری حالت میں ساری پیداوار مزارع کے لیے حلال نہیں وہ صرف ایسے بیج اور زمین کی اجرت کی بقدر لے سکتا ہے اور زیادہ کو صدقہ کر دے۔

۴.....کھیتی باڑی کرنے کے باوجود اگر زمین سے پیداوار حاصل نہ ہو مزارعت فاسدہ میں تو اجرت مثل واجب ہوگی اس لیے کہ مزارعت عقد اجارہ ہے اور اجارہ فاسدہ میں حقیقت کے اعتبار سے استعمال میں اجرت واجب ہوتی ہے رہ گئی مزارعت صحیحہ تو اگر زمین سے پیداوار نہ ہو تو دونوں میں کسی پر بھی کچھ واجب نہیں ہوتا۔ مزارعت صحیحہ کے احکام میں فرق بیان کر دیا ہے نمبر ۳ پر۔

۵.....مزارعت فاسدہ میں مقررہ مقدار کے مطابق اجرت مثل واجب ہوگی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: طرفین کی رضامندی اور بقدر ممکن جانبین کی رعایت پر عمل کرتے ہوئے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جہاں تک پہنچ سکے اجرت مثل مکمل دی جائے گی اس لیے کہ یہ وصول شدہ منافع کی قیمت سے اندازہ لگاتے ہیں اور اس نے منافع عقد فاسد سے وصول کیا ہے اس پر قیمت واجب ہوگی اس لیے کہ اس کا مثل کوئی نہیں۔

مالکیہ کے ہاں مزارعت فاسدہ کا حکم: اگر مزارعت فاسد ہو اور اس کا فاسد ہونا کام شروع کرنے سے پہلے معلوم ہو گیا تو اسے فسخ کرنا واجب ہے اگر کام شروع کرنے کے بعد معلوم ہوا تو فسخ نہیں کیا جائے گا البتہ پیداوار دونوں شریکوں کے درمیان تقسیم ہوگی زمین عمل اور بیج کے اعتبار سے الا یہ کہ ان میں سے دو چیزیں ایک کی ہوں تو پھر پیداوار ساری اسی کی ہوگی اور دوسرے کو اجرت ملے گی اگر زمین یا عمل ہو اور اگر بیج ہو تو اس کا مثل ملے گا۔ ❷

پانچویں بحث: مزارعت کی انتہاء اور اس کے فسخ کے حالات..... کبھی مزارعت مقصود حاصل ہونے کے بعد ختم ہوتی ہے اور کبھی مقصود حاصل ہونے سے پہلے اور یہ حنفیہ کے نزدیک درج ذیل حالات میں ہے۔

۱۔ مدت مزارعت کا ختم ہونا..... عقد کی مدت ختم ہونے پر مزارعت ختم ہو جاتی ہے پس جب مدت ختم ہوئی تو عقد ختم ہو گیا یہی معنی ہے انفساخ عقد کا ❸ البتہ جب عقد میں مقررہ مدت یا مدت مزارعت ختم ہو جائے اور کھیتی ابھی تک پکی نہیں تو مزارع اپنا کام جاری رکھے یہاں تک کہ کھیتی پک جائے اور سے کاٹ لیا جائے دونوں جانب کی مصلحت کی رعایت بقدر امکان کرنے کی وجہ سے جیسا کہ اجارہ میں ہوتا ہے اس حالت میں عامل کے ذمہ زمین کی اجرت ہوگی کھیتی کاٹنے تک جیسا کہ اجارہ میں ہوتا ہے اس لیے کہ اس زمین سے نفع لیا ہے کھیتی کاٹنے اور گھانے تک اور اس وقت کھیتی کا خرچ حفاظت کا خرچ اور نہروں کی کھدائی کا کرایہ دونوں پر ہوگا بقدر حصص، اس لیے کہ عقد ختم ہو گیا مدت ختم ہونے کی وجہ سے اور یہ چیزیں عقد باقی رہنے کی صورت میں عامل پر تھیں جب عقد ختم ہو گیا تو یہ اخراجات دونوں پر واجب ہوں گے اس لیے کہ کھیتی دونوں کا مشترک مال ہے۔ برخلاف اس صورت کے کہ جب متعاقدین میں سے کوئی ایک کھیتی پکنے سے پہلے مر جائے تو کھیتی

❶.....الشرح الصغیر ۳/۴۹۸۔ ❷شرح مجموع الامیر ۲/۱۷۸۔ ❸ البدائع ۶/۱۸۴

اپنی حالت پر چھوڑ دی جائے گی پکنے تک اس میں کام اور اخراجات عامل پر ہوں گے اس لیے کہ اس صورت میں حنفیہ استحساناً عقد اجارہ کو باقی رکھتے ہیں کیونکہ مدت اجارہ باقی ہے پس عامل کام جاری رکھے گا یا اس کے وارث جن پر کام کی ذمہ داری ہے رہ گئی مدت ختم ہونے کی حالت تو اس حالت میں عقد کو باقی رکھنا ممکن نہیں چونکہ مدت ختم ہو گئی۔

۲۔ عاقدین میں سے کسی ایک کا مرنا...... عاقدین میں سے کسی ایک کے مرجانے کی وجہ سے عقد مزارعت ختم اور فسخ ہو جاتا ہے ❶ جیسا کہ اس سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے چاہے کھیتی باڑی شروع کرنے سے پہلے مرے یا بعد میں اور چاہے کھیتی پک گئی ہو یا نہ پکی ہو بلکہ ابھی کچی ہو یہ حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے جبکہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں مزارعت ختم نہیں ہوتی اجارہ کی طرح، لیکن اگر مالک زمین مر گیا اور کھیتی پکی ہوئی نہیں تو عامل اس کا وارث کام کرتا رہے گا اس لیے کہ عقد عامل پر لازم واجب ہو گیا ہے کہ وہ کھیتی تیار ہونے تک اس میں کام کرے اور عقد ضرورتاً باقی ہے اس لیے کہ عقد مزارعت تو عاقدین میں سے ایک کے مرنے سے ختم ہو گیا پھر باقی سالوں کا عقد ختم ہو جائے گا ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ کھیتی کاٹنے اور گھانے تک دونوں طرفوں کی رعایت تھی لہٰذا عامل یا اس کا وارث کام کرے گا۔

۳۔ عذر کی وجہ سے عقد فسخ کرنا...... جب عقد فسخ ہو جائے لازم ہونے سے پہلے تو مزارعت ختم ہو جائے گی اور حنفیہ کے ہاں طے شدہ ہے کہ صرف بیج کے التزام سے مزارعت لازم نہیں اور مالکیہ کے ہاں جب تک عامل عمل شروع نہ کرے تو مزارعت لازم نہیں ہوتی جب تک مزارعت کا کام شروع نہ کرے تو اسے فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں مزارعت لازم ہونے کے بعد بھی کئی اعذار کی فسخ کی جا سکتی ہے چاہے مالک زمین کی طرف سے ہو یا عامل کی طرف سے اور اعذار درج ذیل ہیں۔ ❷

۱...... مالک زمین مقروض ہو جائے اور زمین فروخت کرنے کی ضرورت ہو جس کی مزارعت پر اتفاق ہو گیا تھا اور اس کے پاس اس کے علاوہ مال بھی نہ ہو تو اس گراں بار قرض کی وجہ سے فروخت کرنا درست ہے اور اس عذر کی وجہ سے عقد فسخ ہو جائے گا جیسا کہ عقد اجارہ میں ہوتا ہے اس لیے کہ عقد باقی رکھنا نقصان کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا ضرر برداشت کرنا لازم نہیں پس قاضی پہلے زمین کو قرض خواہ کو فروخت کرے پھر عقد کو فسخ کرے صرف عذر کی وجہ سے فسخ نہ کرے، اور یہ اس وقت ہے جب فسخ کرنا ممکن ہو مثلاً زراعت سے پہلے یا کھیتی پکنے کے بعد اور کاٹنے کے تمام تک پہنچ گئی ہو۔ اگر فسخ کرنا ممکن نہ ہو بایں طور کہ کھیتی پکی ہوئی نہ ہو اور کاٹنے کے درجہ میں نہ ہو تو پھر قرض میں زمین فروخت نہ کی جائے گی اور نہ ہی پکنے تک عقد فسخ کیا جائے گا اس لیے کہ فروخت کرنے میں عامل کے حق کو باطل کرنا ہے اور پکنے تک انتظار میں صاحب دین کے حق میں تاخیر ہے لہٰذا بیع کو مؤخر کیا جائے گا دونوں جانب کی مصلحت کی رعایت رکھتے ہوئے کیونکہ بطریقہ اولی ہے پھر یہاں حنفیہ کے ہاں عقد مزارعت اور عامل کے کام کے بعد فسخ ہونے کی وجہ سے عامل کے لیے عوض کی تین صورتیں ہیں قضاءً۔

پہلی صورت...... زمین میں ہل چلانے اور نہریں کھودنے کے بعد جب عقد فسخ ہو تو عامل کے لیے اس کے عمل کے بدلے میں کوئی چیز نہیں، اس لیے کہ اس کے کام منافع ہیں جو مالک زمین پر عقد کے بغیر متقوم نہیں اور عقد پیداوار کی وجہ سے متقوم ہوتا ہے اور پیداوار ہوئی نہیں لیکن عامل کو راضی کرنا دیانۃً واجب ہے۔

دوسری صورت...... جب زمین میں کھیتی پیدا ہو گئی اور ابھی تک کٹی نہیں تو زمین قرض کی وجہ سے فروخت نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ کھیتی کاٹ نہ لی جائے اس لیے کہ فروخت کرنے میں مزارع کے حق کو باطل کرنا ہے قرض کی ادائیگی میں تاخیر باطل کرنے سے ہلکی اور آسان ہے۔

❶...... البدائع: ۶/ ۱۸۴۔ ❷ البدائع ۶/ ۱۸۳

تیسری صورت...... جب عامل کھیتی باڑی کر چکے ابھی تک کھیتی اگی نہیں اور عقد فسخ کرنے کا مالک نے ارادہ کر دیا اور مالک زمین کو گراں بار قرض نے دبوچ لیا تو کیا زمین فروخت کی جاسکتی ہے؟ اس صورت میں مشائخ حنفیہ کا اختلاف ہے بعض کے ہاں فروخت کرنے کا اختیار ہے اس لیے کہ بیج والے زمین میں کوئی عین چیز قائم نہیں، اس لیے کہ بیج تو ہلاک ہوتا ہے اور ہلاک شدہ چیز مال نہیں لہٰذا زمین فی الحال فروخت کی جائے گی اور بعض کے ہاں اسے فروخت کرنے کا اختیار نہیں اس لیے کہ بیج مال کی بڑھوتری ہے استھلاک نہیں پس مزارع کا عین مال قائم ہے لہٰذا کھیتی پکنے تک زمین فروخت نہیں کی جائے گی جیسا کہ اگنے کے بعد فروخت نہیں کی جاتی شاید یہ صورت صاحب ہدایہ کی پسندیدہ ہے۔

۲......مزارع پر عذر لاحق ہونا مثلاً بیمار ہو جانا اس لیے کہ یہ عمل سے عاجز کر دینے والی چیز ہے اور سفر کیونکہ اس کی بھی ضرورت ہے ایک پیشہ چھوڑ کر دوسرا پیشہ اختیار کرنا ایسی کسب وکمائی طلب کرنے کے لیے جو معیشت مضبوط بنائے اور عمل سے مانع جیسے جہاد میں چلے جانا جیسا اجارہ میں یا چوری کے ذریعہ خیانت وغیرہ۔ آیا یہ عقد فسخ کرنے کے لیے قاضی کا فیصلہ ضروری ہے یا رضامندی سے فسخ ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں بھی حنفیہ کی دو رائیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق فسخ کے لیے قاضی کا فیصلہ یا رضامندی ضروری ہے کیونکہ مزارعت اجارہ کی طرح ہے لہٰذا قاضی کا فیصلہ باہمی رضامندی ضروری ہے۔ اور راجح روایت کے مطابق مزارعت کو بغیر قاضی کے فیصلہ اور باہمی رضامندی کے بھی فسخ کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا عقیدہ: مساقات اور معاملہ...... مساقات کی تعریف، اس کی مشروعیت، رکن، مورد، مساقات اور مزارعت میں فرق مساقات کی شرائط، مساقات صحیح اور فاسد کا حکم اور انتہاء مساقات۔

پہلی بحث: مساقات کی تعریف، مشروعیت، رکن، مورد، مساقات اور مزارعت میں فرق:

پہلی چیز: مساقات کی تعریف...... لغوی اعتبار سے مساقات باب مفاعلہ سے ہے سقی سے ماخوذ ہے اہل مدینہ اسے معاملہ کا نام دیتے ہیں عمل کی وجہ سے اور مساقات کا نام زیادہ مشہور ہے چونکہ اس میں سیراب کرنا زیادہ پایا جاتا ہے۔ اور شرعاً یہ عقد ہے کہ دوسرے کو درخت دیئے جائیں وہ ان کی دیکھ بھال کرے اور پھل ان دونوں میں مشترک ہو یا یہ نام اس عقد کا جس میں بعض پیداوار پر عمل کی وجہ سے عقد ہو بالفاظ دیگر ایسے شخص کو درخت دینا جو درختوں کی اصلاح ودرستگی کرے معلوم پھلوں کے عوض یہ شوافع کے ہاں صرف کھجور یا انگور میں درست ہے تا کہ وہ انہیں سیراب کرے اور ان کی دیکھ بھال کرے اور پھل دونوں میں تقسیم ہو۔ ❶

دوسری چیز: مساقات کی مشروعیت...... حنفیہ کے ہاں مساقات مزارعت کی طرح ہے حکم اختلاف اور ممکنہ شرائط کے اعتبار سے چنانچہ امام ابوحنیفہ اور امام زفر کے ہاں جائز نہیں پھل کے عوض مساقات ان کے ہاں باطل ہے اس لیے کہ بعض خارج پر اجارہ ہے اور یہ ممنوع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کی زمین ہو تو وہ اس کی زراعت کرے اسے ثلث ربع یا مقررہ طعام پر کرائے پر نہ دے ❷ صاحبینؒ اور جمہور علماء (جن میں امام مالک شافعی اور احمد بن حنبل بھی ہیں) کے ہاں چند شرائط کے ساتھ مساقات جائز ہے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں اہل خیبر کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مساقات کرنے سے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کے خیبر کے ساتھ مساقات کی پھل اور کھیتی کے ایک حصہ پر (رواہ الجماعۃ)۔ نیز لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہے اس لیے کہ درختوں کا مالک کبھی ان کی صحیح دیکھ بھال نہیں کر سکتا یا اس کام کے لیے فارغ نہیں ہو سکتا اور جو شخص صحیح دیکھ بھال بھی کر سکتا ہے اور فارغ بھی

---

❶......البدائع ۱۸۵/۶۔ ❷ متفق علیہ

ہے وہ درختوں کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا پہلا عامل کا محتاج ہے اور عامل کام کا۔

حنفیہ کے ہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل آپ کی ازواج مطہرات کا خلفاء راشدین اہل مدینہ کا عملاً اسی پر ہے اور مساقات کی اباحت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے ❶ ابن جزی مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ جائز ہے اور دو ممنوع اصلوں سے مستثناء ہے اور وہ ہیں اجارہ مجہول اور مالم یخلق (جو چیز پیدا نہیں ہوئی)

اس کی بیع ❷ **تیسری چیز مساقات کا رکن**..... حنفیہ کے ہاں مساقات کا رکن مزارعت کی طرح ایجاب وقبول ہیں ایجاب درخت والے کی طرف سے اور قبول عامل اور مزارع کی طرف سے اور معقود علیہ صرف عامل کا عمل ہے دونوں کے درمیان نہیں برخلاف مزارعت کے مالکیہ کے ہاں صرف تلفظ ہی سے لازم ہو جاتی ہے عمل کے بغیر ہی اور حنابلہ کے ہاں یہ مزارعت کی طرح ہے قبول میں الفاظ کی ضرورت نہیں بلکہ قبول کے لیے کام شروع کر دینا ہی کافی ہے جیسے وکیل اور شوافع کے ہاں قبول کے الفاظ کا تلفظ ضروری ہے عمل کی تفصیل کی ضرورت نہیں اور مطلق کو ہر علاقہ کے عرف غالب پر محمول کیا جائے گا۔ ❸

حنابلہ کے علاوہ جمہور کے ہاں یہ عقد لازم ہے عقد طے پا جانے کے بعد کسی کو فسخ باہمی رضامندی کے بغیر اختیار نہیں۔

چوتھی چیز..... مساقات کا مورد (ذریعہ آمدنی) حنفیہ کے ہاں مساقات کا ذریعہ آمدنی پھل دار درخت ہیں ❹ چنانچہ کھجور، درخت، انگور، برسیم کی طرح کی گھاس اور بینگن وغیرہ میں مساقات صحیح ہے، اس لیے کہ اس کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے اور ضرورت تمام کو شامل ہے متاخرین حنفیہ نے غیر پھلدار درختوں جیسے حور کے درخت اور صفطاف کے درخت اور لکڑیوں کے لیے درختوں میں بھی مساقات کی اجازت دی ہے اس لیے کہ ان کو سیراب کرنے اور ان کی حفاظت کی بھی ضرورت ہے اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو مساقات جائز نہیں۔

مالکیہ کے ہاں مساقات کا مورد ❺ کھیتی جیسے چنا فاصولیا اور درخت پھلدار جڑوں والے جیسے انگور کھجور سیب اور انار وغیرہ دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ پھل پکنے اور فروخت سے کے قابل ہونے سے پہلے مساقات ہو بشرطیکہ وہ خراب نہ ہوتے ہوں اگر خراب ہوتے ہیں جیسے کیلے اور انجیر تو ان میں مساقات جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ مدت معلوم ہو اگرچہ کئی سال ہی کیوں نہ ہو اور بہت زیادہ لمبی مدت رکھنا مکروہ ہے اور دو سال سے زیادہ مدت کے لیے مساقات جائز نہیں اور وہ مدت ہے جس میں عادت کے اعتبار سے جڑیں تبدیل ہو جاتی ہوں درختوں اور جگہوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ اس میں نقصان ہے یہ اجارہ پر قیاس کرتے ہیں جیسا کہ دو سالوں میں سیراب کرنے والے حصہ میں اختلاف ہو جائے ایک سال ایک کرے دوسرے سال دوسرا۔ اور ابن القاسم کے ہاں مساقات کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ مساقات کے الفاظ سے اس عقد کو منعقد کیا جائے اجارہ کے لفظ سے منعقد نہ کرے اور ان کے ہاں ان درختوں وغیرہ میں بھی صحیح ہے جن کی جڑیں مضبوط نہ ہوں جیسے ککڑی خربوز اور کھیتی چار شرطوں کے ساتھ دونوں مذکورہ ہیں اور تیسری یہ کہ زمین سے پیدا ہونے کے بعد عقد چوتھی یہ کہ مالک انہیں نہ سنبھال سکتا ہو اور پھل میں خاص حصہ میں شرط یہ ہے پورے باغ کے پھلوں میں سے ہو خاص درخت یا خاص وزن کے ساتھ درست نہیں جیسا کہ ربع ثلث کم یا زیادہ کا علم ہونا شرط ہے۔ حنابلہ کے ہاں مساقات ❻ صرف پھلدار رکھائے جانے والے درختوں میں صحیح ہے غیر پھلدار درخت میں درست نہیں جیسے صفصاف، حور وغیرہ گلاب وغیرہ شوافع کے ہاں ❼ مذہب جدید میں مساقات کے ذرائع آمدنی صرف کھجور اور انگور ہیں۔ کھجور تو صحیحین کی روایت سابق عامل اہل خیبر کی وجہ سے اور انگور کھجور کی طرح ہیں کیونکہ یہ اس کے معنی میں ہیں دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور قدیم مذہب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام پھلدار درختوں میں مساقات کو جائز قرار دیا ہے۔

---

❶..... المغنی ۵/ ۳۷۴۔ ❷ القوانین الفقهية ص ۲۷۹۔ ❸ البدائع ۶/ ۱۸۵۔ ❹ البدائع ۶/ ۱۸۶۔ ❺ بداية المجتهد ۲/ ۲۴۳۔ ۲۴۶۔

❻ كشاف القناع ۳/ ۵۲۳۔ ❼ مغنی المحتاج: ۲/ ۳۲۳۔

پانچویں چیز: مزارعت اور مساقات میں فرق...... حنفیہ کے ہاں مساقات مزارعت ہی کی طرح ہے صرف چار چیزوں میں فرق ہے۔

۱...... مساقات میں جب عاقدین میں سے کوئی عقد نافذ کرنے سے رک جائے تو اس پر زبردستی کی جائے گی اس لیے کہ عقد باقی رکھنے میں کوئی نقصان نہیں برخلاف مزارعت کے اس لیے کہ بیج والا اگر ڈالنے سے پہلے رک جائے تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ جاری رکھنے میں اس کو نقصان ہے نیز مساقات جمہور کے ہاں عقد لازم ہے غیر الحنابلہ اور مزارعت بیج بونے سے پہلے لازم نہیں ہوتی حنابلہ کے ہاں وکالت، مضاربت، مساقات، مزارعت۔ ودیعت اور عاریہ عقود جائزہ ہیں طرفین سے ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہے۔

۲...... جب مدت مساقات ختم ہو جائے تو عقد بلا اجرت جاری رہے گا، اور عامل بلا اجرت کام کرے گا درخت والے کے لیے۔

پھل پکنے تک عامل کام کرتا رہے گا لیکن اس پر اجرت نہیں ہوگی، اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں درختوں کا اجارہ نہیں نیز کام سارا عامل کے ذمہ ہے جبکہ مزارعت میں عامل زمین کی اجرت مثل دے کر کام جاری رکھے گا اس لیے کہ زمین کا اجارہ جائز ہے اور اس میں کام کرنا بھی زراعت میں ملکیت کے اعتبار سے پس کام عامل اور مالک زمین پر ہوگا، اور جب اجرت مالک زمین کے لیے عامل پر واجب ہے تو عامل پر مالک زمین کے حصہ میں مدت ختم ہونے کے بعد عمل واجب نہیں اگر پھلدار درخت کا مالک کوئی اور نکل آیا تو عامل اجرت مثل اس سے لے گا اس لیے کہ اس کی اجرت عین بن گئی یعنی درخت کا جزو بن گئی جب عین بن گئی اور کوئی مستحق نکل آیا تو منافع کی قیمت پر رجوع کرے گا اور اگر کھجوروں نے پھل نہ دیا تو کسی چیز کا رجوع نہیں کرے گا رہ گئی مزارعت اگر زراعت کے بعد زمین کا کوئی مستحق نکل آیا تو عامل پیدا شدہ کھیتی کی قیمت کے اعتبار سے رجوع کرے گا اور اگر زراعت کرنے سے پہلے عمل کے بعد کوئی مستحق نکل آیا تو مزارع کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا۔

۴...... مساقات میں مدت بیان کرنا استحساناً شرط نہیں بلکہ عادۃ اس کے وقت کے علم پر اکتفاء کیا جائے گا اس لیے کہ پھلوں کے پکنے کا وقت معلوم ہوتا ہے بہت کم تفاوت ہوتا ہے برخلاف کھیتی کے اس کا کاٹنا کبھی مقدم ہوتا ہے کبھی متاخر بیج جلدی یا تاخیر سے بونے کے اعتبار سے۔ اور مزارعت میں اصل مذہب کے اعتبار سے مدت متعین کرنا شرط ہے لیکن مفتی بہ قول یہ ہے کہ شرط نہیں۔ حنفیہ اور شوافع کے ہاں مساقات ابتداء اجارہ ہے اور انتہاء کے اعتبار سے شرکت حنابلہ نے مساقات کو مضاربت کے ساتھ ملحق کیا ہے۔

دوسری بحث: مساقات کی شرطیں...... مساقات میں مزارعت کی جو شرائط ممکن ہیں وہ ہی شرط ہیں پس مساقات میں بیج کی جنس بیج والا زمین کا زراعت کے قابل ہونے اور مدت کا بیان شرط نہیں اور باقی مزارعت کی آٹھ شرطوں کا مساقات میں پایا جانا ممکن ہے یعنی عاقدین کی اہلیت عامل کے حصے کا بیان اس کے اور درختوں کے درمیان تخلیہ پیداوار میں شرکت اور آخری شرط میں یہ شرط بھی ہے کہ مشروط حصہ عمال کا جزو شائع ہو[1] مساقات کی شرائط کی تشریح اس طرح ممکن ہے۔[2]

۱۔ اہلیت عاقدین...... بایں طور کے دونوں عاقل ہوں لہٰذا بے وقوف کا عقد جائز نہیں اور بلوغ حنفیہ کے ہاں شرط نہیں بقیہ ائمہ کے ہاں شرط ہے۔

۲۔ محل عقد...... یعنی ایسا درخت ہو جس پر پھل ہوں اختلاف مورد مساقات میں بیان ہو چکا ہے اور محل عمل معلوم درخت ہیں۔

۳۔ عامل کے سپرد کرنا...... یعنی عامل اور معقود علیہ درختوں کے درمیان تخلیہ اگر دونوں پر عمل کی شرط لگا لی تو مساقات فاسد ہو جائے گی لعدم التخلیہ۔

۴...... کہ حاصل ہونے والے پھل دونوں کے درمیان مشترک ہوں اور ان میں سے ہر ایک کا حصہ مشاع اور معلوم مقدار کے اعتبار سے

---

[1] ...... ردالمحتار ۵/ ۲۰۱۔ [2] البدائع ۶/ ۱۸۵۔

ہوا گر کسی ایک کے لیے پیداوار کو شرط ٹھہرا دیا تو مساقات فاسد ہو جائے گی اسی طرح اگر متعین حصہ یا حصص کی مقدار مجہول ہوئی تو بھی مساقات فاسد اور حنفیہ کے ہاں مساقات کی مدت بیان کرنا استحسانا شرط نہیں متعارف پر عمل کرتے ہوئے اور مساقات پہلے سال کے پہلے پھل پر ہوگی اور برسم نمائی میں یہ پہلے ہوگی جیسے پھلدار درختوں میں اگر اس سال کچھ پیداوار نہ ہوئی تو مساقات فاسد ہو جائے گی۔

اگر مدت اتنی ذکر کردی کہ عادت اس مدت میں پھل تیار نہیں ہوتے تو مساقات فاسد ہوگی کیونکہ مقصد پھل میں شرکت فوت ہوگئی اگر عقد صحیح ہو اور درخت متفق علیہ مدت میں پھل نہ دے تو کسی کے لیے کچھ نہیں اور عقد صحیح باقی رہے گا اور اگر اتنی مدت ذکر کی جس میں پھل تیار ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی تو عقد صحیح ہے کیونکہ مقصود فوت ہونے کا یقین نہیں اگر پھل۔ مقررہ مدت میں تیار ہو گئے تو انہیں بحسب شرط تقسیم کردیا جائے گا اور اگر مقررہ وقت میں تیار نہ ہوئے تو مساقات فاسد ہو جائے گی اور عامل کے لیے اجرت مثل ہوئی فساد عقد کی وجہ سے اس لیے کہ غلطی مدت مقرر کرنے میں ظاہر ہوئی۔

جمہور کے ہاں مساقات کے ارکان......شوافع حنابلہ اور مالکیہ نے مساقات کے پانچ ارکان ذکر کئے ہیں اور وہ عاقدین مورد العمل پھل عمل اور صیغہ ہیں۔ ❶

پہلا رکن: عاقدین......عاقل بالغ جو اپنے لیے تصرف کرسکتا ہے اس کا مساقات کرنا درست ہے اس لیے کہ مساقات عقد معاوضہ یا معاملہ ہے مال پر جیسے مضاربت بیع کی طرح اس میں اہلیت مطلوب ہے اور ولی بچے مجنون اور بے وقوف کی طرف سے اس عقد کو کرے گا کیونکہ اسے ان پر ولایت حاصل ہے مصلحت کے وقت اس کی احتیاج ہے۔

دوسرا رکن: مورد مساقات......یعنی جس پر عقد مساقات کا صیغہ وارد ہو وہ شوافع کے ہاں کھجور اور انگور ہیں اور حنابلہ کے ہاں پھلدار درخت جو لگایا گیا ہو اور عامل کو معلوم ہو اور اس کی اصلاح ایک معلوم حصہ پھلوں کے عوض ہو۔

تیسرا رکن پھل......عاقدین کے ساتھ پھل خاص کرنا شرط ہے لہٰذا بعض حصہ کی دوسرے کے لیے ان کے علاوہ جائز نہیں اور ان دونوں کا اس میں شریک ہونا شرط ہے لہٰذا سارا پھل ایک کے لیے مشروط کرنا جائز نہیں اور دونوں کے حصہ کا معلوم ہونا بھی شرط ہے اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہوں یعنی حصے مضاربت کی طرح مشاع ہوں۔ شوافع کے ہاں اظہر اور یہی حنابلہ کا مذہب ہے کہ مساقات پھل لگنے کے بعد درست ہے پکنے سے پہلے اگر کھجور کے چھوٹے درخت لگانے پر مساقات کی کہ درخت دونوں کے ہوں گے تو یہ جائز نہیں اس لیے کہ مساقات اصل ثابت کے علاوہ پر نہیں ہوا۔ نیز درخت لگانا مساقات کے اعمال میں سے نہیں اگر درخت لگے ہوئے ہوں اور مالک عمل پر ایک حصہ پھل شرط قرار دے اگر اتنی مدت مقرر کی جس میں غالباً پھل آجاتا ہے جیسے پانچ سال تو عقد صحیح ہے اور کافی مدت پھل نہ ہونا اس کے لیے نقصان نہیں جیسے پانچ سال کے لیے مساقات کرنا پھل پانچویں سال ہونا غالب ہوتے ہیں اگر اس مدت میں درخت پھل نہ دے تو عامل کسی چیز کا مستحق نہیں جیسے پھلدار کھجوروں پر مساقات ہو اور پھر وہ پھل نہ دیں اگر اتنی مدت مقرر کی جس میں غالباً درخت پھل نہیں دیتے تو مساقات درست نہیں کیونکہ یہ عوض سے خالی ہے اور یہ بالاتفاق ہے۔

چوتھا رکن عمل......مساقات میں شرط ہے کہ عمل صرف عامل کرے اور قبضہ بھی عامل کا ہوتا کہ عامل جب چاہے عمل کرسکے اگر مالک کے عمل کو بھی عامل کے ساتھ شرط قرار دیا یا باغ مالک کے قبضہ میں رہا یا دونوں کے تو عقد صحیح نہیں مساقات فاسد ہو جائے گی۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ عامل پر ایسی چیز کی شرط نہ لگائی جائے جو اعمال مساقات میں سے نہ ہو جیسے کنواں کھودنا اگر ایسی شرط لگالی عقد صحیح نہ ہوگا اس لیے کہ مجہول عوض کا اجارہ ہے اور عقد میں عقد کی شرط ہے۔ شوافع کے ہاں یہ بھی شرط ہے کہ مدت مقررہ کے ساتھ عمل معلوم ہو یعنی سال یا زیادہ اور کم سے کم

❶ ......مغنی المحتاج ۲/ ۳۲۳۔ ۳۲۸۔

یہ کہ اتنی مدت ہو جس میں درخت باقی رہتے ہیں مطلق مدت یا ہمیشہ کے لیے یا اتنی مدت جس میں درخت غالباً پھل نہ دیتے ہوں مقرر کرنے سے عقد صحیح نہ ہوگا اس لیے کہ شوافع کے ہاں مساقات عقد لازم ہے اس میں اجارہ کی طرح مدت مقرر کرنا مطلوب ہے اگر مدت اتنی ہو کہ جس میں درخت پھل عادۃ نہ دیتے ہوں تو عقد صحیح نہیں کیونکہ عوض سے خالی ہے جیسے غیر پھلدار درخت پر مساقات اور پھل پکنے کی مدت مقرر کرنا صحیح نہیں جہالت کی وجہ سے۔ اور حنابلہ کے ہاں مزارعت اور مساقات میں مدت مقرر کرنا مطلوب نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ مدت مقرر نہیں فرمائی تھی اور خلفاء راشدین بھی آپ کے بعد آپ کے طریقہ پر چلتے رہے نیز مساقات اور مزارعت ان کے ہاں عقد جائز غیر لازم ہے عاقدین میں سے ہر ایک جب چاہے اسے فسخ کر سکتا ہے ابن قدامہ حنبلی نے اس کو اختیار کیا ہے کہ یہ عقد لازم ہے لہٰذا مدت مقرر کرنا واجب ہے اجارہ کی طرح اور اکثر مدت مقرر نہیں بلکہ جتنی مدت پر دونوں متفق ہو جائیں اور اس میں درخت باقی رہ سکتے ہوں صحیح ہے اگرچہ لمبی ہی کیوں نہ ہو اور کم از کم مدت جس میں پھل تیار ہو جائیں اس سے کم پر جائز نہیں اس لیے کہ مقصود پھل میں اشتراک ہے اور اس کم مدت میں وہ نہیں پایا جا سکتا ہے۔

پانچواں رکن: صیغہ..... مثلاً **ساقيتك على هذا النحل بثلث اوربع ثمره اوسلمته اليك لتتعهده اواعمل فى نخيلى يا تعهد نحيلى بكذا من ثمره** اگر مساقات اجارہ کے لفظ سے کی تو شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق یہ درست نہیں اس لیے کہ لفظ اجارہ دوسرے عقد میں صریح ہے اور حنابلہ کی ہاں مساقات معاملہ مفالحہ اور لفظ اجارہ سے بھی درست ہے جیسے کہ مزارعت لفظ اجارہ سے درست ہے اس لیے کہ مطلوب معنی ہوتا ہے اگر ایسا لفظ استعمال کیا جو اس پر دلالت کرتا ہو تو عقد صحیح ہے بیع اور معاطاۃ کی طرح اور شوافع کے ہاں قبول بھی لفظ کے اعتبار سے بولنا ضروری ہے اور سمجھ میں آنے والے اشارہ کے ذریعہ اعمال کی تفصیل کے بغیر عقد میں انہیں لانا ضروری نہیں اور مطلق کو ہر علاقے میں عرف غالب پر محمول کیا جائے گا اس میں عرف ہی مرجع ہے۔ حنابلہ کے ہاں مساقات وغیرہ قبول لفظ کے محتاج نہیں بلکہ کام شروع کر دینا ہی کافی ہے جیسے وکالت میں ہوتا ہے۔

تیسری بحث: مساقاتِ صحیحہ اور فاسدہ کا حکم..... جب مساقات کی شرائط مکمل ہوگئیں تو وہ صحیح ہوگی اور اگر ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو فاسد ہوگی۔

پہلا مقصد: مساقات صحیحہ کا حکم..... فقہاء کے ہاں صحیح مساقات کے لئے احکام ہیں اور حنفیہ کے [1] ہاں اس کے احکام یہ ہیں۔

۱..... اعمال مساقات میں سے ہر وہ چیز جس کی ضرورت ہو درختوں انگوروں برسیم اور بینگن وغیرہ کو سیرابی نہر کی درستگی حفاظت، شاخ تراشی وغیرہ تو یہ عامل کے ذمہ ہے اس لیے کہ یہ چیزیں معقود علیہ کے توابع میں سے ہیں۔ اور ہر وہ چیز جس کے درخت محتاج ہیں اور نفقہ وغیرہ جیسے گوبر اور زمین کو پھیرنا کاٹنا وغیرہ تو یہ عاقدین پر بقدر حصص ہوگا اس لیے کہ عقد اس کو شامل نہیں۔

۲..... کہ حاصل ہونے والی پیداوار دونوں کے درمیان طے شدہ شرط کے تناسب سے تقسیم ہو۔

۳..... اگر درختوں پر پھل نہ ہو تو دونوں کے لیے کچھ بھی نہیں۔

۴..... عقد جانبین کی طرف سے لازم ہے کوئی ایک بھی نافذ کرنے سے روکنے یا دوسرے کے رضامندی کے بغیر فسخ کرنے کا مجاز نہیں الا یہ کہ کوئی عذر ہو برخلاف مزارعت کے اس لیے کہ مزارعت حنفیہ کے ہاں بیج والے کی طرف سے لازم نہیں۔

۵..... مالک زمین کو عامل پر جبر کرنے کا حق ہے الا یہ کہ عذر ہو۔

۶..... شرط پر زیادتی بھی جائز ہے اور اس سے کمی بھی جائز ہے مزارعت میں مقرر شدہ قاعدے کی رو سے کہ ہر وہ جگہ جہاں انشاء عقد کا

---

[1] ..... البدائع ۱۸۷/۶۔

احتمال ہو وہ اضافہ کا بھی احتمال رکھتا ہے ورنہ نہیں اور کمی کرنا دو جگہوں پر جائز ہے پس جب پھل کی موٹائی نہ رکے کھجور میں تو طرفین سے زیادتی جائز ہے اس لیے کہ اس حالت میں زیادتی جائز ہے اگر پھل کی بڑھوتری رک جائے تو عامل کی طرف سے مالک زمین کے لیے اضافہ جائز ہے۔

اور مالک زمین کی طرف سے عامل کے لیے اضافہ جائز نہیں اس لیے کہ عامل کی طرف سے اضافہ اجرت میں کمی ہے اور اس میں انشاء عقد کا احتمال شرط نہیں اور زمین والے کی جانب سے اضافہ اجرت میں اضافہ ہے اور محل اس اضافے کا محتمل نہیں۔

۷.....عامل غیر کو مساقات کے لیے دینے کا مالک الا یہ کہ مالک زمین اس کو سپرد کرے کہ اپنی رائے پر عمل کرو اگر عامل نے مخالفت کی اور دوسرے کو درخت مساقات کی لیے دے دیئے تو پھل مالک درخت کے لیے ہوں گے اور عامل اول کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی اور عامل ثانی کے لیے اول پر اجرت مثل ہوگی۔

مالکیہ کے ہاں مساقات صحیحہ کے احکام......زیادہ تر حنفی مذہب کے موافق ہیں ان کے ہاں باغ میں کام کرنا تین قسم پر ہے ایک جو چیز پھل سے متعلق نہیں عامل کے لیے عقد میں لازم نہیں اور اس پر شرط قرار دینا جائز نہیں۔ دوسری جس چیز کا تعلق پھلوں سے ہو اور وہ بعد میں بھی باقی رہے جیسے کنواں کھودنا چشمہ وغیرہ بنانا پھل محفوظ کرنے کے لیے گھر بنانا درخت لگانا وغیرہ یہ بھی عامل کے ذمہ لازم نہیں اور نہ ہی اس پر شرط قرار دینا جائز ہے تیسری جس کا تعلق پھلوں سے ہے اور وہ باقی نہیں رہتی تو یہ عامل کے ذمہ ہے عقد کی وجہ سے جیسے پیوند کاری شاخ تراشی سیرابی اور عامل ہی پر ہیں تمام آلات جانوروں وغیرہ کا خرچہ جو عرفاً درختوں کے لیے لازم ہوتا ہے اور عامل کے ذمہ باغ کی دیواروں کو مضبوط کرنا اور باقی جاری ہونے کی جگہوں کی درستگی نہیں ہاں اس کے ذمہ لگانا جائز ہے اس لیے کہ یہ آسان ہیں رہ گیا عامل کا حق تو اسے پھلوں کا ایک حصہ ملے گا جیسے ثلث نصف وغیرہ یا جس پر اتفاق ہو جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ سارا پھل ہی عامل کے لیے ہو اور جب درخت پھل نہ دے تو عاقدین میں سے کسی پر ایک دوسرے کے لیے کچھ بھی نہیں اس لیے کہ پھل سماوی آفت کی وجہ سے نہیں ہوئے نہ کہ فساد عقد کی وجہ سے۔ اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے یہ جائز نہیں کہ کوئی اور نفع اپنے لیے شرط رکھے جیسے درہم و دینار۔ شوافع اور حنابلہ مالکیہ کے ساتھ عمل کے لازم ہونے کی تحدید اور عامل کے حق میں ہیں عمل کے متعلق ان کا کہنا ہے ہر وہ چیز جو ہر سال مکرر ہوتی ہے وہ عامل پر ہے اور جو مکرر نہیں ہوتی وہ رب المال پر ہے۔ پس عامل کے ذمہ ہے وہ کام جو پھلوں کی اصلاح کے لیے ہے اور ان میں اضافے کا باعث ہے جو ہر سال عمل میں مکرر ہوتا ہے اور اس سے اصل کی حفاظت کا قصد نہیں ہوتا جیسے سیراب کرنا نہر اور کنویں کی صفائی یعنی پانی جاری ہونے کی نالی کی صفائی اور درختوں کے لیے جمع ہونے والے پانی کی جگہ کی درستگی اور زیادہ کھجور کو اپنی جگہ پر رکھنا گھاس پھوس اور جڑی بوٹیاں تلف کرنا اور انگور کی بیل چڑھانے کے لیے لکڑیاں وغیرہ لگانا پھل کی حفاظت اور اسے اتارنا اور خشک کرنا اور وہ چیز جس سے اصل اور درخت کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اور سال میں ہر مرتبہ وہ کام نہیں ہوتا جیسے باغ کی چار دیواری بنانا نئی نہر کھودنا اور نہر میں سے جو گر گئی اس کی اصلاح کرنا اور دولاب وغیرہ کی درستگی یہ مالک کے ذمہ ہے اور مالک ہی کے ذمہ خراجی زمین کا خراج ہے اس سے یہ ظاہر ہوا کہ پھل اتارنا مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں عامل کے ذمہ ہے جبکہ حنفیہ کے ہاں مالک اور عامل دونوں کے ذمہ ہے بقدر حصص مساقات جانبین سے عقد لازم ہے اجارہ کی طرح شوافع حنفیہ اور مالکیہ (یعنی جمہور کے ہاں) اور حنابلہ کے ہاں لازم نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے واقعے میں جو مسلم شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: ہم تمہیں اس پر برقرار رکھتے ہیں جب تک چاہیں اور رہ گئی مزارعت یہ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں لازم نہیں اور بیج بونے کے بعد مالکیہ کے ہاں لازم ہے۔

اس بناء پر کہ مساقات عقد لازم ہے اور شوافع کے ہاں مزارعت اس کے تابع ہے اگر عامل کام مکمل کرنے سے پہلے بھاگ گیا اور مالک

نے کام مکمل کر دیا تو عامل کا حق باقی رہے گا جیسے کہ اجنبی کا تبرع کرنا دین کی ادائیگی میں اور اگر مالک نے کام میں تبرع نہ کیا تو حاکم وقت جب اس کے پاس کیس پہنچے تو اجرت طلب کرے گا عامل سے اور اجیر عامل کے مال سے کام پورا کرے گا اگر دوری کی وجہ سے مالک حاکم تک نہیں پہنچ سکتا یا مالک کی طلب نہیں تو مالک اپنے کام پر گواہ بنالے یا خرچ پر گواہ بنالے اگر اسے واپس لینے کا ارادہ ہو اس لیے کہ عذر کے وقت گواہ بنانا حاکم کی طرح ہے اور گواہی میں رجوع کی ضرورت کو وضاحت سے ذکر کرے حنابلہ کہتے ہیں: اگر عامل بھاگ گیا تو رب المال کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہے اس لیے کہ مساقات عقد جائز ہے لازم نہیں۔

عامل کے قبضہ کی نوعیت...... عامل کا قبضہ مساقات، مزارعت اور درخت وغیرہ لگانے میں امانت ہے جب وہ پھلوں میں سے یا زراعت اور درختوں میں سے کسی چیز کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے بغیر کوتاہی اور ظلم کے تو اس کی بات کی قسم کے ساتھ تصدیق ہوگی اسی طرح اگر مالک اسے خیانت کی تہمت لگائے اور وہ انکار کرے تو اسی کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ امین ہے۔

دوسرا مقصد: مساقات فاسدہ کا حکم...... شرعاً جو شرائط مساقات میں مطلوب ہیں ان میں سے کسی بھی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے مساقات فاسد ہو جاتی ہے اور عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں فساد مساقات کی اہم صورتیں یہ ہیں۔

۱..... یہ شرط لگا دینا کی پیداوار خارج سارے کا سارا ایک کا ہوگا اس لیے کہ شرکت نہیں پائی گئی تو مساقات فاسد ہے۔

۲..... پھلوں کا ایک متعین حصہ عاقدین میں سے کسی ایک کے لیے شرط قرار دیا جیسے آدھا قنطار یعنی (۵۰ رطل) انگور یا کھجوریں وغیرہ یا پھلوں کے علاوہ متعین حصہ شرط قرار دینا جیسے کچھ نقدی وغیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ مساقات پھلوں میں شرکت کا نام ہے۔

۳..... مالک کے لیے عمل میں شرکت کی شرط لگا لینا حالانکہ عامل اور پھلوں میں تخلیہ ضروری ہے اور عامل کا اصل کام اس عقد میں عمل ہے۔

۴..... پھل اتارنا عامل کے ذمہ لگا دینا اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں مساقات میں اس کی گنجائش نہیں نیز لوگوں کا اس پر تعامل بھی نہیں اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ ہر وہ کام جو پھل پکنے سے پہلے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جیسے سیراب کرنا پیوند اور حفاظت وغیرہ تو یہ عامل پر ہے اور جو پکنے کے بعد کے کام میں مثلاً اتارنا اور پھر حفاظت کرنا تو یہ عاقدین پر ہے۔

۵..... یہ شرط لگانا کہ تقسیم کے بعد اٹھانا اور حفاظت کرنا عامل کے ذمہ ہے اس لیے کہ یہ مساقات عمل میں سے نہیں۔

۷..... ایسا عامل پر شرط رکھنا جس کی منفعت مدت مساقات ختم ہونے کے بعد باقی رہے جیسے درخت لگانا، زمین جوتنا، انگور کی بیلوں پر لکڑیاں لگانا وغیرہ اس لیے کہ نہ ہی عقد اس کا تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی یہ اعمال مساقات میں سے ہے۔ اتنی مدت پر اتفاق کر لینا جس میں معمول کے مطابق پھل نہیں لگتے اس عامل کا نقصان ہے اور مقصود بھی فوت ہوتا ہے جو کہ خارج میں شرکت ہے جیسا کہ اگر پھل پک چکیں پھر مساقات کی جائے تو یہ فاسد ہے کیونکہ عامل تو عمل کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے اور پکنے کے بعد تو عمل کا کوئی اثر نہیں۔

۸..... شریک کے ساتھ مساقات کرنا بایں طور کہ ایک باغ دو آدمیوں کے درمیان نصف نصف پر مشترک ہو تو ایک دوسرے کو مساقات پر دے دے کہ اسے دو ثلث ملے گا اور شریک مساقی کو ثلث اس لیے کہ مساقات اجارہ کی طرح ہے اور ایک شخص کا اجیر اور شریک ہونا جائز نہیں یعنی اپنے شریک سے اجرت پر لینے والا ہونا اس لیے کہ شریک کو عمل کے لیے اجرت پر لینا شرکت میں درست نہیں اس لیے کہ اجیر کا عمل مستاجر کی خالص ملک میں ہونا چاہیے جب اس نے کام کیا تو وہ شریک سے کسی اجرت کا مستحق نہ ہوگا اور عامل کا عمل اپنے لیے ہوگا اور یہ فساد کا حکم حنابلہ نے دو وجہوں کے درمیان اختیار کیا ہے کہ جب عامل کی لیے عمل کے مقابل میں کچھ بھی نہ ہو۔ اور شوافع نے اس عقد کو جائز قرار دیا ہے جب عامل اپنے حصہ سے زیادہ کی شرط رکھے یعنی شوافع اور حنابلہ اس صورت کی جو جائز قرار دیتے ہیں اور وہ حالت یہ ہے کہ جب اتفاق

ہو جائے عامل کے عمل کا مقابلہ میں زیادہ دینے کا۔ بایں طور کہ درخت دونوں کے درمیان نصف نصف ہوں اور عامل کے لیے دوثلث پھل شرط لگا دیئے جائیں تا کہ سدس اس کے عمل کا عوض ہو، اگر اس کے حصہ کی مقدار یا اس سے کچھ کم شرط لگائی تو یہ درست نہیں، اس لیے کہ یہ وہ اپنے حصہ کا ملکیت کی وجہ سے مستحق ہے پس یہ اتفاق اس طرح کہ شریک دوسرے شریک سے کہے: میں تمہیں اپنے حصہ پر مساقات کے لیے دیتا ہوں یا مطلقا رکھے تو یہ عقد درست نہ ہوگا۔ حنفیہ کے ہاں ❶ فساد مساقات پر درج ذیل احکام مرتب ہوتے ہیں۔

۱.....عامل کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ عمل پر مجبور کرنا عقد کا حکم ہے اور یہ عقد ہی صحیح نہیں۔

۲.....پھل سارے کی سارے مالک درخت کے ہوں گے اس لیے کہ اسی کی ملکیت کی یہ بڑھوتری ہے اور عامل کچھ بھی نہیں لے گا اس لیے کہ وہ تو عقد میں شرط کی وجہ سے مستحق ہوا تھا اور عقد ہی صحیح نہیں۔

۳.....جب مساقات فاسد ہے تو عامل کو اجرت مثل ملے گی کالا جارۃ الفاسدہ۔

۴.....امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اجرت مثل مقررہ مقدار کے برابر ملے گی زیادہ نہیں جب کہ امام محمد کے ہاں اجرت مثل ملے گی جہاں بھی پہنچ جائے۔

دوسرے مذاہب کے مطلق عقد کے فاسد ہونے کا اثر..... مالکیہ کے ہاں ❷ جب مساقات فاسد ہوگئی اگر کام شروع کرنے سے پہلے اس کا علم ہو گیا تو اسے فسخ کیا جائے اور اگر کام شروع کرنے کے بعد معلوم ہوا تو دوران عمل ہی فسخ کیا جائے اور اجرت مثل واجب ہے اس صورت میں اگر عاقدین مساقات سے اجارہ فاسدہ کی طرف آجائیں یا بیع فاسد کی طرف اس لیے کہ اس میں عامل کے لیے عمل کی اجرت سے چاہے کم ہو یا زیادہ لہٰذا فسخ میں اسے کوئی نقصان نہیں۔

اجارہ فاسدہ کی طرف پھرنے کی مثال.....کسی متعین چیز کی یا تجارتی سامان کی باغ والے کی طرف سے عامل کے لیے شرط لگانا اس لیے کہ اس صورت میں مالک عامل کو اجارہ پر لینے والا ہو جائے گا کہ اس باغ میں اس اضافہ اور پھلوں کے کچھ حصہ کے عوض کام کرو یہ اجارہ فاسد ہے اس میں عامل کو اجرت مثل ملے گی اس میں اس اضافہ کا حساب لگایا جائے گا اور عامل کو پھلوں میں سے کچھ نہ ملے گا اگرچہ کام مکمل ہونے کے بعد ہی ہوا اور اگر اضافہ عامل کی طرف سے مالک کے لیے ہو تو عاقدین بیع فاسد کی طرف پھر گئے وہ پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا گویا کہ عامل نے متعین حصہ خریدا اور اضافہ مالک کو دیا اور اپنے عمل کی اجرت لہٰذا اس کے لیے اجرت مثل واجب ہے جو کچھ مال کو زیادہ لے لے اور پھل اسے نہیں ملیں گے اور اگر عاقدین مساقات سے کسی دوسرے عقد کی طرف نہیں نکلے بایں طور کہ فساد کسی نقصان سے ہوا ہو یا کوئی شرط نہ پائی گئی یا کوئی رکاوٹ ہوگئی یا دھوکہ ہو گیا جیسے مختلف باغوں میں مساقات تو مساقات مساقات مثل پر چلتی رہے گی جیسے ایسے پھل پر مساقات کہ جو فروخت کے قابل نہیں اور دوسرے ایسے جو ہیں تو اب عقد مجہول پھلوں کی مجہول عمل کے ساتھ بیع ہے یا جیسے مالک کے ذمہ بھی عامل کے ساتھ کام کرنے کی شرط لگانا پھلوں کے بدلے میں یا مفت میں یا چھوٹے باغ میں آلات استعمال اور جانور وغیرہ کی شرط مالک کے لیے لگانا کیونکہ بسا اوقات یہ اس کے لیے کافی ہوگا تو یہ ایسا ہو گیا جیسے عامل نے تمام کام مالک کے ذمہ لگا دیا۔

البتہ بڑے باغ میں جانور کی شرط مالک پر لگانا درست ہے، یہ ساری تفصیل ابن قاسم کے ہاں ہے اور ابن ماجشون کے ہاں فساد کی تمام صورتوں میں یہ اجارہ مثل کی طرف لوٹے گا۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں.....جب پھل کام کے بعد مالک کے علاوہ کسی اور کے نکلے یا ان کا کوئی مستحق نکل آیا تو عامل کو مساقات کی اجرت مثل ملے گی اس لیے کہ اس نے اس کے منافع کو عقد فاسد کے ساتھ ضائع کیا ہے لہٰذا اس کے بدل کے ساتھ مالک پر رجوع کرے

❶ البدائع ۶: ۱۸۸۔ ❷ بدایۃ المجتہد ۲: ۲۴۸۔

گا، اور جب مساقات فاسد ہوگئی تو عامل کو عمل کے بدلہ میں اجرت مثل ملے گی اور پھل سارے کا سارا درختوں والے کا ہوگا اس لیے کہ یہ اس کی ملک کی بڑھوتری ہے اور مساقات فاسد ہو جائے گی عاقدین کے حصہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے یا مجہول حصہ شرط کرنے کی وجہ سے یا معلوم درہم یا پھل میں سے متعین مقدار یا مالک پر عمل کی شرط لگانا یا عامل کا مساقات والے درختوں سے ہٹ کر دوسرے درختوں پر کام کرنا۔

خلاصہ...... یہ کہ تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق مساقات فاسدہ کو جب اس کا فساد کام شروع کرنے سے پہلے معلوم ہو فسخ کرنا واجب ہے۔ اگر عامل نے کام شروع کر دیا پھر فساد پر مطلع ہوا تو جمہور کے ہاں اس کے لیے اجرت مثل واجب ہے جیسا کہ مالکیہ کے ہاں اگر متعاقدین کی دوسرے عقد کی طرف نکل جائیں تو اجرت مثل واجب ہوتی ہے اور اگر دوسرے عقد کی طرف نہ نکلیں تو مساقات، مساقات مثل پر جاری رہے گی۔

چوتھی بحث: انتہاء مساقات ..... حنفیہ کے ہاں مزارعت کی طرح مساقات بھی تین امور میں سے کسی ایک سے ختم ہو جائے گی متفق علیہ مدت ختم ہونے سے، عاقدین میں سے کسی ایک کے مرنے اور عقد فسخ کرنے کی وجہ سے چاہے صراحتاً اقالہ کے ذریعہ ہو یا کسی عذر کی بنا پر جیسے اجارہ فسخ ہوتا ہے۔ عذروں میں سے یہ کہ عامل چور مشہور ہو اس سے پھل چوری کرنے یا ٹہنیاں توڑنے کا خوف ہو کیونکہ اس سے مالک زمین کا نقصان ہے جس کا اس نے التزام نہیں کیا لہٰذا فسخ کیا جائے گا اور اعذار میں یہ بھی ہے کہ عامل بیمار ہو جائے کہ عمل نہ کر سکے اس لیے کہ اس کے ذمہ لازم کرنے سے زیادہ اس کا نقصان ہے جب کہ اس نے اس ضرر کا التزام نہیں کیا لہٰذا عذر قرار دیا جائے گا عامل کے سفر کو عذر قرار دینے میں دو روایتیں ہیں صحیح یہ ہے کہ مرض کی طرح اسے بھی عذر قرار دیا جائے لہٰذا اگر صرف عامل پر عمل کی شرط ہو تو عذر ہے اور اگر عقد مطلق ہے تو عذر نہیں۔

جب عامل مر گیا تو اس کے ورثاء کے ذمہ ہے کہ وہ پھلوں کی دیکھ بھال کریں پکنے تک اگر چہ مالک درخت اسے ناپسند ہی کرے کیونکہ دونوں جانب کی رعایت ضروری ہے اگر مالک مر گیا تو عامل اپنا کام جاری رکھے اگر چہ مالک کے ورثاء اسے پسند نہ بھی کریں اور اگر دونوں عاقد مر جائیں تو جاری رکھنے میں عامل کے ورثاء کو اختیار ہے اگر عامل کے ورثاء انکار کر دیں تو پھر مالک زمین کے ورثاء کو اختیار ہے۔

جب مدت مساقات ختم ہو جائے اور پھل پکے نہیں بایں طور کہ کچے ہیں تو پکنے تک مساقات استحساناً باقی رہے گی اور عامل کو اختیار ہوگا چاہے چھوڑ دے چاہے کام کرے لیکن اس پر اجرت نہ ہوگی یعنی عامل پر مالک کے لیے اس کے حصہ کی پکنے تک اجرت نہ ہوگی اس لیے کہ درختوں کا اجارہ درست نہیں اور مساقات میں کام تمام عامل کا ہوگا اور مزارعت میں عامل پر زمین کی اجرت مثل واجب ہوتی ہے اس لیے کہ زمین کا اجارہ جائز ہے اور مساقات میں عمل سارا عامل کا ہوگا اور مزارعت میں عاقدین پر اگر عامل عمل سے انکار کر دے تو مالک یا اس کے وارثوں کو اختیار ہے تین چیزوں کے درمیان یا تو وہ بحسب شرط پھل تقسیم کر لیں یا عامل کو اس کے حصے کے پھلوں کی قیمت دے دیں اور یا پھلوں پر پکنے تک خرچہ کریں پھر عامل سے اس کے پھلوں کی بقدر خرچہ میں رجوع کر لیں، اس لیے کہ عامل کو اس کے علاوہ نقصان دینا درست نہیں۔

لیکن علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ عامل پر صرف اس کے حصہ کے خرچہ میں رجوع کیا جائے گا اور اس میں اشکال ہوتا ہے ہونا یہ چاہیے کہ سارے اخراجات میں رجوع ہو اس لیے کہ عامل عمل کی وجہ سے استحقاق رکھتا ہے اور عمل سارا اسی کے ذمہ ہے اگر اس کے حصہ میں صرف رجوع کیا جائے تو یہ رجوع لیا جائے اعامل کے اس استحقاق کی طرف جو بعض مدت میں بدعمل ہے مالکیہ کے ہاں مساقات عقد وراثت ہے مالک کے ورثاء کے لیے کہ وہ ایک امین لائیں جو عمل کرے اگر وہ خود امین نہ ہوں اور مالک کے ذمہ کام ہے اگر عامل کے ورثاء انکار کر دیں اس کے ترکہ سے کام کرنے سے اور مساقات کے عقد کو فسخ نہ کیا جائے گا اگر عامل چور، ظالم یا عمل سے عاجز ہو اور عامل کے ذمہ دوسرا شخص اجرت پر لینا ہے جو کام کرے یا وہ اپنے حصہ کے پھلوں میں سے کسی کو اجرت پر لے اگر اس کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔ اس لیے کہ ان کے ہاں

مساقات عقد لازم ہے اعذار کی وجہ سے فسخ نہیں کیا جا سکتا اور عاقد دوسرے کی رضامندی کے بغیر عقد ہونے کے بعد فسخ نہیں کر سکتا۔ شوافع کے ہاں مساقات عذروں کی وجہ فسخ نہیں کی جائے گی اگر عامل کی خیانت ظاہر ہو تو اس پر ایک نگران مقرر کیا جائے گا تاکہ کام مکمل ہو اس لیے کہ اس پر عمل واجب ہے اگر نگران کے باوجود بھی وہ خیانت سے باز نہ آئے تو پھر اس کا قبضہ بالکلیہ طور پر ختم کر دیا جائے گا اور عامل کے مال سے کسی کو اجیر بنایا جائے گا جو کام مکمل کرے۔ شوافع ہاں مدت ختم ہونے سے مساقات ختم ہو جاتی ہے جب مدت ختم ہو گئی مثلاً اس سال پھر اس کے بعد پھل لگے تو عامل کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا اس لیے کہ یہ پھل اس عقد کے ختم ہونے کے بعد لگے ہیں۔ اگر پھل ظاہر تو ہو لیکن مکمل تیار نہ ہوئے مدت ختم ہونے سے پہلے تو ان کے ساتھ عامل کا حق متعلق ہوگا اس لیے کہ یہ مدت ختم ہونے سے پہلے پیدا ہوئے ہیں اور عامل پر کام مکمل کرنا واجب ہوگا۔ عامل کے مرنے کی وجہ سے مساقات فسخ ہو جائے گی اگر کسی متعین چیز پر ہو اور دوران مدت مالک کے مر جانے کی وجہ سے عقد فسخ نہیں ہوگا بلکہ عامل کام مکمل کرے اور اپنا حصہ لے لے۔ لیکن جب مورث مساقات کرے پھر وہ بھی مر جائے تو عقد فسخ ہوگا۔ اس لیے کہ کوئی وارث خود عامل نہیں جب عامل مساقات اپنے ذمہ لازم کر لے پھر کام مکمل ہونے سے پہلے مر جائے اور ترکہ چھوڑے وارث اس عمل کو اس سے مکمل کرے اس لیے کہ یہ مورث پر واجب حق ہے ترکہ سے دوسرے حقوق کی طرح ادا کرے اور وارث پر لازم ہے کہ وہ خود یا اسی کے مال سے اس کو مکمل کروائے اور مالک کے ذمہ اسے عمل کرنے کی قدرت دینا ہے جب کہ وارث مساقات کا کام جانتا ہو اور امین ہو ورنہ حاکم اس کے ترکہ سے عامل اجرت پر لے اگر عامل نے ترکہ نہ چھوڑا ہو تو اس پر فرض نہیں اس لیے کہ اس کا ذمہ موت کی وجہ سے ختم ہو گیا اس سے ظاہر ہوا کہ شوافع کے ہاں عاقدین میں سے کسی کے مرنے سے مساقات ختم نہیں ہوتی اگر مالک یا عامل مر گیا تو عامل کام جاری رکھے اور کام مکمل ہونے سے پہلے عامل کی خیانت، بھاگ جانے، گرفتار ہونے اور بیمار ہونے سے مساقات ختم نہیں ہوتی ہاں خیانت کی صورت میں اس پر نگران مقرر کیا جائے گا جو اس کی نگرانی کرے اور گرفتاری وغیرہ کی صورت میں حاکم امین پر اور اس کے حساب سے اجرت پر مقرر کرے اگر مالک اور عامل کا طے شدہ پھلوں میں اختلاف ہو جائے تو ہر ایک اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے اور دوسرے کے دعویٰ کی نفی کے لیے حلف اٹھائے گا اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے دعویٰ کا منکر ہے جب دونوں حلف اٹھالیں گے تو عقد فسخ ہو جائے گا اور پھل سارا مالک کا ہوگا اور عامل کے لیے اجرت مثل ہوگی۔ حنابلہ کے ہاں [1] مساقات مزارعت کی طرح عقد جائز ہے دونوں کو فسخ کا اختیار ہے اگر پھل لگنے کے بعد فسخ کیا تو پھل دونوں کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوگا اور عامل کے ذمہ مکمل کرنا ہوگا۔ اور عامل کی مدت سے مساقات فسخ نہیں ہوتی اس لیے کہ اگر عامل مر گیا تو اس کا وارث ملک اور عمل میں اس کا قائم مقام ہوگا، اس لیے کہ یہ حق ہے جو مورث کے لیے ثابت ہے لہٰذا یہ وارث کا ہوگا۔ اگر وارث نے عمل کرنے سے انکار کر دیا تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا اور حاکم اس کے ترکہ سے اجیر رکھے گا جو عمل کرے اگر ترکہ نہ ہو یا اس سے اجارہ پر لینا مشکل ہے تو عامل کے حصہ کو فروخت کر کے کام مکمل کروائے گا۔ اگر عامل نے عقد فسخ کر دیا یا پھل پیدا ہونے سے پہلے بھاگ گیا تو اس کے لیے کچھ بھی نہیں، اس لیے کہ وہ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہے جیسے مضارب عامل منافع حاصل ہونے سے پہلے فسخ کر دے اور انعام والا عامل کام مکمل کرنے سے پہلے فسخ کر دے لیکن اگر مالک پھل لگنے سے پہلے اور عامل کے کام شروع کرنے کے بعد مساقات فسخ کر دے تو اس کے ذمہ عامل کی اجرت مثل ہے برخلاف مضاربت کے اس لیے کہ مضاربت میں منافع خود مال سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ عمل سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے عمل سے نفع حاصل نہیں ہوا اور مساقات میں پھل درخت سے پیدا ہوتے ہیں اور عامل نے درختوں پر عمل کیا ہے جو پھل میں مؤثر ہے لہٰذا پھل حاصل ہونے میں اس کے عمل کی تاخیر ہے اور اس کا ظاہر ہونا فسخ کے بعد ہے۔

اگر عامل مر گیا اور مساقات اس کی ذات کے ذمہ تھی، یا مجنون ہو گیا یا اس کی بے وقوفی کی وجہ سے اس پر پابندی لگ گئی تو مساقات فسخ ہو جائے گی۔ اگر مالک مر گیا یا مجنون ہو گیا یا اس پر سفاہت کی وجہ سے پابندی لگ گئی تو عقد فسخ کر دیا جائے گا خلاف الشافعیہ اور حالت عذر

---

[1] المغنی ۵/ ۴۰۳۔

میں حنابلہ کے ہاں عدم فسخ کے باوجود اگر عامل عاجز آ گیا عمل سے تو اس کے ساتھ ایک اور ملا دیا جائے گا اور اس کا قبضہ نہیں چھوڑا جائے گا کما قررالشافعیہ اس لیے کہ عمل کی وجہ سے استحقاق ہے اور اس کا قبضہ باقی رکھنے میں کوئی نقصان نہیں اور اگر وہ بالکل ہی عاجز آ گیا تو مالک اس کی جگہ پر کسی اور کو رکھے گا اور دونوں حالتوں میں اجرت اس پر ہوگی اس لیے کہ اسی کے ذمہ کام مکمل کرنا تھا۔ باقی مذاہب کی طرح حنابلہ کے ہاں بھی مدت مساقات ختم ہونے کی وجہ سے عقد ختم ہو جائے گا لیکن اگر مالک اتنی مدت تک مساقات کرے جس میں غالباً پھل پیدا ہو سکتے ہیں اور اس سال پھل نہ ہوئے تو عامل کو کچھ بھی نہیں ملے گا مضاربت کی طرح۔

تیسرا عقد: درخت لگانا (مغارسہ یا مناصبہ) اس کی تعریف اور حکم فقہاء کے ہاں:

پہلی بات: مغارسہ کی تعریف...... یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اپنی زمین دے تا کہ وہ اس میں درخت لگائے۔ ❶

شوافع نے یہ تعریف کی ہے...... اپنی زمین اس کے سپرد کرے تا کہ وہ اپنے پاس سے اس میں درخت لگائے اور درخت ان کے درمیان تقسیم ہوں ❷ اہل شام کے ہاں اسے مناصبہ یا مشاطرہ کہتے ہیں، اس لیے کہ درخت لگانے کو عام طور پر منصوب کہتے ہیں نیز خارج ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا۔

دوسری بات مغارسہ کا حکم...... فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ اس میں زمین اور درخت مالک اور عامل کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں آدھے آدھے جمہور اس سے منع کرتے ہیں اور مالکیہ چند شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں اگر شرکت صرف درختوں میں ہو تو یہ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں جائز ہے مالکیہ کے ہاں جائز نہیں اور شوافع کے ہاں دونوں صورتیں منع ہیں ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے حنفیہ کے ہاں ❸ جس نے خالی زمین دی چند معلوم سالوں کے لیے اس میں درخت لگائے جائیں بایں طور کہ زمین اور درخت مالک اور درخت لگانے والے کے درمیان نصف نصف ہوں گے تو یہ تین وجوہ سے جائز نہیں۔

پہلی وجہ یہ کہ شرکت کی شرط ایسی چیز میں لگائی جا رہی ہے جو شرکت سے پہلے بھی موجود ہے یعنی زمین نہ کہ عامل کے عمل کی وجہ سے اور یہ قفیز طحان کے معنی میں ہے جو ممنوع ہے ❹ اس وجہ کے متعلق صاحب ھدایہ نے فرمایا یہ سب سے اصح ہے اس لیے کہ جیسے صاحب عنایہ نے فرمایا یہ مثل ہے اس صورت کے کہ کوئی کسی کو کپڑے رنگنے کے لیے اجیر رکھے اس طور پر کہ آدھا رنگا ہوا کپڑا رنگساز کا ہوگا اور یہ مفسد عقد ہے اور شرکت فاسد ہے۔

دوسری وجہ فساد یہ کہ مالک نے نصف زمین تمام درختوں کے عوض قرار دے دی اور نصف خسارہ عامل کے عمل کے بدلے پس عامل آدھی زمین مجہول درختوں کے عوض خریدنے والے ہو جو عقد کے وقت معدوم ہیں لہٰذا عقد فاسد ہو گیا اس وجہ کو ابن عابدین (علامہ شامی) رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے اس لیے کہ مغارسہ کا قفیز طحان کے معنی میں ہونا نقصان دہ نہیں یہ تو مزارعت اور مساقات کے معاملہ میں بہت پایا جاتا ہے اسی وجہ سے امام اعظم نے ان کے فاسد ہونے کو اختیار کیا اور صاحبین نے قیاس کو ترک کر دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خیبر سے مساقات پر استدلال کرتے ہوئے یہی اولیٰ ہے اور یہ شرائط فاسد ہے۔

تیسری وجہ فساد یہ کہ مالک نے ایک شخص کو اجرت پر رکھا تو وہ اس کی زمین کو درختوں کا باغ بنا دے اپنے آلات کے ذریعہ اس شرط پر کہ آدھا باغ اس کا ہوگا جو اس کے عمل کا نتیجہ ہے اور یہ مفسد عقد ہے اس لیے کہ یہ اجارہ ہے مجہول اجرت پر اور دھوکا ہے پس یہ اجارہ فاسدہ ہے۔

---

❶ القوانین الفقہیۃ ص ۲۹۱۔ ❷ مغنی المحتاج: ۲/ ۳۲۴۔ ❸ تکملۃ الفتح: ۸/ ۴۹۔ ❹ دارقطنی نیل الاوطار ۵/ ۲۹۲۔

جب مغارست فاسد ہوگئی تو تمام پھل اور درخت مالک زمین کے ہوں گے اور درخت لگانے والے کو درخت لگانے کے دن کی قیمت اور عمل کی اجرت مثل دی جائے گی حنفیہ کے ہاں مغارست کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ مالک اپنی آدھی زمین فروخت کردے آدھے درختوں کے عوض اور مالک عامل کو مثلاً تین سال کے لیے اجرت پر لے لے تھوڑی سی چیز کے عوض تاکہ وہ اس کے حصہ کا کام کرے اور حنفیہ نے اسی طرح تصحیح کی ہے جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ اگر اشتراک صرف درختوں اور پھلوں میں ہو زمین کے علاوہ تو صحیح ہے اور شوافع کی عبارت مغارست کے حکم میں یہ ہے کہ مغارست صحیح نہیں اس لیے کہ زمین میں اس سے حاصل ہونے والی میں سے بعض کے عوض مغارست جائز نہیں اس لیے کہ درخت لگانا مساقات کے اعمال میں سے نہیں پس اس کے ساتھ ملانا اسے فاسد کردیتا ہے اور اس کی تحقیق اجارہ سے ممکن ہے رہ گئی مساقات درختوں میں اس میں عقد اجارہ ممکن نہیں تو مساقات حاجت کی وجہ سے جائز ہے اور پیدا ہونے والے درخت عامل کے ہوں گے اور رب الارض کے لیے عامل پر اجرت مثل ہے الخ۔

حنابلہ کی عبارت ❶ جب مالک عامل کو زمین دے کہ زمین اور درخت دونوں کے درمیان مشترک ہوں گے تو یہ معاملہ ایک ہی وجہ سے فاسد ہے اس لیے کہ انہوں نے اصل درخت اور زمین میں اشتراک کو شرط قرار دیا ہے تو یہ فاسد ہے جیسا کہ وہ درخت یا کھجور دے کہ اصل اور پھل دونوں کے درمیان مشترک ہوں تو یہ فاسد ہے یا مزارعت میں شرط رکھے کے زمین اور غلہ دونوں کے درختوں ہوگا تو ان صورتوں میں عامل کے لیے اجرت مثل ہوئی۔ لیکن اگر اس نے مساقات کی کہ درخت لگانے میں اس نے کام کیا وہ ہوئے تو پھر عامل کے لیے معلوم حصہ پھلوں کا ہوگا یہ درست ہے اس لیے کہ اس صورت میں عامل کا کام زیادہ ہے اور حصہ کم۔

یہ جمہور کے اقوال ہیں جو مغارست کے عدم جواز کے قائل ہیں عاقدین کے حقوق کی حفاظت کی وجہ سے نیز درختوں کے پیدا ہونے میں جو بہت زیادہ جہالت ہے اس کی وجہ سے اور اصل میں اشتراک کی وجہ سے جیسا کہ مضاربت میں دونوں شریکوں کا راس المال میں شریک ہونا نیز درخت لگانا مساقات کے اعمال میں سے نہیں سنت نبوی کے مطابق جیسا کہ چھوڑے درختوں پر اتنی مدت کے لیے مساقات کرنا جس میں درخت پھل نہ دیتے ہوں جائز نہیں۔ مالکیہ کے ہاں ❷ درخت بڑھانے کا عمل یا تو اجارہ سے مکمل ہوتا ہے وہ یہ کہ عامل مالک کے لیے درخت لگانے معلوم اجرت پر یا انعام سے مکمل ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ درخت لگائے، اسے بھی پیدا ہونے والے درختوں میں سے حصے ملے گا یا درخت لگانا اور مغارست درست ہے پانچ شرطوں کے ساتھ۔

۱...... کہ عامل زمین میں مضبوط جڑوں والے درخت لگانے نہ کہ کھیتی سبزیاں وغیرہ۔

۲...... کہ دونوں درخت کی قسم پر متفق ہوں اور درخت متقارب ہوں کہ پھل دینے کی مدت قریب ہوا اگر ایسا نہ ہوا تو جائز نہیں۔

۳...... کہ ان کی مدت کئی سال نہ ہو اگر پھل دینے کی مدت سے زیادہ مدت مقرر کی تو یہ جائز نہیں اگر پھل دینے کی مدت سے کم ہو تو جائز ہے اگر برابر ہو تو اس میں دو قول ہیں۔

۴...... عامل کا زمین اور درختوں میں حصہ نہ ہو اگر اس کا ان میں سے کسی ایک میں خاص حصہ ہوا تو جائز نہیں الا یہ کہ درختوں کے ساتھ وہ زمین بھی چھوڑے۔

۵...... یہ کہ درخت لگانا وقف کی زمین پر نہ ہو کیونکہ درخت لگانا بیع کی طرح ہیں ملاحظہ ہو کہ مغارسہ مساقات اور مزارعت میں مالکیہ کے ہاں دو ہی چیزیں مانع ہیں پہلی چیز: کوئی ایک اپنے لیے کوئی چیز خاص نہ کرے دوسری چیز: ادھار یا سلم کی شرط لگانا کہ میں تمہیں سو دینار قرض دیتا ہوں تم درخت لگاؤ یا اکھاڑو۔

خلاصہ...... مغارسہ اس وقت صحیح ہے جب عامل کے لیے متعین حصہ پھل کا مقرر ہو جیسا کہ حنابلہ نے ذکر کیا اور صحیح ہے مغارست جب

❶...... المغنی ۵/ ۲۸۰۔ ❷ القوانين الفقهية ص ۲۸۱۔

عامل درخت لگائے اس شرط پر کہ درخت اور پھل دونوں کے درمیان ہوں گے جیسا کہ حنفیہ نے وضاحت کی نیز عقد مغارسہ کو صحیح کرنا زمین اور درخت میں شرکت کے ساتھ عقد بیع اور اجارہ کے ذریعہ بھی ممکن ہے **کما لقدم وذکراء لحنفیه۔**

مالکیہ نے چند شرائط کے ساتھ مغارسہ کی اجازت دی ہے اور شوافع اسے بالکل ناجائز کہتے ہیں ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے۔

چھٹی فصل ...... تقسیم (اتفاق القسمۃ)

اس میں دو قسمیں ہیں ایک اعیان کی تقسیم دوسری منافع کی تقسیم اور ان میں سے ہر ایک مال مشترک میں ہوتی ہے۔

پہلی قسم: اعیان کی تقسیم...... اسے قسمت رقاب بھی کہتے ہیں اور اس میں چھ مباحث ہیں۔ **پہلی بحث:** قسمت کی تعریف مشروعیت رکن اور صفت۔ **دوسری بحث:** قسمت کی قسمیں۔ **تیسری بحث:** قسمت کی شرطیں۔ **چوتھی بحث:** قسمت کی کیفیت۔ **پانچویں بحث:** تقسیم کرنے والا۔ **چھٹی بحث:** قسمت کے احکام۔

پہلی بحث: قسمت کی تعریف مشروعیت رکن اور صفت:

پہلی بات: تعریف القسمۃ...... لغت میں قسمت حصے جدا کرنے کو کہتے ہیں یا تفریق کرنا اور شرعاً اس کی بہت ساری تعریفیں ہیں جو فقہاء کے ہاں قریب قریب ہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... مشاع حصوں کو متعین جگہ جمع کرنا یا مخصوص جگہ جمع کرنا ❶ اور مجلہ میں دفعہ (۱۱۴) یہ یہ تعریف کی ہے کہ قسمت مشاع حصے کی تعین کرنا یعنی کسی مقیاس کے ذریعے بعض سے بعض کو بعض سے تبدیل کرنے کا اس لیے کہ شی مقسوم کے تمام اجزاء میں ہر شریک کا حصہ اور ملکیت منتشر ہے جب تقسیم ہوگئی تو ایک کا مملوک حصہ دوسرے کے حصہ میں واقع ہوگیا تو مبادلہ دونوں شریکوں کے درمیان مکمل ہوگیا ہر ایک کا اپنے نصف حصہ سے نزول کی وجہ سے۔ اور مبادلہ کا معنی رضامندی سے تقسیم کرنے میں تو واضح ہے اور جبراً تقسیم میں قاضی کی طلب سے ہے ان کی رضامندی مبادلہ کو متضمن ہے پس تقسیم میں مبادلہ کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے کہ ان میں سے ایک کو جو دوسرے کا ملا ہے وہ بعض دوسرے کا ہے اس نے اس سے عوض میں لے لیا تو یہ من وجہ مبادلہ ہے اور من وجہ افراز و جدائی افراز تو کیل اور وزنی چیزوں میں ظاہر ہے تفاوت نہ ہونے کی وجہ سے اور مبادلہ غیر کیلی اور وزنی چیزوں میں ظاہر ہے تفاوت کی وجہ سے اور مبادلہ میں اجبار جائز ہے جیسے دائن کے مال کو فروخت کرنے میں۔

مالکیہ کے ہاں...... بھی احناف کی طرح کی تعریف ہے یعنی شریک سے مشترک کی تعیین اور اگرچہ یہ تعیین کسی خاص تصرف کی وجہ سے ہو عین میں ذات میں شرکت باقی رکھتے ہوئے اور یہ تعریف ان کے ہاں قسمت کی تینوں قسموں کو شامل ہے مہایات، مراضات اور قرعہ ❷

شوافع اور حنابلہ کے ہاں بڑی واضح تعریف ہے بعض حصوں کو بعض سے ممتاز کرنا اور الگ کرنا حصوں کو کیل وغیرہ سے الگ کرنا۔

دوسری بات: تقسیم کی مشروعیت...... تقسیم کے جواز پر علماء کا اجماع ہے اس لیے کہ اس کی مشروعیت اور جواز قرآن اور سنت دونوں سے ثابت ہے قرآن کریم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ القمر ۵۴: ۲۸

اور ان کو آگاہ کر دو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے ہر (باری والے کو اپنی) باری پر آنا چاہیے۔

---

❶ الدر المختار ۵/ ۱۶۷۔ ❷ الشرح الصغیر ۳/ ۳۵۹۔

(یہ آیت مہایات منافع) کی تقسیم کے جواز پر دلالت کر رہی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ ......النساء ۴/۸

ہر ترکہ کی تقسیم کے بارے میں ہے اور غنیمت کی تقسیم کے بارے۔

میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ ......الانفال: ۸/۴۱

اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا الخ۔

اور یہ خمس چار حصوں میں سے جن کے مستحق مجاہد ہیں تقسیم کے بغیر واضح اور معلوم نہیں ہوتا۔

سنت...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر، حنین کی غنیمتیں غانمین کے درمیان تقسیم کی گئیں۔

اور وارثت تقسیم کی جو اس کی اباحت پر دال ہے۔ نیز لوگوں کی ضرورت بھی تقسیم کی تائید کرتی ہے تاکہ شرکاء میں سے ہر ایک مستقل طور پر اپنے حصے میں تصرف پر قادر ہو اور بری مشارکت اور زیادہ ہاتوں سے چھٹکارہ پائے۔

تیسرا باب تقسیم کا رکن وغیرہ...... وہ فعل اور عمل ہے جس سے جدائی اور حصص میں امتیاز حاصل ہو جیسے فانیاہ وغیرہ اور اس کا سبب شرکاء کی طلب یا بعض کا اپنی ملکیت سے مخصوص طور پر نفع حاصل کرنا اگر طلب نہ کریں تو تقسیم درست نہیں اور اس کے لازم ہونے کی شرط کسی ایک شریک کا طلب کرنا ہے جس سے تقسیم کی وجہ سے نفع فوت نہ ہو یعنی متعارف چیز کا فائدہ ضائع نہ لہٰذا باغ حمام اور چھوٹا گھر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ ❶

چوتھی بات تقسیم کی صفت...... فقہاء کے ہاں تقسیم کی صفت دو وصفوں میں دائر ہے جدائی اور امتیاز بیع اور مبادلہ۔ حنفیہ کے ہاں تقسیم مطلق دو وصفوں کو شامل ہے ایک افراز یعنی عین حق اور دوسرا مبادلہ یعنی عوض حق اور اس کا سبب کہ یہ مبادلہ کے معنی کو شامل ہے کہ ہر شریک دوسری کا بعض لے رہا ہے اور بعض اس کا اپنا ہے لہٰذا اپنی باقی حق کا عوض لے رہا ہے پس تقسیم من وجہ مبادلہ ہے اور من وجہ افراز ہے۔

افراز غالب اور ظاہر مثلیات یعنی مکیلات موزونات اور جو ان کے حکم میں ہیں ان میں پایا جاتا ہے یعنی ذراع عدد متقارب جیسے اخروٹ انڈے کیونکہ ان کے اجزاء میں تفاوت نہیں یہاں تک کہ ہر ایک شریک دوسرے کی عدم موجودگی اپنا حصہ وصول کر سکتا ہے۔ اور مبادلہ عام طور پر قیمیات جیسے حیوانات، گھر، تجارتی سامان وغیرہ میں پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے افراد میں تفاوت ہے اور یہی وجہ سے ایک شریک دوسرے کی عدم موجودگی میں اپنا حصہ نہیں لے سکتا ہاں اگر اشیاء مشترکہ ایک جنس کی ہوں تو جبرا بھی تقسیم جائز ہے یعنی کسی ایک شریک کی طلب پر بھی قاضی تقسیم پر مجبور کرے گا اس لیے کہ اس میں افراز کا معنی پایا جاتا ہے اور مبادلہ میں جبر درست ہے۔ اور اگر مشترک اشیاء مختلف اجناس کی ہوں تو جبری تقسیم جائز نہیں قاضی تقسیم پر مجبور نہیں کرے گا کیونکہ عدل متعذر ہے اس وقت رضامندی سے تقسیم درست ہے کیونکہ شرکاء کا اس میں حق ہے۔ مالکیہ کے ہاں رضامندی کی تقسیم جو بغیر قرعہ کے مکمل ہو جاتی ہے جیسے بیع اور قرعہ کی تقسیم شرکاء کے مشاع حق میں امتیاز نہ کہ بیع اور تقسیم مہایا منافع میں جیسے اجارہ۔

شوافع کے ہاں تقسیم...... حصص میں جدائی اور حقوق کی تمیز ہے الا یہ کہ تقسیم میں عوض ہو تو یہ بیع ہے۔

مثلاً مشترک زمین کی ایک جانب کنواں یا درخت ہو تو تقسیم ممکن نہیں تو قرعہ کے ساتھ تقسیم میں جسے وہ ملے وہ کنویں اور درخت کی قیمت دے دے اور جب حصص کے اعتبار سے تقسیم ہو تو یہ تقسیم بھی بیع ہو گی قیمت کے اعتبار سے جیسے زمین کی قیمت اس کے اجزاء کے اعتبار سے

❶..... الدر المختار ۵/ ۱۷۸۔

پیداوار اور پانی وغیرہ قریب ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اور زمین ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہو اور زمین کا ثلث دوسرے حصے کے دوثلث کے برابر ہو عمدگی کی وجہ سے پس ایک ثلث کو ایک سہم اور دوثلث کو ایک سہم قرار دیا جائے گا اور یہ انتہائی باریک اور دقیق وعمیق رائے ہے جو میں نے مذاہب سے پہچانی ہے۔

حنابلہ کے ہاں تقسیم حقوق کی علیحدگی اور حصص کا امتیاز ہے بیع نہیں اس لیے کہ یہ لفظ تملیک کی محتاج نہیں اور اس میں شفعہ واجب نہیں ہوتا اور اس میں اجبار کا بھی دخل ہے اور قرعہ نکلنے سے لازم ہو جاتی ہے اور ایک کا حصہ دوسرے کے بقدر لگایا جاتا ہے جب کہ بیع میں ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی جائز نہیں نیز یہ بیع سے منفرد ہے اپنے نام اور احکام کے اعتبار سے یہ بیع نہیں باقی عقود کی طرح۔

فائدۂ اختلاف...... جب یہ بیع نہیں تو پھلوں کو اندازے سے تقسیم کرنا بھی جائز ہے اور کیلی چیز کو وزن سے اور وزنی چیز کو کیل سے اور قبضہ سے پہلے جدائی وغیرہ اور اگر ہم اسے بیع قرار دیں تو یہ احکام اس کے برعکس ہو جائیں گے لیکن جب قسمت میں ردعوض ہے جو ایک شریک کو دوسرے شریک سے حاصل ہوا ہے تو ردوالے کے مقابلے میں یہ بیع ہے اور باقی میں افراز خلاصہ یہ کہ حنابلہ کے ہاں قسمت افراز ہے الا یہ کہ تقسیم میں رد ہو تو پھر بیع ہے۔

دوسری بحث: تقسیم کی قسمیں...... مذاہب فقہیہ میں تقسیم کی کئی قسمیں ہیں ہر مذہب میں اپنے امتیاز سے غور وفکر ہے حنفیہ کے ہاں [1] قسمت (تقسیم) کی دو قسمیں ہیں۔

۱...... جبری تقسیم وہ ہے جسے قاضی کروائے شرکاء میں سے کسی ایک کی طلب پر اگر قاضی یا اس کا نائب قرعہ سے تقسیم کرے تو بعض شرکاء کو حصص نکلنے کے بعد انکار کی گنجائش نہیں۔

۲...... باہمی رضامندی سے تقسیم: وہ ہے جسے شرکاء باہمی رضامندی سے کریں یہ عقود میں سے ایک عقد شئی ہوتی ہے اس کا رکن ایجاب وقبول ہے باقی عقود کی طرح اس کا محل عین مشترک ہے جس کی تقسیم پر اتفاق جائز ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں:

۱۔ تفریق وافراز...... یعنی ہر شریک کا مال مشترک میں سے متعین حصہ جیسے بڑا گھر دو یا تین شریکوں کے درمیان تقسیم کرنا ان میں سے ہر ایک نصف یا ثلث کے ساتھ مختص ہے اور یہ ہر اس چیز میں ہو سکتی ہے جس کے ٹکڑے کرنے سے دوسرے شریکوں کو نقصان نہ ہو جیسے کیلی وزنی اور عددی چیزیں چاہے تقسیم رضامندی سے ہو یا جبری۔

۲۔ تقسیم جمع...... یہ کہ ہر شریک کا حصہ علیحدہ عین میں جمع سے ہو جیسے مشترک چیز روئی ہو شریکوں کے درمیان اب یہ دونوں تقسیم کریں گے کہ ایک مقدار ایک کی ہوگی اور دوسری مقدار دوسرے کی اور یہ ایک جنس میں جائز ہے اور دو مختلف جنسوں میں جائز نہیں پس یہ مثلیات یعنی مکیلات موزونات اور معدوات متقاربہ میں جائز ہے جیسے گندم اور دو جنسوں میں جائز نہیں جیسے گندم اور جو، سوئی اور لوہا، اخروٹ اور کیلے، موتی اور یاقوت وغیرہ میں اونٹ کے افراد گائے بکری اور وہ چیز جو ایک جنس کے ضمن میں آتی ہے ان میں جائز ہے اور قلیل تفاوت معدوم ہوگا۔ گھوڑے اور اونٹ گائے اور بکری وغیرہ میں اختلاف جنس کی وجہ سے جائز نہیں کہ ایک کو ضرر ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بہت سے گھر اور زمینیں تقسیم جمع سے تقسیم کرنا جائز نہیں نقصان کی وجہ سے اس لیے کہ ایک گھر اور دوسرے گھر ایک زمین دوسری زمین میں بہت بڑا تفاوت پایا جاتا ہے۔ اختلاف تعمیر اور جگہ کے امتیاز سے لہٰذا ان میں دو مختلف جنس کا حکم معتبر ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے ہاں گھروں اور زمینوں کی تقسیم جمع کرنا صحیح ہے اور تقسیم سے جو فرق آئے گا اسے پورا کر دیا جائے گا اور گھر اور زمین یا گھر اور دکانیں جو مشترک ہوں وہ تقسیم جمع کے طریقے پہ بالاتفاق حنفیہ کے ہاں تقسیم نہ کی جائیں گی بلکہ ہر ایک کو علیحدہ تقسیم کیا جائے گا اختلاف

[1]...... البدائع ۷/ ۱۹۔ ۲۲۔

جنس کی وجہ سے۔ مالکیہ کے ہاں: تقسیم اعیان کی دوقسمیں ہیں قسمت مرضات اور قسمت قرعہ۔

باہمی رضامندی سے تقسیم...... یہ کہ ہر ایک اس پر راضی ہو کہ وہ مشترک چیز میں بلا قرعہ لے لے یہ بیع کی طرح ہے جو کسی چیز پر راضی ہو گیا تو وہ اس کا مالک ہو گیا اب بغیر رضامندی کے واپس نہیں کر سکتا جیسے اقالہ اور غبن کی وجہ سے رد نہیں کر سکتا الا یہ کہ ان کے درمیان قیمت لگانے والا ہو اور متحد الجنس اور مختلف الجنس میں یہ صحیح ہے۔

قرعہ سے تقسیم...... یہ کہ مشاع حق میں امتیاز کرنا یہ بیع نہیں، غبن کی وجہ سے واپس کر سکتا ہے اور مقوم کا ہونا ان کے درمیان ضروری ہے انکار کرنے والے پر جبر کیا جائے گا۔ شوافع کے ہاں: تقسیم کی تین قسمیں ہیں اس لیے کہ اگر شی مقسوم کے حصے صورۃ اور قیمۃ برابر ہوں تو یہ پہلی قسم ہے۔ اگر کسی چیز کے رد کی ضرورت نہ ہو تو یہ دوسری قسم ورنہ تیسری قسم۔

۱۔ افراز: (یا تقسیم اجزاء یا تقسیم متشابہات)...... یہ کہ شرکاء میں سے ہر ایک کے حق کو جدا جدا اور الگ کرنے یہ حق میں امتیاز کرنا ہے بیع نہیں اور یہ ان چیزوں میں ہوگی جن میں نقصان نہ ہو مثلیات جیسے دانے دراھم اور ایک بنیاد والے گھر ایک طرح کی زمین وغیرہ میں اور اس میں جبر بھی ہوگا اور شریک کی طلب کی وجہ سے دوسرے شریک پر تقسیم کرنا لازم ہے اس لیے کہ اس میں اس کا کوئی ضرر نہیں اور کیلی چیزوں میں کیل، وزنی چیزوں میں وزن گز والی چیزوں میں گز اور عددی چیزوں میں عدد کافی ہوگا جب کہ حصص برابر ہوں پھر اس کے بعد حصص میں قرعہ ڈال کر ہر ایک شریک کے حصے کو متعین کر دیا جائے گا۔

۲۔ سہم برابر کرنے کی تقسیم...... وہ یہ کہ مختلف قیمت کے حصص کو برابر کرنا تاکہ شرکاء میں برابری ہو جائے جیسے وہ زمین جس کے اجزاء کی قیمت پیداواری صلاحیت کے اور پانی قریب ہونے کے اعتبار سے مختلف ہو یا جنس مختلف ہو جیسے بعض باغ میں کھجور میں ہوں اور بعض میں انگور اگر زمین شریکوں کے درمیان نصف نصف ہو اور اس کے ثلث کی قیمت باقی کے دوثلث کے برابر ہو تو ثلث کو ایک حصہ شمار کیا جائے گا اور ثلثان کو ایک حصہ پھر قرعہ ڈالا جائے گا۔ اور اس میں اجبار چلے گا پہلی قسم کی طرح شریک کی طلب یہ دوسرے شریک پر تقسیم لازم۔ اور اگر عمدہ کو الگ اور ردی کو الگ تقسیم کرنا ممکن ہو تو پھر شریک پر تعدیل برابری کے لیے زبردستی نہ کی جائے گی۔ اس تقسیم میں ایک قیمت والی منقولات کی مختلف صفت والی کی تقسیم میں شریکوں پر جبر کیا جائے گا جیسے ایک قسم کے کپڑے، جیسا کہ ان پر جبر کیا جائے گا دو چھوٹی دکانوں میں جو عین اور ذات کے اعتبار سے متماثل ہوں کیونکہ تقسیم کی ضرورت ہے برخلاف بڑی دکانوں کے یا چھوٹی دکانیں جو مختلف صفت کی ہوں، یا مقاصہ مختلف ہوں وغیرہ۔

۳۔ رد کرنے کی تقسیم...... وہ یہ کہ اجنبی کے مال کو مقوم میں سے واپس کیا جائے جیسے مشترک زمین کی ایک جانب میں کنواں یا درخت ہوں ان کی تقسیم ممکن نہ ہو تو قرعہ کے ذریعہ تقسیم کر کے کنویں اور درخت کی قیمت واپس کی جائے اگر کنویں اور درخت کی قیمت ایک ہزار ہو اور اس کا حصہ نصف ہو تو لینے والا پانچ سو واپس کرے گا اور اس میں اجبار نہیں پہلی قسم افراز حق ہے اور آخری دو قسمیں بیع ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شوافع کے ہاں تقسیم کی دو بڑی قسمیں ہیں جبری تقسیم، اور باہمی رضامندی کی تقسیم۔

حنابلہ کے ہاں...... احناف کی طرح تقسیم کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ باہمی رضامندی سے تقسیم...... تمام شرکاء کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں اور وہ جس میں نقصان ہو اور ایک سے دوسرے کو لے کر واپس کرنا جیسے چھوٹے گھر، حمام دکانیں وغیرہ اس میں اجبار نہیں اگر ایک نے بعض کو بعض کے مقابلہ میں تقسیم کا مطالبہ کیا تو دوسرے پر جبر نہ ہوگا اس لیے کہ ہر عین اپنے نام اور صورت سے مختص ہے یہ شوافع کی رد والی صورت کے مشابہ ہے۔ دلیل یہ کہ حنابلہ کہتے ہیں جس چیز کی

تقسیم اجزاء کے اعتبار سے ممکن نہ ہو یا برابری نہ ہو سکتی ہو تو تمام شرکاء کی رضامندی کے بغیر اس کی تقسیم درست نہیں اور رضامندی کی تقسیم کا حکم بیع کی طرح ہے جیسے شوافع کہتے ہیں اس لیے کہ صاحب مال نے اس کے عوض اپنا مال خرچ کیا جو اس کے شریک کے حق سے حاصل ہوا اور یہ بیع ہی تو ہے اور بیع زد کے مقابلہ میں محصور ہے اور افراز باقی میں جیسا کہ قسمت کی صفت میں ہے جب یہ تقسیم بیع ہے تو اس میں وہ چیز جائز نہ ہوں گی جو بیع میں جائز نہیں ہوتیں اور رکنے والے پر جبر نہیں ہوگا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث **لاضرر ولا ضرار** کی وجہ سے۔

۲۔ جبری تقسیم..... جس چیز میں شریکوں کو نقصان نہ ہو اور نہ کسی ایک کو ہو اور عوض میں واپس نہ کی جائے جیسے وسیع زمین بڑا باغ اور گھر بڑی دکان چاہے برابر اجزاء ہوں یا نہ ہوں۔ اگر اس کی تقسیم میں کچھ رکھے بغیر سہم برابر ہوں تو ہوگی اگر تعدیل ممکن نہ ہو تو اس کے ساتھ کچھ رکھ کر برابری ممکن ہو تو اس پر جبر نہیں اس لیے کہ یہ معاوضہ ہے تو تمام معاوضات کی طرح اس میں بھی جبر نہ ہوگا۔ اور اس کی مثالوں میں سے یہ کہ ایک جنس کی کیلی یا وزنی چیز کی تقسیم جیسے زیتون کا تیل وغیرہ دودھ، سرکہ کھجور، انگور وغیرہ اور تمام دانے اور پھل کیلی اور جب ایک شریک مذکورہ چیزوں میں سے کسی کی تقسیم چاہے اور دوسرا شریک انکار کرے تو اس پر جبر کیا جائے گا اگر چہ وہ مالک حصہ کا ولی ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ وہ شرکت میں حاصل ہونے والے ضرر کو زائل کرنے کا ضامن ہے اور شریکوں کے لیے نفع کے حصول کا تاکہ حصص کے اعتبار سے تصرف ممکن ہو یا سرمایہ کاری ممکن ہو۔

تیسری بحث: تقسیم کی شرائط..... اس بحث میں دو مقصد میں پہلا باہمی رضامندی کی تقسیم کی شرائط اور دوسرا جبری تقسیم کی شرائط۔

پہلا مقصد: باہمی رضامندی سے تقسیم کی شرائط..... حنفیہ نے اس میں درج ذیل شرائط لگائی ہیں۔

۱۔ تقسیم کنندگان کی اہلیت..... اور وہ صرف عقل ہے پس مجنون اور ناسمجھ بچے میں تقسیم درست نہیں اس لیے کہ تقسیم نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہے اور اس میں بیع کا معنی پایا جاتا ہے اس میں وہی شرائط ہیں جو بیع میں ہیں اور حنفیہ کے ہاں بلوغ شرط نہیں لہٰذا سمجھدار بچے کی تقسیم ولی کی اجازت سے جائز ہے جیسا کہ اسلام ذکورۃ اور حریت آزاد ہونا تقسیم کے جواز لیے شرط نہیں پس ذمی عورت، مکاتب اور ماذون غلام کی تقسیم جائز ہے۔

۲۔ ملکیت اور ولایت: ان کے علاوہ تقسیم جائز نہیں، ملکیت..... یہ کہ تقسیم کرنے والا تقسیم کے وقت اس عین کا مالک ہو اور شرکاء میں رضامندی سے تقسیم کرے اگر مملوک نہ ہو قاسم کا تو تقسیم جائز نہیں اس لیے کہ تقسیم بعض حصوں کو الگ کرنے کا نام ہے اور بعض کے مبادلہ کا نام ہے اور یہ سب کچھ مملوک چیز کے علاوہ میں جائز نہیں اسی بناء پر حنفیہ کے ہاں مشترک قرض کو قبضہ سے پہلے تقسیم کرنا درست نہیں اس لیے کہ قبضہ کے علاوہ وہ اس کا مالک نہیں اس لیے کہ دین معدوم کے حکم میں ہے اور اس کا وجود اعتباری ہے اور مقسوم میں عین ہونا شرط ہے اس بناء پر فضولی کی تقسیم اجازت قولی یا فعل پر موقوف ہے۔ رہ گئی ولایت وہ مالی قرابت کی ولایت ہے بایں طور کہ تقسیم کرنے والا بچے مجنون اور معتوہ کے مال کا ولی ہو اور وہ باپ یا اس کا وصی دادا اور اس کا وصی ہے اس ولایت میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ جیسے بیع کی ولایت ہے تو اسے تقسیم کرنے کی بھی ولایت حاصل ہے ورنہ نہیں اور ان کو بیع کی ولایت حاصل ہے لہٰذا انہیں تقسیم کی بھی ولایت حاصل ہے۔ والدہ کا وصی اور بھائی اور بچے کا وصی صرف منقولی اشیاء کو تقسیم کر سکتے ہیں زمین کو نہیں اس لیے کہ اسے بیع منقول کی ولایت ہے عقار کی نہیں میت کا وصی موصی لہ یہ تقسیم نہیں کرے گا ولایت نہ ہونے کی وجہ اسے ورثاء بھی تقسیم نہیں کر سکتے، انہیں بھی ولایت نہیں اس لیے کہ موصی لہ بھی ورثاء کی طرح ایک فرد ہے اسی طرح بعض ورثاء بعض کی تقسیم نہیں کر سکتے اس لیے کہ ولایت حاصل نہیں۔

۳۔ شرکاء یا ان کے نائبوں کا حاضر ہونا..... غائب پر تقسیم درست نہیں اگر شرکاء نے ایک کی عدم موجودگی میں تقسیم کی تو قسمت

نوٹ جائے گی یہ رضامندی کی صورت میں ہے البتہ قاضی کی تقسیم کی صورت میں نافذ ہوئی۔

۴۔شرکاء کا تقسیم پر راضی ہونا...... جب وہ اہل رضا میں سے ہوں یا ان کی رضا ہو جو ان کے قائم مقام ہیں اگر رضامندی نہ پائی گئی تو تقسیم درست نہیں اگر ورثاء میں بچہ ہو اور اس کا کوئی وصی نہ ہو یا بڑا غائب ہو وہ تقسیم کرلیں تو یہ تقسیم باطل ہے اس لیے کہ تقسیم میں بیع کا مفہوم ہے اور رضامندی کی تقسیم حنفیہ کے ہاں بیع کے مشابہ ہے جیسے بیع رضامندی کے بغیر درست نہیں اسی طرح تقسیم بھی درست ہے نہیں اگر شریک رضامندی کا اہل نہیں جیسے بچہ اور مجنون تو اس کا ولی یا وصی اس کے قائم مقام ہوگا، اگر بچے کا کوئی ولی یا وصی نہ ہو تو حاکم کے حکم پر تقسیم موقوف ہوگی حاکم کی طرف سے بچے کے لیے ولی قائم ہوگا جس کی موجودگی میں تقسیم ہوگی ❶ شوافع بھی اسی کے قائل ہیں جس کے حنفیہ قائل ہیں۔

دوسرا مقصد ا: جبری تقسیم کی شرائط...... جبری تقسیم کی شرائط درج ذیل ہیں:

پہلی شرط...... کسی ایک شریک یا سب کا مشترک چیز کی تقسیم کا قاضی کے سامنے مطالبہ کرنا: بغیر طلب کے تقسیم کرنا جائز نہیں اس لیے کہ یہ دوسروں کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے اور یہ شرعاً منع ہے ❷ جب ایک شریک مطالبہ کرے اور دوسرا انکار کرے تو شے مشترک شرکاء کے درمیان زبردستی تقسیم کی جائے گی اگر تقسیم کے قابل ہو نقصان دور کرنے کی غرض سے جیسے شفعہ کا مالک ہونا یہ شفیع کے نقصان کو دور کرنے کی غرض سے ہے۔ اگر وہ قابل تقسیم نہیں تو پھر شرکاء اس سے باری باری نفع اٹھائیں بطور مہایات۔ خلاصہ یہ کہ طلب کے وقت تقسیم واجب ہے الا یہ کہ طلب کرنے والا نقصان کا درپے ہو تو تقسیم واجب نہیں۔ دوسری شرط: تقسیم پر کسی قسم کا ضرر و نقصان نہ ہو اور تقسیم تفریق میں ہوگا اس لیے کہ اگر تقسیم میں ضرر ہو تو مال سے مطلوب منفعت حاصل نہ ہوگی اور یہ شرط مال کی طبیعت کو واضح کرتی ہے اس اعتبار سے مال کی دو قسمیں ہیں۔ ❸

(الف)...... اگر مال ایسا ہو کہ اس کے اجزاء اور ٹکڑے کرنے سے کوئی نقصان نہ ہو بلکہ اس میں شریکوں کا نفع ہو جیسے مکیلی موزونی اور عددی متقارب تو تقسیم تفریق جبری جائز ہے اور قاضی انکار کرنے والے پر جبر کرے طرفین کی مصلحت کی وجہ سے۔

(ب)...... اگر تقسیم کی وجہ سے نقصان ہو اور اگر وہ نقصان ہر ایک شریک کا ہوتا ہو تو پھر مال مشترک میں جبری تقسیم جائز نہیں جیسے موتی یاقوت، ایک کپڑا، چراغ، کمان، قرآن کریم، خیمہ، باغ، حمام، گھر، چھوٹی دکان، گھوڑا، اونٹ، بکری اور گائے وغیرہ اس لیے کہ نقصان دونوں شریکوں کا ہوگا اور قاضی ضرر پر جبر کا مالک نہیں۔ اگر کسی ایک شریک کو نقصان ہوتا ہو جیسے مشترک زمین اور اس میں سے ایک حصہ کم ہو اور دوسرے کا زیادہ اگر زیادہ والا طلب کرے تو تقسیم واجب ہے شیوع ختم کرنے اور ضرر روکنے کی غرض سے وہ اپنے حصہ سے نفع اٹھائے گا اس لیے کہ غیر کے ضرر کی وجہ سے حق باطل نہیں کیا جاسکتا، اگر کم حصے والا تقسیم طلب کرے تو اس میں دو رائے ہیں ایک تو حاکم شہید کی رائے مختصر الکافی میں کہ مال مشترک تقسیم کیا جائے گا اس لیے کہ اکثر حصے والے کا کوئی نقصان نہیں بلکہ اس میں اس کا نفع ہے اور کم حصے والے اپنے نقصان پر راضی ہے تقسیم طلب کرنے کی وجہ سے لہٰذا تقسیم پر جبر کیا جائے گا۔ اور ایک رائے قدوری کی ہے: کہ تقسیم نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ طلب تقسیم میں کم حصے والا متعنت ہے اس لیے کہ اس کے حق میں تقسیم ضرر محض ہے لہٰذا اس کی طلب کا اعتبار نہیں اور جبری تقسیم طلب کے بغیر مشروع نہیں یہ اصح رائے ہے۔ اگر ہر ایک شریک کا حصہ کم ہو تو قاضی ان کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں کرے گا اس لیے کہ تقسیم میں جبر منفعت کی تکمیل کے لیے ہے اور اس میں وہ فوت ہو رہی ہے اور رضامندی سے اس وجہ سے جائز ہے کہ حق ان دونوں کا ہے اور وہ اسے خوب پہچانتے ہیں۔

شوافع کا مذہب بھی جبری تقسیم میں حنفیہ کے مذہب کے قریب ہے کہ اگر تقسیم کی وجہ سے نقصان زیادہ ہو اور اس سے فی الحال حاصل

---

❶...... الدر المختار ۵/۱۸۰۔ ❷ الدر المختار ۵/۱۷۹۔ ❸ البدائع ۷/۱۹۔۲۱۔

ہونے والا نفع باطل ہو رہا ہو بالکلیہ جیسے جواہرات اور عمدہ کپڑے تو حاکم تقسیم سے منع کرے گا بلکہ وہ اس سے باری باری نفع اٹھائیں گے۔
اور اگر بالکل نفع باطل نہ ہوتا ہو مثلاً نفع ٹوٹ ہو جیسے تلوار توڑی جائے یا مقصود نفع باطل ہوتا ہو جیسے حمام اور پن چکی وغیرہ تو نہ انہیں تقسیم سے منع کیا جائے اور نہ انہیں تقسیم پر مجبور کیا جائے اس لیے کہ اس میں مال ضائع ہو رہا ہے اگر وہاں دو آدمیوں میں مشترک مال ہو ایک کا حصہ کم ہو جیسے گھر کا دسواں حصہ یا حمام یا زمین کا اور دوسرے کا زیادہ ہو یعنی باقی سارا تو کم والے پر جبر کیا جائے گا دوسرے کی طلب کرنے کی وجہ سے اس کے برعکس نہیں۔حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے کہ اگر مال تقسیم کے قابل ہے تو حاکم جبر کرے اور اس میں نقصان نہ ہوتا ہو اور اگر نقصان ہے تو جبر نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاضرر ولاضرار شوافع اور حنابلہ کے ہاں تقسیم سے مانع ضرر وہ ہے کہ اس کی وجہ سے ہر شریک کے حصہ کی قیمت کم ہو جائے چاہے اس سے نفع اٹھائیں یا نہ اس لیے کہ قیمت کا کم ہونا ضرر ہے اور ضرر ممنوع ہے شرعاً۔

مالکیہ کے ہاں......اگر مشترک چیز ایسی ہے جو تقسیم کا بلاضرر احتمال رکھتی ہے جیسے زمین وغیرہ تو ان کو کرنے والے پر زبردستی ہوگی اور اگر مال مشترک تقسیم کے قابل نہیں جیسے دکان، چھوٹا گھر، تلوار وغیرہ تو پھر انہیں فروخت کیا جائے گا اور اس کے ثمن شریکوں کے درمیان حصص کے اعتبار سے تقسیم کئے جائیں گے اور شرکاء میں سے انکار کرنے والے کو تقسیم پر مجبور کیا جائے گا چار شرطوں کے ساتھ۔

۱......کہ فروخت کرنے والے کا حصہ کم ہو جائے اگر وہ علیحدہ فروخت کرے شریک کے حصہ سے اگر کم نہ ہو تو پھر اس پر جبر نہیں کیا جائے گا کیونکہ ضرر نہیں جیسا کہ قابل تقسیم میں جبر نہیں۔

۲......بیع توڑنے والا اپنے شریک کے نقصان کا التزام نہ کرے۔

۳......فروخت کرنے والا اپنے علیحدہ حصے کا مالک نہ بنے اگر اکیلا مالک بن سکتا ہے اور اس نے بیع کا ارادہ کیا اور دوسرے نے انکار کر دیا تو بیع پر مجبور نہیں کیا جائے گا اسی بناء پر اگر دو شریک مال مشترک کے مالک ہو گئے وارثت کی وجہ سے یا خریدنے کی وجہ سے تو اس میں انکار کرنے والے پر اجبار کرنا جائز ہے۔

۴......مال مشترک کرائے پر نہ ہو یا تجارت کے لیے نہ خریدا گیا ہو اگر غلہ کے لیے رکھا گیا ہے یا اسے نفع کے لیے خریدا گیا ہو اگر تجارت ہی کے لیے ہو تو بیع سے رکنے والے پر جبر نہیں کیا جائے گا۔

تیسری شرط......تقسیم عادلانہ ہو ظالمانہ نہ ہو اس لیے کہ تقسیم بعض حصص کو جدا کرنے اور بعض کو بعض کے بدلے میں دینے کا نام ہے اور مبادلہ میں رضا ضروری ہے اگر اس میں ظلم ہوا تو رضا نہ پائی گئی اور نہ ہی کامل طور پر حصے جدا ہوئے کیونکہ کسی بھی جزو میں شرکت باقی ہے لہٰذا دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔[1]

چوتھی شرط......تقسیم جمع میں مال مشترک ایک جنس کا ہو جیسے مثلاً گندم روئی، اخروٹ وغیرہ اگر مختلف جنس ہوں جیسے گندم اور جو، روئی اور لوہا، اخروٹ اور کیلے، موتی اور یاقوت اور جانور گھوڑا اور اونٹ وغیرہ تو تقسیم جمع جائز نہیں اس لیے کہ تقسیم جمع اتحاد جنس کی وجہ سے مقصود حاصل کرنے کا سبب ہے اور وہ نفع کی تکمیل ہے اور اختلاف جنس کی صورت میں نفع فوت ہو جاتا ہے۔اسی طرح بہت سے گھر زمینیں اور انگور کی بیلیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تقسیم جمع سے تقسیم نہیں کی جائیں گی اس گھر گھر اور زمین زمین میں بہت بڑا فرق ہے لہٰذا ان میں دو جنسوں کا اعتبار ہوگا لہٰذا ان میں تقسیم تفریق ہوگی۔اور صاحبین کے ہاں ان میں بھی تقسیم جمع ہوگی اس ہے کہ صورت اور رہائش کے اعتبار سے یہ جنس واحد ہیں اگرچہ اختلاف مقاصد کے اعتبار سے یہ متعدد اجناس ہیں۔
اور تفاوت میں برابری ممکن ہے قیمت کے اعتبار سے اور مصلحت کو دیکھے۔ائمہ حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ دو کمروں کو تقسیم جمع سے تقسیم

---

[1]... البدائع: ۷/ ۲۶۔

کیا جائے گا سوائے وہ متصل ہوں یا الگ الگ۔ یہ متقدمین حنفیہ کا مذہب تھا البتہ ہمارے زمانے میں گھروں اور کمروں وغیرہ میں کافی تفاوت ہے لہٰذا اب تقسیم جمع نہیں ہوگی بلکہ تقسیم تفریق ہوگی۔

چوتھی بحث: تقسیم کی کیفیت وطریقہ.....حنفیہ نے تقسیم کا طریقہ وضاحت سے بیان فرمایا ہے تقسیم کرنے والا اس طریقہ کو اختیار کرے گا اور میرے خیال میں یہ صرف اجتہاد سے متعین کیا گیا ہے جو زمانے کے اعتبار سے تبدیل ہو سکتا ہے۔

۱.....تقسیم کرنے والا زمین کو ناپے تا کہ جغرافیائی نقشہ محفوظ رہے اور باقی کے پاس لے جائے اور عمارت کی قیمت لگائے تا کہ ہر شریک اپنا حصہ پہچان سکے۔

۲.....ہر حصے کو دوسرے سے جدا کرے علیحدہ طور پر تا کہ امتیاز اور افراز مکمل طور متحقق ہو اور ہر شریک کا حصہ دوسرے کے حصہ سے مانع ہو۔

۳.....حصہ داروں کے نمبر مقرر کئے جائیں اور ہر ایک کے حصہ پر سہم لکھا جائے۔

۴.....حصہ داروں کے نام الگ الگ کاغذوں پر لکھے اور انہیں کہیں برتن وغیرہ میں سنبھال لے پھر بطور استحسان کے درمیان قرعہ ڈالے دلوں کو تسلی دینے کے لیے اور کسی ایک کی طرف میلان کی تہمت سے بچنے کے لیے جس کا نام پہلے نکلا اسے وہ سہم ملے گا جس پر اول لکھا ہوا ہے اور دوسرے کو دوسرا سہم دیا جائے گا اسی طرح کیا جائے اگر سہم کی مقدار متحدہ ہو۔ اگر سہام مختلف ہوں بایں طور کہ تین کے درمیان ہوں ایک کے دس حصے دوسرے کے پانچ اور تیرے کا ایک تو قاسم سولہ (۱۶) حصے بنائے اور تینوں کے نام لکھے اب اگر دس سہم والے کا نام پہلے نکل آیا تو وہ اسے پہلا سہم اور نو اس کے ساتھ ملے ہوئے دے دے تا کہ اس کے سہم بعض بعض کے ساتھ ملے ہوئے ہوں اسی طرح تقسیم مکمل کرے۔ قرعہ ڈالنا حنفیہ کے ہاں مندوب ہے اگر قاسم ہر شریک کا حصہ بغیر قرعہ کے متعین کرے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ اس کا عمل قضاء ہے جو ہر شریک پر لازم کرنے کا مالک ہے۔

۵۔ تقسیم کا آلہ.....مجلّہ میں دفعہ (۱۱۴۷) پر اس کی تصریح ہے کہ مال مشترک اگر کیلی ہو تو کیل کے ساتھ اگر وزنی ہو تو وزن کے ساتھ اگر عددی ہو تو عدد کے ساتھ اگر گزوں سے ناپا جانے والا ہو تو گزوں کے ساتھ تقسیم ہوگی اور دفعہ (۱۱۴۸) میں تصریح ہے صحن اور زمینیں ذراع سے ناپی جاتی ہیں ہیں لہٰذا یہ گزوں سے ہی تقسیم ہوں گی اور جس زمین پر درخت اور عمارتیں ہوں وہ قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوگی۔

نقدی سے تقسیم برابر کرنا.....شوافع اور حنابلہ نے تقسیم کو قیمت اور نقود سے برابر کرنے کی اجازت دی ہے غیر مثلی اموال میں جو جدائی اور افراز قبول نہیں کرتے جیسے زمین جس کے اجزاء قیمت کے اعتبار سے مختلف ہوں یہ مالکیہ کا بھی مذہب ہے احناف جبری تقسیم تفریق میں نقود داخل کرنے کی اجازت نہیں دیتے جب تک شرکاء کی رضامندی نہ ہو اس لیے کہ تقسیم مشترک چیز میں ہو رہی ہے اور وہ زمین ہے کہ نفوذ اگر دو آدمیوں میں گھر مشترک ہو اس کی تقسیم کا ارادہ ہو اور اس کی ایک زمین قرار دی جائے گی اور جس کے حصہ میں عمارت ہے اسے مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ درھم دے اس لیے کہ تقسیم مبادلہ ہے اس میں رضامندی سے درھم داخل کرنا جائز ہے قاضی کے جبر سے نہیں الا یہ کہ متعذر رہو پھر ضرورت کی وجہ سے درھم سے برابری ہوئی۔

تقسیم کا نمونہ.....فقہاء نے تقسیم کے اہم حالات کی وضاحت کی ہے اور وہ گھروں زمین اور عمارت وغیرہ کی تقسیم کی کیفیت ہے اسی طرح گھر اور صحن گھر اور دکان، نچلی منزل اور اوپر والی منزل اور راستہ وغیرہ کی۔

پہلا مقصد: گھروں کی تقسیم...... حنفیہ کا اتفاق ہے ❶ ہے کہ اگر مشترک گھر دوشہروں میں ہوں تو انہیں تقسیم میں جمع نہیں کیا جائے گا ہر شہر کے گھر کو علیحدہ تقسیم کیا جائے گا۔ البتہ اگر مشترک گھر ایک شہر میں ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں انہیں بھی علیحدہ تقسیم کیا جائے گا اس لیے کہ گھر مختلف اجناس ہیں مقاصہ جگہ اور پڑوسی مسجد کے قریب اور پانی اور بازار کے قریب ہونے کی وجہ سے مختلف ہیں لہٰذا تقسیم جمع میں تعدیل ممکن نہیں بلکہ تقسیم تفریق ہوگی اور بعض حصوں کو بعض کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا الا یہ کہ وہ راضی ہوں پر حنفیہ کے ہاں صحیح ہے صاحبین کے ہاں اس تقسیم میں قاضی جیسے مناسب سمجھے اس طرح تقسیم کرے اگر تقسیم جمع قرین مصلحت ہے تو وہ کرے اور اگر تقسیم تفریق مناسب ہو تو وہ کرے اس لیے کہ گھر والوں کی رائے میں جنس واحد ہیں نام اور صورت کے اعتبار سے اور رہائش کے اعتبار سے لہٰذا معاملہ قاضی کے سپرد ہے کہ وہ اصلح کو اختیار کرے تقسیم میں۔

اور یہ اختلاف امام صاحب اور صاحبین کا ایک گھر کی تقسیم میں جاری ہے امام صاحب کے ہاں تقسیم جمع رضامندی کے بغیر نہیں اور صاحبین کے ہاں معاملہ قاضی کے سپرد ہے جس میں مصلحت اور تعدیل ہو اس صورت کو اختیار کرے۔

رہ گے کمرے تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق وہ تقسیم جمع سے تقسیم ہوں گے چاہے برابر ہوں یا نہ ہوں کیونکہ سکنی میں برابر ہیں۔ شوافع کے ہاں مختلف عمارتوں والے گھر قیمت کے ساتھ تقسیم ہوں گے کیونکہ جگہ اور عمارت سے غرض مختلف ہوتی ہے، مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ گھر رضامندی سے تقسیم ہوں گے سہم کے اعتبار سے قیمت سے برابری کی جائے گی۔ حنفیہ کے ہاں بالاتفاق حمام، کنواں، پن چکی اور مشترک باغ شرکاء کی رضامندی کی بغیر تقسیم نہیں کئے جائیں گے ہر شریک سے نقصان روکنے کی وجہ سے۔

دوسرا مقصد: زمین اور عمارت کی تقسیم...... اگر مال مشترک ایسی زمین ہو جس پر عمارتیں ہوں تو اس کی تقسیم کی کیفیت میں حنفیہ کے تین قول ہیں۔ ❷

۱...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زمین ناپ کر تقسیم کی جائے گی اس لیے کہ ناپی جانے والی چیزوں میں یہی اصل ہے پھر جس کے حصہ میں عمارت یا عمدہ زمین آئی ہے اس سے دراہم لے کر دوسرے کو دیئے جائیں گے تا کہ برابر ہو جائیں بس درھم تقسیم میں ضرورت کی وجہ سے داخل ہوں گے اس لیے کہ تقسیم تقاضی میں جبر ہوتا ہے اور اس میں اصل مذہب حنفیہ کے مطابق دراہم داخل نہیں ہونے اور یہاں ضرورت کی وجہ سے داخل ہوئے ہیں جیسے بڑے بھائی ولایت چھوٹے بھائی پر کہ اسے اس پر مالی ولایت نہیں لیکن جب اس کی شادی کرائے گا تو مہر مقرر کرنے کا مالک ہوگا شادی کی ضرورت کی وجہ سے اور یہ رائے شوافع کی بھی ہے۔

۲...... امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: زمین اور عمارت قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوں گے اس لیے کہ برابری تقسیم کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

۳...... امام محمد کے ہاں شریک دوسرے شریک سے عمارت کے مقابلہ میں زمین لے لے گا اور جو زیادہ ہوگا وہ واپس کر دیا جائے گا اس لیے کہ صحن عمارت کی قیمت کے برابر نہیں۔

تیسرا مقصد: گھر اور خالی زمین گھر اور دکانیں...... حنفیہ کے ہاں جب مال مشترک گھر اور خالی زمین ہو یا گھر اور ساتھ دکان ہو تو قاضی ان دونوں کو علیحدہ تقسیم کرے تقسیم تفریق نہ کہ تقسیم جمع اس لئے کہ یہ مختلف اجناس ہیں یا مختلف اجناس کے حکم میں ہیں اور گھروں کی مثل زراعت کے لیے خالی زمین بھی ہے اور زمین کو ناپ کر اور گھروں کو قیمت کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔

---

❶ البدائع: ۷/ ۱۹۔ ❷ تکملۃ الفتح ۸/ ۱۸ ۵۔

چوتھا مقصد: سفل اور علو..... جس چیز کی تقسیم کی جاری ہے اس میں بعض حصے نیچے ہے اور بعض اس کے اوپر یا اس کے اوپر غیر کا حصہ ہے یا اوپر کا بعض حصہ ہے نیچے کا نہیں کہ سفل غیر کا یہ سب کچھ ایک گھر کی مانند ہیں یا دو کی اوپر اور نیچے کی منزلوں کی علیحدہ علیحدہ قیمت لگائی جائے گی اور قاضی کے واسطے سے قیمت سے اس کی تقسیم ہوگی اور اس کے علاوہ کسی چیز کا اختیار نہیں ہوگا اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک ایسی چیز کی صلاحیت رکھتا ہے جس کی دوسرا نہیں رکھتا۔ پس یہ دو جنسوں کے مشابہ ہو گئے اور یہ قیمت کے اعتبار سے تقسیم کا تقاضا کرتا ہے تاکہ برابری متحقق ہو سکے یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے جسے مشائخ نے اختیار کیا ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ شیخین کے ہاں اسے ذراع (گز) کے تقسیم کیا جائے گا کیونکہ سفل اور علو گزوں سے ناپ جانے والے ہیں پھر اس کی تقسیم میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک نیچے سے دو گز اوپر سے اور امام ابو یوسف کے ہاں ایک گز ایک گز کے بدلے میں پھر فرمایا ہر ایک اپنے زمانے کی عادت کے موافق۔

حنابلہ کے ہاں: اگر دو شریکوں کے درمیان ایسا گھر ہو کہ جس کے اوپر نیچے منزلیں ہوں اس میں سے ایک تقسیم طلب کرے ایک کا علو ہو اور ایک کا سفل تو اس میں اجبار نہیں کیا جائے گا یا ایک شریک سفل کی تقسیم چاہے اوپر کی نہ یا اس کے برعکس تو بھی اس میں اجبار نہیں اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ رہائش گاہ ہے نیز ان میں سے ایک کو تقسیم سے نقصان ہوگا۔ اور اگر ان میں سے ایک اوپر اور نیچے کی منزل کی تقسیم چاہے اور اس میں ضرر بھی نہ ہو اور عوض بھی نہ لوٹایا جاتا تو تقسیم کو قبول کرنا واجب ہے اور روکنے والے کو مجبور کیا جائے گا اور قیمت کے اعتبار سے برابری ہوگی کیونکہ یہ احوط ہے اور یہی حنفیہ کے ہاں مفتی بہ بھی اور ایک ذراع نیچے کا دو ذراع اوپر کے مقابلے میں نہیں رکھے جائیں گے نہ اس کے برعکس اور نہ ایک ذراع ایک ذراع کے بدلے میں الا یہ کہ دونوں شریک تقسیم پر راضی ہوں۔

پانچواں مقصد: راستہ کی تقسیم:

راستے کی تقسیم میں کئی مشکلات ہیں ان میں سے پہلی چیز: راستے کا چلنا اور اس طرح کے فوائد..... اگر تقسیم کرنے والوں نے شریکوں کے درمیان مشترک گھر کو تقسیم کیا اور میں سے ایک کے حصہ میں پانی یا راستہ دوسرے کی ملک میں ہو اور اس فائدے پر تقسیم میں تفریق نہ ہوں۔

(الف)..... اگر راستہ اور پانی دوسرے کے حصہ کی طرف موڑ ناممکن ہو یعنی کسی اور ذریعہ سے اس سے مستغنی ہو تو پھر اس سے پھرنا واجب ہے اس کے بعد اسے اس میں چلنا اور دوسرے کے حصہ میں سے پانی گذارنا جائز نہیں اس لیے کہ ضرر کے بغیر تقسیم ممکن ہے۔

(ب)..... اگر اس سے ہٹنا ممکن نہ ہو تو تقسیم فسخ ہو جائے گی کیونکہ حصص میں اختلاط کی وجہ سے یہ مختلف ہے لہٰذا نئے سرے سے تقسیم ہوگی۔

دوسری چیز..... راستہ ختم کرنے میں شرکاء کا اختلاف اگر شرکاء راستہ ختم کرنے میں دوران تقسیم اختلاف کریں تو حاکم اس معاملہ میں غور کرے۔

(الف)..... اگر ہر ایک کے حصہ میں راستہ کھولنا درست ہو تو حاکم مشترک راستہ تقسیم کیے بغیر تقسیم کردے اور وہ راستہ ختم کردے منفعت مکمل کرنے اور ہر اعتبار سے جدائی متحقق کرنے کے لیے۔

(ب)..... اگر نیا راستہ بنانا درست نہ ہو تو مشترک راستہ ان کے درمیان تقسیم کر دے تاکہ راستے کے علاوہ کی منفعت حاصل ہو سکے۔

تیسری چیز..... راستے کی چوڑائی میں شرکاء کا اختلاف، جب شرکاء راستے کی چوڑائی کی مقدار میں اختلاف کریں تو حاکم اس معاملہ پر غور کرے۔

(الف) [illegible] کے راستے میں راستے کی چوڑائی دروازے کی چوڑائی اور بلندی جتنی ہوگی تاکہ ہر ایک اپنے حصہ میں چھجا بنا سکے

اگر دروازے کے اوپر ہو نہ کہ اس کے علاوہ اس لیے کہ یہ مقدار داخل ہونے کے لیے کافی ہے اور چلنے کے لیے۔

(ب)......اور زمین کی طرف راستے میں اتنا عرض ہونا چاہیے جس میں جانور چل سکیں کیونکہ اس چلنے میں کفایت ہوتی۔

چوتھی چیز......راستے کا حصص کے تابع ہونا تقسیم کنندگان کے سہام کے برابر راستہ ملحق ہوگا جیسا کہ تقسیم سے پہلے تھا اس لیے کہ تقسیم راستے کے علاوہ ہوگی لہٰذا راستہ مشترک ہی رہے گا جیسے پہلے تھا۔

پانچویں چیز......راستے کے حصہ میں تفاوت: شرکاء کا اس بات پر اتفاق جائز ہے کہ راستہ میں حصص کے اعتبار سے تفاوت ہیں اگرچہ ان کے سہام گھر اور زمین کے برابر ہوں مثلاً راستہ اثلاثا تقسیم ہو اور گھر برابر برابر اس لیے کہ رضا مندی سے تقسیم میں تفاوت اموال ربویہ کے علاوہ میں جائز ہے۔

پانچویں بحث: تقسیم کرنے والا......اس کی تعیین شرائط اجرت اور تقسیم کرنے والوں میں تعدد۔

پہلی بات: تقسیم کرنے والے کی تعیین......قاسم وہی مقرر کیا جائے جو تقسیم کو جانتا ہو اور شرکاء بذات خود رضا مندی سے تقسیم کرانا چاہتے ہوں الا یہ کہ ان میں بچہ ہو تو پھر قاضی کی ضرورت ہے اس لیے کہ انہیں بچے پر ولایت حاصل نہیں کبھی تو اس کی طرف سے وہ وکیل متعین کریں یا قاضی وکیل متعین کرے قاضی یا حاکم کے لیے مندوب ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے قاسم متعین کرے اسے بیت المال سے وظیفہ دیا جائے تا کہ وہ بغیر اجرت کے تقسیم کیا کرے یہی اولی اور پسندیدہ ہے اس لیے کہ اس میں لوگوں کے لیے نرمی ہے اور یہ تہمت سے دور ہے نیز اس لیے بھی کہ تقسیم کرنا قضاء کی قسم ہے اس لیے کہ اس کے ذریعہ خصومت ختم ہوئی ہے اور اس کا نفع تمام لوگوں کو ہے تو اس کی کفایت ان کے مال سے ہونی چاہیے **الغرم بالغنم**۔

اگر ہمیشہ کے لیے قاسم متعین نہ کیا تو قاضی قاسم مقرر کرے جو اجرت مثل پر تقسیم کرے حصہ داروں کے حساب سے اس لیے کہ اس کا نفع انہیں ہی ہوتا ہے اور اجرت مثل اس لیے کہ وہ اجرت مثل سے زیادہ پر زبردستی نہ کرے جیسا کہ قاضی لوگوں کو ایک ہی قاسم پر مجبور نہیں کر سکتا اس لیے کہ اگر متعین کرے تو وہ بھی زیادہ لے گا زبردستی اور قاضی کئی تقسیم کرنے والوں کو مشترک نہیں چھوڑے گا تا کہ وہ زیادہ اجرت نہ لیں جس سے لوگوں کا نقصان ہو اگر وہ نقیب ونگران ہوں تو جائز ہے اس لیے کہ حاکم نگران مقرر کر سکتا ہے اور گرانی روک سکتا ہے۔

حنفیہ نے قاسم کے لیے استحساناً وندباً کچھ شرائط مقرر کی ہیں جو یہ ہیں۔

۱......عادل امین اور تقسیم جاننے والا ہو اس لیے کہ اگر وہ عادل نہیں خائن یا تقسیم کے معاملات نہیں جانتا تو اس سے تقسیم میں ظلم کا خوف ہے جو کہ جائز نہیں۔

۲......قاضی کی طرف سے متعین ہو اس لیے کہ اس کے علاوہ کی تقسیم غائب اور بچے پر نافذ نہ ہوگی نیز اس میں امانت کی شرائط جمع ہیں۔

۳......حصص کو برابر کرنے میں مبالغہ کرے اور سہام کی برابری میں تا کہ سہام میں نقص نہ ہو اور مناسب یہ ہے کہ قاسم شریکوں کے درمیان کوئی حق مثلاً راستہ پانی وغیرہ کو تقسیم کے بغیر نہ چھوڑے الا یہ کہ ممکن نہ ہو اور مناسب یہ ہے کہ قاسم بعض کے حصے بعض کے ساتھ ضم نہ کرے الا یہ کہ وہ ملانے پر راضی ہوں۔

۴......تقسیم کے بعد قرعہ ڈالے لوگوں کے دل موہ لینے کے لیے اور سنت وارد ہونے کی وجہ سے نیز قرعہ تہمت کو دور کرنے والا ہے۔

شوافع اور حنابلہ نے قاضی کی طرف سے متعین قاسم کے لیے سات شرطیں لگائی ہیں: اسلام، بلوغ، عقل، آزادی، مرد ہونا، عادل ہونا، ماپنے اور ریاضی کا علم۔ اس لیے کہ ان کا علم تقسیم کے آلات میں سے ہے، اور شوافع نے سننے اور دیکھنے کی بولنے اور یاد رکھنے کی بھی شرط

لگائی ہے اس لیے کہ ان کا ہونا ضروری ہے اس لیے کہ قسم کو ان حصہ داروں پر ولایت ملزمہ حاصل ہے اور جس میں یہ شرائط وافر مقدار میں نہ پائی جائیں وہ اہل ولایت نہیں۔ اگر قاسم کافر یا فاسق اور جاہل ہو تو شرکاء کی رضامندی کے بغیر تقسیم لازم نہ ہوگی۔ یہ سب اس وقت قاضی کی طرف سے قاسم متعین ہو اور اگر اپنی رضامندی سے شرط کا قاسم مقرر کریں تو اس کے لیے سابقہ شرائط نہیں سوا کے مکلف ہونے کے کیونکہ یہ ان کا وکیل ہے۔

تیسری بات: زیادہ تقسیم کرنے والے...... ایک قاسم یا زیادہ کے ذریعہ تقسیم کرانا جائز ہے مالکیہ کے ہاں قرعہ سے تقسیم میں ایک قاسم بھی کافی ہے اس لیے کہ اس کا اہم کام قرعہ کا نتیجہ بتانا ہے جیسے قیافہ شناس ڈاکٹر اور مفتی کا کام ہے۔

مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر تقسیم میں قیمت نہ لگائی ہو تو ایک قاسم بھی کافی ہے کیونکہ اس کی تقسیم حاکم کے حکم کی طرح ہے اور اگر تقسیم میں قیمت لگائی ہو تو پھر متعدد قاسم ہونا ان فقہاء کے ہاں ضروری ہیں دو سے کم کی تقسیم جائز نہیں اس لیے کہ قیمت لگانا قیمت کی گواہی ہے اور گواہی کے لیے دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

چوتھی بات: قاسم کی اجرت...... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر قاضی کی طرف سے قاسم مقرر ہو تو اس کی اجرت بیت المال سے ہوگی اگر اس میں وسعت ہو اس لیے کہ تقسیم قاضی کی عمل کی جنس میں سے ہے نیز اس کا نفع تمام لوگوں کو عام ہے اور اگر قاسم شرکاء کی مرضی سے آیا ہوا جرت پر تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے ہاں اجرت شرکا پر تعداد کے اعتبار سے تقسیم ہوگی یا عدد روٴس کے اعتبار سے اس لیے کہ اجرت عمل کی مقابلہ میں ہے اور عمل حصص کو الگ الگ کرنا ہے اور تمیز کرنا ایک ہی عمل ہے اس لیے کہ کم کی زیادہ سے تمیز بعینہ زیادہ سے کم کی تمیز ہے پس حکم اصل تمیز کے ساتھ متعلق ہوگا اور قاسم کم حصے کی تمیز میں بھی اسی طرح تھکے گا جس طرح زیادہ کی تمیز میں جب عمل میں تفاوت نہیں تو اجرت میں بھی تفاوت نہ ہوگا صاحبین شوافع اور حنابلہ کے ہاں اجرت کی تقسیم حصص کی بقدر ہوگی اس لیے کہ کثیر میں عمل قلیل سے زیادہ ہے نیز اجرت نفقہ کی طرح ہے جو ملک کا محتاج ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کیل کرنے والے اور وزن کرنے والے کی اجرت حصوں کے اعتبار سے ہے اجماعاً اور اسی طرح باقی کاموں مثلاً چرواہے کی اجرت بوجھ اٹھانے والے کی اور حفاظت وغیرہ کی میری رائے کے مطابق یہ زیادہ اولی اور اصح ہے اس لیے کہ لوگوں کے لیے اس میں نرمی ہے۔

چھٹی بحث: تقسیم کے احکام...... تقسیم کے اثبات کے لیے کچھ خاص احکام ہیں اور کچھ عام۔

پہلا مقصد: تقسیم کے عام احکام...... اعیان کی تقسیم کے عام احکام درج ذیل ہیں پہلی بات: تقسیم کا لازم ہونا: تقسیم عقود لازمہ میں سے بالاتفاق فقہاء کے ہاں (۱) اس کو توڑنا جائز نہیں لیکن بعض مذاہب میں لزوم کے سلسلہ میں تفصیل ہے حنفیہ کے ہاں (۲) تقسیم تمام ہونے کے بعد جبری اور رضامندی والی دونوں تقسیمیں لازم ہو جاتی ہیں جب مکمل ہو جائیں تو ان سے رجوع جائز نہیں البتہ تقسیم مکمل ہونے سے پہلے تو جبری تقسیم میں تو لازم ہے اگر قاضی ایک قوم میں مشترک مال تقسیم کرے اور تمام سہام قرع سے نکالے تو انہیں رجوع کرنے کا اختیار نہیں اسی طرح تقسیم مکمل نہ ہو تو بھی ہوا نہیں رجوع کا حق نہیں۔ رہ گئی تقسیم تراخی تو اس کے مکمل ہونے سے پہلے شرکاء کو رجوع کا اختیار ہے اس لیے کہ یہ تقسیم تمام سہام مکمل ہونے کے بعد ہی مکمل ہوتی ہے جیسا کہ تمام عقود میں ہوتا ہے۔

ہاں اگر تمام سہام نکل آئے ہوں اور ایک رہ گیا ہو تو رضامندی کی تقسیم میں بھی رجوع کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ سہم متعین ہو گیا اس کا بھی۔ مالکیہ کے ہاں مطلقاً تقسیم لازم ہو جاتی ہے کہ جو کچھ تقسیم میں نکلا وہ لازم ہے کسی ایک توڑنے کا اختیار نہیں اسی طرح رضامندی والی تقسیم میں بھی لازم ہے جو فسخ کا ارادہ کرے تو اسے فسخ کا اختیار نہیں (۳) شوافع کے ہاں جبری تقسیم بغیر رضامندی کے بھی اور ہو جاتی ہے اور یہ بات

---

(۱).....البدائع ۲۷/۷ (۲) ایضاً۔ (۳) الشرح الصغیر: ۶۷۶/۳

معلوم ہے کہ افراز اور تعدیل میں اجبار ہے اور رضامندی کی تقسیم رد ہے صرف ارجح یہ ہے کہ اس میں قرعہ نکلنے کے بعد رضامندی ضروری ہے اور قاسم کا علم شرکاء کی رضا کی بغیر لازم نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ جب ابتداء میں رضا ضروری ہے اسی طرح انتہاء میں بھی ضروری ہے۔

حنابلہ کے ہاں...... جبری تقسیم لازم ہے اور رضا والی تقسیم میں دو وجہیں ہیں لیکن راجح یہ ہے کہ جب قرعہ نکل آیا تو تقسیم لازم ہے اس لیے کہ قاسم حاکم کی طرح ہے اور اس کا قرعہ حاکم کے قرعہ کی طرح ہے اس لیے کہ سہم برابر کرنے میں وہ مجتہد ہے جیسے حاکم حق کی طلب میں مجتہد ہے۔

دوسری بات: تقسیم میں خیار کا ثبوت...... حنفیہ کے ہاں [1] تقسیم کی تین قسمیں ہیں۔ایک تقسیم جس میں انکار کرنے والے پر جبر نہیں جیسے مختلف اجناس کی تقسیم ایک وہ جس میں انکار کرنے والی پر جبر ہوگا مثالی چیزوں میں جیسے کیلی، عددی اور وزنی چیزیں، ایک وہ قسم جو غیر مثلیات میں انکار کرنے والے پر جبر ہو جسے ایک قسم کے کپڑے، گائے بکری وغیرہ خیار تین قسم کے ہیں۔خیار شرط، خیار عیب، خیار رویت۔

۱.....مختلف اجناس کی تقسیم میں تمام اختیارات ثابت ہیں اس لیے کہ یہ من کل وجہ مبادلہ ہے بیع کی طرح۔

۲.....مثلی چیزوں کی تقسیم میں صرف خیار عیب ثابت ہے خیار رویت اور خیار شرط ثابت نہیں کیونکہ ان کے اثبات میں کوئی فائدہ نہیں۔

۳.....غیر مثلی قیمی چیزوں کی تقسیم میں جیسے ایک قسم کے کپڑے گائے بکری وغیرہ میں صرف خیار عیب ثابت ہے۔رہ گیا خیار شرط اور خیار رویت اس کے ثبوت میں دو روایتیں ہیں صحیح ان میں سے جس پر فتوی ہے وہ یہ کہ یہ بھی ثابت ہیں۔

خلاصہ...... یہ کہ مختلف اجناس کی تقسیم میں تینوں خیار ثابت ہیں اور مثلی چیزوں میں صرف خیار عیب ثابت ہے اور غیر مثلی میں بھی خیار عیب ہی ثابت ہے۔مالکیہ کے ہاں ارجح یہ ہے کہ تقسیم مرضات میں خیار عیب ثابت ہے اس لیے کہ یہ بیع کی طرح ہے۔حنابلہ کے ہاں اگر کسی ایک شریک کے حصہ میں بھی عیب نکل آیا اور تقسیم سے پہلے اسے معلوم نہ تھا تو اسے تقسیم فسخ کرنے کا اختیار ہے یا عیب کا بدلہ لینے میں رجوع کرے اس لیے کہ اس کے حصہ میں نقصان آیا ہے۔

شوافع نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آواز کی صورت میں غلط یا صیف کی حالت میں لوٹ جائے گی اور تقسیم روا اور تعدیل جو بیع ہے اس لیے اس میں خیار عیب ثابت ہے۔

تیسری بات: تقسیم کے اثرات...... درج ذیل احکام تقسیم پر مرتب ہوتے ہیں۔

۱.....ہر شریک کا حصہ مستقل طور پر متعین ہو جاتا ہے اور وہ اپنے حصے کا تقسیم کے بعد مستقل طور پر مالک ہوتا ہے۔

۲.....شریک ان تمام تصرفات کا مالک ہو جاتا ہے جو ملکیت میں ثابت ہوتے ہیں یعنی بیع اجارہ رہن تعمیر تخریب وغیرہ کا۔

۳.....تقسیم میں شفعہ ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ حق شفعہ مبادلہ محضہ میں ثابت ہوتا ہے اور تقسیم ایک اعتبار سے مبادلہ ہے لہذا شفعہ کی محتمل نہیں۔

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم تمام مذاہب کا متفق علیہ ہے۔[2]

چوتھی بات: تقسیم توڑنا...... تقسیم اقالہ یا رضامندی سے فسخ کرنے سے ٹوٹ جائے گی اور درج ذیل حالات میں حنفیہ کے ہاں تقسیم توڑنا واجب ہے۔میت پر دین ہونا۔

جب تقسیم مکمل ہو جائے پھر میت کے ذمہ قرض نکل آئے جو پورے ترکہ کا احاطہ کیے ہوئے ہو تو تقسیم فسخ ہوگی۔

---

[1] البدائع ۲۸/۷۔ [2] المهذب: ۳۰۶/۲۔

جبکہ میت کا اس کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہوالا یہ کہ ورثاء قرض ادا کر دیں یا غرماء معاف کر دیں یا ترکہ میں اتنا کچھ باقی ہو جس سے قرض ادا کیا جا سکتا تو پھر تقسیم برقرار رہے گی۔ اور فسخ پر دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍۗ ......النساء: ۴/ ۱۱

نیز جب قرض نے ترکہ کا احاطہ کیا ہوا ہو تو اس سے ظاہر ہوا کہ ورثاء کی اس میں ملکیت ہی نہیں بلکہ یہ میت کی ملک ہے جس سے غرماء کا حق متعلق ہے اور غیر کی ملکیت کا شی مقسوم سے متعلق ہونا صحت تقسیم سے مانع ہے۔

اور اگر قرض ترکہ کو محیط نہ ہو تو بھی غرماء کا حق وصولی قدر دین میں ترکہ میں ثابت ہے جو نفاذ تقسیم سے مانع ہے یہ رائے میرے نزدیک ارجح ہے دائنین کے حقوق کی رعایت کی وجہ سے۔ حنابلہ کے ہاں ظہور دین کی وجہ سے تقسیم نہیں ٹوٹے گی اس لیے کہ دین کا ترکہ سے متعلق ہونا صحت تصرف سے مانع نہیں اس لیے کہ وہ ورثاء کی رضا کے بغیر متعلق ہے اس لیے شوافع کے ہاں: جب میت پر قرض ظاہر ہو تو تقسیم چونکہ حق کی تمیز کا نام ہے اس سے لیے ٹوٹے گی نہیں اگر اسے بیع قرار دیں تو اس کے ٹوٹنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت کے مطابق ٹوٹ گئی کیونکہ مال کے ساتھ غیر کا تعلق ہے۔ اور ایک روایت میں نہیں ٹوٹے گی جب وارث ادا کر دیں۔

۲۔ دوسرا وارث ظاہر ہونا: یا موصی لہ کا ظاہر ہونا...... جب تقسیم مکمل ہوگئی پھر کوئی وارث ظاہر ہوا یا موصی لہ تو تقسیم ٹوٹ گئی اس لیے کہ وارث اور موصی لہ شریک ہیں باقی ورثاء کے ساتھ اور جبری تقسیم اصح قول قول کے مطابق نہیں ٹوٹے گی اس لیے کہ اس وقت تقسیم محل اجتہاد ہے اور قضاء قاضی جب محل اجتہاد سے مل جائے تو وہ نافذ ہوتی ہے ٹوٹتی نہیں۔

۳۔ غبن فاحش کا ظہور...... تقسیم ہونے کے بعد جب غبن فاحش ظاہر ہو جائے اور وہ وہ ہے جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت نہ آئے مثلاً مال کی قیمت ایک ہزار لگائی جائے جو پانچ سو کے مساوی نہیں تو جبری تقسیم بھی بالاتفاق حنفیہ کے ہاں فسخ کی جائے گی اس لیے کہ قاضی کا تصرف عدل کے ساتھ مقید ہے اور وہ پایا نہیں گیا اور رضا والی تقسیم بھی اصح قول کے مطابق ٹوٹ جائے گی اس لیے کہ اس کے جواز کی شرط معادلہ تھی جو پائی نہیں گئی اس کا ختم کرنا بھی واجب ہے یہی حنفیہ کے ہاں معتمد اور مفتی بہ ہے کما ذکر ابن عابدین اگر مدعی استیفاء حق کا اقرار نہ کرے تو غبن فاحش کا دعویٰ مسموع ہوگا اور اگر اقرار کرے تو پھر مسموع نہ ہوگا اور غبن یسیر کے متعلق دعویٰ مسموع نہ ہوگا اور نہ گواہ قبول ہوں گے غبن فاحش یا ظلم سے تقسیم کا توڑنا فقہاء کے درمیان اتفاقی مسئلہ ہے۔

۴۔ مال مقسوم میں غلطی ہونا...... جب تقسیم کے بعد ایک شریک دعویٰ کرے کہ اس کے حصہ کی کوئی چیز اس کے شریک کے حصہ میں غلطی سے چلی گئی ہے اور وہ اقرار کرے یا اپنے حق کی وصول پر گواہ قائم کرے تو اس کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی جائے گی الا یہ کہ گواہ ہوں (یعنی خصم اقرار کرے یا انکار کرے) اس لیے کہ وہ فسخ تقسیم کا دعویٰ کر رہا ہے تقسیم ہونے کے بعد دلیل کے بغیر اس کی تصدیق نہیں ہوگی اور نہ ہی اس میں تناقض ہے کیونکہ اس نے امین کے فعل پر اعتماد کیا ہے پھر غلطی ظاہر ہوتی ہے۔ اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں شرکاء حلف اٹھائیں گے جو ان میں سے انکار کرے تو اس کے اور مدعی کے حصہ کو جمع کیا جائے گا پھر بقدر حصص ان میں تقسیم کر دی جائے گی اس لیے کہ انکار اس کے حق میں حجت ہے۔

اگر اس نے وصولی کا اقرار نہ کیا تو سب شرکاء حلف اٹھائیں گے اور تقسیم فسخ ہو جائے گی کیونکہ تقسیم سے حاصل شدہ اختلاف مقدار مبیع میں اختلاف کی طرح ہے اگر اس نے کہا مجھے فلاں جگہ ملی ہے جو میرے سپرد نہیں کی گئی اور اپنی وصولی پر وہ گواہ بھی پیش نہیں کر رہا اور شریک اس کی تکذیب کر رہا ہے تو دونوں حلف اٹھائیں گے اور تقسیم فسخ ہو جائے گی کیونکہ نفس تقسیم میں اختلاف ہے۔

اس لیے کہ تقسیم کی مقدار میں اختلاف ہوا ہے یہ مبیع کی مقدار کے اختلاف کے مشابہ ہے، اور اگر اس نے کہا میں نے اپنا حق وصول کر لیا

ہے پھر کہے بعض حصہ لیا ہے تو یہاں س کے خصم کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ یہ اس پر غصب کا دعویدار ہے اور وہ منکر ہے تو قول منکر کا معتبر ہوتا ہے۔ غلطی کے دعویٰ میں تقسیم توڑنے اور گواہ سے اثبات اور محل اتفاق ہے فقہاء کے ہاں البتہ شوافع کے ہاں: اگر گواہوں سے ثابت کرے غلطی وغیرہ کو تو جبری اور رضا مندی والی دونوں تقسیمیں ٹوٹ جائیں گی اور اگر افراز نہ ہو بایں طور کہ تعدیل یا رد ہو تو تقسیم نہ نوٹے گی اس لیے کہ یہ بیع ہے اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو پھر مدعی شریک کو حلف دے۔

۵۔ مال مقسوم میں کسی کا استحقاق......اگر مال مقسوم میں مستحق نکل آئے یعنی کوئی اور شریک بھی ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں حنفیہ کے ہاں یہ بات معلوم ہونے کے باوجود کہ استحقاق یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی پوری یا بعض ملکیت کا دعویٰ کرے اور اس کا دعویٰ ثابت ہو اور قاضی اس کی ملکیت کا فیصلہ دے دے اور دوسرے کا قبضہ ختم کرادے جیسے مشتری اور مقسوم لہ۔

(الف)......اگر مستحق سارے تقسیم شدہ میں شائع ہو جیسے خمس ربع تو بالاتفاق حنفیہ کے ہاں تقسیم فسخ ہو جائے گی کیونکہ افراز اور تمیز کا معنی متحقق نہیں ہوا۔

(ب)......اگر مستحق بعض متعین ہو کسی ایک شریک کے حصہ میں تو بالاتفاق حنفیہ کے ہاں تقسیم فسخ نہیں ہوگی اس لیے کہ استحقاق جب ایک متعین جزو یہ ہے تو یہ ظاہر نہ ہوا کہ مستحق مال میں شریک ہے لہٰذا تقسیم باطل نہ ہوئی لیکن مستحق اس حصہ کی بقدر رجوع کرے اس حصے والے سے اور واپس لے گا۔

(ج)......اگر مستحق بعض مشاع ہو کسی ایک کے حصہ میں تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں جبری تقسیم فسخ نہیں ہوگی بلکہ مستحق منہ کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو دوسرے شریک کے حصہ میں رجوع کرلے یا اس کو فسخ کردے اس لیے کہ استحقاق سے ظاہر ہوا کہ تقسیم استحقاق شدہ حصہ میں درست نہیں تھی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تقسیم فسخ ہوگی اس لیے کہ استحقاق کی وجہ سے ظاہر ہوا کہ شرکاء کا کوئی اور شریک بھی ہے اگر وہاں اور شریک ہوتا تو تقسیم صحیح نہ ہوتی جیسے بعض مسئلہ میں شوافع اور حنابلہ کے ہاں: اگر کسی ایک کے حصہ میں کسی معین چیز کا استحقاق ہوا بایں طور کہ اس کے ساتھ ایک ہی خاص ہے یا اسے دوسرے سے زیادہ ملا تو تقسیم باطل ہو جائے گی اس لیے کہ ایک دوسرے کا محتاج ہے تعدیل نہ پائے جانے کی اور اگر بعض مستحق دونوں شریکوں کے درمیان برابر تقسیم ہو گیا ہو مثلاً دونوں نے زمین تقسیم کرلی پھر ان دونوں کے حصہ سے کو ایک متعین حصہ کا مستحق نکلا تو تقسیم باطل نہ ہوگی باقی زمین میں اس لیے کہ تقسیم نام ہے ہر ایک کے حق کو الگ الگ کرنے کا اور افراز پایا گیا۔ اور اگر وہ متاع ہو دونوں کے حصہ میں یا ایک کے حصہ میں تو اس میں تقسیم باطل ہو جائے گی شوافع کے ہاں باقی میں نہیں ہوگی اور حنابلہ کے ہاں سب میں باطل ہوگی اس لیے کہ مستحق تیسرا شریک ہے اور مال اس کی عدم موجودگی میں تقسیم ہوا نہ اس کی اجازت تھی اور پر رضا والی تقسیم اور جبری دونوں میں برابر ہے نیز تقسیم کا مقصد حق میں تمیز کرنا ہے یہ حاصل نہ ہوا، یہ امام ابو یوسف کی رائے ہے جیسے پہلے گذرا۔

دوسرا مقصد: اثبات کے خاص احکام......یہاں تقسیم سے متعلق خاص احکام ہیں جو متقاسمین کے درمیان جب وہ بعض امور میں نزاع کریں اسے ختم کرنے کے لیے ہیں مثلاً حدود کے متعلق اختلاف غبن کی قیمت کے متعلق یا بعض حق دوسرے شریک کے قبضہ میں رہ جانے وغیرہ کے متعلق۔

پہلی بات: حدود میں اختلاف......جب حد بندی میں دونوں اختلاف کریں ہر ایک اس بات کا دعویٰ کرے کہ اس کا گھر دوسرے کی حدود میں ہے اور وہ اختلاف تقسیم کے بعد ہو ہر ایک اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کردے تو ہر ایک کے لیے اس حصہ کا فیصلہ کردیا جائے گا جو اس کے شریک کے حصہ میں ہے اس لیے کہ یہ خارج ہے اور خارج کے گواہ قبضہ والے پر راجح ہوتے ہیں۔ اگر ایک گواہ قائم کرے کہ اس کا گھر دوسرے کے قبضہ میں ہے جو اسے تقسیم میں ودتھا اور دوسرا انکار کرے تو گواہوں کی وجہ سے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا اگر وہ

دونوں گواہ نہ پیش کر سکیں تو دونوں حلف اٹھائیں گے اور تقسیم فسخ ہوگی۔

دوسری بات: غبن کی قیمت میں اختلاف...... جب تو دونوں غبن کی قیمت میں اختلاف کریں اب وہ یسیر ہوگا یا فاحش۔

(الف)......اگر غبن یسیر ہے یعنی جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت آتا ہے تو دعویٰ کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا چاہے تقسیم رضامندی سے ہوئی ہو یا قاضی کے فیصلے سے اس لیے کہ اس قسم کے غبن سے بچنا مشکل ہے اور غبن یسیر کی مثال یہ کہ کپڑے سامان وغیرہ کی قیمت دس درہم اور ماہرین میں سے بعض لگاتے میں بعض ۱۰ تو اس کو ایک ہی غبن شمار کیا جائے گا۔

(ب)......اگر غبن فاحش ہے یعنی جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو بایں طور کہ دس درہم والے سامان کی قیمت ماہرین آٹھ یا سات لگاتے ہیں اور کوئی ایک بھی دس نہیں لگاتا اب اگر تقسیم قاضی کے فیصلہ سے ہوئی ہے تو فسخ ہو جائے گی اس لیے کہ فریقین میں رضا نہیں پائی گئی اور قاضی کا تصرف عدل کے ساتھ مقید ہے اور وہ پایا نہیں گیا اور اگر تقسیم رضامندی سے ہوئی تھی تو بعض حنفیہ کے ہاں دعویٰ مسموع نہیں ہوگا اس لیے کہ تقسیم بیع کے معنی میں ہے اور اس میں مالک کی جانب سے غبن کا دعویٰ اسے نہیں توڑ سکتا، اگر بیع مالک کے علاوہ مثلاً والد یا وصی کی ہو وہ غبن فاحش سے ٹوٹ جائے گی اور اصح یہ ہے کہ اس کا دعویٰ مسموع ہوگا اور رضامندی والی تقسیم بھی اجباری تقسیم کی طرح فسخ ہوگی۔ غبن فاحش سے اس لیے کہ تقسیم کے جواز کی شرط معاملہ ہے جو پایا نہیں گیا اس کا ختم کرنا واجب ہے۔

تیسری بات: حصہ وصول کرنے میں اختلاف...... تقسیم کنندگان شرکاء جب تقسیم کے بعد اختلاف کریں بعض شرکاء اپنا حصہ وصول کرنے سے انکار کریں اور دعویٰ کریں کہ اس کا بعض حصہ شریک کے قبضہ میں ہے اور دوسرا انکار کرے۔

(الف)......اگر دو تقسیم کرنے والے یا زیادہ اس بات کی گواہی دے دیں کہ مدعی نے اپنا حق وصول کر لیا ہے تو شیخین کے ہاں ان کی گواہی قبول ہوگی اس لیے کہ یہ دونوں غیر کے فعل پر گواہی دے رہے ہیں جو قبضہ ہے نہ کہ اپنے فعل پر اس لیے کہ ان کا فعل صرف تمیز کرنا ہے اور اس پر شہادت کی ضرورت نہیں اور امام محمد نے فرمایا: ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس لیے کہ یہ دونوں اپنے ذاتی فعل پر گواہی دے رہے ہیں جو کہ تمیز اور امتیاز ہے۔

(ب)......اگر ایک قاسم حق وصول کرنے کی گواہی دے تو اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی اس لیے کہ ایک آدمی کی گواہی دوسرے پر قبول نہیں کی جاتی۔

دوسری قسم: منافع کی تقسیم (مہایات)......اس میں پانچ بحثیں ہیں:

پہلی بحث	......	تقسیم مہایات کی تعریف اور مشروعیت
دوسری بحث	......	محل مہایات
تیسری بحث	......	صفت مہایات
چوتھی بحث	......	مہایات کی قسمیں
پانچویں بحث	......	اتفاق کے بعد جس تصرف کا ہر شریک مالک ہوتا ہے۔

پہلی بحث: مہایات کی تعریف و مشروعیت:

تعریف......مہایات لغوی اعتبار سے باب مفاعلہ سے ہے اور ھیئۃ اچھی اور عمدہ شکل کا ہوتا ہے۔ ہر ایک شریک ایک حالت پر راضی ہوتا ہے اور اسے اختیار کرتا ہے یا شریک ثانی عین سے اسی حالت میں نفع اٹھائے جس حالت پر شریک اول نے نفع اٹھایا۔ یہ لغت میں دو شر

یکوں کی موافقت اور رضا مندی کو کہتے ہیں اور فقہی طور پر مہایات منافع کی تقسیم کو کہتے ہیں [1] مالکیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ ہر شریک دوسرے شریک کے ساتھ خاص ہو کسی متحد چیز میں جیسے گھر یا متعدد ہوں جیسے دو گھر یا کسی ایک چیز کی متحد منفعت سے یا معلوم زمانہ میں اور اسی بناء پر زمانہ متعین کرنا شرط ہے اس لیے کہ اس کے ذریعہ نفع کی مقدار معلوم ہوتی ہے ورنہ مہایات فاسد ہو جاتی ہے۔

دوسری بات: مشروعیت...... مہایات استحساناً حاجت کی وجہ سے جائز ہے اس لیے کبھی اجتماعی طور پر نفع اٹھانا متعذر رہوتا ہے اور اس کا محل مشترک عین چیزوں کا منافع ہے جس سے عین باقی رکھتے ہوئے نفع اٹھانا ممکن ہو۔ اور یہ شریکوں کی موت یا کسی ایک کی مدت کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا، اگر عین کی کوئی ایک تقسیم چاہے تو باطل ہو جاتا ہے۔ اور عین کی تقسیم مہایات سے اولیٰ ہے اس لیے کہ منافع کو ایک زمانے میں ہمیشہ کے لیے جمع کرنا اولیٰ ہے اور مہایات منافع کو پے در پے تعاقب سے جمع کرنا ہے وقتی صفت کے ساتھ اگر دو شریکوں میں سے کوئی ایک تقسیم طلب کرے اور دوسرا مہایات تو قاضی پہلے کی بات پر عمل کرتے ہوئے تقسیم کرے۔

مہایات کی مشروعیت پر قرآن وسنت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے۔ قران کریم میں فرمان باری تعالیٰ ہے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے لیے مہایات کی تقسیم کے سلسلہ میں:

هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ الشعراء: ۲۶: ۱۵۵

یہ اونٹنی ہے (ایک دن) اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمہاری باری ہے۔ یہی مہایات ہے۔ اور سنت میں بہت سے واقعات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں ستر اونٹوں میں سے ہر ایک اونٹ تین آدمیوں کے درمیان تقسیم کیا اور وہ اس پر پے در پے سوار ہوتے تھے۔ [2]

دوسری بحث: محل مہایات...... مہایات کا محل منافع ہیں عین نہیں اس لیے کہ یہ منفعت کی تقسیم ہے عین کی نہیں پس اس کا محل نفع ہوگا عین نہیں ہوگا۔ اسی بناء پر اگر دو شخص اس بات پر اتفاق کرلیں کہ ان میں سے ایک گھر کی ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف رہائش اختیار کرے گا یا ایک اوپر والی منزل میں دوسرا نیچے والی منزل میں رہائش اختیار کرے گا تو یہ صحیح ہے اسے اس کے اجارہ کی بھی اجازت ہے اور اس کے غلبہ کی بھی اسی طرح مشترک زمینوں میں بھی مہایات جائز ہے۔ البتہ اگر کھجور یا کسی درخت میں جو دو آدمیوں میں مشترک ہو مہایات کریں اس طور پر کہ ہر ایک پھل کا ایک حصہ لے گا تو یہ جائز نہیں یا مشترک بکریوں میں مہایات کریں کہ ہر ایک ان میں سے متعین عدد لے لے اور اس کے دودھ سے نفع اٹھائے تو یہ جائز نہیں، اس لیے کہ مہایات منافع کی تقسیم کا نام ہے پھل اور دودھ عین ہیں لہٰذا یہ مہایات کا محل نہیں بن سکتے، اور یہ فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔ [3]

شوافع کے ہاں ذمہ میں موجود قرضوں کو تقسیم کرنا جائز نہیں اگر چہ رضا مندی ہی سے کیونکہ نہ ہو اور ہر وہ جوان میں سے کچھ لے گا تو وہ اس کے ساتھ خاص نہ ہوگا اور مجلہ میں دفعہ (۱۱۷۵) پر تصریح ہو کہ مہایات مثلیات میں نہیں چلتی بلکہ قیمیات میں جاری ہوتی ہے تاکہ عین باقی رکھتے ہوئے اس سے انقطاع ممکن ہو۔

تیسری بحث: صفت مہایات...... مہایات کے لازم ہونے میں فقہاء کی دو رائے ہیں ایک مالکیہ کے علاوہ جمہور کی کہ یہ لازم نہیں اور ایک مالکیہ کی کہ مہایات لازم ہے ان کی عبارتیں یہ ہیں: حنفیہ نے فرمایا [4] مہایات رضا مندی کے ساتھ زمانہ یا مکان کے اعتبار سے عقد غیر لازم ہے اگر دو شریکوں میں سے ایک حاکم سے مہایات طلب کرے اور دوسرا تقسیم تو دوسرے کی طلب پر عمل ہوگا اس لیے کہ عین کی تقسیم منفعت کی تقسیم سے اقوی ہے اس لیے کہ پہلی صورت میں منافع پے در پے جمع ہوتے ہیں جبکہ دوسری صورت میں ایک ہی وقت میں

---

[1] ...... ردالمحتار ۵/ ۱۸۹۔ [2] سیرۃ ابن ہشام ۱/ ۶۱۳۔ [3] البدائع ۷/ ۳۲۔ [4] البدائع ۷/ ۳۲۔

دوام کے ساتھ جمع ہوتے ہیں۔اسی بناء پر مہایات عقد جائز ہے فسخ کا محتمل ہے جیسے سارے جائز عقود میں ہوتا ہے یہ فسخ کیا جائے گا چاہے بغیر عذر ہی کے ہو اور مہایات کسی ایک یا دونوں کی موت سے باطل نہیں ہوتی برخلاف اجارہ کے اس لیے کہ اگر مہایات کو باطل قرار دیا جائے تو قاضی دوبارہ اسے کرے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں جیسے توڑنے اور باطل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہے دوسرے کی رضامندی کے بغیر۔اور جبری مہایات عقد لازم ہے جیسا کہ ابن عابدین (علامہ شامی) نے وضاحت کی ہے بلا عذر اسے توڑنا جائز نہیں جب تک صلح نہ کرلیں۔

شوافع کے ہاں مہایات عقد غیر لازم ہے شریکین میں سے ہر ایک ہر وقت رجوع کا حق ہے اور اس میں قاضی کی طرف ہے اس نہیں حنابلہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے کہ مہایات لازم نہیں جب کوئی ایک شریک رجوع کرے تو مہایات ٹوٹ جائے گی اور مہایات معاوضہ ہے بیع کی طرح اس میں جبر نہیں اگر کوئی ایک تقسیم چاہے تو اسے اس کا اختیار ہے اور مہایات ٹوٹ جائے گی جیسے احناف نے کہا: البتہ مالکیہ کہتے ہیں مہایات اجارہ کی طرح لازم ہے یہ عقود لازمہ میں سے ہے کسی ایک کو فسخ کا اختیار نہیں اگر کسی ایک چیز پر دونوں راضی ہو جائیں جو صحیح ہو تو اسے رضامندی کے بغیر فسخ نہیں کرسکتے اگر زیادہ کیا، تو سب کی رضامندی ضروری ہے۔

چوتھی بحث مہایات کی قسمیں......مہایات کی دو قسمیں میں ایک رضامندی اور جبر کے اعتبار سے دوسرے زمانے اور مکان کے اعتبار سے۔

پہلی تقسیم: جبری اور رضامندی والی مہایات......اس اعتبار سے مہایات کی دو قسمیں ہیں رضا کے ساتھ اور جبری۔

۱۔**رضامندی والی مہایات**......یہ کہ دو آدمی اس بات پر اتفاق کریں کے وہ مشترک میز سے اس کیفیت کے ساتھ نفع اٹھائیں گے بطور تاکید یا باری باری زمانے کے اعتبار سے یا جگہ کے اعتبار سے اور یہ بالاتفاق فقہاء کے ہاں جائز ہے۔

۲۔**جبری مہایات**......وہ ہے جو قاضی کے ذریعہ سے مکمل ہو جبری طور پر اس بناء پر کہ ایک شریک طلب کرے تو قاضی ان کے درمیان جبراً مہایات کرے یا باری باری متعین مدت مقرر کرے یا مکان کے اعتبار سے کہ مال مشترک کی منفعت وہ حاصل کریں۔یہ حنفیہ کے ہاں جائز ہے شرکاء کے درمیان برابری متحقق کرنے کی غرض سے اور ان کی مصحت کے مدنظر اور قاضی ان پر جبر کرے اصح قول کے مطابق اس لیے کہ لوگ عدل کے محتاج ہیں اور وہ تقسیم بالقضاء ہے مجلّہ میں دفعہ (۱۱۸۱) پر تصریح ہے جبری مہایات کے حوالے سے متعدد اور مشترک اشیاء کے شرکاء میں سے جب کوئی ایک مہایات طلب کرے اور دوسرا رو کے اگر اعیان مشترکہ ایک منفعت والی ہیں تو مہایات جبری ہوئی اگر مختلف منفعت والی میں تو کوئی جبر نہیں۔مثلاً دو گھر مشترک میں ایک شریک ایک میں رہنا طلب کرے اور دوسرا دوسرے میں یا دو جانور میں کہ ایک ایک استعمال کرے اور دوسرا اس کا شریک انکار کرے تو مہایات جبری ہوگی لیکن اگر ایک مہایات طلب کرے اور دوسرا حمام کا اجارہ یا ایک گھر میں رہائش اور دوسرا زمین میں کھیتی باڑی کرتا تو یہ مہایات رضامندی سے ہوگی اور اگر دوسرا انکار کرے تو اس پر جبر نہیں۔

شوافع حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں مہایات میں انکار کرنے والے پر جبر نہیں اس لیے کہ یہ معاوضہ ہے اور معاوضہ میں جبر نہیں ہوتا جیسے بیع میں نیز اس لیے بھی کہ منفعت میں ہر ایک کا حق فی الفور ہے اس میں دوسرے کی رضامندی کے بغیر تاخیر جائز نہیں جیسے دین یعنی جمہور کے ہاں جبری مہایات جائز نہیں۔مالکیہ کے ہاں قرعہ کے ذریعے منافع کی تقسیم جائز ہے اور شوافع کے ہاں جب اس پر متفق ہو یا اور باری میں اختلاف کریں تو پھر قرعہ ڈالا جائے گا۔

دوسری تقسیم: زمان اور مکان کے اعتبار سے......اس اعتبار سے مہایات دو قسموں پر تقسیم ہوتی ہے مہایات زمانیہ، مکانیہ۔

پہلے زمانے کی طرف راجح ہوتی ہے اور دوسری جگہ اور مکان کی طرف اور مہایات کی مالکیہ کے ہاں دو قسمیں ہیں مہایات زمانیہ اور مہایات اعیانیہ اور پہلی یہ کہ شریکین میں سے ہر ایک عین سے ایک برابر مدت تک نفع اٹھائیں کہ ایک شخص ایک مہینہ گھر میں رہائش اختیار کرے اور دوسرا دوسرے مہینے رہائش اختیار کرے اور دوسری قسم یہ کہ وہ عین کو تقسیم کرلیں کہ ہر ایک ایک محدود مدت میں اس سے نفع حاصل کرے کہ ایک، ایک گھر میں رہائش رکھے اور دوسرا دوسرے گھر ایک مدت تک یا ایک گھوڑے پر سوار ہو اور دوسرا دوسرے پر مدت معینہ میں۔

ا۔ مہایات زمانیہ، پہلی چیز تعریف...... شریکوں میں سے ہر ایک پے در پے عین مشترک سے برابر نفع برابر مدت تک اٹھائیں یا حصص کے اعتبار سے بایں طور کہ دو آدمی مہایات کریں کہ وہ مشترک زمین میں زراعت کریں کے ایک اس سال اور ایک دوسرے سال یا گھر کی رہائش باری باری یہ ایک سال یہ دوسرے سال یا کتاب استعمال کریں یہ ایک ہفتہ اور دوسرا دوسرا ہفتہ۔ مجلّہ میں دفعہ (۱۸۷) پر تصریح ہے کہ عین میں مہایات جائز نہیں لہٰذا مشترک درختوں کی پھلوں میں مہایات درست نہیں اور نہ ہی حیوانات کے دودھ اون میں کہ ایک شریک اس درخت کے لئے پھل لے لے اور دوسرا اتنے یا مشترک بکریوں کے ریوڑ کے دودھ میں یا اون ایک رکھ لے اور دودھ دوسرا وغیرہ۔

دوسری بات: مشروعیت...... یہ جائز ہے فرمان باری تعالیٰ ہے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی حکایت کے سلسلہ میں:

هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ الشعرا: ۲۶/۱۵۵

یہ اونٹنی ہے (ایک ان) اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک متعین اور تمہاری باری ہے۔

وَ نَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ القمر: ۵۴/۲۸

نیز لوگوں کی ضرورت بھی ہے۔

تیسری بات: مہایات کی کیفیت اور فقہی صورت...... حنفیہ کے ہاں مہایات زمانیہ اعیان کی تقسیم کی طرح ہے من وجہ افراز من وجہ مبادلہ اس لیے کہ نفع اٹھانے والا گو شریک کے حصہ کا قرض لینے والا ہے پس اس میں من وجہ مبادلہ پایا گیا شرکاء کے حصص کی منفعت اس کی باری میں دوسرے حصہ سے مبادلہ ہے اس بناء پر مہایات میں مدت ذکر کرنا اور اس کی تعین کرنا۔ مثلاً اتنے دن اتنے مہینے لازم ہے۔ حنابلہ کے ہاں مہایات معاوضہ ہے اس میں جبر درست نہیں جیسے بیع میں اور شوافع نے تصریح کی ہے کہ جو زائد حصہ سے فائدہ اٹھانے وہ اس زائد حصہ کی اجرت ادا کرے اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ مہایات مبادلہ ہے اور مجلّہ میں دفعہ (۱۱۷۸) پر تصریح ہے کہ مہایات زمانی مبادلہ کی ایک قسم ہے الخ۔

چوتھی بات: تعین مدت...... مہایات زمانیہ میں مدت متعین کرنا شرط ہے برخلاف مہایات مکانیہ کے اس لیے کہ زمانے کی تعین سے نفع کی مقدار معلوم ہوتی ہے اور اس سے منافع معلوم ہو جاتے ہیں اور زمانہ معلوم بیان کرنے کے بغیر معلوم نہیں ہوتے اور اس لیے کہ یہ مہایات زمانہ کے ساتھ ساتھ مقید ہے رہ گئی مہایات مکانیہ تو وہ مکان کے ساتھ مقید ہے اور منفعت کا مکان معلوم ہے اور سابقہ دفعہ میں یہ بات آچکی کہ مہایات مبادلہ کی ایک قسم ہے۔

مالکیہ نے مدت کی مقدار میں تفصیل کی ہے زمانہ شرط قرار دینے کے بعد اور دھوکا نہ ہو، فرمایا: منقولات میں تھوڑی مدت کے لیے بھی مہایات درست ہے اور مدت کثیر جائز نہیں پس جانوروں اور کپڑوں وغیرہ میں لمبی مدت کے لیے مہایات درست نہیں اور زمین گھر وغیرہ میں لمبی مدت بھی مہایات درست نہیں پس ایک ایک مدت تک گھر میں رہے اور دوسرا دوسری مدت اور ایک ایک سال کھیتی کرے اور دوسرا دوسرے سال اور غیر مملوکہ زمین عاریت میں مہایات کرنا جائز نہیں اگرچہ مدت کم ہی کیوں نہ ہوں اس لیے کہ کبھی معیر اعادہ میں رجوع کرسکتا ہے تو دوسرے کا حق فوت ہوگا جس نے نفع نہیں اٹھایا۔

۲۔ مہایات مکانیہ: پہلی بات تعریف...... یہ کہ ہر شریک مال مشترک میں سے بعض کو اپنے حصہ کی نسبت سے مخصوص کرے اور نفع ایک ہی وقت میں مکمل ہو پس گھر کے مہایات میں منفعت جمع ہوتی ہے گھر کے ایک جزو میں ایک کے لیے اور دوسرے میں دوسرے کے لیے۔

دوسری بات: مشروعیت...... مہایات مکانیہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی تقسیم کی ایک قسم ہے اعیان کے مثل اگر دو شریک اس طور پر مہایات کریں کہ ایک نیچے والی منزل میں رہے اور ایک اوپر والی میں تو یہ جائز ہے تو منفعت کی تقسیم مہایات مکانیہ کے اعتبار سے بھی جائز ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ کرمہایات زمانیہ لوگوں کی حاجت وضرورت کی وجہ سے جائز ہے جب شریکوں کا اجتماع متعذر رہو عین واحد سے نفع حاصل کرنے میں تو مکانیہ بھی اسی طرح ہے۔

تیسری بات: محل...... مہایات مکانیہ اس مال مشترک میں جاری ہوئی ہے جو تقسیم کو قبول کرتا ہو جیسے بڑے گھر اور رہ گئی وہ چیزیں جو تقسیم قبول نہیں کرتیں جیسے گاڑیاں جانور کتاب چھوٹا گھر تو ان میں مہایات مکانیہ ممکن نہیں بلکہ ان میں مہایات زمانیہ متعین ہے۔

گھروں میں مہایات...... اسی بناء پر ظاہر روایت کے مطابق گھر میں مہایات جائز ہے چاہے زمانی ہو یا مکانی استعمال شخصی یا حصول منفعت کے لیے ہو اس لیے کہ ظاہر یہ ہے کہ زمین میں تبدیلی نہیں ہوتی اور اس لیے بھی کہ مہایات مکانیہ تمام حصہ داروں کے حصوں کو الگ کرنا ہے اور مہایات زمانیہ باری اور پے در پے سے انتفاع سے مکمل ہوتی ہے تو یہ قرض کی طرح ہے اور ہر ایک اپنی باری میں دوسرے کا وکیل شمار ہوتا ہے۔

جانوروں میں مہایات...... جانوروں مثلاً دو سواریوں میں کہ ایک ایک پر ایک مدت سواری کرے اور دوسرا دوسری مدت سواری کرے تو یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جائز نہیں نہ استعمال نہ حصول منفعت کے لیے اس لیے کہ جانوروں میں تبدیلی ہو سکتی ہے اور استعمال سواروں کے اعتبار سے اور ماہر ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ جبکہ صاحبین کے ہاں مہایات استعمال جائز ہے جانوروں وغیرہ میں جیسے دو جانوں میں حصول منفعت کے لیے جائز ہے اور ایک جانور میں جائز نہیں اس لیے کہ برابری دو جانوروں میں ممکن ہے وقت متحد ہونے کے ساتھ اور ایک جانور میں برابری ممکن نہیں اس سے کہ حیوان میں تغیر ہونا ظاہر ہے اس پر مختلف اسباب تغیر کے ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ دوسرے وقت میں جانور کی کوشش کے پہلے وقت سے کم ہوگی۔ اور مجلہ میں دفعہ (۱۱۷۷) پر تصریح ہے کہ حیوان مشترک میں باری باری استعمال کے اعتبار سے مہایات جائز ہے اور اسی طرح دو جانوروں میں بھی کہ ایک ایک کو استعمال کرے اور دوسرا دوسرے کو یہ صاحبین کی رائے ہے اور یہ مالکیہ سے متفق ہیں منافع کو عین کے ساتھ تقسیم کرنے میں۔

چوتھی بات: اس کی کیفیت اور فقہی صورت...... مہایات مکانیہ تمام حصوں کو جدا جدا کرتا ہے اور یہ مبادلہ نہیں اگر مبادلہ ہوتا تو پھر یہ صحیح نہ ہوتی اس لیے کہ ایک جنس میں مبادلہ ادھار ہے اور سود ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں اتحاد جس، ہی ادھار والی صورت میں سود ہونے کے لیے کافی ہے۔

پانچویں بات: مدت...... مہایات مکانیہ میں مدت کا ذکر اور اس کی تعین شرط نہیں برخلاف مہایات زمانیہ کے اس لیے کہ زمانیہ وقت کی بیان کی محتاج ہے تاکہ منافع معلوم ہوں رہ گئی مکانیہ تو یہ وقت بیان کرنے کی محتاج نہیں اس لیے کہ منفعت کا مکان معلوم ہے پس منافع معلوم ہیں، لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ عین کے منافع کی تقسیم میں مدت بیان کرنا ضروری ہے۔

چھٹی بات: ختم ہونا...... مہایات مکانیہ بھی، مہایات زمانیہ کی طرح شریکین کے مرنے سے ختم نہیں ہوتی اور نہ کسی ایک کے مرنے

سے، اس لیے کہ اگر اسے باطل قرار دیا جائے تو نئے سرے سے اسے کرنا ہوگا اور اس میں کوئی فائدہ نہیں، اس لیے کہ ہر فریق فسخ کا اختیار ہے جب چاہے اور اگر مال مشترک فروخت کر دیا جائے تو پھر یہ رضامندی سے ختم ہو جائے گی۔

پانچویں بحث: شریک کا تصرف کا مالک ہونا...... جب مہایات مکمل ہو جائے تو اس میں سے ہر ایک اس چیز کے استعمال کا مالک جیسے چاہے اور چاہے مہایات مکانیہ ہو یا زمانیہ زمانیہ میں رہائش اختیار کرنا اور سوار ہونا وغیرہ اور مکانیہ میں رہائش جائز ہے۔

اور مہایات مکانیہ میں ہر ایک حصول منفعت کا حق دار ہے اس چیز سے یعنی اسے اجارہ عاریت وغیرہ پر دے سکتا ہے چاہے یہ عقد میں مشروط ہو یا نہ ہو چاہے ایک گھر میں مہایات ہو یا کئی گھروں میں اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک منفعت کا مالک ہے تو اس میں وہ تصرف کا مالک ہے تملیک وغیرہ کے ذریعہ اور مہایات زمانیہ میں اپنی باری میں شریک اپنے حصہ سے حصول منفعت کے لیے نہیں استعمال کر سکتا بالاتفاق حنفیہ کے ہاں جب یہ شرط نہ لگائیں اور اگر حصول منفعت کی شرط لگائیں تو اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔

(الف)...... قدوری میں ہے: وہ مالک نہیں اس لیے کہ مہایات زمانیہ میں اعارہ کا معنی پایا جاتا ہے اور عاریت کو اجرت پر نہیں دیا جا سکتا یہی راجح ہے۔

(ب)...... امام محمد نے اصل میں فرمایا: ایک گھر میں رہائش اور حصول منفعت کے لیے مہیا کرنا جائز ہے تو ہر ایک شریک کو دوسرے کسی کو اجارہ پر دینا جائز ہے حنفیہ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ غلہ استغلال نہیں اس لیے کہ غلہ تو عین نتیجہ ہے اور مہایات منافع کی تقسیم ہے نہ کہ اعیان کی۔

ساتویں فصل ...... غصب اور اتلاف

علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے فرمایا [1] اصل کے اعتبار سے جنایت کی دو قسمیں ہیں ا۔ جانوروں اور جمادات پر جنایت ۲۔ اور آدمی پر جنایت۔ پھر جانوروں اور جمادات پر جنایت کی دو قسمیں ہیں غصب اور اتلاف، یہ دو قسمیں یا ان پر دلالت کرنے والی چیز یعنی دشمنی کی بنیاد پر ضمان اور عوض مالی جیسے اسباب میں سے کسی ایک سبب سے قبضہ کرنا جو غیر کے مال یا حق میں ہو اور اسی کے ساتھ ملحق ہے حملہ کرنے والے کو دور کرنے کی بحث اس لیے کہ اسی کی وجہ سے اتلاف اور ضمان ہوتا ہے پس کلام دو بحثوں میں ہوگا ایک غصب اور اس کے احکام سے متعلق اور دوسری اتلاف اور اس کے احکام کے متعلق۔

پہلی بحث: غصب اور اس کے احکام...... اس میں دو مقصد ہیں، پہلا مقصد غصب کی حرمت، تعریف اور اس کے ضابطہ وقاعدہ میں فقہاء کا اختلاف، دوسرا مطلب ومقصد، غصب کے اخروی اور دنیاوی احکام پہلا گناہ اور مؤاخذہ ہے جب کہ دوسرا شے مغصوب جب تک موجود ہو اسے واپس لوٹانا ہے اور تیسرا ہلاکت کی صورت میں مغصوب کا ضمان پس اس میں درج ذیل موضوع ہیں۔

ا...... ضمان کی کیفیت۔

۲...... ضمان واجب ہونے کا وقت۔

۳...... کسی وجہ سے غاصب ضمان سے نکل سکتا ہے۔

۴...... عین مغصوب کا متغیر ہونا یا کسی دوسری چیز کے ساتھ اختلاط ہونا۔

۵...... مغصوب کا نقصان۔

---

[1] البدائع ۷/ ۱۴۳۔

۶.....مغصوب میں اضافہ اور اس پر تعمیر، درخت لگانے اور زراعت وغیرہ کرنے کا حکم دے۔

۷.....مغصوب کے منافع۔

۸.....غاصب اور مغصوب منہ کا اختلاف۔

۹.....غاصب الغاصب۔

پہلا مقصد: غصب کا حرام ہونا غصب کی تعریف اور اس کے ضابطہ میں فقہاء کے اختلاف کا اثر:

پہلی بات: غصب کا حرام ہونا.....قرآن کریم سنت رسول اور اجماع سے ثابت ہے ❶ قرآن کریم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ النساء:۴/۲۹

مؤمنو: ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں اگر آپس میں رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے)

نیز

وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ البقرۃ:۲/۱۸۸

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوۃ) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر نہ کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔

سنت میں.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: کہ تمہارے خون اور مال تم پر حرام ہیں اس دن اور اس شہر اور اس مہینے کی طرح ❷ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کسی مسلمان کا مال اور کسی رضا مندی کے بغیر جائز نہیں ❸ جس شخص نے کسی کی ایک بالشت زمین ظلماً لی تو قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا ❹ ادائیگی تک جس نے جو چیز لی وہ اسی کے ذمہ ہے ❺ اور اسی طرح کی دوسری احادیث مبارکہ۔ نیز مسلمانوں کا اجماع ہے غصب کے حرام ہونے پر اور یہ کبیرہ گناہ اگرچہ اسی مغصوب نصاب سرقہ تک نہ بھی پہنچے۔

دوسری بات: غصب کی تعریف.....لغوی اعتبار سے غصب، کسی چیز کو ظلماً لینے کو کہتے ہیں اور شرعاً اس کی دو مختلف حقیقتیں ہیں فقہاء حنفیہ وغیرہم کے ہاں۔

حنفیہ کے ہاں غصب، قیمتی محترم مال کو مالک کی اجازت کے بغیر اس طرح لینا کہ مالک کا قبضہ ختم ہو جائے۔ اخذ المال یہ غصب اور غیر غصب کو شامل ہے۔ متقوم سے غیر متقوم یعنی شراب اور خنزیر نکل گئے محترم سے احتراز ہے حربی کے مال سے کہ وہ محترم نہیں اور مال کی اجازت کے بغیر سے وہ مال نکل گیا جو ماذون فیہ ہے جیسے وجوب اور وہ مال جو مبادلہ سے مکمل ہوتا ہے عقود میں سے کسی عقد کی وجہ سے اور آخری ازالۃ ید المالک حنفیہ کے ہاں اس کا ہونا غصب کے معنی کے تصور کے لیے ضروری ہے حنفیہ کے ہاں مغصوب سے حاصل ہونے والے زوائد مثلاً اولاد اور پھل وغیرہ مضمون نہیں اسی بناء پر خدمت لینا اور بوجھ اٹھانا غصب ہے کیونکہ یہ مالی تصرف ہے اور چٹائی پر بیٹھنا غصب نہیں اس لیے کہ چٹائی بچھانا مالک کا کام ہے اور اس پر بیٹھنا استعمال ہے جس سے مالک کا قبضہ زائل نہیں ہوتا۔

اور تعریف میں دو قیدیں اور زیادہ کرنے انتہائی ضروری ہیں اور وہ دو یہ کہ اعلانیہ طور پر غصب ہوتا کہ اس سے چوری نکل جائے جو

---

❶ المغنی: ۵/۲۲۰۔ ❷ نصب الرایۃ ۴/۱۶۹۔ ❸ متفق علیہ۔ ❹ سبل السلام: ۳/۶۷۔ ❺ ایضاً۔

پوشیدہ طور پر ہوتی ہے اور دوسری قید کہ اگر اس کے قبضہ میں نہ ہو تو اس کا قبضہ محصور ہو جائے تو اب تعریف ہوگی:

اخذ مال متقوم محترم علی سبیل المجاهرة بغير اذن المالك على وجه يزيل يد المالك ان كان في يده اويقصر يده ان لم يكن في مده

تاکہ یہ تعریف مستاجر مرتھن اور ودیع کے ہاتھ کے سے لینے کو بھی شامل ہو جائے ان سے لینا اگرچہ مالک کے قبضہ سے نہیں لینا لیکن پھر بھی اس کی وجہ سے غاصب مالک کے قبضہ کو محصور کر دینا ہے اس کے مال کہ اس نے اس کے مال میں تصرف کو مقید کر دیا تو وہ اب تصرف پر قادر شمار نہیں ہوگا۔

۲..... مالکیہ نے تعریف یوں کی ہے ❶ کہ مال لینا جبراً اور ظلماً لڑائی کے بغیر پس اخذ المال یعنی اس پر حاوی ہونا یہ غصب اور غیر غصب مثلاً ودیع سے یا مدین سے مال لینے کو شامل ہے اور المال سے مراد اعیان مادیہ ہیں تو اس سے تعدی نکل گئی یعنی منافع یہ استیداء جیسے گھر کی رہائش اور سواری پر سوار ہونا وغیرہ اور قہراً سے چوری وغیرہ نکل گئی اس لیے کہ لیتے وقت اس میں قہر نہیں ہوتا اگرچہ بعد میں ہوتا ہے جیسا کہ اس سے اختیار سے لی گئی چیز نکل گئی جیسے شے مستعار اور موہوب اور تعدیا سے وہ نکل گیا جو قہراً تو لیا گیا ہے لیکن کسی حق کی بنیاد پر جیسے قرض ٹال مٹول کرنے والے قرض خواہ یا غاصب سے وصول کرنے اور زبردستی زکاۃ لینا اس سے جو اس کی ادائیگی نہ کر رہا ہو وغیرہ اور بلا خرابہ کا مقصد یہ ہے کہ لڑائی کے بغیر تاکہ جو چیز لڑائی کر کے لی گئی ہے وہ نکل جائے اس لیے کہ اس کی حقیقت غصب کی حقیقت سے مختلف ہے۔

اس تعریف سے ظاہر ہوا کہ مالکیہ کے ہاں غصب خاص ہے اور تعدی عام ہے اس لیے کہ تعدی اموال فروج نفوس اور بدنوں میں بھی ہوتی ہے اور تعدی نفوس اور ابدان یہ جنایات قصاص اور دعاء کے تحت داخل ہے اور غصب کی چیز کی ذات کو لینا ہے اور تعدی منفعت کو لینا ہے۔

اموال میں تعدی کی چار قسمیں ہیں ❷ **پہلی قسم**..... کسی چیز کی ذات کو لینا اور یہ غصب ہے **دوسری قسم** منفعت کو لینا نہ کہ ذات کو یہ بھی غصب کی ایک قسم ہے اس میں مطلقاً کرایہ واجب ہوتا ہے۔

تیسری قسم..... کسی چیز کو تلف کر کے ہلاک کرنا جیسے حیوان کا قتل یا کپڑے کو جلانا یا پھاڑنا، درخت کاٹنا، شیشہ توڑنا، کھانا ضائع کرنا، درہم اور دینار وغیرہ ضائع کرنا۔

چوتھی قسم..... تلف کا سبب بننا کسی کی دکان کھول کر چھوڑ دینا پھر اس سے چوری ہو جائے یا پرندے کا پنجرہ کھول دینا اور پرندہ اڑ جائے یا جانور کی رسی کاٹنا جس سے وہ بھاگ جائے یا ہواؤں والے دن آگ جلانا جس سے کوئی چیز جل جائے یا چلایا کنواں کھودنا اور اس میں کسی انسان یا جانور کا گرنا یا کسی رسید کو پھاڑ دینا جس کی وجہ سے اس میں درج حقوق ضائع ہو جائیں۔ مذکورہ کاموں میں سے جو بھی یہ کام کرے گا تو وہ اس ہلاک شدہ اور تلف شدہ چیز یا اس کے سبب بننے کی وجہ سے ضامن ہوگا چاہے عمداً ہو یا خطاء۔

۳۔ شوافع اور حنابلہ نے غصب کی تعریف یوں کی ہے..... کسی غیر کے حق پر ظلماً غلبہ پانا یہ تعریف مال متقوم منافع اور تمام اختصاصات کو شامل ہے جیسے احیاء موات کا حق اور مال غیر متقوم جیسے ذمی کی شراب اور وہ چیز جو مال نہیں جیسے کتا، گوبر اور مردار کی کھال وغیرہ داخل ہیں البتہ حربی کافر کا مال لینا یہ حق ہے۔

تیسری بات: غصب کے ضابطہ میں فقہاء کے اختلاف کا اثر..... فقہاء نے غصب کے قاعدہ میں جس سے غصب متحقق ہو اختلاف کیا ہے اور اس بارے میں دو رائے ہیں۔

---

❶ ..... الشرح الكبير للدردير ۳/۴۴۲، ۴۵۹ ❷ القوانين الفقهية ص: ۳۳۱۔

ا.....امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں ❶ غصب یہ ہے کہ مالک کا قبضہ مال منقول سے زائل کرنا غلبہ پا کر مال میں کوئی تصرف کرے یعنی غصب دو چیزوں کے بغیر متحقق نہیں ہوتا ایک غاصب کا قبضہ ثابت کرنا یعنی مال لینا اور دوسرا مال کا قبضہ زائل کرنا یعنی نقل اور تحویل کے ساتھ اور اس بارے میں ان کی عبارت یہ ہے کہ غصب دو وجہوں سے متحق ہوتا ہے ظالم کے قبضہ کے اثبات اور حق قبضے کا ازالہ۔ ❷

۲.....جمہور کے ہاں ان میں فقہاء ثلاثہ اور حنفیہ میں سے امام محمد اور امام زفر کے یہاں: غصب صرف غلبہ پانے سے متحقق ہوتا ہے یعنی غیر کے مال پر اس کی اجازت کے بغیر قبضہ کا ثبوت: اور مالک کے قبضہ زائل ہونے کی شرط نہیں اور غلبہ پانے اور غیر کے مال کو لینے سے مراد حسی اور بالفعل غلبہ پایا او بر مال لینا نہیں بلکہ مالک اور اس کے مال کے درمیان حائل ہو جانا کافی ہے اگر چہ جس جگہ یہ اس نے رکھا تھا وہیں باقی ہو۔

اس اختلاف کا اثر زمین کے غصب میں ظاہر ہوگا اور مغصوب کے زوائد اور منافع ہیں جیسے حنفیہ اور دوسروں کے اختلاف کا اثر مال متقوم اور غیر متقوم میں ظاہر ہوتا ہے۔

ا۔عقار غصب کرنا.....امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں غصب صرف منقول اشیاء میں متصور ہے ❸ اس لیے کہ مالک کا قبضہ زائل ہونا منتقل کرنے اور تبدیل کرنے سے غصب کا معنی متحقق ہوتا ہے۔اور یہ صرف منقولات میں پایا جاتا ہے رہ گئی عقار یعنی زمین گھر وغیرہ تو ان میں غصب کا وجود متصور نہیں اس لیے کہ انہیں منتقل کرنا وغیرہ ممکن نہیں اگر کسی نے زمین غصب کی پھر وہ کسی سماوی آفت سے مثلاً سیلاب وغیرہ سے ہلاک ہوگئی اس کے قبضہ میں تو ان کے ہاں وہ ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ غصب ازالہ ید سے متحقق نہیں ہوا اس لیے کہ زمین اپنی جگہ سے منتقل نہیں ہوتی یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ مالک اور اس کے سامان کے درمیان حائل ہو گیا پھر سامان تلف ہو گیا لیکن اگر وہ ہلاک ہو غاصب کے فعل سے مثلاً وہ اسے گرادے تو پھر ضامن ہوگا اس لیے کہ عقار میں اگر چہ غصب متحقق نہیں لیکن اتلاف کا اعتبار ہوگا۔

امام محمد اور زفر حنفیہ میں سے اور مذاہب ثلاثہ کے ائمہ کے ہاں.....عقار یعنی زمینوں اور گھروں کے غصب کا اعتبار ہے اور اس کے غاصب پر ضمان ہے اس لیے کہ ان کے ہاں غصب کے معنی کا پایا جانا کافی ہے یعنی غاصب کا قبضہ کی چیز پر ثابت کرنا مثلاً رہائش سامان وغیرہ رکھنا اور اسی پر ضمناً مالک کے قبضہ کا ازالہ بھی مرتب ہوتا ہے کیونکہ دو کا قبضہ محال ہے ایک ہی محل میں ایک ہی حالت میں اور اسی طرح امام محمد اور زفر کے ہاں ان دونوں کا مبدا بھی متحقق ہوتا ہے یعنی مالک کا قبضہ زائل ہونا اور غاصب کا قبضہ ثابت ہونا اور ان دونوں معنوں کا متحقق ہونا غصب کا معنی ہے۔لہٰذا ان میں بھی منقولی اشیاء کی طرح ہوگئی غصب کے تصور کے لیے وصفوں کے تحقق کی وجہ سے۔

اس لیے کہ جو اتلاف میں ضامن ہو لازم ہے کہ وہ غصب میں بھی ضامن ہو عقار اور منقولی اشیاء برابر طور پر مضمون ہیں اور جو بیع میں ضامن ہو وہ غصب میں بھی ضامن ہوگا نیز غصب سے مطلوب بطور ظلم نفع اٹھانا ہے اور یہ عقار کے غصب میں بھی پایا جاتا ہے جیسے منقول میں پایا جاتا ہے۔اس سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تاکید کرتا ہے کہ جو شخص ظلماً کسی کی ایک بالشت زمین غصب کرے تو اللہ تعالیٰ سات زمین اس کے گلے میں طوق بنا کر وڈالیں گے یہ حدیث عقار میں بھی غصب متحقق ہونے پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ آپ نے اسے غصب سے تعبیر فرمایا ہے یہی رائے راجح ہے۔

زوائد مغصوب اور سماوی بڑھوتری.....امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں مغصوب کے زوائد اگر بلا تعدی ہلاک ہو جائیں غاصب کے قبضہ میں تو وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس کا قبضہ امانت کا ہے۔چاہے وہ زوائد منفصل ہوں جیسے بچہ دودھ پھل یا متصل ہوں جیسے موٹاپا اور خوبصورتی وغیرہ اس لیے کہ ان کے غصب کا قبضہ ثابت کرنا غیر کے مال پر اس طرح کے مالک کا قبضہ زائل ہو جائے اور ان زوائد پر مالک کا

---

❶ البدائع ۷/۱۴۳۔ ❷ تبیین الحقائق ۵/۲۲۴۔ ❸ البدائع ۷/۴۵۔

قبضہ ثابت ہی نہیں یہاں تک کہ غاصب اسے زائل کرے اور اگر غاصب نے اس میں تعدی کی کہ اسے تلف کردیا یا کھالیا یا فروخت کردیا یا مالک نے مانگا اس نے نہ دیا تو ضامن ہوگا اس لیے کہ تعدی اور منع کرنے کی وجہ سے وہ غاصب ہوگیا اور مالکیہ کے ہاں اگر زیادہ کی واضافہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہو اور متصل ہو جیسے موٹا پا اور بڑا ہونا تو یہ غاصب پر مضمون نہیں اور اگر اضافہ کا فیصلہ ہو اگرچہ غاصب کے استعمال کے بغیر ہی وہ پیدا ہوا ہو جیسے دودھ اون اور درخت کے پھل تو پھر غاصب ضامن ہوگا اگر وہ تلف ہو جائیں یا خود انہیں ہلاک کرے اور ان کا واپس کرنا واجب ہے مقصود داخل کے ساتھ۔ حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور شوافع وحنابلہ کے ہاں زوائد مغصوب غاصب کے قبضہ میں ضامن ہوں گے چاہے متصل ہوں یا منفصل ان میں سے جو چیز بھی غاصب کے قبضہ میں تلف ہوگی وہ ضامن ہوگا اس لیے کہ ظالم کا قبضہ ثابت ہے اس لیے کہ اصل کو روکنے کی وجہ سے ان زوائد پر اس کے قبضہ کا سبب ہے اور اصل پر اس کا قبضہ ممنوع ہے۔

۳.....مغضوب کے منافع حنفیہ کے ہاں غاصب مغصوب شدہ چیز کے منافع کا ضامن نہیں مثلاً جانور پر سواری گھر میں رہائش وغیرہ چاہے انہیں استعمال کرے یا اسی طرح چھوڑے رکھے اس لیے کہ منفعت ان کے پاس مال نہیں نیز اس لیے بھی کہ غاصب کے پاس پیدا شدہ منفعت مالک کے پاس موجود نہ تھی اس میں غصب کا معنی متحقق نہ ہوا کیونکہ مالک کا قبضہ زائل نہ ہوا۔ اور یہ تین جگہوں کے علاوہ ہے جن میں اجرت مثل واجب ہوتی جو متاخرین حنفیہ کے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے وہ یہ کہ مغصوب وقف ہو یا یتیم کا مال ہو یا وہ سرمایہ کاری کے لیے مالک نے رکھا ہوا گر شے مغصوب غاصب کے استعمال کی وجہ سے کم ہو جائے تو اس نقصان کا غاصب ضامن ہوگا۔ رہ گیا مغصوب سے حاصل شدہ غلہ تو غاصب کے لیے وہ حلال نہیں طرفین کے نزدیک اس لیے کہ غیر کی ملکیت سے ان کے ہاں نفع اٹھانا حلال نہیں امام ابو یوسف اور امام زفر کے ہاں اس کے لیے حلال ہے۔

مالکیہ کے ہاں مشہور قول کے مطابق...... غاصب مغضوب سے حاصل ہونے والی سرمایا کاری کا ضامن ہوگا چاہے مغصوب عقار ہو یعنی زمین گھر کہ ان میں رہائش رکھے یا زراعت کرے یا کرائے پر دے یا منقول ہو حیوان وغیرہ اس کا کرایا اور استعمال اور جو چیز استعمال کے بغیر پیدا ہوئی اس کا ضامن نہ ہوگا اگرچہ وہ اسے معطل رکھے۔

پر کسی چیز کے عین کے غصب کی صورت میں ہے لیکن اگر غاصب منفعت کا غصب کرے تو پھر اس پر مثل کرایا لازم ہوگا خلاصہ یہ کہ غاصب صرف اس کے اس غلبہ کا ضامن ہوگا جو اس نے استعمال کیا اور تعدی کرنے والا اس غلہ کا بھی ضامن ہوگا جو اس نے معطل چھوڑا مثلاً گھر کو تالا لگا دیا اور زمین بے کار کردی اور سواری قید کردی وغیرہ۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں غاصب مغصوب کی منفعت کا ضامن ہوگا اور اس پر اجرت مثل ہے چاہے اس نے منافع حاصل کیا ہو یا نہ کیا اور چاہے مغصوب عقار ہو یا منقول مثلاً کتاب، جانور وغیرہ اس لیے کہ منفعت مال متقوم ہے تو عین مغصو بہ کی طرح اس کا ضمان بھی واجب ہے یہ رائے عدالت اور عصر حاضر کے مادی ظروف کے اعتبار سے متفق علیہ ہے اور ہر چیز کی قیمت لگائے چاہے وہ ادبی ہو یا ذہنی۔

۴۔ غیر متقوم چیز کا غصب......حنفیہ کے ہاں ❶ مسلمان کی شراب یا خنزیر غصب کرنے والا ان کے ہلاک ہونے کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا چاہے غاصب مسلمان ہو یا ذمی، اس لیے کہ شراب مسلمان کے حق میں مال منقول نہیں اس کا زمین پر بہا دینا واجب ہے اسی طرح خنزیر بھی منقول نہیں لیکن اگر غاصب نے سرکہ بنالیا پھر اس کو ہلاک کیا تو سرکہ کا ضامن ہوگا اس لیے کہ غصب اپنے وجود کے اعتبار سے وجوب ضمان کے سبب کے ساتھ منعقد نہیں ہوا، اگر اس نے اسے ہلاک کیا تو اس وقت ضمان کا سبب پایا گیا وہ سرکہ کا تلف کرنا ہے جو مغصوب منہ کا مملوک ہے پس ضامن ہوگا اسی طرح مردار کی کھال کو جب غاصب دباغت دے دے تو بھی ضامن ہوگا اور اس پر دباغت کی وجہ سے جو

❶ البدائع: ۷/ ۱۴۷

اضافہ ہوا ہے وہی واجب ہے اس لیے کہ یہ دباغت کی وجہ سے مال منقول بن گیا۔ ذمی کی شراب اور خنزیر جب غصب کر کے ہلاک کر دے تو ضامن ہوگا چاہے غصب کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں ان کے ہاں مال ہیں شراب ان کے ہاں ہمارے سرکہ کی طرح ہے اور خنزیر ان کے ہاں ہماری بکری کی طرح ہے اس لیے کہ ان کے لیے وہ احکام ہیں جو مسلمانوں کے لیے ہیں اور ان پر وہ چیزیں ہیں جو مسلمان پر واجب ہیں اور ہمیں انہیں اپنے دین پر چھوڑنے کا حکم ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنی بیع پر برقرار ہیں لیکن مسلمان پر شراب کی قیمت واجب نہ ہوگی اگرچہ وہ مثلیات میں سے ہے اس لیے کہ مسلمان کو اس کا مالک بننا ممنوع ہے اور غیر مسلم کو مثل سپرد کرنا جائز ہے اس لیے کہ اس کا شراب کا ملک بننا صحیح ہے اور بیع سے مالک ہونا وغیرہ رہ گیا مردار اور خون اگرچہ ذمی ہی کا کیوں نہ ہو غصب کی وجہ سے اس کا ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں مال نہیں اور اہل ادیان میں سے کوئی بھی ان کے قول کا قائل نہیں جیسا کہ جان بوجھ کر تسمیہ چھوڑنے والے کا ضامن نہیں اسی طرح مسلمان اگر کسی عیسائی سے صلیب غصب کرے پھر وہ ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا کیونکہ وہ اس پر برقرار ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: جو شخص کسی مسلمان کے آلات لہو ولعب جیسے طبل مزمار دف وغیرہ توڑے تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ یہ اموال ہیں اور ان سے لہو ولعب کے علاوہ بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اگر ان کھیل تماشوں میں استعمال کریں تو یہ حلال نہیں جیسے گانے گانے والی جب ان پر گائے اور ضامن ہوگا ان آلات کا خالی لکڑی کے اعتبار سے یعنی قیمت کا ضامن ہوگا ضائع ہونے پہلی کا۔ صاحبین کے ہاں: آلات لہو ولعب اور کھیل تماشے کا ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ اشیاء گناہ کے لیے تیار کی گئی ہیں لہٰذا ان کا قیمتی ہونا باطل ہے شراب کی طرح نیز شرعاً ان کا ضائع کرنا واجب ہے اور ضائع کرنے والے نے شریعت کے حکم کی تعمیل کی لہٰذا اس پر کوئی ضمان نہیں جیسے حاکم کی اجازت سے یہ کام کرے (اسی پر فتویٰ ہے)۔

مالکیہ کے ہاں......بھی حنفیہ ہی والا حکم ہے یعنی مسلمان کی شراب خنزیر اور کھیل تماشے گانے کے آلات اور بتوں کو توڑنے کی وجہ سے ضامن نہیں ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید فروخت حرام قرار دی ہے [1] نیز اس لیے بھی کہ ان کی کوئی قیمت نہیں اور جس کی کی قیمت نہ ہو اس میں ضمان بھی نہیں۔ ہاں ذمی کی شراب غصب کرنے والا تعدی کی وجہ سے ضامن ہوگا نیز غیر مسلموں کے ہاں وہ مال محرم ہے وہ اس سے ثروت حاصل کرتے ہیں اور جب شراب سرکہ بن جائے اور وہ مسلمان کی ہو تو اس مالک کو اختیار ہے چاہے تو سرکہ لے لے یا اس کے مثل شراب لے لے اگر اس کی مقدار معلوم ہو ورنہ اس کی قیمت رہ گئی غیر مسلم کی شراب تو اسے اختیار ہے چاہے تو غصب کے دن کی قیمت لے لے یا سرکہ لے لے مالکیہ کے ہاں مفتی بہ یہی ہے اور اگر شی مغصوب مردار کی دباغت دی ہوئی یا غیر دباغت کھال ہو یا پالتو کتا ہو جیسے شکاری کتا جانوروں اور دیکھ بھال کا کتا اور انہیں غاصب تلف کر دے تو قیمت کا ضامن ہوگا اگرچہ کتے اور جلد کی بیع جائز نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں شراب اور خنزیر کا ضامن نہیں ہوگا چاہے تلف کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی اور چاہے وہ کسی مسلمان کی ہو یا ذمی کی اس لیے کہ اس کی قیمت نہیں خون، مردار اور تمام نجس چیزوں کی طرح اور جس چیز سے نفع اٹھانا حرام ہو اس کے بدل کا ضامن نہیں ہوتا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیع حرام قرار دی اور اس کے گرانے کا حکم دیا اور جس چیز کی بیع اور ملک ہونا حلال نہ ہو اس میں ضمان نہیں۔ اسی طرح ان کے ہاں بتوں اور لہو ولعب (گانے وغیرہ) کے آلات کے ضائع کرنے پر بھی ضمان نہیں البتہ شوافع کے ہاں صرف لکڑی گھڑی ہوئی کی قیمت کا ضامن ہوگا جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کہ وہ کسی مباح منفعت کی صلاحیت رکھتی ہو لیکن اگر اس کی [illegible] نہ ہو تو تلف کرنے والے پر کچھ بھی نہیں لیکن ذمی کی شراب اگر غاصب کے پاس موجود ہو تو اس پر واپس کرنا واجب ہے اس لیے کہ وہ اس کے پینے پر مقرر ہیں لیکن اگر مسلمان کی غصب کی تو حنابلہ کے ہاں واپس کرنا واجب نہیں بلکہ بہا دینا اور گرا دینا واجب ہے اس لیے کہ اس کے سنبھالنے پر وہ مقرر نہیں اور اسے مسلمان کو واپس کرنا حرام ہے جب کہ سرکہ بنانے والا نہ ہو اس لیے کہ اس میں حرام چیز میں تعاون ہے۔

---

[1]......بخاری مسلم۔

شوافع نے تفصیل کرتے ہوئے فرمایا محترم شراب تو واپس کی جائے گی اور جو محترم نہیں وہ گرادی جائے گی۔

اگر کسی غاصب نے شیرہ غصب کیا پھر اس سے سرکہ بنالیا تو شوافع کے ہاں اصح یہ ہے کہ سرکہ مالک کا ہوگا۔ اور غاصب پر شیرہ میں جو کمی آتی ہے اس کا تاوان ہوگا جب کہ سرکہ شیرہ میں قیمت سے کم ہو اور حنابلہ کے ہاں شیرہ کا مثل واجب ہے اگر کسی نے مردار کی کھال غصب کی اور پھر اسے دباغت دے دی تو شوافع کے ہاں اصح یہی ہے کہ کھال بھی شراب کی طرح ہے جو سرکہ بنادی ہو لہٰذا جب اس کے ہاتھ میں کھال ضائع ہوگئی تو ضامن ہوگا اور حنابلہ کے ہاں اگر نجس مردار کی کھال غصب کی تو غاصب پر واپس کرنا لازم نہیں اگرچہ دباغت پھر ہو اس لیے کہ ان کے ہاں دباغت سے وہ پاک نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی قیمت ہے اور نہ ہی اس کا فروخت کرنا صحیح ہے۔

دوسرا مطلب: غصب کے احکام.....غصب کے تین حکم ہیں

۱.....گناہ جسے معلوم ہو غیر کا مال ہے۔

۲.....شیءِ مغصوبہ جب تک موجود ہے اسے واپس کرنا۔

۳.....اگر ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان ہے۔

پہلا حکم گناہ.....وہ آخرت میں مواخذہ کا استحقاق ہے جب غاصب یہ جانتے ہوئے غصب کر کے کہ یہ غیر کا مال ہے اس لیے کہ یہ گناہ ہے اور گناہ کا عمداً جان بوجھ کر ارتکاب کرنا مواخذہ کا موجب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے ایک بالشت کسی کی زمین غصب کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق پہنائیں گے نیز مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں (۱) غاصب کو قید خانہ میں بند کیا جائے گا اور مارپٹائی کی جائے گی اگر وہ وہ سمجھدار بچہ ہو یا بڑا ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اگرچہ مغصوب منہ اسے معاف بھی کردے حاکم کے اجتہاد سے فساد ختم کرنے کے لئے اور اس کی حالت کی اصلاح کے لیے اور ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ کے لیے رہ گیا ناسمجھ بچہ یا پاگل مجنون تو اسے تعزیر نہیں لگائی جائے گی شوافع نے بھی اسی طرح تصریح کی ہے کہ غاصب کو تعزیر لگائی جائے گی اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے اور یہ تعزیر امام لگائے گا۔ اگر غصب لاعلمی کی حالت میں ہوا بایں طور کہ اس چیز کو اپنی ملکیت سمجھتا رہا تو نہ اسے گناہ ہے ورنہ اس پر مؤاخذہ ہے اس لیے کہ یہ خطا ہے اور شرعاً خطا پر مواخذہ نہیں فرمان باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ ......البقرۃ ۲/۲۸۶

اے ہمارے ہمارا مواخذہ نہ کرنا اگر ہم سے بھول اور خطا ہوجائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میری امت سے خطا نسیان اور جس چیز پر وہ مجبور کئے جائیں اٹھالیے گئے ہیں (۲) لیکن اس صورت میں بھی آخری دو حکم باقی رہیں گے۔

۱.....عین جب تک موجود ہو اسے واپس کرنا۔

۲.....اگر ہلاک ہوجائے تو ضمان ادا کرنا۔

دوسرا حکم: شے مغصوبہ کو موجودگی کی صورت میں واپس کرنا.....اس میں چند صورتوں میں بات ہوگی: وجوب رد کا سبب واپس کرنے کی شرط جگہ اور خرچہ اور جس چیز سے مالک رد کا مستحق ہے (۳) فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شے مغصوبہ کا واپس کرنا واجب ہے جب تک وہ موجود ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

علی الید مااخذت حتی تؤدیه

اور تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا سامان نہ حقیقۃً لے نہ مذاق میں جب تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کی لاٹھی لے تو اسے واپس

---

(۱) القوانین الفقهية ص ۳۲۹۔ (۲) رواہ ابن ماجه۔ (۳) البدائع ۷/۱۴۸

کرے ❶ اور واپس غصب کی جگہ پر کرے کیونکہ قیمت جگہوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے واپس کرنے کا خرچ غاصب پر ہے اس لیے کہ یہ واپس کرنے کی ضرورتوں میں سے ہے جب اس پر واپس کرنا واجب ہے تو جو کچھ اس کی ضروریات میں سے ہے وہ بھی واجب ہے اور مالک شیءِ مغصوب کو پانے والا شمار ہوگا جب کہ اس کا قبضہ اس پر ثابت ہو اس لیے کہ غصب کی وجہ سے اس کا قبضہ ختم ہوگیا تھا جب اس کا قبضہ ثابت ہوگیا تو وہ اس کے قبضہ میں آگئی اور غاصب کا قبضہ اس سے ختم ہوگیا الا یہ کہ وہ دوبارہ غصب کرے۔

واپس کرنے کی وجہ سے غاصب ضمان بری ہوجائے گا چاہے مالک کو واپسی کا علم ہو یا نہ ہو اس لیے کہ قبضہ ثابت ہونا۔ جیسی چیز ہے یہ علم اور لاعلمی سے مختلف نہیں ہوتی۔

تیسرا حکم: اگر شیءِ مغصوب ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان......اس بارے مختلف حیثیتوں سے بات ہوگی جن کی تفصیل یہ ہے۔

ا۔ کیفیت ضمان...... جب مغصوب ہلاک یا تلف یا ضائع ہوجائے غاصب کے پاس اور حنفیہ کے ہاں ❷ وہ منقولی چیز ہو یا عقار ہو غیر حنفیہ کے نزدیک چاہیے اس کے اپنے فعل سے ہو یا کسی اور کے فعل سے تو اس پر اس کا ضمان ہے یعنی اس کا عوض ہے لیکن اگر ہلاکت کسی دوسرے کی تعدی کی وجہ سے ہو کسی سماوی آفت کی وجہ سے نہ ہو تو غاصب ضمان میں اس سے رجوع کرے گا اس لیے کہ اس پر اس چیز کا ضمان لازم ہوگیا جسے وہ واپس کر کے بری ہوسکتا تھا، اور اس بارے میں ان کی عبارت: غاصب ضامن ہے مغصوب کا چاہے وہ اللہ کے حکم سے تلف ہوئی ہو یا مخلوق میں سے کسی کی وجہ سے ❸ ضمان کی کیفیت اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ بالاتفاق علماء کے ہاں ضمان مثل واجب ہوگا جب وہ مال مثلی ہو اور قیمت واجب ہوگی اگر وہ قیمتی ہو اور جب مثل کا پایا جانا متعذر ہو تو قیمت واجب ہوگی ضمان مثلی کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۴

جو تم پر ظلم کرے تو تم اسے بدلے میں اتنا ہی بدلہ دو:

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ......النحل: ۱۶/ ۱۲۶

وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ......الشوریٰ ۴۲/ ۴۰

نیز اس لیے بھی کہ مثل اصل تلف شدہ چیز کے زیادہ قریب ہے پس یہ لازم کرنا زیادہ عدل اور نقصان کو پورا کرنے والا ہے اور ضمان میں اصل کے قریب ہونا ممکنہ حد تک نقصان کے عوض واجب ہے۔ رہ گیا قیمت کے ذریعے ضمان اس لیے کہ مثل کے ذریعہ ضمان صورت اور معنی کے اعتبار سے جب متعذر ہے تو پھر مثل معنوی یعنی قیمت واجب ہوگی کیونکہ یہ اس کے قائم مقام ہے اس سے مثل حاصل ہوجائے گا اور اس کا نام بھی اس کی خبر دیتا ہے۔ مال مثلی وہ مال ہے جس کا مثل بازاروں میں پایا جاتا ہو بلا کسی تفاوت کے یا اس کے آحاد آپس میں مماثل ہوں یا اجزاء اس طور پر کے بعض دوسرے بعض کے بغیر کسی فرق کے قائم مقام ہوں اور اموال مثلی چار ہیں: مکیلات موزونات، عددی متقارب اور بعض ذراع۔ مکیلات وہ چیزیں ہیں جو کیل کے ذریعے فروخت ہوتی ہوں جیسے: گندم جو اور بعض سیال اشیاء جو آج کل لیٹر کے حساب سے فروخت ہوتی ہیں جیسے پٹرول ڈیزل وغیرہ۔ موزونات: وہ چیزیں جو وزن کے ذریعے فروخت ہوتی ہیں: جیسے گھی تیل اور شکر و چینی وغیرہ۔ ذراعیات وہ چیزیں جو گزوں سے پیمائش کر کے فروخت کی جاتی ہوں جیسے سوتی، اونی اور ریشمی کپڑے کے تھان۔

عددی متقارب...... وہ چیزیں ہیں جن کے احاد میں فرق نہ ہو اگر ہو تو کم ہو جیسے انڈا، اخروٹ اور وہ مصنوعات جو فیکٹریوں میں بنتی ہیں جیسے گلاس، مٹی اور بلور کے برتن کاپیاں قلم اور مطبوعہ چیزیں وغیرہ۔

قیمتی...... وہ اشیاء جن کا مثل باراروں میں نہ ہو یا پایا تو جائے لیکن قیمت کے اعتبار سے ان میں کافی فرق ہو یا اس کے افراد میں

---

❶ ......نیل الاوطار ۵/ ۳۱۶۔ ❷ المبسوط: ۸/ ۵۰۔ ❸ القوانين الفقهية ص: ۳۳۱

تفاوت ہو کہ بعض بعض کے قائم مقام نہ ہو سکیں فرق کی وجہ سے جیسے گھر زمینیں، عمارتیں، درخت حیوانات فرش پر بچھائی جانے والی چیزیں اور مخطوطات وغیرہ ❶ اور تین حالتوں میں قیمت واجب ہوگی۔

۱..... جب چیز غیر مثلی ہو جیسے جانور گھر وغیرہ ان میں سے ہر ایک کی قیمت دوسری سے مختلف ہے صرف مختلف کی وجہ سے۔

۲..... جب کوئی چیز غیر جنس سے مخلوط ہو جیسے گندم جو کے ساتھ۔

۳..... جب چیز تو مثلی ہو لیکن اس کا ملنا متعذر ہو اور یہ تعذر یا تو حقیقی اور حسی ہوگا جیسے بازار میں مثل کا نہ پایا جانا تلاش کے باوجود اگرچہ گھروں میں باقی جاتی ہو یا تعذر حکمی ہوگا کہ ثمن مثل سے زیادہ میں ملتی ہو یا تعذر شرعی ہوگا ضامن کی نسبت جیسے شراب جو ذمی کی مسلمان پر واجب ہوا اگرچہ خمر مثلیات میں سے ہے لیکن مسلمان کے لیے اسے خرید کر مالک بننا حرام ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ضمان میں اصلی واجب تو ضرر کو بعینہٖ ختم کرنا ہے جیسے دیوار یا بنج کی درستگی اور عین مغصوب بہ کو واپس کرنا جب تک وہ موجود ہو اور جب تک خمر موجود ہو اسے واپس کرنا اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں سرکہ کے لیے اسے رکھنے کی گنجائش ہے نیز تلف شدہ چیز کو ممکنہ حد تک صحیح صورت میں دینا جیسے ٹوٹی ہوئی چیز کو صحیح کرے دینا اگر عین کا واپس کرنا مشکل ہو تو عوض واپس کرنا واجب ہے مثلیات میں مثلی قیمت میں قیمتی چیز۔

۲۔ وجوب ضمان کا وقت..... عوض کی قیمت کے اندازے اور ضمان کے واجب ہونے کے وقت کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء قریب قریب ہیں، حنفیہ کے ہاں ❷ مختار قول کے مطابق اور مالکیہ کے ہاں ❸ غصب کے دن کی قیمت لگائی جائے گی اس لیے کہ ضمان غصب کی وجہ سے واجب ہوا ہے لہٰذا مغصوب کی قیمت غصب کے دن کی لگائی جائے گی اور نرخ تبدیل ہونے کی وجہ سے یہ تبدیل نہیں ہوگی اس لیے کہ ضمان کا سبب تبدیل نہیں ہوا جیسا کہ محل ضمان تبدیل نہیں ہوا لیکن مالکیہ نے ذات کے ضمان اور غلہ کے ضمان میں فرق کیا ہے پہلے میں غلبہ پانے کے دن کا ضامن ہوگا اور غلہ میں سرمایہ کاری کے دن کا ضامن ہوگا رہ گئی تعدی یعنی نفع غصب کرنے والا منفعت کے فوت ہوتے ہی ضامن ہوگا اگرچہ اسے استعمال نہ بھی کیا ہو شوافع کے ہاں ❹ اصح یہ ہے کہ وقت غصب سے شہر غصب میں مثل کے متعذر ہونے کے وقت کی آخری قیمت ضمان میں واجب ہوگی اگر تلف کے وقت مثل موجود نہ ہو تو اکثر کے ہاں غصب سے تلف تک کی قیمتیں واجب ہوگی چاہے نرخ تبدیل میں یا مغصوب رہ گیا قیمتی مال تو اس کی جو غصب سے تلف تک سب سے زیادہ قیمت ہے اس کی ضامن ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں اگر مغصوب مثلیات میں سے ہے اور مثل مفقود ہو گیا تو مثل منقطع ہونے کے دن کی قیمت واجب ہوئی اس لیے کہ جب مثل منقطع ہو گیا اس وقت قیمت ذمہ میں واجب ہوئی لہٰذا اسی وقت سے قیمت کا اعتبار ہوگا جیسے مقوم کا تلف اگر مغصوب قیمتی ہو اور تلف ہو جائے تو غصب سے واپس کرنے تک کی جو سب سے زیادہ قیمت ہوگی وہ واجب ہے جب کہ تغیر مغصوب میں چھوٹا بڑا ہونے میں ہو موٹا اور دبلا وغیرہ ہونے میں ہو جن کی وجہ سے قیمت کم زیادہ ہوتی ہے اس لیے کہ یہ معانی فی الحال مغصوب ہیں جن کی وجہ سے اس میں زیادتی ہوئی ہے اور اضافہ مالک کا ہے جو غاصب پر مضمون ہے اور اگر قیمت میں اضافہ نرخ تبدیل ہونے کی وجہ سے ہوا ہو تو اضافہ کا ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ اس سبب سے قیمت نقصان کا ضامن نہیں جب کہ عین مغصوب کو واپس کرے لہٰذا تلف کی وجہ سے بھی ضامن نہ ہوگا۔

۳..... کسی چیز کی وجہ سے غاصب ضمان سے بری ہوگا: چار چیزوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے غاصب ضمان سے نکل جائے گا۔ پہلی چیز: عین شیء مغصوبہ کو مالک کو واپس کرنے کی وجہ سے۔

دوسری چیز..... مالک کو ضمان ادا کرنے یا اس کے قائم مقام کو ادا کرنے کی وجہ سے کیونکہ اصلاً یہی مطلوب ہے۔

❶..... الدر المختار: ۱۳۰/۵۔ ❷ مجلہ مادۃ: ۹۲۱۔ ❸ البدائع ۱۵۱/۷، بدایۃ المجتہد ۳۱۲/۲۔ ❹ المہذب: ۳۲۸/۱۔

تیسری چیز......ضمان سے بری کر دینا یا تو صراحۃً جیسے: میں تمہیں ضمان سے بری کرتا ہوں تم سے ضمان ساقط کرتا ہوں یا آپ کو ہبہ کرتا ہوں وغیرہ جو صریح کے قائم مقام ہیں۔ وہ یہ کہ مالک دو غاصبوں میں سے ایک کو بری کر دے اور دوسرے کو ضامن بنا دے اس لیے کہ ایک کو بری کرنا اور دوسرے کو ضامن قرار دینا ضمناً دوسرے کو بھی بری کرنا ہے۔

چوتھی چیز...... غاصب کا شے مغصوب کو مالک یا اس کے جانور کو کھلا دینا اور اسے معلوم بھی ہو کہ یہ اسی کا طعام ہے یا غاصب بطور امانت مالک کے سپرد کرے مثلاً ودیعت رکھے ہبہ کرے اجارہ کے طور پر دے یا اسے سفید کرنے یا سینے کے لیے دے اور مالک کو معلوم ہو کہ یہ ایک کا مال مغصوب ہے یا اس طور پر دے کہ اس کا بدل اس کے ذمہ ثابت ہو جیسے قرض اور مالک جانتا ہو کہ یہ اس کا مال ہے اگر مالک کو معلوم نہیں تو غاصب بری نہیں ہوگا یہاں تک کہ غصب کی صفت تبدیل نہ ہو۔ (1)

کیا ضمان کی وجہ سے غاصب مغصوب کا مالک ہوگا: حنفیہ کے ہاں (2) غاصب ضمان ادا کرنے کے بعد سے مغصوب کا مالک ہوگا وقت غصب سے تاکہ بدل اور مبدل ایک ملک میں جمع نہ ہو جائیں اور اس ملکیت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر غاصب نے ضمان ادا کرنے سے پہلے شیء مغصوب میں کوئی تصرف مثلاً بیع ہبہ یا صدقہ وغیرہ کیا تو اس کا یہ تصرف نافذ ہوگا جیسے شراء فاسد میں مشتری کا تصرف نافذ ہوتا ہے یا جیسے کوئی شخص عین کو غصب کر کے غائب کر دے اور مالک کو قیمت کا ضمان دے دے تو غاصب اس کا مالک بن جائے گا اس لیے کہ مالک سارے بدل کا مالک ہو گیا ہے اور مبدل نقل کے قابل ہے تو غاصب مالک ہوگا تاکہ دو بدل ایک شخص کی ملکیت میں جمع نہ ہو جائیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی رائے ہے کہ غاصب کے لیے مغصوب سے نفع اٹھانا حلال نہیں بایں طور کہ وہ اسے خود کھالے یا کسی دوسرے کو کھلا دے ضمان ادا کرنے سے پہلے اور جب اس میں بڑھوتری حاصل ہو تو استحساناً اس کو صدقہ کر دے اور اسی پر یہ ہے کہ مغصوب سے حاصل شدہ منافع وغلہ مثلاً گاڑی پر سوار ہونا اس کے لیے حلال نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغصوب سے مالک کی رضامندی سے پہلے نفع اٹھانا حلال نہیں قرار دیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی سند سے ابوموسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار میں سے کسی کے ہاں بطور مہمان تھے انہوں نے آپ کے سامنے بھنی ہوئی بکری پیش کی آپ نے اس سے ایک لقمہ لیا آپ اسے چبا رہے تھے لیکن وہ حلق سے اندر نہیں جاری تھی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ بکری مجھے بتا رہی ہے کہ میں حق پر ذبح نہیں کی گئی تو انہوں نے کہا یہ بکری ہمارے پڑوسی کی ہے ہم نے اس لیے ذبح کر دی کہ ہم اسے ثمن پر راضی قرار دے دیا باوجود حاجت وضرورت کے اگر وہ حلال ہوتی تو ان کے لیے اس کو حلال قرار دیتے۔ (3)

مالکیہ کے ہاں غاصب کو مغصوب میں تصرف سے روکا جائے گا تاکہ رھن کفالت وغیرہ کی وجہ سے مالک کا حق ضائع نہ ہو اور موھوب لہ کو اس مین سے کوئی چیز کھانا جائز نہیں نہ اس میں رہائش رکھنا لیکن اگر مغصوب غاصب کے پاس تلف ہو جائے تو ان کے ہاں غاصب کا اس سے نفع اٹھانا جائز ہے اس لیے کہ اب اس کی قیمت واجب ہو گئی ہے اس کے ذمہ۔ بعض محققین نے مغصوبہ بکریوں کے گوشت کو جب غاصب فروخت کرے قصابوں کو ان سے خریدنے کے جواز کا فتوی دیا ہے اس لیے کہ اس کی ذبح ہونے کی وجہ سے قیمت غاصب کے ذمہ میں واجب ہو گئی الا یہ کہ جو اس سے بچے گا اور تقوی اختیار کرے گا تو وہ اپنے دین اور عزت میں محفوظ ہو گیا۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... قیمت ادا کرنے سے غاصب شیءِ مغصوبہ کا مالک نہیں ہوگا اس لیے کہ بیع سے اس کا مالک بننا صحیح نہیں کیونکہ سپردگی پر اسے قدرت نہیں لہٰذا ضمان سے بھی وہ مالک نہیں بن سکتا جیسے اتلاف سے تلف شدہ چیز کا مالک نہیں بن سکتا۔ اسی بناء پر غاصب کے ہر قسم کے تصرفات باطل ہیں اور درست نہیں حدیث کی وجہ سے کہ من عمل عملاً لیس علیه امرنا فهورد۔ جس نے

---

(1)......البدائع ۱۵۱/۷۔ (2) المبسوط ۱۵/۱۱۔ (3) نصب الرایة ۱۶۸/۴۔

کوئی ایسا عمل کیا اس میں ہمارا حکم نہ ہو تو وہ مردود ہے لہٰذا اسے فروخت کرنا اجارہ کرنا جائز نہیں جیسے کہ اس کے لیے اسے تلف کرنے اور اپنے استعمال میں لانا مثلاً کھانا، پہننا، سوار ہونا، بوجھ لادنا، رہائش اختیار کرنا وغیرہ حلال نہیں حدیث کی وجہ سے کہ تمہارے خون اور مال اور عزتیں تمہارے اوپر حرام ہیں۔

۴۔شیٔ مغصوبہ کا غاصب کے پاس تبدیل ہونا......حنفیہ کے ہاں کبھی شی مغصوب غاصب کے پاس بذات خود یا غاصب کے فعل کی وجہ سے تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ تبدیلی کبھی وصف میں ہوتی ہے یا نام اور ذات میں اور ان تمام تبدیلی کے حالات میں مغصوب موجود ہوتا ہے۔ ❶

(الف)......جب مغصوب بذات خود تبدیل ہو جائے جیسے انگور تھے وہ کشمش بن گئے یا تر کھجوریں تھیں وہ چھوہارے بن گئے تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو عین لے لے یا غاصب کو قیمت کا ضامن بنائے۔

(ب)......اگر مغصوب غاصب کے کسی فعل کی وجہ سے تبدیل ہو کمی زیادتی کے ساتھ جیسے کپڑے کو رنگ دے یا ستو کو گھی میں ملا دے یا شیٔ مغصوب غاصب کی ملکیت سے مختلف ہو جائے بایں طور کہ امتیاز کرنا مشکل ہو جیسے گندم گندم سے مل جائے یا جدا کرنا ممکن تو ہو لیکن اس میں تنگی ہو جیسے گندم جو کے ساتھ مل جائے تو مالک کو اختیار دینا واجب ہے چاہے تو غاصب سے مغصوب کی قیمت تبدیل ہونے سے پہلے کی لے لے اور چاہے تو سارا کچھ غاصب سے لے لے اور جو کچھ اس میں زیادہ ہے اس کی قیمت غاصب کو دے دے اس لیے کہ اس اختیار میں جانبین کی رعایت ہے یہ مالکیہ کا بھی مذہب ہے ❷ شوافع کے ہاں اگر اس اضافہ کا الگ کرنا ممکن ہے مثلاً رنگ اور گھی تو غاصب کو اس پر مجبور کیا جائے گا اور اگر ممکن نہ ہو تو اب اگر مغصوب کی قیمت زیادہ نہیں ہوئی تو غاصب کے لیے کچھ بھی نہیں اور اگر اس کی وجہ سے قیمت کم ہوئی ہے تو غاصب پر نقصان کی دیت لازم ہے اس لیے کہ کمی اس کے فعل کی وجہ سے لازم ہوتی ہے اور اگر اس کی قیمت میں اضافہ ہوا ہے تو غاصب اور مالک اس میں اثلاثاً شریک ہوں گے دو ثلث مغصوب منہ کے ذمہ اور ایک ثلث غاصب کے اگر ان میں سے کسی ایک کی ملکیت میں کمی آتی ہو نرخ کم ہونے یا زیادہ ہونے کی وجہ سے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

حنابلہ کے ہاں...... شوافع کی طرح ہے الا یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ غاصب کو کپڑے سے رنگ اتارنے پر مجبور نہ کیا جائے گا اس لیے کہ اس صورت میں اس کی ملکیت کا اتلاف ہے اگر کوئی نقصان اس میں آ گیا تو غاصب نقصان کا ضامن ہوگا اس لیے کہ اس کی تعدی کی وجہ سے یہ حاصل ہوا ہے لہٰذا وہ ضامن ہوگا اور اگر اس میں اضافہ ہوا تو مالک اور غاصب بقدر ملکیت اس میں شریک ہوں گے اس چیز کو فروخت کیا جائے گا اور دونوں ملکیتوں کے حساب سے ثمن تقسیم ہوں گے اسی سے ظاہر ہے کہ فقہاء نقصان کی صورت میں متفق ہیں اور زیادتی کی صورت میں غاصب کے حق پر۔

(ج)......اگر شے مغصوب کی ذات یا نام میں تبدیلی آ جائے غاصب کے فعل کی وجہ سے بایں طور کہ اس کے اکثر منافع مقصودہ زائل ہو جائیں مثلاً جیسے کوئی بکری غصب کرے پھر اسے ذبح کر کے بھون دے یا پکا لے یا گندم غصب کرے اور اس کا آٹا پسوا دے یا لوہا غصب کرے اور اس سے تلوار بنوا لے یا پیسے غصب کرے اور اس کے برتن بنوائے تو اب مالک کی ملکیت مغصوب سے زائل ہو گئی اور غاصب اس کا مالک ہو گیا اور وہ بدل کا ضامن ہوگا مثلی میں مثل کا اور قیمتی میں قیمت کا لیکن بدل ادا کرنے تک اس سے نفع اٹھانا اس کے لیے حلال نہیں اس لیے کہ بدل ادا کرنے سے پہلے نفع اٹھانے کی اجازت دینا غصب کے دروازے کو کھولنے کے مترادف ہے لہٰذا مالک کو بدل ادا کر کے راضی کرنے سے پہلے نفع اٹھانا حرام ہے فساد کے مادہ کو ختم کرتے ہوئے۔ مالکیہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے جیسے تیسری تفریع میں بیان ہوا شوافع

❶ ..... فتح القدیر ۷/۳۷۵۔ ❷ الشرح الکبیر: ۳/۴۵۴۔

اور حنابلہ کے ہاں مالک کا حق اس کی ملکیت سے ختم نہیں ہوتا اور اسے اختیار ہے کہ وہ اسے لے لے اور اگر اس میں نقصان ہو تو نقصان کی دیت لے لے اور حنابلہ کے مذہب کے مطابق اضافہ کی صورت میں غاصب کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا سونے اور چاندی کو غصب کر کے درھم اور دینار یا برتن بنانے کی صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی شوافع اور حنابلہ کی طرح مالک کی ملکیت زائل نہ ہوگی اور غاصب کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا اس لیے کہ عین ہر اعتبار سے باقی ہے ان کا نام بھی باقی ہے اور سونے چاندی سے متعلق چاروں احکام یعنی ثمنیت وزنی ہونا سود جاری ہونا اور ان پر زکوٰۃ واجب ہونا باقی ہیں لہٰذا ان سے مالک کا حق ختم نہیں ہوا۔ صاحبین اس مسئلے میں اپنی اصل سابق پر ہیں وہ یہ کہ غاصب مالک ہوگا اور اس پر ان کا مثل واجب ہوگا اس لیے کہ اس نے ان میں معتبر صنعت کی ہے لہٰذا مالک کا حق ہلاک کے حکم میں ہے اور اصل نام اور معنی کے اعتبار سے متغیر ہے کیونکہ بننے سے پہلے اسے تبرڈلی کہتے تھے اب اسے درہم دینار یا برتن کہتے ہیں۔

۵۔ مغصوب کا نقصان..... مغصوب اگر غاصب کے ہاتھ میں کم ہو جائے چاہے معنوی طور پر یا حسی طور پر تو یہ حنفیہ کے ہاں چار صورتوں کو شامل ہے جو درج ذیل ہیں۔

(الف)..... نقصان بازاروں میں نرخ گرنے کی وجہ سے ہو اور اس پر ضمان نہیں اگر شے مغصوب کو غصب کی جگہ پر واپس کیا اس لیے کہ نرخ کم ہونا مادی نقصان نہیں ہے مغصوب کا کہ عین میں سے کوئی جز وفوت ہوا ہو بلکہ یہ خواہشات ورغبات کے کم ہونے کی وجہ سے ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا ہے اس میں بندوں کا دخل نہیں۔

(ب)..... نقصان کسی مرغوب وصف کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو جیسے جانور کا ضعیف ہونا یا اس کی قوت سماعت اور بصر زائل ہونا یا شل ہونا لنگڑا ہونا یا اندھا ہونا یا اعضاء میں سے کسی عضو کا گر جانا تو جو مال سودی نہیں ان میں نقصان کا ضمان غاصب پر ہے اور مالک عین مغصوب کو لے لے کیونکہ عین اپنی حالت پر باقی ہے لیکن اگر شیء مغصوب سودی اموال میں سے ہو جیسے گندم کا بدبودار ہونا چاندی کے برتن کا ٹوٹنا تو مالک صرف شیء مغصوب کو لے سکتا ہے اور اس کو اس کے علاوہ نقصان کی وجہ سے کچھ لینا جائز نہیں اس لیے کہ اموال ربویہ (سودی) میں نقصان کا ضمان نہیں اصل لوٹانے کے ساتھ اس لیے کہ یہ ربا (سود) کی طرف لے جانے والی چیز ہے۔

(ج)..... نقصان عین میں کسی مرغوب چیز کی وجہ سے ہو مثلاً جوانی کے بعد بڑھاپا، بھاگنا پیشہ بھول جانا تو ان تمام حالتوں میں نقصان کا ضمان واجب ہوگا۔

(د)..... نقصان عین میں سے کسی جزو کے زائل ہونے کی وجہ سے ہو جیسے کپڑے کا جل جانا تو تمام حالتوں میں ضمان واجب ہوگا لیکن اگر نقصان کم ہو جیسے کپڑا تھوڑا جلا ہو تو مالک غاصب سے صرف نقصان کی بقدر ضمان لے سکتا ہے کیونکہ عین باقی ہے۔ اور اگر نقصان زیادہ ہو جیسے زیادہ پھٹا ہوا ہو کپڑا کہ اس سے حاصل ہونے والا عام نفع باطل ہو جائے تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو لے لے اور عیب کی وجہ سے نقصان کا ضمان لے لیے اور چاہے وہ غاصب کے پاس چھوڑ دے اور ساری قیمت لے لے اس لیے کہ من وجہ وہ ہلاک ہو گیا ہے اور کم زیادہ کے درمیان فرق کا قاعدہ یہ ہے کم نقصان یہ کہ منفعت میں سے کوئی چیز فوت نہ ہو بلکہ صرف منفعت کا نقصان ہو اور فاحش: جس سے عین کا بعض حصہ فوت ہو جائے اور جنس منفعت بھی بعض عین اور بعض منفعت باقی رہے۔ مجلّہ میں دفعہ ۹۰۰ میں تقدیر بیان کی کہ یسیر وہ ہے جو شیء مغصوب کی ربع قیمت تک نہ پہنچے اور فاحش وہ ہے جو ربع قیمت یا اس کے زائد ہو جب نقصان کا ضمان واجب ہوگا تو پھر عین کی قیمت غصب کے دن کی لگائی جائے گی پھر کمی کی قیمت لگائی جائے گی اس فرق کو غاصب پورا کرے گا۔ اگر عقار مغصوب ہو اگرچہ آفت سماوی کی وجہ سے ہلاک ہونے سے حنفیہ کے ہاں اس میں ضمان نہیں البتہ اس پر غاصب کے فعل سے لاحق ہونے والا نقصان یا اس کے رہائش اختیار کرنے زمین پر زراعت کرنے کی وجہ سے ضمان ہوگا۔ کما ذکرت سابقا۔

حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کے ہاں...... مغصوب کے نقصان کا ضامن نہیں ہوگا اور نہ ہی نرخ میں زیادتی کا جب نرخ کم ہو جائیں جیسے حنفیہ کے ہاں ہے: اس لیے کہ نقصان لوگوں کی رغبت کے فتور کی وجہ سے ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں اور مغصوب کا عین اور نہ ہی اس کی صفت میں کمی آتی ہے لیکن شوافع اور ابوداؤد کے ہاں اگر قیمت نرخ کم ہونے کی وجہ سے کم ہو جائے تو غاصب پر نقصان کا ضمان ہوگا۔

رہ گیا وہ نقصان جو ذات مغصوب یا اس کی صفت میں ہو تو وہ مضمون ہوگا چاہے وہ نقصان کسی سماوی آفت کی وجہ سے ہو یا غاصب کے فعل کی وجہ سے۔ البتہ مالکیہ کے ہاں مشہور قول کے مطابق اگر نقصان کسی آفت سماویہ کی وجہ سے ہو تو مالک صرف ناقص ہی حالت میں لینے کا مختار ہے یا پھر غاصب سے یوم غصب کی پوری قیمت وصول کرے صرف نقصان کی قیمت نہیں لے سکتا اور اگر نقصان غاصب کی جنایت کی وجہ سے ہو تو مالک کو اختیار ہے چاہے غاصب سے غصب کے دن کی قیمت لے لے یا شیء مغصوب لے لے اور نقصان کی قیمت جنایت کے دن کی لے لے یہ ابن القاسم کے ہاں۔ اور سحنون کے ہاں غصب کے دن کی قیمت لے اور اشہب رحمہ اللہ نے سماوی آفات اور غاصب کی جنایت میں فرق نہیں کیا۔

۶۔ مغصوب میں اضافہ...... یہ بات ہم جان چکے ہیں کہ مغصوب میں اضافہ متصل ہو یا منفصل تو اس کا ضامن نہیں ہوگا شیخین کے ہاں کیونکہ مالک کا قبضہ زائل نہیں ہوا اس سے اور زوائد کا ضامن ہوگا مطلقاً امام محمد امام شافع اور احمد کے ہاں اس لیے کہ وہ عین مملوکہ سے پیدا ہوا ہے اور مالکیہ کے ہاں صرف زوائد متصلہ کا ضامن ہوگا نہ متصلہ کا اور زوائد متصلہ یہ ہیں۔

غصب شدہ زمین پر عمارت بنانا زراعت کرنا درخت لگانا...... ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غاصب پر شیٔ مغصوب کو مالک تک واپس پہنچانا لازم ہے اور جو کچھ اس میں بنایا ہے مثلاً عمارت زراعت یا درخت وغیرہ جو لگائے ہیں ان کو ختم کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ظالم کے لیے کوئی حق نہیں مذاہب کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حنفیہ کے ہاں...... ❶ جو شخص دروازوں وغیرہ میں استعمال ہونے والی لکڑی غصب کرے اس پر عمارت تعمیر کرے اور عمارت کی قیمت اس لکڑی سے زیادہ ہو تو مالک کی ملکیت اس سے زائل ہو جاتی ہے اور غاصب پر اس کی قیمت لازم ہو جاتی ہے اس لیے کہ اب یہ دوسری چیز بن گئی اور اس کے اکھاڑنے میں غاصب کی عمارت کا نقصان ظاہر ہے جس میں مالک کا بھی کوئی فائدہ نہیں اور مالک کا نقصان ضمان سے پورا ہوگا اور اسلام میں ضرر نہیں لیکن اگر اس لکڑی کی قیمت عمارت سے زیادہ ہو تو مالک کی ملکیت زائل نہیں ہوگی اس لیے کہ اس ہلکے ضرر کو اختیار کیا ہے جو اھون الشرین ہے **کما ھو القاعدہ** قاضی زادہ نے تکملہ فتح القدیر میں اس فرق پر رد کیا ہے اور فرمایا کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ لکڑی کی قیمت عمارت سے زیادہ ہو یا کم اس لیے کہ مالک کا نقصان قیمت سے پورا کیا جا رہا ہے اور غاصب کا ضرر ضرر محض ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قیمت سے پورا ہونے والا ضرر ضرر محض سے کم ہے لہٰذا اضرر اعلیٰ کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا جب کہ ضرر ادنیٰ پر عمل ممکن ہے اور اس مسئلہ ساجہ میں یہ قاعدہ کی اشد ضرر اخف سے زائل ہو سکتا ہے پر عمل کیا جائے گا۔

رہ گیا صحن والا مسئلہ...... اگر کسی نے زمین غصب کی اور اس میں درخت لگائے یا عمارت تعمیر کی اور صحن کی قیمت زیادہ تھی تو غاصب کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ درخت اکھاڑ دے اور عمارت گرا دے اور زمین فارغ اور خالی مالک کے حوالے کرے اس لیے کہ زمین حقیقۃً حنفیہ کے ہاں غصب نہیں ہوتی اس لیے اس میں مالک کا حق باقی ہے جیسے پہلے تھا غاصب نے اسے مشغول کر دیا تو اسے فارغ کرنے کا حکم دیا جائے گا اس لیے کہ ظالم کا کوئی حق نہیں اور اگر عمارت کی قیمت زیادہ ہو تو غاصب مالک زمین کو زمین کی قیمت دیدے اور زمین لے لے اور اگر درخت

❶......الدر المختار ۱۳۵/۵۔

اکھاڑنے میں زمین میں کمی آئی ہو یا عمارت گرانے میں تو مالک غاصب کو ملبہ اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے دے دوطرف کی مصلحت کی رعایت اور ضرر دفع کرتے ہوئے زمین کی قیمت لگائی جائے بغیر درختوں اور عمارت کے اور پھر درختوں اور عمارت جو اکھیڑنے اور گرانے کے مستحق ہیں کی قیمت لگائی جائے پھر وہ فرق کا ضامن ہو اور جب غاصب نے زمین پر کھیتی کی اب اگر زمین اس کی ملکیت ہو اور اگر اس کے مالک نے اسے زراعت کے لیے تیار کیا ہوا ہو تو معاملہ مالک اور غاصب کے درمیان زراعت کا ہوگا اور عرف سے دونوں کے حصہ میں فیصلہ کیا جائے گا نصف ربع وغیرہ اور اگر اس نے اجارہ کے لیے رکھی ہوئی ہو تو پیداوار زراعت کرنے والے کی ہوئی اور اس پر زمین کی اجرت مثل ہوگی اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو غاصب پر زراعت سے جو زمین میں نقصان آیا ہے ہوگا لیکن زمین اگر وقف کی ہو یا یتیم کی ہو تو عرف کا اعتبار ہوگا اگر اس کے لیے نفع بخش ہو اور اگر عرف نفع بخش نہ ہو تو پھر اجرت مثل ہوگی ان کا قول ہے جو انفع للوقف ہے اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

۲۔ مالکیہ کے ہاں

الف۔ عمارت......جس نے زمین غصب کی یا لکڑی وغیرہ اس پر عمارت بنائی یا اس سے عمارت بنائی تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو عمارت گرادے یا اسے باقی رکھے اور غاصب کو سامان کی قیمت دے دے اکھیڑنے اور گرانے کی اجرت نکالنے کے بعد چونے رنگ وغیرہ کی قیمت نہیں دے گا۔ یہ مالک کی مصلحت کو ترجیح دیتے ہیں اور جس نے لکڑیاں غصب کیں اور ان پر عمارت بنائی تو مالک انہیں لے لے اگرچہ دیواریں گر ہی جائیں یہی شوافع کا قول ہے۔

ب۔ درخت لگانا......جس نے زمین غصب کی اور اس پر درخت لگائے تو اسے اکیڑنے کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ مالک اسے اکھیڑنے کی اجرت نکال کر قیمت دے دے عمارت کی طرح۔ اگر کسی نے درخت غصب کئے اور اپنی زمین میں لگائے تو اسے اکھیڑنے کا حکم دیا جائے گا۔

ج......اگر مغصوبہ زمین میں کھیتی باڑی کردی اگر مالک نے زراعت کے لیے زمین لی ہو تو اس اختیار ہے چاہے تو کھیتی اکھیڑ دے یا غاصب کے لیے چھوڑ دے اور کرایہ لے لے لیکن اگر زراعت ہونے کے بعد لیا تو اہل بارے اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ اسے اختیار ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ صرف کرایہ لے سکتا ہے اور کھیتی مزارع کی ہوگی۔

۳۔ شوافع کے ہاں......غاصب کو عمارت گرانے اور زمین سے درخت اکھیڑنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر اس سے کوئی نقصان ہوا تو اس کی دیت ادا کرے گا اور زمین جیسے تھی اسی طرح واپس کی جائے اور مدت غصب کی اجرت مثل دی جائے گی اگر اس کی مثل کے لیے اجرت ہو اس لیے کہ ظالم کے لیے کوئی حق نہیں اگر مالک قیمت ادا کرکے مالک بننا چاہتا ہو یا اسے اجرت پر باقی رکھنا چاہتا ہو تو اصح قول کے مطابق یہ چیزیں غاصب لازم نہیں ہیں اس لیے کہ بغیر دیت کے بھی اکھیڑنا ممکن ہے اور اگر مالک زمین میں بیج چھوڑنے پر راضی ہو تو غاصب اس کو نکال نہیں سکتا، جیسے غاصب مغصوبہ گھر سے رنگ اتارنے کا مالک نہیں جب مالک اس کے چھوڑنے پر راضی ہو خلاصہ یہ کہ مالک کو حق ہے کہ وہ غصب کے آثار بغیر ضرر کے زائل کرے۔

۴۔ حنابلہ کے ہاں......بھی حکم شوافع کی طرح عمارت اور درخت لگانے میں حدیث پر عمل کرتے ہوئے، رہ گئی زمین پر زراعت کی صورت تو اس میں وہ مالک کو اختیار دیتے ہیں کھیتی پکنے تک چھوڑ دے اور زمین کی اجرت اور غاصب کی جانب سے نقصان کی دیت لے لیے اور اسے نفقہ دے دے حدیث کی وجہ سے جو کسی کی زمین میں کھیتی کرے ان کی اجازت کے بغیر تو کھیتی میں سے اس کا کچھ نہیں اس کے لیے

صرف نفقہ ہے اور ایک اور حدیث میں ہے اپنی کھیتی لے لو اور نفقہ خرچہ واپس کر دو۔ یہ درمیانی رائے ہے اور تطبیق کے اعتبار سے قابل ہے۔

۵۔ شی ءمغصوب کے غلہ ومنافع کا ضمان...... یہ بات پہلے مغصوب کے منافع کے بیان میں آ گئی ہے کہ شی ءمغصوب کا غلہ یعنی اجارہ سے حاصل ہونے والی اجرت وغیرہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں حلال نہیں غاصب کے لیے اس لیے کہ منافع سبب خبیث سے حاصل ہوا ہے اور یہ غیر کی ملکیت میں تصرف ہے اور اس کو صدقہ کرنا ضروری ہے۔ امام ابو یوسف اور امام زفر کے ہاں: غاصب کے لیے نفع حلال ہے جب اس کا ضمان دے دے اس لیے کہ شی ءمغصوب ضامن ادا کرنے کی وجہ سے اس کی مملوکہ ہے قاعدہ ہے کہ جو چیزیں مضمون نہیں ضمان ادا کرنے کی وجہ سے آدمی اس کا مالک بن اجاتا ہے اور یہ غصب کے وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ رہ گئے عقار کی رہائش کے منافع اور گاڑی پر سواری جانور پر سواری اور کپڑے پہننا زمین میں زراعت کرنا تو حنفیہ کے ہاں ضامن نہیں ہوگا صرف تین حالتوں میں ضمان ہوگا شی ءمغصوب وقف ہو یا یتیم کا مال ہو یا سرمایہ کاری کے لیے رکھا ہوا مال ہو اس لیے کہ منفعت حنفیہ کے ہاں مال متقوم نہیں اور عقد اجارہ ہونے ہی سے متقوم ہوتی ہے نیز اس لیے بھی کہ شی ءمغصوب اگر ہلاک ہو جائے تو غاصب ضامن ہوگا حدیث کی وجہ سے کہ استفادہ کی بنیاد ذمہ داری ہے یعنی نقصان نفع ساتھ ساتھ یعنی جو نفع اٹھائے گا اسی کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس وقت قاضی کے ذمہ صرف شی ءمغصوب کو واپس کروانا ہے جب تک وہ موجودہ ہو اور ہلاک ہونے کی صورت میں اس کا مثل یا قیمت۔

حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں مغصوب کے منافع کا ضامن ہوگا اس لیے کہ منافع مال متقوم ہیں اعیان کی طرح نیز تمام اموال میں غرض منفعت ہی تو ہے جیسا کہ عزبن السلام نے فرمایا: الا یہ کہ مالکیہ کے ہاں اموال کے منافع زمین اور گھروں کے استعمال سے ضامن ہوگا اور ترک کی حالت میں ضامن نہ ہوگا یہ اس وقت ہے جب کسی چیز کی ذات غصب کرے لیکن اگر صرف نفع غصب کیا مثلاً دروازے کو تالا لگا دیا سواری روکے رکھی تو صرف اس کی وجہ سے ضامن ہوگا اگرچہ استعمال نہ بھی کرے شوافع اور حنابلہ کے ہاں غصب اور تعدی کی وجہ سے ان تمام اموال کے منافع کا ضامن ہوگا جن کی وجہ سے مال اجارہ پر لیا جاتا ہے چاہے غاصب منافع استعمال کرے یا نہ کرے۔

۶۔ غاصب اور مالک کا اختلاف...... یہاں بہت ساری صورتیں ہیں مالک اور غاصب کے اختلاف کی جن کا ضمان کے تحمل میں اثر ہے اگر ہم غاصب کی بات کی تصدیق کریں تو وہ ضمان سے بری ہو جائے گا اور اگر مالک کی تصدیق کریں تو غاصب پر ضمان لازم ہوتا ہے فقہاء کا کلام اس بارے میں تفصیلی ہے جس کی ہم یہاں تلخیص پیش کرتے ہیں۔

الف۔ حنفیہ کے ہاں...... جب غاصب کہے کہ شی ءمغصوب میرے ہاتھ میں قدرتی طور پر ہلاک ہوئی ہے اور مالک اس کی تصدیق نہیں کرتا اور غاصب کے پاس گواہ بھی نہ ہو تو قاضی غاصب کو گرفتار کرے اتنی مدت کہ جس میں اس کی عادت ظاہر ہو سکے پھر اس پر ضمان کا فیصلہ کرے اس لیے کہ حکم اصلی غصب کا یہی ہے کہ عین مغصوبہ کو واپس کیا جائے رہ گئی قیمت تو وہ اس کا بدل اور خلیفہ ہے اگر اصل سے اور جب اصل ہو تو قیمت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا جو کہ خلیفہ ہے۔

اگر مالک اور غاصب کا اختلاف ہو جائے اصل غصب یا مغصوب کی جنس نوع مقدار صفت یا وقت غصب کی قیمت میں اختلاف ہو جائے تو ان سب حالتوں میں غاصب کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ اس لیے کہ مالک اس پر ضمان کا دعویدار ہے اور غاصب منکر ہے تو بات اسی کی معتبر ہوگی اس لیے کہ شریعت میں منکر پر قسم ہوتی ہے۔ اگر غاصب دعویٰ کرے مغصوب واپس کرنے کا مالک کو اور مالک کہے کہ مغصوب میں عیب پیدا ہوا ہے تو غاصب کی تصدیق گواہوں کے بغیر اس لیے کہ گواہ مدعی پر ہوتے ہیں۔ اگر دونوں کے گواہوں میں تعارض ہو گیا مالک نے گواہ قائم کیے کہ جانور اور گاڑی غاصب نے تلف کر دی سواری کر کے اور غاصب نے گواہ قائم کیے مالک کو واپس کرنے کا تو مالک کے گواہ قبول ہوں گے اور غاصب پر مغصوب کی قیمت ہوگی اس لیے کہ غاصب کے گواہ مالک کے گواہوں کا دفاع نہیں کر سکتے اس لیے کہ اس نے

مغصوب کو واپس کرنے پر گواہ قائم کیے ہیں اور یہ جائز تو ہے لیکن ہو سکتا ہے اس نے دوبارہ غصب کیا ہو اور ضائع کر دیا ہو۔

ب۔ مالکیہ کے ہاں..... بھی حنفیہ کی طرح ہی حکم ہے یعنی اگر غاصب اور مالک میں مغصوب کے تلف ہونے میں اختلاف ہو جائے یا اس کی جنس صفت یا مقدار میں اور کسی ایک کے پاس بھی گواہ نہ ہوں تو غاصب کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ۔

ج۔ شوافع اور حنابلہ..... کے ہاں اگر غاصب اور مالک میں شیءِ مغصوب کی قیمت کے متعلق اختلاف ہو جائے مثلاً غاصب کہے اس کی قیمت دس روپے ہے اور مالک کہے بارہ روپے ہے تو غاصب کی تصدیق کی جائے گی قسم کے ساتھ اس لیے کہ اصل اضافہ کا ذمہ سے بری ہونا ہے اور مالک پر گواہ ہیں۔ اور اگر دونوں مغصوب کے ضائع ہونے میں اختلاف کریں مالک کہے وہ باقی ہے غاصب کہے ضائع ہو گیا ہے تو غاصب کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اس لیے کہ تلف پر گواہ قائم کرنا متعذر ہیں۔ اسی طرح اگر شیءِ مغصوب کی مقدار وغیرہ میں اختلاف ہو جائے اور کسی ایک کے پاس بھی گواہ نہ ہوں تو مالک کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ اصل واپس نہ کرنا ہے اسی طرح اگر مغصوب میں کسی عیب کے متعلق اختلاف ہو جائے تلف ہونے کے بعد غاصب کہے وہ مریض تھا یا اندھا تھا اور مالک اس کا انکار کرے تو مالک کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ عیبوں سے پاک ہو یہ حنفیہ کی رائے کے موافق ہے۔

خلاصہ یہ کہ غاصب کی تصدیق کی جائے گی جب مغصوب کے تلف اور باقی ہونے میں یا اس کی مقدار اور قیمت میں یا اس کی صفت وغیرہ میں اختلاف ہو اور مالک کی تصدیق ہوگی جب اختلاف واپس کرنے میں ہو دونوں کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔ اسی طرح ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے غاصب اور مالک کے دعویٰ کی صورت میں۔

۹۔ غاصب الغاصب..... کسی نے کسی کی کوئی چیز غصب کی پھر اس سے کسی اور نے غصب کر لی اور اس کے پاس وہ ہلاک ہو گئی تو ائمہ اربعہ کے ہاں مالک کو اختیار ہے چاہے تو پہلے غاصب کو ضامن قرار دے کیونکہ غصب اسی نے کیا ہے اور مالک کا قبضہ اسی نے زائل کیا ہے اور چاہے تو دوسرے غاصب یا تلف کرنے والے سے ضمان لے چاہے اسے غصب کا علم ہو یا نہ ہو اس لیے کہ دوسرے غاصب نے پہلے غاصب کا قبضہ زائل کیا ہے جو کہ مالک کے حکم میں ہے کہ وہ اس کے مال کی حفاظت کر رہا ہے اور مالک کو واپس کرنے پر قادر ہے نیز اس کا قبضہ غیر کے مال پر اس کی اجازت کے بغیر ثابت ہوا ہے اور جہالت ضمان کو ساقط نہیں کرتی، نیز تلف کرنے والے نے شیءِ کو تلف کیا ہے اور یہ تقاضا ہے اس کا جو قانونی طور پر معروف ہے کہ عینی حق مالک کا ہے مغصوب میں اور اس کے خواص میں سے ہے عین مغصوبہ کو تلاش کرنا چاہیے جس کے قبضہ میں وہ عین پائی جائے۔ اگر مالک نے پہلے کو ضامن قرار دیا جب کہ شیءِ مغصوب دوسرے غاصب کے پاس ہلاک ہوئی تھی تو غاصب اول دوسرے پر رجوع کرے گا ضمان کا اس لیے کہ یہ ضمان کی قیمت دینے کی وجہ سے مالک ہو گیا حنفیہ کے ہاں شیءِ مغصوب کا غصب کے وقت سے تو دوسرا پہلے کی ملکیت کو غصب کرنے والا ہوا اور پہلے غاصب کا رجوع کرنا دوسرے پر اس سب کی وجہ سے ہے کہ وہ مال کا نقصان ہے اس کے ہلاک ہونے کی وجہ سے۔

اگر مالک نے دوسرے غاصب یا تلف کرنے والے سے ضمان لیا تو یہ کسی ایک پر ضمان میں رجوع نہیں کرے گا اور ضمان اس کے ذمہ میں ثابت ہوگا اس لیے کہ وہ اپنے فعل کا ضامن ہوا ہے اور وہ مالک کا قبضہ زائل کرتا ہے یا اسے ہلاک کرتا ہے۔ اور مالک کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کچھ ضمان ایک سے لے لے اور کچھ دوسرے سے الا یہ کہ حنفیہ ابتداءً اس اختیار کی حالت کو مستثنیٰ کرتے ہیں اور وقف شدہ شیءِ مغصوب کو جب غصب کیا جائے اور غاصب ثانی پہلے سے زیادہ مالدار ہو تو متولی و منتظم وقف صرف دوسرے کو ضامن بنائے گا۔

حنفیہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ مالک جب کسی ایک غاصب کو ضامن بتائے تو دوسرا ضمان سے بری ہو جائے گا اگر وہ دوسرے کو بھی ضامن بنانا چاہے تو اسے اس کا اختیار ہے۔ جب دوسرا غاصب پہلے غاصب کو واپس کر دے تو وہ ضمان سے بری ہو جائے گا اور اگر مالک کو واپس

کردے تو دونوں بری ہو جائیں گے۔

غاصب اور جس کے ساتھ وہ رھن وغیرہ کا تصرف کرے..... حنفیہ کے ہاں مالک کو اختیار ہے کہ وہ غاصب اول کو یا مرتہن کو یا مستاجر کو یا مستعیر کو یا غاصب اول سے خریدنے والے کو یا جس ودیع کے پاس غاصب اول نے ودیعت رکھی کو ہلاک ہونے کی صورت میں ضامن بنائے اگر غاصب اول کو ضامن قرار دیا تو ضمان اسی پر ہوگا اور وہ کسی سے کسی چیز کا رجوع نہیں کرے گا لیکن اگر اس نے ضمان مرتہن وغیرہ سے لیا تو یہ غاصب اول پر رجوع کریں گے کیونکہ یہ اس کے لیے کام کررہے تھے اور مشتری جب ضامن بنے گا تو وہ ثمن کا رجوع غاصب پہ کرے گا اس لیے کہ بائع استحقاق مبیع کی صورت میں ضامن ہوتا ہے اور قیمت واپس کرنا عین واپس کرنے کی طرح ہے رہ گیا عاریت کے طور پر لینے والا غاصب سے اور موهوب وغیرہ تو ضمان انہیں پر ہوگا اگرچہ وہ غصب سے ناواقف ہی کیوں نہ ہوں اس لیے کہ وہ اپنے لیے کام کر رہے تھے۔

شوافع کے ہاں..... غاصب کے قبضہ پر مرتب قبضہ ضمان کا قبضہ ہے اگرچہ وہ غصب سے لاعلم ہوں اس لیے کہ انھوں نے غیر کی ملکیت پر قبضہ کیا ہے غیر کی اجازت کے بغیر اور لاعلمی ضمان کو ساقط نہیں کرتی بلکہ صرف گناہ نہیں ہوتا لہٰذا ان میں سے جس سے چاہے مالک مطالبہ کرسکتا ہے لیکن غاصب سے لینے والے پر ضمان غصب معلوم ہونے کی صورت میں ہوگا تاکہ اس پر غصب کا معنی صادق آئے اور اگر انہیں معلوم نہیں تو پھر اصل غاصب کا قبضہ ضمان کا ہے اگر وہ لاعلم ہوں غصب سے تو ان کا قبضہ قبضہ امانت ہوا جیسے ودیع مضارب وغیرہ تو اس صورت میں صرف غاصب پر ضمان ہوگا لینے والے پر نہیں اس لیے کہ یہ غاصب کے ساتھ معاملہ نائب ہونے کی حیثیت سے کررہے ہیں اور موهوب لہ پر ضمان ثابت ہے اگرچہ اس کا قبضہ کا نہیں لیکن چیز مالک بننے کے لیے لی جاتی ہے اور اسی پر غصب معلوم نہ ہونے کا حالت میں حنفیہ اور شوافع کے ہاں ضمان عاریت کی طور پر لینے والے اور موهوب لہ اور متصدق پر ہوگا صرف رہ گیا ودیع اور مضارب تو ان میں سے ہر ایک امین ہے لہٰذا ضمان غاصب پر ہوگا اور حنفیہ اور شوافع کے ہاں غاصب یا آخذ کے ضامن بننے میں کوئی اختلاف نہیں۔

۱۰۔ مغصوب کا خرچہ..... دوران غصب مغصوب کا نفقہ اور خرچہ غاصب پر ہوگا اس کے ظلم اور تعدی کی وجہ سے مالکیہ کی کتابوں میں ہے جو کچھ غاصب مغصوب پر خرچ کرے جیسے جانور کا چارہ زمین کو سیراب کرنا اور اس کی اصلاح اور درختوں کی دیکھ بھال وغیرہ جو چیزیں مالک کے لیے ضروری تھیں تو یہ نظیریں اس سرمایہ کاری کی جو غاصب نے حاصل کی مغصوب قبضہ میں ہوتے وقت اگرچہ اس نے ظلم کیا ہے لیکن اس پر ظلم نہیں کیا جائے گا اگر نفقہ نفع کے برابر ہے تو یہ واضح ہے اور اگر نفقہ زیادہ ہو نفع سے تو غاصب زائد کی صورت میں رجوع کا حقدار نہیں جیسے کہ مغصوب سے نفع نہ ہونے کی صورت میں تو ظلم کی وجہ سے نفقہ میں رجوع نہیں کرسکتا اور اگر اس کا نفع زائد ہو نفقہ سے تو مالک غاصب پر رجوع کرے گا حنابلہ اس بات میں منفرد ہیں کہ غاصب کو نفقہ دیا جائے گا زمین کے غصب اور اس پر زراعت کی صورت میں اور مالک کو اختیار ہے کہ وہ پیداوار رکھ لے اور غاصب کو اس کا نفقہ دے دے حدیث مذکورہ پر عمل کرتے ہوئے جو کسی قوم کی زمین پر ان کی اجازت کے بغیر زراعت کرے تو اس کے لیے پیداوار زمین سے کچھ بھی نہیں اور اس کے ذمہ اس کا نفقہ ہے اور دوسرا اختیار یہ ہے کہ مالک پکنے تک کھیتی زمین میں رہنے دے اور غاصب سے زمین کی اجرت اور نقصان کی دیت لے لے۔

دوسری بحث: مال ضائع کرنا اور اس کا حکم..... اس بحث میں تین مطلب ہیں اور ملحقات ہیں اتلاف مالی سے بحث ہوگی جو غصب کے بعد یا اس کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے یہ اس کا حکم ضمان کے اعتبار سے لیتا ہے۔

پہلا مقصد..... اتلاف کی تعریف اور اس کا ضمان کا سبب ہونا۔ دوسرا مقصد اتلاف کے ذریعہ ضمان واجب ہونے کی شرط۔ تیسرا

مقصد.....ضمان کی کیفیت و ماہیت: ان کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا مقصد: اتلاف کی تعریف اور اس کا ضمان کا سبب ہونا: اتلاف...... یہ کہ کسی چیز کو منفعت مطلوبہ سے نکالنا یہ موجب ضمان سبب ہے اس لیے کہ یہ تعدی اور ضرر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ......البقرة: ۲/ ۱۹۴

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لاضرر ولاضرار فی الاسلام کہ اسلام میں کا اصول یہ ہے کہ نہ ضرر پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے جب غصب پر ضمان واجب ہے تو اتلاف پر بطریق اولی واجب ہے اس لیے کہ ضرر محض اور تعدی ہے۔

اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ اتلاف مباشرۃ ہو مثلاً محل تلف کو بغیر کسی واسطے کہ نقصان پہنچانا، یا بطور سبب ہو وہ یہ کہ ایسا کام کرنا ایسی جگہ جو تلف کا سبب بنے۔ جیسا کہ اتلاف کے ضمان میں فرق نہیں پڑتا عمداً ہو یا خطاءً اور نہ ہی بلوغ اور عدم بلوغ اور تمیز یا عدم تمیز ہے پس تنف کرنے والا چاہے عمداً کرے یا خطاءً ائمہ اربعہ کے ہاں وہ ضامن ہے اسی طرح جمہور فقہاء کے ہاں بڑا چھوٹا پاگل سویا ہوا سب ضامن ہیں، البتہ مالکیہ نے سمجھدار اور ناسمجھ بچے میں فرق کیا ہے سمجھدار بچہ نقصان پورا کرے گا اگر اس کے پاس مال ہو اور اگر مال نہ ہو تو اس کا پیچھا کیا جائے گا۔ رہ گیا ناسمجھ بچہ تو تلف کرنے کی صورت میں اس پر کچھ نہیں جیسے عجماء پر اور اسی طرح مجنون بھی ہے ہاں مالکیہ کے ہاں معتمد یہ ہے کہ بغیر کسی فرق کے سمجھدار ارنا سمجھ کے تو نقصان پورا کرنے کے لیے سب پر ضمان ہے۔ البتہ بعض صورتوں میں فقہاء کرام سبب بننے کی تقدیر میں اختلاف کرتے ہیں۔ کچھ یہ ہیں۔

پہلی بات: دروازہ کھولنا یا جانور کی رسی کھولنا...... جس شخص نے دکان کا دروازہ کھولا پھر اسے اسی طرح کھلا چھوڑ دیا مال کسی نے چوری کر لیا یا چور کو بتایا یا ظالم کو بتایا یا کسی نے پنجرہ کا دروازہ کھولا اور پرندہ اڑ گیا یا جانور کی رسی کھول دی وہ بھاگ گیا یا اصطبل کا دروازہ کھولا گھوڑے نکل گئے یا کشتی کی رسی کھول دی وہ غرق ہوگئی یا ہوا اسے لے گئی ان تمام مثالوں میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں سبب بننے والا ضامن نہیں اس لیے کہ صرف کھولنا وغیرہ اتلاف نہیں نہ مباشرۃً نہ تسبباً اس لیے کہ تلف میں ایک اور عنصر کارگر ہے وہ چوری، اڑنا بھاگنا اور غرق ہونا وغیرہ ہے چور مباشر ہے پرندہ اور جانور جس نے بھاگنا اختیار کیا پانی اور ہوا غرق کرنے اور ضائع کرنے کے سبب ہیں پس صرف دروازہ کھولنا اور رسی وغیرہ کھولنا سبب محض نہیں لہٰذا ان کے لیے حکم بھی نہیں۔

مالکیہ حنابلہ اور امام محمد بن حسن کے ہاں یہ سبب بننے والا ضامن ہے اس لیے کہ وہ اتلاف کا متسبب ہے اور طبعی اور عادی طور پر ضرر کا ظاہر ہونا متوقع ہے یہی رائے منطقی اعتبار سے درست ہے اور مجلّہ میں دفعہ ۹۲۲ پر اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

شوافع نے اس معاملہ میں تفصیل کی ہے جس نے پنجرے کا دروازہ کھولا اور پرندے کو اڑنے پر ابھارا تو وہ اس حالت میں ضامن ہوگا اس لیے کہ اس نے اسے اڑنے پر مجبور کیا ہے لیکن اگر اس نے صرف دروازہ کھولا اظہر یہ ہے کہ اگر وہ اسی حالت میں اڑ گیا تو ضامن ہوگا اس لیے کہ اس کا فی الحال اڑنا اس کے فرار کرنے کی خبر دیتا ہے اگر پرندہ رکا رہا پھر بعد میں اڑا تو یہ ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ بعد میں اڑنا اس کے اختیار سے ہے یہی تفصیل جانور کی رسی اور اصطبل کا دروازہ کھولنے پر منطبق ہوتی ہے اسی طرح اگر وہ کسی برتن وغیرہ میں موجود سامان یا گھاس وغیرہ کی رسی کھولے اور جانور اسے فی الحال کھالے تو یہ ضامن ہوگا اور اگر کسی نے دکان کا دروازہ کھولا اس سے کسی نے چوری کر لی یا چور کی رہنمائی کی اس نے چوری کر لی تو اس پر کوئی ضمان نہیں کیونکہ اس سے ایسا سبب نہیں بنا جس یہ ضمان معلق کرنا ممکن ہو اور اگر کشتی کی رسی کھولی وہ غرق ہوگئی اگر فی الحال غرق ہوئی تو ضامن ہوگا اس لیے کہ یہ اس کے فعل سے تلف ہوئی اور اگر ٹھہری رہی پھر غرق ہوئی اب اگر ہوا کی وجہ سے ہوئی تو ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کے فعل سے غرق نہیں ہوئی اور اگر کسی نئے سبب سے ہلاک نہ ہوئی تو اس میں دو رائے ہیں ایک یہ کہ

ضامن نہ ہوگا دوسرے یہ کہ ضامن ہوگا۔

دوسری بات: گھی کا برتن کھولنا...... اگر کسی شخص نے گھی تیل وغیرہ کے برتن کا منہ کھولا جو کچھ اس میں تھا وہ بہہ گیا تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں: اگر تیل اور گھی وغیرہ پگھلے ہوئے تھے اور بہہ گئے تو ضامن ہوگا اور اگر گھی وغیرہ جامد تھا پھر سورج سے پگل کر بہہ گیا تو ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ مائع چیز بہتی ہے اپنی طبیعت کے اعتبار سے جب بھی اسے سوراخ ملے کہ عادۃً اس کا روکنا مشکل ہوتا ہے پس رسی کھولنا اس کا اتلاف ہے رہ گئی جامد چیز تو وہ اپنی طبیعت کے اعتبار سے نہیں بہتی اگر وہ سورج کی حرارت کی وجہ سے بہہ جائے تو برتن کھولنے والا اتلاف کا سبب نہیں ہوگا اور نہ ہی مباشر مالکیہ، حنابلہ اور امام محمد بن حسن کے ہاں: جو شخص کسی کا مشکیزہ کھولے اور اس میں مائع تیل ہو وہ بہہ جائے تو ضامن ہوگا یا جامد چیز کی رسی کھول دی پھر سورج کی حرارت سے گرم ہو کر وہ بہہ گئی یا برتن سیدھا تھا ہوا نے اسے الٹا دیا یا زلزلہ نے اور اس میں جو کچھ تھا وہ فی الحال بہہ گیا یا تھوڑا تھوڑا ہو کر بہہ گیا تو ان تمام صورتوں میں وہ ضامن ہوگا، شوافع نے تفصیل کی ہے: کہ اگر برتن زمین پر پڑا ہوا ہو کھولنے سے جو کچھ اس میں وہ نکل کر تلف ہو جائے تو ضامن ہوگا اگر چہ وہ سورج کی تپش سے ہوا سے یا وقت گزرنے سے بہہ جائے تب بھی ضامن ہوگا اس لیے کہ یہ اتلاف اس کے فعل کی وجہ سے ہوا ہے چاہے مالک موجود ہو یا نہ ہو اور یہ روکنا ممکن تھا لیکن اس نے نہیں روکا۔

اور اگر برتن کسی چیز پر نصب تھا اس نے کھول دیا اب اگر کھولنے کی وجہ سے وہ گر گیا اور جو کچھ اس میں تھا وہ نکل گیا یا نیچے سے ابلنے کی وجہ سے تو ضامن ہوگا اور اگر ہوائی وجہ سے یا زلزلہ کی وجہ سے گرا یا کسی پرندے وغیرہ کی وجہ سے تو ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ تلف اس کے فعل سے حاصل نہیں ہوا۔

تیسری بات: خوف...... اگر حاکم نے کسی عورت کی طرف مجلس قضاء میں بلانے کے لیے کسی کو بھیجا اس کا بچہ خوف کی وجہ سے گر گیا اور اس عورت کی عقل ماقوف ہوگئی تو امام ابوحنیفہ اور ابن حزم کے ہاں اس میں کسی پر کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ سبب نتیجہ سے متصل نہیں اور جمہور فقہاء کے ہاں حاکم دیت کا ضامن ہوگا حادثہ عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اس بارے میں جنایات میں تفصیلی بات ہوگئی ہے۔

چوتھی بات: روکے رکھنا اور حائل ہونا...... جس شخص نے مالک کو اپنے مال سے روکے رکھا یہاں تک کہ مال تلف ہو گیا یا جانوروں سے روکے رکھا اور وہ مر گئے تو جمہور حنفیہ کے ہاں اگر مال منقول ہے تو ضامن ہوگا اور اگر عقار ہے تو ضامن نہ ہوگا یہ رائے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی ہے جو عقار کے غصب کے قائل نہیں اور امام محمد کے ہاں عقار میں بھی جاری ہوتا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں...... جو بھی یہ عمل کرے گا وہ ضامن ہوگا کیونکہ یہی سبب ضمان ہے شوافع کے ہاں اگر سبب بننے والے کا ارادہ مالک کو ملکیت سے روکنا ہو تو ضامن ہوگا یہی حائل ہونے کی ابتداء ہے کہ کسی شخص اور اس کے مال کے درمیان حائل ہو جائے کہ وہ چیز تلف ہو جائے اگر چہ مالک کو ملکیت سے منع کرنے کا ارادہ نہ ہو اور وہ ضامن نہ ہو اس لیے کہ اس نے مال میں تصرف نہیں کیا بلکہ مالک میں تصرف کیا ہے؟ اس سے ظاہر ہوا کہ مالک اور اس کی ملکیت کے درمیان حائل ہونا اسباب ضمان میں سے چوتھا سبب ہے جمہور فقہاء کے ہاں اور حنفیہ کے صرف منقول میں۔

دوسرا مقصد: اتلاف کی وجہ سے ضمان واجب ہونے کی شرطیں...... اتلاف کے سبب سے ضمان ہونے کی شرطیں یہ ہیں۔

۱..... تلف ہونے والی چیز مال ہو لہٰذا مردار کے تلف اور اس کی کھال، خون، مٹی، کتا، نجس گوبر وغیرہ کو تلف کرنے پر ضمان نہیں۔

۲۔..... متلف علیہ کی نسبت سے وہ منقول ہو اور متقوم وہ ہے جس سے حالت اضطرار کے علاوہ نفع اٹھانا جائز ہو چنانچہ مسلمان کی شراب

اور خنزیر کے تلف پر ضمان نہیں چاہے تلف کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی اس لیے کہ مسلمان کے حق میں شراب اور خنزیر کی کوئی قیمت نہیں اس لیے کہ شرعاً اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں لہٰذا ان کی کوئی قیمت نہیں۔ رہ گئیں غیر مسلم ذمی کی شرابیں اور خنزیر تو چاہے مسلمان یا ذمی نقصان کرے ضامن ہوگا مسلمان کے ذمہ قیمت لازم ہوگی اور غیر مسلم کے ذمہ مثل لازم ہوگا حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں شوافع اور حنابلہ کے ہاں ضامن نہیں اس لیے کہ خون مردار اور تمام نجس چیزوں کی طرح ان کی کوئی قیمت نہیں اور جس سے نفع اٹھانا حرام ہو اس کا بدل نہیں ہوتا جیسا کہ غصب غیر متقوم میں بیان ہوا جمہور فقہاء اور ان میں صاحبین بھی ہیں کے ہاں بتوں کو توڑنے گانا گانے کے آلات جیسے مزمار رباب اور باجا وغیرہ موسیقی کے آلات توڑنے پر ضمان نہیں کیونکہ ان کی کوئی قیمت نہیں اس لیے کہ ان سے نفع اٹھانا حرام ہے اور اس کے مقابل میں کوئی چیز نہیں آسکتی لہٰذا ان کی کوئی قیمت نہیں الخ۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں.....صرف لکڑی کے اعتبار سے ضامن ہوگا اس لیے کہ یہ آلات جس طرح لہو فساد کے لیے استعمال ہوتے ہیں اسی طرح دوسرے اعتبار سے یہ نفع کے قابل بھی ہیں لہٰذا یہ مال متقوم ہیں۔

اسی طرح وہ احوال جو مباح ہیں اور کسی کی ملک میں نہیں۔ ان کو تلف کرنے پر ضمان نہیں کیونکہ یہ قیمتی نہیں اس لیے کہ قیمت ہوتی ہے کسی چیز کے عزیز ہونے اور اہمیت والی ہونے کی وجہ سے اور یہ صورت حفاظت اور غلبہ پانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح فاسق اور گمراہ لوگوں کی کتابیں جلانے پر بھی ضمان نہیں اس لیے کہ یہ جھوٹ پر مشتمل ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے لوگوں کا عقیدہ اور وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے لہٰذا ان کا ضائع کرنا اور انہیں مٹانا واجب ہے اور ان کا جلانا زیادہ اولیٰ ہے آلات لہو کے ختم کرنے سے اس لیے کہ ان کتابوں کا نقصان دوسری چیزوں سے زیادہ ہے اور اس میں ضمان نہیں جس طرح شراب کے برتن اور مٹکے توڑنے میں ضمان نہیں اور صحابہ کرام ان تمام مصاحف کو جلا دیا تھا جو ایک خط کے مصحف کے علاوہ تھے یعنی حضرت عثمان کے مصحف کے علاوہ جب انہیں خطرہ ہوا امت میں اختلاف کا تلاوت اور لہجہ میں فرق کی وجہ سے۔

۳۔ تلف اور ضرر دائمی ہو.....پس اگر چیز اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آئی تو اس پر ضمان نہ ہوگا مثلاً مریض کا علاج کروا دیا یا اس مدت میں جانور کے دانت پیدا ہو گئے اس لیے کہ نقصان جو اس کے پاس ہوا تھا وہ ختم ہو گیا تو نقصان ہوا ہی نہیں اور نقصان کی وجہ سے متعدی سے جو کچھ لیا گیا تھا وہ واپس کیا جائے گا اس لیے کہ ظاہر ہو گیا نقصان موجب ضمان نہ تھا اس لیے کہ شرط وجوب نہ پائی گئی وہ دائمی طور پر نفع اٹھانے سے عاجز آجانا ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے صاحبین کے ہاں جنایت کرنے والے پر کامل دیت ہے اس لیے کہ جنایت دیت کی موجب ہے جو واقع ہوئی اور جو دانت وغیرہ پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ کی جدید نعمت ہے۔

۴۔ تلف شدہ چیز ضمان کی اہل ہو.....اگر کسی کے جانور نے کوئی مال ضائع کر دیا تو ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ جانوروں سے جو نقصان پہنچا اس کا کوئی بدل نہیں۔ اور مالکیہ کے ہاں تمیز وغیرہ کوئی شرط نہیں وجوب ضمان کے لیے۔

۵۔ ضمان واجب کرنے میں کوئی فائدہ ہو.......تاکہ صاحب حق وصول کر کے اپنے حق تک پہنچے اگر ضمان میں کوئی فائدہ نہ ہو یعنی اگر صادر حکم کے نفاذ پر قدرت نہ ہو تو ضمان نہیں۔ اسی بناء پر مسلمان پر حربی کا مال ضائع کرنے پر کوئی ضمان نہیں اور نہ ہی دار الحرب میں حربی کے ذمہ ضمان ہے جب وہ مسلمان کا مال ضائع کر دے اس لیے کہ حاکم شہر کو دوسرے شہر کے افراد پر حکم کا اختیار اور ولایت حاصل نہیں اور نہ ہی ان کا مال محترم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے مال کے محترم ہونے کی شرط لگائی ہے پس حربی کا مال شریعت کی نظر میں مباح ہے جو اسے لے گا وہ غاصب شمار نہ ہوگا[1] اسی طرح اگر کوئی عادل جب باغی کا مال تلف کر دے تو اس پر ضمان نہیں اور باغی کر دے عادل کا مال تلف تو اس پر بھی

---

[1] ..... نہایۃ المحتاج: ۴/۱۱۱۔

ضمان نہیں کیونکہ ضمان وصول کرنے کا امکان نہیں حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات نے قید لگائی ہے کہ عادل اور باغی لوگوں کے اوپر ضمان دوران لڑائی نہیں۔شوافع نے اضافہ کیا ہے اس شرط پر کہ مال پر قبضہ ثابت ہو لہٰذا ضامن نہیں ہوگا اگر پرندہ دور سے دیکھ کر بھاگ جائے اور پنجرے سے نکل جائے اور مشتری قبضہ سے پہلے مبیع کے تلف ہونے کی وجہ سے ضامن نہیں ہوگا۔

رہ گئی شرائط جو سبب کی وجہ سے تلف ہونے پر ضمان کے لیے ضروری ہیں وہ تین ہیں جیسے حنفیہ نے ذکر کیا۔

۱۔تعدی......سبب بننے والے کی طرف سے تعدی ہو یعنی حق سے تجاوز یا جس کی شریعت نے گنجائش دی ہوئی ہے مثلاً کوئی شخص کنواں کھودے عام راستے میں حاکم کی اجازت کے بغیر یا کسی غیر کی ملکیت میں ظلماً یا ضرر لاحق ہونے کی احتیاطیں اور تدابیر اختیار نہ کرے اگر چہ اجازت ہی سے ہو اس میں اگر کوئی انسان جانور وغیرہ گر جائے تو کھودنے والا ضامن ہوگا اور اسی کی مثل اگر ہوا والے دن کوئی شخص آگ روشن کرے اور اس کے ذریعہ کسی کا مال ضائع ہو جائے یا کسی کا برتن کھولے اور اس میں کوئی مائع چیز ہو جو بہہ جائے یا رسید کو پھاڑ دے جس سے حقوق ضائع ہو جائیں یا پرندے کا دروازہ کھول دے اور وہ اڑ جائے امام صاحب اور امام ابو یوسف کے ہاں یا راستہ راستے میں بوجھ اٹھا کر جا رہا ہو اور وہ کسی پر گرے اور تلف ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں ضامن ہوگا۔

۲۔عمداً......یعنی یہ کام جان بوجھ کر اپنے ارادہ اور قصد سے کرے مثلاً کسی کی پانی کی باری کو تلف کر دے بایں طور کہ وہ غیر کے پانی سے اپنی زمین کو سیراب کرے یا اپنے پڑوسی کی زمین میں جانے والے پانی کو روک دے اور اس کی کھیتی خشک ہو جائے یا کسی کا کپڑا کپڑے اور اس میں سے سامان گر جائے اور ضائع ہو جائے تو ضامن ہوگا لیکن اگر عمداً ایسا نہ کرے جیسے کوئی جانور کسی سے بدک کر بھاگ جائے اور ہلاک ہو جائے تو کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ ایسا عمداً نہیں ہوا حقیقت یہ ہے کہ تعمد سے مراد تعدی ہے چاہے وہاں قصد وارادہ ہو یا نہ ہوا گر پاگل کسی کے جانور کے پاس چیخے وہ بدکے سوار یا بوجھ گر جائے اور ضائع ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا اگر چہ یہاں نقصان کا ارادہ تو نہیں لیکن تعدی ہے اور قاعدہ ہے مستبب تعدی کے بغیر ضامن نہیں ہوتا اور مباشر ضامن ہوتا ہے اگر چہ تعدی نہ بھی ہو۔

۳۔کہ سبب نتیجہ تک پہنچادے......عادت کے اعتبار سے کوئی دوسرا سبب اس میں داخل نہ ہو با الفاظ دیگر سبب اور مسبب کے درمیان کسی اور شخص کا فعل نہ ہو یا تلف کی دوسرے کے فعل سے نہ ہوا گر کوئی دوسرا عنصر اس میں داخل ہو گیا تو پھر فعل کی نسبت مباشر کی طرف ہوگی۔یعنی مباشر اور مسبب دونوں شریک ہو گئے تو مباشر ضامن ہوگا اگر وہ سبب انفرادی طور پر عادۃً تلف پر اثر انداز نہ ہو جیسے کسی نے ظلماً کسی جگہ پر کنواں کھودا پھر کھودنے والے کے علاوہ کوئی آیا اور اس نے کسی انسان یا حیوان تو اس میں دھکیل دیا تو ضمان کھودنے والے پر نہ ہوگا ہاں اگر خود کوئی انسان یا جانور اس میں گر کر ہلاک ہو گیا تو یہ کھودنے والا ضامن ہوگا اور اگر سبب ایسا ہے جو انفرادی طور پر اثر انداز ہو سکتا ہے تو پھر متسبب اور مباشر دونوں ہوں گے ضمان میں جیسے کوئی مالک کی اجازت سے اس کے جانور کو بھگائے اور وہ کسی انسان کو روند ڈالے تو ضمان دونوں پر ہوگا اس لیے کہ یہاں سبب انفرادی طور پر مؤثر ہے کما اوضحت فی الجنایات۔

اور ضامن کوئی شرط نہیں کہ وہ بالغ ہو عاقل ہو فقہاء کے ہاں اس لیے کہ بچہ اور پاگل بھی اموال تلف کرنے کی وجہ سے ضامن ہوں گے۔اور ضرورت کی حالت بھی ضمان معاف ہونے کا سبب نہیں پس جو شخص اضطرار کی حالت میں کسی دوسرے کا مال کھا لے تو اس پر ضمان ہے باوجود اس کے کہ جان بچانے کے لیے کھانا اس کے لیے مباح ہے کیونکہ قاعدہ ہے اضطرار غیر کے حق کو باطل نہیں کرتا اسی طرح جہالت اور لاعلمی بھی معافی کا سبب نہیں اس بات کا معلوم ہونا کہ تلف شدہ مال غیر کا ہے یہ وجوب ضمان کے لیے شرط نہیں اگر کسی نے اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے مال تلف کیا پھر ظاہر ہوا کہ یہ غیر کا مال تھا تو وہ ضامن ہوگا اس لیے تلف کا وجود اس کے علم پر موقوف نہیں کہ غیر کا مال ہو خلاصہ یہ کہ اگر اتلاف میں علم بھی ہو تو پھر ضمان کے ساتھ ساتھ اخروی گناہ بھی ہوگا اور اگر جہالت کی وجہ سے ہو تو پھر صرف ضمان واجب ہوتا ہے اور گناہ نہیں

ہوتا اس لیے کہ خطاء میں شرعاً مواخذہ نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور نسیان کو اور جس پر مجبور کیے جائیں اٹھالیا ہے۔ ❶

تیسرا مقصد: ضمان کی کیفیت و ماہیت...... مال اتلاف میں وہی واجب ہے جو غصب میں واجب ہے یعنی اگر وہ چیز مثلی ہے تو مثل واجب ہوگا اور اگر قیمی ہے تو تلف کے دن کی قیمت واجب ہوگی اس لیے کہ اتلاف کا ضمان تعدی کا ضمان ہے اور تعدی صرف مثل سے مشروع ہے لہٰذا ممکنہ حد تک مثل پر عمل کرنا واجب ہے اور تعذر کے وقت مثل معنوی یعنی قیمت پر جیسا کہ غصب میں ہوتا ہے۔

آٹھویں فصل: حملہ آور سے دفاع...... اور دفاع کرنے والے کے فعل کا ضمان اور دفاع شرعی اس میں چار بحثیں ہیں: دفاع کی مشروعیت، اس کے مراحل، حکم، شرائط، آیا یہ حق ہے یا واجب ہے اور فعل کا ضمان۔

پہلی بحث: دفاع کی مشروعیت مراحل اور حکم...... جب کوئی شخص کسی دوسرے پر تعدی اور ظلم کرے اس کے نفس مال یا غیرت پر ڈاکہ ڈالے یا اس پر حملہ کرے اس کا مال یا جان لینے کا ارادہ رکھتا ہو یا اس کی بیوی سے زنا کا ارادہ کرے یا اس پر کوئی جانور حملہ کرے تو جس پر حملہ کیا جارہا ہے تو وہ جتنی طاقت رکھتا ہے اس کی بقدر اس ظلم کو روکے اور دوسروں کے لیے لازم ہے کہ وہ اس کے دفاع میں تعاون کریں اور اگر چور کسی قافلہ پر ڈاکہ ڈالیں تو قافلہ والوں کے علاوہ کے ذمہ ہے کہ وہ اہل قافلہ کا دفاع کریں: اور دفاع کرنے والا ممکنہ حد تک ہلکی صورت اختیار کرے اگر ظالم کو بات چیت اور لوگوں کو مدد کے لیے پکار کر روکنا ممکن ہو تو پھر اسے مارنا حرام ہے اور اگر ہاتھ کے ذریعہ مارنے سے دفاع ممکن ہے تو کوڑا استعمال کرنا حرام ہے اور اگر کوڑے سے دفاع ممکن ہے تو عصا استعمال کرنا حرام ہے اور اگر کوئی عضو کاٹ کر دفاع ممکن ہو تو قتل کرنا حرام ہے اگر قتل کے بغیر دفاع ممکن نہیں تو قتل کرنا حلال ہے اس لیے کہ یہ دفاع کی ضروریات میں سے ہے اگر کوتلوار لے کر اس پر حملہ آور ہو تو دفاع کرنے والے کے لیے اسے قتل کرنا جائز ہے اس لیے کہ وہ قتل کے علاوہ دفاع پر قادر نہیں اس لیے کہ اگر وہ لوگوں کو مدد کے لیے پکارے گا اس سے پہلے کہ کوئی مدد کے لیے آئے وہ قتل کیا جاسکتا ہے کیونکہ اسلحہ کا اثر فوری ہے۔

خلاصہ...... یہ کہ دفاع کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ حملہ آور چیخنے اور اسلحہ سے ہٹ کر مارنے سے باز آجائیں گے تو وہ ایسا ہی کرے ورنہ اس کے لیے اسلحہ استعمال کرنا جائز ہے قتل اور اسلحہ کا استعمال ضرورت کی بنیاد پر ہے اس قاعدہ الضرر لایزال بالضرر کسی ضرر کا اس کے مثل ضرر اختیار کر کے ازالہ نہ کیا جائے سے یہ صورت مستثنیٰ ہے اور اثقل کے استعمال کی ضرورت نہیں جب اسہل سے مقصود حاصل ہوسکتا ہو اور یہ بات معلوم ہے کہ ضرورت بقدر ضرورت ہی متیقن ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر دفاع کرنے والا بھاگ کر یا کسی قلعہ و گروہ سے مدد طلب کر کے بچ سکتا ہے اور اس پر ایسا کرنا واجب ہے جیسا کہ شوافع حنابلہ اور مالکیہ نے بھی اس کی وضاحت کی ہے اور اس صورت میں حملہ آور کو قتل کرنا حرام ہے اس لیے کہ جس پر حملہ ہو رہا ہے اور اھون کو اختیار کرنے خلاصی پانے کا حکم ہے اور یہ بات واضح ہے کہ بھاگ وغیرہ جانا اسہل ہے لہٰذا اشد کی طرف نہ جائے ❷ عز بن عبد السلام نے فرمایا جب حملہ آور حملہ سے رک جائے تو اسے قتل کرنا حرام ہے ❸ دفاع کی مشروعیت کی دلیل قرآن، سنت اجماع میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

البقرۃ ۲: ۱۹۴

تقویٰ کا حکم اس بات پر دلیل ہے کہ ابتداءً مماثلت کا خیال رکھا جائے اور بتدریج اخف سے اوپر کی طرف جایا جائے اور سنت میں بہت

❶...... رواہ ابن ماجہ۔ ❷ البدائع ۷/۹۳۔ ❸ قواعد الاحکام: ۱/۱۹۵

ساری احادیث ہیں: ان میں سے جو دین کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے جو اپنے خون کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے جو مال کے دفاع میں مارا گیا ہو شہید ہے، جو اہل وعیال کے دفاع میں مارا گیا وہ شہید ہے ❶ اس حدیث میں دلیل ہے دین، خون، مال اور عزت کی خاطر اور دفاع کرنے کی اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دفاع کرنے والے کو شہید قرار دیا تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اس کا قتل وقتال کرنا جائز ہے، رہ گیا دوسرے کا دفاع کرنا تو اس کی اساس وبنیاد محترم چیزوں کی حفاظت سے مثلاً جان مال وغیرہ اگر تعاون نہ ہو تو پھر لوگوں کے جان ومال ضائع ہو جائیں اس لیے کہ ڈاکو مثلاً اگر کسی شخص کا انفرادی طور پر مال لیں اور دوسرا اس کا تعاون نہ کرے تو پھر وہ ہر ایک کا ایک ایک کر کے مال لے لیں گے اسی طرح دوسروں کا بھی جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اپنے بھائی کی مدد کر چاہے ظالم ہو یا مظلوم صحابہ نے عرض کی اگر وہ ظالم ہو تو اس کی کیسے مدد کریں تو آپ نے فرمایا اسے ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے ❷ نیز آپ کا ارشاد ہے جس شخص کے سامنے کسی مسلمان کو ذلیل کیا جا رہا ہو وہ قدرت اور طاقت ہونے کے باوجود اس کی مدد نہ کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے اسے ذلیل کریں گے ❸ اور ایک حدیث میں ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کا فتنوں میں تعاون کرنے والے ہیں۔ ❹

دفاع کا شرعی حکم......مباح ہے پس دفاع کی تمام صورتیں اور حالتیں فقہاء کے ہاں مباح ہیں پس دفاع کرنے والے سے دونوں اعتبار یعنی دینی اور جنایت کے اعتبار سے کوئی مسئولیت نہیں الا یہ کہ وہ حدود شرع سے تجاوز کرے کہ اس کا کام جرم بن جائے اور اس پر قصاص ہوگا اور دفاع کرنے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ قتل کے ذریعہ دفاع جب کہ گواہوں سے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کے علاوہ وہ نہیں ہٹتا۔ مثلاً گواہ گواہی دیں کہ حملہ آور اسلحہ سے لیس ہو کر ہی آتا ہے اور اس پر بھی آیا ہے اور اسے مارا ہے اس سے صرف دفاع کرنے والے کی بات قابل قبول نہ ہوگی کہ حملہ آور نے اس کے گھر پر حملہ کیا ہے اور قتل کے علاوہ اس سے دفاع ممکن نہ تھا جیسا کہ گواہوں کی بات معتبر نہ ہوگی جب وہ کہیں ہم نے حملہ آور کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا ہے جب تک اسلحہ کا تذکرہ نہ کریں اگر کوئی بھی گواہ موجود نہ ہو تو پھر مالکیہ کے ہاں دفاع کرنے والے کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔

دوسری بحث: حملہ آور کے دفاع کی شرائط......دفاع کے لیے چار شرطیں ہیں: جمہور فقہاء کے ہاں وہاں پر تعدی ہو اور حنفیہ کے ہاں تعدی ایسی ہو کہ اس جرم کا بدلہ دیا جا سکتا ہو۔ پس اگر والد نے اپنے بچے کو ادب سکھانے کی خاطر سزا دی یا شوہر یا استاد نے تو یہ تعدی نہیں اور جلاد کا فعل بھی اعتداء شمار نہیں ہوتا بچے پاگل اور حیوان کا حملہ بھی حنفیہ کے ہاں جرم نہیں۔ اگر کسی شخص نے حملہ آور اونٹ وغیرہ کو قتل کر دیا تو حنفیہ کے ہاں ہر حالت میں قیمت کا ضامن ہوگا اس لیے کہ تلف ہونے کی صورت میں حالت ضرورت میں ضمان ہوتا ہے اور ان کے ہاں قاعدہ ہے: اضطرار غیر کے حق کو باطل نہیں کرتا اور جانور کا نقصان رائیگاں ہے اور جمہور کے ہاں نہ تاوان ہے نہ ضمان دفع کرنے والے پر جبکہ وہ قتل کرنے یا مارنے کے بغیر نہ بچ سکتا ہو، اس لیے کہ دوران دفاع اس کا قتل کرنا جائز ہے اور اس کے شر کو دفع کرنے اور حملہ آور انسان پر قیاس کرتے ہوئے جبکہ انسان کے نفس کی عزت وحرمت مال سے زیادہ سے نیز حرم کے شکار پر قیاس کرتے ہوئے کہ اگر وہ حملہ کر دے تو اس کا خون رائیگاں ہے اور یہ مضطر کی اس حالت سے مختلف ہے جس میں وہ غیر کے کھانے کی طرف مضطر ہو اس لیے کہ طعام نے مضطر کو اتلاف کی طرف مجبور نہیں کیا اور اس سے ایسی چیز صادر نہیں ہوئی جو اس کی عظمت کو زائل کر دے حنفیہ کے علاوہ کا مذہب جانور بچے مجنون کے حملہ کی صورت میں معقول ہے۔

۲......اسی وقت تعدی اور ظلم ہو صرف دھمکی نہ ہو۔

۳. اس کے علاوہ کوئی طریقہ ممکن ہی نہ ہو دفاع کا اگر کوئی اور طریقہ ممکن ہو جیسے لوگوں کو مدد کے لیے پکارنا تو پھر قتل نہ کرے ورنہ یہ

---

❶ ...رواہ اصحاب السنن الاربعہ۔ ❷ رواہ البخاری۔ ❸ مسند احمد۔ ❹ ایضًا۔

تعدی کرنے والا ہوگا۔

تیسری بحث: آیا حملہ آور سے دفاع مباح ہے یا واجب ہے......اس بحث میں کلام تفصیل کا تقاضا کرتا ہے دفاع کے تمام حالات میں علیحدہ طور پر۔

نفس (جان) سے دفاع کا حکم......جب کوئی شخص کسی پر حملہ کرے اس کی جان لینے یا اعضاء میں سے کوئی عضو کاٹنے کا ارادہ کرے چاہے کوئی انسان ہو یا جانور تو امام ابوحنیفہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں دفاع کرنے والے پر اپنے نفس کا دفاع واجب ہے الّا یہ کہ شوافع وجوب دفاع کو مقید کرتے ہیں اس سے کہ حملہ آور کافر یا جانور ہو اس لیے کہ کافر کو امن دینا دینی اعتبار سے ذلت ہے اور جانور انسان کے بدلے ذبح کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر حملہ آور مسلمان ہو تو اس کو امن دینا جائز ہے بلکہ مسنون ہے ابوداؤد کی روایت ہے آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے جو اچھا ہے وہ بنو یعنی ہابیل اور قابیل میں سے یہ صحابہ کے سامنے مشہور بات تھی کسی ایک نے اس پر انکار نہیں کیا شوافع کے ہاں کسی دوسرے کا دفاع کرنا ایسا ہی ہے جیسے اپنا کرنا مالکیہ نے وجوب دفاع کو مقید کیا ہے کہ ڈرانے کے بعد ہو اگر ممکن ہو مثلاً اسے کہے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ تم مجھے چھوڑ دو وغیرہ اب اگر نہ رو کے تو پھر قتل کرنا جائز ہے۔

دفاع واجب ہونے کی دلیل یہ ہے: فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ......البقرۃ: ۲/۱۹۵

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ......الحجرات: ۴۹/۹

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ ......البقرۃ: ۲/۱۹۴

وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ......الشوریٰ ۴۲/۴۰

اور اس لیے بھی کہ انسان پر اپنے نفس کی حفاظت کے لیے بھوک کی حالت میں کھانا واجب ہے تو نفس کا دفاع بھی واجب ہے حنابلہ کے ہاں اور ان کی رائے سنت سے متفق ہے کہ حملہ آور کو روکنا جائز ہے واجب نہیں چاہے حملہ آور چھوٹا ہو یا بڑا یا پاگل: کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتنے کے دور کے بارے میں ارشاد ہے اپنے گھر میں رہو اگر تمہیں سورج کی روشنی چہرے پر پڑنے کا خطرہ ہو تو اپنے چہرہ کو ڈھانپ لو اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ فتنے کے وقت اللہ تعالیٰ کے مقتول بندے ہو قاتل نہ بنو" اور صحیح روایت سے ثابت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے غلاموں کو دفاع سے روک دیا تھا حالانکہ وہ چار سو تھے اور آپ نے فرمایا جو پھینک دے وہ آزاد ہے نیز یہ کہتے ہیں کہ کھانے کی طرف مجبور آدمی سے یہ مختلف ہے اس کے ذمہ کھانا لازم ہے اور قتل میں شہادت ہے اور دوسرے کے نفس کو زندہ کرنا ہے اور کھانے میں صرف اپنے نفس کو زندہ کرنے کے لیے کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے بغیر۔

چوتھی بحث: فعل کا ضمان......فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دفاع کرنے والا جب حملہ آور کو قتل کر دے تو اس سے کوئی مسئولیت نہیں نہ دیت نہ قصاص کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے اپنی تلوار نکالی پھر اس سے کسی کو مارا اور وہ خود مر گیا تو اس کا خون رائیگاں ہے نیز حملہ کرنے والا باغی ہے اور جس پر حملہ کیا گیا وہ اپنے واجب حق کو ادا کر رہا ہے اپنی جان کے دفاع اور شر کو دور کر کے البتہ حنفیہ چند لوگوں کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ حملہ آور اگر بچہ پاگل یا جانور ہو تو پھر اس کے ذمہ دیت ہوگی قصاص نہیں اور بچے، پاگل کی طرف سے دیت دے اور جانور کی قیمت۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ قیمت دے حیوان کی فقط اور اس پر بچے اور مجنون کی دیت نہیں۔

جانور کے حوالے سے حنفیہ کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جانوروں سے جو نقصان پہنچے اس کا کوئی بدل نہیں رہ گیا بچے

اور پاگل کا فعل تو اسے جرم اور بغاوت نہیں کیا جاسکتا تو اس سے نفس کی عصمت زائل نہیں ہوگی اور نہ ہی دفاع کرنے والے کی لیے شرائط پائی جارہی ہیں کیونکہ شریعہ ہے کہ وہاں پر تعدی اور دشمنی پائی جائے اور دفاع تو جرائم کے دفعیہ کے لیے مشروع ہے اور یہاں کوئی جرم نہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں...... بچے اور مجنون کا فعل جرم شمار ہوتا ہے اس دلیل سے کہ ان دونوں پر تلف کی صورت میں ضمان واجب ہوتا ہے، البتہ ان سے سزا ختم ہے اور رہ گیا جانور کا فعل تو وہ جرم نہیں اور جس چیز کو وہ تلف کردے تو اس پر ضمان واجب نہیں ہوتا جب کہ شرط یہ ہے کہ جرم ہو اعتداء کے ساتھ۔

خلاصہ...... یہ کہ امام ابو حنیفہ دفاع کی حالت میں وجود کو نہیں دیکھتے بچے پاگل اور حیوان کے حملہ کی صورت میں بلکہ ضرورت کی بنیاد پر دفاع کا حق دیتے ہیں یعنی ضمان یا عوض واجب ہوتا ہے رہ گئے امام ابو یوسف تو وہ دفاع کی حالت میں وجوب کے قائل ہیں جب بچہ پاگل حملہ کریں جیسا کہ حنفیہ کے علاوہ کی رائے ہے اور جب جانور حملہ کرے تو ضرورت کی بنیاد پر دفاع کرے اور اس کے تلف کی صورت میں قیمت واجب ہے۔

رہ گئے جمہور فقہاء تو حالت دفاع میں تمام مذکورہ حالتوں میں تو آخر کو دیکھتے ہیں کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کا دفاع کرے اور مال کا ہر اعتداء کے وقت اگر اس نے بذات خود تعدی کی تو پھر حملہ آور کا خون حلال نہیں ہوگا لیکن اس کے ذمہ تعدی کو روکنا واجب یا جائز ہے اختلاف سابق کے پیش نظر پس تعدی کو روکنے کا مطالبہ حملہ آور کے خون کو حلال قرار دیتا ہے۔ اور تعدی ذاتی نہ ہو تو اس وقت یہ شرط نہیں کہ تعدی ذاتی اعتبار سے جرم ہو۔

حنابلہ کے ہاں جس نے کسی انسان کے ہاتھ کو کاٹا اور اس سے الگ کردیا اس کے دانت گر گئے تو اس پر کوئی ضمان نہیں یعنی اس سے دیت کا مطالبہ نہیں ہوگا مالکیہ کے علاوہ باقیوں کے ہاں دلیل عمران بن حصین کی روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا اور اس کے ہاتھ کے ساتھ اس کے دانت گر گئے وہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو آپ نے فرمایا تم میں سے ایک دوسرے بھائی کا ہاتھ اس طرح کاٹتا ہے جس طرح سانڈ کاٹتا ہے تمہارے لیے کوئی دیت نہیں [1] اور یعلی بن امیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے میرا ایک مزدور تھا اس نے ایک شخص کو قتل کردیا ایک نے دوسرے کے ہاتھ کو منہ سے کاٹا اس کی انگلی جدا ہوگئی اور دوسرے کے دانت گر گئے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے اس کے دانتوں کو رائیگاں قرار دیا اور آپ نے فرمایا کہ کیا وہ اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا تم ایسے کاٹتے ہو جیسے سانڈ کاٹتا ہے [2] مالکیہ کے ہاں ان کے مثل میں ضمان واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے دانتوں کے توڑنے میں پانچ اونٹ دیت ہیں لیکن یحیٰی بن یعمر اور ابن بطال نے فرمایا کہ اگر امام مالک کو یہ حدیث پہنچتی تو آپ اس کی مخالفت نہ کرتے۔ [3]

عزت کے دفاع کا حکم...... اگر کوئی فاسق کسی کی بیوی کی عزت لوٹنے کا ارادہ کرے تو تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق اس پر واجب ہے کہ وہ عورت اپنے نفس کا دفاع کرے اگر ممکن ہو اس لیے کہ کسی مرد کو قدرت دینا حرام ہے اور دفاع چھوڑنے میں اس کو قدرت دینا ہے، اور وہ اس شخص کو قتل کردے اگر قتل کردیا تو اس کا خون رائیگاں جائے گا جب کہ قتل کے بغیر دفاع ممکن نہ ہو اسی طرح مرد پر بھی واجب ہے جب وہ غیر کو اس طرح کا ارادہ کرتے ہوئے دیکھے اپنی بیوی سے کہ وہ اس کا دفاع کرے اگرچہ قتل ہی کیوں نہ کردے اور اپنے نفس پر خوف نہ کرے اس لیے کہ عصمت و ناموس اللہ کی زمین پر محترم ہیں کسی بھی حالت میں مباح نہیں چاہے مرد کی اپنی عزت ہو یا کسی اور کی اور دفاع کرنے والے سے نہ قصاص ہے نہ دیت ظاہری حدیث کی وجہ سے جو اپنے اہل کے دفاع میں مارا گیا تو وہ شہید ہے نیز امام احمد نے حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے بنو ھذیل میں ایک شخص کی بیوی کا ارادہ کیا اس نے اسے پتھر مار کر قتل کردیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ اب کبھی

---

[1] ...... رواہ احمد و اصحاب الکتب الستة۔ [2] رواہ الجماعة۔ [3] المغنی: ۸/۳۳۳۔

ایسا نہیں کرے گا اور اس لیے بھی کہ جب اپنے نفس سے دفاع کرنا جائز ہے تو اپنی بیوی کا دفاع بھی جائز واجب ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی شخص کو اپنی بیوی سے زنا کرتے ہوئے پائے اور اسے قتل کر دے تو تمام فقہاء کے ہاں اس کے ذمہ نہ قصاص ہے نہ دیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن ناشتہ فرما رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس کے پاس تلوار تھی خون سے لت پت وہ آیا اور عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گیا اور کھانا شروع کر دیا چند لوگ آئے اور کہنے لگے اے امیر المؤمنین اس شخص نے ہمارے ساتھی کو اپنی بیوی کے ساتھ قتل کر دیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کیا کہتے ہیں تو اس نے کہا: کہ میں نے تلوار سے اس کی بیوی کی ران پر تلوار ماری اگر ان دونوں کے درمیان اور کوئی ہوتا تو میں اسے بھی قتل کر دیتا تو عمر نے ان سے کہا کیا کہتا ہے یہ، تو کہنے لگے اس نے تلوار ماری۔

جس سے اس کی بیوی کی ران کٹ گئی اور وہ تلوار اس مرد کے درمیان میں پہنچ گئی اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر یہ دوبارہ حملہ کریں تو تو بھی کر۔ ❶

اگر عورت خود اطاعت کرنے والی ہو تو بھی اس پر ضمان نہیں اگر مکرہ ہو تو پھر اس شخص پر قصاص ہے اور گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور حنابلہ سے گواہوں کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت کے مطابق چار گواہ ہونے چاہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا اس شخص کے بارے میں جو کسی کے گھر میں داخل ہوا اور وہ اس کی بیوی کے ساتھ ہو اور عورت نے اسے قتل کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر چار گواہ اس کے ساتھ ہوں تو ٹھیک ورنہ وہ اس کی دیت دے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادۃ نے فرمایا اے اللہ کے رسول آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں اور اسے ڈھیل دے دوں یہاں تک کہ چار گواہ ہو جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ❷ ایک اور روایت میں ہے کہ دو گواہ کافی ہیں اس لیے کہ گواہ صرف عورت کے پاس اس کی موجودگی کے لیے شرط ہیں اور یہ بات دو گواہوں سے ثابت ہو جاتی ہے اور چار گواہوں کی ضرورت زنا کے لیے ہے اور اس میں اثبات زنا کی ضرورت نہیں، اگر گواہ نہ ہوں تو شوہر عورت کے زنا کا علم ولی سے ثابت کرائے تو پھر ولی کی بات معتبر ہوگی قسم کے ساتھ حنابلہ کے ہاں۔

گھروں کے اندر جھانکنا..... اگر کوئی شخص گھر والوں کی اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں سوراخ کر کے یا دروازہ وغیرہ توڑ کر داخل ہونے کی کوشش کرے اور گھر والا کوئی کنکر یا لکڑ یا لکڑی وغیرہ سے اسے مارے اور اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس سے کوئی مسئولیت نہیں نہ قصاص نہ دیت یہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اگر تمہارا اجازت کے بغیر کوئی تم کو جھانکے اور تم نے کوئی کنکری اسے ماردی اور اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔

اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے جو شخص کسی کے گھر میں جھانکے بغیر ان کی اجازت کے تو ان کے لیے حلال ہے کہ وہ ان کی آنکھیں پھوڑ دے اور ایک روایت میں ہے: جو کسی قوم کے گھر میں جھانکے اور اس کی آنکھ انہوں نے پھوڑی نہ دیت ہے نہ قصاص ❸ یہ اس وقت ہے جب کسی ہلکی چیز جیسے کنکر وغیرہ سے مارے لیکن اگر صاحب اہلبیت کسی ایسی چیز سے مارے جس سے عام طور پر آدمی مر جاتا ہے جیسے مارنے والا پتھر یا بڑا لوہا وغیرہ تو قصاص لازم ہے یا معافی کی صورت میں دیت اس لئے کہ اسے دیکھنے والی آنکھ ضائع کی جائے جو اس سے متعدی نہ ہو۔ اگر ناظر کسی چھوٹی چیز سے دفاع نہ کر سکے جیسا کہ حملہ کی صورت میں تو اسے سخت چیز سے مارنا جائز ہے یہاں تک کہ قتل کر دے۔ چاہے دیکھنے والا راستے میں ہو یا جہاں کہیں بھی ہو، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں نہ جھانکنے کی حکمت بیان کی ہے کہ اجازت دیکھنے کے لئے مقرر کی گئی ہے حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں: اس حالت میں جانی سے پوچھا جائے گا اس پر قصاص یا دیت واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آنکھ میں نصف دیت ہے اس لیے کہ صرف دیکھنے سے جنایت کرنا حلال نہیں ہوتا جیسا کہ کوئی کھلے دروازے سے جھانکے

❶ .....اخرجه سعيد بن منصور۔ ❷ فتح الباری: ۲ / ۱۵۴۔ ❸ البخاری۔

جیسا کہ اس کے گھر میں داخل ہو اور اس میں دیکھے یا اس کی بیوی کے قریب ہو سوائے جماع کے تو اس کے لیے آنکھ پھوڑنا جائز نہیں تو خالی دیکھنے سے تو بدرجہ اولی جائز نہیں۔ اور یہ ملاحظہ ہو کہ دونوں رائیوں میں اختلاف گھر کے باہر سے دیکھنے کے بارے میں ہے اگر کوئی شخص اپنا سر اندر داخل کر کے دیکھے اور گھر والا پتھر مار دے تو اجماعاً اس پر کوئی ضمان نہیں۔

مال سے دفاع کا حکم...... جمہور فقہاء کے ہاں مال کا دفاع کرنا جائز ہے واجب نہیں چاہے مال تھوڑا ہو یا زیادہ جب کہ بغیر حق کے لے لے اور دفاع کرنے والے پر کوئی قصاص نہیں جب کہ وہ اسہل سے شروع کرے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ اگر ایک شخص میرا مال لینا چاہے تو آپ نے فرمایا اسے مال مت دو (اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: اپنے مال کے لیے قتال کرو) انہوں نے عرض کی اگر وہ مجھ سے قتال کرے؟ تو آپ نے فرمایا: اس سے قتال کرو انہوں نے عرض کی اگر وہ مجھے مار ڈالے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم شہید ہو پھر صحابی نے عرض کی اگر میں اسے قتل کر ڈالوں تو آپ نے فرمایا: وہ آگ میں جائے گا تو علماء نے فرمایا کہ اگر اسے قتل کر دیا تو قاتل پر کوئی ضمان نہیں کیونکہ اس کی جانب سے تعدی نہیں اور حدیث عام ہے کم مال اور زیادہ کے لیے مال سے دفع اور جان وعزت کے دفاع میں وجوب اور عدم وجوب میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ مال اباحت سے اور اجازت سے مباح ہو جاتا ہے جب کہ نفس مباح کرنے سے مباح نہیں ہوتا۔

بعض مالکیہ کے ہاں...... اگر مال کم ہو تو اس کا دفاع کرنا جائز نہیں لیکن سابقہ احادیث اور ان کا عموم قلیل اور کثیر میں فرق پر رد کرتی ہیں کما تقدم: اور بعض علماء کے ہاں مال کا دفاع کرنا واجب ہے اور یہ مالکیہ کی رائے ہے۔

شوافع نے مال کی اقسام میں فرق کیا ہے...... جس مال میں روح نہیں اس کا دفاع واجب نہیں اس لیے کہ اس کی اباحت دوسروں کے لیے بھی جائز ہے اور جس میں روح ہے تو اس کا دفاع تلف کی صورت میں واجب ہے جبکہ نفس یا عزت کا خطرہ نہ ہو کیونکہ روح کی حرمت ہے حتیٰ کہ اگر کسی اجنبی کو دیکھے کہ وہ اپنے جانور کو حرام طریقے سے تلف کر رہا ہے تو اصح قول کے مطابق دفاع اس پر واجب ہے اسی طرح وہ مال جس کے ساتھ غیر کا حق مثلاً رہن اجارہ وغیرہ متعلق ہو کا دفاع بھی واجب ہے۔ اگر مٹکا گر گیا اور اس سے توڑنے کے بغیر دفاع ممکن نہیں تو اس صورت میں ضامن ہوگا اس لیے کہ نہ اس کا ارادہ ہے نہ اختیار تو دفاع کرنے والا ایسا ہے جیسے دوسرے کا کھانا کھانے کے لیے کوئی مجبور ہوا سے کھائے اور اس کا ضمان دے دے۔

نویں فصل...... لقطہ اور لقیط

لقطہ لغوی اعتبار سے بغیر تلاش وطلب کے اچانک کوئی چیز پالینا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فالتقطہ آل فرعون** (القصص: ۸/۲۸) تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اٹھالیا۔ یہ اس لغوی معنی کے اعتبار سے عام ہے ہر اس چیز کو شامل ہے جسے انسان اٹھائے چاہے وہ بچہ ہو یا مال اور جانور وغیرہ۔

الا یہ کہ حنفیہ وغیرہ نے اپنی فقہی مباحث میں لقطہ اور لقیط اور ضالہ میں فرق کیا ہے اسی وجہ سے میں نے لقیط کے معنی اور اس کے احکام اور لقطہ کے معنی اور اس کے احکام ذکر کیے ہیں اور میں بیان کروں گا لقطہ کی دونوں قسمیں یعنی اموال کا اٹھانا جانور کا اٹھانا اور میں ختم کروں گا بحث لقطہ کے ساتھ کیا کیا جائے کی پہچان پر اور کلام دو بحثوں میں ہوگا۔

پہلی بحث: لقیط کی حقیقت اور اس کے احکام...... لقیط لغوی اعتبار سے ہر وہ چیز جو زمین سے اٹھائی جاتی ہے اور عرفاً راستہ اور

زمین پر پڑا ہوا نومولود بچہ جس کا باپ معلوم نہ ہو اسے پرورش کے خوف یا شک کی تہمت سے بچنے یا زنا وغیرہ کی تہمت یا کسی اور وجہ سے پھینک دیا گیا ہو۔

احکام لقیط..... حنفیہ کے ہاں راستہ سے بچہ اٹھانا مندوب اور اعمال میں سے افضل ہے اس لیے کہ اس پر زندہ کرنے کے احکام جاری ہوتے ہیں اور اگر بچہ کی ہلاکت کا خوف ہو نہ اٹھانے کی وجہ سے تو پھر اٹھانا فرض کفایہ ہے جیسا کہ وہ کسی لڑائی وغیرہ میں پایا جائے کیونکہ حفاظت کا مقصود حاصل ہو رہا ہے۔ اور باقی ائمہ کے ہاں بچہ کا اٹھانا فرض کفایہ ہے اور اگر ہلاکت کا خوف ہو تو فرض عین ہے یہاں اور بھی فروعی احکام ہیں، جو لقیط سے متعلق ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ ❶

۱۔ اٹھانے والا بچہ کا زیادہ حقدار ہے دوسروں سے..... اگر چاہے تو اس کی تربیت پر تبرع واحسان کے طور پر خرچ کرے اور اگر چاہے تو حاکم کے پاس معاملہ لے جائے تاکہ وہ اس کی تربیت پر بیت المال وغیرہ سے خرچ کرنے کا حکم دے اس لیے کہ بیت المال تمام مسلمانوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ہے یہ اس وقت ہے جب لقیط کے پاس مال نہ ہو اور اگر اس کا مال ہو بایں طور کہ بچہ مال کے ساتھ ملے تو پھر خرچہ لقیط کے مال سے ہوگا اس لیے کہ وہ اس کا محتاج نہیں لہٰذا بیت المال میں اس کا حق ثابت نہیں ہوگا اور یہ حکم تمام فقہاء کے ہاں متفق علیہ ہے ❷ اگر اٹھانے والا اپنے مال سے اس پر خرچ کرے اب اگر قاضی کے اجازت سے ایسا کیا تو پھر بچہ کے بالغ ہونے کے بعد اس پر رجوع کر سکتا ہے اور اگر قاضی کے حکم کے بغیر ایسا کیا تو پھر یہ احسان کرنے والا ہوگا اور بچہ کے بالغ ہونے کے بعد اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔ اور لقیط بھی امانت ہونے کے اعتبار سے لقطہ کی طرح ہے۔

۲۔ لقیط پر ولایت قاضی کی ہے..... یعنی حفاظت تعلیم، تربیت، نکاح اور اس کے مال میں تصرف کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی وجہ سے کہ سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو ❸ اور اٹھانے والے کو اس کی شادی اور اس کے مال میں تصرف کی اجازت نہیں۔ جب حاکم لقیط کی شادی کروائے تو اس کا مہر بیت المال میں سے ہوگا ہاں اگر لقیط کا اپنا مال ہو تو پھر اس کے مال ہی میں سے ہوگا اسی طرح بیت المال سے لقیط کی ضروریات یعنی نفقہ کپڑا علاج معالجہ کروایا جائے گا اور یہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ نیز بیت المال اس قسم کے محتاجوں ہی پر خرچ کرنے کے لیے رکھا گیا ہے جیسے وہ شخص جس کا کوئی مال نہ ہو نیز اس کی میراث بھی بیت المال کے لیے ہے اس لیے کہ الخراج بالضمان یعنی بیت المال پر اس کی میراث دیت اور دوسری چیزیں ہیں۔

۳۔ لقیط آزاد اور مسلمان شمار ہوگا..... اس لیے کہ انسان میں اصل آزادی ہے اور اصل یہ ہے کہ جو جیسا ہو اس کو اس پر برقرار رکھا جائے جب تک اس کو تبدیل کرنے والی کوئی چیز نہ ہو اور اس لیے بھی کہ دارالاسلام آزادی کا دار ہے جو اس میں ہوگا وہ اصل عام کی وجہ سے آزاد ہی شمار ہوگا اس لیے کہ یہ حکم غالب ہے اور معاملہ ظاہر ہے اور وہ دارالاسلام کے تابع ہونے کی وجہ سے مسلمان بھی شمار ہوگا اور اسی بناء پر اگر مسلمان لقیط کسی اسلامی ملک میں پایا جائے تو وہ مسلمان ہوگا اگر وہ مر گیا تو اسے غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کیا جائے گا اگر کوئی ذمی یا مسلمان کسی بیعہ کنیسا یا کسی ایسی آبادی میں پایا گیا جس میں مسلمان نہیں تو ظاہر کی وجہ سے وہ ذمی قرار دیا جائے گا اور اگر کوئی ذمی کسی اسلامی ملک میں پایا گیا تو وہ مسلمان ہوگا کیونکہ اعتبار جگہ کا ہے ابن سماعۃ سے نوادر میں روایت ہے کہ پانے والے کو دیکھا جائے گا کہ وہ مسلمان ہے یا ذمی اور جگہ کا اعتبار نہیں ہوگا اس لیے کہ اٹھانا اور قبضہ میں رکھنا جگہ سے قوی ہے اس دلیل سے کہ والدین کے تابع ہونا دار کے تابع ہونے سے اوپر ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ لقیط مسلمان ہی ہوگا پانے والے یا جگہ کے اختیار سے علامہ کاسانی نے فرمایا کہ صحیح یہ روایت ہے کہ جب کوئی مسلمان بچہ کسی اسلامی ملک میں پایا جائے تو وہ دار کے تابع ہو کر مسلمان شمار ہوگا اور اگر اسے کوئی کافر

---

❶ ... المبسوط ۱۰/ ۲۰۹۔ ❷ المغنی: ۵/ ۳ ع ۶۸۔ ❸ نصب الرایۃ ۳/ ۱۶۷۔

دارالسلام میں پائے تب بھی وہ مسلمان شمار ہوگا اور اگر کوئی مسلمان یا ذمی اسے کنیسا میں پائے تو وہ ذمی ہوگا[1] اب تین قول ہو گئے:

۱.....مکان کا اعتبار ہوگا۔

۲.....پانے والے کا۔

۳.....مکان اور پانے والے دونوں کا اور تیسرا قول حنفیہ کے ہاں اصح ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں.....اگر لقیط دارالاسلام میں پایا جائے تو وہ مسلمان ہے اور اگر دارالکفار میں پایا جائے اگر وہاں کوئی مسلمان رہائش پذیر نہ ہو جیسے قیدی یا تاجر تو وہ کافر ہوگا لیکن اگر وہاں مسلمان بھی رہائش پذیر ہوں تو وہ اصح قول کے مطابق مسلمان شمار ہوگا اسلام کے غلبہ کی وجہ سے احمد اور دارقطنی کی روایت ہے:

الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ

۴۔**نسب کا حکم**.....لقیط مجہول النسب شمار ہوگا اگر کسی شخص نے لقیط کے نسب کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ صحیح ہے اور اس سے اس کا نسب ثابت ہوگا اور اسی بناء پر اگر اٹھانے والا یا کوئی اور یہ دعویٰ کرے کہ لقیط اس کا بچہ ہے تو اس کا دعویٰ بغیر گواہوں کے قبول ہوگا جب کہ قیاس کا تقاضا ہے کہ گواہوں کے بغیر اس کا دعویٰ مسموع نہ ہو قیاس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ وہ ایک ایسے معاملہ کا دعویٰ کر رہا ہے جو عدم اور وجود دونوں کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا کسی ایک جانب کو دوسری پر ترجیح کے لیے کسی مرجح کا ہونا ضروری ہے اور یہ گواہوں ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے اور گواہ ہیں نہیں۔اور استحسان کی وجہ یہ کہ دعویٰ اقرار ہے جس سے لقیط کو فائدہ ہوگا اس لیے کہ نسب کی وجہ سے اسے شرف و بزرگی حاصل ہوتی ہے اور نہ ہونے کی وجہ سے عار ہے اور اس طرح کے معاملات میں مدعی کی تصدیق کے لیے گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی ذمی اس کے نسب کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ قبول ہوگا اور نسب بھی اس سے ثابت ہوگا لیکن شمار وہ مسلمان ہوگا اس لیے کہ دعویٰ نصب میں وہ چیز قبول ہوتی ہے جو لقیط کو نفع پہنچائے نہ کہ نقصان اور اس کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اس کا کافر ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ اس کی ماں مسلمان ہو مثلاً تو بیٹا دین کے اعتبار جو عمدہ ہو والدین میں سے اس کے ساتھ ملحق ہوتا ہے، اگر دو آدمی یہ دعویٰ کریں کہ ان کا بیٹا ہے اور ان دونوں کے پاس گواہ نہ ہو اور ان میں سے ایک مسلمان دوسرا ذمی ہو تو مسلمان اولیٰ ہے ثبوت نسب کے اعتبار سے کیونکہ یہ لقیط کے لیے نفع بخش ہے اور اگر دونوں دعویٰ کرنے والے مسلمان اور آزاد ہوں اور ان میں سے ایک بچہ کے جسم پر کسی علامت کا ذکر کرے تو حنفیہ کے ہاں وہ زیادہ حقدار ہے۔بچہ کا اس لیے کہ علامت کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کے پاس تھا تو ظاہر ہے کہ یہ اسی کا ہے لہٰذا اسے ترجیح ہوگی دلیل عزیز مصر کی بیوی کے متعلق ان کے اہل میں سے جو خبر ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں:

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝۲۶ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝۲۷ یوسف ۱۲/۲۶،۲۷

یعنی اگر اس کی قمیص آگے کی طرف سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر قمیض پیچھے کی طرف سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ جھوٹی ہے اور یوسف سچے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی بھی علامت بیان نہ کرے یا دونوں گواہ پیش کردیں تو دونوں کا بیٹا ہونے کا حکم دیا جائے گا اس لیے کہ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے سے اولیٰ نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس طرح کے مسئلہ میں روایت ہے کہ انہوں فرمایا کہ یہ دونوں کا بیٹا ہے دونوں کا وارث ہے اور وہ دونوں اس کے وارث ہیں اگر ایک گواہ پیش کرے اور دوسرا علامت بیان کرے تو گواہوں والا اولیٰ ہے اس لیے کہ اس نے اپنی جانب کو مرجح سے ترجیح دی ہے۔شوافع کے ہاں اگر لقیط کے بارے میں دو دعویٰ کریں اور کسی کے پاس گواہ نہ ہوں

[1].....البدائع ۶/۱۹۸۔

تو بچہ کو قیافہ شناس کے پاس لے جایا جائے اور جس کا وہ کہے اسی کا اسے بیٹا سمجھا جائے اس لیے کہ اس کا الحاق کرنا نسب میں اثر رکھتا ہے شبہ کے موقع پر اور اگر کوئی عورت پر دعویٰ کرے کہ لقیط اس کا بچہ ہے اور وہ عورت شادی شدہ نہ ہو تو اس کا دعویٰ صحیح نہیں اس لیے کہ اس میں تو دوسرے پر نسب ثابت کرنا ہوتا ہے جو کہ شوہر ہے اور یہاں جائز نہیں اور اگر اس کا شوہر ہے اور وہ اس کی تصدیق کر رہا ہے اس دعویٰ میں یا دایا اس کی گواہی دیتی ہے یا دو گواہ اس کی گواہی دیتے ہیں تو پھر اس کا نسب ثابت ہوگا اس سے۔

اگر لقیط کا دعویٰ دو عورتیں کریں اور ایک گواہ قائم کرے تو وہ اولیٰ ہے اگر دونوں گواہ پیش کر دیں تو وہ ان دونوں کا بیٹا ہوگا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان میں سے کسی کا بھی نہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں ایک روایت میں ان دونوں کا بیٹا ہے اور ایک روایت میں کسی ایک کا بھی ان میں سے نہیں۔

دوسری بحث: لقطہ اور اس کے احکام اقسام وغیرہ......اس بحث میں تین مقصد ہیں:

پہلا مقصد: لقطہ کا معنی اور احکام......لقطہ لام پر پیش اور قاف پر زبر یا سکون ابن مالک نے لقطہ میں چار لغتیں نقل کی ہیں:

۱.....لقاطہ ۲.....لقطہ لام پر پیش اور کاف پر سکون

۳.....لقطہ لام پر پیش اور قاف پر زبر

۴.....لقط لام پر اور قاف پر زبر اور تاء نہیں آخر میں۔ خلیل بن احمد کے ہاں قاف کے زبر کے ساتھ یہ صفت ہے اور اسم فاعل میں مبالغہ ہے یعنی اٹھانے والا ھمز ۃ لمز ۃ کی طرح اور قاف کے جزم کے ساتھ اسم مفعول میں مبالغہ ہے ضحکہ کی طرح جس سے ہنسا جائے اور ھزاٗہ کی طرح یعنی جس سے مذاق کیا جائے اور گرے پڑے مال کو لقطہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ غالباً لوگوں کی طبیعتیں اس کے اٹھانے کی طرف جلدی کرتی ہیں کیونکہ وہ مال ہے۔

اور شرعاً جیسا کہ ابن قدامہ حنبلی نے کہا: وہ مال جو مالک سے ضائع ہو گیا ہو اور اسے کوئی غیر اٹھا لے اور اسی کے مثل حنفیہ کی کتب میں سے تاتارخانیہ میں بھی ہے وہ مال جو پایا جائے اور اس کا مالک معلوم نہ ہو اور یہ حربی کے مال کی طرح مباح نہیں احکام: لقطہ کے مندوب ہونے اور ضمان ہونے کے اعتبار سے کچھ احکام ہیں:

۱۔ مندوب ہونے کے اعتبار سے حکم......اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے شوافع اور حنفیہ کے ہاں اٹھانا افضل ہے اس لیے کہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ مسلمان بھائی کے مال کی حفاظت کرے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ......المائدہ ۵ / ۲

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک بندہ کسی بھائی کی مدد میں ہو پس اٹھانا مال کی حفاظت کا ذریعہ ہے پھر اس کے مالک کو واپس کر دے اس لیے کہ کبھی یہ غیر امین شخص کے ہاتھ میں آ جاتا ہے اور وہ اسے لیتا ہے رہ گیا امانتدار وہ اسے مالک تک پہنچانے کی کوشش میں ہوتا ہے اور برے ہاتھوں کو اس سے روکتا ہے اگر کسی کو اپنی امانت پر اطمینان نہ ہو اور وہ اس کے مباح ہونے سے ڈرتا ہو تو اس کا اٹھانا مکروہ ہے اور اگر اسے خیانت کا علم ہو اور واپس کرنے کا ارادہ نہ ہو تو اٹھانا حرام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے جیسے امام احمد نے جریر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ: گری پڑی چیز کو گمراہ کے علاوہ کوئی نہیں اٹھاتا اگر وہ اس کی تعریف نہ کرے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اٹھانا مکروہ ہے ابن عمر اور ابن عباس کے ارشاد کی وجہ سے نیز اس میں اپنے آپ کو حرام پر پیش کرنا ہے۔ یہ عام حکم ہے پھر تمام علماء نے اپنے اپنے مذہب کے مطابق تفصیلی احکام بیان کئے اور ان میں سے اہم حنفیہ کا مذہب اور ان کے مثل شوافع کا ہے یہ

حضرات کہتے ہیں کہ جس شخص کو اپنی امانتداری پر اعتماد ہو اور کسی فاسق کے یا چلے جانے کی وجہ سے لقطہ کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو اسے اٹھانا مستحسن ہے اور اگر ضائع ہونے کا خوف نہ ہو تو اٹھانا مباح ہے اور اگر اسے اپنی خیانت کا خوف ہو تو پھر اٹھانا حرام ہے جیسا کہ حدیث سابق میں گذرا۔

۲۔ضمان کے اعتبار سے حکم......حنفیہ کے ہاں لقطہ اٹھانے والے کے ہاتھ میں امانت ہے وہ ضامن نہیں الا یہ کہ اس پر تعدی کرے یا طلب کے وقت مالک کو نہ دے تو ضامن ہوگا اور پوراالحکم بھی اس وقت ہے جب اٹھانے والا کہے کہ میں نے حفاظت کی غرض سے اسے اٹھایا ہے تا کہ مالک تک پہنچادوں، اس لیے کہ اس طور پر لینے میں شرعاً اجازت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لقطہ پائے تو وہ عادل شخص کو گواہ بنالے یہ امر ہے وجوب کا تقاضا کرتا ہے اور اس لیے بھی کہ اگر گواہ نہ بنائے گا تو ظاہر یہ ہے کہ اپنے لیے اس نے لیا ہے اور گواہی کے لیے اتنا کہنا کافی ہے کہ جس کو تم لقطہ تلاش کرتے دیکھو اسے میرے پاس بھیجنا اسی طرح امانت ہوگا جب لقطہ کا مالک اور اٹھانے والا ایک دوسرے کی تصدیق کردیں کہ اس نے اس لیے اٹھایا تھا تا کہ مالک کے لیے حفاظت کرے اگر اٹھانے والے نے گواہ نہ بنایا اور نہ ہی ایک دوسرے کی تصدیق کریں اٹھانے والا کہے میں نے مالک کے لیے اٹھایا تھا اور مالک اس کی تکذیب کرے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں اس کا ضامن ہوگا اسلیے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس نے اپنے لیے اٹھایا ہے نہ کہ مالک کے لیے مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں لقطہ امانت ہے لیکن لقطہ پر گواہ بنانا شرط نہیں بلکہ صرف مستحب ہے اگر اٹھانے والا گواہ نہ بنائے تو ان کے ہاں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ لقطہ ودیعت ہے لہٰذا گواہ نہ بنانا۔امانت سے ضمان کی طرف نہیں لے جاتا، اس پر دلیل حضرت سلمان بن بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث ہے اگر اس کا مالک آ گیا تو صحیح ورنہ وہ تمہارے پاس ودیعت ہے ❶ رہ گیا گواہ نہ بنانا تو اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن خالد اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا لقطہ کی تعریف کا نہ کہ گواہ بنانے کا ❷ اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ ضرورت کے وقت بیان میں تاخیر کرنا جائز نہیں اگر گواہ بنانا واجب ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے جب ان سے لقطہ کا حکم دریافت کیا گیا تھا پس اس وقت حضرت عیاض کی حدیث میں جو گواہ بنانے کا حکم ہے جس سے حنفیہ استدلال کرتے ہیں وہ ندب واستحباب پر محمول ہوگا۔ ❸

(الف)......امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی رائے کے مطابق ظاہر روایت میں اگر کسی شخص نے لقطہ اٹھایا پھر اسے اسی جگہ واپس چھوڑ دیا تو اس پر کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ اس نے ثواب کی نیت اور تبرع کی غرض سے لیا تھا تا کہ اس کے مالک کو واپس کردے اور جب اس نے اپنی جگہ پر واپس چھوڑ دیا تو اس نے عقد تبرع فسخ کردیا تو ایسا ہو گیا گویا اس نے بالکل اٹھایا ہی نہیں اور یہ بھی اس وقت ہے جب مالک تصدیق کر دے کہ اس نے حفاظت لے کے لیے اٹھایا اٹھانے والا گواہ بنالے پھر وہ ضائع ہو جائے لیکن اگر اس نے گواہ نہ بنایا تو ضامن ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ضمان واجب نہیں چاہے گواہ بنائے یا نہ بنائے اور بات اٹھانے والے کی معتبر ہوگی قسم کے ساتھ کہ اس نے حفاظت کی غرض سے مالک کے لیے اٹھایا تھا۔اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص لقطہ اپنی جگہ واپس چھوڑ دے اس پر کوئی ضمان نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے اس شخص کو جسے اونٹ ملا تھا فرمایا: جہاں سے پایا وہ اس کو چھوڑ دو لیکن مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ ملتقط لقطہ کا ضامن ہوگا جب اسے واپس اپنی جگہ پر چھوڑ دے یا کسی دوسرے کو دے دے حفاظت کے لیے شوافع اور حنابلہ کے ہاں: جب کوئی انسان لقطہ اٹھائے پھر اسے اپنی جگہ پر واپس چھوڑ دے تو ضامن ہوگا اس لیے کہ یہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے اس کی حفاظت لازم ہے جب وہ ضائع ہو گیا تو اس کا ضمان لازم ہے جیسا کہ ودیعت کو ضائع کردے پس جمہور کے ہاں لقطہ کو اپنی جگہ پر چھوڑنے سے ضمان لازم ہوتا ہے۔

---

❶ رواہ مسلم۔ ❷ رواہ البخاری ومسلم۔ ❸ المبسوط: ۱۱/۱۲

(ب)......اور اٹھانے والا ضامن ہوگا اگر لقطہ کو قاضی کی اجازت کے بغیر دوسرے کو دے دے اس لیے کہ اس کی حفاظت اس کے ذمہ واجب تھی کیونکہ اٹھانے کی وجہ سے حفاظت کا التزام اس نے کر دیا۔

(ج)......اگر لقطہ اٹھانے والے کے ہاتھ میں ہلاک ہوگیا اب اگر اس نے لقطہ پر گواہ بنایا تھا بایں طور کہ لوگوں سے کہا میں نے لقطہ پایا ہے جو اس کو تلاش کرے اس میرے پاس بھیجنا تو یہ ضامن نہیں ہوگا اور اگر گواہ نہ بنایا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ضامن ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ضامن نہیں ہوگا اگر اس نے مالک کو واپس کرنے کی غرض سے اٹھایا ہو اور وہ اپنے اس فعل پر حلف اٹھائے گا اگر چہ مالک اس کی تصدیق نہ بھی کرے۔

(د)......اگر اٹھانے والا اقرار کرے کہ اس نے لقطہ اپنے لیے اٹھایا تھا تو ضمان سے بری نہ ہوگا مالک کو واپس جب تک نہ کر دے اس لیے کہ ظاہر ہے اس نے غصب کیا ہے تو اس پر واجب مالک کو واپس کرنا ہے ❶ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ادائیگی کرنے تک اٹھانے والے پر ہی ضمان ہے۔

دوسرا مقصد۔۔لقطہ کی قسمیں......لقطہ کی دو قسمیں ہیں ایک حیوان کے علاوہ لقطہ اور وہ وہ مال ہے جس کا مالک معلوم نہ ہو اور دوسرا حیوان کا لقطہ اور وہ اونٹ، گائے، بکری اور جانور ہیں جو گم ہو گئے ہوں۔

حیوان لقطہ کا حکم......حنفیہ اور شوافع کے ہاں اسے اٹھانا جائز ہے حفاظت اور مالک تک پہنچانے کی غرض سے لوگوں کے مال کی حفاظت اور ضائع ہونے سے بچانے کی غرض سے تاکہ کسی خائن کے ہاتھ نہ لگ جائے اور امام احمد کے ہاں: گم شدہ جانور اور مال وغیرہ کو اٹھانا مکروہ ہے جیسا کہ صحاح ستہ میں زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے اور چاندی کے لقطہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس کی رسی اور اس برتن کو جس میں نفقہ ہوتا ہے کی تشہیر کرو پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اگر تم نے اس کی تشہیر نہ کی تو پھر اسے خرچ کرو اور وہ تمہارے پاس ودیعت ہوگا اگر زمانے میں کبھی بھی اس کو تلاش کرتے ہوئے مالک آ گیا تو اس واپس کرو اور گم شدہ اونٹ کے بارے میں ایک شخص نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: تمہیں اونٹ سے کیا غرض اسے چھوڑ دو اس لیے کہ اس کے ساتھ اس کے جوتے اور پانی ہے وہ پانی پر آتا ہے اور درخت کھاتا ہے جب تک کہ مالک اسے پا نہ لے اور بکری کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اسے لے لو کیونکہ وہ تمہارے لیے یا تمہارے بھائی کے لیے یا پھر بھیڑئے کے لیے ہے ❷ مطلب یہ کہ اونٹ کا لقطہ جائز نہیں اور باقی اموال کا لقطہ جائز ہے اور امام ابوداؤد احمد اور ابن ماجہ نے جریر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے گائے چھوڑنے کا حکم فرمایا کہ وہ دوسری گائیوں کے ساتھ مل جائے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: گم شدہ چیز کو صرف گمراہ ہی اٹھاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کی گم شدہ چیز جلانے والی آگ ہے یعنی جب اس کا مالک بنے گا تو وہ اسے آگ کی طرف لے جائے گی اور مسلم، احمد اور ترمذی میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے لقطہ کے بارے میں حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی تشہیر کرو اگر کوئی آ جائے اس کے بارے میں اس کی عمر رسی وغیرہ کو بیان کرے تو اسے دے دو ورنہ اس سے خود نفع اٹھاؤ پہلے فریق نے ان احادیث کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حکم سابقہ زمانے سے متعلق ہے جب اہل اصلاح وامانت کا غلبہ تھا کسی خائن کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا رہ گیا ہمارا زمانہ تو اس زمانے میں کثرت خیانت کی وجہ سے اٹھانا حفاظت اور مالک تک پہنچانے کی غرض ہوتا ہے یہ سب کچھ حج کے لقطہ کے علاوہ ہے اس لیے کہ علماء کا اجماع ہے اس کا اٹھانا جائز نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور مکۃ المکرمہ کا لقطہ بھی جائز نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم فتح مکہ کے موقع پر فرمایا کہ اس کا لقطہ حلال نہیں سوائے تشہیر کرنے

❶...... البدائع: ۶/ ۲۰۱۔ ❷ نصب الراية ۴/ ۴۶۸

والے کے اور اس کی گری پڑی چیز جائز نہیں سوائے وضاحت کرنے والے کے۔

لقطہ کا کیا جائے...... وہ یہ کہ اٹھانے والا اس کی تشہیر کرے جیسا کہ بخاری اور مسلم مین حضرت خالد الجھنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے لقطہ کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سال تک اس کی تشہیر کرو نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لقطہ حلال نہیں جو کوئی چیز پائے تو ایک سال تک اس کی تشہیر کرے ❶ تشہیر سے متعلق کلام میں تشہیر کی کیفیت تشہیر کی مدت تشہیر کی جگہ تشہیر کے اخراجات جس چیز کی گمشدہ چیز کو ضرورت ہے لقطہ واپس کرنے کی شرط اور اس کی ملکیت کا حکم بیان کیا جائے گا۔

لقطہ کی تشہیر کی کیفیت...... لقطہ کی تعریف وتشہیر کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے بارے میں جب پائے اعلان کرے عام لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں پر مثلاً بازاروں میں مساجد کے دروازوں پر قہوہ خانوں وغیرہ میں اور تشہیر اس کے بعض اوصاف ذکر کرکے کی جائے۔ مثلاً اس کی جنس ذکر دی جائے اور کہے کسی کی نقدی یا کپڑے گم ہوئے ہیں وغیرہ یا اس کی رسی وغیرہ کا تذکرہ کردے جس سے وہ باندھا جاتا ہے اس کے تفصیلی اوصاف بیان نہ کرے اس لیے کہ اگر اس کے اوصاف بیان کردے گا تو سننے والا اس کو صفات سے جان لے گا اور اس کی صفت پھر ملکیت پر دلیل نہ ہوگی جمہور کے ہاں اٹھانے والے پر اس کی تشہیر واجب ہے کیونکہ ظاہراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا ہے زید بن خالد رضی اللہ عنہ کو کہ ”عرفها سنة“ ایک سال تک تشہیر کرو یہ وجوب کا تقاضا کرتا ہے اس لیے کہ ظاہری امر وجوب کے لیے ہے جیسا کہ علماء اصول کے ہاں مشہور ہے۔

اکثر شوافع کے ہاں...... جس کا ارادہ حفاظت اور مالک کو واپس کرنے کا ہو اس پر تشہیر واجب نہیں شریعت نے تشہیر واجب کی ہے ملکیت کے ارادہ سے جب اٹھایا لیکن معتمد ان کے ہاں بھی یہی ہے کہ تشہیر واجب ہے اس بات پہ ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ لقطہ کا اعلان اور تشہیر واجب ہے۔ اور اٹھانے والا خود تشہیر کرے یا کسی سے کروائے۔

۲۔ تشہیر کی مدت...... علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گم شدہ بکری پانے والا جو آبادی سے بہت دور ہو وہ اسے کھا سکتا ہے کیونکہ بکری کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی یا بھیڑیئے کی۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا وہ مالک کے لیے قیمت کا ضامن ہوگا یا نہیں؟ جمہور علماء کے ہاں وہ قیمت کا ضامن ہے اس لیے کہ مسلمان کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔ اور امام مالک کے ہاں ضامن نہیں ہوگا ظاہر حدیث کی وجہ سے۔ بکری کے علاوہ باقی جانوروں میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ ایسی جگہ پر تشہیر کرے جس کی اہمیت ہو اور وہ ایک سال تک تشہیر کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال تک تشہیر کا حکم دیا ہے۔

اور بخاری ومسلم میں جو ابی بن کعب کی رویات ہے لقطہ کی تشہیر کے متعلق تین سال کی یا چار اور دس سال کی تو یہ بعض روایت کی غلطی کی وجہ سے ہے جیسا کہ محقق ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق کی ہے۔ یا یہ تقوی والے پر محمول ہے رہ گئی حقیر وکم چیز تو شوافع کے ہاں اصح یہ ہے کہ جو چیز ایک دینار یا درہم کے برابر ہو تو اس کی ایک سال تک تشہیر نہ کی جائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد کی وجہ سے کہ درہم سے کم چیز سے نفع اٹھانے میں کوئی حرج نہیں اور جمہور کے ہاں اس کی مقدار وہ ہے جس سے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جاتا ہو اور وہ چوتھائی دینار ہے اور حنفیہ کے ہاں دس درہم بلکہ اتنا عرصہ اس کی تشہیر کرے جس پر گمان ہو کہ گم کرنے والا اب اسے تلاش نہیں کر رہا یہی مالکیہ کے ہاں راجح ہے، اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت میں ہے اگر چیز کی قیمت دس درہم سے کم ہو تو وہ اس کا ضامن ہے اپنی رائے کی مطابق تشہیر کرے اگر دس درہم یا اس سے زیادہ کی ہو تو پھر ایک سال تک تشہیر کرے البتہ اتنی بات ہے کہ یہ روایت حنفیہ کے ہاں ظاہر روایت نہیں طحاوی رحمۃ اللہ

---

❶ ...... نصب الراية ۳/۴۶۶۔

علیہ نے فرمایا: اگر کوئی لقطہ پائے تو ایک سال تک اس کی تشہیر کرے چاہے وہ نفیس چیز ہو یا خسیس ظاہر روایت میں اور حنفیہ کی ظاہر روایت حنابلہ کا ظاہر مذہب ہے۔

رہ گئی کم چیز تو فقہاء کے ہاں اس کے لینے اور استعمال کرنے میں بغیر تشہیر کوئی حرج نہیں بلکہ مباح ہے جیسے ایک کھجور، روٹی کا ٹکرا، کپڑے کا ٹکڑا وغیرہ، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور پانے والے پر جب اس نے وہ کھالی انکار نہیں کیا بلکہ فرمایا، اگر تم اس کے پاس نہ بھی جاتے پھر بھی وہ تمہارے پاس آتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور دیکھی اور فرمایا اگر مجھے اس کے صدقہ کی ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں اسے کھالیتا اور یہ بات یادر ہے کہ ایک سال تک تشہیر کی جو مدت ہے یہ اس وقت ہے کہ جب لقطہ ایسی چیز ہو جو خراب ہو کر ضائع نہ ہو جائے لیکن اگر وہ خراب ہونے والی چیز ہے تو اسے صدقہ کردے یا خود استعمال کرلے۔

حنفیہ کے ہاں......اور شوافع کے ہاں اٹھانے والے کو اختیار ہے چاہے تو اسے فروخت کردے اور اس کی تشہیر کے بعد اس کے ثمن کا مالک بن جائے یا فی الحال مالک بن جائے اور کھالے پھر تاوان دے دے۔

۳۔تشہیر کی جگہ......لقطہ کی تشہیر بازاروں، مساجد کے دروازوں اور لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں پر کرے اس لیے کہ مقصد اس کی خبر کی اشاعت ہے اور اظہار ہے تا کہ اس کے مالک کو معلوم ہو جائے اور مسجد میں اس کی تعریف نہ کرے اس لیے کہ مسجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کسی شخص کو گمشدہ چیز مسجد میں تلاش کرتے اور اعلان کرتے ہوئے دیکھے تو اسے کہے اللہ تعالیٰ آپ کو واپس نہ کریں اس لیے کہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئی۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لقطہ پانے والے کو مسجد کے دروازے پر تعریف کرنے کا حکم دیا۔

اور شوافع نے مسجد حرام میں اعلان کرنے کی اجازت دی ہے کیونکہ وہاں گم شدہ چیزوں کا اعلان کرنا جائز ہے، اس لیے کہ تعریف و اعلان مصلحت مالک کی وجہ سے ہے اس لیے کہ اٹھانے والا اس کا مالک نہیں بن سکتا باقی مسجد حرام کے علاوہ جو لقطہ کی تشہیر کرے باقی مساجد میں تو وہ متہم ہے کہ وہ اس کا مالک بننا چاہتا ہے اور میری رائے یہ ہے کہ مساجد میں لاؤڈ اسپیکر پر لقطہ وغیرہ کا اعلان کرنا اوقات نماز کے علاوہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ضرورت ہے اس چیز کی شہروں کے زیادہ اور رہائشی لوگوں کے اضافہ کی وجہ سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اعلان لکھ کر مساجد کے دروازوں پر لگا دیا جائے تشہیر کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور یہ صورت ہمارے زمانہ میں مانوس ہے جیسا کہ اخبار وغیرہ کے ذریعہ تشہیر ممکن ہے۔

شوافع نے سال کے دوران تشہیر کے طریقے بیان کیے ہیں کہ سال کے شروع میں ہر دن صبح شام دو مرتبہ اعلان کرے پھر ہر دن ایک مرتبہ پھر ہر ہفتہ میں ایک دو مرتبہ پھر ہر مہینے میں ایک دفعہ۔[1]

۴۔تشہیر کے اخراجات......اگر لقطہ کی تشہیر میں اخراجات کی ضرورت ہو جیسے اخباروں میں اعلان کی اجرت ہمارے زمانے میں تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ خرچہ اٹھانے والے پر ہوگا، اس لیے کہ یہ اجرت تشہیر کرنے والے پر واجب ہے تو اسی پر ہوگی جیسے کہ ملکیت کی غرض سے اٹھائے اس لیے کہ اگر وہ خود تعریف کرے تو مالک پر کوئی اجرت نہیں تو جب کسی کو اجرت پر لے تو بھی مالک پر کچھ نہیں ہوگا۔

مالکیہ کے ہاں......اگر اٹھانے والے نے اپنی طرف سے لقطہ پر کچھ خرچ کیا تو مالک کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس کا خرچہ ادا کردے یا پھر لقطہ ہی کو اس کے حوالے کردے شوافع کے ہاں چونکہ تعریف ملتقط پر واجب ہے جو کہ معتمد ہے ملتقط کے ذمہ تعریف کے اخراجات نہیں اگر اس نے حفاظت اور مالک تک پہنچانے کی غرض سے اسے اٹھایا ہو بلکہ یہ اخراجات قاضی بیت المال یا مالک پر قرض لے کر کرے گا لیکن اگر اس نے لقطہ اپنی ملکیت کے لیے اٹھایا تو پھر تعریف کا خرچہ اس کے ذمہ لازم ہوگا چاہے پھر وہ اس کا مالک بنے یا نہ بنے یہ رائے معقول ہے۔

---

[1]......البداء: ۶/ ۲۰۲۔

گم شدہ جانور یا مال جو خرچہ کا محتاج ہوتا ہے تو مالکیہ کے ہاں: ملتقط مالک سے اخراجات میں رجوع کر سکتا ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں وہ اس کی حفاظت میں تطوع کرنے والا ہے لہٰذا نفقہ کے سلسلہ میں مالک پر رجوع نہیں کر سکتا البتہ شوافع کے ہاں اگر رجوع کا ارادہ رکھتا ہے تو پھر حاکم وقت سے اجازت لے لے اگر حاکم موجود نہ ہو تو لقطہ پر گواہ بنا لے، حنفیہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے کہ اگر اٹھانے والے نے حاکم کی اجازت کے بغیر خرچ کیا تو وہ تبرع اور احسان کرنے والا ہے اس لیے کہ اسے اس بات پر ولایت نہیں کہ وہ مالک کے ذمہ دین اس کی اجازت کے بغیر لے لے اور اگر حاکم کی اجازت سے خرچ کیا تو وہ مالک پر قرض ہوگا اس لیے کہ قاضی کو غائب کے مال پر ولایت حاصل ہے مصلحت کی رعایت کی خاطر اگر معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ دیکھے اگر جانور کا کوئی نفع ہے اور وہاں کوئی مستاجر ہے تو وہ اسے اجرت پر رکھ لے اور اس کی اجرت میں سے اس پر خرچ کرے اس لیے کہ اس کے اجارہ میں مالک کی رعایت ہے اور اگر جانور ایسا ہے کہ اس کا کوئی نفع نہیں بطور اجارہ اور یہ خوف ہو کہ نفقہ اس کی قیمت کو گھیر لے گا تو قاضی اسے فروخت کر کے اس کے ثمن کی حفاظت کا حکم دے دے۔ اور اگر اصلح یہ معلوم ہو کہ فروخت نہ کیا جائے، بلکہ اس پر خرچ کیا جائے تو اسے خرچ کی اجازت دے دے اور نفقہ مالک پر قرض ہوگا جب مالک حاضر ہوا تو اٹھانے والے کو اختیار ہے کہ خرچ وصول کرنے تک اسے اپنے پاس روکے رکھے اور اگر وہ نفقہ دینے سے انکار کرے تو قاضی اسے فروخت کر کے اٹھانے والا خرچہ ادا کرے۔ ❶

۵۔ مالک تک لقطہ پہنچانے کی شرط...... لقطہ واپس مالک کو دینے کی شرط یہ ہے کہ وہ کوئی علامت ذکر کرے جس سے دوسروں میں امتیاز ہو جائے یا دو گواہوں سے ثابت کر دے کہ وہ اس کا ہے جب اس نے ثابت کر دیا کہ وہ اس کا ہے یا امتیاز کرنے والی علامت ذکر کی اس کا عدد وزن وغیرہ تو پھر اٹھانے والے کے لیے حلال ہے کہ وہ اسے دے دے اور چاہے تو اس پر کفیل لے لے اس لیے کہ علامت کی بناء پر لوٹانے کا شریعت میں حکم ہے اور یہ بالاتفاق علماء کے ہاں ہے لیکن یہ بات کہ آیا قضاء صرف علامت ذکر کرنے کی وجہ سے ملتقط پر جبر کیا جائے گا واپس کرنے کے لیے یا وہ گواہوں سے ثابت کرے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے ❷ حنفیہ اور شوافع کے ہاں: بغیر گواہوں کے ملتقط کو مجبور نہیں کیا جائے گا لقطہ واپس کرنے پر اس لیے کہ وہ مدعی ہے لہٰذا گواہوں کا محتاج ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اگر لوگوں کو ان کے دعووں کی وجہ سے حق دے دیا جائے تو پھر لوگ لوگوں کے مال اور جانوں کا دعویٰ کریں گے لیکن گواہ مدعی پر ہیں اور قسم جو انکار کر دے اس پر ❸ نیز اس لیے بھی کہ لقطہ غیر کا مال ہے لہٰذا ودیعت کی طرح صرف وصف بیان کرنے کی وجہ سے واپس کرنا واجب نہیں لیکن ملتقط کے لیے حلال ہے کہ وہ درست علامات پائے جانے کی صورت میں لقطہ دے دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے کہ اگر اس کا مالک آ جائے اور اس کی علامت وغیرہ بیان کر دے تو اسے دے دو ورنہ وہ تمہارا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں...... اگر مذکورہ صفات مالک بیان کر دے تو ملتقط کو واپس کرنے پر مجبور کیا جائے گا چاہے اس کی صداقت کا ظن غالب ہو یا نہ ہو اور گواہوں کی ضرورت نہیں ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہ اگر کوئی آکر تمہیں اس کی تعداد اور رسی وغیرہ کی خبر دے تو اسے دے دو اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث سابق کی وجہ سے کہ اس میں صرف صفات بیان کرنے کا تذکرہ ہے اور گواہوں کا اس حدیث میں ذکر نہیں اگر یہ شرط ہوتی تو پھر اس حدیث کو اس سے خالی ہونا درست نہ ہوتا اور آپ اس کے علاوہ سپرد کرنے کا حکم نہ دیتے نیز لقطہ پر گواہ قائم کرنے متعذر ہیں اس لیے کہ وہ غفلت اور سستی کی حالت میں ضائع ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گواہ مدعی پر ہیں اس صورت میں ہے جب کوئی انکار کرے اور یہاں کوئی منکر نہیں یہ رائے راجح اور حق ہے۔

۶۔ لقطہ کے مالک ہونے کا حکم...... ایک سال تشہیر کے بعد لقطہ کے حکم میں ہمارے فقہاء کا اختلاف ہے اور اس میں دو رائے

---

❶ ..... البدائع ۲۰۳/۶۔ ❷ فتح القدیر: ۴/ ۴۳۱۔ ❸ نصب الرایۃ: ۴/ ۹۵

ہیں: ایک رائے یہ کہ فقیر اس کا مالک بن سکتا ہے امیر نہیں اور ایک رائے مطلقاً مالک بننے کی ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... ❶ اگر اٹھانے والا مالدار ہو تو لقطہ سے نفع اٹھانا اس کے لیے جائز نہیں اسے فقراء پر صدقہ کردے چاہے وہ فقراء اس کے رشتہ دار ہوں یا اجنبی اور چاہے اس کے والدین اور بیوی بچے ہوں اس لیے کہ یہ غیر کا مال ہے رضامندی کے بغیر اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں قرآن کریم اور سنت کی نصوص مطلق میں۔ مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ......البقرۃ ۲/ ۱۸۸

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ البقرۃ ۲/ ۱۹۰

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کسی مسلمان کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر جائز نہیں اور حدیث ابو ہریرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے لقطہ حلال نہیں جو کوئی چیز اٹھائے تو ایک سال اس کی تشہیر کرے اگر مالک آ جائے تو اسے واپس کردے اگر نہ آئے تو صدقہ کردے اور حضرت عیاض بن حمار المجاشعی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جو شخص لقطہ پائے تو اس پر ایک عادل گواہ بنا لے نہ اسے چھپائے اور تشہیر کرے اگر مالک مل جائے تو اسے واپس کردے ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے جسے چاہے دے۔

لیکن اگر اٹھانے والا فقیر ہو تو لقطہ سے نفع اٹھانا اس کے لئے جائز ہے بطور صدقہ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس کو صدقہ کردو صدقہ کے بعد اگر اس کا مالک آ جائے تو اسے اختیار ہے چاہے تو صدقہ برقرار رکھے تو اسے ثواب ملے گا چاہے تو ملتقط سے ضمان لے لے اور چاہے تو جس فقیر کو صدقہ کیا گیا ہے اگر وہ اس کے پاس ہو اس سے لے لے جو بھی ضامن بنے دوسرے پر رجوع نہیں کرسکتا۔

جمہور فقہاء کے ہاں لقطہ کا مالک بننا جائز ہے اور یہ تمام مالوں کی طرح ہوگا چاہے وہ امیر ہو یا غریب کیونکہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سے جن میں عمر، ابن مسعود، عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں سے روایت ہے اور نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد جو حضرت خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اگر مالک نہ ملے تو اس کو خرچ کرو ایک روایت کے الفاظ میں آپ کا اس سے معاملہ اور ابی بن کعب کی روایت میں اسے خرچ کرو اور اسی سے نفع اٹھاؤ اور یہ حدیث صحیح ہے۔

اور حنفیہ کی روایت جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے وہ ثابت نہیں اور نہ ہی وہ کسی معتبر کتاب میں منقول ہے اور حدیث عیاض میں ان کا دعویٰ کے جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا صرف صدقہ کی مستحق ہے اس پر کوئی برھان و دلیل نہیں اس کا بطلان ظاہر ہے اس لیے کہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی ملک ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ ......النور: ۲۴/ ۳۳

البتہ مالک بننے کے طریقہ میں جمہور کا اختلاف ہے حنابلہ کے ہاں: جب تشہیر مکمل ہو جائے تو لقطہ اٹھانے والے کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے میراث کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے: جب اس کا مالک آ جائے ورنہ وہ مالک کی طرح ہے اور آپ کا ارشاد اسے خرچ کرو اگر ملکیت مالک بننے پر موقوف ہوتی تو آپ ضرور بیان فرماتے۔

مالکیہ کے ہاں...... جب مالک بننے کی نیت کرے گا تو مالک بن جائے گا یعنی تملیک کی تجدید کرے کیونکہ ایجاب نہیں ہے شوافع کے ہاں کہ وہ مالک ہو جائے گا ایسے الفاظ سے جو تملیک پر دلالت کرتے ہوں مثلاً جو کچھ میں نے پایا ہے میں اس کا مالک ہوں، اس لیے کہ اس کا مالک بننا بدل کی وجہ سے ہے لہٰذا تملیک اختیار کرنے کا محتاج ہے جیسے کہ شفیع شفعہ کا اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے سوائے اہل ظاہر کے کہ جب ملتقط لقطہ میں سے کچھ کھا لے تو وہ اس کا ضامن ہے۔

---

❶ ......المبسوط: ۱۱/ ۴۔

حل اور حرم کا لقطہ...... جمہور فقہاء کے ہاں جو احکام لقطہ سے متعلق مذکور ہوئے ہیں یہ مکہ مکرمہ اور دوسرے تمام شہروں کے لقطہ کو شامل ہیں اس لیے کہ لقطہ امانت ہے حل اور حرم کی وجہ سے اس کا حکم مختلف نہیں ہوگا ودیعت کی طرح نیز جو احادیث اس بارے میں ہیں ان میں بھی حل اور حرم کی تعریف نہیں، رہ گئی وہ حدیث جو مکہ کے لفظ کے ساتھ خاص ہے تو اس کا مقصد بعض لوگوں کے رحم کو دور کرنا ہے کہ مکہ کے لقطہ کی تعریف کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ غرباء کی جگہ ہے اس لیے اس میں فائدہ نہیں شوافع کے ہاں صریح یہ ہے کہ حرم کے لقطہ کی تشہیر بھی ہمیشہ واجب ہے اس لیے کہ حرم کا لقطہ مالک بننے سے حلال نہیں ہوتا صحیحین کی حدیث کی وجہ سے کہ یہ شہر اسے اللہ تعالیٰ نے حرمت دی ہے اس کا لقطہ وہی اٹھائے جو اس کی تشہیر کرے اور بخاری کی روایت میں ہے حرم کا لقطہ صرف تشہیر والے کے لیے جائز ہے اور شوافع کے ہاں اس میں سال کی قید بیان نہیں فرمائی تو مراد یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی تشہیر کرتا رہے ورنہ تخصیص کا فائدہ نہیں اور معنی یہ ہے کہ حرم مکہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بخشا ہے کہ یہ لوگوں کے بار بار آنے کی جگہ ہے ہوسکتا ہے کبھی اس کا مالک آ جائے یا اس کی طلب کے لیے کسی کو بھیجے تو اس کا مال بھی یہاں محفوظ ہے جیسے دیت یہاں سخت ہے۔

دسویں فصل...... مفقود کے بیان میں

اس فصل میں کلام مفقود کے معنی کیفیت اور حالت کا اعتبار اور قاضی کے اس کے مال اور اہل کے لیے مقرر کرے اور موت کے وقت کا حکم وغیرہ۔

مفقود کون...... وہ شخص جو اپنے شہر سے غائب ہو اور اس کا کوئی اتا پتا نہ ہو اور غائب ہوئے اتنا زمانہ گذر جائے کہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔

کیسے اس کی زندگی اور موت کا معلوم کریں...... مفقود اپنے حق کے اعتبار سے زندہ سمجھا جاتا ہے اور غیر کے حق میں مردہ۔ حنفیہ کے ہاں اس کے لیے بھی حقوق ثابت ہیں ایجابی نہیں۔ پس اس کی نسبت اس کے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا اور اس کی بیوی بائنہ نہ ہوگی گویا کہ وہ زندہ ہے۔ اور غیر کی نسبت سے وہ اپنے اقارب کا وارث نہ ہوگا گویا کہ مردہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے مفقود کے لیے وصیت کی اور موصی مر گیا تو موصی بہ مستحق نہ ہوگا بلکہ وراثت میں اس کا حصہ موقوف رہے گا یا وصیت میں یہاں تک کہ اس کے زندہ یا مردہ ہونے کا پتا چل جائے حضرات حنفیہ کی شوافع نے موافقت کی ہے کہ بیوی کو نکاح فسخ کرنے کا حق نہیں اور وہ انتظار کرے گی کہ موت کی وفات کا پتا چل جائے امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: جب چار سال گزر جائیں تو قاضی مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دے اور وہ عدت وفات گذارے پھر جہاں چاہے شادی کرے کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ نے مفقود کے بارے میں اسی طرح فیصلہ فرمایا تھا۔

قاضی کی مفقود کے مال اور اہل کے متعلق صلاحیت...... حنفیہ کے ہاں درج ذیل ہیں۔

۱۔ قاضی ایک امین مقرر کرے جو مفقود کے مال کی حفاظت کرے اور نگرانی کرے اس کے پھلوں وغیرہ کی اور اس کی طرف عائد حقوق وصول کرے جیسے بچہ اور مجنون کے مال پر نگران ہوتا ہے۔

۲۔ جس مال کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو اسے فروخت کر کے ثمن کی حفاظت کرے کیونکہ فروخت کرنا حفاظت کے مقتضیات میں سے ہے اگر اس کی چھوڑی ودیعتیں ہوں تو انہیں ودیع کے پاس رہنے دے تاکہ وہ ان کی حفاظت کرے اس لیے کہ اس کا قبضہ نائب ہونے کی حیثیت سے ہے۔

۳۔ مفقود کے مال میں سے اس کی بیوی پر خرچ کرے اگر نکاح باقی ہونے کا علم ہو اسی طرح اس کے مال میں سے اس کی چھوٹی اولاد

مذکرومرنث پر خرچ کرے اور اسی طرح محتاج اور اپاہج اولاد پر بھی خرچ کرے اگر اس کا کوئی مال نہ ہو صرف ودیعت ہو اور وہ درھم دینار کھانے اور کپڑے ہوں تو ان میں سے خرچ کرے۔

اور اگر اس کا مال درہم دینار کھانا اور کپڑے کے علاوہ ہو مثلاً سامان تجارت ہو یا عقارات ہوں تو قاضی ان میں سے ان پر خرچ نہ کرے کیونکہ سوائے فروخت کرنے کے خرچ کرنا ممکن نہیں اور قاضی کو بھی غائب کی زمین مکانات اور سامان تجارت فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہاں والد کو سامان فروخت کرنا جائز ہے نفقہ کے لئے اس لیے کہ والد کو بیٹے کے مال میں تصرف کرنے کا فی الجملہ اختیار ہے۔ برخلاف قاضی کے رہ گئی زمینیں اور مکانات تو والد کو بھی فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہاں قاضی کی اجازت ہو تو پھر فروخت کرسکتا ہے۔

مفقود کی موت کا کب حکم لگایا جائے گا اور اس کا کیا اثر ہے..... جب مفقود پر کافی عرصہ گزر جائے اس کی ولادت سے اس طور پر کے اس کی ہم عمر اس مدت تک یقیناً زندہ نہیں رہ سکتے تو اس کی موت کا حکم لگایا جائے گا اس کے اور اس کی بیویوں کے درمیان تفریق ہوجائے گی اور اس کا مال اس کے زندہ ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا اور وہ کسی کا وارث نہیں ہوگا وہ مدت جو ہم مقرر کرتے ہیں مفقود کی زندگی کے لیے ظاہر روایت میں اس کی تحدید نہیں بلکہ ہم عمروں کے مرنے سے اندازہ لگایا جاتا ہے اور حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی مدت ایک سو بیس سال نقل کی ہے اس کی ولادت سے لے کر اور زیادہ مناسب نوے سال ہے۔

گیارہویں فصل.....مسابقہ اور مناضلہ

پہلی بحث: سبق، مسابقہ، یارھان.....اس میں مسابقہ کی تعریف اور مشروعیت اور جواز مسابقہ کی شرائط بیان ہوں گی۔

مسابقہ کی تعریف اور مشروعیت: السبق..... با کے سکون کے ساتھ سبق کا مصدر ہے آگے بڑھنا اور باء کی حرکت کے ساتھ وہ مال جو گھڑ دوڑ کرنے والوں کے درمیان طے ہو یعنی انعام ورھن یا خطر مقدمین کی اصطلاح میں یعنی وہ چیز جس کی وجہ سے سبقت لی جاتی ہے جو آگے بڑھ گیا وہ لے لے گا۔ اور سباق یہ کہ ایک ساتھی دوسرے سے آگے بڑھ جائے گھڑ دوڑ وغیرہ میں۔ مسابقہ اور مقابلہ سنت اور اجماع کی رو سے جائز ہے سنت میں تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سدھائے ہوئے گھوڑے اور نہ سدھائے ہوئے گھوڑے کے درمیان مقابلہ کیا اور مسابقہ کے جواز پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ البتہ مسابقہ میں تین امور ممنوعہ سے بچنا ضروری ہے۔

قمار، جانور کو تکلیف دینا اور ایک ہی شخص کا عوض معوض لینا اور یہ اس وقت ہے جب دونوں مقابلہ کرنے والے عوض پیش کریں تا کہ جیتنے والا اسے لے لے۔ مسابقہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ مسابقہ بغیر عوض اور مسابقہ مع عوض۔ مسابقہ بغیر عوض یہ مطلقاً جائز ہے بغیر کسی متعین قید کے جیسے دوڑنے کشتیوں، پرندوں، خچروں، گدھوں اور ہاتھیوں وغیرہ میں مقابلہ دوڑنے کا۔ اسی طرح کشتی اور پتھر اٹھانا تا کہ طاقت معلوم ہو سکے یہ بھی جائز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوڑ میں میرا مقابلہ کیا تو میں ان سے آگے بڑھ گئی پھر کچھ عرصہ کے بعد پھر مسابقہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بڑھ گئے اور فرمایا یہ اس کے بدلہ میں ہے۔ اسی طرح سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری صحابی کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تو حضرت سلمہؓ جیت گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ کے ساتھ کشتی کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پچھاڑ دیا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے وہ پتھر اٹھا رہے تھے تا کہ ان میں سے زیادہ طاقت والا کون ہے معلوم ہو سکے تو آپ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی بقیہ مسابقہ کی اقسام کو انہی پر قیاس کرو۔

۲۔ مسابقہ بعوض.....تو حنفیہ کے ہاں چار چیزوں کے علاوہ میں جائز نہیں۔

۱.....تیر اندازی
۲.....گھڑ دوڑ خچر اور گدھا وغیرہ کی دوڑ
۳.....اونٹ اور بیل وغیرہ
۴.....اور انسانوں کا دوڑنا اور کشتی۔

پہلی تین چیزیں چونکہ آلات حرب ہیں جن کے سیکھنے کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ......الانفال: ۸/ ۶۰

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوت کی تشریح الرمی یعنی پھینک کر مارنے سے کی ہے اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے صرف تین چیزیں سامان تفریح ہیں آدمی کا اپنے گھوڑے کی تادیب اپنی بیوی سے کھیل کود اور اپنی کمان سے تیر اندازی یہ چیزیں حق ہیں۔

رہ گئی دوڑنے یا کشتی میں دلیل تو وہ حدیث ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوڑ لگائی تھی۔ اور رکانہ کو پچھاڑا تھا نیز اس لیے بھی کہ قدموں پر چلنا اور پچھاڑنا جہاد میں دشمنوں کو مارنے اور اپنی شان وشوکت اور ٹھاٹ باٹھ جہاد میں ظاہر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ شوافع کے ہاں مسابقہ اور مناضلہ تیروں پر بالا جماع سنت ہے اور ان پر عوض لینا بھی حلال ہے اس لیے کہ اس میں جہاد کی تیاری کی ترغیب بھی ہے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں صرف تیر اندازی گھڑ دوڑ اور اونٹوں وغیرہ کی ریس پر عوض کے ساتھ مسابقہ کرنا جائز ہے یعنی اسلحہ کی ٹریننگ اور گھوڑا اچلانے کی مشق وغیرہ میں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مسابقہ جائز نہیں سوائے گھڑ دوڑ اونٹوں کی دوڑ اور تیر اندازی کے یہ تمام چیزیں آلات قتال وجہاد ہیں تو ہر وہ چیز جو جہاد کے لئے نفع بخش ہو اس میں مسابقہ جائز ہے۔

رہ گیا قدموں سے دوڑنا اور کشتی میں پچھاڑنا تو یہ عوض کے ساتھ جائز نہیں اس لیے کہ لڑائی میں اس کا کوئی نفع نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکانہ کے ساتھ کشتی کرنا ضرورت کی بنا پر تھا جیسا کہ ابوداؤد کی مراسیل میں ہے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ آپ کی قوت دیکھ کر اسلام لے آتے وہ اسلام لے آیا تھا۔

جب مسابقہ عوض کے بغیر مطلقاً جائز ہے اونٹوں اور دوسرے جانوروں، کشتیوں اور پرندوں میں جلدی خبر پہنچانے کے حوالے سے تو دوڑنے اور پتھر اٹھانے اور کشتی میں بھی بغیر عوض جائز ہے۔

مسابقہ جائز ہونے کی شرطیں......مسابقہ جو عوض کے ساتھ ہو اس کے جواز کی کئی شرائط ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں:

۱.....مسابقہ ایسی چیزوں میں ہو جو جہاد کے لیے نفع بخش ہو اور حنفیہ کے ہاں وہ چار چیزوں اور قسموں میں ہے تیر اندازی گھڑ دوڑ اونٹ کی ریس اور دوڑنا اور جمہور کے ہاں پہلی تین چیزوں میں۔

۲.....عوض مسابقہ کرنے والوں میں سے کسی ایک کی طرف سے ہو یا کسی تیرے شخص کی طرف سے ہو مثلاً ایک دوسرے سے کہے اگر آپ مجھ سے سبقت لے لو تو میرے ذمہ آپ کے لیے فلاں چیز ہے اور اگر میں سبقت لے گیا تو آپ پر کچھ نہیں یا منتظم یا کوئی تیسرا شخص کہے تم میں سے جو سبقت لے گیا اس کے لیے بیت المال سے یا میری جانب سے فلاں چیز ہے اس لے کہ ان حالات میں حرام قمار (جوا) نہیں پایا جاتا یہ تو عوض دینا ہوتا ہے بطور بدلہ یا جعالہ انعام یا جہاد کے فنون کی تیاری کے لیے۔

اگر عوض دونوں جانب سے ہو تو یہ رھان ہے اور یہ حلال نہیں الا یہ کہ ان میں کوئی تیسرا شخص داخل ہو جائے مثلاً دونوں اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ان میں سے ہر ایک دس میرے یا ایک دس میرے اور دوسرا آٹھ میرے مخصوص کر لیں اور وہ کسی تیسرے شخص کو دے دیں کہ اگر اس کا گھوڑا یا اونٹ ان کے اونٹ کے وغیرہ کے برابر ہو اور یہ اس وقت ہے جب وہ سبقت لے جائے ان دونوں سے اگر دونوں سے سبقت لے گیا تو یہ مال وہ لے لے گا اور اگر کسی ایک سے سبقت لے گیا تو اس پر کچھ نہیں ہوگا اور ان میں سے کوئی ایک کچھ بھی نہیں لے گا دلیل نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا گھوڑا دو گھوڑوں کے درمیان داخل کر دے اور اسے سبقت پر اطمینان نہ ہو تو یہ قمار نہیں اور جو دو گھوڑوں میں گھوڑا داخل کرے اور اسے سبقت کا اطمینان ہو تو یہ قمار اور جوا ہے۔ مطلب یہ کہ تیسرا گھوڑا جو داخل کیا جا رہا ہے مسابقہ میں وہ باقی دو گھوڑوں کے برابر کا ہو اگر وہ ان سے کمزور یا زیادہ طاقت ور ہے تو یہ درست نہیں اس لیے کہ حدیث میں بالکل واضح ہے کہ جب تیسرے کو سبقت کا اطمینان ہو تو یہ جوا ہے اور اگر سبقت کا اطمینان نہیں تو یہ جوا نہیں۔

اگر عوض دونوں جانبوں سے ہو بغیر کسی محلل کے تو یہ گھڑ دوڑ وغیرہ حرام ہے جیسے دو شخص کہیں کہ ہم میں سے جو بھی سبقت لے جائے تو دوسرے پر اس کے بدلہ فلاں چیز ہے تو یہ حرام قمار میں سے ہے۔

پس اس طرح مسابقہ کی چار صورتیں بنتی ہیں تین تو ان میں سے حلال ہیں اور ایک ان میں حرام ہے اس کے لیے جوئے اور قمار کا حکم ہے۔ حلال صورتیں یہ ہیں:

پہلی صورت.....عوض بادشاہ کی طرف سے یا کسی امیر یا کسی تیسرے شخص کی طرف سے ہو تو یہ جائز ہے اتفاقاً۔

دوسری صورت.....کہ عوض ایک جانب سے ہو کہ جیتنے والا اسے لے لے اور یہ بھی بالاتفاق جائز ہے۔

تیسری صورت.....کہ عوض مسابقہ کرنے والوں کی طرف سے ہو اور ان کے ساتھ ایک محلل بھی ہو کہ اگر وہ جیت جائے تو عوض لے لے اور اگر کوئی دوسرا سبقت لے جائے تو اس پر کوئی تاوان نہ ہو اس لیے کہ اس میں قمار نہیں بلکہ جہاد کے لیے قوت حاصل کرنا ہے اور یہ جمہور کے ہاں جائز ہے اور امام مالک اس کو جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ جیت جائے جس نے عوض پیش کیا ہوا ہے۔

حرام صورت......اور اتفاقاً حرام صورت یہ کہ ہر ایک کی طرف عوض ہو کہ اگر وہ جیت گیا تو اسے عوض ملے گا اور اگر نہ جیتا تو دوسرے ساتھی کو اس کے مثل تاوان دے گا تو یہ حرام ہے اس سے ظاہر ہوا کہ حرام مسابقہ وہ ہے جس میں طرفین سے لینے دینے کا احتمال ہو بایں طور کہ جیتنے والا لے لے اور ہارنے والا تاوان دے یہی قمار اور جوئے کا مفہوم ہے جو حرام ہے۔

۳: **مسابقہ کے جواز کی تیسری شرط:**......مسابقہ ان چیزوں میں ہو جن میں یہ احتمال ہو کہ ان میں سے ایک بڑھ جائے گا اور دوسرا رہ جائے گا اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ دوسرے سے بڑھ جائے گا تو جائز نہیں اس لیے کہ اس صورت میں تحریض ابھارنے کے معنی نہیں پائے جاتے تو یہ رھان ہو گیا کہ بغیر نفع کے مال کا التزام کرنا شرط ہوا۔

۴۔ مشروط مال معلوم ہو اور ابتداء اور انتہاء معلوم ہو اور گھوڑے وغیرہ متعین ہو کما قرر شافعیہ اس سے ظاہر ہوا کہ آج کل جو مسابقہ ہوتا ہے جس میں رھان پایا جا رہا ہے اور تیسرا کوئی شخص نہیں ہوتا حرام ہے۔

دوسری بحث: مناضلہ: تیر اندازی کا مقابلہ:

اس کی تعریف، اقسام، لزوم حکم اور شرائط: مناضلہ کی تعریف اور مشروعیت.....لغت میں غلبہ پانا اس کا معنی ہے ازھری نے کیا: نضال تیروں میں مقابلہ رھان گھوڑوں میں مقابلہ اور سباق گھوڑوں اور تیر اندازی دونوں میں مقابلہ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: **انا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ** (یوسف ۱۲/۱۷) اسی بنا پر گھوڑوں وغیرہ میں مسابقہ اسلحہ میں سے ہے۔ اس مسابقہ اور مناضلہ کے موضوع پر تصنیف میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی آگے نہیں بڑھا جیسا کہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مناضلہ یا تیر اندازی اسلحہ سیکھنے کی مشق اور ہدف پر درست نشانہ بازی کے ذریعہ اپنا تفوق ظاہر کرنا مخصوص مال پر مناضلہ اور مسابقہ تمام صحت مند مسلمانوں کے لیے سنت اور جائز ہے بالاجماع کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ الانفال:۸/ ۶۰

کفار کے مقابلہ کے لیے جس قسم کی طاقت بھی ہو اسے تیار کرو مسلم شریف میں عقبہ بن عاصر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوۃ کی تفسیر الرمی سے کی ہے اور فرمایا:

الا ان القوۃ الرمی ثلاث مرات

کہ قوت پھینک کر مارنے میں ہے تیراندازی میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازی پر ابھارا ہے۔ مسند احمد اور بخاری میں سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسلم کے افراد کے پاس سے گزر رہے تھے اور وہ تیراندازی کر رہے تھے بازار میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تیراندازی کرو کیونکہ آپ کے والد بھی تیراندازی کیا کرتے تھے تیراندازی کرو میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں تو ایک گروہ نے ہاتھ روک لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا تیراندازی نہیں کرتے؟ تو وہ کہنے لگے ہم کیسے تیراندازی کریں آپ ان کے ساتھ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیراندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔ امام احمد اور اصحاب سنن نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں لے جائیں گے ایک اس کے بنانے والے کو جس نے نیکی کے ارادہ سے اسے بنایا دوسرا وہ جو اسے اللہ کے راستے میں دے، اور تیسرا وہ جو اسے اللہ کے راستے میں چلائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تیراندازی کرو اور گھوڑوں پر چڑھو، تیراندازی کرنا گھوڑوں پر سوار ہونے سے بہتر ہے اور فرمایا کہ ہر وہ چیز جس سے انسان کھیلے وہ باطل ہے سوائے تین چیزوں کے اپنی کمان سے تیراندازی کرنا، اپنے گھوڑے کو سدھانا اور اپنی بیوی سے لاڈ پیار کرنا اس لیے کہ یہ چیزیں حق میں سے ہیں۔

مناضلہ کی اقسام..... تیراندازی صحیح ہے چاہے تیروں کمانوں یا پتھر پھینک کر پتھر پھینکنے کے آلہ سے ہاتھ سے یا منجنیق سے اور ہر وہ چیز جو لڑائی میں کام آئے جیسے کھینچ کر تیراندازی وغیرہ یا تلواروں اور نیزوں کے ذریعہ کھیلنا۔ اور درست نہیں مسابقہ گیند کی تمام اقسام میں عوض کے ساتھ اور بندق بیر جیسے پھل یا بلور کے ذریعہ جسے سوراخ وغیرہ میں پھینکا جاتا ہے میں عوض کے ساتھ پانی میں تیرنے پر شطرنج پر انگوٹھی پر ایک پاؤں پر کھڑے ہونے میں اور ہاتھ میں کیا ہے طاق عدد میں جفت میں اور سارے کھیل کے اقسام میں عوض پر مسابقہ جائز نہیں کیونکہ یہ چیزیں جہاد کے لیے نفع بخش نہیں یہ اس صورت میں ہے جب عوض کے ساتھ مسابقہ ہو لیکن اگر بغیر عوض ہو تو مباح ہے جیسا کہ شوافع کے ہاں قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مسابقہ [illegible] دوڑ اور دوسرے جانوروں اور دوڑنے اور تیراندازی باری اور اسلحہ کے استعمال کے ساتھ میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ اس میں جہاد کی مشق ہے اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا اور امام احمد اور شیخین نے روایت کی ہے کہ حبشی نیزوں کے ساتھ مسجد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

عقد مسابقہ اور مناضلہ کی صفت..... شوافع کے ہاں اظہر یہ ہے کہ یہ دونوں عقد جب مال مشروط پر مکمل ہو جائیں تو لازم ہو جاتے ہیں طرفین میں سے کسی ایک کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ جب وہ مال کا التزام کرلے اور ان کے درمیان کوئی محلل داخل ہو جائے اور اسے فسخ کردے جیسا کہ عقد [illegible] زمہ کی حالت ہے۔ اور اسے شروع کرنے سے پہلے ترک کرنا درست نہیں اور نہ اس کے بعد الا یہ کہ طرفین عقد اول کو فسخ کردیں اور نیا عقد شروع کریں۔

مناضلہ کا حکم..... مناضلہ اور مسابقہ کا حکم ایک ہے ان میں سے تین صورتیں حلال ہیں اور چوتھی صورت حرام ہے اس لیے کہ یہ قمار اور جوا ہے اور وہ یہ کہ مناضلہ کرنے والے اس بات پر عہد کرلیں کہ ہر ایک دوسرے کو متعین عوض دیں اگر کامیاب ہو، اگر عوض حاکم وقت کی

جانب سے بیت المال سے ہو یا کسی با اثر شخص کی جانب سے ہو یا مناضلہ کرنے والوں میں سے کسی ایک یا دونوں کی جانب ہو جائز ہے امام کہے یا رعیت میں سے کوئی ایک کہے اس طرح تیراندازی کرو جو کامیاب ہو گیا اسے بیت المال سے اتنا ملے گا یا میرے اوپر اتنا ہے یا ان میں ایک کہے میں اس طرح تیراندازی کروں گا اگر تم جیت گئے تو میرے ذمہ اتنا ہے اور اگر میں جیت گیا تو میرے لیے تمہارے اوپر کچھ نہیں لیکن اگر دونوں ایک دوسرے پر عوض شرط قرار دیں تو مناضلہ کسی تیسرے شخص کے داخل ہونے کے بغیر جائز نہیں اور اس کی تیراندازی قوۃ اور تعداد میں برابر ہونی چاہے وہ ان دونوں کا مال لے لے اگر غالب ہو اور اس پر تاوان نہ ہو۔

مناضلہ کے صحیح ہونے کی شرطیں...... درج ذیل مناضلہ کے صحیح ہونے کی شرطیں ہیں:

۱..... تیراندازی کی تعین ہدف کی تعین جس جگہ ٹھہر کر تیراندازی کریں گے اس کی تعین اور مسافت کی تحدید اور نشانہ کی لمبائی چوڑائی موٹائی اور زمین سے اونچائی وغیرہ کی مقدار کی تعین اور تیروں کی تعداد وغیرہ تاکہ درست نشانہ وغیرہ کا عمل منضبط ہو سکے اس لیے کہ مناضلہ مسابقہ کی طرح ہے اس میں بھی درست اور غلط کا امکان شرط ہے۔

۲..... اسلحہ کی جنس ایک ہو مثلاً پستول، بندوق اور مدفع وغیرہ اور مختلف جنس کے اسلحہ سے مناضلہ صحیح نہیں اگرچہ دونوں اس پر راضی ہی کیوں نہ ہوں۔

۳..... درستگی کی مقدار اور مارنے کی صفت کا بیان یعنی آخری حد نیزہ تیر وغیرہ جبکہ نضال تیروں وغیرہ سے ہو کہ دونوں مناضلہ کرنے والے صرف آخری حد تک پہنچا دیں یا ہدف تک پہنچا کر اسے پھاڑ ڈالیں۔

۴..... مال کی مقدار معلوم ہو اور محلل (تیسرا شخص) موجود ہو اگر حرام صورت ہو۔

۵..... پہلے کون تیراندازی کرے گا اس کی وضاحت اس لیے کہ ان دونوں میں ترتیب شرط ہے تاکہ درست اور غلطی کرنے والے میں اشتباہ نہ ہو جیسا کہ اگر دونوں اکٹھے تیراندازی کریں اگر وضاحت نہ کی تو عقد فاسد ہوگا۔

بارہویں فصل......شفعہ

شفعہ کے متعلق درج ذیل آٹھ مباحث میں بات ہوگی:

پہلی بحث	......	شفعہ کی تعریف اس کی دلیل اور حکمت رکن عنار، سبب، حکم اور صفت۔
دوسری بحث	......	محل شفعہ یعنی کس چیز میں شفعہ ثابت ہے اور کس میں نہیں۔
تیسری بحث	......	شفیع شفعہ کے مراتب، شفعاء کا تعدد، بعض شفعاء کا نہ ہونا اور بعض کا اپنا حق ساقط کرنا۔
چوتھی بحث	......	شفعہ کے احکام۔
پانچویں بحث	......	شفعہ کی شرطیں۔
چھٹی بحث	......	طلب شفعہ۔
ساتویں بحث	......	مشتری کے ہاتھ میں ہونے والے تصرفات شئی مشفوع میں۔
آٹھویں بحث	......	شفعہ ساقط کرنے والی چیزیں اسی ترتیب پر اس سلسلہ میں بحث ہوگی۔

پہلی بحث: شفعہ کی تعریف: دلیل اور حکمت، رکن، عناصر، حکم اور صفت:

پہلی بات: شفعہ کی تعریف...... شفعہ لغت میں شفع سے ماخوذ ہے اس کا معنی ملانا زیادہ کرنا اور تقویت دینا ہے آپ کہتے ہیں **شفعت الشی** ملانا شفعہ کو۔ شفعہ بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ شفیع جس چیز کا مالک ہوتا ہے اسے اس حق اور حصہ کے ساتھ ملاتا ہے اور اس میں اضافہ کرتا اور اس سے تقویت حاصل کرتا ہے، اور شفیع اپنی ملکیت میں منفرد ہوتا ہے اور شفعہ کی وجہ سے مبیع کو اپنی ملکیت سے ملا لیتا ہے لہٰذا شفعہ طاق کی ضد ہے۔

اور فقہی اصطلاح میں...... وہ فروخت شدہ عقار کے حق کا مالک ہونا مشری پر جبر کرتے ہوئے جو کچھ اس نے دیا ہے مثلاً ثمن اور نقصان وغیرہ داخل یا پڑوس کے شریک کے ضرر کو دفع کرنے کے لیے اور یہ حنیفہ کے ہاں ہے ❶ کیونکہ ان کے ہاں شریک اور پڑوسی دونوں کے لیے شفعہ ثابت ہے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں...... شریک کا استحقاق جو کچھ عوض کے بدلہ میں دوسرے شریک نے کیا ہے عقار میں اس کے ثمن یا قیمت دے کر بالفاظ دیگر قہری حق کا مالک ہونا ہے جو قدیم شریک کا جدید شریک پر ثابت ہوتا ہے جو عوض دے کر مالک ہوا ہے ❷ اور یہ اس لیے کہ جمہور کے ہاں شفعہ کا حق صرف شریک کو ہے پڑوسی کو نہیں۔

اور اس بات کو مدنظر رکھیں کے مذاھب اربعہ میں شفعہ صرف عقار میں محصور ہے البتہ ظاہریہ منقول میں بھی اس کی اجازت دیتے ہیں جیسے حیوان وغیرہ میں۔ ❸

دوسری بات: اس کی دلیل اور مشروعیت کی حکمت...... شفعہ کی مشروعیت کی دلیل سنت اور اجماع سے ثابت ہے: سنت میں بہت ساری احادیث ہیں: ان میں سے حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز تقسیم نہ ہوئی تھی اس میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا: اور جب حد بندی ہو جائے اور راستے الگ الگ ہو جائیں تو پھر شفعہ نہیں ❹ ان میں سے ایک دوسری حدیث بھی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی کہ پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے کہ وہ اس کی نگرانی کرتا ہے جب کہ وہ موجود نہ ہو اور ان کا راستہ ایک ہو اور ان احادیث میں سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے گھر کا پڑوسی دوسروں سے گھر کا زیادہ حقدار ہے۔ اور ان میں سے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے۔

اور اجماع...... ابن منذر نے فرمایا: اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریک کے لیے شفعہ اس زمین وغیرہ میں ثابت ہے جو تقسیم نہ کی گئی ہو یعنی زمین گھر اور باغ وغیرہ اور اس بات کی مخالفت اصم کے علاوہ کسی نے نہیں کی اس لیے کہ اصم کے ہاں شفعہ ثابت نہیں اس لیے کہ اس میں ملکیت والوں کا نقصان ہے اگر مشتری کو یہ معلوم ہو کہ جو کچھ وہ خرید رہا ہے وہ اس سے لے لیا جائے گا تو وہ اسے خریدے ہی گا نہیں اور شریک خریدنے سے رکا ہوا ہے اور مالک کا نقصان ہوا ہے مطلب یہ کہ شفعہ میں ابتداء عقد میں تصرف کی آزادی میں تصادم ہے اور اس پر رد کیا گیا ہے کہ ان کا قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا، احادیث اور ان سے پہلے منعقد اجماع کے مقابلہ میں۔

حکمت...... اجنبی آدمی کی مداخلت کے ضرر کو دور کرنا جو دائمی طور پر آئے گا سوء معاشرت اور سوء معاملہ کی وجہ سے اور دن کی روشنی اور غبار اور جانور باندھنے اور بچوں کے کھیلنے وغیرہ میں رکاوٹ کی وجہ سے خاص کر جبکہ وہ ضدی اور جھگڑالو ہو اور کبھی حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ تقسیم کے اخراجات کے ضرر کو دور کیا جائے جیسا کہ مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ہے۔ جو کچھ بھی ذکر کیا گیا یہ نقصان کے مظاہر ہیں اور اسلام میں ضابطہ ہے کہ **لاضرر ولا ضرار** یعنی نہ ضرر پہنچے نہ ضرر پہنچایا جائے جیسا کہ حسن معاشرت شریک اور پڑوسی کی مصلحت کی رعایت کا تقاضا کرتی ہے اور مصلحت کی رعایت شرعاً مطلوب ہے اور یہ چیزیں جیسے شرکت یا منافع میں اختلاط کی صورت میں پائی جاتی ہیں اسی طرح حنفیہ کے ہاں

---

❶..... الدر المختار: ۱۵۲۵۔ ❷ الشرح الصغیر: ۳/ ۶۳۹۔ ❸ المحلیٰ ۹ / ۱۰۱۔ ❹ البخاری۔

پڑوسی کی وجہ سے بھی پائی جاتی ہیں۔

تیسری بات: شفعہ کا رکن اس کے عناصر اور سبب..... حنفیہ کے ہاں ❶ شفعہ کا رکن متعاقدین میں سے کسی ایک سے اسباب وشرائط پائے جانے کی صورت میں شفیع کا لینا اور اس عقار کو جس کی وجہ سے شفعہ طلب ہوتا ہے اسے مشفوع بہ کہتے ہیں اور وہ زمین جس کا شفعہ کی وجہ سے مالک بنتا ہے اسے مشفوع فیہ کہتے ہیں اور زمین خریدنے والا مشفوع علیہ ہے اور شفعہ کا مطالبہ کرنے والا شفیع ہے۔

شفعہ کا سبب..... شفیع کی ملکیت کا مشتری کے ساتھ متصل ہونا شرکت یا جوار کی وجہ سے۔

شرائط..... محل مبیع عقار ہو، سفل ہو یا علو اور مالکیہ کے ہاں شفعہ کے چار ارکان ہیں شفیع مشفوع علیہ مشفوع فیہ اور صیغہ۔ اور صیغہ سے مراد وہ چیز جو اخذ پر دلالت کرے چاہے لفظ ہوں یا کچھ اور۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں..... شفعہ کے تین ارکان ہیں: شفیع مشفوع علیہ اور مشفوع فیہ۔ رہ گیا صیغہ تو وہ تملیک میں واجب ہوتا ہے شفیع کی جانب سے لفظ شرط ہے مثلاً تملیک یا اخذ ت با لشفعہ۔

چوتھی بات: شفعہ کا حکم اور صفت..... بطور شفعہ لینا ایسا ہے جیسے ابتداء خریدنا حنفیہ کے ہاں ❷ شفعہ کا حکم سبب پائے جانے کے وقت طلب کا جائز ہونا اگرچہ کئی سالوں کے بعد ہی معلوم ہو اور صفت کہ بطور شفعہ لینا بمنزلہ نئے سرے سے خریدنے کے ہے۔ بیع کے بعد شفیع اس کا مستحق ہوتا ہے پس جو کچھ خریدنے سے ثابت ہوتا ہے وہ اس سے بھی ثابت ہوگا مثلاً خیار رویت اور خیار عیب وغیرہ۔

دوسری بحث: محل شفعہ..... یعنی مشفوع فیہ یا کس چیز میں شفع ثابت ہوتا ہے اور کس میں نہیں۔ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شفعہ عقار میں حق ہے یعنی زمین گھر باغ اور کنویں اور جو کچھ ان کے تابع ہے عمارت اور درخت وغیرہ میں ان کے علاوہ میں اختلاف ہے۔

مذاہب اربعہ میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ منقولی اشیاء میں شفعہ نہیں جیسے جانور کپڑے اور سامان تجارت وغیرہ میں دلیل وہ سابقہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین چشمہ اور باغ میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا۔ اور مسلم نسائی اور ابوداؤد میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جو تقسیم کی گئی ہو چاہے چشمہ ہو یا باغ نیز اس لیے بھی کہ شفعہ مشروع ہے بری شرکت کے نقصان کو دفع کرنے کے لیے بالاتفاق یا پڑوس کی وجہ سے حنفیہ کے ہاں ہمیشہ کے لیے اور منقولی چیز ہمیشہ نہیں رہتی برخلاف عقار کے اس میں شرکت کا نقصان ہمیشہ ہوتا ہے۔ اور شفعہ میں جبراً مالک بننا ہوتا ہے۔ علو سفل حنفیہ کے ہاں عقار سے ملحق ہیں اور جو کچھ ان کی حکم میں ہوگا علو کی طرح ہے اگرچہ سفل میں اس کا راستہ نہ بھی ہو اس لیے کہ یہ عقار سے ملحق ہے قراء کے حق کی وجہ سے اور عقار میں کوئی فرق نہیں کہ وہ علو ہو یا سفل اور یہ معقول بات ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں علو میں شفعہ جائز نہیں اس لیے کہ عمارت چھت پر قائم رہتی ہے اور چھت تو عمارت کی زمین ہے اس میں ثبات نہیں لہٰذا یہ منقولات کی طرح ہے۔

اور حنفیہ کے ہاں برابر ہے عقار چاہے تقسیم کا احتمال رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو جیسے چھوٹا گھر حمام پن چکی اور کنواں وغیرہ اس لیے کہ ان کے ہاں شفعہ کی علت شرکت کے ضرر کو دفع کرنا ہے یا جوار کے ضرر کو اور یہ علت ان چیزوں میں بھی متحقق ہے جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتیں۔

جمہور کے ہاں شرط ہے کہ عقار تقسیم کا احتمال [illegible] حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ظاہری حدیث سے الشفعہ فیما لم یقسم گویا کہ کہا گیا شفعہ ان چیزوں [illegible] تقسیم نہ کرلی جائیں اور اس پر اجماع ہے تمام علماء وفقہاء کا استدلال کی صحت کے اختلاف کے [illegible] مشروعیت کی علت تقسیم کے ضرر کو ختم کرنا ہے اور جو

---

❶ ..... الدر المختار ۱۵۲/۵۔ ❷ الدر المختار [illegible]

چیز تقسیم نہیں ہوتی اور اس میں تقسیم آسان نہیں تو اس میں شفعہ کی حاجت نہیں اس میں شریک کا ضرر نہیں ہوگا شفعہ نہ ہونے سے۔

حقوق ارتفاق...... حنفیہ کے ہاں عقار کے حقوق میں شفعہ ثابت ہے جیسے شرب (پانی کی باری) اور خاص راستے اگر خاص نہ ہوں تو ان میں شفعہ کا استحقاق نہیں۔ طریق خاص: وہ رستہ جو کھلا ہوا نہ ہو اگر کھلا ہوا ہے تو وہ خاص راستہ نہیں۔

اگر ایک قوم کے درمیان ایک چھوٹی نہر ہو جو ان میں مشترک ہو اس سے وہ اپنی زمینوں کو سیراب کرتے ہوں وہاں سے کچھ زمین فروخت کی گئی تو اس نہر کے شرب والوں میں سے ہر ایک کو شفعہ کا حق ہے لیکن اگر نہر عام ہو تو پھر شفعہ صرف قریبی پڑوسی کے لیے ہوگا اور اسی کے مثل خاص راستہ ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... راستہ میں کوئی شفعہ کا اختیار نہیں جب کہ وہ دو شریکوں یا زیادہ میں تقسیم ہو جب کہ گذرنے کا راستہ ان میں مشترک ہو کیونکہ جب یہ اس کے تابع ہے۔ جس میں شفعہ نہیں وہ شفعہ کا حق نہیں گھر ہیں تو اس میں بھی شفعہ نہ ہوگا۔ اسی طرح عرصہ صحن، گیلری، میں بھی شفعہ کا حق نہیں شوافع کے ہاں: شفعہ کسی صورت میں بھی نہیں فروخت شدہ گھر راستے میں جو نافذ ہو اس لیے کہ وہ کسی کی ملکیت میں نہیں رہ گیا وہ راستہ جو بند ہو تو صحیح یہ ہے کہ اس میں شفعہ ثابت ہے اگر مشتری جو مشترک راستہ خاص میں ہو یا اس کے گھر کا کوئی دوسرا راستہ بھی ہو یا اسے دوسرے کسی راستے کے ذریعہ بغیر ضرر کے پہنچنا بھی ممکن ہو مثلاً عام راستے کی طرف دروازہ نکالنے کے ذریعہ تو پھر راستہ میں شفعہ نہیں اس لیے کہ اس سے مشتری کا نقصان ہے جب کہ شفعہ ضرر دور کرنے کے لیے مشروع ہے لہٰذا ایک ضرر کو دوسرے ضرر سے زائل نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ ضرر ضرر سے زائل نہیں ہوتا۔ حنابلہ بھی شوافع کی طرح ہیں کہ جب گھر فروخت کیا گیا اور اس کا راستہ شارع عام یا کھلا راستہ ہے تو اس گھر میں شفعہ نہیں نہ راستہ میں، اس لیے کہ اس میں کسی ایک کی بھی شرکت نہیں اور اگر راستہ کھلا نہ ہو اور اس کے علاوہ گھر کی طرف کوئی راستہ بھی نہ آتا ہو تو اس میں بھی شفعہ نہیں اس لیے کہ اس سے مشتری کو نقصان ہے کہ گھر بغیر راستے کے رہ جائے گا لیکن اگر گھر کا کوئی اور دروازہ بھی ہو جس سے چلا جا سکتا ہے یا وہاں ایسی جگہ ہے کہ کھلے راستے کی طرف دروازہ کھولا جا سکتا ہے تو پھر ہم گھر کے ساتھ فروخت شدہ راستے کو دیکھیں گے اگر راستہ ایسا ہے کہ اسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہو اس میں شفعہ نہیں اور اگر تقسیم ممکن ہے تو اس میں شفعہ واجب ہے اس لیے کہ یہ مشترک زمین ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہے۔

کشتیوں میں شفعہ...... فقہاء کے ہاں کشتیوں میں شفعہ ثابت نہیں اس لیے کہ یہ سامان تجارت کی طرح ہیں جو منقولی اشیاء ہیں بعد شفعہ اس زمین مشروع ہے جو دائمی طور پر باقی رہے اور اس کا ضرر دائمی ہو اور علامہ کاسانی نے نقل کیا ہے امام مالک سے کہ ان کے ہاں کشتیوں میں بھی شفعہ ہے اس لیے کہ کشتی ایک سکون کی جگہ ہے لہٰذا اس میں شفعہ واجب ہے جیسا کہ دوسری سکونت والی جگہ یعنی عقار میں واجب ہے لیکن یہ بات امام مالک کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں جیسا کہ ابن عبدالسلام نے تحقیق کی ہے اس سے ظاہر ہوا کہ مذاہب اربعہ کشتیوں میں شفعہ نہ ہونے پر متفق ہیں۔

کھیتی، پھل اور درختوں میں شفعہ...... جمہور کے ہاں جو چیز عقار نہیں اس میں شفعہ بھی نہیں جیسے عمارت درخت بغیر زمین کے لیکن اگر زمین کے ساتھ فروخت میں ہوں تو پھر شفعہ واجب ہے اور وہ چیزیں جو زمین کے تابع میں شوافع کے ہاں پھل جو پکے نہ ہوں اس لیے کہ ان کے اصل کے اعتبار سے یہ بیع کے تابع ہیں لہٰذا لینے میں بھی اس کے تابع ہوں گے عمارت اور درختوں پر قیاس کرتے ہوئے۔

حنابلہ نے درختوں اور عمارتوں کو زمین کے ساتھ خاص کیا ہے کہ یہ زمین کے تابع ہو کر نہیں لیے جاتے لہٰذا ان میں تابع ہو کر شفعہ ہے اور زمین کے تابع کھیتی اور پھل نہیں کیونکہ وجوب شفعہ کی شرط پر ہے کہ مبیع زمین ہو کہ یہ چیزیں دائمی طور پر رہتی ہیں۔

مالکیہ نے عمارت اور درختوں میں شفعہ کی اجازت دی ہے جب کہ یہ علیحدہ علیحدہ زمین کے علاوہ فروخت ہوں اس لیے کہ یہ دونوں چیز

یں ان کے ہاں عقار ہیں اور عقار وہ زمین اور اس سے متصل عمارت اور درخت ہیں جانوروں اور سامان تجارت میں شفعہ نہیں ہاں اگر زمین کے تابع ہو کر فروخت ہوں تو پھر ہے۔

اس کی مثال......درخت اور عمارت اگر کسی وقف شدہ زمین یا عاریت پر دی گئی زمین میں ہوں اور مصلحت موقوف زمین کو دو سال کے لیے اجارہ پر دینے کی ہو پھر اس میں مستاجر نے تعمیر کر دی یا درخت لگا دیئے ناظر کی اجازت سے، کہ یہ اسی کے ہوں گے اگر مستاجر متعدد ہوں ان میں سے ایک فروخت کرے تو دوسرے کو شفعہ کا حق ہے مالکیہ نے پھلوں میں بھی شفعہ کی اجازت دی ہے اور سبزیوں ککڑیوں، خربوزوں، کھیروں، بینگنوں وغیرہ میں بھی اور وہ چیزیں جو زمین میں کچھ مدت باقی رہتی ہوں جب دو شریکوں میں سے کوئی اپنا حصہ ان میں سے فروخت کرے تو دوسرے کو شفعہ کا حق ہے۔اور پھلوں میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ فروخت کے وقت موجود ہوں۔ مالکیہ کھیتی وغیرہ یعنی گندم روئی برسیم وغیرہ میں شفعہ کی اجازت نہیں دیتے اگر کسی نے کھیتی اور لوبیہ وغیرہ زمین کے ساتھ فروخت کیا تو ان میں سے شفعہ نہیں صرف زمین میں ہوگا اور ظاہریہ کے ہاں: تمام مذاہب سے زیادہ وسعت ہے شفعہ میں وہ ہر قسم کی مبیع چاہے عقار ہو یا منقولی چیز سب میں شفعہ کی اجازت دیتے ہیں اور چاہے منقولی چیز عقار سے متصل ہو یا نہ ہو اور چاہے مبیع تقسیم ہو سکتی ہو یا نہ درخت زمین کپڑے تلوار کھانا جانوروں وغیرہ میں اور ہر وہ چیز جو فروخت کی جائے تو فروخت کرنے والے کے لیے شریک کو پیش کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔

تیسری بحث: شفیع: پہلی بات شفیع کون ہے......فقہاء کی اس بارے میں دو رائے ہیں کہ شفعہ کا حقدار کون ہے۔

حنفیہ کے ہاں......شفیع شریک اور پڑوسی ہیں اور جمہور کے ہاں شفیع صرف شریک ہے احناف کے ہاں ❶ شفعہ ثابت ہے اس شریک کے لئے بھی جو مبیع میں شریک ہے اور اس شریک کے لیے بھی جو خاص منفعت والے حقوق میں شریک ہے جیسے شرب اور طریق جیسا کہ مبیع سے ملے ہوئے پڑوسی کے لیے ثابت ہے اگر چہ اس کے گھر کا دروازہ دوسری گلی ہی میں ہو اور ایک جانب سے ملا ہوا اگر چہ ایک بالشت ہی ہو ایسا ہی ہے جیسے تین جانب سے ملا ہوا اور دیوار پر شہتیر رکھنے والا اور دیوار کی لکڑی میں شریک پر پڑوسی میں شریک نہیں اس لیے کہ شہتیر کے دیوار پر رکھنے سے وہ گھر میں شریک نہیں ہو جاتا اور شفعہ عقار میں ثابت ہے منقولی اشیاء میں ثابت نہیں اور لکڑی منقولی چیز ہے شفعہ کے استحقاق میں مسلمان اور ذمی میں کوئی فرق نہیں اس لیے کہ اس کی مشروعیت کی دلیل عام ہیں نیز یہ دونوں سبب شفعہ اور اس کی حکمت میں برابر ہیں لہٰذا استحقاق میں بھی برابر ہوں گے۔

اور ان کے دلائل مشروعیت شفعہ میں نقل کی گئی احادیث ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے۔

جار الدار احق بسقبه ❷ گھر کا پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے نیز گھر کا پڑوسی، پڑوسی کے گھر اور زمین کا زیادہ مستحق ہے ❸ اور پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے ❹ اور ان کے مذہب کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ شفعہ کی علت وہ ہمیشہ کے نقصان کو دور کرنا ہے جو انسان کو سوء معاشرت کی وجہ سے ہمیشہ لاحق ہوگا اور یہ علت پڑوسی میں بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ شریک میں پائی جاتی ہے لہٰذا شفعہ کی مشروعیت کی حکمت دونوں میں ظاہر ہے۔

جمہور کے ہاں......صرف ذات مبیع میں شریک شخص کے لیے شفعہ ہے جب تک وہ چیز تقسیم نہ کی گئی ہو اگر وہ چیز تقسیم کر دی گئی ہے تو اس شریک کے لیے شفعہ نہیں اور نہ ہی اس شریک کے لیے شفعہ ہے جو حق مبیع میں شریک ہے اور نہ ہی پڑوسی کے لیے۔
شوافع مالکیہ اور اصحاب ظواہر کے ہاں: ذمی کافر کے لیے مسلمان پر شفعہ ثابت ہے جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ہے جب کہ حنابلہ کے ہاں کافر کے لیے مسلمان کی عقار وغیرہ کی بیع میں مسلمان پر شفعہ نہیں حدیث نبوی کی وجہ سے کہ نصرانی کے لیے شفعہ نہیں اور یہ ان کی دلیلوں سے خاص

---

❶......البدائع: ۵/ ۴۔ ❷ بخاری ❸ ابو داؤد، ترمذی ❹ ترمذی

سے نیز بطور شفعہ لینا یہ عقار کے ساتھ خاص ہے یہ عمارتوں میں استعلاء کے مشابہ ہے اور کافر کے لیے مسلمان کے بنسبت یہ ممنوع ہے نیز اس کی شرکت کی وجہ سے مسلمان کا نقصان ہے لیکن اس بارے میں ارجح ہے کیونکہ حنابلہ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ ضعیف ہے۔

فقہاء کا اتفاق ہے حنابلہ کے علاوہ اس بات پر کہ ذمی کا ذمی پر شفعہ ثابت ہے کیونکہ شفعہ سے متعلق احادیث تمام عام ہیں نیز یہ دونوں اپنے دین اور حرمت کے اعتبار سے برابر ہیں لہٰذا ان کا ایک دوسرے سے یہ شفعہ ثابت ہے جیسے مسلمان کا مسلمان پر اور اہل بدعت کے لیے بھی شفعہ ثابت ہے اس لیے کہ عمومی دلیلیں ہر شریک کے لیے ثبوت شفعہ کا تقاضا کرتی ہیں رہ گئے وہ بدعتی جن کے کفر کا حکم ہے تو حنابلہ کے ہاں ان کے لیے شفعہ ثابت نہیں برخلاف جمہور کے۔

جمہور کی دلیلیں.....حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سابقہ روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہر اس میں جو تقسیم نہ کی گئی ہو اور جب حد بندی ہو جائے اور راستے الگ الگ کر دیئے جائیں تو پھر شفعہ نہیں اور سعید بن مسیب کی روایت جب زمین تقسیم کر دی گئی اور اس کی حد بندی کر دی گئی تو اس میں شفعہ نہیں پس جب شریک مقاسم کے لیے شفعہ واجب نہیں تو یہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ پڑوسی کے لیے واجب نہ ہو اور شریک مقاسم جب تقسیم ہو جائے تو وہ پڑوسی ہوتا ہے نیز اس لیے بھی کہ شفعہ اصل کے خلاف ثابت ہے لہٰذا اپنے مورد پر ہی بندر رہنا چاہئے۔ رہ گئی ابورافع کی روایت کہ الجار احق بسقبہ پر شفعہ میں صریح نہیں یہ بھی احتمال ہے کہ سقب سے مراد پڑوسی کے ساتھ احسان اور اس سے اس کی عیادت ہو اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح اور صریح ہے اور باقی احادیث کی اسناد میں کلام ہے سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن نے روایت کی ہے جبکہ ان سے انہوں نے صرف عقیقہ والی حدیث سنی ہے اور جوار کی احادیث کو شرکت والے شفعہ پر محمول کرنا متعین ہے پس لفظ جار سے مراد شریک ہے اور یہ رائے میرے اندازے میں اولیٰ ہے اس لیے کہ شفعہ میں کئی مشکلات ہیں جب کہ شریعت میں مقرر اصل یہ ہے کہ عقد میں آزادی ہو لہٰذا یہ شرکت کی حالت پر مقتصر ہے۔ ابن قیم نے ان دونوں رائیوں کے درمیان کی راہ اختیار کی ہے کہ پڑوسی کے لیے شفعہ کا ثبوت ہے جب کہ وہ پڑوسی حقوق میں سے کسی حق میں شریک بھی ہو جیسا کہ راستہ اور شرب ورنہ اس کے لیے شفعہ نہیں البتہ شوکانی اور شوافع نے درمیانی راہ کو عمدہ قرار دیا ہے حدیث جابرؓ میں جب دونوں کا راستہ ایک ہے۔

دوسری بات: شفعہ کے مراتب اور تعدد شفعاء کی صورت میں تقسیم کی کیفیت.....حنفیہ ہاں نفس مبیع میں شریک کے لیے شفعہ واجب ہے اگر وہ نہ ہو یا تھا لیکن حق شفعہ چھوڑ دیا تو پھر حقوق میں سے کسی حق میں شریک کے لیے ثابت ہے مثلاً وہ قاسم ہے اور اس کا عقار میں خاص چیز مثلاً شرب یا راستے وغیرہ میں پھر شفعہ قریبی پڑوسی کے لیے ہے۔

اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ حق شفعہ ثابت ہے حقوق ارتفاق میں چاہے مبیع قریب ہو یا بعید اور اس میں بھی کوئی فرق نہیں اسی خاص شرب سے اس زمین کو سیراب کیا جائے یا اس سے نالی نکال کر اسے سیراب کیا جا رہا ہو جب تک سارے اس سے سیراب کر رہے ہیں اور استحقاق کا سبب ایک ہے اور وہ خاص نفع میں شریک ہونا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شرب خاص سے مقصود چھوٹی نہر ہے جس میں کشتیاں نہ چلتی ہوں اور جس میں کشتیاں چلتی ہوں وہ عام ہے اور عام مشائخ کے ہاں نہر میں شرکاء اگر شمار میں آتے ہوں تو چھوٹی ہے ورنہ بڑی اور اگر وہ شمار میں نہیں آتے مثلاً چار یا پانچ سو ہوں اور اصح یہ ہے کہ ہر مجتہد کی رائے کی طرف یہ مفضی ہے۔

اور طریق خاص سے مقصود.....جو نافذ اور کھلا نہ ہو تو اس کے تمام رہنے والے شفیع ہیں اگر شرب اور طریق عام ہوں تو ان میں شفعہ نہیں اور راستے کا نہ کھلا ہوا ہونا کہ اس کے رہنے والے کسی دوسرے کو اس پر چلنے نہ دیں۔

شفعہ کا تصور شرب کی وجہ سے اگر ایک زمین فروخت کی جارہی ہو اور اس میں خاص نہر جو کچھ لوگوں کے درمیان مشترک ہو اور اس سے وہ زمینیں سیراب کررہے ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو شفعہ کا حق ہے چاہے وہ زمینیں نہر کے قریب ہوں یا بعید اور حنفیہ کی دلیل شفعاء کی اس ترتیب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ شریک خلیط سے زیادہ حقدار ہے اور خلیط شفیع پڑوسی سے زیادہ حقدار ہے [1] نیز اس لیے بھی کہ مبیع میں اتصال اس کے علاوہ سے زیادہ قوی ہے اور منافع میں اتصال پر پڑوسی سے زیادہ قوی ہے اس لیے کہ ملک کے منافع میں اشتراک اور ترجیح سبب کی قوت سے ہوتی ہے نیز تقسیم کی مشقت کے ضرر کو دفع کرنا اگرچہ حنفیہ کے ہاں استحقاق شفعہ کے لیے علت ہونا درست نہیں البتہ شفعاء کی تعدد کی صورت میں یہ صرف ترجیح نہیں سکتا ہے۔

تعدد شفعاء کی صورت میں تقسیم کی کیفیت...... مذکورہ سابقہ باتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حق شفع میں تعدد کی صورت میں کیسے تقسیم ہو کہ وہ ایک سے زائد ہو اور ہر ایک شفعہ طلب کرے۔

(الف)......اگر ایک درجہ کے نہ ہوں مثلاً ان میں سے ایک مبیع میں شریک ہو اور دوسرے حقوق میں اور ایک پڑوسی ہو تو شریک فی المبیع کو پہلے رکھا جائے گا پھر شریک فی حق المبیع کو پھر پڑوسی (۱۰۰۹) مجلّہ دیوار میں شریک گھر میں شریک کی طرح ہے اور جس کی زیادہ لکڑیاں دیوار پر ہوں تو وہ جار ملاصق ہے نہ کہ شریک اور اوپر والی منزل والا اور نیچے کی منزل والا دونوں جار ملاصق ہیں م (۱۱۱) مجلّہ اور حق شرب حق طریق سے مقدم ہے (م ۱۰۱) مجلّہ۔ اگر شرب یا طریق والا صرف اپنی زمین فروخت کرے اور ان حقوق ارتفاق کو نہ فروخت کرے حقوق ارتفاق میں شریک شرکاء کو حق شفعہ نہیں (م (۱۰۱۵) مجلّہ اگر دو قسم کے شرکاء جمع ہوجائیں تو اخص اعم سے مقدم ہوگا نہر کی نالیوں میں شریک سے مشترک شرب میں شریک اولی ہے۔

(ب)......اگر شفعاء ایک ہی درجہ کے ہوں جیسے مبیع میں شریک شرکاء لہٰذا مشفوع زمین طلب کرنے والے سب میں تقسیم ہوگی عدد رؤوس کے اعتبار سے ملکیت اور مبیع کے اعتبار سے نہیں یہ حنفیہ اور اصحاب ظواہر کے ہاں ہے اس لیے کہ یہ سب استحقاق شفعہ کے سبب میں برابر کے شریک ہیں وہ شرکت یا جوار کا اتصال ہے۔

جمہور کے ہاں عقار مشفوع فیہ شفعاء کے درمیان حصص کے اعتبار سے تقسیم کی جائے گی نہ کے عدد رؤوس کے اعتبار سے اس لیے کہ شفعہ ملکیت کے سبب پیدا ہونے والا حق ہے لہٰذا ملکیت کے اعتبار سے ہی تقسیم ہونا چاہیے جیسے غلہ اور پھل وغیرہ اور ملکیت سے حاصل ہونے والی اجرت اور شرکت اموال میں منافع ہر شریک اپنی ملکیت کے اعتبار سے لے گا اگر زمین تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہو ایک کا نصف حصہ ہو دوسرے کا ثلث اور تیسرے کا سدس اب پہلا اپنا حصہ فروخت کرے تو دوسرا اس سے دو حصے لے گا اور تیرا ایک حصہ لے گا نیز اس لیے بھی کہ شفعہ شروع ہے ضرر دور کرنے کے لیے اور ضرر تو شرکاء میں سے ہر ایک کی ملکیت کے اعتبار سے داخل ہے نہ کہ برابر کے اعتبار سے لہٰذا واجب ہے کہ ان کا استحقاق اس نسبت حصص کے اعتبار سے دور کیا جائے۔

مالکیہ کے ہاں تعدد شفعاء کی صورت میں کہ اخص مقدم ہوگا شفعہ میں غیر سے یعنی جو سہم میں شریک ہے اگر مر گیا عقار والا اور دو دادے دو بیویاں اور دو بہنیں اس نے چھوڑیں ان میں سے ایک نے اپنا حصہ فروخت کیا تو شفعہ اس کے لیے ہوگا جو سہم میں شریک ہے نہ کہ باقی وارث اگر سہم میں شریک حقیقی بہن کے ساتھ علاتی بہن بھی ہو بیٹی کے ساتھ پوتی ہو اب اگر حقیقی بہن یا بیٹی اپنا حصہ فروخت کردے تو علاتی بہن اور پوتی شفعہ کا حق رکھتی ہیں نہ کہ عصبہ۔ اور اخص جس کے کئی حصے ہوں وہ اعم کے ساتھ داخل ہے اور اعم وہ ہے جو سہم میں شریک نہیں جیسے عرصہ وغیرہ اگر ایک شخص ایک بیٹی یا زیادہ چھوڑ کر اور دو بھائی دو بے چھوڑ کر مر گیا اور بھائیوں میں سے ایک نے اپنا حصہ فروخت کردیا تو یہ بیٹیاں شفعہ

[1]......نصب الرایۃ ۱۷۶/۴۔

شریک ہیں اور حق بھائی یا چچا کے ساتھ خاص نہیں جس نے فروخت نہیں کیا اگر ایک شخص تین بیٹیاں چھوڑ کر مرا اور پھر ان تین میں سے ایک مر گئی پھر اس کی ایک بہن نے اپنا حصہ فروخت کیا تو مرنے والی کی اولاد اپنی خالاؤں کے ساتھ شفعہ میں ہوں گی اس لیے کہ نیچے والا طبقہ اخص ہے اس لیے کہ یہ میت ثانی کے قریب ہیں اور اوپر والی اعم ہیں اور جسے زمین کی وصیت کی گئی ہے اس کے ذوی الفروض ورثاء اور عصبات شفعہ میں داخل ہوں گے ان میں سے کسی ایک نے اگر اپنا حصہ فروخت کیا تو صرف شفعہ میں باقی موصی لھم شامل نہیں ہوں گے بلکہ وارث بھی ان کے ساتھ شفیع ہوں گے پھر وارث کو مطلقاً مقدم کیا جائے گا چاہے ذوی الفروض میں سے ہو یا عصبہ ہو یا اجنبی ہو پھر اجنبی کو مقدم کیا جائے گا اگر وارث اپنا حق چھوڑ دے۔

تیسری بات: بعض شفعاء کا موجود نہ ہونا......حنفیہ کے ہاں ❶ اگر بعض شرکائی الشفعہ بیع کے وقت اور طلب شفعہ کے وقت موجود نہ ہوں اور حاضر شفعہ طلب کرے تو اس کے لیے شفعہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا اس لیے کہ حاضر چونکہ یقینی طور پر ثابت ہے اور غائب طلب شفعہ کے حوالے سے مشکوک ہے لہٰذا حاضر کو مؤخر نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ جو مشکوک ہے وہ یقینی کا مقابل وضراصم نہیں اس لیے کہ شائد غائب طلب نہ کرے لہٰذا شک کی بنیاد پر مؤخر نہ کیا جائے گا پھر جب غائب آ گیا اور اس نے شفعہ طلب کیا اور وہ حاضر کے درجہ کا ہو تو پھر حاضر کی تقسیم ٹوٹ جائے گی نئے سرے سے تقسیم ہوگی لیکن اگر غائب حاضر کے درجہ کا نہ ہو جس نے شفعہ کا دعویٰ کیا ہے اور یہ صورت متصور نہیں سوائے حنفیہ کے جیسے شریک اور پڑوسی اور اگر غائب حاضر سے اوپر کے درجہ کا ہو جیسے شریک پڑوسی کے ساتھ تو اس کے لیے سارے مشفوع کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور اگر وہ اس سے کم ہو تو پھر اسے شفعہ سے روک دیا جائے گا۔ مالکیہ شوافع حنابلہ اور ظاہریہ غائب کے لیے حق شفعہ کے ثبوت میں حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد شفعہ ان چیزوں میں ہے جو تقسیم نہ ہوئی ہوں، عام ہے نیز شفعہ مالی حق ہے اور غائب کی نسبت سے اس کا سبب پایا جا رہا ہے لہٰذا اس کے لیے بھی ثابت ہوگا جیسے میراث نیز غائب شریک کو بیع کا علم ہی نہیں لہٰذا معلوم ہونے کے وقت اس کے لیے شفعہ ثابت ہے حاضر کی طرح کہ جب اس سے بیع کو چھپائے اور مشترک کے ضرر کو قیمت دے کر دور کیا جائے گا۔

چوتھی بات: بعض شفعاء کا اپنے حق کو ساقط کرنا......حنفیہ کے ہاں ❷ جب بعض شفعاء اپنا حق ساقط کر دیں۔

(الف)......اگر فیصلہ ہونے سے پہلے ایسا کریں تو باقی رہنے والے سارا حق لے لیں گے۔

(ب)......اور اگر وہ شفعہ کا فیصلہ ہونے کے بعد حق ساقط کریں تو باقی چھوڑے ہوئے حصے کے حقدار نہیں اس لیے کہ فیصلہ کی وجہ سے ہر ایک حصہ الگ الگ ہو گیا مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: جب بعض شفعاء شفعہ میں سے اپنا حق ساقط کریں مثلاً معاف کر دیں تو ان کا حق ساقط ہو جائے گا تمام مالی حقوق کی طرح اور دوسرے کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو مشفوع چیز سارا یا سارے کو چھوڑ دے اور اسے صرف اپنا حق وصول کرنے کا حق نہیں یا صرف اپنے حصہ پر اکتفاء کا حق نہیں اس لیے کہ اگر ایک شفیع اگر اپنا بعض حصہ چھوڑ دے تو اس کا سارا حق ختم ہو جاتا ہے قصاص کی طرح تا کہ مشتری پر سودا ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو ابن منذر نے فرمایا تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے اور اس طرح مشتری کو ضرر ہے جب کہ ضرر کو ضرر سے زائل نہیں کیا جاتا۔

چوتھی بحث: شفعہ کے احکام:

پہلی بات شفعہ کے ذریعہ مالک بننے کا طریقہ:......حنفیہ کے ہاں ❸ شفعہ واجب ہوتا ہے عقد بیع کی وجہ سے اور شفعہ کا استحقاق بیع کے بعد ہوتا ہے اگر بیع فاسد ہو اور فسخ کسی بھی وجہ سے نہ ہو سکے یا بیع میں مشتری کو خیار ہو تو صرف بیع فاسد کی وجہ سے شفعہ کا حق نہ ہوگا اس لیے کہ یہ شرعاً فسخ کی مستحق ہے اور حق شفعہ ثابت کرنے میں

---

❶ ...البدائع: ۶/۵ ـ ❷ الدر المختار ۱۵۶/۵ ـ ❸ البدائع: ۲۳/۵

فساد برقرار رکھنا ہے لہٰذا یہ جائز نہیں اور اگر فسخ کسی وجہ سے ختم ہو جائے۔ مثلاً مبیع میں تصرف یا اس پر عمارت تعمیر کرنے کی وجہ سے ساقط ہو جائے تو مانع زائل ہونے کی وجہ سے شفعہ ثابت ہے جیسا کہ اگر بائع کو خیار ہو تو اس میں شفعہ نہیں اس لیے کہ بائع کی ملکیت زائل نہیں ہوئی رہ گیا مشتری کا خیار تو یہ بائع کی ملکیت کو زائل کر دیتا ہے اور شفعہ اسی پر مبنی ہے اور طلب مواثبۃ ضروری ہے کہ جونہی سنے تو فوراً شفعہ طلب کرے اور گواہ بنانے سے یہ استقرار پکڑتا ہے اسے طلب تقریر بھی کہتے ہیں اور رضامندی یا قاضی کے فیصلہ سے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے۔

یعنی شفعہ سے مالک بننے کے لیے شفیع کے پاس دو طریقے ہیں: یا تو مشتری اپنی رضامندی سے شفیع کو مبیع دے دے یا پھر قاضی کے حکم اور فیصلہ سے دے دے اس لیے کہ مشتری کی ملکیت مکمل ہے لہٰذا شفیع کی طرف پر رضامندی یا قاضی کے فیصلہ کے بغیر منتقل نہ ہوگی جیسا کہ ہبہ میں رجوع اس لیے کہ حاکم کو ولایت عامہ حاصل ہے اسی پر مرتب ہے کہ شفیع کے لیے شفعہ میں احکام ملک میں سے کچھ بھی ثابت نہ ہوگا دو مذکورہ صورتوں میں سے ایک اختیار کرنے سے پہلے۔ اگر اس حالت میں مرگیا تو حنفیہ کے ہاں اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اور اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا جب اس نے وہ گھر فروخت کر دیا جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا تھا اور اگر اس حالت میں اس کے پہلو میں گھر فروخت ہوا تو یہ شفعہ کا مالک نہ ہوگا ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے۔

ان دو طریقوں میں سے ایک طریقے سے مالک بننا مذاہب اربعہ کے درمیان متفق علیہ ہے ❶ لیکن مالکیہ کے ہاں تین چیزوں میں سے ایک سے شفعہ کا مالک ہوگا حاکم کا حکم یا مشتری کو ثمن دے کر، یا اخذ شفعہ پر گواہ بنا لے اگرچہ مشتری کی عدم موجودگی ہی میں ہو۔

حنفیہ کے علاوہ باقیوں کے ہاں بیع فاسد میں شفعہ نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں یہ باطل ہے یعنی شرعاً منعدم ہے اور مالکیہ نے مشتری کے تصرف کی صورت کو مستثنیٰ کیا ہے تو شفیع دوسرے مشتری سے لے سکتا ہے ثمن ادا کر کے لیکن اگر بیع فاسد میں مشتری کی قبضہ میں اس چیز کی ذات ہی تبدیل ہو جائے جیسے گر جانا تو شفیع قیمت دے کر لے سکتا ہے۔ عقار کا مالک بننا شفعہ کے ذریعہ یہ بیع جدید ہے لہٰذا شفیع کو خیار رؤیت اور خیار عیب حاصل ہے ❷ جیسا کہ تمام عقود میں ہوتا ہے۔ شفیع شفعہ سے اسی چیز کا مالک بنے گا جس کا مشتری مالک بنا ہے چاہے وہ اصلاً خود مالک بنا ہو یا کسی دوسرے کے تابع ہو کر بنا ہو جیسے عمارت درخت کھیتی اور پھل وغیرہ پر حنفیہ کے ہاں استحسان سے ثابت ہے اس لیے کہ حق جب عقار میں ثابت ہو گیا تو جو کچھ اس کے تابع ہے اس میں بھی ثابت ہوگا: اس لیے کہ تابع پر اصل کا حکم جاری ہوتا ہے۔ ❸

دوسری بات: شفیع کے ذمہ کیا دینا واجب ہے..... ❹ **ثمن دینا واجب ہے:** فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شفیع ثمن دے کر مبیع کو لے گا یا وہ عوض جو مشتری دے کر مالک ہوا ہے یا مشتری کے ثمن کے مثل ثمن دے کر نہ کہ مبیع کے مثل جس کا مشتری مالک بنا ہے اس لیے کہ شریعت نے شفیع کے لیے مشتری پر مثل ثمن دے کر ولایت ملکیت ثابت کی ہے ❺ مقدار اور جنس کے اعتبار سے حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے کہ وہ اس کا حقدار ہے ثمن دے کر ❻ جیسا کہ اس کے ذمہ لازم ہے جو خرچہ مشتری نے کیا ہے دلال کی اجرت اور کاتب وغیرہ کی اجرت اگر ثمن مثلی ہیں مثلاً کیلی یا وزنی تو شفیع ثمن کی قیمت دے کر لے گا اس لیے کہ اس نے انہیں قرض میں بدل دیا اور اتلاف میں لزوم عقد کے وقت۔ اور اگر زمین زمین کے بدلے فروخت کی گئی اور ان دونوں زمینوں کا شفیع ایک ہی ہے تو شفیع دونوں زمینیں دوسری کی قیمت دے کر لے گا اس لیے کہ یہ اس کا بدل ہے اور یہ قیمت والی چیز ہے لہٰذا قیمت دے کر لے گا اور اگر دونوں کے شفیع الگ الگ ہوں تو ہر ایک قیمت دے کر لے گا اگر کسی ذمی کے کوئی گھر شراب یا خنزیر دے کر خریدا اور شفیع بھی ذمی ہے تو وہ شراب کا مثل اور خنزیر کی قیمت دے کر لے گا اور اگر اس کا شفیع مسلمان ہے تو وہ شراب اور خنزیر کی قیمت دے کر لے گا خنزیر تو ظاہر ہے قیمتی ہے اور شراب چونکہ مسلمان کے لئے ممنوع ہے لہٰذا غیر مثلی ملحق ہے۔ اور مبیع کی قیمت بیع کے دن کی لگائی جائے گی نہ کہ شفعہ کے دن کی اس لیے کہ یہ عوض ثابت ہونے شفعہ کے استحقاق کا دن

---

❶ الشرح الصغیر ۳: ۶۴۰۔ ❷ البدائع ۵: ۲۵۔ ❸ البدائع ۵: ۲۷۔ ❹ تکملہ فتح القدیر ۷: ۴۲۷۔ ❺ رواہ ابو اسحاق ❻ المبسوط ۱۴: ۱۰۷۔

ہے بالاتفاق فقہاء کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں: جس چیز کو ذمی شراب یا خنزیر دے کر خریدے اس میں شفعہ نہیں کیونکہ یہ دونوں مال نہیں۔

۲۔ثمن میں کمی یا اضافہ......حنفیہ کے ہاں جب بائع مشتری سے کچھ ثمن کم کردے چاہے شفعہ سے پہلے یا بعد میں تو اتنی مقدار شفیع سے بھی کم ہو جائے گی اس لیے کہ بعض کم کرنا اصل عقد سے ملحق ہے لہٰذا اس کا اظہار شفیع کے حق میں ہوگا اس لیے کہ وہ شفیع ثمن کے بدلے میں کررہا ہے اور ثمن باقی ہے۔ لیکن اگر بائع مشتری کو سارے ثمن معاف کردے تو شفیع سے کوئی چیز بھی ساقط نہیں ہوگی اس لیے کہ کل معاف کردینا کسی صورت میں بھی اصل عقد سے ملحق نہیں اس لیے کہ عقد اپنے موضوع سے نکل جاتا ہے یہ ہبہ ہو جاتا ہے اور ثمن نام کی کوئی چیز نہیں رہتی۔

اور اگر مشتری اپنی طرف سے بائع کے لیے ثمن میں اضافہ کرے یا ثمن اول سے زیادہ پر نیا عقد کرے تو یہ اضافہ شفیع کے ذمہ لازم نہیں ہوگا اس لیے کہ اضافہ کی صورت میں اس کا نقصان ہے برخلاف ثمن کم کرنے کے کہ اس میں اس کا نفع تھا خلاصہ یہ کہ شفیع کے حق میں ثمن کی کمی تو ثابت ہے لیکن اضافہ نہیں۔ حنفیہ کے ساتھ باقی تمام فقہاء اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ اگر بائع سارے ثمن مشتری کو معاف کردے تو اس میں کوئی شفعہ نہیں کیونکہ بیع ہی نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر بعض ثمن مشتری سے کم کردیئے یا زیادہ کردیئے عقد لازم ہونے سے پہلے مدت خیار میں تو شفیع سے بھی جتنی مقدار کم کی ہے وہ کم ہوں گے اور جو زیادہ کیے وہ لازم ہوں گے اس لیے کہ شفیع کا حق عقد مکمل ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے اور خیار زائل ہونے کے بعد اور تبدیلی عقد کو ملحق ہوگی لیکن اگر خیار ختم ہوگیا اور عقد مکمل ہوگیا پھر اس نے کمی یا اضافہ کیا تو یہ عقد کو ملحق نہ ہوگا اس لیے کہ اس وقت کمی کرنا بری کرنا ہے نئے سرے سے اور یہ شفیع کے حق میں ثابت نہیں اور مدت خیار کے بعد اضافہ ہبہ ہے اس پر ہبہ والی شرائط جاری ہوں گی۔

۳۔ثمن کی مدت مقرر کرنا......امام زفر کے علاوہ حنفیہ اور شوافع کے ہاں اگر کل یا بعض ثمن کے لیے مدت مقرر ہو تو اس سے شفیع استفادہ نہیں کرسکتا جو مشتری کے لیے ہے شفیع کو اختیار ہے کہ چاہے تو فی الحال ثمن ادا کرکے مبیع لے لے یا صبر کرے کہ مدت ختم ہو جائے اور اس کا حق ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ ثبوت شفعہ کے لیے عقد شرط ہے اور وہ پایا گیا اور اس مدت سے استفادہ نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ شفعہ اس سودے کی صفت کو مشتری سے شفیع کی طرف تبدیل نہیں کرتا بلکہ یہ نقض عقد ہے جو بائع اور مشتری کے درمیان مکمل ہوگیا ہے پھر شفیع کے لیے الگ بیع ہے۔ اور امام زفر کے ہاں شفیع اس مدت سے استفادہ کرسکتا ہے، اس لیے کہ مدت ثمن کے لیے وصف ہے جیسے کھوٹ ہونا اور شفعہ لینا ثمن کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ وصف اور اصل دونوں اعتبار سے لے گا۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں شفیع تاجیل ثمن سے استفادہ کرسکتا ہے جس پر عقد مکمل ہوا ہے جب کہ وہ مالدار اور نقد ہو اور اس کا کفیل بھی مالدار ثقہ ہو لیکن اگر وہ مالدار نہیں اور نہ ہی کوئی مالدار اس کا ضامن ہے تو پھر اس پر فی الحال ثمن ادا کرنا واجب ہے مشتری کی رعایت کرتے ہوئے یہ رائے اتباع کے اعتبار سے اولیٰ ہے۔

۴۔کیا شفعہ کا فیصلہ ثمن ادا کرنے تک موقوف رہے گا......حنفیہ، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں: شفعہ سے مالک بننے کے لیے حاکم کا حکم ثمن حاضر کرنا اور مشتری کا موجود ہونا شرط نہیں لہٰذا قاضی کا فیصلہ مجلس قضاء میں ثمن حاضر کرنے کا شفعہ کے لیے موقوف نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کا حق صرف فروخت کرنے ہی سے ثابت ہوگیا ضرر دور کرنے کے لیے یہ ایسا ہی ہے جیسے گروہ بائع سے پہلی بار خرید لے یا اس لیے کہ شفیع مشفوع چیز کا مالک بن گیا ہے شفعہ کے فیصلہ کی وجہ سے گویا اس نے بائع سے خریدا ہے اور خریدنے سے ملکیت کا ہونا یہ ثمن حاضر کرنے پر موقوف نہیں جیسے ابتداءً بیع وشراء کرنا۔

لیکن مالکیہ کے ہاں......اگر شفیع کہے میں شفعہ کرتا ہوں تین دن میں ثمن حاضر کردوں گا اگر ان دنوں میں لے آیا تو ٹھیک ورنہ حق

شفعہ ساقط ہو جائے گا۔ محمد بن حسن کے ہاں: قاضی اس وقت تک شفعہ کا فیصلہ نہ کرے جب تک شفیع ثمن حاضر نہ کرے مشتری سے ضرر دور کرنے کے لیے، اس لیے کہ بسا اوقات شفیع مفلس ہوتا ہے لہٰذا فیصلہ ثمن حاضر کرنے تک موقوف رہے گا اور قاضی دو یا تین دن مقرر کرے ثمن ادا کرنا تا کہ ممکن ہوں اس لیے کہ شفیع کا ضرر دوسرے کو ضرر پہنچا کر دور رکھنا صحیح نہیں لیکن امام محمد جو اس محذور سے ڈر رہے ہیں اس کا دور کرنا ممکن ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں ہے کہ مشتری عین کو اپنے پاس روکے رکھے تا کہ شفیع ثمن ادا کر دے۔ علامہ کاسانی نے دونوں رائیوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ یہ میرے نزدیک حقیقۃً اختلاف نہیں اور قاضی ثمن حاضر کرنے سے پہلے بھی شفعہ کا فیصلہ کر سکتا ہے بغیر کسی اختلاف کے اس لیے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کہ قاضی کے لیے مناسب نہیں وہ شفعہ کا فیصلہ صادر کر دے شفیع کے ثمن حاضر کرنے سے پہلے یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ اسے فیصلہ کرنا جائز نہیں بلکہ یہ احتیاط کی طرف اشارہ ہے یہی وجہ ہے کہ اگر اس نے فیصلہ کر دیا تو جائز ہے اور اس کا فیصلہ نافذ ہوگا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

۵۔ مشفوع فیہ میں استحقاق...... اگر شیء مشفوع کا کوئی مستحق نکل آئے تو یہ ذمہ داری اور ثمن کا ضمان کس پر ہوگا اس میں دو رائے ہیں اور عہدہ سے مراد یہ کہ کس کی طرف ملکیت منتقل ہوتی ہے اور وہ شفیع ہے اور اس سے کون ملکیت کو منتقل کرے گا بائع یا مشتری استحقاق کی صورت میں یا عیب کی صورت میں عوض وغیرہ۔

حنفیہ کے ہاں...... ❶ ثمن کا ضمان استحقاق کی صورت میں مشتری پر ہوگا اگر شفیع نے مبیع اس سے لی ہو اور اسے ثمن ادا کئے ہوں اس لیے کہ اسی نے ثمن پر قبضہ کیا ہے نیز مبیع بھی اسی سے شفیع کی طرف آتی ہے اور یہی غالب ہے۔

اور کبھی ثمن کا ضمان بائع پر ہوتا ہے جب کہ شفیع مبیع اس سے لے مشتری کو سپرد کرنے سے پہلے اس لیے کہ اسی نے ثمن پر قبضہ کیا ہے اور اور بائع ہی کے پاس سے مبیع شفیع کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

جمہور کے ہاں...... جب شفیع ایک مشترک جز مبیع کا لے اور اس کا کوئی مستحق یا اس میں عیب نکل آئے تو وہ مشتری پر ثمن یا عوض کا رجوع کرے گا اور مشتری بائع پر رجوع کرے گا اس لیے شفیع نے مشتری سے مبیع لی ہے۔

۶۔ مقدار ثمن میں شفیع اور مشتری کا اختلاف...... جب مشتری اور شفیع مقدار ثمن میں اختلاف کریں مشتری اکثر کا دعویٰ کرے اور شفیع کم کا تو کس کی بات کی تصدیق کی جائے گی؟ تو جمہور فقہاء مذاہب اربعہ وغیرہ کے ہاں جب شفیع اور مشتری مقدار ثمن میں اختلاف کریں مشتری کہے میں نے سو کا خریدا ہے اور شفیع کہے بلکہ پچاس کا خریدا ہے تو بات مشتری کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اس لیے کہ وہ شفیع سے زیادہ جانتا ہے معاملہ کو نیز شفیع کم کا دعویدار ہے، اور مشتری مدعیٰ علیہ ہے اس کا انکار کر رہا ہے اور بات منکر کی قسم کے ساتھ معتبر ہے البتہ مالکیہ مشتری کے قول کو لینے میں ایک قید لگاتے ہیں کہ مشتری کا قول جب معتبر ہوگا جب وہ اتنی قیمت لگائے جو قیمت لگانے والے لگاتے ہیں یا ثمن مثل ورنہ پھر شفیع کا قول معتبر ہوگا اگر وہ معقول مقدار بنائے۔

لیکن اگر مشتری اور شفیع دونوں کا قول معقول مقدار کے قریب نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو حلف دیا جائے گا اپنے دعویٰ پر اور دوسرے کے دعویٰ کے رد پر پھر ثمن کو درمیانی قیمت کی طرف پھیر دیا جائے گا جیسا کہ دونوں کے حلف سے انکار کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

اور حنفیہ نے اضافہ کیا ہے ❷ جب شفیع مشتری سے ثمن کی جنس یا صفت میں اختلاف کرے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا۔

پہلے کی مثال: مشتری کہے میں نے سو دینار کا خریدا ہے اور شفیع کہے نہیں بلکہ ایک ہزار درھم کی خریدی ہے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ شفیع کا اس جنس پر مالک بننے کا دعویٰ ہے اور مشتری منکر ہے لہٰذا منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اس لیے کہ مشتری زیادہ جانتا ہے ثمن کی جنس کو شفیع سے،

---

❶ الدر المختار ۵/۱۶۰۔ ❷ البدائع: ۵/۳۰۔۳۲۔

اس لیے کے خریداری اس کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ شفیع کی جانب سے لہٰذا شفیع سے زیادہ مشتری جانتا ہے لہٰذا جنس کی معرفت میں اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا اور ثمن کی صفت میں اختلاف کی مثال مشتری کہے: میں نے ثمن معجّل کے ساتھ خریدا اور شفیع کہے نہیں بلکہ تم نے ادھار خریدا ہے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ فی الحال ادا کرنا ثمن میں اصل ہے اور مدت عارضی ہے، اور مشتری اصل کو لے رہا ہے لہٰذا اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اس لیے کہ عاقد ثمن کی صفت زیادہ جانتا ہے دوسروں سے نیز مدت شرط سے ثابت ہے اور شفیع اس پر تاجیل کی شرط لگا رہا ہے وہ منکر ہے تو منکر کا قول معتبر ہوگا۔

پانچویں بحث: شفعہ کی شرائط......شفعہ کے طور پر لینے کی شرائط ہیں بعض میں فقہاء کا اختلاف ہے وہ یہ ہیں:

۱......مالک کی ملکیت سے عقار نکل جاتی ہے، ہمیشہ کے لیے بغیر کسی اختیار کے۔

۲......وہ عقد عقد معاوضہ ہو اور وہ بیع یا اس کے معنی میں ہو۔

۳......عقد صحیح ہو۔

۴......شفیع خریداری کے وقت مالک ہو یا شفعہ کے فیصلہ تک۔

۵......شفیع کا بیع پر راضی نہ ہونا۔ حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں شفیع شریک ہونا چاہیے ان کے ہاں پڑوسی کے لیے شفعہ نہیں اور شفعہ کے بحث میں اس کا تذکرہ ہو گیا ہے جیسا کہ ان کے ہاں مبیع کا مشاع ہونا شریک کے ساتھ اور تقسیم کے قابل ہو کما ذکر۔ تمام فقہاء کے ہاں شرط ہے کہ شریک مبیع کے تمام حصے لے تا کہ مشتری کو تبعیض کی وجہ سے نقصان ہوگا اس لیے کہ ضرر کو ضرر کے ساتھ زائل نہیں کیا جائے گا اگر اس نے بعض حصہ لیا اور بعض کو چھوڑ دیا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا اور میں ضرورت محسوس نہیں کرتا اس بات کے بیان کی کہ مشفوع فیہ عقار ہو اس لیے کہ اس پر بحث ثانی میں مستقل طور پر بحث ہو چکی ہے۔ جیسا کہ مشفوع فیہ کا شفیع کی ملکیت میں ہونے کی شرط کا بیان کرنا ضروری نہیں اگر وہ اس کی ملکیت میں ہے تو شفعہ واجب نہیں۔

اس لیے کہ ایک انسان کا اپنے مال کا مالک ہونا محال ہے اور یہ بدیہی بات ہے اور رہ گیا طلب شفعہ میں جلدی کرنا رضامندی یا قاضی کے فیصلہ سے اس کا اجراءت شفعہ میں مستقل طور پر بیان کریں گے۔

پہلی شرط: زمین مالک کی ملکیت سے مکمل طور پر نکل جاتی ہے......واجب ہے کہ بائع کی ملکیت مبیع عقار سے نکل جائے بطور بیع ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بغیر کسی اختیار و خیار کے شفعہ کا مستحق نہیں عقار میں اگر خیار شرط کے ساتھ فروخت کرے اور یہ شرط مذاہب اربعہ میں متفق طور پر ہے، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ بیع جس میں بائع کو خیار ہو اس میں شفعہ نہیں جب تک کہ بیع واجب اور لازم ہو جائے اسی بنا پر اگر خیار عاقدین میں سے ہر ایک کو ہو تو اس میں شفعہ نہیں بائع کے خیار کی وجہ سے۔

اگر مشتری کو خیار ہو تو اس میں اختلاف ہے، حنفیہ اور شوافع کے ہاں راجح قول یہ ہے کہ اگر مشتری کو خیار ہو تو شفعہ واجب ہے اس لیے کہ مشتری کا خیار حنفیہ کے ہاں بائع کی ملکیت سے مبیع نکلنے کو نہیں روکتا اور اس لیے کہ خیار کے زمانہ میں مبیع مشتری کے ملکیت میں ہوتی ہے اور یہ خیار شرط کی صورت میں ہے۔ رہ گیا خیار عیب اور خیار رویت تو یہ وجوب شفعہ سے مانع نہیں اس لیے کہ ان کی وجہ سے بائع کی ملکیت سے مبیع نکل جاتی ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں خیار کی بیع میں خیار ختم ہونے سے پہلے شفعہ ثابت نہیں چاہے خیار بائع اور مشتری دونوں کے لیے ہو یا کسی ایک کے لیے پس مشتری کا خیار بھی شفعہ سے مانع ہے اس لیے کہ شفعہ کے طور پر لینا مشتری پر عقد لازم کرنا ہے اس کی رضامندی کے بغیر اور اس پر ذمہ داری آتی ہے اور عین ثمن سے رجوع میں اس کا حق فوت ہوگا لہٰذا جائز نہیں جیسا کہ خیار بائع کو ہو۔

دوسری شرط: عقد عقدِ معاوضہ ہو......شفعہ کا حق اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک عقار مالک کی ملکیت سے عقد معاوضہ

یعنی بیع یا اس کے ہم معنی مثلاً ہبہ بالعوض وغیرہ کے ذریعہ نکل نہ جائے اور مال پر صلح اس لیے کہ یہ بھی معاوضہ ہے اور چاہے عقار وقف کی مبیع ہو یا غیر وقف کی بیع میں شفعہ واجب ہے کیونکہ مبیع مشتری کی طرف عوض کے ساتھ منتقل ہوتی ہے حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اگر اس کو فروخت کیا اور شفیع سے اجازت نہیں لی تو شفیع اس کا زیادہ حقدار ہے اور ہبہ بالعوض میں حنفیہ کے ہاں اگر دونوں قبضہ کرلیں شفعہ واجب ہوتا ہے کیونکہ معاوضہ کا معنی پایا جارہا ہے قبضہ کے وقت نیز ہبہ قبضہ ہی سے ثابت ہوتا ہے اگر ایک نے قبضہ کرلیا دوسرے نے نہ کیا تو ائمہ حنیفہ ثلاثہ کے ہاں شفعہ نہیں اور امام زفر کے ہاں صرف عقد ہی کی وجہ سے ثابت ہوجاتا ہے اس لیے کہ بشرط عوض ائمہ حنیفہ ثلاثہ کے ہاں ابتداء تبرع ہوتا ہے اور انتہاءً معاوضہ اور اسی بناء پر یہ شرط ہے کہ موہوب اور اس کا عوض مشاع نہ ہو کیونکہ ابتداءً یہ ہبہ ہے اور امام زفر کے ہاں ابتداء اور انتہاء دونوں اعتبار سے معاوضہ ہے جمہور کے ہاں قبضہ شرط نہیں ہبہ بشرط عوض میں اس لیے کہ ہبہ ان کے ہاں عقد لازم ہے اس لیے کہ موہوب اور موہوب کا مالک بننا عوض یعنی مال کی وجہ سے لہٰذا استحقاق شفعہ کے لیے قبضہ ضروری نہیں اور اس گھر میں شفعہ واجب ہے جو بدل صلح کے طور پر لیا گیا ہو چاہے صلح اقرار کے طور پر ہو یا انکار کے طور پر یا سکوت کی صورت میں حنفیہ کے ہاں کیونکہ معاوضہ کا معنی پایا گیا یہ شرط فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے اور امام مالک سے مشہور قول کے مطابق شفعہ نہیں اسی بناء پر اگر مالک کی ملکیت اس کی ملک سے بلاعوض نکل جائے مطلقاً جیسے ہبہ بغیر عوض وقف وصیت میراث وغیرہ میں اس لیے کہ شفعہ ملکیت جبری کا حق ہے یہ مشتری سے جبراً مبیع کا مالک بنتا ہے ثمن کے بدلہ میں اور یہ تصرفات بغیر عوض ملکیت کو منتقل کرنے کی طرف لے جاتے ہیں لہٰذا شرائط شارع شفعہ کی ملکیت میں متحقق نہیں جو کہ بیع یا اس کے معنی میں ہے لیکن فقہاء کا مال کے علاوہ بعوض مالک بننے میں اختلاف ہے جیسے مہر بدل خلع، ڈاکٹر کی اجرت، حمام کی اجرت وغیرہ یا دم عمد میں صلح کے عوض حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں شرط یہ ہے کہ عقد معاوضہ مال کے بدلے مال ہو اگر عوض مال نہ ہو تو شفعہ نہیں جیسا کہ ان صورتوں میں اس لیے کہ معاوضہ غیر مالی میں چیز ہبہ اور وراثت کے مشابہ ہوجاتی ہے نیز یہ ایسے عوض ہیں کہ ان کا کوئی مثل نہیں کہ شفیع چیز کو اس کا مثل دے کر لے لے، لہٰذا شریعت کی شرائط کا لحاظ رکھنا ممکن نہیں وہ اس چیز کے ساتھ مالک ہونا جس کے ساتھ مشتری مالک ہوا ہے لہٰذا یہ مشروع نہیں۔

حنابلہ نے وضاحت کی ہے کہ اس فسخ میں بھی شفعہ ثابت نہیں جہاں مبیع مشتری سے بائع کی طرف لوٹے جیسے عیب کی وجہ سے واپس کرنا یا اقالہ اور حنفیہ کے ہاں جب مشتری عقار شرکاء تقسیم کرلیں آپس میں تو ان کے پڑوسی کے لیے تقسیم کی وجہ سے شفعہ کا حق نہیں اس لیے کہ یہ مطلقاً معاوضہ نہیں نیز شریک پڑوسی سے اولی ہے اور جب شفیع شفعہ چھوڑ دے پھر مشتری خیار رویت یا عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ سے واپس کردے تو شفیع کے لیے شفعہ کا حق نہیں اس لیے کہ رد کرنا فسخ تام ہے لہٰذا مبیع قدیم ملکیت کی طرف لوٹ آئی اور شفعہ ابتداء عقد کی حالت میں ہوتا ہے اور اگر مبیع بغیر قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے واپس کی گئی ہو یا انہوں نے اقالہ کرلیا تو شفیع کو شفعہ کا حق ہے اس لیے کہ واپس کرنا طرفین کے حق میں فسخ ہے اور تیسرے شخص کے حق میں نئی بیع ہے کیونکہ بیع کا معنی پایا گیا اور یہاں شفیع تیسرا شخص ہے ❶ مالکیہ اور شوافع کے ہاں ❷ عقد کا عقد معاوضہ ہونا کافی ہے چاہے مال کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر مال کے علاوہ پر بھی معاوضہ کی صورت میں شفعہ ثابت ہے اس لیے کہ شفعہ کا مقصد دخیل کے ضرر کو دور کرنا ہے اور یہ یہاں متحقق ہے نیز یہ عقار ہے اور عقد معاوضہ کے ساتھ مملوک ہے بیع کے مشابہ ہے اور شفیع سے اس صورت میں بدل دینے کا مطالبہ ہوگا جیسا کہ وہ تجارتی سامان سے فروخت کرے اس لیے کہ یہ عوض مال متقوم ہیں ان کے ہاں لہٰذا مثل نہ ہونے کی صورت میں وہ چیز قیمت سے لی جائے گی لہٰذا شفیع مہر کا مثل اور خلع کا بدل دے گا۔

تیسری شرط: عقد صحیح ہو...... اس شرط پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے اس لیے کہ مطلوب تو مبیع سے بائع کے حق کو زائل کرنا ہے لہٰذا شراء فاسد سے خریدی گئی چیز میں شفعہ ثابت نہ ہوگا اس لیے کہ یہ عقد ذمہ میں دین کے طور پر واجب ہے اور اس کا توڑنا واجب ہے اور مبیع بائع کی ملکیت میں واپس دینا تاکہ فساد سے خالی ہوجائے بیع لازم نہیں اس لیے کہ عاقدین کی جانب سے فسخ کا احتمال ہے اور شفعہ کے اثبات میں

❶...... اللباب: ۲/ ۱۲۰۔ ❷ بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۵۵۔

فساد کو تقویت ہے لیکن اگر بیع فاسد کے فسخ کا حق ساقط کر دے فسخ ساقط کرنے والے اسباب میں سے کسی سبب سے تو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں شفیع اسے بطور شفعہ لے سکتا ہے اس لیے کہ مانع زائل ہو گیا جیسا کہ ایک شخص خیار شرط کے طور پر فروخت کرے پھر خیار کو ساقط کر دے تو شفعہ واجب ہے ثبوت حق سے جو چیز مانع ہے وہ ختم ہو گئی اور شیء مشتری کو بیع فاسد کی حالت میں فروخت کرنے کی صورت میں تو شفیع کو حنفیہ کے ہاں اختیار ہے اگر چاہے شفعہ پہلی بیع پر کرے اور اگر چاہے دوسری بیع کرے اس لیے کہ حق شفع دونوں بیعوں میں شفیع کو حاصل ہے ہاں اگر اس نے بیع ثانی کے ساتھ خریدا تو ثمن کے ساتھ خریدے گا اور اگر پہلی بیع کے ساتھ لے تو مبیع کے قبضہ کے موقع پر قیمت کے ساتھ لے گا اس لیے کہ بیع فاسد ملکیت کا فائدہ دیتی ہے قیمت مبیع کے ساتھ نہ کے ثمن کے ساتھ اور قیمت قبضہ کے دن کی لائے گی اس لیے کہ بیع فاسد قبضہ کے ساتھ مضمون ہوتی ہے جیسے مغصوب مالکیہ کی رائے اس کے قریب قریب ہے۔

چوتھی شرط: شفیع شئی مشفوع کا مالک ہو بیع کے وقت.....فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شفیع مشفوع کا مالک ہو بیع سے پہلے اور استمرار ملک میں اختلاف ہے اس بارے میں دو رائے ہیں۔

حنفیہ کے ہاں شفعہ کے فیصلہ تک شفیع کی ملکیت برقرار رہنی چاہیے اگر زمین فروخت کی گئی شریک یا پڑوسی نے شفعہ طلب کیا پھر اس زمین کو فروخت کر دیا جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا تھا تو شفعہ کا حق ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ شفعہ شروع کیا گیا ہے شفیع سے ضرر کو دفع کرنے کے لیے اور اپنی ملکیت فروخت کرنے کے بعد ضرر نہیں۔ اسی طرح اگر شفیع جس زمین کی وجہ سے شفعہ کر رہا تھا اگر شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے فروخت کر دیا تو بھی اس کا حق ساقط ہو جائے گا چاہے اسے اس کا علم ہو یا نہ۔ جمہور فقہاء کے ہاں: شفیع کی ملکیت کا ثبوت مبیع کے وقت شرط ہے اور اس کا شفعہ کے فیصلہ تک باقی رہنا ضروری نہیں اس پر شوافع نے تصریح کی ہے: اگر شفیع اپنا حصہ فروخت کرے اور اسے اپنی ملک سے بغیر بیع کے نکال دیا ہبہ کی طرح شفعہ سے لاعلمی میں اصل یہ ہے کہ شفعہ باطل ہے کیونکہ اس کا سبب زائل ہو گیا اور وہ بیع کے وقت شرکت ہے۔

(الف).....اس شرط پر مرتب ہے بالا تفاق کہ اس شخص کے لیے شفعہ کا اختیار نہیں جو کسی گھر میں بطور اجارہ رہائش اختیار کرے یا عاریت اور اس گھر والا جو مشفوع فیہ کی فروخت سے پہلے فروخت کر دیا گیا ہو اور نہ ہی اور گھر میں شفعہ ہے جو مسجد بنا دیا گیا ہو او جو وقف کر دیا گیا تو وقوف میں بھی شفعہ نہیں ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں جب وقف کی فروخت ہو تو شئی موقوفہ کے استبدال کے جواز کے قائل ہیں ضرورت کے وقت یا حاجت و مصلحت کے وقت تو اس پڑوسی کے لیے حق شفعہ ثابت ہے س لیے کہ بیع کی وجہ سے وقوف ہونا ختم ہو گیا لہٰذا بطور شفعہ اسے لینا جائز ہے۔

اسی طرح حنفیہ کے ہاں شفعہ ثابت ہے موقوفہ زمین کی بیع کی حالت میں جس کا فیصلہ نہ کیا گیا ہو جیسا کہ عشری اور خراجی زمینوں کی بیع میں شفعہ ثابت ہے برخلاف سلطانی اراضی کے کہ اس میں شفعہ نہیں اور مالکیہ نے اجازت دی ہے بیت المال کے لیے بطور شفعہ نہ کہ سلطان اگر کوئی مر گیا دو شریکوں میں سے اور اس کا کوئی وارث نہیں تو سلطان نے اس کا حصہ بیت المال کے لیے لے لیا پھر اس کے دوسرے نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو سلطان تو بیت المال کے لیے بطور شفعہ لینے کی اجازت ہے یا جیسے کوئی انسان مر جائے اور اس کی ایک ہی بچی ہو وہ اپنا نصف حصہ لے لے پھر اسے فروخت کر دے تو سلطان مشتری سے بیت المال کے لیے لے رہا ہے۔

(ب).....فقہاء کے درمیان خلاف سابق پر متفرع ہے کہ حنفیہ کے ہاں وارث بطور شفعہ نہیں لے سکتا جب شفیع طلب شفعہ کے بعد اور فیصلہ سے پہلے بیع کی عقار میں تو وارث کو شفعہ کا اختیار نہیں اس لیے کہ وارث عقد سے پہلے اس کا مالک نہیں ہوا جمہور کے ہاں حق شفعہ وارث کے لیے ثابت ہے جب کہ شفیع شفعہ طلب کرے موت سے پہلے برخلاف جب طلب سے پہلے مر جائے اس لیے کہ وارث مورث کا خلیفہ ہے تو اسے تمام مورث کے حق حاصل ہیں اور ان میں سے حق شفعہ بھی ہے دخیل کے ضرر کو دور کرنے کے لیے۔ اس مسئلہ میں منشاء خلاف خیار شرط

میں وراثت ہے کہ آیا وہ حقوق کا وارث ہے جیسے احوال کا وارث تو حنفیہ کے ہاں وارث نہیں اور جمہور کے ہاں وارث ہے۔

پانچویں شرط: شفیع کا راضی نہ ہونا بیع پر..... فقہاء کا اتفاق ہے کہ شفیع سے کوئی ایسی بات صادر نہ ہو جو زمین کی بیع پر راضی ہونے پر دلالت کرے اگر وہ بیع یا اس کے حکم پر راضی ہو قولاً یا فعلاً بایں طور کہ شفیع شی ءمشفوع کو جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا حق رکھتا تھا اگر اسے فروخت کردے اور کافی عرصہ خاموش رہے تو طلب شفعہ کا حق ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ شفیع کو اختیار ہے لینے اور چھوڑنے کا اس لیے کہ حق شفعہ اس کے لیے ثابت ہے ضرر دفع کرنے کے لیے تو اسے اختیار ہے لینے یا چھوڑنے کا۔ مالکیہ نے سکوت کی مدت کی مقدار متعین کی ہے کہ شفیع شفعہ ساقط کرنے والے اقوال یا افعال ظاہر نہ کرے ایک سال تک عقد کے بعد یا اس سے زیادہ بغیر مانع یا وجود علم کے اور موجودگی۔ لیکن اس حق کے ساقط ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہاں تدلیس یا دھوکا نہ ہو شفعہ کے اسقاط کے لیے مشتری کے طریقہ سے اور ثمن کے یا مبیع کی مقدار میں۔ پس جب خبر ملے کہ مشتری فلاں ہے اور جب کہ مشتری کوئی اور ہو یا ثمن اتنے ہیں اور ثمن حقیقۃً کم ہوں یا کسی دوسری جنس نوع یا صفت کے ہاں یا مبیع جزو معین ہوا اور مبیع بالفعل جزو ہو یا اکثر یا کل مبیع اس نے شفعہ سپرد کیا اور اس سے اعراض کیا پھر حقیقت واقع ظاہر ہو تو اس کا حق باقی ہے اور وہ شفعہ کرسکتا ہے اس لیے کہ اس نے ایک غرض کی وجہ سے اسے چھوڑا ہے اور اس کا خلاف ظاہر ہو لہٰذا اس کی رغبت اس سے ختم نہ ہوگی لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو پہلے تین حالات مثلاً وہ ایک ہزار ثمن کی خبر دے اور ایک ہزار سے زیادہ ظاہر ہوں یا وہ کہے مبیع ساری ہے اور بعد میں پتہ چلے کہ بعض حصہ ہے یا کہے کہ ثمن مؤجل ہیں اور پتا چلے کہ نقد ادا کردیئے ہیں تو شفعہ کا حق ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ جب کم پر اسے رغبت نہ تھی یا مؤجل پر تو جب زیادہ یا معجّل ظاہر ہوا اور جو کُل کے خریدنے سے اعراض کرے تو بعض سے تو اعراض اولیٰ ہے شرکت کے خوف سے اور آخری حالت حنفیہ کے ہاں ظاہر روایت ہے۔ اور یہی مالکیہ کا مذہب ہے کہ شفعہ اس صورت میں ساقط ہو جاتا ہے جب شفیع کو شریک کل کے فروخت ہونے کی خبر دے اور وہ شفعہ چھوڑ دے پھر ظاہر ہوا کہ اس نے تو صرف نصف فروخت کیا ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور حنابلہؒ کے ہاں..... شفیع کو آخری حالت میں شفعہ کا اختیار حاصل ہے کیونکہ ہوسکتا ہے وہ کل ثمن ادا کرنے سے عاجز ہو اور آدھے کے ثمن ادا کرنے پر قادر ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی ضرورت نصف سے پوری ہوسکتی ہو کیونکہ اس کی ملکیت کے منافع مکمل ہو جاتے ہیں اور وہ کل کا محتاج نہیں خلاصہ یہ کہ جمہور کے ہاں جب شفیع کو اس کی خبر دی جائے جو اس کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو اور وہ شفعہ کرنا چھوڑ دے تو اس کا حق باطل ہو جاتا ہے۔

شفعہ ساقط کرنے کے حیلے..... بیع ہونے کے بعد شفعہ ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرنا حنفیہ کے ہاں مکروہ تحریمی ہے اور بیع ہونے سے پہلے شفعہ ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرنے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے اور انہی کے قول پر فتویٰ ہے کہ مکروہ نہیں جب کہ پڑوسی مشفوع فیہ کا محتاج نہ ہو اس لیے کہ اثبات حق سے منع کرنا ضرر شمار نہیں ہوتا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس صورت میں بھی مکروہ ہے اس لیے کہ شفعہ ضرر کے دفعہ کرنے کے لیے ہے اگر ہم حیلہ مباح قرار دیں تو ضرر ختم نہیں ہوگا۔ ❶

خلاصہ یہ کہ حنفیہ اور شوافع کے ہاں اسقاط شفعہ کا حیلہ اختیار کرنا جائز ہے اس طرح کہ پہلے کچھ حصہ فروخت کردے پھر باقی فروخت کرے۔

حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں..... اسقاط شفعہ کا حیلہ اختیار کرنا حرام ہے اور اگر کر بھی لے تو شفعہ ساقط نہیں ہوگا اس لیے کہ شفعہ مشروع ہے ضرر دفعہ کرنے کے لیے اگر حیلہ سے ساقط کردیا جائے تو ضرر ہوگا۔

چھٹی بحث: اجراءات شفعہ..... جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں کہ شفعہ ضعیف حق ہے تو یہ ملکیت کا سبب اس وقت تک نہیں بن سکتا جب

❶.....الدر المختار ورد المحتار ۵/۱۷۳۔

تک اس کے خاص احکام کو اختیار نہ کیا جائے مثلاً بیع کا علم ہوتے ہی شفیع کا طلب کرنا تا کہ اس کے لیے اس کا فیصلہ کیا جائے حنفیہ کے ہاں شفعہ میں تین طرح کی طلب ہے ایک طلبہ مواثبہ طلب اشہاد وتقریر طلب خصومت وتملک ❶ ان اجراءت کے بیان کرنے سے پہلے فقہاء کے اختلاف کو جو وجوب شفعہ کے وقت سے متعلق ہے کا بیان کرنا احسن ہے۔

وجوب شفعہ کا وقت...... حنفیہ کے ہاں بیع کا علم ہوتے ہی فی الفور طلب شفعہ شرط ہے اس لیے کہ یہ ضعیف حق ہے لہٰذا فوری طلب سے قوی ہوگا عادۃ۔ امام مالک کے ہاں فوری طور پر شفعہ کا مطالبہ شرط نہیں بلکہ ان کے ہاں وجوب شفعہ کے وقت میں وسعت ہے اور وہ عقد کے بعد ایک سال کے اندر اندر کا وقت ہے مشہور قول کے مطابق۔ ❷

شوافع کے ہاں...... ❸ شفعہ طلب کرنا فی الفور شرط ہے یعنی شفیع کو بیع کا علم ہوتے ہی اس لیے کہ یہ حق ہے جو ضرر دور کرنے کے لیے ثابت کیا گیا ہے لہٰذا فی الفور ہو یا چاہے جیسے عیب کی وجہ سے واپس کرنا جب شفیع کو بیع کا علم ہو گیا تو وہ جلد کرے عادت کے موافق اگر شفیع نماز پڑھ رہا ہو یا حمام میں ہو یا قضاء حاجت کر رہا ہو تو وہ اس کے توڑنے کا مکلف نہیں بلکہ ان چیزوں سے فراغت تک وہ تاخیر کر سکتا ہے اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کو سستی شمار کیا جاتا ہے طلب شفعہ میں تو اس سے شفعہ ساقط ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ اگر وہ مریض ہو یا مشتری کے شہر سے غائب ہو یا اسے دشمن کا خوف ہو تو اگر طاقت رکھتا ہے تو وکیل بنائے ورنہ طلب شفعہ پر دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لے اگر شفیع نے وکیل یا گواہ طاقت ہونے کے باوجود نہ بنائے تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

حنابلہ بھی شوافع کی طرح کہتے ہیں کہ فی الفور بیع کا علم ہوتے ہی شفعہ کی طلب شرط ہے بایں طور کہ شفیع طلب شفعہ پر گواہ بنائے جونہی بیع کا علم ہو جب کہ طلب سے مانع کوئی عذر نہ ہو پھر جب اس نے طلب پر گواہ بنائے تو پھر اسے اختیار ہے کہ وہ مشتری سے مخاصمہ کرے اگر چہ کئی دنوں، مہینوں یا سالوں کے بعد ہو۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ جمہور کے ہاں شفعہ فی الفور طلب کرنا ضروری ہے۔ دلیل حدیث نبوی ہے کہ شفعہ رسّی کھلنے کی طرح ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ تاخیر سے اس کا ثبوت مشتری کو نقصان پہنچائے گا اس کی ملکیت کے قرار نہ ہونے کی وجہ سے۔

مالکیہ کے ہاں فی الفور طلب کرنا شرط نہیں اگر بغیر کسی مانع کے بھی شفیع ایک سال تک خاموش رہا عقد کے اور یا اس سے کم یا غائب ہو گیا اور دوران سال واپس آیا پھر شفعہ طلب کیا تو وہ اس کو لے سکتا ہے اس لیے کہ خاموش رہنا کسی مسلمان کے حق کو باطل نہیں کرتا جب تک قرائن سے اس کے اسقاط کی دلیل نہ مل جائے لیکن مشتری کو حق حاصل ہے کہ وہ حاکم کے پاس مقدمہ دائر کرے خریدنے کے بعد کہ شفیع سے اس کا موقف سنا جائے کہ تو شفعہ کرنا چاہتا ہے یا چھوڑنا چاہتا ہے اگر ان دو باتوں میں سے کسی ایک کا اس نے جواب دے دیا تو ظاہر ہے ورنہ حاکم شفعہ ساقط کر دے۔

طلب شفعہ کے مراحل...... حنفیہ کے ہاں شفیع طلب شفعہ کی ابتداء اس طرح کرے۔ طلب مواثبہ۔ یعنی جلدی کے ساتھ وہ یہ کہ جس مجلس میں شفیع کو بیع کا علم ہوا اس میں وہ شفعہ طلب کرے ایسے الفاظ کے ساتھ جن سے طلب سمجھ آئے مثلاً اطلب الشفعہ میں شفعہ طلب کرتا ہوں یا میں مبیع کا شفیع ہوں اور اسے شفعہ سے طلب کرتا ہوں وغیرہ ❹ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے شفعہ اس کے لیے ہے جو جلدی طلب کرے اور اس طلب پر شفیع کے ذمہ گواہ بنانا لازم نہیں بلکہ افضل ہیں تا کہ انکار نہ کر سکے مشتری قاضی کی مجلس میں معتبر صرف طلب ہے اور گواہ بنانا صرف انکار کے وقت طلب ثابت کرنے کے لیے ہے جیسے گرنے کی طرف مائل دیوار کی طلب پر گواہ بنانا اور ضمان کی لیے گواہ بنانا شرط نہیں بلکہ سبب ضمان کے اثبات کے لیے ہیں۔ اور یاد رہے کہ حنفیہ کے ہاں اصح روایت یہ ہے کہ طلب کا حق شفیع کے لیے مجلس

---

❶...... البدائع: ۵/ ۱۷ ۔ ❷ بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۵۹ ۔ ❸ المہذب: ۱/ ۳۵۰ ۔ ❹ مجلہ (م ۱۰۲۹)

کے آخر تک رہنا جس میں بیع کا علم ہوا ہے اور شوافع کے ہاں بھی اظہر یہ ہے کہ فی الفور طلب کرے حنابلہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے کہ جونہی بیع کا علم ہوا طلب مواثبہ فوری طور پر لازم ہے اور مالکیہ کے ہاں ایک سال کی مدت ہے طلب شفعہ میں: ❶

طلب تقریر...... یہ کہ شفیع اقدام کرے ایک دوسری طلب کا جو پہلی طلب کو پختہ اور مؤکد کرے اس لیے کہ کبھی پہلی طلب شفیع کی کسی عارضی رغبت کی وجہ سے ہوتی ہے پھر اسے ظاہری اور مادی معاملات کا سامنا ہوتا ہے تو اب طلب تقریر کا ہونا ضروری ہے تا کہ پہلی پختہ ہو اور اس طلب میں یہ شرط ہے کہ یہ پہلی طلب کے فوراً بعد ہو اور اس پر گواہ بنانے کے بعد کہ شفیع شفعہ کی رغبت ظاہر کرے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا کر اور اس کی مدت فی الفور نہیں بلکہ جب تک گواہ بنانا ممکن ہو اگر مبیع بائع کے قبضہ میں ہو تو گواہ اس پر بنانے ہیں اور اگر مشتری کے قبضہ میں ہو تو اس پر یا عقار کے پاس بنائے کیونکہ اس کے ساتھ حق متعلق ہے اور طلب تقریر کی صورت یہ ہے کہ شفیع کے کہ فلاں نے یہ گھر خریدا ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور میں نے شفعہ طلب کیا ہے پہلے بھی اور اب بھی طلب کرتا ہوں اس پر گواہ رہو۔

یادر ہے کہ اس طلب پر گواہ بنانا اس کی صحت کے لیے شرط نہیں جیسا کہ طلب مواثبہ کے لیے شرط نہیں بلکہ صرف انکاری کی صورت میں بطور ثبوت ہیں۔ اور اگر شفیع کہیں دور دراز ہے اور طلب تقریر و اشہاد اس کے لیے ممکن نہیں اس طور پر تو دوسرے کو وکیل بنائے اگر وکیل نہ ہو تو وہ خط لکھے اور اگر شفیع نے طلب مواثبہ میں گواہ بنا لیے تھے بائع یا مشتری کے پاس جس کے قبضہ میں بھی مبیع ہو یا مبیع کے پاس تو پھر طلب تقریر کی طرف سے یہ کافی ہے مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے یعنی اس بات کا اظہار کہ وہ طلب شفعہ پر مصر ہے۔

طلب کا حکم...... جب شفیع نے طلب تقریر کر لی تو اس کے شفعہ کا حق مضبوط ہو گیا اور اس کے بعد تاخیر سے اس کا حق ساقط نہیں ہوگا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک روایت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی یہی ظاہری مذہب ہے اور اسی پر فتوی ہے اس لیے کہ جب حق ثابت ہو کر قرار پکڑے تو وہ ساقط کرنے کے علاوہ ساقط نہیں ہوتا۔ اور امام محمد کے ہاں ہاں بغیر کسی عذر کے طلب تقریر کے بعد ایک مہینے تک طلب نہ کی تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا تا کہ مشتری کو تاخیر سے ضرر نہ ہو اور بعض حنفیہ کے یاد آج کل فتوی امام محمد کے قول پر ہے کیونکہ لوگوں کی عادات تبدیل ہو چکی ہیں ضرر کے قصد کی وجہ سے اور مجلّہ میں اس رائے کو لیا ہے دفعہ (۱۰۳۴) حنابلہ کے ہاں جب طلب پر گواہ بنا لئے تو شفیع کے ذمہ مشتری سے مخاصمہ ہے اگر چہ کئی سال کے بعد ہی ہو اور مالکیہ نے شفعہ کی طلب اول پر ایک سال کی مدت مقرر کی ہے اگر عقد کے بعد ایک سال تک بغیر عذر خاموش رہا یا بغیر کسی مانع کے علم کے باوجود خاموش رہا تو اس کا شفعہ ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ اس کا خاموش رہنا شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے۔

۳: طلب خصومت اور تملک...... یہ کہ شفیع حاکم کے پاس مقدمہ دائر کرے شفعہ کے فیصلہ اور مبیع سپرد کرنے کے لیے مثلاً کہے: فلاں شخص نے فلاں گھر خریدا ہے میں اس گھر کا فلاں گھر کی وجہ سے شفیع ہوں اور میں اس میں شریک ہوں میں اس سے گھر کی سپردگی کا طالب ہوں۔ ❷

ان طلبوں میں تاخیر کی سزا و بدلہ...... اگر شفیع مجلس علم میں طلب مواثبہ کو مؤخر کرے بغیر کسی عذر کے مثلاً کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جائے یا کسی اور معاملہ میں بحث شروع کر دے یا مجلس سے کھڑا ہو جائے شفعہ طلب کیے بغیر تو اس کا حق شفعہ ساقط ہو جائے گا لیکن اگر کوئی عذر پایا گیا جو جلدی طلب کرنے سے مانع ہے جیسے خوف ہو کسی وحشی یا سیلاب کا تو مانع زائل ہونے تک شفعہ باطل نہ ہوگا۔ ❸

---

❶...... نصب الرایة: ۱۷۶/۴۔ ❷ الدر المختار ۱۵۸/۵۔ ❸ البدائع: ۱۸/۵۔

اگر شفیع طلب تقریر واشہاد کو مؤخر کردے اتنی مدت کہ جس میں وہ یہ کرسکتا تھا اگرچہ خط کے ذریعہ ہی سے ممکن ہوتو اس کا حق شفعہ ساقط ہوجائے گا۔ (مجلّہ: دفعہ: ۱۰۳۳) اگر شفیع طلب خصومت کو طلب تقریر وشہاد سے ایک مہینہ مؤخر کرے بغیر شرعی عذر کے مثلاً کسی دوسرے علاقہ میں ہونے کی وجہ سے تو اس کا حق شفعہ ساقط ہوجائے گا (م: ۱۰۳۴) مجلّہ۔

مجور سے شفعہ طلب کرنا...... اگر فقہاء کے ہاں بچے کو شفعہ کا اختیار ہے اور ولی شفعہ کا مطالبہ کرے مجورین کی طرف سے جو مصلحت سمجھتا ہو بچے کے لیے لینے میں مثلاً مبیع کے ثمن کم ہوں یا مثل ثمن ہو اور صغیر کے لیے مال ہو عقار خریدنے کے لیے جب ولی شفعہ کے طور پر لے لے تو بچہ بالغ ہونے کے بعد اسے توڑ نہیں سکتا ائمہ اربعہ کے ہاں بالاتفاق۔ اگر بچہ کا ولی طلب شفعہ نہ کرے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں بالغ ہونے کے بعد شفعہ کا حق باقی نہیں رہتا اس لیے کہ جو شفعہ کرنے کا مالک ہے وہ معاف کرنے کا بھی مالک ہے جیسے مالک۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں جب بچہ کا ولی شفعہ کو ترک کردے تو بچہ کو بالغ ہونے کے بعد شفعہ کا حق نہیں جب کہ کوئی مصلحت ہو یا بچہ کے پاس مال نہ ہو تو شفعہ ساقط ہوجاتا ہے اس لیے کہ ولی وہی کرسکتا ہے جس کے کرنے کا اسے اختیار ہے تو بچے کے لیے جائز نہیں اس کو توڑنا جیسے بیع نیز اس نے ایسا کام کیا جس میں بچے کا فائدہ ہے اگر ولی نے بغیر شفقت و مصلحت شفعہ ساقط کردیا تو شفعہ ساقط نہیں ہوتا اور بچے کو بالغ ہونے کے بعد شفعہ کا حق ہے حنابلہ کے ہاں اور امام زفر و محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: بچے کو بالغ ہونے کے بعد شفعہ کا حق حاصل ہے چاہے وصی اسے معاف کرے یا نہ کرے اس کے لیے یا چھوڑنے میں مصلحت ہو یا نہ ہو اس لیے کہ شفعہ کا مستحق اسے لے سکتا ہے چاہے اس میں اس کا فائدہ ہو یا نہ ہو اور یہ حق ہے بچے کے لیے ثابت ہے ولی اسے باطل کرنے کا مالک نہیں لہٰذا بچے کے علاوہ کسی اور کے ترک کرنے کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہوگا جیسے غائب کا کھیل ترک کردے۔

طلب شفعہ اور اثبات دعویٰ میں قاضی کا کردار...... جب شفیع مقدمہ دائر کرے قاضی کی عدالت میں اور شفعہ والے گھر کا دعویٰ کرے تو قاضی پہلے شفیع سے پوچھے گھر کی جگہ اور اس کی حدود کے بارے میں کہ اس کا دعویٰ اس میں حق پر ہے یا نہ پھر پوچھے کہ مشتری نے قبضہ کرلیا ہے یا نہ اس لیے کہ اگر مشتری نے قبضہ نہ کیا تو مشتری پر اس کا دعویٰ صحیح نہیں جب تک بائع حاضر نہ ہو۔ پھر قاضی شفعہ کے سبب کے متعلق شفیع سے پوچھے اور اس کی حدود کے متعلق اس لیے کہ کبھی دعویٰ ایسے سبب سے ہوتا ہے جو صحیح نہ ہو پھر قاضی اس سے طلب تقریر کے متعلق پوچھے کہ کب اور کس کے سامنے جب یہ ساری باتیں ہوگئیں تو دعویٰ صحیح ہے۔ پھر قاضی مدعی علیہ سے سوال کرے شفیع جس گھر کی وجہ سے شفعہ کررہا ہے اس کی ملکیت کے بارے میں اگر وہ شفیع کی ملکیت کا اقرار کرلے تو ٹھیک اگر وہ اس کی ملکیت کا انکار کردے تو قاضی شفیع سے اس کی ملکیت پر گواہ طلب کرے اس لیے کہ ظاہری قبضہ استحقاق کے اثبات کے لیے کافی نہیں لیکن اگر شفیع گواہ پیش کرنے سے عاجز ہوگیا تو قاضی حلف دے مشتری کو کہ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ شفیع مذکورہ گھر کا مالک ہے لیکن اگر مشتری حلف سے انکار کردے یا شفیع گواہ پیش کردے تو اس کی ملکیت اس گھر میں ثابت ہوجائے گی جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا مستحق ہے اور اس کے لیے حق شفعہ ثابت ہے۔ پھر قاضی مدعی علیہ سے پوچھے آیا اس نے اس شفعہ والے گھر کو خریدا ہے یا نہیں؟ اگر اس نے اقرار کرلیا تو ٹھیک اور اگر انکار کردیا تو شفیع سے کہا جائے گا کہ گواہ پیش کرو اس کے خریدنے پر اس لیے کہ شفعہ اس وقت تک ثابت نہیں جب تک بیع دلائل سے ثابت نہ ہوجائے۔

اگر وہ گواہ پیش کرنے سے عاجز آگیا تو مشتری قسم اٹھائے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ گھر نہیں خریدا یا اللہ کی قسم یہ اس گھر میں شفعہ کا مستحق نہیں جس سبب سے یہ کہہ رہا ہے اور اگر مشتری قسم سے انکار کردے یا اقرار کرے خریدنے کا یا شفیع اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کردے تو اس کے لیے شفعہ کا فیصلہ کیا جائے گا اس لیے کہ مشتری شفیع کے طلب شفعہ کا منکر نہیں لیکن اگر وہ انکار کردے تو مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اگر وہ

طلب مواثبہ کا انکار کردے تو اسے علم پر قسم دی جائے گی یعنی مجھے اس کا معلوم نہیں تھا اور اگر وہ طلب تقریر کا انکار کرے تو اسے یقین پر قسم دی جائے گی۔

یادرہے کہ شفیع کا مقابل مشتری ہے مطلقاً چاہے مبیع اس کے سپرد ہو یا نہ ہو اس لیے کہ وہ مالک ہے اور بائع سپرد کرنے سے پہلے مالک ہے قبضہ کی وجہ سے۔لیکن بائع کے خلاف گواہ مسموع نہیں ہوں گے جب تک مشتری حاضر نہ ہو جائے اس لیے کہ وہ مالک ہے اور اس کی موجودگی میں بیع فسخ ہوگی اگر اس نے مشتری کو مبیع سپرد کر دی تو بائع کا حاضر ہونا لازم نہیں اس لیے کہ اس کی ملکیت اور قبضہ اس سے ختم ہو گیا ہے۔

ساتویں بحث: مشتری کے قبضہ میں شفعہ ہونے والی چیز میں تبدیلی آنا...... کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے مشتری کے قبضہ میں شیء مشفوع چیز پر کچھ تغیرات اور تبدیلیاں آتی ہیں تصرف کی وجہ سے جو ملکیت کو منتقل کر دینے والی ہیں جیسے بیع اور ہبہ یا انتفاع کا حق مرتب ہوتا ہے جیسے اجارہ اعارہ یا اس میں اضافہ ہوتا ہے جیسے عمارت درخت وغیرہ یا اس میں کمی آتی ہے جیسے ہلاک ہونا، گرنا نقصان ہونا ان طاری ہونے والے تغیرات اور تبدیلیوں کا شفیع کے حق پر کیا اثر ہے اور کیا شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔

پہلی بات: عقود اور تصرفات...... کبھی مشتری سے خریدی ہوئی چیز میں شفیع کے لیے شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے تصرفات ہو جاتے ہیں اور یہ تصرفات یا تو ملکیت کو منتقل کر دیتے ہیں جیسے بیع ہبہ قبضہ کے ساتھ وقف اور مبیع کو نکاح میں مہر کے طور پر دے دینا یا وہ تصرفات حق انتفاع پر مرتب ہوتے ہیں یا انتفاع کو روکتے ہیں جیسے اجارہ عاریت اور رھن۔ مذاھب اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بعض تصرفات جو ملکیت کو منتقل کر دیتے ہیں ان کا توڑنا جائز ہے جب قاضی شفیع کے لیے شفعہ کا فیصلہ صادر کرے مبیع میں غیر کا حق ہونے کی وجہ سے جیسے کہ یہ سارے اس بات پر متفق ہیں کہ رہن اجارہ عاریت اور وہ تصرف جس میں شفعہ نہیں ہوتا توڑنا جائز نہیں۔

بیع کی صورت میں شفیع کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو پہلی کے ثمن دے کر عقار کو لے لے یا دوسری کے ثمن کر لے لے اس لیے کہ ان دونوں عقدوں میں سے ہر ایک ثبوت شفعہ کے لیے سبب تام ہے جیسا علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نیز شفیع کا حق ان تصرفات سے پہلے ہے لہٰذا ان کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا۔حنفیہ، مالکیہ اور شوافع کا اتفاق ہے کہ جس چیز میں ابتداءً شفعہ نہیں جیسے وقف ہو گیا مسجد بنا دینا یا قبرستان۔

ہبہ اور وصیت وغیرہ تو اس کو توڑنا جائز ہے حنابلہ کے ہاں اگر مشتری طلب شفعہ سے پہلے مبیع میں تصرف کر دے مثلاً ہبہ صدق یا وقف معین جیسے مسجد یا فقراء یا مجاہدین پر خرچ کرنا یا اسے طلاق خلع اور دم عمد سے صلح کا بدل بنا دے ان چیزوں میں سے جن میں شفعہ ابتداءً نہیں ہوتا تو حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کہ شفعہ کی وجہ سے موقوف علیہ موھوب لہ متصدق علیہ وغیرہ کا نقصان ہے کہ ان کی ملکیت زائل ہو رہی ہے بغیر عوض کے اور ثمن تو مشتری لے گا اور ضرر کو ضرر سے زائل نہیں کیا جاتا۔

اور حنابلہ کے ہاں طلب شفعہ کے بعد مشتری کا تصرف صحیح نہیں اس لیے کہ ملکیت شفیع کی طرف منتقل ہو گئی ہے طلب کی وجہ سے اور اگر مشتری نے خریدے ہوئے حصہ کی وصیت کر دی اگر شفیع نے قبول سے پہلے اسے لے لیا تو وصیت باطل ہو جائے گی اور شفیع کا حق ہے میں برقرار رہے گا کیونکہ موصی لہ پر اس کا حق مقدم ہے اور وصیت قبولیت سے پہلے موت کے بعد جائز ہے لازم نہیں۔

دوسری بات مشفوع کی بڑھوتری اور اس میں اضافہ...... کبھی کبھی عقار میں طبعی طور پر بڑھوتری ہوتی ہے اور کبھی مشتری اس میں اضافہ کرتا ہے عمارت بنا کر درخت وغیرہ لگا کر شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے اب ان چیزوں کا مستحق کون ہے شفیع یا مشتری اگر مشتری مستحق ہو تو آیا وہ اپنے حق کا عوض لے گا اور عوض کیا ہے۔

ا۔طبعی بڑھوتری...... جب مشتری کے ہاتھ میں مبیع میں اضافہ اور بڑھوتری ہو جائے مثلاً درخت پر پھل لگ جائیں۔خریدنے کے

بعد تو حنفیہ کے ہاں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ شفیع کا نہ ہو اس لیے کہ یہ مشتری کی ملکیت اور علم کے مطابق ہے اور استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ شفیع کے لیے ہو اس لیے کہ پھل کی پیدائش درخت کے ساتھ متصل ہے گویا اس کے تابع ہیں نیز یہ مبیع سے پیدا شدہ ہیں لہٰذا ثابت شدہ حق کے ساتھ یہ نیا پیدا شدہ ملحق ہوگا جیسے مبیع جب قبضہ سے پہلے بچہ جن دے مشتری بچہ کا مالک ہے والدہ کے تابع کر کے خلاصہ یہ کہ شفیع اسے لے لے گا کیونکہ یہ مبیع کے تابع ہے اصل کے اعتبار سے۔ مالکیہ کے ہاں: شفعہ سے پہلے کا منافع مشتری کے لیے ہے اس لیے کہ ضمان اسی پر ہے کیونکہ استفادہ کی بنیاد ذمہ داری (ضمان) پر ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں بڑھوتری کی دو حالتیں ہیں۔

(الف)..... اگر بڑھوتری متصل ہو جیسے غیر ظاہر پھل تو یہ شفیع کے لیے ہے مبیع کو اضافہ کے ساتھ لے لے گا اس لیے کہ جو چیز متمیز نہ ہو سکتی ہو وہ اصل کے تابع ہوتی ہے ملک میں جیسا کہ عیب یا خیار یا افاہ واپسی کی صورت میں۔

(ب)..... اگر بڑھوتری جدا ہو جیسے ظاہر شدہ پھل اور کھلی ہوئی کلی غلہ اور اجرت تو یہ مشتری کی ہے اس میں حنابلہ کے ہاں شفیع کا کوئی حق نہیں اور امام شافعی کے مذہب جدید میں کہ یہ مشتری کی ملک میں پیدا ہوتی ہے لہٰذا مبیع کے تابع نہیں لہٰذا وہ صرف وہی لے گا جو عقد میں داخل ہے اس کے علاوہ رضامندی کے بغیر کسی چیز کا مستحق نہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ دونوں مذہب حنفیہ کے قیاس کے مطابق ہیں۔

۲۔ نیا اضافہ...... اگر مشتری مبیع میں کوئی اضافہ کر دے مثلاً عمارت تعمیر کر دے درخت لگائے یا کھیتی بوئے۔

(الف)..... وہ کھیتی جس کی انتہاء معلوم ہے تو اس میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ شفیع اسے بطور شفعہ لے گا اور کھیتی مشتری کی ہوگی کہ وہ پکنے تک زمین پر باقی رہے گی اور اس کے ذمہ حنفیہ کے ہاں اجرت ہوگی اس مدت کی جو شفعہ کے فیصلہ اور پکنے کے درمیان ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں کھیتی بغیر کسی اجرت کے باقی رہے گی اس لیے کہ اس نے اپنی ملکیت میں کھیتی کی ہے۔

(ب) رہ گئی عمارت تعمیر کرنے اور درخت لگانے کی حالت...... اس صورت میں بھی شفیع کو بطور شفعہ لینے کا حق ہے لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ قیمت کس پر واجب ہے۔

حنیفہ کے ہاں...... اگر مشتری عمارت بنائے یا درخت لگا لے پھر شفیع کے لیے شفعہ کا فیصلہ ہو گیا تو شفیع کو اختیار ہے چاہے تو مشتری کو اکھیڑنے کے لیے مجبور کرے اور زمین خالی کروائے اس سے اس لیے کہ اس نے اسے ایک ایسے محل میں رکھا ہے جس میں غیر کا حق ہے اس کی اجازت کے بغیر اور انقاض (غلبہ) مشتری کے لیے ہوں گے نہ کہ شفیع کے لیے کیونکہ جدا کرنے کی وجہ سے تبعیت زائل ہو گئی۔ اور اگر چاہے تو زمین کے وہ ثمن دے کر لے لے جو مشتری نے دیئے ہیں اور عمارت اور درختوں کی قیمت دے دے جو ملبہ کی صورت کی مستحق ہے۔

جمہور کے ہاں...... اور ان کی رائے درمیانی ہے کہ اگر مشتری درختوں اور عمارت کو اکھیڑنا چاہے تو اسے منع نہیں کیا جائے گا اگر اس میں نقصان نہ ہو اس لیے کہ نہ ضرر پہنچے نہ ضرر پہنچایا جائے اس لیے کہ یہ اس کی ملکیت ہے یہ اس کے ازالہ اور منتقل کرنے کا مالک ہے اور زمین برابر کرنا اس کے ذمہ نہیں اس لیے کہ یہ تعدی نہیں اور اگر مشتری اکھیڑنا اختیار نہ کرے تو شفیع کو اختیار ہے چاہے تو شفعہ چھوڑ دے اور چاہے تو عمارت اور درختوں کی قیمت دے دے اسی حالت میں۔ اور یہی رائے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اور اختلاف کے کا سبب جیسا کہ ابن رشد فلسفی رحمۃ اللہ علیہ نے بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ مشفوع علیہ پر تصرف متردد ہے ایک اس شخص کا تصرف جو ثبوت شفعہ کو جانتا ہے اس میں غاصب کے تصرف سے مشابہت ہے اور دوسرا ایسے مشتری کا تصرف جس پر استحقاق ظاہر ہو جائے جب کہ وہ زمین میں عمارت تعمیر کر دے یا درخت لگا لے پس جو اس کے فعل کو استحقاق کے مشابہ قرار دیئے ہیں وہ جمہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ مشتری قیمت لے لے اور جو اس کے فعل کو غاصب کا فعل تصور کرتے ہیں اور وہ حنفیہ ہیں وہ کہتے ہیں شفیع ملبہ کی قیمت ادا کر دے۔

تیسری بات: مشفوع فیہ میں کمی......فقہاء کے ہاں اس موضوع کے متعلق دو رائیں ہیں جو متعارض ہیں ایک حنفیہ کی رائے ہے اور مالکیہ کا مذہب بھی ان کے قریب ہے اور ایک شوافع اور حنابلہ کی رائے ہے۔

حنفیہ کے ہاں......کبھی تو کمی جزو ہوتی ہے توابع زمین کے یا زمین سے متصل ہو یا زمین کا بعض حصہ ہو۔

(الف)......اگر نقص زمین کے توابع کا جزو ہو مثلاً پھل کا ضائع ہونا آلات زراعت اور صناعت کا ہلاک ہونا پھر شفیع کے لیے شفعہ کا حکم ہوا تو ثمن میں سے ان پھلوں اور آلات کی قیمت کم کر دی جائے گی چاہے یہ کمی مشتری کے فعل سے ہو اس لیے کہ بیع سے یہی مقصود ہوتا ہے اور مشتری نے اسے لے لیا یا کسی آفت سماوی کی وجہ سے ہو اس لیے کہ یہ معقود علیہ کا بعض حصہ ہے اور یہ بیع میں داخل بھی ہے لہٰذا ثمن کا حصہ اس کا مقابل ہے۔

(ب)......اور اگر کمی زمین سے متصل ہو مثلاً درخت خشک ہو جائیں عمارت گر جائے یا جل جائے اور وہ اسے توڑ دے پھر شفیع کے لیے شفعہ کا فیصلہ ہوا اگر یہ مشتری یا کسی اور کے عمل کی وجہ سے ہے تو ثمن سے زائل ہونے والی چیز کی قیمت کم ہوگی پہلی حالت کی طرح زمین کے بغیر درختوں اور عمارت کی قیمت لگائی جائے پھر ان کے ساتھ لگائی جائے تو شفیع سے اتنی مقدار جو ان کے درمیان میں تفاوت ہے ساقط ہو جائے گی کیونکہ تعدی اور اتلاف پایا گیا لہٰذا اس کے مقابلہ میں ثمن ہوں گے اور ملبہ اس صورت میں مشتری کا ہوگا۔ لیکن اگر یہ کسی کی تعدی کے بغیر ہو بلکہ سماوی آفت کی وجہ سے ہو جیسے زلزلہ چیخ یا ہوا تو شفیع پر کل ثمن دینا لازم ہیں اور اس میں سے کوئی چیز ساقط نہیں ہوگی ضائع شدہ حصہ کے مقابل اس لیے کہ کمی کسی کی جنایت کی وجہ سے نہیں اور درخت اور عمارت زمین کے تابع ہیں حتیٰ کہ یہ ذکر کے بغیر بھی بیع میں داخل ہیں لہٰذا ان کے مقابلہ میں ثمن میں سے کوئی چیز بھی نہ ہوگی اس لیے کہ ثمن میں اصل یہ ہے کہ وہ اصل کے مقابل ہوں نہ کہ وصف کے رہ گیا ملبہ اگر اس میں سے کوئی چیز بھی نہ بچی ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں لیکن اگر کچھ بچ گیا تو اسے مشتری لے گا اس لیے کہ وہ زمین سے منفصل ہے اور وہ زمین کے تابع نہیں اس کے حصہ کی قیمت ساقط ہو جائے گی لینے کے دن کی اور کچھ میں عقد کے دن کی قیمت لگائی جائے گی اور گھر اور ملبہ کے درمیان ثمن تقسیم کر لیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ مشتری نہ لے کہ جدا ہونے کے بعد ہلاک ہوئے ہوں تو ثمن میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ اس کی جانب ملبہ رکھا نہیں نیز یہ تابع ہے اور تابع کے مقابل ثمن نہیں ہوتے اور شفعہ کے طور پر لینے سے شفیع کی طرف چلا گیا۔

(ج)......اگر زمین کی ذات میں نقصان ہو نہ کہ اس پر موجود درختوں اور عمارت میں مثلاً سیلاب غرق کرے اور بعض کو زائل کر دے تو شفیع کو اختیار ہے شفعہ اور باقی کے لینے میں ان کے حصہ کے ثمن دے کر اس لیے کہ اس کا حق کل میں ثابت ہے اور وہ بعض کو لینے کی قدرت ہے لہٰذا اس کے حصہ کے ثمن دے کر لے کیونکہ بعض ہلاک ہو گیا مالکیہ کا مذہب اجماعی طور پر حنفیہ کی طرح ہے ان کے ہاں مشتری مشفوع فیہ کے کسی جزو کے سماوی نقصان کی وجہ سے ضامن نہ ہوگا یا مشتری کی جانب سے کسی مصلحت کی بناء پر نقصان ہوا ہو جیسے تعمیر کی غرض سے گرا دے یا وسیع کرنے کی غرض ہے تو ضامن نہ ہوگا لیکن اگر اس نے گرا کر عمارت دوبارہ تعمیر کر دی تو مشتری کے لیے شفیع پر تعمیر کے دن کی قیمت کھڑی حالت کی کیونکہ تعدی نہیں پائی گئی اور شفیع کے لیے ثمن میں حساب ہوگا ملبہ کی قیمت کا خریدنے کے دن پھر اتنا ثمن سے کم کر دیا جائے گا اور باقی وہ ادا کرے گا شوافع اور حنابلہ کے ہاں: اگر مشتری کے قبضہ میں شئی مشفوع غیر یا بعض تلف ہو جائے تو وہ اس کا ضامن ہے کیونکہ یہ اس کی ملکیت ہے اور اس کے قبضہ میں تلف ہوتی ہے۔

اگر شفیع تلف کے بعد باقی حصہ کو لینا چاہے تو موجود کو اس کے ثمن دے کر لے لے چاہے تلف اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہوا ہو یا آدمی کے فعل سے چاہے مشتری کے اختیار سے تلف ہوا ہو جیسے عمارت توڑنا یا اس کے اختیار کے بغیر جیسے عمارت کا گر جانا اور ملبہ اگر موجود ہو تو شفیع اسے زمین کے ساتھ ثمن دے کر وصول کر لے گا اور اگر معدوم ہو تو پھر زمین اور باقی عمارت۔

آٹھویں بحث: شفعہ ساقط کرنے کے اسباب...... جو اسباب حق شفعہ کو ساقط کرتے ہیں وہ شفعہ کی شرائط میں معلوم ہو چکے ہیں اسی وجہ سے مختصر کلام ہوگا یہاں پر اسباب اسقاط یہ ہیں۔

ا۔ جس زمین کی وجہ سے شفیع شفعہ کر رہا تھا اسے فروخت کر دینا فیصلہ سے پہلے...... اگر شفیع شفعہ کے علم سے پہلے یا علم کے بعد اس عقار کو فروخت کر دے جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا حق رکھتا تھا تو اس کا شفعہ ساقط ہو جائے گا تمام فقہاء کے ہاں بالا تفاق ابن حزم ظاہری کے علاوہ اس لیے کہ وہ سبب زائل ہو گیا جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا مستحق تھا یعنی وہ ملکیت جس کے سبب ضرر کا خوف تھا اس شفعہ کا باطل ہونا ایک منطقی اور بدیہی چیز ہے کیونکہ شفیع سے ضرر ختم ہو گیا جس کی وجہ سے شفعہ مشروع تھا بالاتفاق فقہاء یا پڑوس کی وجہ سے۔

۲۔ شفعہ چھوڑ دینا یا اس سے اعراض...... چاہے اس میں اپنے حق کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو صراحۃً یا دلالۃً اور ضمناً اس لیے کہ حق شفعہ ضعیف حق ہے ہلکے اسباب سے بھی ساقط ہو جاتا ہے اور یہ مذاہب اربعہ میں ہے رہ گیا صراحۃً شفعہ کو سپرد کرنا مثلاً شفیع کہے مجھے اس میں رغبت نہیں یا میں شفعہ کا ارادہ نہیں رکھتا یا میں اسے ساقط کرتا ہوں یا میں اسے باطل کرتا ہوں یا میں اس سے تجھے بری کرتا ہوں یا میں معاف کرتا ہوں یا میں اسے سپرد کرتا ہوں وغیرہ جب کہ یہ سپرد کرنا بیع کے بعد ہو اور شفعہ کا فیصلہ صادر ہونے سے پہلے اس لیے کہ بیع سے پہلے اس کا کوئی حق ہی نہیں جسے ساقط کیا جائے، اور فیصلہ کے بعد وہ اسے ساقط کرنے کا مالک نہیں الا یہ کہ ایسا عقد کرے جو ملکیت کو نقل کر دے رہ گیا دلالۃ شفیع کو سپرد کرنا شفیع سے ایسی بات ظاہر ہو جو عقد پر رضا مندی کو اور مشتری کے لیے اس کے ہونے کو ظاہر کرے مثلاً طلب مواثبہ یا طلب تقریر کو بیع کے علم کے بعد قدرت ہونے کے باوجود چھوڑ دینا کہ فی الفور طلب نہ کرے یا جس مجلس میں اسے علم ہوا اس سے کھڑا ہو جائے یا کوئی اور کام شروع کر دے اس لیے کہ طلب ترک کرنا قدرت کے باوجود عقد کی رضا مندی پر دلیل ہے یا مثلاً شفیع مشتری سے اس کی خریدی ہوئی چیز کے بارے میں سودا شروع کر دے یا اس سے اجارہ کرے اس لیے کہ اس کا بھاؤ تاؤ لگانا شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے یا شفیع بائع کا وکیل ہو لیکن اگر شفیع مشتری کا وکیل ہو تو پھر اسے شفعہ کا اختیار ہے اس لیے کہ شفعہ کے طور پر لینے سے اس کا خریدنا ختم ہو جائے گا اس لیے کہ یہ خریدنے کے مثل ہے یہ تفصیل حنفیہ اور بعض حنابلہ اور بعض شوافع کے ہاں ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں راجح قول یہ ہے کہ جب شفیع بیع میں وکیل بن جائے تو اس سے شفعہ ساقط نہیں ہوتا چاہے وہ بائع کا وکیل ہو یا مشتری کا اس لیے کہ وہ وکیل ہے اس کا شفعہ نہیں ساقط ہوتا دوسرے کی طرح رہ گئی تہمت تو وہ مؤثر نہیں اس لیے کہ مؤکل نے ثبوت شفعہ جانتے ہوئے اس کے تصرف پر راضی ہو کر ایسا کیا ہے لہٰذا یہ اثر انداز نہیں ہوگا۔ یہاں شفعہ سپرد کرنے میں دو چیزیں ہیں ایک ولی کا بچہ کے شفعہ کو سپرد کرنا دوسرا شفعہ سے صلح۔

(الف)...... ولی کا شفعہ سپرد کرنا طلب شفعہ کی بحث میں میں نے اس کی وضاحت مختصر انداز میں کر دی ہے شیخین کے ہاں [1] والد یا وصی کا بچہ کے شفعہ کو چھوڑ دینا جائز ہے اس کا حق اس وقت ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ شفعہ کے طور پر لینا تجارت کے معنی میں ہے بلکہ عین تجارت ہے اس لیے کہ مبادلہ ہے مال کے مال کے ساتھ اور اس کو چھوڑنا تجارت کو چھوڑنا ہے تو ولی اس کا مالک ہے جیسے ترک تجارت کا مالک ہے بچے کے لیے کسی شئی کو فروخت کر کے واپس کر لینا جب اب سے کیا جائے یہ مال میں تمہیں تمہارے چھوٹے بچے کے لیے فروخت کرتا ہوں نیز شفعہ نفع اور نقصان میں دائر تصرف کا نام ہے اور کبھی مصلحت کا نہ خریدنے میں ہوتی ہے لہٰذا ثمن اس کی ملکیت میں رہیں گے اور ولایت شفقت کی بنیاد پر ہے۔

مالکیہ نے اس میں تفصیل کی ہے اگر ترک شفعہ کسی مقصود کی وجہ سے ہو تو والد اور وصی کا اسے ساقط کرنا صحیح ہے ورنہ نہیں اور قاصر کے لیے

---

[1]...... تبیین الحقائق ۵/۲۶۳

جب بالغ ہو طلب شفعہ ہے۔امام زفر محمد اور حنابلہ کے ہاں ولی کو بچے کے شفعہ کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں چاہے کسی مصلحت کی وجہ سے ہو یا نہ ہو اور صغیر کو بالغ ہونے تک شفعہ کا اختیار ہے ولی اس کے باطل کرنے کا مالک نہیں جیسا کہ اس کی دیت قصاص وغیرہ نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ یہ ضرر دفع کرنے کے لیے مشروع ہے پس اس کا باطل کرنا بچے کا نقصان ہے۔

حنفیہ کے ہاں یہ اختلاف وکیل کا طلب شفعہ کو چھوڑنے میں بھی جاری ہوتا ہے امام ابوحنیفہ کے ہاں قاضی کی مجلس میں اگر اس نے عقد چھوڑ دیا تو یہ درست ہے اس لیے کہ وکیل مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے خصومت میں اور اس کا محل قاضی کی مجلس ہے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وکیل کے لیے قاضی کی مجلس اور اس کے علاوہ بھی شفعہ چھوڑنا صحیح ہے کیونکہ یہ مؤکل کا نائب ہے امام محمد اور امام زفر کے ہاں وکیل کی جانب سے شفعہ چھوڑنا بالکل درست نہیں۔

(ب) شفعہ سے صلح......حنفیہ کے ہاں [1] اگر شفیع نے اپنے حق شفعہ سے صلح کر لیا عوض لے کر تو اس کا شفعہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کا فعل عوض کے متضمن ہو گیا ہے اور اس پر عوض کرنا واجب ہے کیونکہ صلح باطل حق کو فروخت کرے اس لیے کہ شفعہ صرف حق تملک ہے جب کہ یہ شفیع سے نقصان دور کرنے کے لیے مشروع ہے۔اس حق کے بدلہ میں عوض لینا درست نہیں اور یہ عوض رشوت ہے۔

خلاصہ یہ کہ صلح تو اگر چہ صحیح نہیں لیکن حق شفعہ کا ساقط ہونا صحیح ہے اس لیے کہ اس کی صحت عوض پر موقوف نہیں بلکہ وہ تو حقوق مالیہ میں سے ہے اس کا معاوضہ لینا درست نہیں گویا شفیع نے شفعہ بلا عوض چھوڑ دیا۔

۳۔ضمان درک......حنفیہ کے ہاں جب شفیع مشتری کے لیے بائع کی جانب سے درک کا ضامن بن گیا تو شفعہ ساقط ہو گیا اس لیے کہ یہ اس نئی بیع کی رضامندی پر دلیل ہے جیسا کہ جب بائع خیار شرط رکھے شفیع کے لیے بیع ہونے میں پھر بیع ہو جائے خیار کے بعد پر تو اب بیع مکمل ہو گئی اور یہ میرے علم کے مطابق اتباع کے زیادہ لائق رائے ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... جب شفیع عہدہ اور ضمان درک کا ضامن بن جائے مشتری کے لیے تو اس سے شفعہ ساقط نہیں ہوتا یا اس کے لیے خیار ہو وہ عقد ہونے کو اختیار کرے تو اس کا شفعہ ساقط نہیں ہوتا اس لیے کہ شفعہ ساقط ہوتا ہے اسے بیع کے ذریعہ ثابت ہونے کے بعد اور یہ بات پائی نہیں گئی اس لیے کہ یہ سبب ہے جو ثبوت شفعہ سے پہلے ہے پس اس سے شفعہ ساقط نہیں ہو گا جیسے بیع کی اجازت اور بیع مکمل ہونے سے پہلے شفعہ معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔

۴۔شئی مشفوع میں اجزاء......فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شفعہ ایک ایسا حق ہے جو اجزاء ہونے کو قبول نہیں کرتا جب شفیع بعض مثلاً نصف حصہ میں شفعہ کرنا چھوڑ دے تو کل مبیع میں اس کا حق ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ جب اس نے نصف میں اپنا حق چھوڑا تو اس میں صریح طور پر اس کا حق باطل ہو گیا اور اس لیے کہ وہ مشتری پر تفریق صفقہ کا مالک نہیں لہٰذا کل میں شفعہ ساقط ہو جائے گا مشتری کے ضرر کو روکتے ہوئے جو تفریق صفقہ کی وجہ سے اور ضرر کو ضرر سے زائل نہیں کیا جاتا لیکن جیسا کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے اور احناف کے ہاں یہی رائے راجح ہے نصف مشفوع غیر میں طلب کی وجہ سے شفعہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ شفیع کو اختیار ہو گا کہ کل لے لے یا کل کو چھوڑ دے اور جب شفعاء زیادہ ہوں تو ان میں سے بعض کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو ہبہ کر دے اگر کسی ایک نے ایسا کیا تو اس کا شفعہ ساقط ہو جائے گا م (۱۰۴۲) [2] مجلہ اگر ان میں سے کسی ایک نے اپنا حق ساقط کر دیا حاکم کے حکم سے پہلے دوسرے شفیع کو اختیار ہے کہ وہ ساری عقار لے لے لیکن اگر اس نے حاکم کے حکم کے بعد ساقط کیا تو دوسرے کو اس کا حق لینے کا اختیار نہیں م (۱۰۴۳) مجلہ۔

---

[1]......البدائع ۵/ ۲۰۔ [2] البدائع: ۵/۵

۵۔ شفیع کا مر جانا...... حنفیہ کے ہاں شفیع کے مرنے سے حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے چاہے طلب مواثبہ اور شہادت سے پہلے مرے یا بعد میں فیصلہ کر لینے سے پہلے یا مشتری کے سپرد کرنے سے اس لیے کہ حق شفعہ میں میراث جاری نہیں ہوتی جیسے خیار شرط میں اس لیے کہ حقوق میں حنفیہ کے ہاں وراثت جاری نہیں ہوتی نیز موت کی وجہ سے شفیع کی ملکیت زائل ہوگئی اس گھر سے اور بیع کے بعد وارث کے لیے ثابت ہوگئی اور مطلب یہ ہے کہ ملکیت بوقت بیع ثابت ہے البتہ مشتری کے مرنے سے شفعہ باطل نہیں ہوتا کیونکہ مستحق باقی ہے اور اس کے حق کا سبب تبدیل نہیں ہوا۔

ظاہر یہ اور حنابلہ نے تفصیل کی ہے اس معاملہ میں کہ...... شفعہ طلب کرنے سے پہلے شفیع مر گیا تو اس کا شفعہ ساقط ہو گیا ❶ اس کے وارث کو بطور شفعہ لینے کا حق نہیں کسی طرح بھی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حق دیا ہے نہ کے غیر کو اور اختیار میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ لیکن اگر شفیع نے طلب شفعہ پر گواہ بنا دیئے پھر مر گیا تو اس کے ورثاء کو شفعہ کے مطالبہ کا حق ہے اس لیے کہ گواہ عاجز ہونے کی صورت میں اصل کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

یہ تفصیل انہیں مذہب حنفی کے ساتھ اتفاق کی طرف لے جاتی ہے کہ طلب سے پہلے شفعہ میں میراث نہیں مالکیہ اور شوافع کے ہاں ❷ حق شفعہ میں میراث جاری ہوگی اگر شفیع طلب کے بعد اور لینے سے پہلے مر گیا تو شفعہ میں وراثت جاری ہوگی ان کے ہاں اس لیے کہ یہ اختیار ہے جو مال کو لاحق ضرر کو دور کرنے کے لیے ثابت ہے لہٰذا خیار عیب کی طرح میراث ہوگی۔

ظاہر یہ ہے کہ جیسا کہ ان دونوں مذہبوں کے متعلق دوسروں کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حق شفعہ قابل میراث ہے اگر چہ شفیع کی طلب سے پہلے ہی ہو کیونکہ ان کی عبارتیں مطلق ہیں لیکن حق بات یہ ہے کہ شوافع کے ہاں طلب شرط ہے ورنہ شفیع کا حق ساقط ہو جائے گا پس ان کا مذہب حنابلہ کی طرح ہو گیا۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے ہاں طلب کے بعد بھی شفعہ میں میراث جاری نہیں ہوتی اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں جاری ہوتی ہے اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب شفیع شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے مر جائے لیکن اگر وہ فیصلہ کے بعد اور ثمن ادا کرنے اور مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے مر گیا تو بالاتفاق بیع ان کے ورثہ کے لیے لازم ہے۔

شفعہ ساقط کرنے والی چیزوں میں کلام سے ہمارے سامنے درج ذیل حقائق آتے ہیں۔ ❸

۱...... شفعہ حق ضعیف ہے اس کو طلب سے پختہ اور مؤکد کرنا واجب ہے۔

۲...... شفعہ مشروع ہے شفیع کے ضرر کو دور کرنے کے لیے اور وہ شریک ہے تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق اور حنفیہ کے ہاں پڑوسی بھی ہے۔

۳...... شفعہ مشتری کے لیے تفریق صفقہ کے ذریعہ ضرر و نقصان کا سبب نہ بنے کہ جب شفیع شفعہ طلب کرے تو اس میں مبیع کا صرف بعض حصہ لے۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ جلد ۶ کا ترجمہ بفضل اللہ سبحانہ وتعالیٰ مکمل ہوا

رب تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور سامان آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین

بروز منگل بوقت ۱۰ بجے، رات ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ، مطابق ۱۱ مئی ۲۰۱۰ء

---

❶...... المحلی ۹/ ۱۱۷۔ ❷ بدایة المجتهد ۲/ ۲۶۰۔ ❸ الاموال ونظریة العقد للمرحوم موسیٰ: ص ۲۳۸